aazzamm@yahoo.com

وقت کی لہائی صدیوں کے مسافر کی کہانی

ازل سے ابد تک رہنے والے ایک انوکھے دیو ہیکل کی داستان

صدیوں کا مسافر

1

ایم۔اے راحت

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

وقت کی کہانی صدیوں کے مسافر کی زبانی

ازل سے ابد تک زندہ رہنے والے ایک انوکھے دیدہ ور کی داستان

صدیوں کا مسافر

3168
Shah
SA

1

ایم۔اے راحت

گلوبل پبلی کیشنز لاہور

Scanned by azamm@UrduFanz.com

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

جملہ حقوق بحق ناشر دائمی محفوظ ہیں

۲۰۰۱

ناشر: مبین ڈھاکہ

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

aleeraza@hotmail.com

خالد ایوب مارکیٹ اردو بازار لاہور

Scanned by azamm@UrduFanz.com

صدیوں کا مسافر ۔ زمانہ قدیم کی داستان ہے۔

ہم اسے انسانی کہانی کہہ سکتے ہیں جب انسان نے خود کو دانش کے عدسے سے دیکھا اپنے وجود کو پہچانا اور تہذیب و تمدن کی جانب قدم بڑھائے انسان فانی ہے اور وقت کا ساتھ نہیں دے سکتا کیونکہ وقت لافانی ہے چنانچہ وقت کو سمجھ جانا یہ داستان تہذیب کے ارتقا کے ساتھ ساتھ سفر کرتی ہے۔ ماضی میں اسے میں نے صدیوں کا بھکاری کے نام سے لکھا تھا۔

اس کے کچھ ابواب ناقص رہ گئے تھے جو میں نے بعد میں لکھے۔ یہی ابواب فہد نگر کے طور پر پیش خدمت ہیں۔ اپنے وقت کی عظیم داستان جو کئی ممالک میں تھیلی ہوئی ایک بار پھر آپ کی خدمت۔ صدیوں کے مسافر کے ہمراہ صدیوں کا سفر کیجئے۔

ایم۔ اے بدر

aazzamm@yahoo.com

یونیورسٹی آف ایڈیمرا میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ دنیا کے بہت سے ممالک کے اسکالر یہاں پہنچ چکے تھے۔ بڑے بڑے محقق بڑے بڑے سائنسدان، ماہر نفسیات اور مختلف عہدوں کے لوگ جمع تھے۔ ایک ایسی شخصیت یہاں آنے والی تھی جسے ایک افسانوی کردار کہا جاسکتا تھا۔ یہ صدیوں کا مسافر تھا۔ اور جو شخصیت سامنے آئی تھی وہ ایک انتہائی ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ میں صدیوں کا مسافر ہوں۔ سب سے بڑا دیدہ ور۔

پریس فوٹو گرافر اور صحافی بڑی تعداد میں جمع تھے۔ رسمی کاروائیوں کے بعد صحافیوں نے سوالات کی بوچھاڑ کردی تو معزز مہمان نے کہا۔

''میں نے جو داستان آپ لوگوں کو سنائی وہ نہ تو افسانہ تھی نہ میری اپنی تراشی ہوئی۔ وہ ہسٹری آف سولائزیشن تھی وہ انسان کی تاریخ تھی اور صدیوں کے مسافر نے جن ادوار میں سفر کر کے یہ داستان مرتب کی تھی وہ کائنات کی تاریخ کے روشن راستے ہیں جنہیں تاریخ سے منسلک کتابوں میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ یہ تو سب سے بڑے دیدہ ور کی تحریر ہے جسے آپ میں سے کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔''

''یعنی وقت کی۔؟'' کسی نے سوال کیا۔

''ہاں... میں صدیوں کی تخلیق ہوں۔ یا یوں کہہ لیں کہ صدیاں میری تخلیق ہیں۔ بات ایک ہی ہو جاتی ہے۔''

''لیکن آپ نے خود کو ایک کردار بنا کر پیش کیا جبکہ آپ صرف ایک تصور ہیں۔'' ایک صحافی نے کہا۔

''آپ انسان ہیں نا..... اگر میں کسی لکڑ ہگے کی آواز میں آپ کو کوئی داستان سنانا شروع کر دوں تو آپ کی سمجھ میں آئے گی۔''

''نہیں۔''

''وقت کی اپنی کوئی زبان نہیں ہے۔ میں نے یہ داستان ایک انسان کی زبان میں سنائی اور اسے میں نے انسان ہی کی زبان میں آپ تک پہنچایا۔''

''آپ وقت کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔؟''

یہی کہ میں صدیوں کا مسافر ہوں۔ میں آگے بڑھ جاؤں گا اور صدیاں پیچھے رہ جائیں گی۔ یہ وقت کی پیش گوئی ہے۔ صدیوں کا مسافر کی پیشگوئی۔''

''آپ نے اپنی داستان کی انتہا کر دی تھی اس کے بعد کیا ہوا۔

''ہونا کیا تھا۔ حالات نے ثابت کر دیا کہ وقت کی پیش گوئی درست تھی، وہ بھٹکے ہوئے مسافروں کی مانند برف کے وسیع میدانوں میں سفر کر رہے تھے۔ لیکن ان کے قدموں میں لغزش تھی، ان کے ذہن ان کے قابو میں نہیں تھے، تب انہوں نے صدیوں کے بعد موجودہ دور کے انسانوں کو دیکھا، برف کے رہنے والے زندگی کا بوجھ اٹھائے رواں دواں تھے۔ وجود کی ضرورتوں سے نڈھال پژمردہ سے یہ لوگ انہیں ایک آنکھ نہ بھائے ان کے تو ذہن ہی بدل گئے تھے انہوں نے تو انسان کی نمود دیکھی تھی، اس کا عروج و زوال دیکھا تھا، ماضی، حال اور مستقبل دیکھا تھا، انسان ان کی نگاہوں میں کچھ نہیں رہا تھا، یہ وہ تھے جو اپنے ہاتھوں گڑھے کھود رہے تھے اور ایک دن وہ ان گڑھوں میں ایسے گریں گے کہ پھر ان کا وجود قصہ پارینہ بن جائے گا۔ وہ قدیم عجائب گھروں میں نظر آئیں گے، آہ، یہ انکا مستقبل ہے۔

کھوئے ہوئے انسان برف کی بستی میں داخل ہو گئے، نہ جانے کونسی بستی تھی، نہ جانے کونسا علاقہ تھا، ان کا دل نہ چاہا کہ بستی والوں سے ان کے بارے میں معلوم کریں، بس کوئی خواہش نہیں تھی کوئی امنگ نہیں تھی، وجود پر ایک بھاری بوجھ تھا، ایسا بوجھ جسے، اتار پھینکنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

تھکے تھکے سے وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ انہیں بھوک لگ رہی تھی، لیکن کوئی چیز کھانے کو دل بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ پروفیسر خاور نے اپنی دونوں بچیوں کی طرف دیکھا، فروزاں اور فرزانہ کے چہرے بھی ستے ہوئے تھے۔

مجھے تعجب ہے، پروفیسر نے نڈھال آواز میں کہا۔ اور دونوں اسے دیکھنے لگیں۔

''کس بات پر پاپا۔؟'' فرزانہ نے پوچھا۔

''تمہارے چہروں پر وہ خوشی نہیں ہے۔ وہ بشاشت نہیں ہے جو صدیوں کے قید کے بعد رہائی مل جانے پر ہونی چاہیے تھی۔'' پروفیسر نے جواب دیا۔

''رہائی۔'' فروزاں پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولی اور پروفیسر گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا! تب فروزاں فرزانہ کی جانب متوجہ ہوگئی، تم اس سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار کرو گی فرزانہ۔''

Shah... Library

Scanned by azamm@UrduFanz.com

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

Scanned by azamm@UrduFanz.com

"ہیں، میں کیا کہوں باجی۔"

"کچھ بھی کہو، جو تاثر ذہن میں ہو بتاؤ، ہم اپنے باپ کے سامنے ہیں۔"

"جو کچھ گزری ہے باجی، جو کچھ ہوا ہے اس کے بعد صرف مر جانے کو جی چاہتا ہے۔ کسی ویرانے میں سو جانے کو جی چاہتا ہے۔ اس کی مانند، جو وقت تھا، آہ کس قدر خوش نصیب ہے، وہ صرف دیکھنے والا عمل زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں، کس قدر حاوی ہوتا ہے وہ حالات پر کس قدر قادر ہے وہ احول پر، آہ باجی اس سے دور ہونے کے بعد ہم خود کو کس قدر کمتر محسوس کرتے ہیں۔ باجی کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم دوبارہ اس طلسم میں کھو جائیں۔ ایک بار پھر وہ ماضی کے دریچے ہم پر وا کر دے۔"

"گیا وقت کہاں ہاتھ آتا ہے پگلیو۔" پروفیسر کی آواز میں بھی حسرت تھی۔

"ہم ابھی دور نہیں نکلے ہیں، وہ بھی انہیں ویرانوں میں کہیں بھٹک رہا ہوگا، اسے تلاش کریں پاپا، اسے تلاش کریں، اس کی منت کریں کہ ہم پر رحم کرے، ہمیں خود میں سمو لے، ہمیں اپنے دوش پر سوار کر کے ماضی کے جزیروں میں لے جائے۔ جہاں وہ ہو وہاں ہم رہیں، یہاں تک کہ ہمارے بال سفید ہو جائیں، ہمارے سانسوں کی میعاد پوری ہو جائے اور پھر ہم وقت کی آغوش میں دم توڑ دیں۔ ہاں ہم اس کی کہانیاں سنتے سنتے سو جائیں، گہری نیند اور پھر روز قیامت ہی جاگنا نصیب ہو۔"

"یہ ممکن نہیں ہے فروزاں، یہ بہت مشکل ہے۔"

"وہ موجود ہے، اور موجود رہے گا، خالق کائنات نے اسے ابدیت بخشی ہے اور تلاش سے صلہ ضرور ملتا ہے، طلب صادق ضرور پوری ہوتی ہے، ہم کوشش تو کریں، ہم اسے پکاریں تو سہی۔" فروزاں نے کہا، اور پروفیسر عجیب سی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔ پھر اس نے گردن جھٹک دی۔

"مرتب کا کیسا خیال ہے پاپا، صاف گوئی شرط ہے۔" فروزاں نے بھی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"میں؟" پروفیسر کی آنکھیں خلا میں گھورنے لگیں۔ "میں بھی عجیب کیفیت کا شکار ہوں فروزاں، اس کے ساتھ گزاری ہوئی صدیاں، یا لمحے حیات افروز تھے، وہ ہمیں قدیم ماحول میں لے جاتا تھا، وہ اس ماحول کا ایک کردار ہوتا تھا اور ہم اس کی آنکھوں سے اس ماحول کو دیکھتے تھے۔ وہ سب کچھ ہمارے سامنے ہوتا، جو وہ بیان کرتا اور یوں صدیوں کے راز ہم پر آشکار ہو جاتے تھے۔ آہ ہم نے قدیم دور میں کس قدر مسافت طے کی ہے۔ فروزاں کیا تم فرعون کے دور کے ایک ایک کھنڈر کو پہچان لو گی، کیا تم بابل اور نینوا کی تہذیب کے رازوں کا انکشاف نہیں کر سکتیں۔ کیا تم یونان کے باشندوں کے ایک ایک نقش سے واقف نہیں ہو۔ بولو کوئی ہے جو ماضی میں سفر کر چکا ہو، میں نے انسان کی انتہا دیکھی ہے، کیا ہم اس قابل ہو گئے ہیں فروزاں کہ اب انسانوں کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔ اور اگر ہم ان کے ساتھ بسر کرنے کی کوشش بھی کریں، تو کیا ان میں رہ کر ہمارا دم نہیں گھٹ جائے گا، یاد کرو فروزاں اس ماحول کو، ان لوگوں کو جو ہمارے ساتھی تھے، کس قدر نفسا نفسی کا عالم تھا، کس طرح انسان ایک دوسرے سے بیزار تھے، کیا وہ ہماری بات سنیں گے، کیا وہ ہمارے جانے کو جائیں گے، اسے مان لیں گے، اگر ہم انہیں مستقبل کی تصویر دکھا کر آگاہ کریں گے تو کیا وہ ماننے والوں میں ہوں گے، کوئی نہیں سنے گا، کوئی نہیں مانے گا، ایک ایک سانس دوبھر ہو جائے گی۔ ایک ایک لمحہ صدیاں بن جائے گا، بڑی مشکل ہو جائے گی میری بچیو، بڑی مشکل ہو جائے گی۔"

"اوہ پاپا، کچھ لوگ ادھر آ رہے ہیں۔" فرزانہ نے سامنے اشارہ کیا، بستی والے اس جانب آ رہے تھے، چھ آدمی تھے جو ان کے قریب پہنچ گئے۔

"کیا تم سیاح ہو، یا مصیبت زدہ، کون ہو تم لوگ اور ان اطراف میں کیا تلاش کر رہے ہو؟"

"ہاں ہم مصیبت زدہ ہیں، بھٹک کر ادھر آ نکلے ہیں۔ کیا تم ہماری مدد کرو گے، ہمیں کھانا کھلاؤ گے!"

"ہاں، لیکن اس کے عوض تم ہمیں تمباکو دو گے، کیا تمہارے پاس خریداری کرنے کے لئے سونا یا کرنسی موجود ہے؟" سوال کیا گیا۔

"نہیں ہم مصیبت زدہ ہیں، ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔" پروفیسر نے جواب دیا۔ "ہاں ہم تمہیں نصیحت ضرور کریں گے۔ ہم تمہیں ایسی باتیں بتائیں گے کہ تم ہمیشہ یاد کرو گے، ہم تمہیں زندگی کے اہم راز بتائیں گے، ہم بتائیں گے تمہیں کہ تمہارا بچپن تمہارے لئے قاتل ہے اور تم مستقبل کے تاریک گڑھوں میں ایسے گرو گے کہ تمہارا وجود مٹ جائے گا!"

"اور کیا بتاؤ گے؟" ان میں سے ایک نے مضحکانہ انداز میں پوچھا۔

"ہم وہ بتائیں گے تمہیں کہ اس کے بعد کچھ جاننے کی آرزو نہیں رہے گی۔"

"اور اس کے عوض روٹی مانگو گے، کیوں؟"

"کیا تمہیں یہ سودا منظور نہیں؟" پروفیسر غاور نے پوچھا۔

"بھاٹ گھاٹے کا سودا ہے، تمہاری نصیحتیں بھی سنیں اور تمہیں کھانے کو بھی دیں، مان لیں۔ کہ اس کے بعد جاننے کی آرزو ہی نہ رہے، واہ کیا عمدہ بات ہے، سب کچھ جان لیں گے تو اس کے بعد زندہ رہنے کے لئے کیا رہ جائے گا، ہاں اگر تمباکو ہو تمہارے پاس تو ٹھیک ہے، تمہیں خوراک مل جائے گی!"

aazzamm@yahoo.com

"نہیں تباکو نہیں ہے ہمارے پاس" پروفیسر نے اذیت زدہ لہجے میں جواب دیا۔

"تب پھر تمہارا خدا حافظ، بے فکر ہو، یہاں تمہیں کچھ نہیں ملے گا، کوئی تمہارا دوست تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا" وہ واپس لوٹ گئے، اور پروفیسر حیرت بھری نگاہوں سے انہیں جاتے دیکھتا رہا۔ پھر جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو پروفیسر گہری سانس لے کر لڑکیوں کی طرف دیکھا۔

"تم نے دیکھا وہ تمباکو کی تلاش میں آئے تھے، انہیں تمباکو نہیں ملا تو وہ واپس چلے گئے، بے سوچے بغیر کہ کچھ لوگ بھوکے ہیں۔ یہی ہے ہماری دنیا اور یہ اس کی پہچان ہے، کہ بہتر ہے، وہ غار جہاں کہانیاں تھیں اور زندگی کی یہ شکل نہ تھی، ہاں فروزاں فرزانہ میں اس دنیا میں نہیں جی سکتا ... مجھے وقت کی تلاش ہے۔ میں پھر اس کی آغوش میں جانا چاہتا ہوں۔ اگر ہم اسے نہ پا سکے تب بھی نجات اس میں ہے کہ ہم اس برف میں دفن ہو جائیں۔ تاکہ قیامت کے روز جب وقت کا اختتام ہو جائے تو ہم اس کے ساتھی ہوں۔ واپس چلو فروزاں، یہ دنیا ہمارے قابل نہیں ہے۔"

اور رات گئے وہ برف کے ویرانوں میں اپنے قدموں کے نشان تلاش کرتے ہوئے کراس کی بستی واصل زندگی تھی اور زندگی کا تصور ان کی نگاہوں میں کچھ اور تھا یعنی وہ وجود جن نے انہیں صدیوں کا علم بخشا تھا تحلیل ہو گیا تھا فضاؤں میں خود کو بتانے کے بعد، لیکن وہ بھول جانے کے خواہش مند تھے، اس کی اصلیت کو اور وہی قصے سننا چاہتے تھے جو ابدی تھے۔ لیکن تلاش کرنا وقت کا آسان نہیں کہ یہ غلام اپنے نقوش چھوڑ جاتا ہے۔ اور عرصہ ہو گیا اس طلب میں لیکن دنیا کا دوسرا رخ ان کے لئے ناقابل قبول تھا اور فیصلہ تھا کہ برف کی اس زمین میں، تھک جائیں گے تو سو جائیں گے۔ تاکہ روزِ نو تر و تازہ اٹھیں اور خوشگوار کیفیات کے دوش بدوش ہوں۔ لیکن وہ جو تلاش کو مجبوریت کا درجہ دیتے ہیں۔ ناکام نہیں رہتے، اپنی کاوشوں میں، سو ایک رات وہ ایک سنسان غار میں داخل ہوئے کہ اوپنے اوپنے ستون تھے، اس کے یوں لگتا تھا جیسے یہ ستون آسمان کی جہت سے جا لگے ہوں، اور درمیان میں اس غار کے ایک عظیم الشان کتاب موجود تھی اور اس کے چوڑے اوراق اڑ رہے تھے، اور حیران کن تھا یہ منظر ان کے لئے کہ کچھ ہے، جس میں کوئی گہرائی مضمر ہے، تو فروزاں نے پروفیسر کی جانب معنی خیز نگاہوں سے دیکھا اور بولی۔ "کیا آپ کو کچھ یاد ہے پاپا!"

"تمہارا اشارہ اس کتاب کی جانب ہے فروزاں!"

"ہاں، اس نے اپنی کتاب کا تذکرہ کیا تھا۔ اور پتھر کی یہ کتاب کیا ذکر نہیں ہے" اگر نہیں تو اس کی تشکیل کس نے کی، اور کیا یہ ایک اشارہ نہیں ہے وقت کی جانب۔"

"لیکن یہ طلسم کدہ" پروفیسر غاور پر خیال انداز میں بولا۔

"آہ کاش یہ ہماری منزل ہو، آہ کاش یہ ہماری طلب صادق کا صلہ ہو، ہمیں اسے قریب سے دیکھنا چاہیئے۔ دور نہ عجیب و غریب جگہ" تب وہ تلاش کرنے لگے کتاب تک پہنچنے کا راستہ، اور دیکھا انہوں نے عقب میں کہ چند سیڑھیاں بلندی تک گئی ہیں۔ اور ان کے ذریعہ بہ آسانی کتاب تک پہنچا جا سکتا ہے، تب انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے اور سیڑھیوں کی جانب قدم بڑھایا، لیکن ان کا قد بہت چھوٹا تھا، ان اوراق سے یوں وہ بلندی پر پہنچ کر کتاب کے بالکل نزدیک پہنچ گئے اور اس پر بھرے ہوئے الفاظ چیونٹیوں کی مانند تھے تاہم انہوں نے اس تحریر کو پہچانا کہ وقت تھی اور ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا ... لیکن دفعتاً وقت کی دیوار ان کے سروں پر آ رہی، وقت الٹ گیا تھا اور وہ اس میں دب گئے، لیکن بڑا لطیف دباؤ تھا اس کا اور یوں لگتا تھا جیسے پرسکون غواصوں کی ایک دیوار ہو اور ایسی سکون بخش بس سو جانے کو جی چاہے۔ لیکن جب آنکھ کھلی تو انہوں نے محسوس کیا کہ وہ ایک الگ جگہ موجود ہیں، اور یہ الگ جگہ نہ جانے کیوں جانی پہچانی محسوس ہو رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اس کو پہلے بھی دیکھ چکے ہوں لطیف ہوا کے جھونکے چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے اور وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران تھے۔

"کیا ہمارے وجود میں زندگی کی علامت ہے" فروزاں نے سوال کیا۔

"ہم سانس لے رہے ہیں، اور وجود کا یہ زیر و بم ہی زندگی کا راز ہے" فروزاں بولی!

"کیا آپ بھی سانس لے رہے ہیں پاپا!"

"ہاں، بشریت کے دائرے لامحدود ہیں اور وہ جو پہاڑوں میں غاروں میں عبادت الٰہی کرتے ہیں اور دنیا ترک کر دیتے ہیں، بلاشبہ فیض پاتے ہیں کہ جذبے کی منازل ہوتی ہیں، طلب و عقیدت اور تحقیق ان منازل کے راستے ہیں، اور یہ راستے کھلے ہوئے ہیں بشرطیکہ کوئی ان پر چلنے کا ہنر جانے، جو کچھ کیا اس نے وہ درست تھا اور اس جگہ کو پہچانو اگر تمہاری یادداشت تمہارا ساتھ دے سکے کہ یہ ہو۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ وقت کی جو کہانیاں تم نے سنی ہیں ان میں اس جگہ کا کیا مقام ہے۔"

دونوں لڑکیاں خیالات میں گم ہو گئیں، دیر تک سوچتی رہیں پھر کھڑی ہو گئیں، "کیا ہم یہاں ایک چکر لگا لیں!"

"ضرور، اور مجھے بتاؤ کہ یہ کونسی جگہ ہے" پروفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا، اور دونوں لڑکیاں اس طلسم گاہ میں چکرانے لگیں۔ انہوں نے اس کا جائزہ لیا پروفیسر ان کے ساتھ ہی تھا، تب وہ ایک تہہ خانے میں پہنچ گئے کہ عجیب جگہ تھی۔ ساری دیواریں چمکتی ہوئے والے شیشوں کی تھیں۔ اور لاتعداد پہلو نظر آ رہے تھے کہ

کسی کا تعین مشکل تھا، کہ فروزاں چیخ پڑی۔

"آہ تقدیر ہنستی ہوئی بات لگتا ہوں کے سامنے آ گئی، پاپا! کیا یہ سلاؤس کا دانشکدہ نہیں ہے!"

پروفیسر غاور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے کہا کہ یہ سمجھانے والے کا کمال ہے، اور اس نے جو تصویر کھینچی، وہ ذہن پر نقش ہو گئی، ہاں یہ وہی دانشکدہ ہے جس کے ہر پہلو میں ماضی حال مستقبل پوشیدہ ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ طلب کا انعام ہے۔ بارگاہ خداوندی سے اور ہم اسے ضرور پائیں گے، جو ہمارے ذہنوں میں پوشیدہ ہے۔ لیکن کیا تم تیار ہو ماضی میں کھونے کے لئے!"

"طلب زندگی سے زیادہ قیمتی ہے اور یہ دنیا ہیچ ہے ہماری نگاہوں میں، ہمیں ماضی میں لے چلو پاپا خواہ کچھ بھی ہو جائے!" اور پروفیسر نے ذہن پر زور دیا اور پھر متجسس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

پھر اس نے کہا "لیکن سلاؤس تو اپنے دانشکدہ میں واپس آ گیا تھا"

"ہاں، اس نے ہی بتایا تھا، مستقبل کی دنیا اسے راس نہیں آئی تھی اور وہ وہاں سے اکتا کر چلا آیا تھا۔ اسے چھوڑ کر" فروزاں نے جواب دیا۔

"تو بہتر ہے سلاؤس کو تلاش کریں کہ وہ دیوتا تھا ممکن ہے وہ ہمیں اس زاویئے سے آگاہ کر دے جس سے گزر کر ہم اس تک پہنچ جائیں تو فروزاں ہماری تلاش نے ہمیں یہاں تک پہنچایا ہے تو وہ آگے بھی مدد کرے گی!"

تب وہ دانشکدے سے نکل آئے اور اس کے بعد غاروں کی اس دنیا کی چھان بین کرنے لگے۔ انہوں نے ایک سمت انتخاب کی اور وہاں سے یکے بعد دیگرے دوسری جگہوں کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، غار در غار یہ دنیا نہ جانے کہاں تک پھیلی ہوئی تھی لیکن اس نے بہت تفصیل سے غاروں کی کہانی ـــــ سنائی تھی وہ اس طرح ذہن نشین ہو چکی تھی کہ اجنبی نہیں لگتی تھی، تب وہ ایک ایسے غار میں پہنچ گئے، جہاں کا ماحول بھید پراسرار تھا۔

دیواروں میں مخمور وارفتہ نصب تھے جن سے لطیف دھواں اٹھ رہا تھا، عجیب عجیب خوشبویات جگمگاتی پھر رہی تھیں ایسا خوابناک ماحول تھا کہ سو جانے کو جی چاہے، اور ایک الوکھا سحر طاری ہوتا تھا۔ یہاں داخل ہونے پر۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ ایک مخصوص جگہ ہے ان غاروں میں، تب ان کی نگاہ خالی غار کے بیچوں بیچ رکھے ہوئے سیاہ رنگ کے ایک تابوت پر پڑی اور اس تابوت کے سامنے چند اوراق رکھے ہوئے تھے۔

چند ساعت وہ اس طلسم میں کھوئے رہے اور پھر پروفیسر غاور نے چونکا "ضرور اس تابوت میں کوئی گہرا راز ہے ہم اسے دیکھے بغیر نہ رہ سکیں گے، یا تم خوف محسوس کر رہی ہو!" اس نے لڑکیوں کی طرف دیکھا۔

"ہرگز نہیں پاپا، یوں لگتا ہے، جیسے ہم اب ان محسوسات کی دنیا سے بہت دور نکل آئے ہیں۔ اب ہمیں کوئی خوف محسوس نہیں ہوتا"

"تو آؤ دیکھیں ان اوراق میں کیا ہے، یا پھر پہلے اس تابوت کا ڈھکن اٹھایا جائے، آؤ میری مدد کرو" پروفیسر غاور بستہ قدموں سے تابوت کی طرف بڑھ گیا۔ دونوں لڑکیاں اس کے ساتھ تھیں۔ تب اس نے عظیم الشان تابوت کا ڈھکن اٹھایا، بخور کی نفیس اور ہلکی خوشبو کا بنا ہوا تھا، اور اندر دیکھا، ایک جسم خاکی فوخواب تھا، پراثر چہرہ لمبی ڈاڑھی، بدن کا لباس وقت کی ترتیب کھو چکا تھا، اور سانسوں کے لطیف جھونکوں سے جو منتشر ہو گیا تھا۔ یہ کیفیت بدن کی تھی اور عجیب پرکیف منظر تھا۔ "دیکھئے یہ کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی" تب پروفیسر غاور نے ڈھکن بند کر دیا۔

"بہتر ہے سونے والے کی نیند میں خلل انداز نہ ہوا جائے آؤ ان اوراق کو دیکھیں، یہ کیا کہتے ہیں۔ پروفیسر نے احتیاط کے ساتھ تابوت کے سرہانے رکھے کاغذات اٹھائے اور انہیں سنبھالتے ہوئے وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں روشنی تھی۔ یہاں بیٹھ کر پروفیسر نے پہلا کاغذ اٹھایا، ایک جگمگاتی روشنائی سے ایک تحریر لکھی ہوئی تھی، پروفیسر نے بلند آواز میں پڑھنا شروع کر دیا۔

"تقاضائے آدم تدریج ہوا ہے، انسان نے اپنے وجود سے آشنائی حاصل کرنے کے علاوہ بہت آہستہ آہستہ طے کئے ہیں، اس کے احساسات کو الفاظی شکل ایک طویل عرصہ کے بعد ملی ہے لیکن بنیادی طور پر جو شعور اس کے وجود پر حاوی رہا ہے وہ خیال ہے اور خیال کی زبان یکساں ہے اس خیال نے ابتدا میں اشاراتی رخ اختیار کئے۔ اور ہم نے اپنے مقاصد کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے اپنے اعضا کی جنبش کے سہارے لئے۔ پھر ان جنبشوں کو نام دیئے گئے، اور زبان کے غدود سے نکل کر ادا ہونے والی آوازوں کو اپنی ضرورت میں ڈھال لیا، یوں زبان کو تحریری شکل ملی اور تحریر کی ابتدا بھی نقوش سے ہوئی، لیکن خیال حاوی رہا، ان ساری چیزوں پر یعنی جو محسوس کیا، جو دیکھا، جو سوچا، اسے نزدیک سے اشاروں میں اور دور سے نقوش میں ڈھال لیا اور پھر ان نقوش کی ترتیب بدل کر الفاظ کی شکل اختیار کر گئی، لیکن یہ سب آہستہ آہستہ ہوا اور بنیادی چیز پھر بھی حاوی رہی تھی ساری چیزوں پر یعنی خیال، سو اسے دیکھنے والے خواہ کسی بھی دور میں ہو، کوئی بھی زبان بول اور پڑھ سکتا ہو۔ چشم خیال وا کر اور اس تحریر سے آشنا ہو۔ کہ یہ میرے بارے میں ہے۔ اور نام میرا سلاؤس ہے کہ طویل زندگی پائی تھی میں نے اور لاتعداد تجربات سے گزرا ایسے ایسوں سے شناسائی رہی۔ میری کہ علم و دانش میں مجھ سے کہیں آگے تھے، یوں میں

aazzamm@yahoo.com

ایک ایسے دور میں کرشنا سمائی ہوئی میری ایک انسان عجیب سے اور ہم دونوں گئے مستقبل کی وادیوں میں کہ وہ عجیب تھا۔ اور ناقابل تسخیر تھا سو تسخیر نہ ہوا، وہ کہاں، لیکن میں اس کا ہم پلہ نہیں تھا اور یوں میں نے ساتھ کھو دیا۔ ایک ایسی ذات کا جو سمجھ میں نہ آنے والی تھی، لیکن میں اہل نہ تھا مستقبل کے اقدار کا اور اکتا گیا تھا اور اس کے بعد سے مجھے جستجو رہی کسی شہر کی، اور انسان جب اکتا جاتا ہے تو پھر اسے سکون کی وادیوں کی تلاش ہوتی ہے تو میں نے اختیار کر لیا دیس۔ لیکن میرے دانشکدے کی ترتیب میں کوئی تبدیلی نہیں ہے اور اس کا استعمال جوں کا توں ہے، یعنی اگر ہو سکے۔ یہاں تک کہ جہانات عالم کی سیر درکار ہو تو اس آئینے خانہ میں چلا جا اور تصور کر اس بنیادی شہ کا یعنی خیال، سو جو رخ روشن ہو جائے اس کی سمت بڑھ اور سورج کا رخ دیکھ لے اور یاد رکھ اس رخ کو کہ تیری واپسی کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ یوں دیکھ ماضی حال اور مستقبل کی تصویر کہ یہ انعام ہے تیری کاوشوں کا کہ تو مجھ تک پہنچا۔ میں تیرے لئے خیر کا طالب ہوں۔

سلانوس!

پروفیسر کے چہرے پر مسرت کی کرنیں رقصاں تھیں، اس انوکھی تحریر نے انہیں جو خوشیاں بخشی تھیں وہ ناقابل بیان تھیں۔ فرزانہ اور فیروزاں بھی مسکرا رہی تھیں، تب پروفیسر نے بھاری آواز میں کہا۔

"ہر صاحب علم نے دنیا کو کچھ نہ کچھ۔ ضرور دیا ہے۔ سلانوس نے ہماری کتنی بڑی مشکل حل کی ہے اور اب اس کے بتائے ہوئے نشان کے سہارے ہم اپنی منزل پا سکتے ہیں، لمحات کا یقین گو مشکل کام ہے۔ لیکن میں بھی جاہل انسان نہیں ہوں۔ سلانوس کے علم کی روشنی میں ہم اپنے لئے لمحات کا تعین کر لیں گے۔"

"گویا، گویا ڈیڈی۔" فیروزاں۔ تعجب سے بولی۔

"ہاں فیروزاں، بس یوں سمجھو کہ حالات نے ہمارے لئے وہ راہ فراہم کر دی جس کے ہم کبھی اہتمند تھے۔ تھوڑی سی ذہانت سے ہم منزل پا سکتے ہیں، کیسے جانکار ہیں ہم۔ اور تم کتنے ثبوت چاہو گی اس کی سچائی کے یعنی اس دانشکدے کے بارے میں اس نے جو کچھ بتایا تھا کیا وہ غلط تھا۔؟"

"اس کی تو ہر بات کے ثبوت موجود ہیں ڈیڈی، کوئی غلط بات کی تھی اس نے وہ تو جھوٹ بولنے والوں میں نہیں تھا، لیکن میں نہیں سمجھ سکی، سلانوس کے دانشکدے میں موجود آئینہ خانے سے آپ کیا فائدہ اٹھائیں گے۔؟"

اس کی رہنمائی بھی وہی کر گیا تھا آہ اس کے حسین تصور میں کتنا سکون ہے۔ فیروزاں ہماری تقدیر۔" پروفیسر کے چہرے سے مسرت پھوٹ رہی تھی۔ فرزانہ اور فیروزاں بھی مسرور تھیں گو ان کے

قیمت -/125 روپے
سولہواں سال
پراسرار ہیبت ناک جناتی ناول
یم ہائے راحت
شائع ہو گیا ہے
ناشر
گلوبل پبلی کیشنز لاہور

سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا، لیکن وہ جانتی تھیں کہ پروفیسر بے وجہ مسرور نہیں ہے۔ تب پروفیسر نے کہا۔ "صدیوں پرانے دانشمند اس رہنمائی کے لئے میں تیرا از حد شکر گزار ہوں اور جو کچھ تم لوگوں نے اپنی ذات سے کیا وہ روشن ہے اور ہمیشہ روشن رہے گا۔ تیری اس ذات سے میں رہنمائی حاصل کر رہا ہوں اور اپنا مقصد پا رہا ہوں اور اس کے عوض میں خراج تحسین پیش کرنے کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں، آؤ فیروزاں اور فرزانہ، ہم اپنی زندگی کے اس عجیب تجربے سے روشناس ہوتے جا رہے ہیں۔ اور اگر ہم اس تجربے میں کامیاب ہو گئے تو یوں سمجھو زمین پر بسنے والوں سے ہمارا کوئی تعلق نہ رہے گا۔ اور اگر کسی دور میں ہم دوبارہ زمین والوں کے درمیان پہنچے تو ہمیں وہ سب اجنبی لگیں گے!"

لڑکیوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے پروفیسر کے ساتھ اس غار سے باہر نکل آئیں اور چند ساعت کے بعد وہ دوبارہ اس طلسم آئینہ خانے میں داخل ہو گئے جس کی کچھ عجیب تفصیل بتائی تھی اس نے تب پروفیسر نے اپنے حساب سے سورج کا تعین کیا اور کافی غور و خوض کے بعد سلانوس کی رہنمائی میں اپنے ماضی کے کارنامے اور مضبوطی سے انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے اس انداز میں طرح اس نے کبھی سلانوس کے دور کی کہانی سنائی تھی اور اپنے سے منعکس ہونے والی شعاعوں میں انہوں نے اپنے وجود کو تحلیل ہوتے محسوس کیا یوں کہ وہ ساکت تھے، لیکن جنبش کر رہے تھے، ان کے بدن ہلکی ہوا کی مانند اور اس قدر ہلکے ہو گئے تھے وہ خود اپنی ذات پر تعجب تھا، تب اس کی آواز سنائی دی۔

"جہاز کے سفر کی تیاریاں مکمل ہو گئی تھیں، خود زیر اس نے مجھے کیپٹن کے ساتھ جہاز پر مجھے اطلاع دینے آیا تھا اور اس نے اپنے نائب خاص کو اور جہاز کے کپتان کو میرے بارے میں خصوصی ہدایات دیں، سمندر کی پہلی رات میرے لئے اچھی نہیں تھی۔ لیکن شمالہ کو آسمان پر چمکتا ہوا چاند اور حد نگاہ پھیلے ہوئے سمندر کو دیکھ کر کچھ عجیب احساس ہو رہا تھا۔ اور یہ احساس اس کے جذبے سے نمایاں تھا، اس وقت بھی وہ عرشہ پر میرے نزدیک کھڑی شاید میرے وجود کو بھی فراموش کر چکی تھی۔ دفعتاً

وہ میری جانب مڑی!

"سبوتا، کیا تم ساری زندگی میرے ساتھ رہو گے، تم کہیں مجھ سے دور تو نہیں ہو جاؤ گے؟"

"یہ خیال تمہارے ذہن میں کیوں آیا شمالہ؟" میں نے پوچھا۔

"بس یونہی، زمین و آسمان کی گردش نے زمانے کو ان کو نئے رخ اختیار کئے ہیں، میں اپنی حیات کے اختصار کے بارے میں سوچ رہی تھی، کہیں تم اس کے انداز میں خوف تھا۔

"سبھی داستان گو خاموش ہو گیا یوں لگا جیسے شمالہ کی قربت میں ڈوبے ہوئے اسے اچانک کوئی اور خیال آ گیا ہو، اس نے چونک کر اپنے نزدیک بیٹھے ہوؤں کو دیکھا اور کھوئے ہوئے انداز میں دیر تک دیکھتا رہا جیسے کوئی بھولی بسری بات یاد کر رہا ہو، پھر وہ بری طرح چونک پڑا۔

"تم.... پروفیسر.... تم، آہ اور یہ دونوں لڑکیاں، یہ کیسے ممکن ہے، یہ کیونکر ممکن ہے، میں گزرنے والا ہوں، ماضی حال مستقبل سب کچھ میرا ہے۔ تم نے ماضی کے اوراق کیونکر پلٹ دیئے۔ میں نے حال سے مستقبل میں چھلانگ لگائی تھی۔ میں نے دانشمندوں کے قرب میں صدیوں کا ماضی اور صدیوں کا مستقبل پایا تھا کسی دور کے لئے یہ کیسے ممکن ہے۔؟"

"تمہاری رہنمائی میں ایک چھوٹی سی بات اس ناممکن کا ممکن بن گئی۔ لیکن یہ کیونکر ممکن تھا کہ ماضی میں کسی اور کی مداخلت ہو سکے، لیکن تم وقت ہو۔ اور وقت کی کہانی ازل سے ابد تک جاری رہے گی، سو تم کو ٹوکنے والوں میں ہو، جبکہ اس وقت کوئی نہیں چونکا۔ جب تم نے ماضی میں غور کو منوایا۔ ہاں تم ہمیں مستقبل میں لے گئے۔ اور پھر ساری کہانیاں ختم ہو گئیں۔ لیکن ایک کہانی باقی رہ گئی میرے دوست، صرف ایک کہانی۔"

"کونسی کہانی۔؟" اس نے پوچھا۔

"پروفیسر خاور کی کہانی۔ اس کی ان دونوں بیٹیوں کی کہانی جو وقت کے علم میں قید ہو گئے تھے اور پھر یہ قید انہیں ایسی بھائی کہ انہوں نے زندگی کی تمنا چھوڑ دی۔ اور تمہاری چاہت میں تڑپنے لگے اور پھر سلانوس کے دانشکدے میں ہماری رہنمائی ہوئی اور ہم نے ماضی کا ایک ورق پکڑ لیا یوں تم ہمیں دوبارہ مل گئے، سنو دوست، ہم فانی ہیں جس طرح لاتعداد بستیاں تمہارے قرب میں زندگی گزر کر فنا ہو گئیں، تو ہم بھی اس کے خواہشمند ہیں، گو دنیا کے آخری سرے تک جا پہنچے ہیں، لیکن تمہارے قرب کی خواہش ہے، ہمیں پھر اپنے وجود میں ضم کر لو اور تم اس لئے پہنچے ہیں تم تک کیونکہ ہمارا وجود اب ہماری دنیا کے ناقابل ہے۔ ہمیں پھر اپنی کہانیوں میں سمو لو۔ اور اتنے عرصے کے قرب کے بعد ہم اتنا حق ضرور رکھتے ہیں کہ تم سے یہ بات منوا لیں۔"

اس کے انداز میں تعجب تھا اور ایسی ہی تعجب بھری نگاہوں سے اس نے فرزانہ اور فیروزاں کو دیکھا، پھر مسکرا دیا۔ لیکن تم تو اپنی دنیا کی خواہشمند تھیں!"

"ہاں، لیکن جب وہ دنیا دیکھی تو ہمیں بڑی اچھی لگی۔ ہم نے تو علم کو تمہاری آنکھوں سے دیکھا تھا۔" فیروزاں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"تعجب ہے میری کتاب میں ایک انوکھے باب کا اضافہ ہو رہا ہے۔ اور سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس تحریر کو کس نام سے لکھوں گا، تاہم تم یہ بتاؤ کہ اب میں تمہارے لئے کیا کروں کہ میرا سکوت ممکن نہیں ہے۔"

"تم گزرتے رہو، جس انداز گزرتے رہو۔ یوں ہمیں اب زندگی کی ہوس نہیں ہے اور ہم تمہارے وجود کے ساتھ بوڑھے ہونا پسند کریں گے اور ہماری کہانی کا آخری باب تم یوں لکھنا کہ بالآخر وہ بوڑھے ہوئے اور انہوں نے انہیں غاروں میں موت پائی جہاں انہوں نے صدیوں کی کہانی صدیوں کے بیٹے کی زبانی سنی تھی۔"

تب وہ مسکرا دیا اور بولا۔ "لیکن اب میں تمہیں کونسی کہانیاں سناؤں گا؟" اس کے انداز کی چمک نمایاں تھی۔

"تم نے کہا تھا، ابھی تو اس کتاب کے بے شمار اوراق باقی ہیں۔ پروفیسر ان میں وہ اوراق بھی ہیں جن میں مستقبل تحریر ہے۔ اور وہ اوراق بھی جنہیں میں ابھی تحریر کروں گا۔ اگر میں یہ اوراق الٹ دوں تو تمہارے دلوں کی دھڑکنیں بند ہو جائیں، سو ہمیں ماضی کی کہانیاں سناؤ۔ وہ کہانیاں جو تمہاری داستان میں نہیں آ سکی تھیں۔ کیونکہ تمہاری آنکھوں میں صدیاں سمائی ہوئی ہیں اور صدیاں اتنی مختصر نہیں ہوتیں جتنی مختصر تمہاری داستان تھی۔"

"پروفیسر میرے دوست، علم دانش کے برستے پانی میں نہانے والے روئے زمین سے اس قدر بے نیاز ہو جاتے ہیں، کہ گردش فلک ان کے لئے بے معنی ہے۔ سانسوں کی زنجیر سے ان کا کوئی واسطہ نہیں رہتا، بدن کا بوجھ روح پر گراں ہو جاتا ہے، اور وہ بے چین ہو جاتی ہے، اس فرسودہ نظام زندگی سے جو یکساں ہے، اور نمود و حیات سے موت کی آغوش تک کا سفر تبدیل کرنا چاہتی ہے۔ اور یہ صدیوں کا تجربہ ہے میرا۔ سو تم نے دانشوری سے مجھے ماضی میں تلاش کر لیا ہے کہ حال سے تو میں گزر چکا ہوں اور تم نے اس تول کی گردان والی ہے، اگر کیا وقت ہاتھ نہیں آتا، اب اس مثال کو یوں کہو کہ گیا وقت ہاتھ نہیں آتا، لیکن اس سے ماضی میں ملاقات کی جا سکتی ہے۔ اور ماضی تمہارے ذہنوں میں قید ہے، بشرطیکہ تم اسے دماغ کے خلیوں میں سے ڈھونڈ نکالو، ماضی اس وقت زندہ ہے جب تک تم، یا تمہیں جاننے والے۔ آؤ پروفیسر انہیں کہانیوں کی وادی میں چلو کہ داستان گوئی کا لطف اسی میں ہے۔ لیکن ایک شرط کے ساتھ۔"

"کیسی شرط۔؟" پروفیسر نے خوشی کے عالم میں پوچھا۔

"تم جان چکے ہو کہ ماضی حال اور مستقبل کے راز ہمارے سربستہ مجھ پر عیاں ہیں، وہ کہانیاں جن کا وجود ہے میری ذات میں پنہاں ہیں اور پھر کہانی میں میرا ایک کردار رہا ہے، سو اس بار کہانیوں کا انتخاب

scanned by aazamm@urdufanz.com

aazzamm@yahoo.com

تم کر دو گے۔ ہاں سنانے والا میں ہوں۔"

"لیکن ہمارے ذہن اتنے کشادہ نہیں ہیں کہ ہم ماضی کے دھندلکوں میں تلاش کریں جو عالم گمانوں میں نہ ہوں۔"

"جو تصور بھی تمہارے ذہن میں ابھرے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"ہمیں تو تم تک دوبارہ پہنچ جانے کی خوشی ہے۔ اور یقین کرو اس دور کے لوگ ہمیں اتنے اجنبی محسوس ہوتے کہ ہم ایک لمحہ انہیں برداشت نہ کر سکے، دنیا اس رخ پر چل رہی ہے جس کی تم نے نشاندہی کی تھی، اور ہم جانتے ہیں کہ انسان کا یہ انداز اسے کہاں لے جائے گا۔ بس ان کے ساتھ گزارنا ایک ناممکن امر ہے۔ باقی رہی کہانیوں کی بات تو اس طویل سفر میں تمہارا ہر لمحہ ایک کہانی ہوگی۔ لاکھوں کردار بکھرے ہوئے ہیں تمہاری ذات میں۔"

اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، تب اس نے نیم باز آنکھوں سے انہیں دیکھا اور ہنس پڑا۔ "لیکن تم نے مجھے خوب تلاش کیا اور سالوں کے دانشکدے نے بھی تمہاری انوکھی رہنمائی کی اور اس میں تمہاری ذہانت کارفرما ہے۔ آؤ اب سکون کی انہیں وادیوں کا رخ کریں۔ لیکن اس سے قبل تمہاری ضیافت ضروری ہے، ٹھہرو میں تمہارے لئے آپ سکون لے آؤں۔" وہ اٹھا اور نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

"یوں لگتا ہے جیسے وجود کائنات صرف ایک کہانی ہو۔ جو اس کے ہونٹوں سے ابھر رہی ہو۔ کیا ان داستانوں کے سوا اور کوئی چیز اتنی دلکش ہے۔" فروزاں نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں، اس کی ذات میں کائنات چھپی ہوئی ہے۔ اور جب وہ اپنے بدن کی چادر کا کوئی حصہ اٹھاتا ہے تو ایک نئی کہانی سر ابھارتی ہے۔"

کافی دیر ہو گئی تھی اسے گئے ہوئے۔ وہ مختلف باتیں کرتے رہے اور اس کے انتظار میں انہیں بے چینی ہونے لگی تو وہ آ گیا۔ ہونٹوں پر وہی دلکش مسکراہٹ سجائے اور پھر اس نے صراحی اور گلاس ان کے سامنے رکھ دیئے۔

"تم اس شہد لطیف سے ناآشنا نہ ہو گے۔ شربت حیات تمہارا پسندیدہ شربت۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پروفیسر نے بے اختیار سامنے رکھے برتن اٹھائے۔

"ہاں، انہیں ساری چیزوں کی تلاش نے تو یہیں دیوانہ کر دیا تھا۔" اب سکون کے چند گلاس پی کر وہ خود کو اتنا ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگے کہ بیان سے باہر ہے۔ یوں لگتا تھا کہ وجود سے کچھ کھویا ہوا پا لیا ہو۔ اس کی آنکھیں خواب میں ڈوب گئی تھیں، تب اس کی آواز ابھری۔

"مجھے واپسی میں دیر اس لئے ہو گئی کہ میں اپنی کتاب کے ان اوراق پر نگاہ ڈال رہا تھا کہ جو تمہاری نگاہوں سے اوجھل رہے تھے۔ ان اوراق کی کہانیاں تم نہیں سن سکے تھے، مثال کے طور پر راجہ کشکا۔ کیا تم نے اس کی داستان سنی؟"

"نہیں، یہ کون تھا؟" فروزاں بے اختیار بول پڑی۔

"گزشتہ کلی کا راجہ۔ اور کہانی اس کی یوں تھی کہ میں ان دنوں ذہنی پژمردگی کا شکار تھا۔ یعنی انہیں ایام میں سے گزر رہا تھا جب میرے اوپر کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور میں سکون کی جگہوں کا متلاشی ہوتا ہوں۔ اور یہ جگہیں میری پسند کے مطابق ہونا ضروری ہوتی ہیں، تاکہ نیند کا لطف آئے۔ لیکن میری لاتعداد داستانیں شاہد ہیں کہ وقت کو قرار کہاں، زمین کے سینے پر انسان کا وجود ایک لمحے میں لاکھوں کہانیاں ترتیب دیتا ہے۔ اور ان میں سے ہر کہانی میرے وجود کو چھوتی گزرتی ہے۔ یوں سفر میں تھا کہ ایک سادہ سی معصوم سی بستی پر نگاہ پڑی۔ چاروں طرف کھیتوں میں ہریالی لہلہا رہی تھی۔ سبز رنگ کے لہلہاتے کھیتوں میں ہریاولیاں نظر آ رہی تھیں، یہ رنگ برنگے لباسوں میں ملبوس کسان لڑکیاں تھیں جو کھیتوں میں کام کر رہی تھیں۔ خوش و خرم سرخ و سپید زندگی سے بھرپور ان کی ہنسی کے جلترنگ کانوں میں رس گھول رہے تھے اور ان تو ہنگوں کی تنگی قدم روکے لے رہی تھی، لیکن ایسا ہو کر پھر کسی الجھن میں شکار ہو جاؤں گا۔ کہ جہاں انسانی وجود ہوتا ہے وہاں الجھنیں ضرور ہوتی ہیں۔ سو پلٹ گیا میں اس طرف سے۔ لیکن پروفیسر میں نے علم کے وجود کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ اور یہی میری کمزوری تھی۔ جس کا میں شکار تھا۔ ہر شے میرے لئے دلکش ہوتی تھی۔ اور اوتار نے یہی بتایا تھا کہ علم کی کتاب میں جتنے صفحات تحریر ہو سکیں وہ کائنات کے سرمائے کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ سرمایہ قدرت کی امانت ہے۔ جس میں خیانت ممکن نہیں۔

کھیتوں سے دور کا رخ اختیار کیا تھا میں نے۔ اور سوچا تھا کہ اس بستی سے بچ کر نکل جاؤں۔ لیکن راستے میں گنگناتی ہوئی ایک ندی نے قدم روک لئے اور سوچا کہ اس کے کنارے بیٹھ کر تھوڑی دیر آرام کروں۔ ایسی شفاف ندیاں بے مدحسین ہوتی ہیں لیکن پھر بھول گیا کہ ندی بستی سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اور یہاں بھی وجود انسانی ہے — ممکن ہے۔ کنارے اس ندی کے کر سبز گھاس سے بنتی ہیں آرام کے لئے لیٹ گیا۔ پانی کی گنگناہٹ بڑی سکون بخش تھی۔ نرم ریت کی ٹھنڈک نے وجود کو بڑا سرور بخشا۔ لیکن قدموں کی آہٹ نے چونکا دیا۔ اور میں گردن اٹھا کر دیکھنے لگا۔

لکڑی کی کھڑاؤں پہنے اوپری بدن سے ننگے وجود کو دیکھ کر میں اٹھ گیا لیکن میری آنکھوں نے اس کے چہرے کی نرمی اور تمتماہٹ کا جائزہ لیا اور فیصلہ کیا میں نے کہ ضرور یہ کوئی صاحب علم ہے۔ اور ہونٹ وا ہو گئے اس کے مسکراہٹ کے انداز میں

Scanned by azamm@yahoo.com

اور اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے پر لگا دیئے۔

میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اور تب اس کی گمبھیر آواز ابھری۔ "رشیوں اور منیوں کے چرنوں کا رزالے ہوتے ہیں۔ پھر وہ اپنے ماتھے کی چمک کہاں چھپا پائیں گے۔ مہاراج۔ وہ چمک جس میں ستارے بولتے ہیں۔ اگر اجازت ہو تو تھوڑی دیر کے لئے پاس بیٹھ جاؤں۔"

"تم لوگ کہاں پیچھا چھوڑو گے۔" بیٹھو۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ اور اس کی مسکراہٹ کے خلوص میں کوئی تبدیلی نہ آئی مگر میرے الفاظ تلخ تھے، وہ بیٹھ گیا۔ اور میرے چہرے کی جانب دیکھنے لگا۔

"سنسار دکھوں کی پوٹ ہے۔ مگر یہ نہ بھولو مہاراج کہ بھگوان نے ہی اسے بنایا ہے۔ جس بھگوان کی تلاش میں تم سرگرداں ہو۔ اس کے بنائے ہوئے انسانوں سے بھاگو گے تو بھگوان کو کیسے پاؤ گے؟"

"خوب۔ تو تم گیانی ہو۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں مہاراج۔ کہاں گیانی اور کہاں میں۔ میں تو بس گویا ہوں۔ بھگوان کے گن گاتا ہوں مندروں میں۔ نام میرا سکھ راج ہے، لوگ سوامی سکھ راج کہتے ہیں۔ جیو تشی ودیا سے بڑا پریم ہے مجھے۔ اور سارا جیون اس تلاش میں بتایا ہے۔ پر کسی گیانی نے توجہ نہیں کی۔" اور جاپ کر رہا تھا دریا کے کنارے اتما بات کا کسی مہان گیانی سے سمبندھ ہو جائے اور آج اس جاپ کا آخری دن تھا۔ اور مہاراج دریا کے کنارے آنے والے تم پہلے منش ہو۔"

"چنانچہ تم میری گردن پکڑ لو اور اس وقت تک دبائے رہو جب تک میں تمہیں گیان دینے کا اقرار نہ کر لوں۔" میں نے کہا۔

"نہیں مہاراج، میری مجال کہ میں گردن پکڑوں۔ میں تو داس ہوں اور بس سیوا کرنا چاہتا ہوں۔ اگر من چاہے تو مجھے کچھ دے دیں۔" اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"میرے بھائی، دریا کے کنارے کی یہ جگہ بے مدخوبصورت تھی۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے رک گیا اس کی اتنی بڑی سزا تو دو۔ میں سکون کی تلاش میں ہوں۔ انہیں پہاڑوں میں کوئی مناسب جگہ دیکھ کر سو جاؤں گا۔"

"اور داس جیون بھر جیوتش گیان کی اس میں ترقی تیار ہے گا۔" اس نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

"سوامی سکھ راج جی۔ تمہارے جاپ میں کچھ گڑبڑ رہ گئی ہے۔ یا پھر اس کا آخری لمحہ پورا نہیں ہوا۔ جلدی سے جاؤ اور جاپ کے آخری لمحات پورے کر لو کہیں ایسا نہ ہو کر ذرا سی بھول میں سب کچھ کھو بیٹھو۔ میں تو مسافر ہوں تھوڑی دیر کے بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔ اور تمہیں مجھ سے کچھ نہیں ملے گا۔"

تب سوامی سکھ راج نے چونک کر مجھے دیکھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ میری بات پر یقین کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا: "یہ ستارے تو جھوٹ نہیں بولتے مہاراج!"

"بے شک ستارے جھوٹ نہیں بولتے۔ لیکن۔ اوہ دیکھو تمہارا مطلوب وہ تو نہیں ہے۔" میں نے ایک اور وجود کو دریا کے کنارے دیکھا۔ یہی کوئی سادھو ہی تھا، ہاتھ میں اکتارا سنبھالے ہوئے وہ بڑے مست انداز میں چلا آ رہا تھا۔

"ہے بھگوان۔ میری سہائتا۔" سکھ راج نے پریشان لہجے میں کہا اور پھر اس سادھو کی طرف دیکھنے لگا۔ سادھو دریا کے کنارے بیٹھ کر، اپنا اکتارا ایک طرف رکھ کر پیروں سے پانی پی رہا تھا۔

سکھ راج سوامی گردن اٹھاتے ہوئے اس کی طرف بڑھ گئے۔ اور میرے ذہن میں دلچسپی پیدا ہو گئی۔ میں ان دونوں کو دیکھنے لگا اور میرا دل چاہا کہ قریب سے ان کی گفتگو سنوں۔ پھر میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی کہ فضول الجھنوں میں پڑنے سے کیا فائدہ، بہتر یہ ہے کہ جلدی سے یہاں سے آگے بڑھ جاؤں۔ لیکن پروفیسر وقت کی گردش بھی کسی کے اشاروں کی پابند ہوتی ہے۔ میں اپنے جس اپنی دلچسپی کو نہیں دبا سکا۔ اور ان دونوں کی طرف چل پڑا۔

سوامی سکھ راج سادھو کے پاس پہنچ گئے تھے اور اس کی پشت پر پہنچ کر اس کے فارغ ہو جانے کا انتظار کرنے لگا۔ سادھو اپنی گردن اور بال جھٹک رہا تھا اور پھر اس نے سکون کی گہری گہری سانسیں لیں۔ اسی وقت اس نے شاید اپنے عقب میں آوازیں محسوس کیں اور جلدی سے پلٹ کر دیکھا، پھر لپک کر اپنا اکتارا اٹھا لیا۔

"لے جا۔ لے جا۔ اسے بھی لے جا جانی۔ یہی ایک پونجی رہ گئی ہے اسے بھی چھین لو۔ تمہارا ستیاناس۔" سادھو نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"نہیں مہاراج ہم چور نہیں ہیں۔ ہم تو سوامی سکھ راج ہیں۔ مندروں میں بھجن گاتے ہیں۔ کھرے برہمن ہیں بھگوان کی سوگند۔ ہم نے جیون میں کبھی کسی کی کوئی چیز نہیں چرائی۔"

"گویئے ہو بھجن گاتے ہو۔" سادھو نے خوش ہو کر پوچھا۔

"ہاں مہاراج۔" سکھ راج نے کہا۔

"ہوں۔" سادھو غور سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے اکتارا اس کی طرف بڑھا دیا۔ "یہ بات ہے تو پھر کوئی بھجن سناؤ!"

"جو۔ جو آگیا مہاراج۔" سکھ راج نے کہا اور اکتارا لے لیا۔ سکھ راج کی آواز واقعی خوبصورت تھی۔ جو کچھ وہ گا رہا تھا وہ بے مدحسین تھا۔ سادھو مست ہو گیا اور گردن ہلنے لگا۔ پھر جب سوامی سکھ راج خاموش ہو گئے تو اس نے جھومتے ہوئے کہا۔

"خوب گاتے ہو سکھ راج، بھگوان کی سوگند خوب گاتے ہو۔

aazzamm@yahoo.com

ہم یہاں استھان کریں گے۔ ستاروں نے شاید اسی بستی کے بارے میں ہمیں بتایا تھا۔"

"کیا بتایا تھا مہاراج؟" سکھ راج نے پوچھا۔

"نام تمہارا سکھ راج ہے اور تم ان کو نشانی دیتے ہو جیوتش سے لگاؤ ہے تمہیں سکھ راج۔"

"بڑا لگاؤ ہے مہاراج۔ وِدیا سیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے ہم تمہیں گیان دیں گے۔ تمہیں جیوتش شکتی دیں گے۔ رادھے شکر رادھے شیام۔ چلو تمہارا گھر کہاں ہے؟"

"ندی کے اُس پار بستی میں مہاراج۔"

"آؤ پھر۔ ہمارے استھان کا بندوبست کرو، آؤ۔" سادھو مہاراج اٹھ کھڑے ہوئے۔ تب ان کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ "یہ۔ یہ کون ہے؟"

"کوئی مسافر ہے مہاراج۔ ندی کنارے آرام کر رہا تھا۔"

"سادھو معلوم ہوتا ہے۔ مگر جوان ہے خوبصورت بھی ہے۔ ابھی گیان کہاں ملا ہو گا تم سے کوئی سمبندھ ہے؟"

"نہیں مہاراج۔ آپ کے دھوکے میں اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ میں پوران جاپ کر رہا تھا آپ کے لئے مہاراج۔ جیوتش سکھشا چاہتا تھا۔"

"ہم تجھے جیوتش وِدیا سکھائیں گے سکھ راج تو جیتامت کر۔ آ ہمارے ساتھ آ۔" سادھو مہاراج چل پڑے۔ میں اب بھلا ان لوگوں کا پیچھا کہاں چھوڑ سکتا تھا۔ چنانچہ میں بھی دونوں کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ دریا کے کنارے پہنچ کر مہاراج رکے۔ پھر سکھ راج کو دیکھ کر بولے۔

"کیا یہاں پانی کا آنا ہے؟"

"ہاں مہاراج۔ اس اور جانے کا یہی راستہ ہے۔"

"تو آگے چل۔" سادھو مہاراج نے کہا اور سکھ راج پانی میں اتر گیا۔ اس کے آگے بڑھنے کے بعد مہاراج نے پانی میں قدم رکھا اور جلدی سے باہر نکل آئے۔ "رک جا سکھ راج، رک جا پانی تو بہت ٹھنڈا ہے۔"

"گیان جوت جگاؤ مہاراج۔ سادھو سنتوں کے لئے ٹھنڈا گرم کیا حیثیت رکھتا ہے۔ آ جاؤ۔" سکھ راج نے عقیدت سے کہا۔ اور ناچار سادھو مہاراج بھی پانی میں اتر گئے۔ میں بدستور ان دونوں کے پیچھے تھا۔ سادھو مہاراج کی حالت کافی خراب تھی، پانی کمر کو پہنچ گیا تھا اور یہ ندی کسی پہاڑی آبشار نے تشکیل دی تھی۔ اس لئے پگھلی ہوئی برف تو ٹھنڈی ہی ہوتی ہے۔ دوسرے کنارے پر پہنچ کر مہاراج تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ان کے ہونٹ نیلے پڑ گئے تھے۔ اور منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ لیکن سکھ راج آرام سے آگے بڑھ رہا تھا۔

کھیتوں سے پرے ایک چھوٹی سی جھونپڑی سکھ راج کا مکان تھی اس کے آگے گوبر اور مٹی کی دیواریں اٹھی ہوئی تھیں اور ان دیواروں کے بعد چند درخت تھے جن کے نیچے گھاس بکھری ہوئی تھی۔ برگد کا ایک بڑا درخت جھونپڑی سے تھوڑے فاصلے پر تھا۔ سکھ راج نے کئی بار بے چین نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا لیکن کچھ بولے نہیں تھے۔ دونوں اس جھونپڑی میں داخل ہو گئے۔ مجھے ہنسی آ رہی تھی۔

حالانکہ سوامی سکھ راج خود سیدھے کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس کی طلب نے اسے جھکا دیا تھا۔ اور وہ خواہ مخواہ کے لوگوں کے چکر میں پڑ رہا تھا۔ اب یہ سادھو مہاراج مجھے کوئی نکمے آدمی معلوم ہو رہے تھے۔ لیکن سکھ راج ان کے سامنے بچھا جا رہا تھا، ویسے ٹھنڈے پانی نے سادھو مہاراج کی حالت بری کر دی تھی۔

میں نے برگد کے اس درخت کے نیچے ڈیرہ ڈال دیا۔ میں نے سوچا یہ سکون کی بستی ہے۔ کچھ وقت یہاں گزار کر آگے بڑھ جاؤں گا۔ بہرحال یہاں رہ گئے تو نہیں ہیں۔ اور صدیوں کی سنائی ہوئی کہانیوں میں ایک بات تو تم نے ہمیشہ محسوس کی ہو گی پروفیسر کہ جب بھی میں نے سکون کی تلاش کی کامیاب نہ ہو سکا۔ دراصل یہ احساس ہی غلط تھا کہ کائنات میرے سینے پر پھیلی ہوئی ہے۔ میں اگر نہ ہوں تو کائنات کی ترتیب بگڑ جائے۔ لوگ گزری ہوئی داستانوں کے تعین میں بھٹک جائیں۔ میری ذات سے تو ان ماہ و سال کا وجود ہے۔ سو یہ لمحہ میرا ایک کردار ضرور رہا ہے۔ گو میں نے بھی تھکے ہوئے مسافروں کی مانند سکون کی راہ تلاش کی ہے۔ سو یہاں بھی اس سکون کی بستی میں میرے لئے سکون نہیں تھا۔

برگد کے درخت کے نیچے میرا دھونی رمانا چند دلچسپ اور اہم واقعات کی ابتدا تھی اور یہ ابتداریوں ہوئی کہ میں نے سورج ڈھلے زمین پر دھوپ پھیلتی دیکھی۔ تنفس سمٹ کر انسانی روپ اختیار کر گئی تھی۔ اور دھنک میں لپٹی ہوئی میری طرف آ رہی تھی۔ پاؤں میں پہنچی ہوئی پائل کی چھم چھم زمین اور آسمان کے درمیان ایک رابطے کا پتہ دیتی تھی۔ اندھیرا پھیل گیا تھا لیکن روپ کی دھوپ برگد کے درخت کے نیچے پہنچ گئی۔ انوکھا حسن تھا۔ پروفیسر بے لاشعبہ سادگی اور پرکاری کا ایسا امتزاج کہ آنکھ نہ جھکے۔ ایک ہاتھ میں پیتل کا تھال اٹھائے دوسرے ہاتھ میں پانی کا چھڑول پکڑے وہ میرے سامنے رک گئی۔ نگاہیں جھکی ہوئی تھیں اور مشرق کی ساری شرم حیا اس کی پیشانی کا چاند بن گئی تھی۔ تب ایک لرزتا ہوا نغمہ گونجا۔ بربط کے تار پر گویا مضراب چھو گئی۔ اور میرے کانوں نے سنا۔

"بھوجن ہے مہاراج۔"

"میرے لئے دیوی؟" میں نے اسے پرشوق نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔" جھکی جھکی آنکھیں بول پڑیں۔

"بھول ہو گئی ہو گی تم سے۔ پنڈت جی نے شاید تم سے کہا ہو گا کہ مہاراج کو بھوجن دے آؤ۔ اور تم یہاں آ گئیں۔"

"تو پھر۔" اس بار اس نے حیرانی سے آنکھیں اٹھائیں اور ایک لمحے کے لئے ساکت ہو کر رہ گئی۔ یوں لگا جیسے وہ اپنے الفاظ بھول گئی ہو۔ لیکن دوسرے لمحے اسے حیا کی جھرجھری آ گئی۔

"تم میرا مطلب ہے مہاراج پنڈت جی نے آپ ہی کے لئے کہا تھا۔"

"کیا تم ان دوسرے سنت مہاراج سے بھی واقف ہو جو تمہاری جھونپڑی کے اندر موجود ہیں۔" میں نے سوال کیا اور اس نے شرمگیں نگاہ اٹھا کر مجھے دیکھا۔ آنکھیں تو مسکرا ہی رہی تھیں، ہونٹ بھی بے اختیار مسکرا اٹھے اور چمکیلے دانت نظر آنے لگے۔

"جی مہاراج۔" اس نے کہا۔

"ہاں شاید وہی۔ میں ان کا نام نہیں جانتا۔"

"وہ تو مہاراج بھوجن کرنے کے قابل نہیں رہے۔" یوں جیسی معصوم آواز سنائی دی۔ ہنسی چھوٹی پڑ رہی تھی۔ میں نے دلچسپی سے اس خوبصورت ہنسی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں۔؟"

"بڑے زور کا جاڑا چڑھا ہے انہیں۔ ٹھنڈے پانی میں بھیگ گئے تھے نا۔ ساری جیوتش دھری رہ گئی۔ اور اب جیون کی نکریں ہیں۔" اس نے کہا اور ہنس پڑی۔ میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ سادھو مہاراج کی بوکھلاہٹ میں نے بھی دیکھی تھی۔ اس وقت جب وہ ٹھنڈے پانی میں اترے تھے۔ گویا انہیں ان کی دروغ گوئی کا بدلہ مل گیا تھا۔ تاہم میں نے مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا۔ "اور سکھ مہاراج کیا کر رہے ہیں؟"

"ان کی سیوا کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بڑے پریشان ہو گئے ہوں گے وہ بے چارے تو۔ لائے تھے انہیں جیوتش وِدیا سیکھنے کے لئے اور اب اس جنجال میں پھنس گئے۔ مگر میرے لئے کھانا دیوی۔" میں نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"کیا آپ بھوجن نہیں کریں گے مہاراج۔" اس نے سادہ سی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم لائی ہو دیوی تو ضرور کر لوں گا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ میں تو تمہارا مہمان بھی نہیں ہوں۔"

"نہیں مہاراج۔ پتا جی سادھو سنتوں سے بڑا پریم کرتے ہیں۔ آپ نے یہاں استھان کیا ہے تو کیا ہم آپ کو بھوجن بھی نہ کرائیں۔"

"اوہ۔ یہ بات ہے تو ٹھیک ہے، تھال رکھ دو اور ہاں دیوی جلدی میں ہو؟"

"نہیں مہاراج!"

"تو بیٹھ جاؤ۔ تھوڑی دیر باتیں ہی کر لیں۔ میں اندھیر مہاراج کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ کیسی حالت ہے ان کی؟"

"بڑی بُری۔ ہری اوم ہری کلام جپ رہے ہیں۔ گھر کے سارے کپڑے ان کے اوپر ڈھیر کر دیئے گئے ہیں۔ اور اب تو پتا جی خود بھی ان کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گئے ہیں۔ پر ان کی سردی دور نہیں ہوئی۔ میں نے تو پتا جی سے کہا تھا کہ اندھیر مہاراج کو بند کر کے گھر میں آگ لگا دیں تبھی ان کی سردی دور ہو گی۔ مگر پتا جی برا مان گئے۔" وہ ہنس پڑی۔ سادگی میں شرارت بھی شامل ہو گئی تھی، مجھے بھی اس کی شرارت پر ہنسی آ گئی تھی۔

"دیکھی ترکیب بتائی تم نے۔ پر تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"روپ کلی۔" اس نے بتایا۔

"بڑا سندر نام ہے۔ تمہاری طرح۔"

"بھوجن تو کریں مہاراج، آپ نے تو ابھی تھال کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔" اس نے قدرے شرارت سے کہا۔ اور میں نے اندازہ لگایا کہ چہرے کی سادگی بلاشبہ سادگی ہے۔ لیکن اندر بہت کچھ ہے۔ تب میں کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ میرے نزدیک بیٹھی شرارت آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ اور پھر اچانک بول اٹھی۔

"پر تم نے اپنا نام نہیں بتایا سنت مہاراج؟"

"میرا نام، تم ہی میرا نام رکھ دو روپ کلی۔"

"کیوں ماتا پتا نے کچھ نہیں رکھا؟" اس نے بدستور شرارت سے پوچھا۔

"ماتا پتا کو کسی نے دیکھا ہو تو بتاؤں، میں نے ماتا پتا نام کی کوئی چیز کبھی دیکھی ہی نہیں۔"

"ہے رام۔ مر گئے وہ دونوں!" روپ کلی نے کسی قدر سنجیدہ ہو کر ہمدردی سے پوچھا۔

"بھگوان جانے۔" میں نے شانے اچکا کر جواب دیا، اور وہ مجھے رحم کی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ میں نے صرف اس کی خوشی پوری کرنے کے لئے کھانا شروع کر دیا تھا کہ اس کے انداز میں کسی قدر ہمدردی پیدا ہو گئی ہے۔ جب میں نے پانی کی جانب دیکھا تو اس نے جلدی سے چھڑول اٹھا کر میری طرف بڑھا دیا اور میں نے اس کے ہاتھ سے پانی لے کر پینا شروع کر دیا۔

"تو روپ کلی تم نے مجھے کوئی نام نہیں دیا؟"

"ہم کیا نام دیں مہاراج، سنسار آپ کو جس نام سے پکارے ہو گا وہی ٹھیک ہے۔" وہ بولی۔

scanned by aazamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

"تب لوگ تو مجھے صرف سنت کہتے ہیں۔"

"ہم بھی وہی کہیں گے۔" وہ بڑے دلآویز انداز میں بولی۔ "تمہاری مرضی، ویسے بڑی لڑکی ہو تم۔ ایک چھوٹا سا نام بھی نہیں کر سکتیں۔" میں نے کہا اور وہ ہنسنے لگی۔

کھانا ختم ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس نے برتن اٹھائے اور میری طشتری دیکھ کر بولی: "اب آگیا دیں مہاراج۔"

"باتیں تو تم سے بہت کی کرنا چاہتا تھا روپ کلی۔ پر کہہ بھی نہیں سکتا کہ ابھی تھوڑی دیر اور بیٹھو۔"

"ابھی تو آگیا دیں مہاراج گھر کے کام کاج بھی بہتر ہوتے ہیں۔ آپ کا استھان تو ہے ہی۔ پھر آجاؤں گی۔" وہ برتن اٹھاتی ہوئی بولی۔ اور پھر چھم چھم کرتی چلی گئی۔ میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اور پھر ایکدم سورج غروب ہونے کا احساس ابھرا۔ روپ کلی گھر کے اندر داخل ہو گئی تھی۔ میں دیر تک چشم تصور سے اسے دیکھتا رہا۔ بے حد حسین لڑکی تھی، اتنی سادہ اتنی معصوم کہ تصور سے باہر۔ ان حالات میں یہ جگہ چھوڑ کر جانے کو کس کا دل چاہے۔ میں نے بھی سوچ لیا کہ کچھ وقت یہاں ضرور گذاروں گا۔

رات گہری ہونے لگی۔ پھر چاند نکل آیا اور تیز چاندنی پھیل گئی۔ پھر گھر کے دروازے پر وہی چھم چھم کرتی دیوی اور چاندنی میرے نزدیک پہنچ گئی۔ میں نے سوچا مہاراج سو گئے ہوں گے بس دیکھنے چلی آئی تھی۔"

"جیسے تمہارا انتظار ہو وہ چین بھر نہیں سو سکتا۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"سادھو سنتوں کو تو بس بھگوان سے لو لگانی چاہئے۔ مہاراج، جہاں ناری کے پھیر میں پڑے ساری پتیا بھگ ہوئی۔ میں تمہارے سکھ سے گیان کی باتیں سننا چاہتی ہوں۔" اس نے نامحاذ انداز میں کہا۔ اور میں ہنسنے لگا۔

"بھگوان کو پانے سے پہلے نمش کو پانا پڑتا ہے روپ کلی۔ تم مجھے نمش سے دور کرنا چاہتی ہو۔" میں نے کہا۔ اور وہ حیرانی سے مجھے دیکھنے لگی، پھر گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

"بات تو تم نے سچ کہی ہے سنت مہاراج۔ پر، تم میرا انتظار کیوں کر رہے تھے۔"

"تم سے باتیں کرنے کے لئے روپ کلی۔"

"بس۔" اس نے پوچھا۔

"ہاں، تم نے اور کیا سوچا تھا۔" میں نے بھی سوال کر ڈالا۔

"تم میرا من ہرنا سادھو مہاراج۔ اس لئے بھول میں پڑ گئی تھی کہ کہیں پریم روگ تو نہیں لگ گیا تمہیں۔ مگر اب ٹھیک ہے۔ بھگوان کی سوگند مجھے اس بیماری سے ڈر لگتا ہے۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔ اور میں اسے دیکھنے لگا!

"تمہیں تو کبھی نہیں لگی یہ بیماری؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں سنت جی، دوسروں کو دیکھ کر من میں فیصلہ کر لیا کہ بھگوان نے منش کو دو روپ بخشے ہیں، نر اور ناری کے۔ دونوں کے مان الگ الگ ہیں۔ نر کے چوڑے سینے میں سنسار کو تسخیر کرنے کا مان ہے اور ناری کے من میں حیا کی جوت ہے۔ بھگوان آکاش سے جوڑے اتارتا ہے اور سنسار میں دونوں کہیں نہ کہیں ملتے ہیں۔ یہ کام بھگوان کا ہے۔ ناری اپنے نر کے چرنوں میں پریم آرتی اتارتی ہے اور نر اسے سینے میں بھر لیتا ہے۔ جب بھگوان نے یہ کام سنبھال رکھا ہے تو ہم بے صبری کر کے اس کا آدرش کیوں توڑیں، اس پر بھروسہ کیوں نہ کریں، ایسے کام کیوں کریں جس سے نہ ہماری حیا باقی رہے نہ ناری کا مان، نہ ماتا پتا کی عزت۔ بھگوان کا ایک آدرش توڑنے سے کتنے لوگوں کی مان ہتیا ہوتی ہے۔ ہم ایسا کام ہی کیوں کریں۔"

معصوم لڑکی کی منطق بڑی عجیب تھی۔ تب میں نے کہا۔

"لیکن پریم تو تمہارے بھگوان ہی کا ایک روپ ہے۔"

"ہے مہاراج۔ پر پریم کے روپ بھی تو بھگوان نے بنائے ہیں۔ ماں کا پریم بیٹے کے لئے باپ کے لئے، بہن کا بھائی کے لئے، بیٹی کے لئے ماتا پتا کے لئے اور بہت سے پریم کے ناطے ہیں، نر ناری کا پریم بھی اٹوٹ ہے۔ پر اس کے لئے بھگوان نے سیدھے راستے رکھے، اس پریم کی پوتر تا سب سے بڑی ہے اور یہ پریم سادھو کبھی من میں کالک نہیں لگاتی۔" لڑکی نے کہا اور میں اس ارسطو زادی کو تعجب سے دیکھنے لگا!

"میں نے کوئی انہونی کہہ دی ہے مہاراج؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں دیوی، تو ٹھیک کہتی ہے۔" میں نے جواب دیا اور تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھنے کے بعد وہ چلی گئی۔ میں اس کی باتوں پر غور کرنے لگا۔ کتنی معصوم نظر آتی ہے اتنی سمجھ نہیں، بڑی مہارت سے مجھے دھرم اپدیش دے گئی تھی۔ مجھے نیند آگئی اور پھر میں برگد کے اس درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ نہ جانے کب تک خیالات میں ڈوبا رہا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔

دوسری صبح جب آنکھ کھلی تو سورج چڑھ آیا تھا۔ رندھیر جی مہاراج بھیگے ہوئے الو کی مانند دھوپ میں بیٹھے سوکھ رہے تھے۔ سکھ راج ان کے پاس نہیں تھا۔ لیکن چند ساعت کے بعد وہ گھر سے برآمد ہوا اور اس نے میری طرف دیکھا، مجھے جاگا دیکھ کر وہ میری طرف بڑھ آیا۔

"پالاگ مہاراج!" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور میں نے بھی اس کے انداز میں ہاتھ جوڑ دیئے۔ "آپ سو رہے تھے سوامی اس لئے میں نے آپ کے لئے صبح کا بھوجن نہیں بھیجا۔ میں ابھی لاتا ہوں۔"

"سنو سکھ راج سوامی، ہم تمہارے مہمان نہیں ہیں۔ ہم تو

سب بوڑھے برگد کے مہمان ہیں، تم ہمارے لئے تکلیف کیوں اٹھا رہے ہو۔"

"یہ برگد میرے گھر کے سامنے ہے مہاراج، اور پھر یہ بھی کوئی تکلیف کی بات ہے، آپ کی سیوا میرے لئے خوشی کی بات ہے۔"

"تمہارے رندھیر سوامی کا کیا حال ہیں؟"

"ساری جیوتش وتیا بھول گئے۔ ٹھنڈے پانی میں۔ ویسے مہاراج تم نے اپنے من کا حال نہیں بتایا۔" سکھ راج نے کہا۔

"من کا حال بھی وہی ہے سوامی جو تن کا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"ٹھہرو پہلے میں بھوجن لے آؤں۔ خود بھی تمہارے ساتھ ہی بھوجن کروں گا۔" اس نے کہا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک تھال لئے ہوئے میرے پاس پہنچا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ "کھاؤ مہاراج اور ہاں رات کو سونے کے لئے چھت موجود ہے تو برگد کے نیچے کیوں پڑے ہو۔ آج سے اندر رہا کرو۔" اس نے منت کی۔

"ایک چھت کے نیچے تین گیانی نہیں رہ سکتے سکھ راج۔ اور پھر میری موجودگی میں تم رندھیر مہاراج سے جیوتش گیان بھی نہیں سیکھ سکو گے۔"

"کچھ بھول ہو گئی ہم سے۔ نہ جانے کیوں ستارے بتاتے ہیں کہ رندھیر مہاراج بس مہاراج ہیں۔ اور جیوتش کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ پر نہ جانے مہاراج آپ کیوں سچل نہیں ہوا۔ ہمیں توڑتی اس تھی۔"

"ستاروں کا کھیل جتنا جانتے ہو اتنا کافی نہیں ہے سکھ مہاراج۔"

"گیان کا ورودان تو اتھاہ ہے مہاراج منش کا من کہاں بھرتا ہے۔ پر ہمارے من میں تو ایک کالا دھبہ ہے۔ ہم تو اپنی بیٹی کے لئے دکھی ہیں۔ ہم اس کے کشٹ کا اپائے تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس میں ستارے ہماری مدد نہیں کرتے۔ ہماری ساری کوشش کسی ایسے گیان پرش کی تلاش کے لئے ہے جو ہماری بیٹی کے بھاگ سے یہ کالا من نکال ڈالے۔"

"کیا مطلب۔" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"جیوتش گیان ہمارے پتا جی نے ہمیں دان کیا تھا، وہ بہت بڑے جیوتشی تھے، ہم نے ان سے جو کچھ سیکھا اسے کبھی غلط استعمال نہیں کیا۔ خود مندر میں بھجن کیرتن کر کے پیٹ پالتے رہے پر ہمیں شوق نہ تھا مہاراج اور ہم ستاروں سے سنسار کے حالات معلوم کرتے رہے۔ ستاروں نے ہمیں بتا دیا کہ روپ کلی کی ماں جیون کے تیسویں ورش میں ہمارا ساتھ چھوڑ دے گی اور ایسا ہی ہوا۔ ہمارے جیون کا سب سے بڑا دان روپ کلی ہی ہے۔ سوامی پر اس کی جنم کنڈلی ہی کالی ہے، دکھ اس کے بھاگ میں اتنے ہیں کہ ہمارا من ڈوبنے لگتا ہے۔ ہم ستاروں کی چال بدلنے کی جدوجہد کر رہے ہیں، مگر ناکام رہے۔"

"اوہ، روپ کلی کے ستارے کیا بتاتے ہیں۔"

"خاموش ہیں مہاراج، اس میں، جب کبھی انہیں تلاش کر کے ٹٹولو وہ تاریکی میں چھپ جاتے ہیں۔" سکھ راج نے اداسی سے جواب دیا۔

"کیا یہ بات روپ کلی کو معلوم ہے؟"

"نہیں مہاراج، بچوں کو ایسی باتیں بتا کر ان کے من کو نہیں ڈرایا جا سکتا۔" سکھ راج نے کہا۔ اور میں خاموش ہو کر اس کی پریشانی پر غور کرنے لگا۔

"بہرحال سکھ راج، میری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔" تھوڑی دیر کے بعد میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ رندھیر نے سکھ راج کو آواز دی اور وہ اٹھ کر چلا گیا، میں دیر تک ان حالات پر غور کرتا رہا تھا، پھر سکھ راج نے مجھے وہیں آنے کا اشارہ کیا اور میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ رندھیر مہاراج اب کسی حد تک ٹھیک تھے۔ انہوں نے مجھے اپنی نگاہوں سے نہیں دیکھا تھا۔

"تم یہاں دھونی رما کے کیوں پڑے ہو؟" انہوں نے پوچھا۔

"ارے نہیں مہاراج، اس سے کیا فرق پڑتا ہے، دھرتی بھگوان کی ہے۔" میرے جواب دینے سے قبل سکھ راج بول پڑا۔

"کیا آپ کو معلوم نہیں رندھیر جی؟" میں نے سوال کیا۔

"کیا معلوم نہیں؟"

"اپنی جیوتش ودیا سے معلوم کریں کہ میں یہاں کیوں پڑا ہوا ہوں...."

"اس کا کارن جیوتش کی کیا ضرورت ہے، تم جیسے جوان سادھو اپنے نکمے پن کو چھپانے کے لئے جوگی کا روپ دھار لیتے ہو اور بھیک مانگتے پھرتے ہو۔ اس سے زیادہ تمہاری کیا اوقات ہے۔" رندھیر مہاراج نے کہا۔

"ارے ارے، کیا باتیں شروع ہو گئیں، کچھ گیان دھیان کی باتیں کریں مہاراج، سادھو سنتوں کو ان باتوں سے کیا دلچسپی۔ میری باتیں کریں مہاراج۔ میرے کشٹ کو دور کرنے کے لئے آپ میری کیا سہایتا کر سکتے ہیں؟"

"میں تمہارے لئے بہت کچھ کر دوں گا سکھ راج، ذرا مجھے ٹھیک ہو جانے دو۔" رندھیر نے کہا۔

"آپ ابھی ٹھیک نہیں ہوئے مہاراج، ویسے آپ کی دیا نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ پانی بہت ٹھنڈا ہے۔" میں نے از راہ مذاق پوچھا۔

"کیوں نہیں بتایا، مگر ہم تو سکھ راج کا کشٹ دور کرنے آئے تھے۔ اور اس کے لئے ہمیں جو تکلیف بھی اٹھانی پڑے ہم تیار ہیں۔"

"واہ، یہ تو بڑی اچھی بات ہے، کوئی بات ضرور سوچیں۔"

"ہم نے سوچ لیا ہے۔" رندھیر نے جواب دیا۔

scanned by azamm@urdufanz.com

aazzamm@yahoo.com

"اچھا، کیا سوچا مہاراج" سکھ راج نے پوچھا۔ اور زندھیر جی نے آنکھیں بند کر لیں۔ دیر تک خاموش رہے پھر آنکھیں کھول کر بولے "تیری بیٹی کی جنم کنڈلی میں کالا دوشہ ہے نا سکھ راج اور بچپن سے آج تک اسے کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا جو اس کی سیاہی دور ہو جاتی تو اب ایک ہی اپائے ہے وہ یہ کہ تو اس کی شادی کر دے نادر ناری کے ستارے مل کر ایک ہو جائیں گے اور کشٹ کسی ایک پر نہیں رہے گا۔ یوں بھی تیری بیٹی اب شادی کے قابل ہے۔"

"بات تو ٹھیک ہے مہاراج" سکھ راج نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اس سے ٹھیک بات کوئی دوسری ہو ہی نہیں سکتی سکھ جی، ہم نے جو کہا پتھر کی لکیر سمجھو۔"

"میں سوچوں گا مہاراج" سکھ راج نے کہا اور پھر وہ دیر تک مختلف باتیں کرتا رہا۔ شام کو روپ کلی آئی، ہنستی مسکراتی لڑکی لیکن زندگی میں ٹھوس اصولوں سے بندھی ہوئی۔ ایک عجیب سی شخصیت کی مالک تھی وہ پروفیسر، بظاہر ایک عام اور اسمارٹ لڑکی لیکن جوں جوں اس کے وجود کی گہرائیاں نظر آتی رہیں میں اس سے متاثر ہوتا گیا۔ اس شام بھی میں نے اس سے بہت سی باتیں کی تھیں۔ اور پھر جب وہ چلی گئی تو میں نے فیصلہ کیا کہ اس لڑکی کے ستارے دیکھوں گا۔

نصف آدھی رات کو جب آسمان پر ستاروں کی نگرانی تھی طویل عرصہ کے بعد میں نے ان دوستوں سے ملاقات کی، رہنما ستارے، رجنی بیرے نگراں تھے جہاں بھی گیا انہوں نے مجھے اپنی ہم نشینی سے مایوس نہیں کیا۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرا دیتے۔ تب میں نے ان سے مختصر گفتگو کے بعد روپ کلی کے بارے میں پوچھا۔ اور ستاروں نے ایک جانب اشارہ کر دیا چند مدھم ستارے میری نگاہوں میں آئے۔ اور پھر وہ میری طرف جھکتے چلے گئے۔ ان کی سیاہی روشن ہو گئی۔ ——— اور جو کچھ اس سیاہی سے ابھرا وہ تعجب خیز تھا۔ روپ کلی کا مستقبل میری آنکھوں میں روشن ہو گیا اور ستاروں کی یہ کہانی مجھے بڑی عجیب بڑی دلکش محسوس ہوئی۔

پروفیسر، جہاں جہاں انسان کا وجود ہے وہاں وقت متحرک ہے، زمین، دریا، پہاڑ، درخت ایک ہی کہانی سناتے ہیں۔ یہ سب کے سب پرسکوت مٹیلین میں تغیرات ان کی زندگی میں بھی ہیں، ہوائیں پتھروں میں کاٹ کرتی ہیں اور ان کے نقوش بدل دیتی ہیں لیکن صدیوں کی محنت کے بعد زمین پر کونپلیں ابھرتی ہیں۔ اور سوکھ جاتی ہیں، درختوں پر خزاں اور بہار آتی ہے، لیکن وقت سے اور یہ وقفہ اتنا طویل ہوتا ہے۔ کہ وقت کی آنکھیں تھک جاتی ہیں۔ اور پھر سب کی ایک ہی کہانی ہوتی ہے۔ یکساں کہانی۔ اس کے علاوہ ان کے وجود میں اور کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ لیکن انسان کا ہر وجود ایک علیحدہ کہانی کا حامل ہوتا ہے۔ ہر انسان کی کہانی اور ہوتی ہے۔ اور انہیں سے بعض کہانیاں بے حد دلکش ہوتی ہیں۔ چنانچہ میری دلچسپی ان کے وجود میں ہے، سو جو کہانی میں نے ستاروں کی زبانی سنی۔ اس نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں اس معصوم ہستی کو نہ چھوڑوں اور کچھ لمحے یہاں گزار دوں۔ لیکن یہ کہانی ستاروں کا قرض تھی مجھ پر، اور رازداری کا تقاضہ یہ تھا کہ میں اسے عام نہ کروں۔ تاہم مجھے اس معصوم کلی سے ہمدردی بھی تھی جو اپنی ذات میں ایک انوکھی دنیا سمائے ہوئے تھی۔

ستاروں کی ہمنشینی میں خاصا وقت گزارا، اور اس کے بعد رات کی تاریکی آنکھوں میں سما گئی اور دوسری صبح اس وقت جاگا جب سکھ راج کی آواز سنائی دی۔

"صبح ہو گئی ہے مہاراج، سورج چڑھ گیا ہے۔ جاگ جاؤ، بھوجن کا سمے ہے۔" اور میں جاگ گیا، ایک طویل انگڑائی لے کر اٹھ گیا سکھ راج میرے سامنے کھڑا تھا۔

"بڑی تکلیف کرتے ہو میرے لئے سکھ راج، مجھے افسوس ہے۔"

"بھگوان کی سوگند مہاراج تو کوئی تکلیف نہیں ہوتی منش کی سیوا تو منش پر قرض ہوتی ہے۔ آپ نے ہماری زمانی اور رات اس جگہ گزاری۔"

"بڑے آرام سے تھا میں سکھ راج، ارے ہاں ہمارے زندھیر مہاراج کہاں ہیں آج نظر نہیں آ رہے۔"

"رات ہی کو چلے گئے، وہ سنیاسی نہیں بہروپیا بھی تھے مہاراج ہم سے بڑی بھول ہو گئی تھی۔"

"کیا ہوا سکھ راج۔؟"

"رات کو اس نے ہم سے ایسی باتیں کیں کہ بس، اگر منش کو دکھ پہنچانا پاپ نہ ہوتا تو ہم اسے بہت مارتے۔"

"ارے ارے۔ کیا ہو گیا؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"بس ایسی ہی بری باتیں کی تھیں اس نے۔ کہنے لگا، بس ایک ہی اپائے ہے کہ روپ کلی کی شادی کرا دی جائے اور اس کے لئے۔ اس کے لئے اس نے خود کو پیش کر دیا، اس نے کہا کہ وہ روپ کلی کو بیاہ کر لے جائے گا اور اسے سکھ سے رکھے گا، پاپی کہیں کا!"

"اوہ۔ تو پھر؟"

"بس مہاراج، سنسار میں ایک بیٹی کے سوا موجود ہے ہی کون، برداشت نہ کر سکے اور اسے کھری کھری سنا دی، شراپ دے کر چلا گیا۔"

"اچھا ہی ہوا سکھ راج، ایسے آدمی کا گھر میں رہنا ٹھیک نہیں ہوتا، اور تم، تم ہر ایک کے چکر میں مت پڑو۔ بتا رہا ایک دھرم ہے

اور دھرم یہی کہتا ہے کہ بھگوان جو کرے گا ٹھیک کرے گا۔"

"آپ سچ کہتے ہیں مہاراج! بالکل سچ کہتے ہیں۔ میں آئندہ خیال رکھوں گا۔ آخر ایک جوان بیٹی کا باپ ہوں۔" سکھ راج نے کہا۔ پھر ہم دونوں کھانا کھانے لگے۔ تب سکھ راج نے کہا۔

"آپ گھر چلیں مہاراج، چند روز میرے ساتھ رہیں، مجھے خوشی ہو گی۔ اور پھر روپ کلی کے وواہ کے لئے میں آپ سے مشورے کروں گا۔ بہت سے رشتے بھی آئے ہیں میری روپ کے لئے، خود جاگیردار لچھمن رام نے اپنے بیٹے کے لئے، دل زبان سے کہا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ وہ رانجھک ہیں اور رانجھکوں کی شادی برہمن کی بیٹی سے نہیں ہوتی، ہم بھی مہاراج خون کا خاص خیال رکھتے ہیں چاہے مندر میں صفائی کرنے والا ہو مگر کھری ذات کا ہو۔ اب ہم سوچ رہے ہیں کہ کوئی رشتہ لے ہی لیں روپ کلی کے لئے۔"

"ٹھیک ہے، میں تمہارے ساتھ ہوں، لیکن تم بڑے بھولے ہو سکھ راج، ایک غلطی کر کے دکھ اٹھا چکے ہو اور غور نہ کی۔ دوسری غلطی کرنے جا رہے ہو۔"

"دوسری غلطی؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"میرے بارے میں تمہیں کیا معلوم کہ میں کیسا آدمی ہوں۔ پھر بھی مجھے اپنے گھر میں جگہ دے رہے ہو۔" میں نے کہا اور سکھ راج سوچ میں ڈوب گیا، پھر بولا۔

"بات تو ٹھیک ہے مہاراج۔"

"تم میری فکر مت کرو، میں ٹھیک ہوں، آج بستی کی سیر کروں گا۔ ہاں رات کو یہاں رہنے کی اجازت دیدو۔"

"بستی میں کہیں جاؤ مہاراج، پر بھوجن ہمارے ہاں کرو گے، اس بات کا وعدہ کرو۔"

"چلو ٹھیک ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

اور میں بھی یہاں رک کر اس دلچسپ واقعے کے بارے میں جاننا چاہتا تھا پروفیسر جو پیش آنے والا تھا۔ اس لئے میں نے یہاں رکنے کی ٹھانی، پھر اس روز میں نے بستی کی سیر کی اور اس وقت میں ایک چھوٹے سے بازار سے گزر رہا تھا، جب میں نے سنا۔ کچھ لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

"ورگاؤ اس کا بلیدان صاف ہو رہا ہے، راج کمار چتیو سنگھ آج پاگل یہاں پہنچ جائے گا۔ بستی والوں کو چوری چوری خبر دو۔ جسے موقع ملے خاموشی سے یہاں سے نکل جائے۔ نہ جانے کس اپھاگ پر کشٹ آ جائے۔"

"چتیو سنگھ آ رہا ہے۔؟"

"اوش۔" آوازوں میں سنسنی تھی اور ہر جگہ گھوم کر میں نے بستی والوں کے ہراس کا اندازہ لگایا وہ سب چتیو سنگھ سے خوفزدہ تھے۔ تب رات کو میں نے سکھ راج سے چتیو سنگھ کے بارے میں پوچھا۔

"راجہ کشن سنگھ کا بیٹا ہے، اکلوتا بیٹا، غریب خون کی علامت راجہ کشن سنگھ کا۔" گوسنگھ مہاراج راگھوت لال ٹھاکر کا منہ چڑھا تھا۔ ایک معمولی سا انسان لیکن نہ جانے کس طرح رانی راگھوت اس کے جال میں پھنس گئی۔ راگھوت کو مروا دیا گیا اور رانی کی کوشش سے راگھو سنگھ نے راج گدی پر قبضہ کر لیا۔ یوں کشن سنگھ کو راج گدی ملی غریب خون کا خراب نشان کشن سنگھ جو بڑا کام کر سکتا تھا کہ تنہا رہا اور پھر اس نے رجو تھا سے شادی کر لی۔ سڑکوں اور گلیوں میں ناچنے والی رجو تھا رانی بن گئی اور اس نے چتیو سنگھ کو جنم دیا۔ اور اب یہ راجہ کشن سنگھ کے رحم و کرم پر ہے۔"

"اوہ، یہ بات ہے۔"

"ہاں مہاراج کسی کی عزت محفوظ نہیں ہے، کوئی سکھ سے نہیں ہے، چتیو سنگھ جہاں جاتا ہے وہاں دکھ پھیل جاتا ہے۔"

"وہ یہاں آ رہا ہے سکھ راج!"

"کب۔؟" سکھ راج نے پریشانی سے پوچھا۔

"شاید بہت جلد۔" میں نے جواب دیا۔

"بھگوان بستی والوں کی رکھشا کرے۔" سکھ راج نے گہری سانس لے کر کہا۔

"لوگ بستی چھوڑ کر بھاگنے کی فکر میں ہیں۔"

"برا کر رہے ہیں، اسے پتہ چل گیا تو بہران نکلوا دیگا۔ اپنا اپمان سمجھے گا پاپی، اپنے پاپوں کو کون دیکھتا ہے۔"

"تمہیں خطرہ نہیں ہے مہاراج۔؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں، اس لئے کہ چتیو سنگھ کی جنم کنڈلی میں نے بنائی تھی۔ اور کشن سنگھ نے مجھے وچن دیا تھا کہ میری رکھشا کی جائے گی، میں نے اس سے کوئی اور چیز نہیں مانگی، پر میری عزت کی جاتی ہے۔"

"اوہ، یہ بات ہے۔"

"پھر بھی میں بستی والوں کے لئے پریشان ہوں۔" سکھ راج نے کہا۔ میں خاموش ہو گیا تھا۔ لیکن پھر میں چتیو سنگھ کے افکار میں مصروف ہو گیا۔ جس میدان کی بات کی گئی تھی میں نے اسے تلاش کر لیا۔ یہاں خیمے نصب کئے جا رہے تھے۔ بے شمار لوگ مصروف تھے۔ بستی سے بھی بیگاری کے لئے لوگ پکڑ کر لے جائے گئے تھے۔ میں ان تمام کارروائیوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

دو دن گزر گئے، تیسرے دن راجکمار چتیو سنگھ وہاں پہنچ گیا۔ بستی کے بڑے بڑے لوگ اس کے چرن چھونے گئے تھے۔ راجکمار ایک خوبصورت جوان تھا لیکن انداز سے سرکشی نمایاں تھی۔ آنے والوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ تب ایک بار اس نے اپنے ایک مشیر سے کہا

"کیوں لال، کیا اس بستی میں عورتیں نہیں رہتیں!"

"کیوں نہ رہتی ہوں گی راجکمار جی۔"

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

"ایک بھی نہیں آئی ہم سے ملنے سسری۔ کیا بستی والے ہمیں اس قابل نہیں سمجھتے۔" ذرا پھر چھوان سے:

"کیوں بستی والو۔ تمہاری عورتیں راجکمار کی سیوا میں کیوں نہیں آئیں۔ مکھیا بنس راج تم بتاؤ۔" گجن لال نے ایک بوڑھے ہاری سے کہا۔

"عورتیں گھروں کی شوبھا ہوتی ہیں مہاراج، ان کے آنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم سب جو آ گئے۔"

"مگر یہ راج کمار کا اپمان ہے۔" گجن لال نے لال پیلی آنکھوں سے کہا۔

"کس کی مجال کہ راجکمار جی کا اپمان کرے۔ اگر راجکمار جی اسے اپمان سمجھ رہے ہیں تو کل ساری عورتیں سیوا میں توشیوں کے پھول لائیں گی۔" مکھیا نے جان بچانے کے لئے کہا۔ اور راجکمار کا منہ بن گیا۔ وہ ان لوگوں سے اچھے انداز میں نہیں پیش آ رہا تھا۔ بہرحال آہستہ آہستہ کر کے سب چلے گئے۔ البتہ میں نے تھوڑے فاصلے پر ڈھونی رما دی تھی۔ مجھ سے کسی نے تعرض بھی نہیں کیا تھا۔ نہ ہی کسی نے میری طرف توجہ دی۔ دن بھر میں نے دور سے راجکمار کے نو آباد خیموں کے شہر کا جائزہ لیا۔ حسین عورتوں کی کافی تعداد تھی۔ جس سے راجکمار کی اوباش فطرت کا اندازہ ہوتا تھا۔ بہرحال میں نے ان کے قریب جانے کی کوشش نہیں کی۔ ہاں رات کو میں سکھ راج کے پاس ضرور گیا تھا۔

سکھ راج دکھی تھا۔ اس کی پیشانی پر سوچ کی شکنیں نمایاں تھیں۔ میں نے اس سے پوچھا۔ تو وہ بولا۔ "یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ اس کی باتوں سے پتہ نہیں چلتا کہ اس کی فطرت کیا ہے۔"

"ہاں۔ یوں بھی میں اس کی رہائش گاہ کا جائزہ لیتا رہا ہوں۔"

"تم نے جو مہاراج۔ اس کے کسی آدمی سے بھڑنے کی کوشش مت کرنا۔ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔" سکھ راج نے کہا۔

"اب کیا ہو گا سکھ راج۔ کیا کل ساری عورتیں اس کی خدمت میں جائیں گی۔"

"ہاں اس کے علاوہ اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔ مکھیا نے وعدہ کیا ہے۔ دوسری صورت میں نہ جانے کیا ہو جائے۔"

"تم اس سے نہیں ملے سکھ راج۔"

"ملا تھا، مگر اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ یوں بھی وہ مجھے نہیں پہچانتا۔ میں نے اس کے بعد ان سے کبھی ملاقات نہیں کی۔"

"ہوں۔" میں۔ پر خیال انداز میں بولا۔ لیکن میں دل ہی دل میں بہت دور کی سوچ رہا تھا۔ میں نے برگد کے نیچے بیٹھ کر بہت سے فیصلے کئے اور پھر ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے خیموں کے شہر کی جانب چل پڑا۔ خیموں کے شہر سے تھوڑی دور میں نے اس رمپایا اور جھاڑ جھنکار جمع کر کے ان میں آگ لگا دی۔ شعلے کافی بلند ہو گئے تھے اور دھواں پھیل رہا تھا۔ تب چند آدمی میرے قریب پہنچ گئے اور ان میں سے ایک نے سخت لہجے میں کہا۔ "اے سادھو مہاراج۔ یہ کیا کر رہے ہو، تمہیں پتہ نہیں یہاں راجکمار پیتو سنگھ مدھارے ہیں۔"

"پتہ ہے مہاراج، مگر ہم سے انہیں کیا کام ہے۔"

"یہ آگ بند کرو، ورنہ کہیں ہم تمہیں اسی میں ڈال کر بھسم نہ کر دیں۔"

"اگر تمہارے راجکمار کو اس سے کوئی فائدہ ہو سکتا ہے تو ضرور ایسا ہی کرو بھائی، آگ تو ضرور جلے گی۔" میں نے کہا اور آنے والے آپے سے باہر ہو گئے، انہوں نے آگ کو تتر بتر کر دیا اور مجھے گالیاں دیتے ہوئے چلے گئے۔ لیکن میں نے چند ساعت کے بعد آگ دوبارہ روشن کر دی تھی۔

اس بار وہ لوگ بڑے غیظ و غضب کا شکار ہو کر آئے تھے۔ ان میں سے بہت سوں نے آگ پر پانی ڈال کر اسے بجھایا اور بعض نے مجھے پکڑ لیا۔ میں نے تعرض نہیں کیا تھا، تب وہ لوگ مجھے لے کر خیموں کے شہر میں پہنچ گئے۔ ایک طرف سے سازوں کی آوازیں آ رہی تھیں، گھنگروؤں کی جھنکار بھی سنائی دے رہی تھی۔ مجھے ایک خیمے میں دھکیل دیا گیا اور ان میں سے ایک آدمی بولا۔ "اگر رات بھر یہاں سے باہر نکلے تو اپنی موت کو آواز دو گے۔"

"تو میں اپنی موت کو آواز دے رہا ہوں بھائی، تم ادھر سے نکلو گے تو میں ادھر باہر نکل جاؤں گا۔" میں نے کہا۔

"نکل کر دیکھو، یہ تلواریں تمہارے ٹکڑے کر دیں گی۔"

اور میں نے اطمینان سے خیمے سے باہر قدم رکھ دیا۔ ان میں سے ایک نے غصے سے تلوار سونت لی تھی، لیکن دوسرے نے اسے روکا۔

"نہیں، نہیں ایسا مت کرو، ممکن ہے راجکمار کو یہ بات پسند نہ آئے، اسے راجکمار کے پاس لے چلو۔"

"اس سمے کیوں شامت آئی ہے۔"

"اور کیا کیا جائے۔ بلوا اسے راجکمار کے پاس لے چلو۔ وہ جو کہہ گیا دیں گے۔" اور وہ لوگ مجھے پکڑ کر اس طرف لے گئے جہاں ناچ رنگ ہو رہے تھے۔ حسین رقاصائیں نیم عریاں لباس میں بدن کے جوہر دکھا رہی تھیں، شراب کا دور چل رہا تھا، راجکمار بدمست تھا اور دوستوں کے ساتھ میٹھا قہقہے لگا رہا تھا۔

مجھ پر نگاہ پڑی تو چونکا، اور پھر ہاتھ اٹھا کر مجھے قریب لانے کا اشارہ کیا۔ مجھے گرفتار کرنے والے مجھے لئے ہوئے اس کے قریب پہنچ گئے۔ "کیا ہو رہا ہے یہ۔ کون ہے یہ اور کیوں پکڑ لائے ہو اسے۔"

"برائٹ کوٹ سادھو ہے مہاراج، آگ جلا رہا تھا۔ ہم نے

منع کیا تو نہیں مانا اور دوبارہ آگ جلا دی۔ خیمے میں بند کیا تو بولا کہ ادھر جاؤ گے تو میں ادھر سے نکل جاؤں گا۔ مجبور ہو کر اسے آپ کے پاس پکڑ لائے۔"

"کیوں سادھو مہاراج، مرنے کے لئے یہی جگہ رہ گئی تھی۔" راجکمار نے پوچھا۔

"ہاں دھنا پیتو سنگھ۔ سوچا تمہارے ہاتھوں ہی مریں گے۔" میں نے مسکرا کر کہا اور وہ مجھے غور سے دیکھنے لگا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

"یہ سونے کی مورتی بوجھ کیوں لگ رہی ہے۔ بیٹھ جاؤ۔ چلو چھوڑ دو اسے۔ اور تم بھاگ جاؤ۔" نہ جانے کیوں وہ مجھ پر مہربان تھا۔ رقص برابر جاری تھا۔ لیکن پیتو سنگھ مجھے غور سے دیکھے جا رہا تھا۔ "بھگوان کی سوگند تم نے سنیاس لے کر بڑی ناریوں کا حق مارا ہے۔ تمہارے جیسے جوان کو تو بیچ بازار کھڑے کر لینا چاہیے تھا کہ حسینائیں ہر راتوں کی طرح آتیں اور جل کر راکھ ہو جاتیں۔ . . . گجن لال۔"

"جی مہاراج!"

"تم نے ایسا حسین۔ ایسا باز کا کبھی دیکھا!"

"آپ کو دیکھنے کے بعد مہاراج کوئی اور نگاہ میں کہاں چڑھے۔ مگر سادھو واقعی خوبصورت ہے، اس کا بدن تو سونے کا معلوم ہوتا ہے۔"

"ہاں، ہم نے انسانوں کا رنگ ایسا کبھی نہیں دیکھا۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ سونے کے تالاب میں نہا کر آیا ہے۔"

"یہ سادھو سنت جڑی بوٹیوں کے متوالے ہوتے ہیں مہاراج۔ ممکن ہے اس نے ایسی ہی کوئی لاگ لگائی ہو۔" گجن سنگھ نے کہا۔

"دھرتی بھگوان کی ہے۔ اس کے بارے میں جو کوئی جانے دوسرے کو ضرور بتائے۔ تم جو کچھ بھی کر رہے تھے اسے بھول جاؤ۔ مہاراج، ہمارے متر بن جاؤ اور یہیں بھی اپنے جیسا بناؤ۔ بولو ہماری سہائتا کرو گے، ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی تم جیسے بن جائیں اور سارے سنسار کی ناریاں ہمارا نام لے کر آنکھ کھولیں اور ہمیں یاد کرتے کرتے سو جائیں۔"

"ٹھیک ہے کمار، میں تجھے یہ گر بتا دوں گا۔"

"آرام سے بیٹھو مہاراج۔ بہت سی باتیں کریں گے تم سے۔ ناچ دیکھو، یہ بھی تو بھگوان کی کرتن ہیں، ہاں مگر اس جوانی میں تم پر کیا چنتا پڑی کہ سنیوگ لے لیا۔ جوانی تو چند روز کے لئے آتی ہے، اس سے پورا فائدہ اٹھاؤ۔ باقی اس کے گزر جانے کے بعد تو سنسار فانی رہ جاتا ہے۔ لیجو مہاراج کو ایک جام دو!"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ راجکمار کا خیال تھا کہ میں شراب نہیں پیوں گا، لیکن میں نے اطمینان سے جام لے لیا، اور راجکمار ہنسنے لگا۔ "واہ، بڑا کام کیا ہے میں نے جیون میں، ایک سادھو کو انسان بنا دیا۔" وہ ہنستا رہا۔ میں تو اپنی سوچ پر عمل کر رہا تھا۔ رات گہری ہو گئی تھی اور رقص میں تیزی آ رہی تھی، راجکمار بدمست ہو گیا، اور میرا گہرا دوست بن گیا۔ تب اس نے میرے لئے ایک آراستہ خیمہ منتخب کیا اور مجھے پیش کش کی کہ میں ان رقاصاؤں میں سے کسی ایک کو منتخب کر لوں۔ تب میں نے ایک حسین رقاصہ کی جانب انگلی اٹھا دی، اور رقاصہ کو میرے خیمے میں چھوڑ دیا گیا۔

"لگتے تو یوں ہے کہ جیسے تم آکاش سے اترے ہو۔ دھرتی کے لوگ تو تم جیسے نہیں ہوتے۔ مگر یہ جوگیوں کا روپ کیوں دھارن کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"تجھ سے کہوں کہ تیری تلاش میں!" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"نہ نہ۔ کہو گے بھی تو ہم نہ مانیں گے۔ ہم مردوں کی باتوں سے بڑے واقف ہیں، من چاہے تو سچی بات بتا دوں۔" بھگوان کی آڑ میں شیطان کے دوست لگو ہو۔"

"گویا تم راجکمار کو شیطان سمجھتی ہو۔" میں نے کہا، اور اس کا چہرہ اتر گیا، ساری چونکڑی بھول گئی۔

"یہ ہم نے کب کہا۔" وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔

"راجکمار نے ہی تو مجھے، پناہ دوست بنایا ہے۔"

"ہم نے تو یہ سوچا ہی نہیں تھا، بھول ہو گئی مہاراج بھگوان کے لئے شما کر دو۔" اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"ارے تو ہم کس سے کہتے جا رہے ہیں، پریوی تم کون ہو اور راجکمار کے ہتھے کس طرح چڑھ گئیں!"

"داسی ہیں ان کی، ان کا من بہلانا ہی ہمارا جیون ہے، ان باتوں کو چھوڑو۔ ہم کیا سیوا کریں تمہاری؟" اس نے کہا اور ایک بھرپور نگاہ میرے اوپر ڈالی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ عمر تجربات سے بہت کم ہے، تجربے کی عمر اس عمر سے دس گنا زیادہ لگتی تھی۔ بہرحال ہر چیز کی گہرائی میں کیوں اترا جائے، راجکمار کی دوستی ہی کافی ہے۔ اور انسان کی تحریک سے دور رہنا ناممکن اس دوستی سے میں ستاروں کی پیش گوئی کے تجربات کرنا چاہتا تھا اور یہی سب کچھ اس دنیا میں میرے لئے دلچسپی کا باعث رہا، ورنہ اکتاہٹ بدن کی گہرائیوں ہی میں لے جاتی ہے، اور ابھی زمانے کو بھول کر سونے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن تمار تو کبھی آتاہٹ کے قریب نہیں پھٹکنے دیتا اور زندگی رات کے گزرنے کا کچھ احساس ہوتا ہے کہ سفر کے حسین راستے ہر دوسرے خیال کی قید میں نہیں آتے نہ پلکیں جڑتی ہیں اور سورج یوں نکل آتا ہے جیسے ڈوبا ہی نہ ہو اور میں اس تصویر میں کبھی تنہا نہ رہا۔ یہ تاریخ سے صدیوں کی سیر پروفیسر خیمے کی روشنی اس کے لئے بھی حیران کن تھی اور حسرت تھی اس کی آواز میں کہ کیا صبح ہو گئی، خیمے کے کھلے حصوں سے چھنتی ہوئی دھوپ کو غم آلود نگاہوں سے دیکھا اس

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

لے اور پھر اس کی پلکیں جھک گئیں۔

"تمہارے ساتھ گزارا ہوا وقت کیسا گزرا ہے جیسے ایک پل بیتا ہو۔ میں نے تو سانس بھی نہ لی تھی کہ صبح ہو گئی، کیا اب رات بھی نہ ہو گی۔!" تب میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"دن گزارنے کے بعد، اور ممکن ہے کل کی رات بھی اس خیمے میں تم میرے ساتھ رہو۔"

"آہ، بھگوان کرے وہ جلدی بیت جائے اور میں تمہیں پہلے کی طرح نہ دیکھوں۔ تم کون ہو مجھے آتما تو نہ دو نام تک نہ بتایا، دھرتی میں کوئی نہیں آتی ہیں۔ لیکن سب کی سب روندنے کے لئے تو نہیں ہوتیں اور پھر ہم تو انسان کہلاتے ہیں کوئی سمجھے نہ سمجھے۔" اس نے سسکی لے کر کہا۔

"نام میں کیا رکھا ہے دیوی، نام تو تم نے بھی نہیں بتایا۔"

"میں تو داسی ہوں، پوچھتے تو ضرور بتاتی۔ چندا ہے ہمارا نام۔ پھر ہم تمہیں کس نام سے پکاریں۔ پورن ماشی کے چندرما کی مانند ہو۔ ہم تمہیں پورن کہیں گے۔"

"ضرور کہو، تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔" میں نے جواب دیا اور وہ باہر نکل گئی کہ اشنان کا سمے تھا اور کسی داسی کو اجازت نہ تھی کہ وہ اپنی پسند کو ترجیح دے۔ راجکمار کے بتائے ہوئے اصولوں پر۔ تب میں بھی باہر نکل آیا، اور دو سپاہی میرے خیمے کے سامنے موجود تھے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ مجھے صبح کا بھوجن راجکمار کے ساتھ ہی کرنا ہے اور ان کی آوازوں میں احترام تھا اور یہ معمولی بات نہیں تھی۔

ضروری تیاریوں کے بعد میں راجکمار کے وسیع خیمے کے سامنے پہنچ گیا۔ اندر اس کے چند خاص آدمیوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ راجکمار مجھ پر نظر آرا تھا، اس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا، چنانچہ میں اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔ "بھگوان کی سوگند صبح کو تمہارا خیال آیا تو میں نے خود کو نشے میں سمجھا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ نشے میں ہونے کی وجہ سے میرے حواس نے مجھے دھوکہ دیا ہے، لیکن دن میں تو تم رات سے بھی زیادہ سندر نظر آ رہے ہو۔ کہو نہ ہو تم اور یہ روپ تم نے کہاں سے پایا، کیا بات کی باتیں سچ تھیں؟" راجکمار نے پوچھا۔

"مجھے تعجب ہے کمار جی، آپ کو نہ جانے میں کیا نظر آ رہا ہوں۔ حالانکہ آپ خود اتنے سندر ہیں کہ آپ پر سے آنکھیں ہٹانے کو جی نہ چاہے۔"

"کیوں بھائیو کیا اب یہ جنگل کا باسی مجھے بے وقوف نہیں بنا رہا کیا، اس کا رنگ و روپ بنا رہا نہیں ہے، کیا اس جیسا چمکدار سنہری بدن تم نے کسی اور کا دیکھا ہے، کیا اس کے سے خوبصورت بال پہلے کسی منش کے دیکھے گئے ہیں اور اس کے جھوٹ بولنے کی ایک وجہ میری سمجھ میں آتی ہے۔ یہ نہیں چاہتا کہ اس جیسا روپ کسی دوسرے کو ملے۔ پھر یہ اپنی سندرتا میں اکیلا رہے۔ مگر کیا یہ ہمارے ہاتھوں سے بچ سکتا ہے۔ نہیں سادھو مہاراج تم میرے دوست کے چکر میں پھنسے جواب تو بتائے ہی بنے گی۔ مجھے اس سندرتا کا راز بتاؤ، اور زمین بہت ضدی آدمی ہوں جان سے جاؤ گے بلاوجہ۔" راجکمار نے کہا اور میں ہنس پڑا۔

"بھوجن سے پہلے ساری باتیں کر لو گے راجکمار!"

"اوہ۔ نہیں بھوجن کر و پہلے، مگر میں تو اب پریشان ہو گیا ہوں۔ میں راجکمار ہو کر تم جیسا نہیں ہوں۔ دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔ مہاراج، یا تو ان جڑی بوٹیوں کا پتہ بتاؤ جنہیں کھا کر یہ صورت نکالی ہے یا خود ہی میرے لئے وہ چیزیں لا دو، میں تمہیں اتنی دولت دوں گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے، دوسری صورت میں تم اس دھرتی پر نہیں رہ سکو گے، میں تمہارے وجود کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

میں نے خاموشی سے اس کے ساتھ ناشتہ کیا اور ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد جب اس نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا تو میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں تمہیں اس کا راز بتا تو دوں راجکمار مگر تم یہ نہ کر سکو گے جو میں کہتا ہوں۔"

"کیوں، کوئی بہت بڑا کام ہے کیا۔ کتنا ہی بڑا ہو، تم پتو سنگھ کو نہیں جانتے مہاراج وہ ضد کا پکا ہے۔ جس چیز کو حاصل کرنا چاہتا ہے جان کی بازی لگا کر حاصل کر لیتا ہے۔ اب سنسار میں تمہارے جیسے دو ہوں گے، یا پھر ایک بھی نہیں ہو گا۔ کیا سمجھے۔ تمہارا جیون اس طرح بچ سکتا ہے کہ مجھے اپنا راز بتا دو، یا پھر خود بھی نہ رہو۔" وہ ہنس پڑا۔ بڑا کھلنڈرا انداز تھا۔ میں نے محسوس کر لیا کہ وہ بہت ضدی انسان ہے۔ تب میں نے مسکرا کر کہا۔

"میرے بدن کے مسامات سے آگ کی تپش جذب کی ہے۔" راجکمار پتو، آدمی کے قد سے اونچے شعلوں کی آگ، بدن کو یہ روپ بخشتی ہے۔ شدید آگ کا نہان منش کا روپ بدل دیتا ہے، بوتو ہمت کرو گے اس کی۔"

اور پتو سنگھ کا چہرہ خوفناک ہو گیا۔ اس نے شدید غصے سے مجھے دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو تم نے کئی سچائی ہے اپنے بدن پر سادھو مہاراج پھر تو بڑے ہی مہان ہو تم اور تمہارے لیان کا کیا ٹھکانہ۔ کون ہے جو پورے دیش میں تمہاری ٹکر کا ہو، مگر کئی تو تپش کو بھسم کر دیتی ہے سادھو جی۔ اس میں اتنی تو بل سکتی ہے، زندہ انسان بھلا اس کی تپش کو کیسے برداشت کر سکتا ہے، سوائے ایک بات سمجھ میں آئی وہ یہ کہ تم جھوٹ سے کام لے رہے ہو۔ اور پتو سنگھ سے مذاق کر رہے ہو یا اسے ڈرا رہے ہو، پھر اس بات کو کیوں بھول گئے کہ تمہارے یہ شبد خود تمہاری جان کا جنجال بن سکتے ہیں۔ کیوں مہاراج کیا تم اپنے کہے ہمارے سامنے بھی آگ میں تپا سکتے ہو، ذرا ہم بھی تو دیکھیں کہ کیا کے جبل کیا ہوتے ہیں۔ اور وہ اتنی جو شریر کو جلانے کا کام کرتے ہے کیسے شریر میں سمائی ہے، گرفتار کر لو اس رنگے سیار کو اور اس کے لئے اس کی پسند کی چتا تیار کر دو، اس نے ہماری حیثیت کو بھول کر بات کی ہے۔" راجکمار کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

"جسے ایک بار منتر بنا لیتے ہیں پتو سنگھ اس کے ساتھ برا سلوک نہیں کرتے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے، ٹھیک کہا ہے۔ تم چتا تیار کراؤ اور تجربہ کر لو۔ میں تو آگ میں بھسم ہو ہی جاؤں گا۔ پھر گرفتار کرانے کی کیا ضرورت ہے۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ اور پتو سنگھ کی آنکھوں میں حیرانی کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ مجھے گھورنے لگا، جو لوگ مجھے گرفتار کرنے کے لئے آگے بڑھے تھے، وہ بھی رک گئے تھے۔ تب پتو سنگھ نے ہاتھ سے انہیں ہٹ جانے کا اشارہ کیا اور بولا۔

"تیرا نام کیا ہے؟"

"تم مجھے پورن کہہ لو۔"

"اس جوان عمری میں سادھو کیوں بن گیا؟"

"سادھو تو تم مجھے کہہ رہے ہو پتو سنگھ، خود میں نے تو تم سے یہ بات نہیں کہی کہ میں سادھو ہوں۔"

"تو تو، سنت نہیں ہے، مگر تیرا حلیہ!"

"میرے حلیے میں بھی ایسی کوئی بات نہیں ہے، بس ایک سیاح ہوں، ایک آوارہ گرد، گیان دھیان سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"اور تو نے اگنی کی جو بات کہی ہے!"

"جھوٹ نہیں کہی، تم چتا تیار کرا لو تمہیں خود پتہ چل جائے گا!"

"بس اس بات پر مجھے غصہ آ رہا ہے، مگر پورن۔ نہ میں تمہارا دشمن ہوں اور نہ بے وقوف کہ تیری بات مان لوں۔ اور تجھے چھوڑ دوں۔ اگر تو سچا ہے تو اگنی میں نہا کر دکھا دے، اور اگر جھوٹ ہے تو اب بھی اپنا جھوٹ مان لے۔ اور مجھے اپنی خوبصورتی کا راز بتا دے، بول کیا کام کرنے کے لئے تیار ہے!"

"تجھے منتر کہا اور سچی بات بتا دی۔ اب تجربہ کرنا تیرا کام ہے۔" میں نے تنگ کر کہا۔ لیکن پتو سنگھ بدستور طیش میں ڈوبا رہا۔ اور پھر اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے تم آگ جلاؤ، خوب موٹے موٹے لکڑ اس میں ڈالو اور اتنا تیز کر دو اسے کہ پتھر بھی اس میں گریں تو بھسم ہو جائیں۔ تم اپنے انوکھے منتر کی سچائی پر کھلیں گے۔" اور چند لوگ اس کے حکم پر لکڑیاں جمع کرنے چلے گئے، تب کچھ نئے لوگ اس کے حضور حاضر ہو گئے۔

"راجکمار کی جے۔ بستی کی عورتیں آئی ہیں۔ اور مہاراج سے ملنا چاہتی ہیں، ان میں سے ایک نے کہا۔ اور پتو سنگھ ہنس پڑا۔

"اوہو، ٹھیک ہے، انہیں ایک جگہ جمع کر دو۔ تم بھی تیار ہو کر آتے ہیں۔" اس نے کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ "جاؤ یہاں جاؤ، لیکن اطمینان رکھو تم یہاں سے کہیں جا نہیں سکو گے، بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ ہمارے سامنے ہی رہو۔ ہم تو تیار ہو جائیں۔" اور میں خیمے سے باہر نکل آیا، چند لوگوں نے مجھے اپنی نگرانی میں لے لیا تھا لیکن میں دل ہی دل میں ان کی نادانی پر ہنس رہا تھا۔

تب پتو سنگھ باہر نکل آیا، بڑا جھیلا نظر آ رہا تھا خوب عمدہ پوشاک پہنی تھی۔ جس سے اس کی فوقیت کا اندازہ ہوتا تھا، عورتوں سے ملاقات کے لئے خاص ہی اہتمام کیا تھا۔ چار فادار اس کے ساتھ تھے۔ باہر نکل کر اس نے مجھے دیکھا اور پھر ہنس کر بولا۔ "آؤ منہ تم بھی میرے ساتھ ہی آؤ۔"

پھر ہم اس جگہ پر پہنچ گئے جہاں بستی کی بوڑھی اور جوان عورتوں کا ایک گروہ کھڑا ہوا تھا، اور ان کے مردوں کے ساتھ نہیں تھے۔ بھلا کس کی مجال تھی کہ راجکمار پر عدم اعتماد کا اظہار کر سکے۔ عورتوں کے ہاتھوں میں پھول تھے۔ لیکن چہروں کے پھول مرجھائے ہوئے تھے۔ آنکھوں کے کنول خوف میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی کے لب مسکراہٹ کے انداز میں وا نہ ہوئے کسی کی آنکھوں میں پسندیدگی کے جذبات نہیں ابھرے۔ ہاں، راجکمار جن کے پاس سے گزرا اس نے خوف کے پھول ضرور نچھاور کئے۔ اس پر سے بھینٹ بھی چڑھائی گئی۔ راجکمار ایک ایک کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ بوڑھی عورتوں اور بے شکل لڑکیوں کے سامنے سے وہ تیزی سے گزر جاتا، اور جو صورت ذرا دل میں کھبتی اس کے سامنے تھوڑی دیر کے لئے ضرور رکتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں عقاب کی سی چمک تھی اور اس طرح نگاہوں سے انہیں ٹٹول رہا تھا، جیسے قصائی ذبح ہونے والے جانور کو ٹٹولتا ہے۔ اور پھر، وہ یوں چونکا جیسے کوئی انوکھی شے دیکھ لی ہو۔ گویا انوکھی شے ذرا دور کھڑی تھی۔ لیکن بس نگاہ خود بخود اس پر جا پڑی تھی۔ تب اس نے دوسری عورتوں کو نظر انداز کر دیا اور لمبے لمبے چند قدم بڑھا کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

روپ کلی نے پھولوں والے ہاتھ اٹھائے۔ تاکہ موٹا گجرا اس کی گردن میں ڈال دے لیکن راجکمار نے اس کے اٹھے ہوئے ہاتھ بازوؤں سے پکڑ لئے تھے۔ "بھگوان کی سوگند۔ یہ پھول تمہارے مکھڑے سے زیادہ سندر نہیں ہیں، بھگوان کی سوگند، تم کون ہو کیا نام ہے تمہارا۔" اس کے منہ سے آواز نکلی۔

روپ کلی ساکت رہ گئی تھی، پھول راجکمار کی گردن تک بھی نہیں پہنچے تھے۔ روپ کلی نے خود کو اس سے چھڑانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ تب وہ دوبارہ بولا۔ "نہیں اپنا نام نہ بتاؤ گی سندری!"

"روپ کلی!" اس کی پھنسی پھنسی آواز سنائی دی۔

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

"غلط، تمہارا نام روپ ساگر ہے، کلی تو ایک چھوٹی سی چیز ہوتی ہے، تمہارے مہان روپ پر نہیں سمجھی جس سنسار میں بستی ہو۔" راجکمار نے کہا، اور اب جیسے روپ کلی کو ہوش آگیا، اس نے ایک جھٹکے سے دونوں ہاتھ چھڑائے اور پھولوں کا ہار نیچے گر پڑا، تبھی راجکمار جھکا اور اس نے ہار اٹھا کر گردن میں ڈال لیا۔

"ہم ان پھولوں کا اپمان نہیں ہونے دیں گے، کیونکہ انہیں تمہارے ہاتھوں نے چھوا ہے، پر تم نے بتایا نہیں روپ کہ تمہارے روپ کا ساگر کہاں بستا ہے۔ ہم اپنے جنم جنم کی پیاس بجھانے کہاں آئیں، ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ پھولوں سی بستی ایسی خوشنما ہے۔"

روپ کلی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس گردن جھکائی تھی اور اس کا چہرہ طنطنے اور شرم سے تمتما رہا تھا، تب راجکمار نے پیچھے ہاتھ کر کے اشارہ کیا اور گجن لال جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ "روپ کی اس کلی کو دیکھا گجن لال۔ نہ جانے شرمیلی کہاں رہتی ہیں، تمہی معلوم کرو گے ان کے بھید۔" پیتو سنگھ کی آواز سے مکاری عیاں تھی۔ اور گجن لال نے گردن جھکا دی، تب پیتو سنگھ وہیں سے واپس پلٹ گیا۔ "بس اب ہمیں کسی اور سے نہیں ملنا اور باقی عورتیں سکون کی سانسیں لیتی ہوئی واپس پلٹ گئیں۔

پیتو سنگھ الجھا الجھا سا نظر آ رہا تھا، وہ اپنے خیمے میں داخل ہو گیا، روپ کلی کے بارے میں ستاروں کی پیش گوئی کی ابتدا ہو گئی تھی۔ ہیں آئندہ پیش آنے والے واقعات سے کسی حد تک واقف تھا لیکن خود میں آنے ان واقعات میں کوئی مداخلت نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا، تب مجھے ایک خیمے میں پہنچا دیا گیا لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک بار پھر پیتو سنگھ کا بلاوا آگیا۔

پیتو سنگھ اب ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ تمسخرانہ انداز میں ہنس پڑا۔ "تو بڑی ریاضی ہو گی تم نے جیسا کہ تم نے کہاں پورن، ذرا یہ تو بتاؤ کہ عورت کا من جیتنے کے لئے کیا کرنا ہوتا ہے؟"

"من کی جیت راج سنگھاسن پر بیٹھ کر نہیں ہوتی، اس کے لئے آکاش سے دھرتی پر آنا ہوتا ہے، انسان بن کر پریم کرنا ہوتا ہے راجکمار بن کر نہیں۔"

"تب تمہارا تجربہ کچھ بھی نہیں ہے، ہم راجکمار ہیں جہاں جاتے ہیں۔ ہمارے راستے میں لاکھوں انکھیں بچھ جاتی ہیں۔ کنواریاں ہمارے سپنے دیکھتی ہیں اور جسے ہم مل جائیں وہ گویا سورگ پا لیتی ہے۔"

"ہو سکتا ہے پیتو سنگھ، تمہارا تجربہ زیادہ ہو۔"

"بس ہمیں تمہاری سہنا چاہیئے، ہم چاہتے ہیں کہ کنواریاں ہمارا نام لے کر ستی ہو جائیں، جو ہمیں ایک بار دیکھ لے، جیون بھر دوبارہ دیکھنے کی آرزو کرتا رہے، اس معاملے میں تم ہم سے زیادہ خوش نصیب ہو۔ ایک بار پھر ہم تمہیں زندگی کی دعوت دیتے ہیں، ہمیں اپنے رنگ میں رنگ دو۔"

"اگر میرے بس میں ہوتا راجکمار تو منتر کہنے کے بعد میں تمہارے لئے یہ ضرور کرتا، لیکن میرے دوست بس آگ میں ہی یہ رنگ ہے، اگر تم آگ برداشت کر لو تو میرا دعویٰ ہے کہ یہ رنگ حاصل کر لو گے۔"

•

"تم ابھی تک بڑی رٹ لگائے ہوئے ہو، کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہارے اس نرم انداز پر رحم کھاؤں گا۔ آگ تیار ہو چکی ہے۔ اور جوں جوں تم ضد کر رہے ہو تمہاری موت قریب آتی جا رہی ہے۔ آؤ، میں تمہیں دکھاؤں تمہاری ضد کا کیا انجام ہونے والا ہے۔" وہ اٹھ گیا۔ میں بھی اس کے ساتھ خیمے سے باہر نکل آیا تھا۔ میدان کے ایک سرے پر دھویں کے بادل بلند ہو رہے تھے۔ خوب اونچے اونچے شعلے اٹھ رہے تھے۔

راجکمار نے اسی سمت کا رخ کیا اور جہاں تک تپش تھی برداشت تھی وہاں تک پہنچ کر رک گیا۔ "تو یہ آگ تمہارے رنگ کو جلا دیتی ہے کیوں! اب بھی سوچ لو وقت ہے۔"

"ایک بات بتاؤں راجکمار، اگر میری بات سچ ہوئی تو پھر میرے ساتھ کیا سلوک ہو گا؟"

"پوجا کریں گے ہم تمہاری۔ استاد مان لیں گے تمہیں۔ اتنا بڑا تمہارے سے کبھی نہیں ملا تھا، پھر تو تمہارے جیسا کوئی بھی نہیں ہو گا۔"

"تب پھر سنو راجکمار۔ اگر آگ کا رنگ چاہتے ہیں تو میرے ساتھ اندر چلیں۔" میں نے اسے دعوت دی اور آگے بڑھا۔

"ابھی نہیں، آگ کو اور تیز ہو جانے دو۔ میں جانتا ہوں۔ تم اتنا ہتھیار تلے ہوئے ہو۔ پر میں تمہیں اس سے نہیں روکوں گا۔" وہ جھنجلا کر بولا۔ اور پھر اس نے دوسرے لوگوں سے کچھ کہا، تھوڑی ہی دیر میں بہت سے لوگ آگ کے چاروں طرف جمع ہو گئے اور راجکمار میرے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ "ٹھیک ہے مہاراج میرا خیال ہے اب وقت آگیا ہے آپ کے دعوے کے ثبوت کا۔ جائیے اور اپنے اوپر رنگ چڑھائیے۔ ہاں یہ تو بتا دیں کہ آپ کی راکھ کہاں پھینکی جائے؟" اس نے کہا۔ اور میں نے اب اس سے مزید گفتگو کرنا مناسب نہ سمجھا اور آگ کی طرف بڑھ گیا۔ راجکمار کا خیال تھا کہ میں اب اس مذاق کو ترک کر دوں گا۔ لیکن جوں جوں میں آگے بڑھتا جا رہا تھا اس کا چہرہ حیرت کی تصویر بنتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ میں آگ کے قریب پہنچ گیا، اور اس وقت سارے خیالات اچانک میرے ذہن سے نکل گئے۔ میں یہ بھی بھول گیا کہ میں کسی کو مرعوب کرنے کے لئے کسی عمل آتش کا خواہشمند ہوں۔ آگ کی لطیف حرارت پا کر میرے بدن کے مسامات نے منہ کھول دیا تھا اور طلب کر رہے تھے وہ حرارت زندگی، سو آگ میں داخل ہو گیا، اور لاتعداد

زبانوں نے میرا تعاقب کیا تھا۔

لیکن اب یہ آوازیں میری سماعت سے باہر تھیں۔ میں ترکیف و سرور کی ان وادیوں میں پہنچ گیا تھا۔ جہاں دوسری چیزوں کا گذر نہیں۔ لیکن دوسرے لوگ نہ جانے کیا کرنے لگے تھے بس آوازیں ابھری تھیں جو بظاہر بہت دور سے آ رہی تھیں، تیز آگ نے میرے وجود میں نئی زندگی ڈال دی تھی۔ اور میرا رنگ و روپ بلا پا گیا تھا۔

لیکن بے وقوف لوگ آگ کے خلاف جنگ میں مصروف ہو گئے تھے اور ان کی مسلسل کوششوں نے حرارت میں کمی پیدا کرنا شروع کر دی۔ وہ آگ پر پانی ڈال رہے تھے اور چونکہ سب کے سب اس کام میں مصروف ہو گئے تھے، اس لئے آگ مدھم پڑتی جا رہی تھی۔

مجھے ان بے وقوفوں پر شدید غصہ آنے لگا۔ ابھی تو میری روح میری نہیں ہوئی تھی اور آگ صرف دھویں میں بدلتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اسے مکمل طور پر بجھانے میں کامیاب ہو گئے۔

لوگوں کے گروہ سمٹ آئے تھے بجھی ہوئی آگ کے نزدیک اور انکھیں پھاڑ پھاڑ کر شاید میری جلی ہوئی لاش کو تلاش کر رہے تھے۔ لیکن جب انہوں نے میرے وجود کو سوختگی دیکھا تو ان کی ڈری ڈری چیخیں ابھرنے لگیں، بہت سے کمزور دل تو اس ناقابل یقین واقعہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

تب میں افسردہ سا آگ سے باہر نکل آیا اور میرا پورا بدن چمک رہا تھا کندن کی مانند اور حیرت سے منہ کھولے کھڑا تھا بے وقوف پیتو سنگھ، سو میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ اور ایک شخص کے نزدیک سے گزرتے ہوئے میں نے اس کا دوشالا کھینچ لیا اور اسے اپنے بدن کے گرد لپیٹ لیا۔ کیونکہ میرا اپنا لباس آگ کی نذر ہو چکا تھا۔

"آگ بجھانے کی کوشش کیوں کی گئی تھی۔ پیتو سنگھ اگر یہ روشن رہتی تو میرے وجود کی چمک ناقابل دید ہوتی، لیکن میرا خیال ہے تمہاری تسلی ہو گئی ہو گی۔" میں نے اس سے کہا، لیکن اس کی تو آواز ہی بند تھی، بمشکل تمام اس نے کہا۔

"تو..... تو جادوگر ہے پورن، بہت بڑا جادوگر، ناممکن ہے ناممکن ہے بھگوان کی سوگند۔"

"نہیں پیتو سنگھ، وہ جادوگر نہیں ہے۔" ایک بوڑھے اور تجربے کار شخص نے کہا جو پیتو سنگھ کے نزدیک کھڑا ہوا تھا۔ سو پیتو سنگھ نے حیران نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"اگر جادوگر نہیں تو پھر، یہ بھڑکتی آگ سے زندہ کیسے نکل آیا۔؟"

"جادو کے بارے میں تو تم بھی یہ بات اچھی طرح جانتے ہو پیتو سنگھ کہ خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو آگ دیوی اس کا توڑ ہوتی ہے، آگ کا نہان ہر جادو کا توڑ ہے، نہیں نہیں یہ جادوگر نہیں ہے۔"

"تب یہ آکاش سے اترا کوئی دیوتا ہے۔ ہیں۔ ہیں اس سے دور رہنا چاہتا ہوں۔ اسے میرے سامنے سے لے جاؤ۔"

"نہیں پیتو سنگھ تو تو ہار رہا ہے۔ اب تو تجھے میری بات ماننا پڑے گی۔ تم نے کہا تھا کہ اگر میری بات سچی ہوئی تو مجھے تیری دوستی حاصل رہے گی۔ اور تو اب مجھ سے خوف کا اظہار کر رہا ہے۔"

"نہیں مہاراج، بھیا تم کھوکے دیا ہی ہو گا۔ مہاراج کو احترام کے ساتھ لے جاؤ۔ اس کے لئے ایک بڑا خیمہ لگا دو، اور خبردار ان کی سیوا میں کوئی کمی نہ کی جائے۔" پیتو سنگھ نے کہا اور مجھے ہنسی آنے لگی، پیتو سنگھ کے ہوش و حواس درست ہو گئے تھے۔ اور پروفیسر میری انفرادیت نے مجھے بھرپور مدد دی تھی کہ یہ توصیفیں سے ہوتا آیا تھا۔

بڑے خیمے میں ضروریات زندگی کی ساری چیزیں مہیا کر دی گئی تھیں اور جب رات ہوئی تو میں نے سابقہ رات کی حسین و دلنشین چندرا کو طلب کر لیا، چندرا سولہ سنگھار کئے ناز سے اٹھلاتی ہوئی میرے خیمے میں داخل ہو گئی، اس کی آنکھوں میں خوشیوں کا چراغاں ہو رہا تھا۔ جیسا کہ دوسرے کہتے ہیں کہ تم کوئی مہان دیوتا ہو، آکاش سے اترے ہو یا پھر اتنے بڑے جادوگر ہو کہ گنی کے پاس بھی تمہارے جادو کا توڑ نہیں ہے سو جادوگر تو ہم بھی نہیں مانتے ہیں کہ جب سے گئے ہیں تمہارے پاس سے اتنے بے کل رہے کہ کسی اور چین نہ آیا۔ پھر پیتو سنگھ پر تم نے کیا جادو کر دیا؟"

"کیوں، کیا وہ بھی بے کل ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"پاگل ہو رہا ہے دیوانہ، مجھے پاس بلایا اور پچھلی رات کی کہانیاں پوچھیں، بولا۔ میں نے کوئی بات دیوتاؤں کی پالی، اب میں کیا کہتی نردولی سے جل کر بھسم ہو جاتا، سو میں نے تھوڑا سا جھوٹ بول دیا۔"

"کیا جھوٹ بولا تم نے؟"

"میں نے تو یہی کہا کہ پورن ہے، بس ساری بات ہیں، اسے کتھا سنائی رہی اور وہ جھومتا رہا۔" اس نے کہا اور ہنس پڑی۔ میں اس کی ہنسی کی تنگی میں کھو گیا۔

"تو آؤ چندرا، آج کی رات بھی تم مجھے کتھا سناؤ، اور ساری رات سناتی رہو۔" چندرا کی آنکھوں میں مسرتیں سمٹی ہوئی تھیں۔ اس نے مسکرا کر خدا باتی انداز میں میرے [illegible] ور رکھ دیا اور اپنی محبت کا اظہار کرنے لگی، حالانکہ یہ لڑکی [illegible] سے میرے پاس آئی تھی اور جو کچھ میں نے اس کے انداز میں پایا تھا اس سے بخوبی اس بات کا پتہ چلتا تھا کہ وہ معصوم ہونے کے باوجود معصومیت کی حدود کو پھلانگ چکی ہے اور اپنے فن دلربائی میں اس قدر طاق ہے کہ اب اس میں معصومیت اور اظہر تلاش کرنا ایک حماقت ہے، تاہم وہ مجھ سے جس انداز میں محبت کا اظہار کر رہی تھی، اور کرنا

Scanned by aazamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

رہی تھی۔ وہ میرے لئے دلچسپ اور دلکش تھا اور پروفیسر ہیا نے صدیوں میں لاتعداد تجربات کئے تھے اور انہی تجربات میں سے ایک تجربہ یہ بھی تھا۔

سورج ابھی ابھی یعنی سورج کو چندرا کی یکسوئی اور سکون پسند نہیں آیا اور اس نے خیمے کے پردے سے جھانک کر اسے آواز دی، تب چندرا نے آنکھیں کھول کر بے چین نگاہوں سے سورج کو دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

ہنگاموں کا دن شروع ہو گیا۔ لیکن آج پیتو سنگھ نے ۔ اپنے ساتھ ناشتے پر مجھے طلب نہیں کیا تھا ۔ بلکہ میرے لئے یہیں خیمے میں ناشتے کا علیحدہ بندوبست کر دیا گیا تھا۔ جو بہت سے لوگ لے کر آئے تھے۔

میں اس کی وجہ بھی جانتا تھا۔ پیتو سنگھ اب مجھ سے خوفزدہ ہو گیا تھا، وہ میرے وجود کا قرب برداشت نہیں کر سکتا تھا، بہرحال میں بھی اس بات کی طلب نہیں رکھتا تھا کہ اس کے قریب رہوں، چنانچہ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر میں باہر نکل آیا اور پھر میں نے بستی کا رخ کیا۔

بستی والوں کو شاہی خیمے کی کہانی معلوم نہیں تھی، ویسے اب میں ان کے لئے اجنبی بھی نہیں تھا۔ چنانچہ میں دیر تک بستی میں گھومتا رہا، اور پھر میں نے اپنے دوست سکھ راج کے گھر کا رخ کیا۔

سکھ راج کے مکان پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے اسے آواز دی تو وہ ڈیوڑھی سے باہر نکل آیا، اس کی آنکھوں میں کرب کے آثار تھے، مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ بھی اس کا کوئی سندیسہ لائے ہیں مہاراج ۔!"

"کس کا سکھ راج ۔!"

"پیتو سنگھ کا۔ سنا ہے آپ اس کے ستوں میں شامل ہو گئے ہیں۔"

"میں اس کا کوئی سندیسہ نہیں لایا مہاراج اگر آپ کو میری آمد بری لگی ہو تو چلا جاؤں۔" میں نے کہا۔

"ارے نہیں مہاراج، آؤ اندر آ جاؤ، ہمارے من میں تو اندھیرے اتر آئے ہیں، برا سمے شروع ہو چکا تھا، وہ کالا وھبت اب زمین پر اتر آیا ہے مہاراج، اور ہمارے پاس اسے دور کرنے کا کوئی اپائے نہیں ہے۔"

"آپ اتنے پریشان کیوں ہیں سکھ راج جی!" میں اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ اور سکھ راج نے مجھے بیٹھنے کے لئے جگہ پیش کر دی۔

"تباہی نے آج سکھ راج کے گھر کا رخ کیا ہے ۔ پیتو سنگھ کا سندیسہ آیا تھا۔" سکھ راج نے کہا۔

"وہ کب!" میں نے پوچھا۔

"رات کو، اور آج پھر آنے کے لئے کہہ گیا ہے۔" سکھ راج نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔

"کیا کہہ رہا تھا آپ سے پیتو سنگھ کا سندیسہ!"

"اس نے بتایا کہ پیتو سنگھ کو ہماری بیٹی روپ کلی بہت پسند آئی ہے، اور وہ ہمیں عزت دینا چاہتا ہے، کیا ہم یہ عزت قبول کریں گے، یا ذلت اور رسوائی۔" میں نے اس سے پوچھا کہ ذلت اور رسوائی کا کیا مطلب ہے تو اس نے کہا، پیتو سنگھ جسے چاہتا ہے حاصل کر لیتا ہے، اگر تم اپنی خواہش سے روپ کلی کو پیتو سنگھ کی کٹیا میں داخل کر دو تو تمہیں مالا مال کر دیا جائے گا۔ تو تم خود سوچو کہ ہمیں مال و دولت کی کیا ضرورت ہے، ہماری آنکھوں کی جوت تو روپ کلی ہی ہے، روپ کلی کے بدلے ہم دولت کے ڈھیروں کا کیا کریں گے۔ ہر پتا کی سب سے بڑی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اس کی بیٹی عزت کے ساتھ کسی کے گھر میں جائے، اس کے پھیرے کرا دیئے جائیں اور پتا اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائے لیکن جب اس کے علم میں یہ بات آئے کہ وہ ایک راکھشش کے پاس جا رہی ہے اور وہ راکھشش اسے بے عزت باندیوں کی طرح اپنے گھر میں ڈالے رکھے گا تو پتا کے من کا جو حال ہو گا تم خود جانتے ہو۔"

سکھ راج کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ میرے ذہن میں ایک ہلکی سی لہر آئی تھی، لیکن میں نے خود کو پرسکون کر لیا۔ ستاروں کی پیش گوئی یہی تھی تو اس میں مداخلت بے جا اور بے معنی ہوتی اور پھر یوں بھی میں ہر مسئلہ میں اپنی مداخلت پسند نہیں کرتا تھا چنانچہ میں نے سکھ راج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن سکھ راج تم ایک باعزت آدمی ہو اور میں کہہ رہا تھا کہ تم نے پیتو سنگھ کی جرم کنڈلی بنائی ہے اور پیتو سنگھ کے باپ تمہیں عزت اور احترام دیتا ہے۔ بلکہ تمہاری رکھشا کا وچن بھی دے چکا ہے تو تم اپنا حق کیوں نہیں استعمال کرتے!"

"مہاراج آپ نہیں سمجھتے، راجہ کشن سنگھ اپنا وہ وچن بھول بھی گیا ہو گا، اور پھر پیتو سنگھ اس کا لاڈلا بیٹا ہے، کیا آپ کے خیال میں کشن سنگھ کو پیتو سنگھ کی باتیں نہیں معلوم ہوں گی کہ وہ اپنے بیٹے کے خلاف کوئی قدم اٹھائے گا۔" سکھ راج نے پریشان لہجے میں کہا۔

"ہوں۔" میں گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر میں نے پوچھا۔ "میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں، سکھ راج!"

"کچھ نہیں مہاراج، ستاروں کی چال امی نہیں جا سکتی۔ میں اپنی بچی کی پیشانی سے وہ دھبہ دور نہیں کر سکتا، میرا سارا علم بے کار رہا۔"

"مگر بابا، میں اپنی پیشانی سے یہ دھبہ ضرور دور کروں گی۔"

وفتاً اندر کے دروازے سے روپ کلی کی آواز سنائی دی اور ہم دونوں نے اس طرف دیکھا، روپ کلی کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں، یوں لگتا تھا جیسے وہ رات بھر روتی رہی ہو۔

"تو.... تو یہ دھبہ کس طرح دور کر سکتی ہے بیٹی!" سکھ راج نے روتے ہوئے کہا۔

"میں ناری ہوں پاپا، تم نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ شرم و حیا ناری کے وجود کی شوبھا ہوتی ہے، اس کی تقدیر کا فیصلہ ماتا پتا کرتے ہیں۔ ہر بڑے کی بھاؤنا غلط راستوں پر لے جاتی ہے اور شش پنی ایک خواہش پر ایک جہاں کی خواہشوں کا خون کر دیتا ہے۔ بولو بابا یہ کہا تھا تم نے!"

"کہا تھا میری بچی!"

"سو میں نے یہ بات گرہ میں باندھ لی۔ میں بھی عورت ہوں بابا، میرا من بھی چنچل ہے میں نے آپ کی بات کی گرہ کھولی، بابا اب آپ کے پاس کیا جواب ہے، اگر پتا بھی ناری کی عزت کا جیون نہ دے سکے تو وہ کیا کرے!"

اور سکھ راج پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا، "روؤ نہیں بابا!" میں نے کہا، "کہ وہ جو تم نہیں کر سکے وہ میں کروں گی۔"

"تو اس راکھشش کا کیا بگاڑ لے گی بیٹی، اسے بھگوان میں کتنا بے بس ہوں، میں کیسا پاپی ہوں۔" سکھ راج روتا رہا، اور میں ان دونوں باپ بیٹی کے درمیان سے اٹھ گیا۔ میں ان کی پریشانی میں اضافہ کا باعث نہیں بننا چاہتا تھا!

میرے ذہن میں بہت سے خیالات ابھر ابھر رہے تھے۔ کبھی دل چاہتا تھا کہ ان لوگوں کے معاملات میں مداخلت کروں، پھر یہ بھی سوچتا تھا کہ ستاروں نے جو پیش گوئی کی ہے وہ غلط تو نہ ہو گی۔ چنانچہ مجھے اس سلسلے میں کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیئے۔ اور یہی میں نے بہتر سمجھا اور اس وقت تو دل بھی نہ چاہا کہ پیتو سنگھ کی طرف جاؤں۔ چنانچہ بستی کی سیر کو نکل گیا۔

پھر بھی بستی تھی، کوئی خاص بات نہیں تھی، بس سیدھے سادے لوگ جو پیتو سنگھ کی آمد سے خوفزدہ تھے، مگر جگہ جگہ اسی کے چرچے ہو رہے تھے، میرے بارے میں شاید ابھی ان تمام لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ میں پیتو سنگھ کی خیمہ گاہ میں کیا کھیل دکھا چکا ہوں، وہ یقینی طور پر یہاں بھی ان پر کوئی خاص ہی ردعمل ہوتا، پیتو سنگھ کے جھوٹوں کے بارے میں مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہاں میرے بارے میں کس انداز سے سوچا جا رہا ہے۔ یوں میں بستی میں پورا دن گھومتا رہا اور اس کے اطراف کی سیر بھی کر ڈالی۔ وہ دریا جس کے کنارے پہلی بار میں نے اس بستی کو دیکھا تھا، دور تک پھیلا ہوا تھا، میں دریا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور نجانے کہاں سے کہاں نکل گیا، ایک لمحے کے لئے تو دل چاہا کہ واپس بستی کی جانب ہی نہ جاؤں، لیکن پھر یہی خیال آیا کہ کم از کم اندازہ تو لگاؤں کہ پیتو سنگھ اور سکھ راج کے معاملات کہاں تک پہنچے۔ چنانچہ یہ فیصلہ کرنے کے بعد شام ڈھلے میں بستی کی جانب واپس چل پڑا۔

بستی پر خاموشی چھا گئی تھی، میں نے سکھ راج کے مکان کا رخ کیا اور اداسی میں ڈوبے ہوئے اس مکان کے نزدیک پہنچ گیا، تب میں نے سکھ راج کو آواز دی، اور تھوڑی دیر کے بعد سکھ راج نے دروازہ کھول دیا، اس کی حالت کافی خراب تھی، اور وہ مجھے دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، "تم.... تم اس کے ساتھ نہیں گئے مہاراج!" اس نے پوچھا اور میں تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔

"کس کے ساتھ مہاراج!"

"اسی راکھشش پیتو سنگھ کے ساتھ جو میری عزت لے گیا، ہے رام نجانے ہم سے کیا پاپ ہوا جس کا پھل یہ بھوگنا پڑا۔" سکھ راج روتے روتے بولا۔ اور میں چونک پڑا۔

"کیا پیتو سنگھ نے یہ بستی چھوڑ دی!" میں نے پوچھا۔

"ہم کہاں چلے گئے تھے مہاراج!" سکھ راج نے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا۔

"میں۔ میں تو دریا کے کناروں کے ساتھ ساتھ دور تک نکل گیا تھا لیکن تم نے جواب نہیں دیا کہ پیتو سنگھ یہاں سے چلا گیا!"

"ہاں۔ اس نے اچانک خیمے اکھاڑ دیئے، اور اس کے آدمی روپ کلی کو اٹھا کر لے گئے، میری کیا مجال تھی کہ میں اسے روکتا، ایک پتا اپنی بیٹی کے لئے اس سے زیادہ بے بس کبھی نہ ہوا ہو گا، بھیا میں بڑا ہی ابھاگی ہوں۔ مگر.... مگر یہ اچانک سکھ راج روتے روتے خاموش ہو گیا، شاید اس کے ذہن میں کوئی خیال ابھرا تھا۔

"مجھے افسوس ہے سکھ راج!"

"میں۔ میں کشن سنگھ کے پاس جاؤں گا، اسے اس کا وچن یاد دلاؤں گا، میں اس سے بات تو کروں گا، میں کھرا برہمن ہوں۔ اور وہ دوغلا اچھوت۔ میں وہاں پران دے دوں گا، اتنا تو میں کر سکتا ہوں۔ ہاں میں آج ہی سفر کروں گا ابھی!"

"تم راجہ کشن سنگھ کے پاس جاؤ گے۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں، میں جاؤں گا، اور اس سے اس کے وچن کی قیمت مانگوں گا!"

"تب میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا سکھ راج!" میں نے کہا۔ اور سکھ راج مجھے دیکھنے لگا، پھر بولا۔ "تم بھی تو اس سے پیتو سنگھ کے ساتھ تھے مہاراج، جب اس نے ہماری بیٹی کے ساتھ ٹھٹھول کیا تھا!"

"ہاں میں تھا، لیکن اس بات سے تمہاری کیا مراد ہے۔"

"کچھ نہیں مہاراج، جب بھگوان ہی کو منظور تھا تو کوئی یہ

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

رہتا تھا۔ تم ہمارا ساتھ دو گے، تم ہمارے ساتھ چلو گے!"

"ہاں، میں تمہارے ساتھ چلوں گا!" میں نے کہا اور سکھ راج نے گردن ہلا دی۔

"تب ہم دو گھوڑوں کا بندوبست کرنے جا رہے ہیں۔ تم یہاں رک کر ہمارا انتظار کرو!" اس نے کہا، اور میں نے گردن ہلا دی۔

رات کی تاریکی میں ہم دونوں بستی کے آخری مکان کو پیچھے چھوڑ آئے۔ گھوڑے پکے راستوں پر سفر کر رہے تھے۔ سکھ راج کے دل کو لگی ہوئی تھی۔ راستے میں وہ روپ کلی کے بارے میں گفتگو کرتا رہا اور اس کی باتیں غلط نہیں تھیں۔ میں نے بھی اس لڑکی میں کردار کی خوبیاں پائی تھیں۔ میں نے اس کے انداز میں لچک نہیں دیکھی تھی۔

صبح کی روشنی پھوٹی تو ہم ایک اور بستی میں پہنچ گئے۔ یہاں رک کر گھوڑوں کو آرام کے لئے چھوڑ دیا گیا اور وہ ایک چراگاہ میں گھس گئے۔ نو دھاسکھ راج بھی تھک گیا تھا، چنانچہ وہ ایک درخت کے نیچے آرام کرنے لیٹ گیا۔ میں بستی میں خوراک کی تلاش میں نکل گیا، سیدھے سادے لوگوں کی بستی تھی۔ میں نے خوراک طلب کی تو بہت سے لوگ بوکھلا کر میرے پاس کھانے آ گئے۔ میں نے ان میں سے ضرورت کی چیزیں لے لیں اور پھر سکھ راج کے پاس پہنچ گیا۔

غنودہ بوڑھا درخت کے نیچے پرسکون سکون میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں نے کھانے پینے کی چیزیں اس کے سامنے رکھ دیں اور اس نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا، پھر بولا۔ ان چیزوں کی کیا ضرورت تھی مہاراج!"

"کھاؤ سکھ راج، زندہ رہنے کے لئے یہ ضروری ہے۔ راجدھانی کتنی دور رہے؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی تو لمبا سفر ہے، ایک دن اور ایک رات اور لگے گی۔"

"مگر کیا یہ ضروری ہے کہ پیتو سنگھ نے واپس راجدھانی کا رخ کیا تھا؟"

"وہ ادھر ہی گیا ہے۔ ہم نے ایک کسان سے معلوم کیا تھا۔" سکھ راج نے جواب دیا۔

"اوہ ٹھیک ہے پہلے یہ کھانا کھا لو۔" بے چارے سکھ راج نے میرے کہنے سے تھوڑا سا کھانا کھایا اور پھر ستانے کے بعد ہم نے دوبارہ سفر شروع کر دیا۔ راستے میں پیتو سنگھ کے سفر کے سراغ ملتے رہے تھے اور یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ واپس راجدھانی میں ہی گیا ہے۔ میں اور سکھ راج سفر کرتے ہوئے بالآخر راجدھانی پہنچ گئے۔ جس وقت ہم راجدھانی میں داخل ہوئے رات ہو چکی تھی۔ لیکن چھوٹی بستیوں کی نسبت یہاں کافی رونق تھی۔ بازاروں میں چہل پہل تھی، لوگ چل پھر رہے تھے، مکانات اور دکانیں کافی خوبصورت تھیں اور راجدھانی کا یہ سارا علاقہ سرسبز تھا۔

راجہ کا محل شہر کے بالکل وسط میں تھا۔ سکھ راج بالآخر محل کے سامنے پہنچ گیا اور پھر اس نے محل کے سب سے بڑے پھاٹک کے سامنے گھوڑے روک دیئے۔ پہریدار پہرہ دے رہے تھے۔ سکھ راج نیچے گھوڑے سے نیچے اتر کر ان سے بات کی، میں بھی اس کے ساتھ تھا۔

"میں راجہ کشن سنگھ سے ملنا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"کون ہیں مہاراج آپ؟"

"سکھ راج ہے میرا نام۔ آپ مہاراج کشن سنگھ کو میرا سندیس دے دیں اور بتا دیں، میں گوری بستی سے آیا ہوں۔"

"سکھ راج جی وہ سامنے سرکاری مہمان خانہ ہے۔ آپ وہاں چلے جائیں۔ رات کو وہاں رکیں، صبح کو آپ کا یہ سندیس مہاراج کشن سنگھ تک پہنچا دیا جائے گا۔ اس سمے تو مہاراج سے ملنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔"

سکھ راج نے گہری سانس لی اور پھر پہریدار کی طرف دیکھ کر بولا۔ "کیا راجکمار پیتو سنگھ محل واپس پہنچ گئے ہیں۔؟"

"ہاں پیتو سنگھ جی سیر و سیاحت سے واپس آ گئے ہیں۔" پہریدار نے بتایا۔

"وہ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔؟"

"اپنے چھوٹے محل میں۔" پہریدار نے جواب دیا، اور سکھ راج کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔

"کیا میں راجکمار پیتو سنگھ سے مل سکتا ہوں!"

"اس سمے کسی سے ملنا بہت مشکل ہے مہاراج، ہمیں اجازت نہیں ہے۔" پہریدار نے نرمی سے کہا، اور سکھ راج گردن جھکائے واپس چلا آیا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"چلو پورن، رات کو تو مہمان خانے میں ٹھہرنا ہی ہو گا۔"

سرکاری مہمان خانے میں ٹھہرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ جب سکھ راج نے بتایا کہ وہ مہاراج کشن سنگھ سے ملنے آیا ہے تو وہاں کے منتظموں نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ایک کمرے میں پہنچا دیا۔ ہمارے لئے بھوجن وغیرہ کا بندوبست بھی کیا گیا اور سکھ راج نے اس وقت کچھ نہ کھایا۔ مجھے تو بھوک کی خواہش ہی نہیں تھی، چنانچہ ہم نے وہ کھانا واپس کر دیا اور آرام کرنے لیٹ گئے۔

سکھ راج بے چارہ رات بھر جاگتا اور سوچتا رہا تھا۔ میں اس شخص کے لئے کیا کر سکتا تھا۔ میں نے سوچا، کرنے کو تو بہت کچھ میرے ہاتھ میں تھا لیکن وہی بات آڑے آ جاتی تھی کہ دیکھوں تو سہی کہ ستاروں نے جو پیش گوئی کی ہے، اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ چنانچہ میں نے خاموشی ہی اختیار کر رکھی تھی۔

دوسری صبح سکھ راج تیار ہو کر پھر باہر نکل آیا۔ اس وقت راجہ کشن سنگھ کا دربار لگا ہوا تھا، چنانچہ ہمیں اس دربار میں داخل ہونے کی اجازت بآسانی مل گئی۔ راجہ کشن سنگھ تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے بے شمار افراد بیٹھے تھے۔

میں نے گہری نگاہوں سے اس پُررعب راجہ کو دیکھا جو اپنی رعایا کے معاملات نمٹا رہا تھا۔ ایک دربار کی ساری خوبیاں موجود تھیں۔

راجہ کے چہرے میں پیتو سنگھ نظر آ رہا تھا، نہ جانے وہ کس نظر کا مالک ہو۔

تب کافی دیر کے بعد سکھ راج کی باری آئی اور وہ اٹھ کر راجہ کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر راجہ کو پرنام کیا تھا۔ راجہ کشن سنگھ خاموش نگاہوں سے سکھ راج کو دیکھ رہا تھا۔

"فریاد لائے ہیں مہاراج، چھوٹا منہ بڑی بات ہے، بھرے دربار میں من کی بتیا نہیں کہہ سکتے، کیا ہمیں اکیلے میں بات کرنے کا موقع ملے گا؟"

"دربار برخاست ہو جائے اس کے بعد تم ہم سے مل سکتے ہو۔" راجہ نے جواب دیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو ہدایت کر دی۔ تب سکھ راج ہاتھ جوڑ کر واپس اپنی جگہ آ گیا۔ یہ وقت ہم نے دربار ہی میں گزارا تھا۔

سورج چڑھے دربار برخاست ہو گیا اور آہستہ آہستہ لوگ باہر نکلنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد بس ہم دونوں رہ گئے تھے۔ راجہ اندر چلا گیا تھا۔ بہرحال میں نے اندازہ لگایا تھا کہ راجہ زیادہ برا انسان نہیں ہے، پھر تنہائی اندر طلب کر لیا گیا اور راجہ نے نرم انداز میں بیٹھنے کا اشارہ کیا، اس کے دوسرے ساتھی باہر نکل چکے تھے۔

"کیا کہنا چاہتے ہو کہو۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔

"ہمارا نام سکھ راج ہے مہاراج، گوری بستی سے آئے ہیں۔" سکھ راج نے کہا، راجہ اس دوران میرا جائزہ لیتا رہا تھا۔

"کہو سکھ راج، ہمارے پاس کیوں آئے ہو۔؟"

"راجکمار پیتو سنگھ ہماری بیٹی کو زبردستی اٹھا لائے ہیں مہاراج، اس کی فریاد لائے ہیں۔"

"اوہ!" راجہ کشن سنگھ کے انداز میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا ہو گئی۔ پھر اس نے کہا۔ "تم نے اپنی بیٹی کو اس کے سامنے کیوں نہیں کہا تھا سکھ راج، ہم جانتے ہو جوانی منہ زور گھوڑے کی مانند ہوتی ہے اور پھر راجکماروں کے تو سبھی کھیل ہوتے ہیں۔ اگر وہ نڈر اور بے باک ہوں تو مستقبل میں رعایا کی کھنتا نہیں کر سکتے۔ آبادی ان کے من مار دیئے جائیں تو وہ مردہ دل ہو جاتے ہیں۔"

"رعایا کی عزت بھی تو راجہ کا مان ہوتی ہے مہاراج، ہم کس مان کریں گے مہاراج میں وقت کا کھرا ہوں اور آپ نے ایک وچن دیا تھا مہاراج، آج آپ اپنے وچن کا پالن کریں۔"

"ہم نے وچن دیا تھا؟" راجہ نے بھنویں سکوڑ کر پوچھا۔

"ہم نے پیتو سنگھ کی جنم کنڈلی بنائی تھی مہاراج، تب آپ نے کہا تھا کہ جیون میں کوئی کھنتا آئی تو آپ جلدی سہائتا کریں گے۔"

"اوہ، تم وہ سکھ راج ہو۔" راجہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں مہاراج، آپ کے دی داس ہیں۔"

"مگر سکھ راج کیا تم نے اپنی بیٹی کی جنم کنڈلی نہیں بنائی تھی۔ کیا تم نے اس کا ہرتیا نہیں کیا تھا اور کہیں اس میں یہ بات نہیں تھی؟" راجہ نے پوچھا، پھر بولا۔ "بہرحال اب تم کیا چاہتے ہو؟"

"آپ سے انصاف مانگنے آئے ہیں مہاراج۔"

"میں کوشش کرتا ہوں اگر پیتو سنگھ اسے چھوڑنے پر تیار ہو گا تو ہم اسے تمہارے حوالے کر دیں گے، لیکن تم پریشان نہ ہو۔ ہم اپنے وچن کا پالن بھی ضرور کریں گے۔ اور تمہیں نراش نہیں بھیجیں گے۔ تم انتظار کرو ہم ابھی پیتو سنگھ کو بلاتے ہیں۔" راجہ نے خادموں کو بلانے کے لئے گھنٹہ بجایا اور تھوڑی دیر کے بعد پیتو سنگھ اندر داخل ہو گیا۔

لیکن وہ مجھے دیکھتے ہی وہ پریشان ہو گیا تھا اور اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ پھر اس نے سکھ راج کو دیکھا اور پھر راجہ کی طرف دیکھنے لگا۔ "یہ گوری بستی کا سکھ راج ہے۔"

"پیتو سنگھ، اس نے تمہاری جنم کنڈلی بنائی تھی اور اس سمے ہم نے اسے وچن دیا تھا کہ اگر اس پر کوئی کھنتا پڑی تو ہم اس کی مدد کریں گے۔ اب یہ ہمارے پاس فریاد لے کر آیا ہے کہ تم اس کی بیٹی کو اٹھا کر لے آئے ہو، کیا یہ سچ ہے۔؟"

"سچ ہے مہاراج۔" پیتو سنگھ نے کہا۔

"کیا نام ہے اس لڑکی کا؟"

"روپ کلی!"

"کیا وہ اپنی مرضی سے تمہارے ساتھ آئی ہے؟"

"نہیں۔" پیتو سنگھ نے جواب دیا۔

"اگر ہمارے وچن کے پالن کے لئے تم اسے اس کے پتا کے حوالے کر دو تو ہم بڑے خوش ہوں گے۔" راجہ نے کہا۔

اور پیتو سنگھ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے، پھر اس نے گردن جھکا کر کہا۔

"نہیں مہاراج۔ میں ایسا نہیں کر سکتا، وہ بہت سندر ہے۔ اور اس میں میرا پران ہے۔ میں اب بہت کچھ سمجھ گیا ہوں۔ اس سے پوچھو کہ یہ اس جادوگر کو ساتھ کیوں لایا ہے۔ اس کے ساتھ جو ہے وہ بہت بڑا جادوگر ہے مہاراج جس پر گرتی ہے، شرنہیں کرتی۔ میں جانتا ہوں۔ یہ جادوگر روپ کلی کو اپنے جال میں پھانسنا چاہتا ہے۔ مہاراج یہ میرے جیون کا سوال بھی ہے۔ آپ سوچ لیں۔ میں کسی قیمت پر اسے ان دونوں کے حوالے کرنے کو تیار نہیں ہوں۔"

"یہ جادوگر ہے؟" راجہ نے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا، اور پھر بولا۔ "تمہارا اس سے کیا سمبندھ ہے۔ سکھ راج۔؟"

"وہی جو ایک منش کا منش سے ہوتا ہے مہاراج۔"

"مگر ہمیں یہ بات ناپسند ہے کہ تم اسے ساتھ لائے۔ ہمارے راج میں بھی بڑے جادوگر موجود ہیں۔ اور ہر جادو کا توڑ ہے ہمارے پاس اور پھر تم سن چکے ہو پیتو سنگھ کی بات۔ لیکن اس کے باوجود ہم تمہارے ساتھ انصاف کریں گے۔ کیونکہ ہم نے تم سے وچن ہارا ہے۔

Scanned by aazamm@ubuf-anz.com

aazzamm@yahoo.com

آج آرام کرو کل ہم تم سے بات چیت کریں گے۔" راجہ نے کہا۔ اس کا مزاج کسی حد تک برہم ہو گیا تھا اور دوسری طرف میرا ذہن بھی عجیب ہو گیا تھا۔ تب ہم دونوں وہاں سے اٹھ آئے۔ سکھ راج بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

"مجھے افسوس ہے سکھ راج، میری وجہ سے تمہارے کام میں رکاوٹ ہوئی۔"

"نہیں مہاراج، مگر وہ تمہیں جادوگر کیوں کہہ رہا تھا!"

"میں نہیں جانتا۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن اس بارے میں مجھے بہت کچھ سوچنا پڑ رہا تھا، اور میری اپنی نفسیات بیدار ہونی جا رہی تھی۔ بھلا اس بے وقوف راجہ کی مجال تھی کہ وہ میرے راستے میں آنے کی کوشش کرے۔ تب پردیسر میری اپنی شخصیت ابھر آئی اور بس وہ سب دن کا انتظار کرنے لگا۔

ستاروں کی کہانی کا دوسرا باب شروع ہونے والا تھا لیکن اس دلچسپ کہانی کا انکشاف میں کسی دوسرے پر نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے لئے خاموش رہنا ضروری تھا۔ حالانکہ خود وہ سکھ راج کو دیکھ کر کئی بار میرے دل میں خیال آیا تھا کہ اسے صورت حال سے آگاہ کر دوں۔ لیکن سکھ راج سے دوستی ایک مختصر وقت کے لئے تھی جبکہ ستاروں نے راز صدیوں سے میرے سینے میں پوشیدہ رہے تھے، اور وہ ہمیشہ سے میرے قابل اعتماد ساتھی رہے تھے اور قابل اعتبار ساتھیوں کو دھوکہ دینا مناسب بات نہیں تھی۔

ساری رات سکھ راج بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا تھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ کشن سنگھ اس کے ساتھ انصاف کر سکے گا۔ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کے ہاتھوں جس طرح مجبور تھا اس کا اندازہ اسے ہو چکا تھا جس کا اظہار کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"یوں لگتا ہے پورن جی کہ کشن سنگھ اپنے بیٹے کے خلاف فیصلہ نہیں دے گا۔"

"لیکن اس نے تمہیں جو وچن دیا ہے!"

"راجاؤں پر سے اب میرا بھروسہ اٹھ چکا ہے۔ کیا کہا جا سکتا ہے، معاملہ اگر اس کے بیٹے کا نہ ہوتا تب وہ اپنا وچن ضرور پورا کر دیتا لیکن ان حالات میں!"

"اگر ایسا ہوا تو سکھ راج تو تم کیا کرو گے؟"

"میں، میں تو ایک مجبور انسان ہوں۔ میں کیا کر سکوں گا۔ سوائے اس کے کہ ندی میں ڈوب مروں!" سکھ راج نے روتے ہوئے کہا۔ اور میں ہمدردی سے اس کا شانہ تھپتھپانے لگا۔ اس کے علاوہ میں نے اور کچھ نہیں کہا۔ میں کر بھی کیا سکتا تھا اور وہ جو تاوہ ہو حالات بدلنے پر تو منحصر ہو جاتا ہے۔ اپنی ذات پر لیکن بات یہ نہیں تھی بلکہ جو ستارے تحریر کر چکے تھے اس میں زندہ اندازی مقصود نہیں تھی لیکن میں نے یہ بات سوچی کہ اس لئے مناسب نہیں ہے مستقبل بینی کر کے تحریک مداخل کر دیتی ہے۔ اور پھر خاموش رہنے کے سوا چارہ نہیں ہوتا۔

خاموشی کی اس رات میں بوڑھے باپ کا کرب شامل تھا اور دوسرے دن اس کی تقدیر کا فیصلہ ہونا باقی تھا لیکن اس شب کے صبح کو ایک شخص ہمارے پاس آیا اور اس نے مجھے راجکمار کا پیغام دیا۔

"مہاراج آپ سے ملنا چاہتے ہیں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آپ کو ساتھ لے کر آؤں۔" میں نے سکھ راج کی طرف دیکھا اور سکھ راج نے کہا۔

"چلے جاؤ پورن۔ اسے سمجھنا کہ ایک غریب کی عزت لے لینا راج گھرانے کی شان نہیں ہے، اور ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہاں اگر کوئی اس کا مدمقابل ہوتا تو اسے زیر کرنا ضرور شان کی بات تھی۔" میں نے سکھ راج سے کچھ نہیں کہا اور اس خادم کے ساتھ چل پڑا۔ راجکمار میرا انتظار کر رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں نفرت کے چراغ روشن تھے۔

"ایسا کبھی نہیں ہوا جادوگر کہ تم نے جسے پسند کیا ہو اسے کوئی چھین کر ہماری غلوت سے لے جائے۔ پتو سنگھ ارادے کا دھنی ہے لیکن میں نے تمہیں ایک بات پوچھنے کے لئے بلایا ہے۔"

"پوچھو راجکمار!" میں نے حلیمی سے کہا۔

"کیا تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو، کیا روپ کی تمہاری پریمیکا ہے؟"

"نہیں.... وہ ایک معصوم لڑکی ہے جو ممکن ہے مجھ کے نام سے آشنا ہو لیکن میرے اور اس کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے۔"

"کیا تم اس سے پریم نہیں کرتے؟"

"میری بات چھوڑ دو راجکمار۔ میں تو اوروں کے لافعد اور انسانوں سے پیار کرتا رہا ہوں۔ ان میں بھی تھے۔ لیکن جیسے میں نے اپنی عورت بنانا چاہا ہے کوئی دوسرا نہیں حاصل کر سکا اور بہتر ہے کہ تم اس طور گفتگو نہ کرو۔ کیا تم نے اس سے یہ بات نہیں پوچھی؟"

"پوچھوں گا۔ ابھی تمہارے سامنے پوچھوں گا۔ لیکن اس بات کا جواب دو کہ اگر تم اس سے پریم نہیں کرتے تو پھر پورن سکھ راج کے ساتھ میاں کیوں آئے ہو۔!"

"صرف انسانی ہمدردی کی بنیادوں پر۔ اور تمہیں سمجھ محبت کے رشتے یوں استوار نہیں کئے جاتے۔"

"چالاک سنت نے بڑی کامیابی سے میرا پیچھا کیا ہے اور بات میرے پتا تک پہنچا دی ہے۔ لیکن میں پتو سنگھ ہوں۔ میں نے جو سوچا وہ ہوا جو چاہا حاصل کیا اور اس حسین لڑکی کو بھی تجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ بس یہی کہنے کے لئے میں نے تمہیں بلایا تھا۔"

"تم کچھ بھول رہے ہو پتو سنگھ۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"کیا بھول رہا ہوں؟"

"ابھی تم نے کہا تھا کہ تم اس سے بھی اس بارے میں پوچھو گے کہ وہ مجھے پریم کرتی ہے یا نہیں؟"

"ہاں مجھے یاد ہے۔ لیکن میں نے اپنا خیال بدل دیا ہے۔ اور اس کی وجہ بھی میں تمہیں نہیں بتانا چاہتا۔" راجکمار نے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم نے مجھے بلایا تھا پتو سنگھ، میں آ گیا جو کچھ تم بتانا چاہتے ہو یا نہیں بتانا چاہتے ہو۔ میں تم سے پوچھوں گا بھی نہیں۔"

"لیکن میں تمہیں ایک پیشکش کرنا چاہتا ہوں۔" راجکمار نے کہا۔

"وہ کیا۔؟"

"اگر تم چاہو تو میرے دوست بن کر میرے پاس رہو۔ میں تمہاری چھپی ہوئی قوتوں سے متاثر ہوں اور تمہیں ایک بہتر مقام دوں گا۔"

"میں اس پیشکش پر ضرور غور کروں گا!" میں نے جواب دیا۔

"لیکن خلوص دل کے ساتھ۔ یوں نہ ہو کہ تم میرے ساتھ کوئی چال بازی کرو اور دوست بن کر نقصان پہنچانے کی کوشش کرو۔"

"اگر یہ احساس تیرے دل میں ہے پتو سنگھ تو پھر تو نے یہ پیشکش کیوں کی ہے۔ بہتر ہے کہ ایسا خطرہ مول نہ لے۔"

"یہی تو میری کمزوری ہے کہ خطرات کو اپنے گرد و پیش دیکھنا چاہتا ہوں۔ تاکہ راجہ بننے کے بعد مجھے خطرات سے نمٹنے کا اندازہ آ جائے۔"

"تو ابھی خود سے بھی بے خبر ہے پتو سنگھ۔ دو الگ الگ باتیں ایک ساتھ کہہ رہا ہے۔ پہلے تو اپنے دل میں خود فیصلہ کر لے کہ تو کیا کہہ رہا ہے۔"

"جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں مجھے کیا کرنا ہے۔ میں نے جو پیشکش کی ہے اس پر غور کرنا فائدے میں رہو گے۔" پتو سنگھ نے کہا اور مجھے واپس جانے کی اجازت دے دی۔

بیچارہ سکھ راج میرا انتظار کر رہا تھا، اس کی آنکھوں میں امید و بیم کی کیفیت تھی اس شخص کو دیکھ کر ہمیشہ میرا دل پگھلنے لگتا تھا۔ بعض اوقات میں چاہتا تھا کہ اسے آنے والے وقت کے بارے میں سب کچھ بتا دوں۔ لیکن اس بار میں ستاروں سے بدعہدی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دوستوں سے بدعہدی مناسب نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس کی امید بھری نگاہوں کے جواب میں میں نے گردن ہلا دی۔

"نہیں سکھ راج کچھ نہیں، وہ شیطان کا بیٹا ہے۔ اور شیطان ہی رہے گا اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا سوائے اس کے کہ اس بار بھی اس نے وہی بات کی ہے کہ وہ روپ کلی کو کسی طور نہیں چھوڑے گا۔"

"بھگوان! تو جو تقدیر میں لکھ دیا ہے وہ ضرور پورا ہو گا۔" سکھ راج ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

وقت کافی گذر گیا تھا اور دربار لگ چکا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں بھی کشن سنگھ کے دربار میں پہنچ گئے۔ راجہ کشن سنگھ اپنے دربار میں کام کر رہا تھا تاہم اس نے ہمیں بیٹھنے کا لئے ایک مناسب جگہ پیش کی۔ اس کے انداز میں نرمی اور دوستی تھی۔ لیکن میں جانتا تھا یہ دوستی ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گی۔ جب سارا کام نمٹ گیا تو راجہ کشن سنگھ نے اپنے بیٹے پتو سنگھ کو طلب کیا۔

دربار میں اس وقت چند خاص آدمی موجود تھے اس کے علاوہ ہم دونوں تھے۔ پتو سنگھ کامیابی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر لئے راجہ کے سامنے پہنچ گیا۔ اس کے چہرے سے ایک عجیب سا اظہار ہوتا تھا۔ سکھ راج جھکاریوں کے سے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔ تب راجہ کشن سنگھ نے سکھ راج کو اور مجھے اپنے نزدیک آنے کا اشارہ کیا اور ہم دونوں اس کے پاس پہنچ گئے۔

"سکھ راج میں نے تمہیں وچن دیا تھا کہ اگر تم کبھی میرے پاس آئے اور مجھ سے کچھ مانگنے کی کوشش کی تو میں ضرور دوں گا۔ لیکن سکھ راج تم ایک بیٹی کے باپ ہو اور اولاد کی ہٹ بعض اوقات پوری کرنا ہی ہوتی ہے۔ سو میں نے پتو سنگھ کو مجبور کیا کہ وہ تمہاری عزت کو اپنی عزت سمجھے اور ہم دونوں مل کر ایک ایسا فیصلہ کیا جسے سن کر تم بھی خوش ہو جاؤ گے۔"

"وہ کیا مہاراج۔!" سکھ راج نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"غور کرو سکھ راج تمہاری بیٹی اگر اس راجدھانی کی رانی بن جائے تو کیا تمہاری تقدیر نہیں بدل جائے گی۔" راجہ نے سوال کیا اور سکھ راج کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"م.... میں نہیں سمجھا مہاراج۔" اس نے پریشان لہجے میں کہا۔

"نہیں سمجھے تو ہم تمہیں سمجھاتے ہیں۔ پتو سنگھ ہمارے بعد اس راجدھانی کا راجہ ہو گا اور کوئی بھی بڑے خاندان کی کنیا یہاں کی رانی ہو اگر تمہیں یہ رتبہ مل جائے تو کیا تم اپنی تقدیر پر ناز نہیں کرو گے!"

"م.... میں اب بھی نہیں سمجھا مہاراج۔"

"بڑے بے وقوف ہو سکھ راج۔ لیکن اب ہمارا تم سے ایک ایسا رشتہ ہونے والا ہے کہ ہم تمہیں بے وقوف بھی نہیں کہہ سکتے۔ سنو سکھ راج پتو سنگھ تمہاری بیٹی ان ابلاؤں کی طرح اس سے وواہ کرنا چاہتا ہے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنے وچن کا پالن اس طرح کریں کہ تمہاری بیٹی راج محل میں نہ رہے جو راجاؤں کی باندیاں ہوتی ہیں بلکہ وہ رانیوں

scanned by aazzamm@UrduHangout.com

aazzamm@yahoo.com

کی طرح اس راج محل میں آئے۔ کیا تمہیں ہمارے بیٹے کا رشتہ نامنظور ہے؟" سکھ راج کی حالت خراب ہو گئی تھی۔ کافی دیر تک وہ منہ پھاڑے کھڑا رہا اور میں نے محسوس کیا کہ اس کے دل میں بوجھ آ گیا ہے۔

"کیا... کیا یہ ممکن ہے مہاراج؟" سکھ راج خوشی سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ "کیا کیا سکھ راج کو آنا نڑا مہر مل سکتا ہے؟"

"ہاں سکھ راج، راجہ کو اپنی بات کا بڑا بھرم ہوتا ہے۔ میں اپنے وچن کا پاس بھی تھا اور اپنے بیٹے کی آرزوؤں کا احساس بھی، اور ہم نے اس کا ایک باعزت طریقہ یہی سوچا کہ پیتو سنگھ سے اس کی پریمکا بھی نہ چھنے اور تمہاری عزت بھی رہ جائے۔ سکھ راج ہم یہ کڑوی گولی بڑی مشکل سے نگل رہے ہیں۔ ہمارے من میں اپنے بیٹے کے لئے بہت سی آشائیں تھیں، ہم نے سوچا تھا کہ ہم اپنی ہی نگر کے کسی راجہ کی بیٹی سے اس کا وواہ کریں گے، تاکہ دو راجدھانیاں مل کر ایک ہو جائیں۔ لیکن اگر بھگوان کی یہی اچھا ہے تو ہمیں اس میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔ سو سکھ راج تم بھی خوش ہو جاؤ کہ تمہیں اور تمہاری بیٹی کو بہت بڑا مرتبہ مل گیا ہے۔ تم اس راجدھانی کی رانی کے پتا جی ہو۔ ہم آج ہی سے تیاریاں شروع کر دیتے ہیں۔ آج سے ٹھیک تین دن کے بعد روپ کلی کا وواہ پیتو سنگھ سے ہو جائے گا۔" اور سکھ راج ہاتھ جوڑ کر مہاراجہ کرشن سنگھ کے قدموں میں گر پڑا۔

اس کی خوشیوں کی انتہا نہیں رہی تھی، یہ بات واقعی اس کے لئے قابل فخر تھی کہ اس کی بیٹی راجدھانی کی رانی بن جائے۔ اس نے یہی خواب تو روپ کلی کے لئے دیکھے تھے اور ان خوابوں کی تعبیر اسے اس طرح مل جائے گی، یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

"جے بھگوان، جے مہاراج..." اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ روپ کلی کی تقدیر سے وہ کالا دھبہ دور ہو چکا ہے۔ اور سکھ راج خوشیوں میں ڈوبا ہوا وہاں سے نکل آیا۔ پیتو سنگھ کے ہونٹوں پر مستی مذاق مسکراہٹ تھی اور میں اس مسکراہٹ کو دلچسپ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ یعنی یہ سب کچھ اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی جو ستاروں نے مجھے بتائی تھی اور بلاشبہ ستارے جو راستہ منتخب کر دیتے ہیں وہ کبھی غلط نہیں ہوتا۔ مجھے اور سکھ راج کو محل سے دور ایک چھوٹی سی حویلی دے دی گئی۔ جہاں ہمیں شادی کی تیاریاں کرنا تھیں۔ لیکن یہ انوکھی شادی تھی، دلہن سسرال میں تھی گھر میں موجود نہ تھی اور یہاں تیاریاں ہو رہی تھیں، تب اسی شام پیتو سنگھ نے مجھے دوبارہ بلایا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"بڑی خوشی کی بات ہے کہ کسی بھی ناطے سے سہی تم اب میرے رشتہ دار بھی بن گئے۔" اس نے میرا مذاق اڑانے کے لئے انداز میں کہا۔ اور میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ اس خوشخبری کو ترا منی زبان سے روپ کلی کو سناؤ۔ کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟"

"ہاں مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ بات تو اب اچھے انداز میں طے ہو گئی ہے۔ اور میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میری اس سے دلچسپی بس اسی حد تک تھی۔" تب پیتو سنگھ نے اپنے ایک خادم کی طرف دیکھا اور وہ اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دو باندیاں روپ کلی کو لے کر آ گئیں۔

کلی کا روپ مرجھایا ہوا تھا۔ ہونٹ خشک اور آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں سے آنسو ڈھلک پڑے۔

"پورن!" اس کے منہ سے نکلا۔

"کہاں ہیں پتا جی؟ آہ وہ کہاں ہیں؟"

"راج محل میں بڑی عزت کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ہمارے تمہارے درمیان ایک سمبندھ ہونے والا ہے روپ کلی۔" پیتو سنگھ نے کہا۔ اور روپ کلی نے نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"بھگوان کی سوگند۔ میرے تیرے درمیان کوئی سمبندھ کبھی نہیں ہوگا۔" وہ نفرت بھرے انداز میں بولی۔

"ارے رے رے۔ بے چارے بھگوان کو ایسے کاموں میں مت گھسیٹا کرو جو اس کے بس کے نہ ہوں۔ کیوں اس بے چارے کی سوگند کھاتی ہو۔ میں نے تو تمہیں بس ایک بات پوچھنے کے لئے بلایا تھا۔"

"کیا؟" روپ کلی غضبناک انداز میں اسے دیکھ کر بولی۔

"کیا پورن بھگت تمہارے پریمی ہیں روپ کلی۔" اس نے پوچھا۔ اور روپ کلی کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ دیر تک وہ گردن جھکائے رہی۔ پھر اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

"ہاں۔ میں ان سے پریم کرتی ہوں۔ میں ان کے چرنوں میں زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔"

"ہوں۔ تو میرا خیال غلط نہیں تھا۔ کیوں پورن جی۔ یہ سوال میں نے آپ سے بھی پوچھا تھا۔ مگر آپ نے اس کا جواب نہیں دیا۔"

"وہ جواب دے بھی نہیں سکتے تھے۔ پریم تو بھگوان کی دین ہے۔ میں نے سارا جیون کبھی کسی کے سامنے من نہیں کھولا کیونکہ میرا قول تھا۔ پریم میں نے کیا تھا۔ میں اپنے پریم میں کسی کو شریک کیوں کرتی۔ مہاراج پورن کو اس بارے کچھ نہیں معلوم۔"

"اوہ۔ یہ بات ہے۔ تب تو ٹھیک ہے۔ بات تو تم نے سچ کہی ہے۔ لیکن افسوس روپ کلی تمہاری پریم بھاؤنا ادھوری رہ گئی۔ تمہیں پورن مہاراج سے کچھ نہ مل سکا۔ اور اب۔ اب تم یہ بھاؤنا اپنے من سے نکال دو کیونکہ اب تم ایک مہان مہارانی بننے والی ہو۔ میں تم وواہ کر رہا ہوں۔"

"تم جیسے راکھشش ناری کو کھلونا تو بنا سکتے ہو۔ انہیں اپنا جیون ساتھی نہیں۔ اس لئے مجھے ایسے دھوکے نہ دو۔"

"پوچھ لو اپنے پریمی سے۔" میں نے جھوٹ نہیں بولا۔

"ہاں روپ کلی۔ پیتو سنگھ ایک برا انسان ہے۔ لیکن اس نے آج تک جو برائیاں کی ہیں ان کا پرائشچت کرنا چاہتا ہے۔ مہاراج کرشن سنگھ اور تمہارے پتا سکھ راج کے درمیان یہ بات طے ہو گئی ہے کہ تم دونوں کا وواہ کر دیا جائے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ تم رانی بن کر رہو گی۔"

"پیتو سنگھ۔ اور میرا پتی بھگوان کی سوگند۔ میرا من پتی کی حیثیت سے اسے کبھی سویکار نہیں کر سکے گا۔ یہ اگر میرے بدن کے قریب آئے گا تو یوں لگے گا جیسے سانپ مجھ پر شریر سے لپٹے ہیں۔ پتا جی نے ایسا فیصلہ کیوں کیا۔ مجھ سے کیوں نہ پوچھا۔"

میں نے پیتو سنگھ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آگ سلگ رہی تھی۔ "سنا تم نے پورن سنگھ۔ تم نے سنا ایک مرد کا اس سے بڑا اپمان اور کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن میں اس سے وواہ ضرور کروں گا۔ میں اسے سارا جیون دکھ میں جلاؤں گا۔"

"یہ سب جذباتی باتیں ہیں پیتو سنگھ۔ جب اسے یقین ہو جائے گا کہ وہ تمہاری پتنی ہے تو اس کے دل میں خود بخود تمہاری محبت جاگ اٹھے گی۔"

"مجھے اس کا پریم نہیں چاہئے۔ میں اسے وہ مزا چکھاتا کہ یہ جیون بھر یاد رکھتی۔ لیکن افسوس پتا جی میرے آڑے آ گئے ورنہ پھر بھی میں دیکھوں گا کہ یہ کتنی مان والی ہے۔ میں اسے وہ سزا دوں گا کہ یہ جیون بھر یاد رکھے گی۔ میں اسے..." پیتو سنگھ کے منہ سے جھاگ آ رہے تھے۔

"تم دیکھ رہے ہو پورن۔ تم برداشت کر رہے ہو۔ پتا جی سے میرا پتی بنا رہے ہیں۔ جو میرے لئے من میں یہ ارادے رکھتا ہے۔ نہیں پورن تم کو وہ سب کو۔ میں میں اس سے نفرت کرتی ہوں شدید نفرت۔" روپ کلی نے ہذیانی انداز میں کہا۔

"تیرا پتا خوشی سے پاگل ہو گیا ہے۔ سکھ روپ کلی۔ اس کنگال سادھو کے تصورات بھی نہیں ہوں گا کہ کبھی اسے اتنا بڑا مان مل سکتا ہے۔ تو خود اس سے بات کرے۔ وہ اپنے منہ سے کہے گا کہ اس سے بڑی خوشی اسے نہیں مل سکتی۔"

"افسوس، کوئی میرا مان نہیں رکھتا، کوئی میرے من کا میت نہیں ہے۔ ٹھیک ہے پیتو سنگھ اگر سنسار میرے خلاف ہو گیا ہے تو ٹھیک ہے۔ میں ناری ہوں۔ بے بس ہوں کچھ بھی نہیں کر سکتی لیکن ایک دن۔ غور سے سن لے پیتو سنگھ۔ میرے سنتان ضرور ہو گی، اور جب بھگوان مجھے بیٹا دے گا تو میں اسے اس طرح پروان چڑھاؤں گی کہ جوان ہو کر وہ تیرا سب سے بڑا دشمن ہو۔ پیتو سنگھ اب میرا بدلہ میرا بیٹا لے گا۔ میں اس سمے تک خاموش رہوں گی۔ بس اس سمے کے بعد میری زبان بند ہو چکی ہے۔"

روپ کلی خاموش ہو گئی۔ لیکن پیتو سنگھ کے ہونٹوں پر بڑی مکارانہ مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ "روپ کلی۔ اگر تو میری پوری بات سن لیتی تو۔ تو تیرا یہ مان بھی ٹوٹ جاتا۔ لیکن ابھی میں تجھے کچھ نہیں بتاؤں گا۔ آنے والا سمے تجھے سب کچھ بتا دے گا۔ سب کچھ..." تو پر وفیسر ایک لڑکی نے صبر کر لیا

اور آنے والے وقت کے انتظار میں بیٹھ گئی اور دوسرے نے اس کی اس قسم کو ناکام بنانے کا ارادہ کر لیا۔ وہاں سے واپسی کے بعد پیتو سنگھ میرا دوست بن گیا۔ اب اسے مجھ سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ اسے یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ میں روپ کلی کے پریمی کی حیثیت سے یہاں نہیں آیا ہوں میرا اس سے کوئی رشتہ ہے۔ مجھے اس نے ایک دوست کی حیثیت سے قبول کر لیا اور یوں بھی وہ مجھ سے بہت متاثر تھا۔ پھر یوں ہوا کہ میں تو بستی کے نظاروں میں مصروف ہو گیا اور دوسری طرف راجکمار کی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ راجہ کرشن سنگھ نے لوگوں میں اعلان کرا دیا اور جشن کی تیاریاں ہونے لگیں۔

دیکھا جائے تو کرشن سنگھ نے یہ اقدام برا نہیں کیا تھا۔ اس نے بیٹے کی خوشی کو بنانے والے سے کیا ہوا قول نبھایا تھا یوں کہ بیٹے کی آرزو بھی پوری ہو گئی تھی اور اس کا قول بھی رہ گیا تھا اور بلاشبہ یہ بہت بڑی بات تھی۔ سکھ راج تو کسی طرح اس کے برابر نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ ایک کھری ذات کا انسان تھا۔

راجہ نے سارے انتظامات اس کی طرف سے بھی کئے۔ دوسری طرف پیتو سنگھ بھی مصروف تھا اس نے آبادی سے دور ایک محل کی تعمیر کروانی شروع کر دی تھی۔ یہ محل ایک دشوار گزار راستے پر تھا اور عام لوگوں کا ادھر سے گزر نہیں تھا۔ بے شمار مزدور اس محل کی تعمیر میں مصروف ہو گئے تھے لیکن کوئی اس کا مقصد نہیں جانتا تھا۔ میں نے بھی ایک نگاہ اسے دیکھا لیکن اس کا مقصد مجھے بھی نہیں معلوم تھا۔ تب پیتو سنگھ کی شادی کا دن آ گیا پوری آبادی جشن منا رہی تھی۔ جگہ جگہ ناچ گانے ہو رہے تھے۔ میں بھی پیتو سنگھ کے ساتھ تھا۔ وواہ ہوا۔ ہون کے گرد روپ کلی کا پلو راجکمار پیتو سنگھ کے پلو سے باندھ دیا گیا اور انہوں نے پھیرے مکمل کئے۔ تب روپ کلی نے پیتو سنگھ کے چرن چھوئے۔ اور یہ وہ پیتو سنگھ کی مکیت بن گئی تھی۔

رات کو جشن کا ایک خاص انتظام تھا، دور دور سے رقاصائیں بلوائی گئی تھیں۔

Scanned by aazamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

میں پیتو سنگھ کے بالکل نزدیک بیٹھا ہوا تھا اور پیتو سنگھ ناچنے والیوں پر زر و جواہر لٹا رہا تھا۔

"پورن اس لڑکی کو دیکھو۔

اسی سمے

پر جہاں وہ بے وقوف لڑکی میری دلہن بنی بیٹھی ہوگی جسے میں نے دل و جان سے پسند کیا تھا لیکن جواب ناز و ادا سے عتاب اور میری نفرت کا شکار رہے گی۔" اس نے کہا اور میں چونک پڑا۔

"کیا مطلب پیتو سنگھ!"

"وہی جو میں نے سوچا تھا اور جس کی جانب اشارہ کیا تھا۔

"یعنی یعنی" میں شدید حیران ہو گیا تھا۔

"ہاں پورن سنگھ۔ وہ سارا جیون اپنے پتی کے لمس کو ترسے گی، وہ سارا جیون کنواری رہے گی۔ میں اس کے من کی آشا کبھی پوری نہیں ہونے دوں گا۔ میں کبھی اس کے سنتان نہ ہونے دوں گا۔ میں اس کے لئے سونے کا محل بنوا دوں گا۔ اس کی ہر آرزو پوری کروں گا بس وہ جیون کے سب سے بڑے روگ میں مبتلا رہے گی۔ میں اس کا پتی کبھی نہ بنوں گا!"

اور پورن حیرت میں ششدر رہ گیا۔ بڑا خوفناک ارادہ تھا، بڑا ہی بھیانک انتقام تھا جو پورن نے سوچا تھا۔ روپ کلی نے اس سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ سارا جیون اس سے نفرت کرے گی، اور اس کی سنتان کو اس طرح پروان چڑھائے گی کہ وہ اس کی سب سے بڑی دشمن ہوگی، ایک ماں پر یہ نام کر سکتی تھی لیکن اس وقت جب اس کی کوئی اولاد ہو۔ جب پیتو سنگھ اسے شوہر کی محبت ہی نہ دے گا تو اس کے ہاں اولاد کہاں سے ہوگی۔

کافی دیر تک میں گم سم رہا تھا پھر مجھے پیتو سنگھ کی ہنسی سنائی دی۔ "کیسا طریقہ ہے پورن جی! کیا اس بے وقوف لڑکی نے سارے جیون کا روگ نہیں پال لیا۔ وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے اور میں اس سے۔ لیکن سنسار کی نگاہوں میں ہم پتی پتنی ہیں۔" وہ بتا رہا، میں خاموش رہنے کے سوا اور کیا کر سکتا تھا سو یہی ہوا۔ پیتو سنگھ اس حسین رقاصہ کو لے کر نیلے حویلی میں چلا گیا۔

رات کی کہانی ختم ہوگئی اور دن کے اصول رات کی کہانیوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ شادی کے جشن اب بھی جاری تھے۔ سورج چڑھے پیتو سنگھ سے ملاقات ہوئی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"آؤ میرے سب سے عزیز دوست۔ میرے سب سے پیارے ساتھی، کاش تمہارے جادو کا تھوڑا سا حصہ بھی مجھے مل جاتا تو میں امر ہو جاتا۔ آؤ میں تمہیں اپنی سہاگ رات کی کہانی سناؤں۔ آؤ ذرا میرے پاس بیٹھو۔" اور میں ایک گہری سانس لے کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"عورت کو کبھی نہیں سمجھتے۔ تو میری دھرم پتنی جو مجھ سے نفرت کرتی ہے میری منتظر ہے۔" تب میں نے اسے مخاطب کیا:

"دیوی روپ کلی۔ ممکن ہے تم روپ کی کلی یا کلی کا روپ ہو۔ مگر ہمارے تمہارے درمیان نفرت کا رشتہ ہے اور بڑا ہی گہرا رشتہ قائم ہوا ہے ہمارے درمیان۔ تو دیوی جی تم نے کہا تھا کہ تم مجھ سے بدلہ لینے کا ایک نیا طریقہ اپناؤ گی۔ یعنی جب تمہارے ہاں اولاد ہوگی اور وہ بیٹا ہوا تو تم اسے نفرت کی بنیادوں پر پروان چڑھاؤ گی۔ اور جب وہ جوان ہو جائے گا تو تمہارا بدلہ مجھ سے لے گا۔ تو دیوی جی میں نے بھی یہ کہا تھا کہ اس ایمان کا میں تم سے ایک انوکھا انتقام لوں گا۔ میرا انتقام تو آج سے شروع ہو گیا ہے۔ میری سیج پر تم کبھی نہیں آؤ گی روپ کلی۔ میں کبھی تمہارا پتی نہیں بنوں گا۔ اب تم یہاں سے ہٹ جاؤ۔"

اور پورن کیا دلچسپ منظر تھا وہ۔ روپ کلی یوں حیرت سے گنگ تھی۔ جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ پھر وہ سیج سے اتر گئی۔ نئی بیاہی، امنگوں بھری دلہن سیج کے نیچے کھڑی تھی اور میری پسندیدہ لڑکی پھولوں کے بستر پر۔

میں نے خود سے پیتو سنگھ کے معاملات میں کوئی دخل نہیں کی۔ نہ جانے وہ میری جادوگری سے خوفزدہ تھا یا پھر بھول جانے کا عادی کیونکہ وہ میرے اوپر بہت ہی مہربان تھا۔ ہر رات جشن منایا جاتا اور نئی نئی رقاصائیں تلاش کر کے لائی جاتیں ان میں سے کوئی کوئی رقاصہ ہر رات میری مہمان ہوتی اور ایک طرح سے پھر میں تعطل کا شکار ہو گیا تھا یعنی لمحات کی تحریک رک گئی تھی اور میں ایک تعطل میں گم ہو گیا تھا۔ پھر ایک دن مجھے سکھ راج کا پیغام ملا وہ مجھ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا چنانچہ میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ سکھ راج نے بڑے احترام سے میرا خیر مقدم کیا تھا۔ "واپس تو ری جا رہے تھے۔ مہاراج تم سے ملنے کو بھی چاہا تھا۔" گیا دوست اس نے کہا۔

"خوش ہو سکھ راج!" میں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ میں اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ روپ کلی نے اسے اپنی بدنصیبی کی داستان سنائی یا نہیں۔ میرے اس سوال پر سکھ راج کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بھگوان کی دیا ہے۔ روپ کلی کے بارے میں میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا مہاراج کہ وہ محلوں کی رانی بن جائے۔ ہاں میں نے ایک باپ کی طرح اسے دعائیں ضرور دی تھیں۔ پھر بھگوان کے لیلا نیاری ہے۔ اس نے میری یہ دعا اس طرح پوری کر دی۔ روپ کلی عزت سے بیاہی گئی ایک باپ کے من میں سب سے بڑی آشا یہی تو ہوتی ہے سو میری یہ آشا پوری ہو گئی اب واپس جا رہا ہوں باقی جیون بھگوان پوجا میں بتاؤں گا۔"

"روپ کلی سے مل لئے!" میں نے پوچھا۔ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ روپ کلی نے باپ کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا اور اچھا ہی کیا تھا اس نے۔ غریب سکھ راج بھلا اس سلسلے میں کیا کر سکتا تھا۔ سوائے سینے پر زخم کھانے کے۔ اور یہ زخم اس کی زندگی کو ذرا جلدی ختم کر دیتے۔

"ہاں۔ بہت بار۔ روزانہ صبح وہ میرے چرن چھونے آتی ہے۔"

"وہ بھی خوش ہے نا؟"

"کیوں نہ خوش ہوگی۔ ناری کا گھر اس کی سسرال ہوتی ہے وہیں اسے سکھی خوشی سارا جیون گزارنا ہوتا ہے اور پھر وہ تو بڑی بھاگیہ وان ہے کہ اسے اتنا بھاگیہ مل گیا ہے۔ وہ کیوں نہ خوش ہوگی۔"

تب میں نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ پیتو سنگھ بدستور میرا دوست تھا اور ہماری عیاشیاں جاری تھیں۔ روپ کلی سے اس دوران ایک بار بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ لیکن پھر ان کے ہاں ایک تہوار آیا۔ جسے یہ لوگ دیوالی کا نام دیتے تھے۔ اس تہوار کے لئے پوری ریاست میں عجیب عجیب تیاریاں ہو رہی تھیں۔ سڑکوں، گلیوں کو درختوں کے پتوں سے سجایا گیا تھا۔ رنگ برنگے کپڑے لٹکائے گئے تھے۔ رنگ برنگ طرح طرح کی شکلیں بنا کر سڑکوں پر نکل آئے اور نہ جانے کیا کیا کھیل کھیلتے۔ مجھے ان ساری چیزوں کو دیکھ کر لطف آ رہا تھا پھر تہوار کا مخصوص دن آ گیا۔ چاروں طرف ہنگامے ہو رہے تھے۔ پورے شہر کو دیوں سے روشن کر دیا گیا تھا۔ ہر شخص خوش نظر آ رہا تھا اس رات کا جشن بھی عام راتوں سے مختلف تھا۔ ہر شخص شراب پی رہا تھا۔ پیتو سنگھ نے تو اتنی شراب پی کر ہوش ہی نہ رہا۔ اس کے بے ہوش ہونے کے بعد جشن ختم ہو گیا۔ آدھی رات گزر چکی تھی دو بجے بجھ چکے تھے۔

میں یونہی ٹہلتا ہوا محل کے ایک سنسان سے گوشے کی طرف نکل آیا۔ یہ ایک بلند جگہ تھی۔ اور یہاں سے شہر نظر آتا تھا۔ دفعتاً میں نے روپ کلی کو دیکھا جس کی پشت میری جانب تھی۔ اور وہ خاموش کھڑی دور تمنا تکے دیئے دیکھ رہی تھی۔ میں نے پشت کی سمت سے اسے پہچان لیا اور میرے دل میں اس کے لئے ہمدردی پیدا ہو گئی۔ میں آہستہ آہستہ اس کے قریب پہنچ گیا۔ لیکن اسے خبر نہیں ہوئی تب میں نے اسے آواز دی اور وہ چونک کر پلٹ پڑی۔ مجھے دیکھ کر اس نے اپنی ساڑھی کا پلو سر پر درست کر لیا۔

"پورن مہاراج!" وہ آہستہ سے بولی۔

"ہاں روپ کلی۔ میں ہوں!"

"یہاں! یہاں کیسے آ گئے۔" اس کے انداز میں کسی قدر گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔

"بس یونہی ٹہلتا نکل آیا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم یہاں موجود ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک تو ہیں آپ۔" اسے کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تھا۔

"ہاں۔ تم کیسی ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ بھگوان کی دیا ہے۔ اب میں چلتی ہوں کسی بات ہو چکی ہے۔" اس نے کہا۔

"مجھ سے گھبراتی ہو روپ کلی۔ حالانکہ میں ہمیشہ تمہارے لئے بے ضرر رہا ہوں۔"

"بھگوان کی سوگند یہ بات نہیں ہے پورن مہاراج۔ آپ تو بہت اچھے ہیں۔ پر میں ہی خراب ہوں۔ نہ جانے کیوں اس دن میرے منہ سے ایسی بری بات نکل گئی تھی۔" اچانک اس پر شرمندہ ہوں۔ سوچتی ہوں پیتو سنگھ کے من میں وہ بات ضرور ہوگی۔ اس لئے ڈرتی ہوں کہ ان کے من میں کوئی کھوٹ نہ آ جائے۔"

"پیتو سنگھ کا رویہ اب تمہارے ساتھ کیسا ہے؟"

"بہت اچھا۔ بڑے دیالو ہیں وہ۔ میری ساری باتوں کو بھول گئے ہیں۔" اس نے کہا اور میں عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ اس نے کتنی خوش اسلوبی سے اپنے معاملات کو چھپانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے بھی اس کے بھرم کو توڑا اور چند ساعت کے بعد وہاں سے چلا آیا لیکن بہت دیر تک میں اس شریف، معصوم اور مظلوم لڑکی کے بارے میں سوچتا رہا تھا، بے چاری عجیب حالات کا شکار ہو گئی تھی۔

یوں وقت گزرتا رہا۔ پھر ایک دن پیتو سنگھ بہت خوش تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔ "میں نے پتا جی سے شکار پر جانے کی آگیا لے لی ہے۔"

"اوہ۔ کہاں جاؤ گے۔؟"

"جہاں شکار ملے۔ ویسے اس بار میں نے کالندی کی طرف جانے کا ارادہ کیا ہے۔ سنا ہے کالندی کے پہاڑوں میں حسن جی حسن بکھرا ہوا ہے۔ وہاں کی پہاڑی ندیوں کے کنارے حسین لڑکیاں سرخ ہیرے جواہروں کی مانند نظر آتی ہیں، کیشو وہاں ہو کر آیا ہے۔"

"کیشو کون ہے؟"

"میرا دوست ہے۔ بڑا ہی دل پھینک انسان ہے۔ ہمیشہ میرے لئے نت نئی خبریں لاتا ہے۔" راجکمار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کب جا رہے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"بس بہت جلد۔ جانے سے پہلے صرف ایک کام کرنا ہے۔" پیتو سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"روپ کلی کو اس کے آخری استھان پر پہنچانے کا کام اور اس کے بعد میری طرف سے اس کا کام تمام سمجھو۔"

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"او ہو ہو کیا بھول گئے پورن۔ کیا وچن ہوا تھا ہمارے اور اس کے درمیان۔ کیا قول ہارے تھے ہم نے۔ اس نے کہا تھا کہ میری پتنی بننے کے بعد وہ مجھ سے بدلہ اس طرح لے گی کہ میری ہی اولاد کو میرے خلاف کھڑا کر دے گی۔ پگلی بھول گئی تھی کہ پیتو سنگھ کسی ایک لڑکی کے لئے پاگل ہو جانے والوں میں سے نہیں ہے اور مہاراج پورن سنگھ تم خود ہی سوچو جب وہ میرے سنتان کی ماتا ہی نہیں بنے گی تو پھر میری سنتان مجھ سے بدلہ کہاں۔۔۔

Scanned by aazzamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

Scanned by:

لے گی۔ پر مہاراج پورن سنگھ اب بات اسے اس محل میں بھیج دیا جوں جہاں وہ جیون کے باقی دن تڑپ تڑپ کر کاٹ دے گی۔

میں نے پہلے ہی کہا تھا اسے وہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی، کھانے کی پینے کی، پہننے کی، سونے کی، اٹھنے بیٹھنے کی، اور رہنے کی۔ مگر یہ پیتو سنگھ اسے نہیں ملے گا اور وہ سارا جیون اسی کشمکش میں گزار دے گی۔ یہی اس کا بھاگ ہے اور اسے جاننا چاہیے کہ پیتو سنگھ کا اپمان کرنے کا کیا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ اس نے میرا اپمان کیا اب وہ ساری عمر ترستی رہے گی۔ جتنی کہ اس کی جوانی ڈھل جائے گی، اس کا سندر مکھڑا کسی کھنڈر میں تبدیل ہو جائے گا۔" پیتو سنگھ نے کہا۔

"پیتو سنگھ کیا اب تم اسے معاف نہیں کر سکتے؟"

"معاف۔ بھگوان کی سوگند پورن جی میں تو تمہیں بھی معاف نہ کرتا۔ اگر یہ بات میرے علم میں نہ آجاتی کہ صرف وہ تم سے پریم کرتی ہے، تم اس سے پریم نہیں کرتے۔ معاف کرنے کا کھیل تو میں کھیلتا ہی نہیں ہوں۔ بچپن ہی سے نہیں سیکھا۔ جس سے دشمنی ہوئی اس کا کام ختم کر دیا اور اس کے بعد چین کی بنسی بجائی۔"

"مگر پیتو سنگھ اس کی اور تمہاری دشمنی بھی بھلا کوئی دشمنی ہے۔ اب وہ تمہاری دھرم پتنی ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایک کمزور عورت اور تم سنگھاسن کے ہونے والے راجہ، وہ بیچاری تمہارا کیا بگاڑ سکتی ہے۔ یوں بھی اس کی کوکھ سے پیدا ہونے والا تمہارا بیٹا بھی تو ہوگا۔"

"او۔ نہیں پورن سنگھ اسے اس حسرت میں جیون بھر تڑپنے دو۔ اسے یہ جاننے دو کہ پیتو سنگھ کو ٹھکرانے والوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ پیتو سنگھ پر میری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ چنانچہ میں خاموش ہو گیا اور یوں بھی تو آئندہ کے حالات جاننا ہی تھا اور مجھے علم تھا کہ پیتو سنگھ وہی کرے گا جس کی طرف ستاروں نے راہنمائی کی ہے۔

پیتو سنگھ اپنی کارروائیوں میں مصروف رہا اور پھر ایک دن اس نے مجھے بتایا کہ وہ کل صبح روپ گلی کو محل پہنچا دے گا۔

"کیا تم نے اپنے پتا سے اس بارے میں گفتگو نہیں کی؟" میں نے پوچھا۔

"پتا جی راجہ ہیں، پر یہ جانتے ہیں کہ ہونے والا راجہ میں ہوں۔ اگر آج وہ مجھ سے بگاڑیں گے تو کل انہیں بھی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ چنانچہ وہ میرے معاملات میں زیادہ دخل نہیں دیتے۔" پیتو سنگھ نے جواب دیا اور میں ہنس کر رہ گیا۔

انسان وہی انسان تھا خود کو بنانے کیا سمجھنے والا۔ لیکن اس کا انجام میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، دوسری صبح چند میں نے شہر سے باہر جاتے دیکھے، ان میں روپ گلی موجود تھی۔ اپنی بدقسمتی کی آخری منزل کی جانب رواں دواں زندگی نے اس کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔ میں نے تو اس کی صورت بھی دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

پیتو سنگھ کے چہرے پر کوئی احساس بھی نہیں تھا۔ وہ اسی طرح خوش و خرم تھا۔ تیاریاں مکمل ہو گئیں اور پھر ایک دن پیتو سنگھ

کالندی کی طرف چل پڑا۔ میں بھی ایک گھوڑے پر اس کے ساتھ تھا۔ پیتو سنگھ کے محافظوں کا ایک لشکر بھی۔ ہرے بھرے راستے تھے۔ علاقہ نہایت سرسبز تھا۔ راستے میں پیتو سنگھ نے مجھے بتایا۔

"کالندی بے حد خوبصورت جگہ ہے۔ میں نے کئی بار وہاں جانے کی سوچی لیکن پتا جی نے کبھی اجازت نہیں دی۔ یہ علاقہ خطرناک کہلاتا ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"دراصل کالندی ترکھانوں کا علاقہ ہے اور یہ قوم کسی کی سرپرستی قبول نہیں کرتی۔ کالندی کے دوسری طرف راجہ گلاب چند راجوڑی کی حکومت ہے لیکن جب بھی کسی نے ترکھانوں کے آزاد علاقے پر قبضہ کرنے کی سوچی انہیں مزہ کی کھانی پڑی۔ خود ایک بار مہاراج کشن سنگھ نے ان پر چڑھائی کی لیکن ان کی فوجیں بھاری بھول بھلیوں میں پھنس کر رہ گئیں۔ بہت سے لشکری مر گئے۔ دریا پیوں کو لے کر مہاراج نکل آئے۔ ہم ان ترکھانوں کو اناج اور دوسری چیزیں ہر سال دیتے ہیں۔ اور جب بھی یہ چیزیں ان تک نہیں پہنچتیں وہ قریب و جوار کی بستیوں میں ڈاکے ڈالنے نکل آتے ہیں اور بڑی تباہی پھیلاتے ہیں۔"

"اوہ۔ خوب۔" میں نے دلچسپی سے کہا۔ "گویا وہ ہاتھیوں میں شمار ہوتے ہیں؟"

"بڑی بہادر اور مضبوط قوم ہے۔ لیکن پورن جی۔ میں راجہ بننے کے بعد پہلا کام یہی کروں گا کہ ان ترکھانوں کو ٹھیک کر دوں گا اور دریا خیال ہے کہ صرف یہ ایک کام کرنے سے بہت سے کام بن جائیں گے۔ ارد گرد کے راجاؤں پر میری دھاک بیٹھ جائے گی اور اس کے بعد کسی کو سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوگی۔"

"لیکن تم ان پر قابو کیسے پاؤ گے؟"

"بس دیکھنا۔ تم بھی اب جیون بھر کے ساتھی ہو کہاں جا کر کیا کرو گے میرے دوست ہو تم بھی اس چیز کی ہو گی۔ اور پھر تم سے مشورے بھی تو لینا ہوں گے۔" پیتو سنگھ نے کہا اور میں خاموش ہو گیا لیکن ترکھانوں کو دیکھنے اور ان سے ملنے کا اشتیاق میرے دل میں بھڑک اٹھا تھا۔ سفر جاری رہا اور میں ان علاقوں کے حسن کو سراہتا رہا۔ بہت سی بستیاں درمیان میں آئی تھیں لیکن ہم ان بستیوں کے قریب سے گزر گئے تھے اور میرے خیال میں یہ ان کی خوش قسمتی کی تھی۔ ورنہ جہاں پیتو سنگھ رکتا وہاں کچھ نہ کچھ ضرور جنم لیتے۔

اب پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا تھا اس دوران ہم نے کئی جگہ قیام کیا تھا اور اب تیسرے پڑاؤ کی باری آگئی تھی۔ یہ علاقہ آنکھوں کو سرسبز گھاس میں ڈوبا ہوا تھا۔ پہاڑیوں پر بے اندازہ سبزہ تھا کوئی پہاڑی برہنہ نہیں نظر آ رہی تھی۔ تب سرسبز شاداب ٹیلے پر خیمے لگا دیئے گئے۔

"ترکھانوں کا علاقہ شروع نہیں ہوا ابھی؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں پورن۔ ہم پہنچ چکے ہیں۔ بس یہاں سے کچھ دور ترکھانوں کی حد شروع ہو جاتی ہے اور اس کا نشان ایک پرشور ندی ہے جسے عبور کرنا کافی مشکل کام ہے، اس ندی کے اس سمت ترکھان اپنا خراج وصول کرنے آتے ہیں۔"

"اوہ۔" میں نے گردن ہلا دی۔

"لیکن ہمیں اس وقت تو ترکھانوں کی دوستی درکار ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میں ان کے لئے بیشمار تحفے تحائف لایا ہوں۔ ان کے بغیر ہم ان سے دوستی کس طرح کر چکے اور اس کے بغیر ترکھان لڑکیاں ہمارے خیموں میں کیسے آئیں گی۔"

"لیکن کیا ترکھان لڑکیاں آسانی سے آسکتی ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"کیوں کیشو، تمہارا اس بارے میں کیا تجربہ ہے؟" پیتو سنگھ نے پوچھا۔

"تو میں نہیں جانتا مہاراج۔ پر وہ بڑی سندر ہوتی ہیں۔"

"بس یہ جانتے ہو۔ بہرحال سندر لڑکیوں کے لئے تو ہر خطرہ مول لیا جا سکتا ہے۔" پیتو سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو مہاراج یہاں سے اور آگے بڑھیں گے؟" کیشو نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔ یہاں ہم کیا کریں گے۔ ہمیں ندی کے اس کنارے خیمے لگائے ہیں اور وہاں سے ہم دریا عبور کریں گے۔"

"مگر ترکھان اپنے علاقے میں داخل ہونے کی اجازت کب دیتے ہیں؟"

"ہم ان سے اجازت لے لیں گے تو قیامت کر دو کیشو۔" پیتو سنگھ نے کہا لیکن کیشو کے چہرے پر تشویش کے آثار پائے جاتے تھے۔ پھر شام کو توقع ملتے ہی اس نے کہا۔

"مجھے بڑی بھول ہوئی مہاراج۔ جیون بھر اس بھول پر پچھتاتا رہوں گا۔ پر اب تو ہو ہی گئی ہے۔"

"کیسی بھول کیشو؟" میں نے پوچھا۔

"مہاراج کو یہاں کے بارے میں بتا دیا۔ وہ ضدی ہیں میں چاہتا ہوں کہ ہم دریا پار نہ کریں۔ اکثر دریا کے کنارے لڑکیاں اشنان کرنے آتی ہیں۔ کسی سمے ان میں سے کسی پر ہاتھ ڈال کر یہاں سے نکل چلا جائے۔ وہ پھنس جائیں گے۔"

"یہ بات تو تمہیں پہلے ہی سوچنی چاہیے تھی کیشو۔"

"بس پورن جی۔ انعام کے لالچ میں منہ سے بات نکل گئی تھی۔ بعد میں سوچی۔ پر اب کیا ہو؟"

"یہ تمہارا کام ہے۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔"

Scanned by aazzamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

"کچھ کریں مہاراج۔ سب ہی کشٹ بھوگیں گے ہیں اکیلا تو نہیں۔"

"دیکھا جائے گا کیشو۔ راجکمار یہاں آیا ہے تو کچھ نہ کچھ کر کے ہی جائے گا۔" میں نے کیشو کو صاف ٹال دیا اس جیسے انسان سے مجھے کیا ہمدردی ہو سکتی تھی جس کا کوئی کردار ہی نہ ہو۔ اور پھر وہ بے چارا کیا جانتا تھا کہ خطرہ صرف اسے ہے۔ مجھے نہیں۔ وہ پریشان سا واپس چلا گیا تھا لیکن مجھے اس کی پریشانی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

رات ہو گئی اور آسمان پر ستارے بکھر گئے تاحد نگاہ سرسبز پہاڑیاں تاریکی میں ڈوب ہو گئی تھیں پھر جب چاند نکلا تو ماحول بے حد حسین ہو گیا۔ چونکہ یہاں پتوسنگھ کی تفریحات کے لئے کوئی چیز موجود نہیں تھی اس لئے وہ اپنے خیمے میں گھس گیا تھا۔ چند سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ میں خیمے سے نکل کر پہاڑیوں کی طرف بڑھ گیا۔ چاندنی رات میں اس علاقے کی دلکشی ذہن پر ایک خوشگوار اثر ڈال رہی تھی۔ میں دور تک نکل گیا اور پھر ایک پہاڑی ٹیلے پر چڑھ گیا۔ ٹیلے پر ایک درخت کھڑا ہوا تھا۔ کافی گھنا تھا اور کہیں کہیں سے چاندنی نیچے چھن رہی تھی۔ میں درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔

دور دور تک خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ میری نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں اور پھر کافی دور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی شہ متحرک ہے، فاصلہ بہت کافی تھا اس لئے میں یہ نہ جان سکا کہ وہ کیا ہے۔ ممکن ہے کوئی جانور ہو لیکن جب میں نے کافی توجہ سے وہاں نگاہیں جمادیں تو مجھے احساس ہوا کہ وہ جانور نہیں ہیں۔ وہ انسان تھے۔ لیکن کون۔ ممکن ہے مقامی باشندے ہوں۔

کیوں نہ ان سے ملاقات کی جائے۔ میں نے سوچا اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ پہلے میں نے فاصلے کا اندازہ کیا اور صحیح سمت کا اندازہ لگانے کے بعد برق رفتاری سے نیچے اتر آیا، دوسرے لمحے میں اس طرف دوڑ رہا تھا۔

اس جگہ کا تعین میں نے دو ایسی چٹانوں سے کیا تھا جن کے اوپری حصے نوکیلے تھے اور یہ دونوں نوکیں آپس میں مل رہی تھیں۔ میری رفتار بہت تیز تھی اس لئے یہ فاصلہ میں نے بہت کم وقت میں عبور کر لیا۔ اور پھر میں ان نوکیلی چٹانوں کے نزدیک پہنچ گیا۔ لیکن جس جگہ میں نے وہ سائے متحرک دیکھے تھے اب وہاں کچھ نہیں تھا۔ میں کسی صورت اسے نظر کی دھوکہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ضرور یہاں کوئی تھا۔ میں نے چٹان کے بائیں سمت دیکھا تو چاندنی میں ایک خوبصورت چشمہ چمکتا نظر آیا۔ چشمے کے کنارے خوبصورت گول پتھر پڑے ہوئے تھے۔ میں لمبی لمبی چھلانگیں لگا کر ان پتھروں کے پاس پہنچ گیا۔ پتھر بھیگے ہوئے تھے اور ان کے آس پاس بھی ایسے نشانات نظر آ رہے تھے جیسے کوئی پانی میں نہا کر نکلا ہو۔ لیکن ان نشانات کا کوئی سلسلہ نہیں ملتا تھا۔ میں نے قرب و جوار میں نشانات تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی تب میں نے آواز لگائی ہے: "یہاں کون ہے۔ جو کوئی بھی ہو میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔" دو تین بار میں نے یہ آوازیں لگائیں۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ تب میں نے مایوسی سے شانے ہلائے، یا تو وہ لوگ کہیں آگے بڑھ گئے ہیں یا پھر مجھے دیکھ کر پوشیدہ ہو گئے۔ لیکن کیوں۔ کون تھے وہ؟

میں نے اندازہ لگایا کہ اگر کوئی کہیں چھپ گیا ہے تو چھپنے کی جگہ کونسی ہو سکتی ہے اور اس کا اندازہ آسانی سے ہو گیا۔ نوکیلی چٹانوں کے اندر سمت ایک سیاہ جگہ نظر آ رہی تھی جو یقیناً ایک غار کا دہانہ تھا۔ میں نے کچھ اور آگے بڑھ کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی وہاں اور کوئی غار موجود نہیں تھا..... ممکن ہے پوشیدہ ہونے والے اسی غار میں ہوں۔ چنانچہ میں اس طرف چل پڑا۔ غار کے دہانے پر رک کر میں نے کچھ سوچا اور پھر غار میں گھسنے ہی والا تھا کہ ایک خوفناک غراہٹ کے ساتھ کوئی مجھ پر آ پڑا۔ چاندنی کی روشنی میں میں نے ایک چمکتی سی دیکھی اور تلوار میرے بائیں شانے پر پڑی۔ لیکن اس ایک وار پر اکتفا نہ کی گئی اور تابڑ توڑ کئی حملے ہوئے۔ لیکن ان کا جو نتیجہ ہو سکتا تھا تمہیں معلوم ہے پردیسی اور اس کا ردعمل بھی وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ لیکن صرف ایک لمحے کے لئے۔ دوسرے لمحے وہ تلوار چھینک کر مجھ سے آ لپٹا۔

چوڑے چکلے بدن کا دیو ہیکل انسان تھا۔ بدن پر مخصوص طرز کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ یعنی وہ جس پر ہتھیار اثر نہ کریں۔ اس کے چوڑے بازوؤں میں کافی قوت تھی اور وہ اپنی تمام تر کوشش اس میں صرف کر رہا تھا کہ مجھے زمین پر گرا کر خنجر سے میری گردن اڑا دے۔ لیکن ذرا سی دیر میں اس پر بوکھلاہٹ طاری ہو گئی۔ اور پھر وہ کسی قدر پریشان انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ اور پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ کون ہو تم۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ لیکن اس کے حلق سے آواز نہیں نکل سکی تھی پھر اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم تنہا ہو؟"

"ہاں اس جگہ تنہا ہوں۔ میرے دوسرے ساتھی یہاں سے کافی دور ہیں۔"

"کیا تم بھی ترکھان ہو۔ کونسی بستی کے رہنے والے ہو۔؟"

"میرا اس علاقے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں کشن چند کی راجدھانی سے آیا ہوں۔"

"اوہ۔ اوہ۔ کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔ میرا مطلب ہے۔ لیکن تم کیسے انسان ہو۔ میرا مطلب ہے کیا تم تم۔ تلوار نے تمہارے اوپر اثر کیوں نہیں کیا؟"

"تم بہت پریشان معلوم ہوتے ہو دوست۔ کیا تم ترکھان ہو؟" میں نے بدستور نرم اور شفقت آمیز انداز میں پوچھا۔ نوجوان کے چہرے میں مجھے بڑی معصومیت نظر آئی تھی ایک عجیب سی جاذبیت تھی اس کے انداز میں۔

"کیا تم مجھے کشن سنگھ کے علاقے میں پناہ دلوا سکتے ہو؟" میری بات کا جواب دیئے بغیر بولا۔

"کیوں نہیں۔ لیکن پہلے تم مجھ پر بھروسہ تو کر لو۔"

"میری موت میرے چاروں طرف منڈلا رہی ہے۔ اس سے مجھے پناہ چاہیے۔ اگر تم مجھے پناہ دلوا دو تو میں جیون بھر تمہارا احسان مانوں گا۔"

"میں تم سے وعدہ کر چکا ہوں، مگر پہلے میرے سوال کا جواب دو۔ کیا تم ترکھان ہو؟"

"ہاں، مگر راجدھیر ترکھان۔ ہم نیچی ذات کے ترکھان ہیں۔ جن کے لئے ان علاقوں میں کچھ نہیں ہوتا۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"رانا سنگھا راجدھیر اچھوت۔" اس نے جواب دیا۔

"تمہارے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔" میں نے کہا اور وہ چونک پڑا۔

"تمہیں کیسے معلوم؟" اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"بہت دور سے اس چٹان کے نزدیک میں نے دو سائے دیکھے تھے اور اس جنگل میں یہاں چلا آیا تھا کہ یہ کون ہو سکتے ہیں۔ پھر جب یہاں آ کر تم نے نہیں نے تو میں نے تمہیں آوازیں بھی دیں اور اس کے بعد جب یہ غار نظر آیا تو میں نے سوچا اگر واقعی یہاں کوئی موجود تھا تو اس غار کے سوا کہیں نہیں ہو گا۔"

"اوہ" رانا سنگھا نے گہری سانس لے کر کہا اور پھر مجھے دیکھتا ہوا بولا "تم مجھ سے وعدہ کر چکے ہو کہ میرے دوست ثابت ہو گے دشمن نہیں!"

"ہاں اور اپنے وعدے کا پورا پورا خیال رکھوں گا۔"

"وہ میری پریمیکا ہے۔" رانا سنگھا نے جواب دیا۔

"اوہ۔ کوئی لڑکی۔!"

"ظاہر ہے پریمیکا کوئی لڑکی ہی ہو سکتی ہے۔" رانا سنگھا کسی قدر مسکرا کر بولا اور پھر اس نے اندر کی طرف رخ کر کے آواز دی۔ "لاجونتی باہر آ جاؤ۔" لیکن کئی ساعت تک غار کے دہانے پر کوئی نظر نہیں آیا۔ تب رانا سنگھا نے دوبارہ آواز دی اور ایک سہمی سمٹی سی لڑکی باہر نکل آئی۔

بڑی خوبصورت چہرہ تھا۔ ننھا منا سا معصوم سا کسی گڑیا کی مانند نظر آ رہی تھی وہ جبکہ اس کے برعکس رانا سنگھا دیو ہیکل آدمی تھا۔ لڑکی کے چہرے پر بے پناہ خوف تھا۔ وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں بے حد خوبصورت تھیں۔ مجھے بڑا ہی بھایا، میں نے اسے اشارہ کیا۔

"میرے نزدیک آ جاؤ، میں رانا کا دوست ہوں، تمہارے پریتم کا دوست۔" اور شاید اسے میرے لہجے کی نرمی سے ڈھارس بندھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آگے بڑھ کر ہمارے نزدیک پہنچ گئی۔ "تو یہ ہے تمہاری پریمیکا۔" میں نے رانا سے کہا۔

"ہاں، مگر تم دونوں بڑے دکھی ہیں۔"

"کیوں۔!" میں نے سوال کیا۔

"لاجونتی اونچی نسل سے تعلق رکھتی ہے، ایک بڑے باپ کی بیٹی ہے۔ پر کیا کیا جائے، بھگوان نے سینے میں جو نتھے سے گوشت کے ٹکڑے رکھ دیئے ہیں۔ یہ ایسے ایسے کھیل کھیلتے ہیں کہ منش ان کی "اب نہیں" نہ کہہ سکتا۔ میں کیسے کام کا ایک ادنیٰ نام تھا، پر لاجونتی مجھ سے پریم کرنے لگی، میں نے بڑی سمجھایا مگر یہ پگلی نہ مانی اور اپنی ضد پر اڑی رہی، تب میں بھی مجبور ہو گیا تھا مہاراج جب پر مجھے اتنا اٹوٹ کر چاہتی تھی تو میں اسے کیسے چھوڑ دیتا۔ مگر ہمارے بھاگ ایسے نہیں تھے کہ ہم دونوں مل سکتے، اگر لاجونتی یا میں اس بات کا اظہار بھی کرتے تو ہماری زبانیں کھینچ کر باہر نکال لی جاتیں، کیکا رام بڑا ہی باعزت آدمی ہے، گو وہ لاجونتی کا باپ ہے۔ مگر میں یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ انتہائی لالچی آدمی ہے۔ اونچی نسل کا غرور ہے پر آہیں غریبوں کی کرتا ہے۔ مجھے شما کرنا لاجونتی میں یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا، حالات کا علم نہیں ہے ہی۔ تو مہاراج میں اس لئے یہ ساری باتیں آپ کو بتا رہا ہوں کہ آپ کا تعلق ترکھانوں سے نہیں ہے۔ میرے اور لاجونتی کے ملنے کا کوئی امکان نہیں تھا، لیکن ہم دونوں اس آگ میں سلگ رہے تھے کہ کیکا رام کو پنڈت سدھاشن کا پیغام ملا۔

پنڈت سدھاشن کی عمر ساٹھ سال سے کم نہیں ہے لیکن ان کے پاس جانوروں کے سب سے بڑے ریوڑ اور سونے کا ذخیرہ موجود ہے، انہوں نے یہ ساری دولت پرانی حویلیوں لوٹ مار کر کے جمع کی ہے اور کیکا رام کو جب ان کی دولت کا علم ہوا تو وہ پنڈت جی کا بڑھاپا بھول گئے۔

رسم کے مطابق سوئمبر میں لاجونتی کو پنڈت سدھاشن کے گلے میں مالا ڈالنی تھی رسم پوری کرنے کے لئے دوسروں کو بھی بلایا گیا تھا تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ باقاعدہ سوئمبر نہیں رچایا گیا۔ لاجونتی نے مجھ سے کہا کہ اب اس کی تقدیر کا آخری فیصلہ ہونے والا ہے۔ کیا میں اس کے لئے کچھ نہیں کروں گا۔ بس مہاراج میرا من ڈول گیا اور میں

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

نے سوچ لیا جب وہ مجھ سے اتنا پریم کرتی ہے تو کیوں نہ میں بھی اس پر جیون وار دوں۔ سو اس سے سوئٹر میں میں بھی دوسرے لوگوں کی مدت میں لگا ہوا تھا، اور میں نے سارے انتظامات کر لئے تھے۔

پھر جب سوئٹر میں لاجونتی نے میرے گلے میں مالا ڈالی تو اونچی نسل کے لوگ غصے سے چلا اٹھے۔ ان کی آنکھیں باہر نکل آئیں لیکن اب لاجونتی میری تھی۔ میں نے لاجونتی کو اٹھایا اور ان میں سے دو چار کو زخمی کر کے جو میرے سامنے آئے تھے لاجونتی کو لے کر دریا پار نکل آیا، اب مہاراج اونچی ذات کے لوگوں میں بڑی بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ ان کے گھوڑے چاروں اور دوڑ رہے ہیں۔ اور ہمیں تلاش کیا جا رہا ہے، ہم یہاں سے نکل نہیں سکتے جب تک کہ وہ لوگ تھک ہار کر اپنے ٹھکانوں کی جانب واپس نہ چلے جائیں۔ یہ پہاڑ بہت طویل ہیں مہاراج اور اس قدر ہیں کہ میں یہاں بہت عرصہ تک ان لوگوں کو پریشان کر سکتا ہوں۔ یہاں وہ ہمیں تلاش نہیں کر سکتے، میں ان پہاڑوں میں اپنے آپ کو اور لاجونتی کو آسانی سے چھپا سکتا ہوں، پر مہاراج ہمارے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ ہم دو دن سے بھوکے ہیں۔"

"اوہ!" میں چونک پڑا، یہ کہانی بڑی دلچسپ اور بڑی عجیب تھی گو انداز مختلف نہیں تھا، گزری ہوئی زندگی میں ایسے بے شمار حالات سے سابقہ پڑ چکا تھا اور مجھے ایسی کہانیاں پسند تھیں۔ میں نے محبت کرنے والے اس جوڑے کو دیکھا۔ جو ایک دوسرے کی محبت میں اتنی دور نکل آئے تھے، ہر خوف سے دور، ہر پریشانی سے دور، بس ایک دوسرے میں مگن۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس جوڑے کو دیکھا۔

"تمہیں کھانے کے لئے میں دے سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"مجھے اپنی چنتا نہیں ہے۔ پر یہ پگلی میرے ساتھ کشٹ اٹھانے کو جانے کیوں چلی آئی ہے۔ یہ بھی تو بھوکی ہے۔" رانا سنگھ نے بڑے درد سے کہا۔

"تب رانا سنگھ باقی باتیں بعد میں ہوں گی، میں پہلے تمہارے لئے کچھ کھانے پینے کی چیزیں لے آؤں۔ میرا انتظار کرنا۔" اور اسے لوگوں کی اسی طرح چھوڑ کر میں واپس پلٹ پڑا۔ اب میں پہلے سے بھی زیادہ بڑی رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ یہ طویل فاصلہ میں نے پہلے سے جلدی طے کیا اور خیموں کے نزدیک پہنچ گیا، پہریداروں نے مجھے دیکھا لیکن کوئی کچھ نہیں بولا۔ خیموں میں مجھے وہ جگہ معلوم تھی جہاں کھانے پینے کی چیزیں موجود تھیں، میں نے ان میں سے خاصا خیر ساتھ لیا اور واپس چل پڑا۔

رانا جیسے ذرا کمزور نوجوان نہیں تھا، وہ مجھے نظر نہیں ملا۔ بلکہ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ میں تنہا ہی واپس آیا ہوں اور کوئی سازش کر کے نہیں آیا تو بہت دور سے اس نے مجھے آواز دی: "میں یہاں ہوں اجنبی دوست۔ براہ کرم یہاں آ جاؤ۔ لاجو کی حالت زیادہ بہتر نہیں ہے۔" میں اس کا مقصد سمجھ گیا تھا چنانچہ میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ لاجو اس کے پاس گھاس پر بے سدھ پڑی تھی۔

"پانی زیادہ پی گئی تھی یہ۔ اور طبیعت بگڑ گئی ہے۔" وہ پریشان لہجے میں بولا۔

اور پھر ہم دونوں نے مل کر پہلے لاجو کو کچھ کھلایا اور پھر میرے کہنے پر رانا نے تھوڑا سا کھانا کھایا۔ اس کی آنکھوں میں ممنونیت کے آثار تھے۔

"تم کون ہو بھگوان، اور کہاں سے آئے ہو، ہمارے لئے تو تم آکاش سے اترے فرشتے بن گئے۔ میں تمہارا یہ احسان نہیں بھولوں گا۔"

"میرا نام پورن ہے۔ راجہ کشن سنگھ کا بیٹا پیتو سنگھ سیر شکار کے لئے ادھر نکل آیا تھا اس کے ساتھ میں بھی آیا ہوں۔"

"ان کے ساتھ شکر بھی ہے۔" رانا نے پوچھا۔

"نہیں بس تھوڑے سے آدمی ہیں۔ ظاہر ہے ہم کسی جنگ کے ارادے سے نہیں آئے۔"

"مجھے ان کے پاس پناہ مل سکے گی؟" رانا نے پوچھا، اور میں سوچ میں ڈوب گیا، پیتو سنگھ عورت خور تھا اور رانا کی محبوبہ خاصی حسین تھی۔ بے چارا رانا ایک مصیبت سے نکل کر دوسری مصیبت میں گرفتار ہو جاتا اس لئے میں نے جلدی سے کہا۔

"نہیں رانا۔ تم بھول کر بھی اس طرف کا رخ مت کرنا۔ پیتو سنگھ اچھا انسان نہیں ہے۔ وہ تمہارے ساتھ بہتر سلوک نہیں کرے گا۔ تمہارے لئے اب یہی جگہ ٹھیک ہے کہ کچھ روز یہاں چھپے رہو۔ میں تمہارے لئے کھانے پینے کی اتنی مقدار لے آیا ہوں کہ تم کئی روز آرام سے گزار لو گے۔ جب تم قسم کر دو کہ خطرہ ٹل گیا ہے تو یہاں سے کہیں نکل جانا۔"

"جو آگیا مہاراج۔" رانا سنگھ نے جواب دیا اور متفکر نگاہوں سے لاجونتی کو دیکھنے لگا۔ "میں اس پر جیون وار نے کو تیار ہوں پر اس کے لئے چھت نہیں بنا سکا۔ پہلے تو میں نے یہی سوچا تھا کہ راجہ کشن سنگھ کے پاس چلا جاؤں گا اور ان کی سیوا کروں گا۔ لیکن تم نے مجھے ڈرا دیا۔ پتہ تو ہے میں اکیلا ہوں کہاں کہاں لاجو کی حفاظت کروں گا!"

"پھر کہاں رہو گے رانا سنگھ!"

"کسی ایسی جگہ نکل جاؤں گا جہاں منش کے قدم نہ ہو سکیں میں ایک نیا سنسار بناؤں گا۔ میرے بازوؤں میں بہت طاقت ہے پھر یہ بات تمہارے سامنے نہیں کہہ سکتا مہاراج تم نہ جانے کیا ہو!"

"بڑی مشکلات میں پڑ جاؤ گے رانا سنگھا!"

"جو بھگوان کی مرضی۔ پریم ہے ہی مشکل۔ پر کسی کے لئے جیون تیاگ دینا ہی تو سب کچھ ہے۔ مہاراج لاجو نہ رہی تو میں بھی کیا کروں گا!" اس نے پیار بھری نگاہوں سے لاجونتی کی طرف دیکھا جو اب اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور دونوں گھٹنوں کو جوڑ کر ان پر ٹھوڑی رکھے ہمیں دیکھ رہی تھی اس کے سیاہ لمبے بال زمین تک آ رہے تھے۔

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر میں یہاں سے اٹھ گیا۔ "تو اب میں چلتا ہوں، تم خاص طور سے اس وقت تک یہاں پوشیدہ رہو جب تک پیتو سنگھ یہاں سے اپنے خیمے نہ اکھاڑ دے اس سے خاص طور سے بچنے کی کوشش کرنا۔ اور پھر میں واپس خیموں میں چلا آیا اور اپنے خیمے میں پڑ کر سو رہا کسی کو پتہ بھی نہیں چلا تھا کہ میں رات کو کیا کرتا پھرا ہوں۔ صبح کو اس وقت جاگا جب میں نے باہر بہت سی آوازیں سنی تھیں، میں باہر نکل آیا، تب میں نے دیکھا کہ پیتو سنگھ اور دوسرے لوگ بھاگ دوڑ کر رہے ہیں اور ہتھیار سنبھال رہے ہیں۔

"کیا ہوا پیتو سنگھ!" میں نے پوچھا۔

"ترکھان چاروں طرف سے آ رہے ہیں ان کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ غالباً وہ ہمیں گھیرے میں لے رہے ہیں۔" پیتو سنگھ نے کہا اور میں بھی ان لوگوں کے ساتھ مل کر دیکھنے لگا۔ پندرہ بیس گھوڑے ایک سمت سے آ رہے تھے۔ اتنے ہی دوسری طرف سے اور ان کے پیچھے دوسرے بھی تھے ان کی رفتار سست تھی لیکن وہ بڑے متاثر انداز میں بڑھ رہے تھے۔

خیموں سے تقریباً پچاس گز دور چل کر وہ رک گئے اور ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔ پھر ان میں سے دو آدمی آگے بڑھے اور گھوڑے دوڑاتے ہوئے ہمارے سامنے آ گئے۔ پیتو سنگھ کے پاس پہنچ کر وہ گھوڑوں سے اترے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ہمارے بالکل قریب آ گئے۔

"ہم ترکھانوں کے خیمے نہیں ہیں، اگر تم لوگ ترکھان نہیں ہو تو پھر کون ہو؟"

"میں راجہ کشن سنگھ کا بیٹا پیتو سنگھ ہوں، ہم لوگ سیر شکار کو نکلے تھے راستہ بھٹکتے ہوئے ادھر آ نکلے اور راجہ کشن سنگھ سے تعلقات ترکھانوں سے برے نہیں ہیں، ہم لوگ تمہیں تمہارا حق دیتے رہتے ہیں۔"

"اوہ مہاراج کشن سنگھ سے ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے۔" ان دونوں نے بیک وقت کہا۔

"بالکل ٹھیک، میں بھی جب یہاں پہنچا تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ ان علاقے سے ترکھانوں کے علاقوں میں نکل آئے ہیں، لیکن پھر میں نے یہی سوچ یہاں خیمے ڈال دیئے کہ ترکھانوں ہمارے دوست ہیں، دشمن نہیں، اور ہمارے اور ان کے درمیان آج تک دشمنی کا کوئی کھیل نہیں کھیلا گیا ہے، مگر تم کس ارادے کے تحت یہاں تک آئے ہو؟" پیتو سنگھ نے پوچھا۔

"ہم تمہارے پاس نہیں آئے راجکمار پیتو سنگھ، بلکہ اپنی ایک پریشانی کا ایک شکار تھے، اتفاق سے تمہارے خیمے نظر آئے تو ہم سب چونک کر ادھر آ نکلے۔ ہم دیکھنا چاہتے تھے کہ یہاں کس کا قیام ہے؟" ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

"اوہ تو پیتو سنگھ تمہارے زمین پر آنے کے لئے معافی چاہتا ہے اور اب تم سے معلوم کرنا چاہتا ہے کہ کیا ہم کچھ دنوں کے لئے رک جائیں۔ یا تمہاری اجازت نہیں ہے۔"

"مہاراج ہم تو عام سے لوگ ہیں۔ ہم سے کیا پوچھنا، ہم تو خود ایک کام کے لئے نکلے تھے اب اس میں ناکام ہو کر واپس جا رہے ہیں، ہم تو صرف یہ معلوم کرنے کے لئے رک گئے تھے کہ معلوم تو کریں آپ کون لوگ ہیں، ہاں ذرا ایک بات تو ہمیں بھی بتا دیں!"

"کیا؟" پیتو سنگھ نے پوچھا۔

"آپ نے یہاں کسی ایسے نوجوان کو تو سفر کرتے نہیں دیکھا جس کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی، دراصل وہ نوجوان ہمارا مجرم ہے نیچی ذات کا ایک اچھوت جو اونچی . . . . . ذات کی ایک لڑکی کو لے کر دریا پار کر آیا ہے اور اب انہی پہاڑوں میں کہیں چھپا ہوا ہے۔ ہم بہت دور تک اس کی تلاش کرتے آئے ہیں دور کروہ کسی بھی رفتار سے جاتا۔ ہم سے آگے نہیں نکل سکتا تھا اس کا مقصد یہی ہے کہ وہ ان ہی پہاڑوں میں کہیں چھپا ہوا ہے۔ مہاراج میں نے کسی ایسے نوجوان کو نہیں دیکھا لیکن تعجب کی بات ہے وہ ہمارے ہاں کی کسی لڑکی کو لے کر فرار ہو گیا ہے؟"

"ہاں مہاراج۔"

"بہر حال فکر مند نہ ہو۔ اگر وہ اس طرف گیا ہے تو آبادیوں میں جانے کی کوشش ضرور کرے گا اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر وہ مجھے نظر آ گیا تو میں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا!"

"جے مہاراج کی۔ تو مہاراج یہاں رکیں گے یا واپس چلے جائیں گے؟" اس شخص نے پوچھا۔

"میں ابھی رکنا چاہتا ہوں لیکن اگر تم لوگوں کی اجازت ہو تو!" پیتو سنگھ مکاری سے بولا۔ وہ بے حد چالاک شخص تھا، ترکھانوں کی دوستی حاصل کر کے وہ یہاں رکنے کا خواہش مند تھا تاکہ اپنی تفریحی خواہشات کی تکمیل کر سکے۔

"آپ یوں کریں مہاراج کے دریا کے کنارے آ جائیں اور وہاں خیمے لگا لیں۔ ہم دریا پار کر کے اپنے سرداروں سے گفتگو کر لیں گے اور اگر انہوں نے آگیا دے دی تو ہم دریا پار کر کے

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

آپ کو اپنا مہمان بنائیں گے۔"

"ٹھیک ہے تم لوگ چلو، میں خیمے اٹھا کر دریا کے کنارے پہنچتا ہوں۔" پیتو سنگھ نے مسرت بھرے لہجے میں کہا اور وہ لوگ واپس لوٹ گئے انہوں نے جا کر اپنے آدمیوں کو تفصیلات بتائیں اور پھر یہ غول سمٹ کر دریا کی جانب دوڑ پڑا۔ پیتو سنگھ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ "میں نے تم سے کہا تھا پورن، کہ میں ایک دن ان لوگوں کو تسخیر کر لوں گا۔ میں ترکھانوں کا زور ختم کر دوں گا اور اس کا طریقہ یہی ہوگا، پہاڑوں میں رہنے والے اپنے علاقے میں بہت مضبوط ہیں لیکن اگر انہیں چالاکی سے باہر نکال دیا جائے تو۔ مگر بات قبل از وقت ہے، تم دیکھو گے کہ ایک دن کیا ہوتا ہے۔" پھر پیتو سنگھ نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ وہ اپنے خیمے اکھاڑ لیں۔

ہم نے دریا کی طرف رخ کیا اور خاصا طویل سفر کر کے اس کے کنارے پہنچ گئے۔ آج کل یہ دریا پرسکون تھا کیونکہ دور کے پہاڑوں کی برف جمی ہوئی تھی۔ دریا کے دوسرے کنارے پر ترکھانوں کی بستیاں نظر آ رہی تھیں کنارے پر کچھ لوگ مصروف بھی تھے۔

"ہماری اطلاع شاید کافی پہلے یہاں پہنچ گئی تھی کیونکہ ہم ابھی خیمے نصب ہی کر رہے تھے کہ ہم نے دس بارہ گھوڑوں کو دریا میں اترتے دیکھا۔ ان میں ایک قوی ہیکل شخص سب سے آگے تھا۔ بلاشبہ یہ لوگ بلند قامت اور توانا تھے اور چہروں سے بارعب نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے پرسکون انداز میں دریا پار کیا اور پھر ہمارے پاس آ گئے۔ ان کے انداز میں جارحیت نہیں تھی۔

"میں پورے علاقے کا سردار کیرنا ہوں۔ راجکمار پیتو سنگھ سے ملنا چاہتا ہوں۔" قوی ہیکل شخص نے کہا اور پیتو سنگھ اس کے لئے پہلے سے تیار تھا۔ جواہرات کے تھال اور کپڑے کے تھان لائے گئے اور سردار کے سامنے رکھ دیئے گئے۔ تب پیتو سنگھ وہاں پہنچ گیا۔ سردار گھوڑے سے اتر گیا تھا۔

"سردار کیرنا کے لئے۔" پیتو سنگھ نے ان چیزوں کی طرف اشارہ کیا اور کیرنا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے ان چیزوں کو دیکھا اور بولا۔

"پچھلے دن برسا سے ہمارے اور کشن سنگھ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پیدا ہوا۔"

"اس کے بعد میں راجہ نیوں گا سردار کیرنا، اس لئے میں [illegible] کے درمیان دوستی قائم ہو جائے۔"

"تب میں پیتو سنگھ کو ایک اچھے دوست کی حیثیت سے خوش آمدید کہتا ہوں۔ اور دوستی کے ناطے ترکھانوں کے علاقے میں آنے کی دعوت [illegible] خیمے یہاں نہ لگائے جائیں بلکہ دریا پار کر کے آپ ہمارے مہمان بنیں۔" کیرنا نے کہا اور پیتو سنگھ نے اس کی پیش کش قبول کر لی اس کی آنکھوں میں فاتحانہ چمک تھی۔

سردار کیرنا نے ہمارے لئے اس دریا کنارے کی بستی میں بندوبست کر دیا۔ بڑی شاداب بستی تھی۔ میں نے بھی بستی کی تر و تازہ لڑکیوں کو دیکھا، کشیو نے ٹھیک کہا تھا یہاں حسن بکھرا ہوا تھا۔ ہم لوگ بستی میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ دریا کے کنارے ہی ہمارے لئے انتظامات کر دیئے گئے تھے۔ کیرنا دیر تک پیتو سنگھ سے گفتگو کرتا رہا تھا اس کے جانے کے بعد پیتو سنگھ نے کہا۔

"سردار چالاک ہے۔ اس نے ہم سے معذرت کرتے ہوئے کہا ہے کہ بستی میں کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ اس وقت ہمیں بستی میں نہیں لے جایا جا سکتا۔ ہم محسوس نہ کریں۔ اس کے علاوہ اس نے کہا کہ ترکھان کسی اجنبی کو اپنے اندرونی علاقوں میں نہیں آنے دیتے اور یہ ان کی ریت ہے اس لئے ہم دریا کے کنارے ہی محدود رہیں۔"

"کیا یہ ہمارا اپمان نہیں ہے مہاراج؟" ہمیشو نے پوچھا۔ اور پیتو سنگھ ہنس پڑا۔

"ہے۔ لیکن اس اپمان کا ہم پورا پورا بدلہ لے لیں گے دیکھنا یہ ہے کہ ترکھان لڑکیاں ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتی ہیں؟" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ میں تشویش کی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ترکھانوں کا جو انداز میں نے دیکھا تھا اس سے اندازہ لگایا تھا کہ یہ لوگ سخت غیور اور خطرناک ہیں۔ مگر پیتو سنگھ نے کوئی غلط حرکت کی تو اسے نقصان اٹھانا پڑے گا۔"

لیکن میرے ذہن میں اس وقت پیتو سنگھ سے زیادہ رانا سنگھا اور اس کی محبوبہ کا خیال تھا۔ میں ان لوگوں کو مدد کرنا چاہتا تھا اور میں نے سوچ لیا تھا کہ انکے لئے مجھے کسی خاص انداز میں سوچنا ہوگا۔

ہمارے لئے یہاں کافی بندوبست کیا گیا تھا۔ رات کو یہاں کچھ ناچنے گانے والے پہنچ گئے اور انہوں نے ہمارا دل بہلایا۔ رقص کرنے والی دونوں لڑکیاں بے حد خوبصورت تھیں، لیکن وہ اپنے مردوں کے ساتھ ناچ رہی تھیں۔ پھر جب کشیو ان میں سے ایک مرد کو لے کر پیتو سنگھ کے پاس پہنچا تو پیتو سنگھ نے سونے کے سکوں کا ایک توڑا اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"ہم تمہارے کمال سے بہت خوش ہوئے ہیں۔ ناچنے والی دونوں لڑکیاں آج رات ہمارے خیموں میں چھوڑ دو۔ صبح کو انہیں انعام دے کر رخصت کر دیا جائے گا۔" سونے کے سکوں کا اتنا بڑا انعام پا کر مسرت سے پھولے نہ سمانے والے شخص کا چہرہ ایک دم اتر گیا۔ اس نے توڑے کی طرف ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے روک لیا۔

"ان کا کیا کرو گے راجکمار؟" اس نے پوچھا۔

"اوہ۔ وہ ہمارا دل بہلائیں گی اور تم انعام حاصل کرو گے۔"

"اس سے زیادہ کچھ نہ کہنا راجکمار۔ آپ ہماری زمین کے مہمان ہیں، لیکن ہم اپنی عزت کی طرف آنکھ اٹھانے والوں کو سے آنکھیں ہمیشہ کے لئے بیکار کر دیتے ہیں۔ اس بارے میں کیرنا بھی ہمیں مجبور نہیں کر سکتا۔" اور وہ غصے سے پیر پٹختا باہر نکل گیا۔

"ہوں، کچھ سیدھی انگلیوں نہیں نکلے گا کشیو۔ کوئی بات نہیں ہمیں دوسرے گر آزمانے پڑیں گے۔" پیتو سنگھ نے کہا۔

میں بھی اس ناچ رنگ میں شریک رہا تھا، لیکن لڑکیوں کے چلے جانے کے بعد میں یہاں سے نکل آیا۔ بستی خاموشی اور سناٹے کی گود میں سوئی ہوئی تھی، گو ہمیں بستی میں جانے کی اجازت نہیں تھی لیکن میں کسی بات کی پروا کب کرتا تھا۔ میں بستی میں داخل ہو گیا ان لوگوں کے رہن سہن کا انداز بھی عام ہی تھا، بستیوں پر انہوں نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ معمولی سے کچے پکے مکانات بنے ہوئے تھے۔ ان میں یہ بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ سردار کا مکان کونسا ہے۔ میں کافی دیر تک گلیوں اور سڑکوں پر بھٹکتا رہا کوئی ایسی بات نہیں تھی جس پر توجہ دی جاتی۔ چنانچہ پھر میں دریا کے کنارے کی طرف چل پڑا لیکن ابھی یہاں پہنچا ہی تھا کہ حیران رہ گیا تھا۔

بہت سے گھوڑے دریا پار سے آ رہے تھے۔ اور ان کا انداز کچھ عجیب تھا ان کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں، جنہیں وہ ہاتھوں میں اٹھائے چلے آ رہے تھے۔ میرے دل میں ایک عجیب سا احساس جاگا کہ کہیں ان دونوں کو گرفتار نہ کر لیا گیا ہو۔ تاہم میں نے ان لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہنے کی کوشش کی۔ جب وہ میرے نزدیک سے گزرے تو میں نے پہچان دیکھ لیا کہ رانا سنگھا اور اس کی محبوبہ لاجوان کے قبضے میں تھی۔ مجھے بے حد دکھ ہوا۔ رانا سنگھا سے جو گفتگو ہو چکی تھی اس کے بعد میں اس نوجوان سے بے حد متاثر تھا اور چند لمحات کے بعد میں نے سوچا کہ ستاروں کی پیش گوئی صرف روپ کلی اور پیتو سنگھ کے بارے میں تھی ان نئے لوگوں کو تو میں نے جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ ان کے معاملے میں دخل دینا کوئی جرم کی بات نہیں تھی۔ رہا پیتو سنگھ تو اب میں اس کے لئے حیثیت بھی کیا رکھتا تھا۔ ظاہر ہے صرف ایک دوست کی حیثیت تھی، میری اور پیتو سنگھ مجھے بہت زیادہ عزیز بھی نہیں رکھتا تھا، مجھ سے اس سے کوئی ذہنی رابطہ نہیں تھا چنانچہ میں نے سوچا کہ کیونکہ نہ ان لوگوں کی کھوج کی جائے۔

میں برق رفتاری سے ان کے پیچھے دوڑ پڑا۔ گھوڑے بستی میں داخل ہو گئے اور پھر وہ ایک ایسے مکان کے سامنے پہنچ گئے جو پتھر اینٹوں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ گو یہ مکان کوئی خاص حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ لیکن میرے اندازے کے مطابق سردار یہیں رہتا ہوگا کیونکہ گھوڑ سواروں کا اس طرف آنا اور رک جانا اس ہی بات کی نشاندہی کرتا تھا۔

مکان کے احاطے میں وہ لوگ داخل ہو گئے، اور میں ایک نیچی دیوار سے دوسری طرف جھانکنے لگا۔ مشعلوں کی روشنی نے ماحول خاصا اجاگر کر دیا تھا۔ مکان کے اندرونی حصے سے میں نے اس شخص کو برآمد ہوتے دیکھا جو سردار تھا۔ بہت ہی معمولی رہن سہن تھا ان کا سرداروں کی سی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ آدمی آگے بڑھ آیا، پھر اس نے کسی آدمی سے مشعل لی اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا رانا سنگھا کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور آنکھوں میں سفاکی چمک نمایاں تھی۔

"تمہارا کیا خیال تھا رانا سنگھا، کیا تم پورے علاقے کو دھوکا دے کر فرار ہو سکتے تھے۔ اس نے گرجدار آواز میں کہا۔ رانا سنگھا نے گردن جھکا لی تھی۔ "تمہاری اس جرأت پر پوری ترکھان قوم کو شدید غصہ ہے۔ تم نے جو کچھ کیا ہے اس کی سزا تمہارے اہل خاندان کو مل رہی ہے۔ لیکن ٹھیک ہے اب تم بھی اس سزا میں شریک ہو جاؤ۔" اس آدمی نے کہا اور رانا سنگھا اسے گھورنے لگا۔

"میرے گھر والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے تم نے؟"

"بہتر ہے کہ وہ سلوک تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ اس وقت ہمارے ہاں کچھ ایسے لوگ آئے ہوئے ہیں جنہیں ہم اندر کے معاملات نہیں بتانا چاہتے۔ دلیپ سنگھ تم اسے لے جاؤ اور بستی میں ہی میرے فیصلے کا انتظار کرو۔ ان لوگوں کو عزت کرنے کے بعد میں آؤں گا۔ اس وقت تک اسے سخت پہرے اور حراست میں رکھا جائے۔" سردار نے اپنے کسی آدمی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اور اس نے گردن جھکائی۔ چند ساعت تک سردار کھڑا رہا پھر مشعل دوسرے آدمی کے ہاتھ میں تھما کر واپس اندر چلا گیا۔ میں نے ایک لمحے میں اپنے دوسرے انداز کا فیصلہ کر لیا تھا اس فیصلے کے تحت میں نے چاروں طرف دیکھا، مکان کے بائیں سمت مجھے ایک اصطبل نظر آیا تھا۔ اور میں اطمینان سے اس کی طرف بڑھ گیا، اصطبل سے ایک گھوڑا کھول کر میں اس کی برہنہ پشت پر سوار ہو گیا۔ میں جانتا تھا کہ ان لوگوں کا دوسرا انداز کیا ہوگا۔ چنانچہ جب وہ ان دونوں کو لے کر چلے تو میں بھی ایک مخصوص فاصلے سے ان کا تعاقب کرنے لگا۔ رات کی تاریکی میں مشعلوں کی روشنی کے سہارے ان کا پیچھا کر رہا تھا۔

چاند کے سفر کے ساتھ ساتھ ان کا سفر بھی جاری رہا اور جب صبح ہم پر طلوع ہوئی تو وہ ایک بستی میں داخل ہو گئے۔ یہ بستی پہلی بستی سے بھی زیادہ تباہ حال تھی۔ زندگی کی ضرورتوں کو نہایت بھونڈے پن سے پورا کیا گیا تھا۔ میں نے گھوڑا بستی سے باہر چھوڑ دیا اور پیدل چلتا ہوا ان لوگوں کے قریب پہنچ گیا۔ گو ابھی صبح نہیں ہوئی تھی لیکن بستی کے لوگ جاگ گئے۔ اور پھر چاروں طرف سے رانا سنگھا گرفتار ہو گیا۔ رانا سنگھا گرفتار ہو گیا کی آوازیں بستی میں قبل از وقت صبح ہو گئی تھی۔

Scanned by aazzamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

گرفتار شدہ لوگوں کو ایک ایسی جگہ لے جایا گیا جہاں ایک بہت بڑا الاؤ روشن ہو رہا تھا آگ کی لپٹیں دور دور تک نظر آ رہی تھیں۔ اور آگ کے عقب میں تین آدمی ٹکٹکیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک بوڑھا آدمی تھا اور دو نوجوان لڑکے تمام لوگ اس طرف دوڑ رہے تھے اور یہاں کافی ہجوم جمع ہو گیا تھا۔

ان پاپیوں کو نرک میں جھونک دو۔ آگ میں ڈال دو سب مل کر سب چیخ رہے تھے۔ پھر چند آوازیں سنائی دیں۔

"لاجو۔ لاجونتی۔ تو کہاں ہے بیٹی میری لاجونتی تو کہاں ہے۔"

اور ایک عورت اور مرد روتے ہوئے لڑکی کے پاس پہنچ گئے۔

"لاج: ذرا تجھے تیاری اس کے ساتھ جاتے ہوئے کہیں کا نہ چھوڑا تو نے ہمیں۔ ہائے تو بھاگ کیوں نہ گئی تو نے ناک کٹا دی سب کی۔" عورت بین کرتی ہوئی بولی۔

"وہ مجھے زبردستی تو نہیں لے گیا تھا ماتا جی وہ سالا پاپی کا اتھاہ کرنے کے لیے ہاتھوں میں دی جاتی ہے۔ جب تم نے یہ اوجھکار دیا تھا تو میں من کا کہا کیوں نہ کرتی۔ تم بھی سن لو نگر باسیو۔ میں من سے سچے من سے رانا سنگھا کو اپنا پتی مانتی ہوں وہ میرا پتی بن چکا ہے اور اگر تم اسے سزا دو گے تو میں بھی اس کی چتا میں جلوں گی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" لاجو کی آواز میں بے پناہ گونج تھی۔

"اری او چنڈال۔ اری او جنم جلی۔ ہماری چتا کیوں نہار ہی ہے تو۔ ہماری عزت کی ارتھی کیوں نکال رہی ہے تو بے حیا۔ عورت نے لاجو کو پکڑ لیا لیکن وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"مجھے مت چھوؤ ماتا جی۔ میں اب اچھوت ہوں کیونکہ ایک اچھوت کی پتنی ہوں۔ تمہارا دھرم نشٹ ہو جائے گا۔ چھوڑ دو مجھے چھوڑ دو۔" لاجونتی غرائی اور اس کی ماں پیچھے ہٹ گئی۔

"یہ کیا کر رہے ہو تم لوگ۔ سردار نے کہا ہے کہ انہیں بھی قید کر دیا جائے۔ وہ خود ان کا فیصلہ کریں گے۔ لاجونتی کو بھی اس وقت تک ان کے ساتھ ہی باندھے رکھا جائے گا۔ جب تک سردار خود آ کر ان کا فیصلہ نہ کریں۔"

"ہے بھگوان یہ کیا ہو گیا۔" لاجونتی کی ماں رونے لگی۔ اور پھر جب لاجونتی اور رانا سنگھا کو بھی ان کے ساتھ ہی باندھ دیا گیا تو مجھے کسی قدر اطمینان ہوا کہ کم از کم ان لوگوں کو کوئی فوری خطرہ نہیں ہے۔ اب مجھے ان لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہنے کا بندوبست کرنا تھا۔ اور اس کے لیے میں نے ایک مناسب جگہ تلاش کر لی۔

یہ وہ درخت تھا جو کافی گھنا تھا اور جس کے نیچے قیدی بندھے ہوئے تھے۔ یہ نہ جانے کون لوگ تھے۔ بہرحال اس سے زیادہ محفوظ اور ان لوگوں کے نزدیک رہنے کے لیے اور کوئی جگہ نہیں تھی میں نے خود کو پتوں میں پوشیدہ کر لیا۔

روشنی پھوٹ پڑی اور میں نے بندھے ہوئے لوگوں کو دیکھا یقیناً رانا سنگھا کے گھر کے لوگ تھے۔ لاجو بھی انہیں کے درمیان موجود تھی۔ تینوں بندھے ہوئے لوگوں کی بری حالت تھی نہ جانے کب سے وہ اس جگہ بندھے ہوئے تھے۔ دن بھر لوگ ان کے پاس آتے جاتے رہے۔ شام کو انہیں کتوں کی طرح کھانے کے لئے غذا دی گئی جسے رانا سنگھا اور لاجونتی نے قبول نہیں کیا تھا باقی تینوں افراد شاید بہت زیادہ بھوکے تھے انہوں نے تکلف نہ کیا اور دی ہوئی چیزیں کھا لیں۔ مجھے ان کی بے چارگی پر بہت ترس آیا تھا۔ پھر جب رات گہری ہو گئی تو میں درخت سے نیچے اتر آیا۔ سامنے کے الاؤ کے دوسری جانب کچھ لوگ موجود تھے جو الاؤ کو دہکا رہے تھے اور یہی ان بندھے ہوئے آدمیوں کے نگراں بھی تھے۔

میں جب ان کے سامنے پہنچا تو لاجونتی اور رانا سنگھا مجھے دیکھ کر ششدر رہ گئے ان کے منہ سے آواز بھی نہیں نکل سکی۔ وہ آنکھیں پھاڑے مجھے دیکھ رہے تھے۔ تب میں نے رانا سنگھا سے کہا۔

"میں نے کہا تھا نا رانا سنگھا کہ میں تمہاری مدد کروں گا۔ سو اس وقت بھی میں نے تمہیں اکیلا نہیں چھوڑا۔"

"تم۔ تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟"

"جس طرح تم یہاں پہنچ گیا لیکن تمہیں فکرمند نہیں ہونا چاہیے تھا اگر پچھلی رات ہی وہ لوگ تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے تو میں انہیں باز رکھتا۔"

"آہ اب کوئی بھی ہماری مدد نہیں کر سکے گا۔ تقدیر نے ہمارا ساتھ نہیں دیا۔" لاجونتی روہانسی آواز میں بولی۔

"نہیں لاجونتی تقدیر تمہارا ساتھ ضرور دے گی۔" میں نے اسے دلاسہ دیا اور پھر رانا سنگھا سے پوچھا۔ "یہ لوگ کون ہیں جو بندھے ہوئے ہیں؟"

"میری بدنصیبی ان پر بھی مسلط ہو گئی ہے۔ ان میں دو میرے بھائی ہیں اور تیسرے چاچا ہیں۔ لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ اونچی ذات کے تنگ دل لوگ میرا بدلہ ان سے لیں گے۔"

"تمہارے گھر کی عورتوں کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا؟"

"نہیں گھر میں ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا میری ماتا جی مر چکی ہیں۔ بس میرے چاچا اور تم تین بھائی ہیں اور یہی بھگوان کا شکر ہے کہ ہمیں ایسی کسی پریشانی کا شکار نہیں ہونا پڑا۔ نہیں یہ لوگ۔ یہ لوگ میری وجہ سے مصیبت میں پھنس گئے۔"

"نہیں بھیا تمہیں شرمندہ مت کرو۔ بھگوان کی سوگند اگر تمہارے لئے جیون چلا جائے تو ہمیں ذرا بھی پچھتاوا نہیں ہوگا۔ ہم بھی انسان ہیں اور اپنی پسند سے جینا چاہتے ہیں۔ تم دیکھ لینا یہ اونچی ذات کے لوگ ہمیں کب تک پیستے رہیں گے۔ [illegible] سے

نوجوانوں میں سے ایک نے پرعزم لہجے میں کہا۔ میں نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا۔

"نہیں میرے دوست تم لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ آج کی رات تمہاری اس قید کی آخری رات ہو گی اور اس کے بعد میں تم لوگوں کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کروں گا۔" میں نے کہا۔ رانا سنگھا بار بار مجھے تعجب سے دیکھنے لگا تھا تب اس نے کہا۔

"لیکن تم یہاں پہنچ کس طرح گئے۔ ان لوگوں نے تمہیں دیکھا کیوں نہیں؟"

"جو کچھ بھی ہے رانا سنگھا بس میں تمہارا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا اور پھر اس درخت پر چھپ گیا۔"

"اوہ تو کیا تم سارا دن یہاں رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں!"

"تو تم نے کچھ کھایا بھی نہ ہو گا!"

"اوہو رانا سنگھا ان باتوں کو چھوڑو۔ کیا تم مہمان نوازی کرنا چاہتے ہو۔ میں تمہارا مہمان نہیں بنا رہندہ ہوں اور تم دیکھو گے کہ میں تمہیں ان اونچی ذات کے لوگوں سے کیسے بچاتا ہوں۔" میں نے کہا اور رانا سنگھا گردن ہلانے لگا۔

"افسوس میں مجبور ہوں۔ تم نے جو احسان مجھ پر کیا تھا اس کا بدلہ کبھی نہیں دے سکتا۔" اس نے افسوس ناک لہجے میں کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اب میں چھپنا نہیں چاہتا تھا لیکن یہ اتفاق ہی تھا کہ رات میں مجھے کسی نے نہیں دیکھا۔ ہاں جب صبح ہوئی تو میری موجودگی ان لوگوں کے لئے سخت حیران کن تھی جو الاؤ کے گرد موجود تھے۔

وہ دوڑتے ہوئے میرے پاس آ گئے لیکن ان کے چہرے شدید حیرت کی تصویر بنے ہوئے تھے وہ میرے چمکدار بدن اور سنہرے بالوں کو دیکھ رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔ "تم کون ہو مہاراج اور ان پتھر ذاتوں کے پاس کھڑے ہوئے کیا کر رہے ہو؟"

"میں ان کا کھوالا ہوں اور جہاں سے آیا ہوں وہاں آسمان اور زمین ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں تم میں سے کوئی مجھے پہچان سکتی ہے؟" میں نے پرعزم لہجے میں کہا۔ اور وہ لوگ حیرانی سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" دوسرے نے سوال کیا۔

"اجو رھا پورنا۔" میں نے جواب دیا۔ پھر ان میں سے دو آدمی شاید کسی کو خبر کرنے دوڑ گئے۔ جو لوگ موجود تھے وہ اب بھی تعجب سے مجھے دیکھ رہے تھے پھر پہلا آدمی بولا۔

"مگر یہ دونوں پاپی ہیں اور ترکھانوں کے سردار نے ان کی موت کا فیصلہ کیا ہے ان کے ساتھ یہ بھی مارے جائیں گے جو رانا سنگھ کے ناطے دار ہیں۔"

"میں نے کہا نا کہ میں ان کا کھوالا ہوں اور تم میں سے کون ہے جو میری زندگی میں انہیں چھونے کی کوشش بھی کرے۔"

"تم کون ہو مہاراج اجو رھا پورنا اور کیوں ان کی رکھشا کرنا چاہتے ہو؟"

"بس مجھے آکاش سے بھیجا گیا ہے اور اگر تم نے میری بات نہ مانی تو جان لو کہ میں تمہارے لئے موت بن جاؤں گا۔ آگ پانی۔ اور تمہارے یہ ہتھیار میرے اوپر بیکار ہوں گے اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ انہیں کھول دو۔"

"یہ تو ہم سے نہ ہو سکے گا مہاراج۔ مگر ابھی راگھو سنگھ جب آئیں گے۔ سردار نے انہیں ان کے حوالے بھی کیا ہے۔"

راگھو سنگھ ایک لمبے تڑنگے قامت اور چمکیلی آنکھوں والا شخص تھا۔ اس کے چہرے پر زخموں کے کئی نشان تھے اور وہ مجھ سے مرعوب نہیں ہوا تھا۔ "ان کا فیصلہ صرف سردار ہی کر سکتا ہے۔ اور اس نے یہ حکم بھیجا ہے کہ ان سب کو آگ میں بھسم کر دیا جائے۔ انہوں نے پاپ ہی ایسا کیا ہے۔"

"تو پھر آؤ۔ فیصلہ کر لیں کہ یہ زندہ رہیں گے یا تم لوگ۔" میں نے آگے بڑھ کر کہا۔ اور انہوں نے تلواریں سونت لیں۔ میں نے سوچا کہ ان لوگوں کو بس مرعوب کرنا ہی کافی ہے انہیں قتل کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ تو بس حکم کے غلام تھے سو سب سے پہلا وار راگھو سنگھ نے ہی کیا تھا مجھے پیار اس نے اپنی تلوار کی کاٹ آزمائی جو میرے بدن پر چھپ گئی تھی لیکن اسے اس ناکامی پر یقین نہیں آیا اور بڑا پرجوش انسان تھا لیکن تھوڑی ہی دیر میں اس کا جوش ختم ہو گیا اور دوسرے اس کی مدد کو بڑھے کیونکہ راگھو سنگھ کی ناکامی ان کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔

راگھو سنگھ پیچھے ہٹ گیا اور میں نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ "اس کے بعد کیا کرو گے راگھو سنگھ وہ بھی کر لو۔ اور جو کہا تمہاں آکاش سے اترتی ہیں تم ان میں ردوبدل نہیں کر سکتے۔ سو تم میں سے کون ہے جو میرے ساتھ اس آگ میں جلے۔ لیکن دیکھو اور مجھے پہچان لو کہ اس کے بعد میں انتظار نہیں کروں گا۔"

میں آگ کی طرف بڑھ گیا اور جب میں بلند ہونے والے شعلوں میں داخل ہوا تو ان کے حلق سے خوف بھری چیخیں نکل گئی تھیں۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد جب میں آگ سے واپس آیا تو ان میں سے بہت سے چیختے ہوئے بھاگ گئے اور بھلا اب ان کی مجال کہاں تھی کہ وہ میرے حکم سے سرتابی کرتے خود راگھو سنگھ تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"انہیں کھول دو۔ ورنہ تمہاری بستیوں میں آگ ہی آگ سلگ رہی ہو گی۔ میں تم سے آخری بار کہہ رہا ہوں۔" تب نہ صرف

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

ان سب کو کھول دیا گیا۔ بلکہ ہمیں ہماری مرضی کے مطابق گھوڑے بھی دے دیئے گئے اور ہم نے رخ بدل کر سفر شروع کر دیا۔ اور ہمیں تو صرف تجزیہ کرنے والا تھا پروفیسر کا ماحول گاہ بنتی ہوئی کہانیاں مجھے اپنی تھیں کھلا ہمیں کیوں واپس جاتا۔ پیتو سنگھ کے پاس اور مجھے اس سے کیا دلچسپی تھی جو احمال کرتا سزا پاتا کر یہی ہوتا آیا تھا۔ ہاں رانا سنگھا اس کی دھرم پتنی لاجونتی اور اس کے دونوں بھائی اس کا باپ میرے ساتھ تھے اور ہم دوسری راجدھانی میں داخل ہو گئے تھے جہاں انہیں پناہ مل گئی۔ اور جہاں انسان ہوں وہاں ہنگاموں اور واقعات کی کیا کمی سو میں ان کے درمیان اس وقت تک رہا جب تک رانا سنگھا اور لاجونتی کی بیٹی نے مجھے ماما کہنا شروع کر دیا۔ چار سال گزر چکے تھے مجھے ان کے درمیان۔

پھر یوں ہوا کہ ایک دن ایک خوبصورت لڑکی پھول چنتی ہوئی ملی اور میرے پاس آ گئی۔ میں نے پھولوں کا ایک ہار بنایا ہے اور یہ سوچا تھا میں نے کہ جو بھی مجھے اچھا لگا اس کی گردن میں یہ ہار ڈالوں گی۔ کیا یہ ہار میں تمہاری گردن میں ڈال دوں۔

"اس کے بعد کیا ہوگا؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"میں اپنے گھر چلی جاؤں گی۔ ایسا تو میں روز کرتی ہوں۔ کل میں نے ایک بڑے سندر بچے کی گردن میں ہار ڈالا تھا۔" لڑکی نے معصومیت سے کہا اور میں نے گردن جھکا لی۔ میری گردن میں ہار ڈال کر وہ خوشی سے تالیاں بجانے لگی اور پھولوں کی ٹوکری اٹھا کر چل پڑی۔

"سنو تو۔ کیا نام ہے تمہارا؟" میں نے اسے روک کر پوچھا۔

"روپ کلی۔" اس نے معصومیت سے جواب دیا۔ اور پروفیسر میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ مجھے ایک اور روپ کلی یاد آ گئی جو کھلتے ہی مرجھا گئی تھی وہ جس نے مجھ سے محبت کا اقرار کیا تھا۔ لیکن جو پاکدامن تھی اور اس طرح وہ مجھے یاد آئی کہ میں اس کے خیال کو ذہن سے نہیں نکال سکا۔ میں نے سوچا کہ اس روپ کلی کا حال تو معلوم کیا جائے۔ دیکھوں تو سہی کہ ستاروں کی پیش گوئی کس دور میں داخل ہو گئی ہے۔

یوں بھی میں آوارہ گرد تھا میری کوئی ایک منزل نہیں تھی مجھے تو نئے جہاں درکار تھے چنانچہ میں نے خاموشی سے سرحد پار کی اور میرا گھوڑا ترکھانوں کی حدود سے گزرنے لگا۔ لیکن راستے میں نے ایسے اختیار کئے تھے کہ ان سے ڈسٹربیٹر نہ ہوئی۔ اور طویل عرصہ کے بعد میں نے وہی دریا پار کیا جو کشن سنگھ کی حکومت اور ترکھانوں کے درمیان سے گزرتا تھا۔ دریا پار کر کے میں کشن سنگھ کے علاقے میں داخل ہو گیا۔ اس دوران میں نے بہت کچھ سوچا تھا طویل عرصہ گزر گیا تھا نہ جانے کشن سنگھ کی حکومت میں کیا تبدیلیاں آئی ہوں۔

لیکن میں نے راجدھانی کا رخ کرنے کی بجائے اس طرف سفر کیا تھا جہاں پیتو سنگھ نے وہ محل بنوایا تھا جہاں روپ کلی رہتی تھی۔ روپ کلی کا محل دور سے نظر آیا تو میں نے گھوڑے کی رفتار سست کر دی بہتر یہ ہے کہ چھپ کر اس سے ملوں ورنہ پیتو سنگھ کو پتہ چل جائے گا کہ میں نے روپ کلی سے ملاقات کی ہے اور تمکنت سے وہ مجھ سے بدگمان ہو جائے۔

چنانچہ میں نے محل سے اتنی دور رہ کر کسی کو نظر نہ آ سکوں رات ہونے کا انتظار کیا اور جب خوب تاریکی ہو گئی تو خاموشی سے محل کی طرف بڑھ گیا۔ باہر چند پہریدار گشت پر تھے ان کے گھوڑے محل کی فصیلوں کے ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے لیکن اتنی گنجائش ضرور تھی کہ محل میں داخل ہونے کا موقع مل جائے اور بے شک فصیلیں ناقابل عبور تھیں لیکن میرے لئے نہیں۔ سو میں ایک کمزور جگہ دیکھ کر اس وقت محل میں داخل ہو گیا جب پہریدار وہاں موجود نہیں تھے۔

اب روپ کلی کی تلاش تھی اور میری خواہش یہی تھی کہ کوئی مجھے نہ دیکھ سکے اور اس کے لئے مجھے شدید احتیاط برتنا پڑی۔ لیکن خوابگاہ میں داخل ہونے کے لئے مجھے ایک مشکل جگہ اپنانی پڑی تھی۔ تاہم میں اندر پہنچ گیا۔

خوابگاہ کا دروازہ بند تھا اور روپ کلی ایک حسین مسہری پر سو رہی تھی محل کی چھت قابل دید تھی۔ خواب گاہ میں رنگین شیشوں میں شمعیں روشن تھیں اور نور و قمرتج کے یہ رنگ کومل روپ کے کومل بدن کو چوم رہے تھے اس کے حسن کو کوئی گہن نہیں لگا تھا اس کے رخساروں پر زندگی تحریر تھی اور اس کے ہونٹوں پر کوئی حسین خواب مچل رہا تھا۔ اس کے سونے کا مست کن انداز دل میں ہلچل مچانے کے لئے کافی تھا۔ میں اسے دیکھتا رہا پھر میں دروازے کے قریب پہنچا اور یہ اندازہ لگانے کے بعد کہ وہ اندر سے بند ہے۔ واپس روپ کلی کے پلنگ کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے آہستہ سے اسے آواز دی اور اس کی نیند کچی تھی چنانچہ وہ میری پہلی آواز پر ہی جاگ گئی اور چونکنا نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ پھر اس کی نگاہ مجھ پر پڑی اور وہ بری طرح سہم گئی۔

"تو تو میں پہلے کبھی تمہارے لئے برا ثابت ہوا روپ کلی اور نہ کسی برے ارادے سے اس وقت تمہارے پاس آیا ہوں۔" میں نے دلاسہ دینے والے انداز میں کہا اور روپ کلی تڑپ کر اٹھ بیٹھی اس نے سب سے پہلے اپنا لباس درست کیا تھا۔

"م۔ م۔ مہاراج پورن۔" اس کے حلق سے بمشکل تمام آواز نکلی۔

"شکر ہے تم نے مجھے پہچان لیا روپ کلی۔"

"آپ۔ آپ یہاں کیسے آ گئے پورن جی۔! آپ یہاں کیسے آ گئے۔ پہریداروں سے آپ نے کیا کہا۔ وہ۔ وہ پیتو سنگھ کو بتا دیں گے وہ۔ وہ۔"

"مجھے یہاں آتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا روپ کلی۔ تمہاری خبر لینے آ گیا ہوں۔"

"کسی نے بھی نہیں دیکھا؟"

"ہاں کسی نے بھی نہیں۔ مجھے یقین ہے۔"

"لیکن۔ کوئی دیکھ بھی سکتا ہے۔ یہاں سب میرے بہادر ہیں میرے دوست ہیں۔ میرے لئے دکھی ہیں۔ لیکن اگر کسی نے پیتو سنگھ کو بتا دیا تو۔" وہ سہمی ہوئی تھی۔

"تم اس کی فکر مت کرو۔ اور اطمینان سے بیٹھو۔ آخر میں بھی تو کوئی حیثیت رکھتا ہوں۔" میں نے کہا اور وہ میری صورت دیکھنے لگی۔ دیکھتی رہی پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ لیکن دوسرے لمحے اس نے ان آنسوؤں کو پی لیا تھا۔

"پتا جی کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہوں گے۔ میں کبھی ان سے نہیں ملا۔ میں اس راجدھانی میں نہیں تھا۔ کیا وہ تم سے ملنے نہیں آئے؟"

"کبھی نہیں آئے۔ ایک بار بھی نہیں آئے۔" وہ سسکی سی لے کر بولی۔

"اور پیتو سنگھ؟"

"وہ بھی کبھی نہیں آئے۔ اس دن کے بعد سے میں نے کبھی کسی کی شکل نہیں دیکھی۔ پرسنا ہے کہ کشن سنگھ مہاراج کے دیہانت کے بعد وہ راجہ بن گئے ہیں۔"

"پیتو سنگھ۔!" میں نے چونک کر پوچھا اور اس نے گردن ہلا دی "کشن سنگھ کا دیہانت کب ہوا۔؟"

"اب تو دو برس بیت گئے۔ بیمار ہوئے تھے مر گئے۔"

"اوہ۔ نئی خبر ہے میرے لئے۔ تم اس وقت سے اس پنجرے میں قید ہو۔" میں نے پوچھا اور اس نے معصومیت سے گردن ہلا دی۔ "کب تک قید رہو گی روپ کلی۔؟"

"تو کیا کروں گی مہاراج۔؟" اس نے بے بسی سے پوچھا۔

"یہاں جو لوگ ہیں وہ یہاں سے نکلنے میں تمہاری مدد نہیں کریں گے۔؟"

"میں نے کبھی نکلنے کی تو سوچی بھی نہیں پورن جی۔ نکل کر جاؤں گی کہاں۔ یہ گھر مجھے میرے پتا جی نے دیا ہے۔ پتا کا گھر آخری منزل ہوتا ہے۔ میں منزل تو نہیں چھوڑوں گی۔"

"کیا تمہارے دل سے بدلے کا خیال نکل گیا؟" میں نے پوچھا اور وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر اس نے کہا۔

"ایک ہی آشا تو ہے جیون میں۔ جو کہا ہے وہ پورا کر دکھاؤں۔ مگر بھگوان نے شاید میرے بھاگ میں نہیں لکھا۔ وہ ایک بار بھی تو میرے پاس نہیں آئے۔ بس جیون میں ایک بار۔ پورے جیون میں صرف ایک بار وہ مجھے اپنی پتنی سویکار کر لیں۔ ان کی یہ آشا پوری ہو جائے پورن جی۔ تو۔ تو۔" وہ حسرت سے بولی اور اس کے چہرے پر انتقام کے سائے لہرانے لگے۔

"روپ کلی عورت ہونے کی حیثیت سے تم نے کبھی کوئی دوسری بات سوچی۔ تمہارے دل میں کوئی اور احساس تو نہیں جاگا۔ مجھے معاف کرنا میں نے ایسی بات پوچھی ہے جو کوئی دوسرا نہیں پوچھ سکتا تھا۔ لیکن میرے دل میں کوئی برا خیال نہیں ہے۔"

"آپ مہان ہیں پورن جی۔ میں جانتی ہوں۔ مگر آپ نے ایک ایسی بات پوچھی ہے جو ہندو ناری کے لئے اچنبھا ہے۔ ہم لوگ جیون میں ایک بار جس ناطے سے بندھتے ہیں سارا جیون اس کے ساتھ گزار دیتے ہیں۔ وہ ناطہ ہمارے لئے جیون مرن کا ناطہ ہوتا ہے۔ کوئی بری بات ہم سوچ بھی نہیں سکتے پورن مہاراج۔ پرسن کی سب سے بڑی آشا ہے۔ کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے اسے پورا کر دکھائیں۔ بھگوان نہیں ایک بار موقع دیدے بس سارے جیون میں ایک بار۔" روپ کلی کی آنکھیں خوابناک ہو گئیں۔

میں گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا کردار کا یہ رخ مجھے بہت پسند آیا تھا پروفیسر۔ اور میں ستاروں کی چال کے بارے میں سوچنے لگا۔ پھر میں نے پوچھا۔

"یہاں موجود پہریدار تمہارے دوست اور ہمدرد ہیں۔؟"

"ہاں۔ ساری کی ساری عورتیں ہیں۔ مرد ایک بھی نہیں رکھا ہے پیتو سنگھ مہاراج نے۔"

"اوہ۔ کیا واقعی۔؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں پورن جی۔"

"پہریدار بھی عورتیں ہی ہیں۔؟"

"ہاں مہاراج۔"

"تمہیں کبھی کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟"

"نہیں یہ عورتیں بھی مرد سمان ہیں۔ سارے کام بڑی چوکسی سے کرتی ہیں۔" روپ کلی ہنس کر بولی۔

"ایک بار تم نے مجھ سے بھی تو پریم کی بات کہی تھی روپ کلی۔" میں نے اچانک کہا اور روپ کلی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ اس اچانک سوال پر وہ حیران ہو گئی تھی۔ مگر پھر اس کی آنکھوں میں اداسی سمٹ آئی۔

"کبھی تھی مہاراج۔ مگر وہ اس جنم کی بات تھی۔ وہ ہمارے بھول تھی۔ ہم اس پر ہمیشہ شرمندہ رہیں گے۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ اب مجھے بتاؤ روپ کلی میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں۔؟" میں نے پوچھا اور اس نے گردن جھکا لی۔ چند ساعت سوچنے کے بعد بولی۔

"پیتو سنگھ جی آپ کے متر ہیں مہاراج۔ اگر ہو سکے تو ان سے ہمارا دوش معاف کرا دیں۔ وہ یہاں شما کر دیں۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو۔" شرم کی وجہ سے وہ زبان نہ کھول سکی۔ لیکن میں اس کا مطلب سمجھ گیا تھا تب میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

"ٹھیک ہے روپ کلی، میں تمہارے لئے کوشش کروں گا۔ وعدہ کرتا ہوں" اور اس نے ممنون نگاہوں سے مجھے دیکھا بھولی۔

"منش کے جیون میں ایک ہی بات تو ایسی ہوتی ہے مہاراج جو اسے زندہ رکھتی ہے۔ میں بھی اسی امید پر زندہ ہوں کہ کبھی نہ بھگوان نے جس طرح پیتو سنگھ کو مجھ سے بڑا کیا ہے اسی طرح کبھی مجھے بھی بڑا ہونے کا موقع دے گا" میں نے اس کا شانہ تھپتھپایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ تب روپ کلی بولی۔

"رکو گے نہیں مہاراج" میں نے مسکراتی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"دل سے کہہ رہی ہو روپ کلی" میں نے کہا اور روپ کلی شرمندہ ہو کر خاموش ہو گئی۔ "میں تمہاری مجبوری جانتا ہوں اس لئے اس کی فکر مت کرو۔ میں چلتا ہوں اور کوشش کروں گا کہ تمہاری دلی آرزو پوری کروں" میں نے کہا اور پھر اسی راستے سے واپس نکل آیا جس سے داخل ہوا تھا روپ کلی کے لئے میرا دل واقعی اداس ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ کسی طرح اس کی خواہش بھی پوری کرنی چاہیے۔ میں جانتا تھا کہ پیتو سنگھ اس کا دشمن ہے اور ایک ضدی انسان ہے لیکن اب یہ ضد ختم ہو جانی چاہیے۔ بہت عرصہ ہو گیا میں نے سوچا کہ پہلے تو پیتو سنگھ کو سمجھاؤں گا اور اگر وہ نہیں مانا تو پھر کوئی حرکت کرنا پڑے گی۔ بہرحال میں اسی رات گھوڑے پر بیٹھ کر راجدھانی کی سمت چل پڑا۔ صبح ہونے کو تھی جب میں راجدھانی پہنچا۔ مجھے علم ہو چکا تھا کہ پیتو سنگھ راجہ بن چکا ہے۔ کشن سنگھ مر چکا ہے بہرحال میں دربار کی جانب چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد محل پہنچ گیا۔ باہر جو پہریدار تھے مجھے نہیں پہچانتے تھے۔ انہوں نے مجھے محل میں داخل ہونے سے روک لیا۔

"کون ہو تم اور اندر کیوں جانا چاہتے ہو؟"

"میں مہاراج پیتو سنگھ سے ملنے کا خواہش مند ہوں"

"اس سے ...؟"

"ہاں" میں نے جواب دیا۔

"کوئی سندیسی ہو۔ کہاں سے آئے ہو۔ اگر یونہی ملنا چاہتے ہو تو دربار میں ملنا۔ ویسے مہاراج سے ملنے کا نہیں ہے"

"تم ان سے کہلوا دو کہ پورن آیا ہے۔ ان کا دوست پورن" میں نے کہا اور ایک پہریدار مجھے غور سے دیکھتا ہوا اندر چلا گیا۔ کافی دیر کے بعد وہ واپس آیا تو اس کے ساتھ چند اور لوگ بھی تھے ان میں کیشو بھی تھا جس نے مجھے پہچان لیا۔ اور پھر وہ مجھے لے کر اندر چل پڑا۔

"آپ زندہ ہیں پورن مہاراج۔ ہم تو آپ کو مردہ سمجھ بیٹھے تھے" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں میں زندہ ہوں کیشو"

"پیتو سنگھ مہاراج بہت دن تک آپ کے لئے افسوس کرتے رہے تھے۔ انہوں نے تو واپس آ کر مہاراج کشن سنگھ سے فوراً حملہ کرنے کی آگیا مانگی تھی پرسر گیاشی کشن جی نے انہیں آگیا نہیں دی"

"اوہ"

"آپ کو تو معلوم ہے نا کہ پیتو سنگھ مہاراج راجہ ہیں"

"ہاں میں نے یہاں داخل ہو کر سنا تھا" میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے جواب دیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں پیتو سنگھ کے سامنے تھا۔

پیتو سنگھ کا چہرہ پرجوش تھا اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر مجھے گلے لگایا تھا "میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا میرے دوست کہ جیون میں دوبارہ تمہارے درشن ہوں گے۔ مگر بھگوان کی سوگند جوں کے توں ہو۔ تمہارا جادو واقعی پکا ہے۔ میں تمہیں بدھائی دیتا ہوں"

"اور میں تمہیں پیتو سنگھ کیونکر تم راجہ بن چکے ہو"

"ہاں کشن جی مہاراج کے دیہانت کے بعد مجھے پتہ چلا کہ راج نیتی کیا ہوتی ہے۔ بہت بڑی ذمہ داری رکھ دی گئی ہے میرے کندھوں پر"

وہ مجھے اندر لے گیا اور بڑی عزت سے بٹھایا۔ بڑا ہونے کے باوجود وہ اتنا برا انسان نہیں تھا اور راج گدی مل جانے کا غرور اس کے دل میں نہیں آیا تھا۔ بڑے احترام سے اس نے مجھے بیٹھنے کے لئے کہا اور مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھ کر بولا۔

"بڑی ہی کٹھنائیاں آن پڑی ہیں مہاراج، آپ یقین کریں میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا"

"ہاں پیتو سنگھ حکومت معمولی بات نہیں ہوتی، حکومتوں کے لئے تو خود کو تج دینا پڑتا ہے" میں نے جواب دیا۔

"پر مہاراج اصل حکومت تو تمہاری ہے۔ بھگوان کی سوگند تمہیں دیکھ کر بڑا شک آتا ہے، رہیں بھی یہیں گر تمہارا دو مہاراج، تمہارا کی طرح سدا جوان رہیں، چمکتے رہیں چندرما کی طرح۔ بھگوان کی سوگند تمہیں دیکھ کر من چاہتا ہے کہ ہم خود بھی تمہارے جیسے ہو جائیں" اس کے کہا اور میں ہنسنے لگا۔

"فلسفہ کہاں جاری ہیں پیتو سنگھ ...!"

"ارے نہیں مہاراج اب وہ دور کہاں رہا، لوگ کہتے ہیں کہ بھلا راجہ کی سنتان ہوتی ہے۔ تو اب اس سنتان کا تو خیال کرنا ہی پڑتا ہے۔ پر من نہیں مانتا۔ اس سنتان میں بھی اپنے لئے کچھ نہ کچھ ڈھونڈنا ہی پڑتا ہے"

"اوہ" میں ہنسنے لگا۔ پیتو سنگھ خاصا خوش مزاج ہو گیا تھا اب اس کے اندر وہ تندی اور تیزی نہیں رہی تھی اور مجھے اس کا یہ انداز پسند آیا تھا۔

"کتنی رانیاں ہیں تمہاری پیتو سنگھ!"

"ایک بھی نہیں۔ رانیوں کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور پھر میرے من میں ایک بال بھی تو ہے مہاراج" پیتو سنگھ نے کہا۔

"کیسا بال!"

"تم بھول گئے۔ مگر میں نہیں بھولا" وہ ہنس کر بولا۔

"کیا مطلب!"

"تمہیں یاد نہیں ہے روپ کلی، پگلی۔ تم سے بھی تو پریم کرنے لگی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ میری نشانی تو میرے سینے کے سامنے لا کھڑا کرے گی۔ بس اس دن سے سنتان کا خیال چھوڑ دیا" پیتو سنگھ نے کہا۔

"اوہ لیکن پیتو سنگھ وہ پرانی بات ہے"

"بات ہمیشہ نئی رہتی ہے پورن جی۔ بشرطیکہ انسان اسے غور سے سنے"

"مگر تم دوسری شادی تو کر سکتے تھے"

"ہاں مگر میں نے نہیں کی"

"کیوں؟"

"ممکن ہے اس کے بال سنتان پیدا ہو جاتی"

"تو اس سے کیا ہوتا"

"مجھے روپ کلی کی بات کے بعد سنتان سے چڑ ہو گئی ہے اور اس کے لئے میں نے ایک طریقہ اختیار کر لیا ہے"

"کیا ...!" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"تم سے کیا چھپاؤں گا پورن جی۔ اللہ میرے پاس ہے جسے میں پسند کرتا ہوں۔ ساتھ رکھتا ہوں مگر جب مجھے پتہ چلتا ہے کہ اس کے شریر میں میری سنتان پرورش پانے لگی ہے تو میں اسے مروا دیتا ہوں" پیتو سنگھ نے کہا اور میں دنگ رہ گیا۔ بڑی خوفناک بات تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نرم اور خوش مزاج نظر آنے والے پیتو سنگھ کا دوسرا رخ اتنا ظالمانہ ہو گا۔ میں حیرت سے اس کی صورت دیکھتا رہا پھر میں نے کہا۔

"لیکن، پیتو سنگھ، کیا یہ اچھی بات ہے"

"بری کیا بات ہے مہاراج، ایک عورت ہی نے تو یہ بات مجھے سمجھائی ہے" اس نے جواب دیا۔

"مگر پیتو سنگھ یہ تمہاری اپنی پسند ہے۔ کیا تم نے روپ کلی سے ملنے کی کوشش نہیں کی" میں نے پوچھا۔

"میں نے" وہ ہنس پڑا۔ "بھلا مجھے اس سے ملنے کی کیا ضرورت تھی مہاراج وہ مجھ سے پریم تو نہیں کرتی۔ وہ تو صرف میری ہو جاتی۔ اگر وہ مجھ سے پریم کرتی مہاراج تو پیتو سنگھ آج دوسری ہوتا لیکن اس نے مجھ سے نفرت کا اظہار کیا وہ مجھ سے دور رہنا چاہتی تھی اور جب میں نے اسے مجبور کر دیا تو اس نے مجھ سے بدلے کی بات کی اور اگر ایک راجہ سے ایسی بات کی جائے مہاراج تو وہ اسے کبھی نہیں بھولتا"

"پیتو سنگھ بڑے افسوس اور بڑے تعجب کی بات ہے تم ایک عورت کو اپنا دشمن سمجھ رہے ہو"

"عورت کبھی کمزور نہیں ہوتی مہاراج۔ اگر تم نے جیون میں یہ تجربہ نہیں کیا تو کوئی تجربہ نہیں کیا۔ عورت بہت مضبوط، بہت طاقتور ہوتی ہے۔ اس کا من بڑا ہوتا ہے مہاراج۔ اور سچی بات تو یہ ہے مہاراج کہ منش کو سنسار میں سب سے زیادہ جس چیز سے ڈرنا اور ہوشیار رہنا چاہیے وہ عورت ہے۔ اس جاتی پر کبھی تم نے کیا جانے بوجھے بھروسہ کیا ہو، اور یہ میرا جیون بھر کا تجربہ ہے"

"نہیں پیتو سنگھ تمہارا جیون کیا حیثیت رکھتا ہے۔ کتنی چھوٹی سی زندگی ہے تمہاری۔ دیکھو مجھ سے پوچھو"

"تم سے کیا پوچھوں مہاراج" اس نے چونک کر کہا اور میں خاموش ہو گیا۔

میں پیتو سنگھ کو اپنے بارے میں بتانے جا رہا تھا لیکن اب یہ بعد از وقت تھا یا تو وہ یقین نہیں کرے گا اور نقصان کر بھی لے گا تو یہ بات اسے زیادہ مناسب نہیں لگی تھی چنانچہ میں نے بات کا رخ بدل دیا۔

"بہرحال پیتو سنگھ میں تمہارے اس اقدام سے خوش نہیں ہوں"

"درشن میرا انہیں ہے مہاراج"

"جس کا درشن ہے تم اسے صاف بھی تو کر سکتے ہو۔ اس کا تمہارا کیا مقابلہ۔ اور اب تو تم راجہ بن چکے ہو۔ راجہ تو بڑے فراخ دل ہوتے ہیں"

"ہاں مگر دوستوں کے لئے۔ دشمن کے لئے فراخ دلی تو اچھی بات نہیں ہے"

"تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے۔ دوستوں کے لئے تو سب ہی فراخ دل ہوتے ہیں۔ دشمنوں سے فراخ دلی کا سلوک کیا جائے تو انسان کا کردار بنتا ہے۔ بہرحال روپ کلی تمہاری پگلی ہے دشمن نہیں"

"میں تو اب اسے بھول چکا ہوں پورن جی۔ تم مجھے اس کی یاد مت دلاؤ"

"تم اس سے پریم بھی کرتے ہو پیتو سنگھ"

"ہرگز نہیں۔ پریم سے پریم نہیں کیا جا سکتا۔ کبھی نہیں۔ اور میں نے محسوس کیا کہ پیتو سنگھ اپنے قول میں اٹل ہے۔ اگر میں اس سے زیادہ گفتگو کروں گا تو وہ بددل بھی ہو سکتا ہے اور میں اسے ناراضگی سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ اب میں خاموش ہو گیا۔

scanned by aazamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

"تمہاری مرضی پیتو سنگھ!"

"مگر پورن جی اپنی تو سناؤ۔ تم تو سب دریا پار چھوڑ کر نہ جانے کہاں چلے گئے تھے۔ میں نے بڑی تلاش کرائی تمہاری۔ میرا خیال تھا ترکھانوں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اور تمہیں مروا دیا انہوں نے۔"

"میری موت اتنی آسان نہیں ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"وہ تو میں جانتا ہوں۔ مگر تم گئے کہاں تھے؟"

"آگے بڑھ گیا تھا۔" پیتو سنگھ۔ "ترکھان لڑکیاں واقعی بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔ انہیں میں سے چند لڑکیاں میری دوست بن گئی تھیں۔"

"اور تو یوں کہو ان کے ساتھ عیش کر رہے تھے۔"

"مگر میں بھی بے وقوف نہیں ہوں اس وقت میرے عمل میں چھ ترکھان لڑکیاں موجود ہیں۔"

"واہ۔ کہاں سے؟" میں نے پوچھا۔

"ترکھان۔ میری دوسری ضد میں پورن جی۔ اچھا ہوا تم بھی آگئے۔" میں نے بچپن ہی میں عہد کیا تھا کہ جیسوں میں ایک بار ضرور ان کا غرور توڑوں گا اور اب اس کی تیاریاں مکمل ہو گئی ہیں۔ میں بہت جلد ترکھانوں پر حملہ آور ہونے والا ہوں۔ میں نے جیسوں سے ان کی لڑکیاں اغوا کی ہیں۔ اپنی پرجا میں کسی کو مجھ کوئی شکایت نہیں ہے۔"

"اوہ۔" میں نے گہری سانس لی۔ میرے ذہن میں ایک منصوبہ پرورش پانے لگا تھا۔ پیتو سنگھ کافی دیر تک مجھ سے گفتگو کرتا رہا۔ اس نے مجھ سے میری مصروفیات کے بارے میں پوچھا اور میں نے اسے جھوٹی سچی کہانیاں گڑھ کر سنا دیں۔ یہ کوئی بری بات نہیں تھی دراصل میں اس پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میں نے یہ وقت کس طرح سے گزارا۔ اپنی روپ کلی سے ملاقات کی بات اس کے علم میں آنی چاہیے تھی۔

بہرصورت ان ساری باتوں سے ہٹ کر پیتو سنگھ نے میرا اچھا استقبال کیا تھا اور وہ مجھے بدستور اپنے دوستوں میں جگہ دیئے ہوئے تھا۔ مجھ سے خاص دلچسپی سے بات کرتا تھا اور اس کے مزاج کی شگفتگی میرے لئے دلچسپی کا باعث تھی۔

دوسرے دن میں نے اس کی ترکھان محبوباؤں کو بھی دیکھا۔ بلاشبہ خوب صورت لڑکیاں تھیں اور بظاہر پیتو سنگھ کی میت میں ناخوش نہیں تھیں۔ کیا کیے کیوں۔ بہرحال یہ ان کی مجبوری بھی ہو سکتی تھی۔ بہرحال تھیں کہ ایک راجہ کے سامنے انہیں کیسے رہنا چاہیے۔ پیتو سنگھ نے مجھے بھی پیش کش کی۔

گمرن نے معذرت کر لی۔

پیتو سنگھ کو یہ بات اچھی آئی تھی۔ "میاں جاتا تھا مہاراج کہ تم مہان ہو اور اگر میرے من میں یہ دھوکہ ہوتا تو مہاراج میں اس سے بھی چوکنا ہو جاتا۔ روپ کلی نے تم سے پریم کی بات کہی تھی۔"

"ایک راجہ کو اتنا فراخ دل ہونا چاہیے پیتو سنگھ۔ ورنہ راجہ نہیں رہتا۔" میں نے کس قدر تلخ لہجے میں کہا۔ لیکن وہ میرے لہجے کی تلخی کو محسوس نہیں کر سکا تھا۔ اس کے بعد میں نے بھی اس سے روپ کلی کے بارے میں تذکرہ نہیں کیا۔ لیکن دل میں میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ پیتو سنگھ کو اگر جھکانا ہے تو اس کے لئے کوئی ایسی مہم سوچنا ہوگا۔

اس کے بعد کے دن خاموشی سے گزرنے لگے اور ایک طویل وقت گزر گیا۔ پیتو سنگھ باقاعدہ جنگ کی تیاریاں کر چکا تھا۔ میں نے بھی اس کا ساتھ دینے کا وعدہ کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ تب ایک دن اس نے مجھ سے کہا۔

"میرے جیسوں میں پہلی بار یہ صبح دن آیا ہے مہاراج۔ میں ایک راجہ ہونے کی حیثیت سے کسی سے جنگ کرنے جا رہا ہوں۔ آپ ساتھ دینے کا وعدہ کر چکے ہیں۔ اگر آپ ہمارے ساتھ چلنا چاہیں تو ہمارے آپ یہاں آرام کریں۔"

"میں تمہارے ساتھ چلوں گا پیتو سنگھ۔"

"میری بھی یہی خواہش ہے۔ تو پھر تم تیار ہو جاؤ۔" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

بالآخر پیتو سنگھ ایک عظیم الشان فوج کے ساتھ ترکھانوں کی طرف چل پڑا۔ اس کے جوش اور امنگ سے پتہ چلتا تھا کہ اس جنگ کے معاملے میں کتنا پرجوش ہے۔ راستے میں کبھی وہ مجھ سے گفتگو کرتا۔ اس نے بتایا کہ اس کے دل میں بچپن ہی سے یہ خواہش تھی۔ ترکھانوں کی داستانیں سن سن کر اس کے دل میں ان کے لئے نفرت کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا اور اس نے نوعمری میں ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر کبھی اسے راجہ بننے کا موقع ملا تو وہ ترکھانوں کو ضرور سزا دے گا۔ بڑے سورما اور مغرور لوگ تھے پورن مہاراج۔ انہوں نے ہمیشہ یہی سوچا ہے کہ ان کے علاقے ناقابل تسخیر ہیں۔ میں انہیں دکھاؤں گا کہ پیتو سنگھ کیا ہے۔" اس نے کہا تھا۔

بالآخر سفر کرتے ہوئے ہم دریا کے کنارے آ پہنچے۔ اس دریا کے کنارے ہم تھوڑے ہی عرصہ میں دوبارہ آئے تھے۔ پہاڑوں کا سلسلہ جوں کا توں تھا۔ پیتو سنگھ نے دریا کے کنارے لشکر اندازی کر لی۔ اور پھر اس نے مجھ سے کہا۔

"میرے لئے ایک بات بڑی حیرت کی ہے مہاراج!"

"کیا پیتو سنگھ!"

"کیا ترکھانوں کو ہماری آمد کی اطلاع نہیں ملی ہوگی؟ انہوں

نہیں ہے کہ انہیں ہمارے آنے کے بارے میں علم ہو۔"

"اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ سرحدوں پر صف آرا ہو کر جنگ لڑنا چاہتے ہوں۔" میں نے کہا۔

"یہ تو ان کی ہمیشہ کی ریت ہے مہاراج۔ ہمیشہ پہاڑوں میں گھس کر لڑتے ہیں اور کبھی سامنے نہیں آتے۔ حالانکہ ان کی تعداد بہت کافی ہے۔ پر یوں لگتا ہے ان میں کبھی کوئی گرم خون پیدا ہی نہیں ہوا جو سامنے آ کر جنگ کرے۔"

"اپنا اپنا طریقہ جنگ ہے پیتو سنگھ۔ لیکن یہ طریقہ جنگ کافی خوفناک ثابت ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"ارے ہوگا تو دیکھا جائے گا۔ یہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے مہاراج کہ اب ہم یہ دریا کس طرح پار کریں۔ میرا خیال ہے کیا گھوڑے دریا میں ڈال دیں۔ یا یہاں سے آنے جانے کے لئے کوئی آسان حل نکالیں۔"

میں نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی۔ میری نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ تب میری نگاہ کافی دور پر نظر آنے والے جنگل کی طرف اٹھ گئی۔ اونچے اونچے درخت کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"دریا کے اوپر پل بنایا جا سکتا ہے پیتو سنگھ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہمیں ایک بار دریا عبور کرنا ہے پل کی ضرورت کیا ہے؟"

"ہاں تمہارا خیال درست ہے پورن مہاراج لیکن اگر پل بن جائے تو ہمیں جنگ میں آسانیاں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہم فوج کا تمام تر حصہ اس طرف نہیں لے جائیں گے بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے ہمارے لئے مدد آتی رہے گی۔ اور پھر ترکھان ہمارے علاقے میں بھی داخل نہیں ہونے پائیں گے۔"

"اوہ۔ یہ خیال ہے تمہارے ذہن میں تو پھر ٹھیک ہے۔ ان درختوں کو اکھاڑ کر ان کے تختوں سے پل بنایا جا سکتا ہے۔"

"کیا؟" پیتو سنگھ نے متحیر انداز میں ان درختوں کی جانب دیکھا اور پھر بولا۔ "لیکن یہ تو بہت طویل کام ہوگا پورن۔ بڑا وقت لگ جائے گا اس میں۔ درختوں کو کاٹنا معمولی بات نہیں ہے اور پھر دریا کا پل!"

"میرا خیال ہے اگر تم پسند کرو تو اس مسئلے میں میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"وہ کس طرح؟"

"بات وہی ہو جاتی ہے پیتو سنگھ کیا تم یہ پل بنانا چاہتے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"ان جائے تو اچھا ہی ہے۔ آنے جانے میں بڑی آسانیاں پیدا ہو جائیں گی اور پھر جب ہم ترکھان علاقے فتح کر لیں گے تو مہاراج اس دریا سے رابطہ تو رہے گا ہی۔" پیتو سنگھ نے کہا۔

"ٹھیک ہے تو پھر تم ہمیں اپنی فوج کے چند دستے دے دو۔ میں تمہارا پل تعمیر کرائے دیتا ہوں۔" میں نے کہا اور پیتو سنگھ نے گردن ہلا دی۔

فوجوں نے پڑاؤ ڈال لئے تھے۔ خیال یہ تھا کہ اس طرح ترکھانوں کو تجسس میں مبتلا رہنے دیا جائے وہ سوچتے رہیں اور اس طرح ہم دریا کے کنارے رک کر ان کے صبر کا امتحان کریں۔ اسی دوران پل بھی تیار ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے تین دستوں کو اپنے ساتھ لے جانے کے لئے منتخب کیا تھا انہیں لے کر جنگلات کی طرف چل پڑا۔ ضرورت کی چند چیزیں میں نے لے لی تھیں۔

ماضی شاہد ہے میں نے ہمیشہ وہ کام کئے جو عام لوگوں کے لئے ناقابل یقین تھے۔ اور جب میں نے وہ کر لیا تو نہ کر سکتے تھے دوسرے۔ تو اس کے بعد دوسرے حیرانی سے میری شخصیت پر غور کرتے ہی رہ جاتے تھے۔ سو یہاں بھی یہی ہوا۔

طویل القامت درخت جنہیں کاٹنے کے لئے بڑی پریشانیوں کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ اور یہ سوچا جا رہا تھا کہ انہیں کاٹنا آسان بات نہیں ہوگی اور ہفتوں تو انہی درختوں کو کاٹنے میں گزر جائیں گے۔ جب میری دوستیں میں آئے تو میں نے ان لوگوں کو ششدر کر کے رکھ دیا۔ موٹے موٹے سے درخت کے تنوں میں پھنسا دیئے جاتے اور میں انہیں پکڑ کر کھینچتا۔

پہلی بار جب میں نے یہ کوشش کی تو پیتو سنگھ کے سپاہیوں نے مجھے اس انداز میں دیکھا جیسے میری صحیح الدماغی پر شک کر رہے ہوں۔ وہ دبے ہونٹوں سے مسکراتے بھی تھے لیکن جب ایک درخت کی جڑ نے جگہ چھوڑ دی تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ پیتو سنگھ خود بھی پلکوں کے سے انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا۔ درخت کو اس کی جگہ سے ہلا کر میں نے نیچے گرا دیا اور وہ رسہ نکال لیا جو میں نے درخت میں ڈالا تھا۔ موٹے رسے کو لے کر میں دوسرے درخت کی جانب بڑھا اور چند ساعت کے بعد دوسرا درخت جڑ سے اکھڑ گیا تھا۔ یوں میں نے پانچ درخت جڑ سے اکھاڑ دیئے تھے۔ اور دیکھنے والے اپنی حیرت کے سمندر سے باہر نکل آئے تو پیتو سنگھ میرے پاس پہنچ گیا۔

"پورن تم کیوں مجھے پاگل کئے دے رہے ہو۔" وہ متحیرانہ انداز میں بولا۔ اور میں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیوں پیتو سنگھ کیا بات ہے؟"

"پورن تم کیا یہ انسانی طاقت ہے۔ نہیں بھگوان کی سوگند نہیں۔ یہ انسانی طاقت ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ تمہارا جادو ہے۔ وہی جادو پورن جو تمہیں آگ سے زندہ سلامت نکال لایا تھا۔"

"جو کچھ بھی تم سمجھو پیتو سنگھ۔ بہرحال میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ درختوں کو اکھاڑنے میں میں تمہاری مدد کروں گا۔ اس پل کو تعمیر کرا دوں گا۔ سو میں اپنے وعدے کو پورا کر رہا ہوں۔"

Scanned by aazzamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

"ہاں تم سب کچھ کر سکتے ہو۔" پیتو سنگھ نے پرخیال انداز میں کہا اور پھر اس کی آنکھیں خود بخود مسکرا اٹھیں۔ "مگر پوران تم ایک کام اور بھی تو کر سکتے ہو!"

"کیا!"

"ترکھانوں سے جنگ میں کیا تمہارا جادو ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتا؟" اس نے پوچھا اور میں مسکرا اٹھا۔ اب پیتو سنگھ کو میری اہمیت کا احساس ہوا تھا۔ بہرحال میں خود بھی زیادہ سے زیادہ اپنی حیثیت کا احساس دلانا چاہتا تھا تاکہ میں اگر کبھی اس سے کچھ کہوں تو وہ انکار نہ کر دے۔

"پیتو سنگھ تم نے مجھے دوست کہا ہے۔ دوست بنایا ہے اور اسی لئے جب تم مجھے نظر انداز کر کے ترکھانوں سے جنگ کرنے کے لئے آ رہے تھے تو میں نے اپنی پیش کش کی۔ میں نے کہا میں تمہارے ساتھ چلوں گا اس کی وجہ یہی تھی کہ میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ تم بے فکر رہو ترکھانوں سے جنگ میں تم تنہا نہ ہو گے اور جب میں نے تم سے کہا تھا کہ میں تمہاری دوسری کی صورت بتاؤں گا۔"

"بے شک میں اس طرح تو میں یوں سمجھوں کہ تمہارا حوصلہ تم سے دور رہے ہیں بڑے نقصان اٹھا رہا۔ جانے تم میرے کیسے کیسے کام آ سکتے تھے۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا پوران کہ تم میرے لئے اتنی بڑی چیز ثابت ہو گے۔"

"اچھا خیر جب مجھے یہ کام کرنے دو تو میں نے کہا اور دوسرے دن سے گرانے لگا۔ میری ہدایت پر پیتو سنگھ کے فوجیوں کی تعمیر میں مصروف ہو گئے۔ میں نے وہ وہ کام کئے جو وہاں میں سے کسی کے تصور میں بھی نہیں آ سکتے تھے۔ دریا کے بہاؤ میں درختوں کے اونچے اونچے تنے گاڑے اور ان تنوں کو ستونوں کی حیثیت دے کر میں نے ان پر پل تعمیر کرایا۔ یہ پل اتنا عجیب و غریب تھا کہ وہ لوگ اس کی تعمیر کا ہنر دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ میں اندازہ نہیں اس کی تعمیر کیا گیا تھا وہ انسانی کارنامہ نہیں تھا۔ بس کارنامہ ایسا بھی ہو جو بہت خوبصورت پل تیار ہو گیا تھا۔ اور جب پیتو سنگھ پہلی بار اس پل سے گزرا دریا کے دوسرے کنارے پر گیا تو میں بھی اس کے ساتھ تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ میں ترکھان اور اس کے ساتھی چھپے ہوئے ہوں لیکن میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ پیتو سنگھ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"پوران بلاشبہ یہ پل بنانا تم لوگوں کے بس کی بات نہیں تھی۔ تم نے یہ کام صرف ترکھان بنانے پر اکتفا کی تھی۔"

"پیتو سنگھ یہ کیا تم نے کچھ تمہارے لئے کچھ تمہارے لئے!"

"ہاں میں تمہارے لئے بہادر سکھوں کا پورا جتھا لوں گا۔ تم جو مدد دو گے اس سے ماں مالا ہو جائیں تو صورت ہو وہ کر سکتے ہو جو انسانی تصور سے بھی باہر ہے۔ میں تمہارے سامنے کیا حیثیت رکھتا ہوں۔ کیا صرف ایک راجہ جانی کا راجہ ہونا ہی کافی ہے۔ نہیں پوران نہیں تم جو کچھ ہو میں وہ نہیں ہو سکتا لیکن اس کے باوجود اگر تم مجھے کبھی کوئی حکم دو گے تو میں انکار نہیں کروں گا۔"

"میں نے گردن ہلا دی۔"

پیتو سنگھ بہت خوش تھا پھر اس نے جنگ کے بارے میں منصوبے بنائے اور ان منصوبوں میں بھی میں نے اس کی مدد کی۔ اور میری نوازش پر حیران رہ گیا تھا۔

"تم نے ٹھیک کہا پوران۔ بلاشبہ پہاڑوں میں چھپے ہوئے ترکھانوں کو نکالنے کا یہی ایک طریقہ ہو سکتا ہے اور کچھ نہیں۔ اور پروفیسر ہمارا پہلا فوجی دستہ ترکھانوں کے علاقے میں داخل ہوا۔ وہ بستی جو میں نے دیکھی تھی ویران پڑی تھی۔ اب یہاں کوئی نہیں تھا۔ کچے پکے مکانات بکھرے ہوئے تھے لیکن ان میں انسانی وجود مفقود تھا۔ میں نے سمجھ لیا کہ ترکھان پہاڑوں کی طرف چلے گئے ہیں اور یہ سوچنا بھی فاقد تھا کہ ہمیں ترکھانوں کی ہماری کا علم نہیں ہوا انہوں نے یقیناً پہاڑوں میں مورچہ بندی کر رکھی ہو گی۔"

چنانچہ سب سے پہلے چھوٹے چھوٹے تعمیری کام کے ڈھال بنائے ہوئے جو دستہ ترکھانوں کے سامنے پہنچا اس کا سربراہ میں تھا اور میرے آگے کوئی ڈھال نہ تھی۔ ایک پہاڑی حصے کو عبور کرنے کے بعد ہم لوگ آگے بڑھے۔ ہم تقریباً ڈیڑھ سو افراد تھے۔ یہ سب درختوں سے کاٹی ہوئی چوڑی چوڑی تختیوں کی لمبی لمبی ڈھال بنائے ہوئے تھے۔ ہمیں پکڑے ہوئے اور ان کے پیچھے اپنا جان چھپائے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ اور میں ان سب سے آگے تھا۔

سو جب ہم پہنچے اس پہاڑ کے نزدیک جو ہمارے سامنے تھا تو ہمارے اندازے کی تصدیق ہو گئی تھی کہ ترکھان پہاڑی چٹانوں کے پیچھے چھپے بیٹھے تھے اور انہوں نے سب سے پہلی کوشش یہ کی کہ ہمیں تیروں کی باڑھ پر رکھا۔ اور تیر میرے جان سے ٹکرانے اور ان تیروں کی زبان سے نکلیں۔ میں مسکراتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا لیکن میں نے اشارہ کیا اور پیتو سنگھ کی فوج کے سپاہی رک گئے۔

مجھے صرف ایک خطرہ تھا کہیں ترکھان ان پہاڑی چٹانوں کو زور لگا کر توڑ کھا نہ شروع کر دیں جو جگہ جگہ نظر آ رہی تھیں۔ اگر انہوں نے یہ کوشش کی ہوتی تو بلاشبہ ہماری ابتدائی کوشش ناکام ہو سکتی تھی۔ لیکن ترکھان تو شاید اپنے پہلے ہی حملے سے حواس باختہ ہو گئے تھے۔ ان کے چلائے ہوئے تیر بالکل بے کار ثابت ہو گئے اور تیر میرے جان میں لگے تو وہ ناکارہ ہو گئے ہیں اس طرح اس بڑھتے ہوئے پہاڑ کا تھا اور میرے دو ہاتھ بے ہو

ثابت ہوئے کہ ترکھان چٹانوں کو توڑ کھا نے کی کوشش کریں گے۔ انہوں نے وہاں سے پسپائی اختیار کی اور بھاگنے لگے۔ بھاگتے ہوئے لوگوں کو نشانہ بنانا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ یوں شام ہونے سے پہلے ہم نے پہلا معرکہ سر کر لیا اور ترکھانوں کا خاصا بڑا علاقہ اپنے قبضے میں کر لیا۔

دوسری جانب پیتو سنگھ باقی فوجی دستوں کے ساتھ دریا کے کنارے کنارے ایک لمبی چٹان پر ترکھانوں کا انتظار کر رہا تھا۔ لیکن ترکھانوں کی ہمت نہ پڑی کہ وہ ان پر حملہ کرتے۔ اس پہلی کامیابی کے بعد جب آدھی رات گزری تو ترکھانوں نے پہلی بار اپنی پناہ گاہوں سے نکل کر پیتو سنگھ کی فوجوں پر شب خون مارا۔ شب خون میں بلاشبہ پیتو سنگھ کا نقصان ہوا تھا لیکن ترکھان زیادہ مارے گئے تھے۔ تب ہم نے دوسری حکمت عملی اختیار کی۔ میں نے باقی فوجوں کو سمیٹ لیا۔ ترکھانوں کو ہم ایک علاقے سے پیچھے دھکیلنے میں کامیاب ہو گئے تھے اس لئے ہمیں اب پہاڑوں کی طرف سے کوئی پرواہ نہیں تھی۔ ہم نے اپنی تمام فوجیں اس علاقے میں بلوا لیں اور یہاں اپنا تسلط قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس کے بعد یہاں اپنے مکمل انتظامات کرنے کے بعد ہم آگے بڑھے اور یوں ہم ترکھانوں کے علاقوں پر علاقے فتح کرنے لگے۔ لاتعداد ترکھانوں کو ہم نے ہلاک کیا بے شمار گرفتار کئے اور گرفتار شدگان کے لئے ایک عظیم الشان کیمپ قائم کیا۔ یہ کیمپ دراصل بہت بڑا قید خانہ تھا۔ اس قید خانے میں ان لوگوں کے لئے انہی کی غذائی اجناس استعمال کی گئیں اور میں نے پیتو سنگھ کو ہدایت کی میری پہلی ہدایت تھی۔ میں نے کہا کہ پیتو سنگھ قیدیوں کو کھانے پینے کی کوئی تکلیف نہ دی جائے اور نہ ہی انہیں کوئی ذہنی یا جسمانی اذیت دی جائے۔ انہیں صرف قید رکھا جائے۔ پیتو سنگھ نے جب اس کی وجہ پوچھی تو میں نے اسے بتایا کہ دشمن کو زیر کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

"مگر یہ ترکھان میں ہم سے میری بچپن کی دشمنی ہے!"

"تم کیا چاہتے تھے پیتو سنگھ؟" میں نے پوچھا۔

"کیا مطلب۔ میں نہیں سمجھا!"

"کیا تم ان کو قتل کر کے قتل کر دینا چاہتے ہو؟"

"ہاں میں ان سے شدید نفرت کرتا ہوں۔" پیتو سنگھ نے کہا۔

"لیکن مجھے تم سے اختلاف ہے پیتو سنگھ!"

"کیوں پوران؟"

"اس لئے کہ تم ان سب لوگوں کو فنا نہیں کر سکو گے۔ ان میں سے تم نے تینوں کو بھی مار دیا ان کے رشتے دار تمہارے دشمن ہو جائیں گے اور ساری زندگی تم سے محبت نہیں کر سکیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ جو لوگ جنگ میں مارے جائیں وہ تو ان کی تقدیر۔ لیکن جو لوگ گرفتار ہو جائیں یا ہتھیار ڈال دیں ان پر کوئی ظلم نہ کیا جائے۔ یہی انسانی اصول ہے اور یہی تمہیں کرنا چاہئے پھر دیکھو ترکھان بلاشبہ تمہاری پناہ میں شامل ہو جائیں گے۔" میں نے کہا۔ اور پیتو سنگھ کچھ سوچتا رہا پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے پوران یہ تمہارا حکم ہے تو میں اسے ضرور مانوں گا۔ حالانکہ میں ان لوگوں کا سخت دشمن تھا۔"

"دشمنی اپنی جگہ پیتو سنگھ۔ لیکن جو شخص تمہارے سامنے زیر ہو جائے پھر اس سے دشمنی نکالنے سے کیا فائدہ؟"

"مگر یہ بڑے پاپی ہیں۔ انہوں نے میرے ساتھ بڑا برا سلوک کیا تھا۔"

"اس سے مہاراج جب ہم پہلی بار یہاں آئے تھے؟"

"اوہ ہاں۔ وہ بات میرے لئے آج تک معمہ بنی ہوئی ہے۔ تم یہاں سے کس طرح واپس گئے۔!"

"بس کسی طرح واپس جانے۔ ایک لڑکی آگئی تھی۔ اسے اٹھا لیا تو میں سب پانی چڑھ دوڑے۔ انہوں نے ہم پر حملہ کیا اور لڑکی کو چھین لیا اور اس وقت مجھے اس علاقے سے نکال دیا گیا۔ دریا پار کرا دیا گیا تب سے ان لوگوں کے لئے میرے من میں بڑا کرودھ ہے۔"

"ٹھیک ہے لیکن اب یہ تمہاری پرجا ہے۔ تمہارے ماتحت ہیں اور ان سفر لڑکیوں کے سلسلے میں بھی اب تمہیں احتیاط کرنا ہو گی۔ ضروری نہیں ہے کہ تم انہیں بے دریغ استعمال کرتے رہو۔" میں نے کہا۔

"ابھی تو احتیاط کروں گا پوران۔ مگر میرا تو یہاں آنے کا مقصد ہی یہی ہے۔ ان لوگوں نے اپنی ایک لڑکی کی خاطر مجھے دریا پار کرایا تھا اب میں ان کے سامنے ان کی عزت کا جنازہ نکالوں گا!"

"نہیں پیتو سنگھ تمہیں اس سے باز آنا ہو گا۔ یہ ضروری ہے!"

"ٹھیک ہے مہاراج تم تو مجھے بنانے کیا بنانے دے رہے ہو۔ اب اگر تم ترکھانوں کی لڑکیاں بھی میری اپنی نہ ہیں تو پھر میں زندہ رہ کر کیا کروں گا!"

"پیتو سنگھ۔ پیتو سنگھ۔ انسان کو بہرحال اعتدال میں رہنا چاہئے۔"

"جو تمہارا حکم پوران میں اسے مانوں گا۔" پیتو سنگھ نے کہا اور میں نے خوش ہو کر اس کا شانہ تھپتھپایا۔

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

"تب تم دیکھو گے پیتو سنگھ کہ ترکھانوں کے پورے علاقہ پر تمہارا قبضہ ہوگا اور تمہاری سرحد ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جائے گی۔"

"میں کچھ نہیں چاہتا ہوں پوران جی۔ میں کبھی یہی چاہتا ہوں۔" پیتو سنگھ نے مسرت سے لبریز لہجے میں کہا اور میں اسے تسلیاں دینے لگا۔

اور پھر وقت نے بتا دیا کہ جو کچھ میں نے کہا تھا۔ غلط نہیں کہا تھا ہم ترکھانوں کے علاقوں پر فتح حاصل کرتے رہے ترکھان کونے کھدروں میں چھپتے پھرتے تھے وہ پریشان تھے یہاں تک کہ ایک رات ترکھانوں کا ایک وفد جھنڈے لہراتا ہوا جو سفید رنگ کے تھے ہمارے سامنے پہنچ گیا اس نے اپنے ہتھیار پیتو سنگھ کے سامنے رکھ دیئے تھے۔

"ہم پانچوں ترکھان قبیلے کے سردار ہیں اور ہم پانچوں کے علاوہ ان قبیلوں کا اور کوئی سردار نہیں ہے۔ پیتو سنگھ مہاراج آپ نے جس انداز میں ترکھانوں پر حملہ کیا وہ ناقابل شکست تھی۔ ہم آپ کو اس کی بدھائی دیتے ہیں۔ ایک ہمارا دشمن کی حیثیت سے اور ہم اس بات کا اعتراف کرنے آئے ہیں کہ آپ کی سینا ہمارے مقابلے میں ہم کو زیادہ ثابت ہو چکی ہے۔ حالانکہ ہم نے سپنوں میں بھی نہیں سوچا تھا کہ ان پہاڑوں پر کوئی انسانی طاقت حملہ آور ہو کر فتح پا سکتی ہے۔ لیکن تمہارے ساتھ کچھ ایسی طاقتیں ہیں جو ہمارے سمجھ سے باہر ہیں، ہم ان طاقتوں سے نہیں لڑ سکتے چنانچہ ہم پانچوں سرداروں نے مل کر ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کیا ہے اور ترکھانوں کے لئے پناہ مانگنے آئے ہیں۔" اس نے میری طرف دیکھا اور میں نے مسکرا کر گردن ہلا دی۔ تب میں آگے بڑھا اور میں نے ان سے کہا۔

"مہاراج پیتو سنگھ ایک ظالم حکمران نہیں ہیں۔ وہ ایک رحمدل انسان ہیں۔ ترکھانوں کا زور علاقہ ہمیشہ کالندی کے لئے پریشانی کا باعث رہا ہے۔ آپ لوگوں نے کالندی سے خراج وصول کیا ہے اور اگر کوئی طاقت در راجہ کسی کو خراج دے تو یہ اس کا سب سے بڑا اپمان ہوتا ہے۔ ہم اس کو ختم کر کے آپ کو اپنے ساتھ شامل کرنے کے لئے آئے ہیں۔ چنانچہ ترکھانوں کی یہ درخواست مہاراج پیتو سنگھ سویکار کرتے ہیں اور انہیں پناہ دینے کا اعلان کرتے ہیں۔ اگر ترکھانوں نے کوئی سازش کی یا کوئی بغاوت کی تو پھر ان کے لئے اس زمین پر اس سنسار میں کوئی پناہ نہیں ہوگی۔ کیا اس بات کو آپ تمام سردار قبول کرتے ہیں؟"

"دل و جان سے مہاراج۔ ہمیں جان کی امان چاہئے۔ ہم کالندی کے وفاداروں کی حیثیت سے باقی جیون گزار دیں گے۔"

"تو چھ سو ترکھان سردارو۔ تمہاری سرداری برقرار رہے گی۔ ترکھان علاقہ آزاد رہے گا تم لوگ اپنی زمینوں پر کاشت کرو گے اور اس سلسلے میں ریاست کالندی کے نمائندے تمہاری مدد کریں گے یہاں سے جو پیداوار ہوگی اس کے چار حصے ہوں گے جس میں سے ایک حصہ کالندی کو خراج کے طور پر بھیجا جائے گا۔ باقی تین حصے تمہارے اوپر کی خرچ کئے جائیں گے۔ تم اپنے طور پر مشینی بھی پیداوار بڑھاؤ۔ وہ تمہارا اپنا کام ہے۔ تم جتنی محنت کرو گے اس سے تمہارا ہی فائدہ ہوگا۔ اس کے علاوہ دوسری ریاست کی سرحد کی نگرانی تمہیں کرنا ہوگی اور اگر کبھی تم نے دوسری ریاست سے مل کر بغاوت کی کوشش کی تو اس کا حق نہیں ہے کہ ہم اس بغاوت کو کس طرح ختم کریں گے۔ تمہیں اس بات کے لئے ایک معاہدے پر دستخط کرنا ہوں گے۔"

"ہم تیار ہیں مہاراج۔" ترکھانوں کے سرداروں نے کہا اور ترکھان علاقے میں قتل و غارت گری اور لوٹ مار بند کر دی گئی راجہ پیتو سنگھ کو مکمل فتح حاصل ہوئی تھی۔

اس کے بعد پیتو سنگھ تقریباً ایک ماہ تک وہاں رکا اس دوران میرے مشوروں سے وہ ترکھان کے علاقے میں اپنا اقتدار مضبوط کرتا رہا۔ اب وہ میری ہر بات آنکھیں بند کر کے مان لیتا تھا پھر جب چند قابل اعتماد لوگوں کو عہدے دے کر ترکھانوں پر مقرر کر دیا اور تمام ضروری امور طے کرنے کے بعد ہم نے واپسی کی ٹھانی چنانچہ فتح و کامرانی کو جلو میں لئے ہم ترکھان علاقے سے واپس چل پڑے۔ وہ پل اب بھی موجود تھا جو میری کاوشوں سے بنا تھا پل عبور کرتے ہوئے پیتو سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اگر میں کبھی کالندی میں چھوٹا آیا پوران مہاراج تو میں نہیں کہہ سکتا کہ ترکھانوں کے علاقے سے میری واپسی کس طرح ہوتی میری ان کا میابیوں میں تمہارا بہت بڑا ہاتھ ہے۔"

"ہاں لیکن بعض امور میں تم آج بھی مجھ سے اختلاف رکھتے ہو پیتو سنگھ۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہیں۔ نہیں مہاراج۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ میں اب مہاراج پوران کی کوئی بات زبان کی بات سے آپ سے محسوس کیا ہے کہ میں آپ کی کسی بات سے اختلاف رکھتا ہوں؟" پیتو سنگھ نے تعجب سے پوچھا۔

"پیتو سنگھ ترکھان علاقہ ہمارے قبضے میں آ چکا ہے اور اس کے علاوہ بھی ظاہر ہے کہ ایک طویل عرصہ پڑے گا ہم اور ہم صرف کالندی میں بیٹھ کر حکومت نہیں کریں گے بلکہ فوجوں کو چاق و چوبند رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم حرکت کرتے رہیں اور کالندی کو وسعت دیتے رہیں۔ تمہارا ملک بنا دو گے۔ اتنے سارے لوگوں کو اپنا غلام بنا لو گے۔ لیکن کیا تم نے کبھی یہ سوچا کہ یہ سب تم کس لئے کر رہے ہو۔ آخر تمہارا نام امر کون ہوگا؟"

"کیا کہنا چاہتے ہو مہاراج؟" پیتو سنگھ کسی قدر سنجیدہ ہو گیا۔

"یہی پیتو سنگھ کہ کالندی کا حکمران تمہارے بعد کون ہوگا؟ کالندی کا وہ شخص جو راجہ بننے کے قابل ہوگا۔" پیتو سنگھ نے جواب دیا۔

"نہیں پیتو سنگھ تمہارے چہرے پر یہ بات نہیں سوچی تھی یہ سوچی تو میں نے بھی نہیں تھی پوران مہاراج۔ پرکسی کی بیٹ نے یہ بات دل میں ڈالی ہے۔"

"نہیں پیتو سنگھ ازل سے یہ تصور انسان کے دل میں رہا ہے تم دیکھو کیوں تحبطلا رہے ہو کیا تم نہیں چاہتے کہ کوئی تمہیں باپ کہہ کر پکارے۔"

"اس کی وجہ آپ جانتے ہیں مہاراج۔ ایک عورت کا قول میرے دم تک یاد رہے گا۔ میں روپ کلی سے شکست نہیں کھا سکتا۔ مہاراج پوران آپ وشواش کریں کہ اس نے جس لہجے میں بات کی تھی اس میں بڑی نفرت تھی اور اس نفرت کا زہر میری رگ رگ میں بس گیا ہے مہاراج۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں نے آج تک کسی اور عورت سے بھی شادی نہیں کی۔ مجھے ڈر ہے مہاراج کہ کہیں روپ کلی کا قول پورا نہ ہو جائے۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی بھی رانی کے پیٹ سے پیدا ہونے والا بچہ میری پگڑی اچھالے۔ وہ یہ بات میرے من میں اس طرح جم گئی ہے کہ اب نکالے نہیں نکلتی۔"

"مگر پیتو سنگھ عورت کے قول کا اعتبار کیا۔ وہ کمزور ہوتی ہے اور کمزور انسان ہر وہ بات کہہ دیتا ہے جو اس کے منہ میں آتی ہے جبکہ وہ خود بھی جانتا ہے کہ وہ اس پر عمل پیرا ہونے کی ہمت نہیں رکھتا۔ تم دیکھ چکے ہو کہ اتنا عرصہ ہو جانے کے باوجود وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکی اور بگاڑنے کی بھی نہیں۔ میرا خیال ہے اب سے معاف کر دو۔"

"مہاراج۔" پیتو سنگھ جیسے تڑپ گیا۔ "مہاراج آپ سنسار کا کوئی بھی کام مجھ سے کہیں گے بھگوان کی سوگند جیون بھر انکار نہیں کروں گا۔ لیکن میں بھی آپ کو بھگوان کی سوگند دیتا ہوں کہ آپ مجھے اس بات کے لئے دوبارہ مجبور نہ کریں۔ میں آپ کی یہ بات ماننے کے بعد بھی نہیں مان سکتا۔" پیتو سنگھ نے مضبوط لہجے میں کہا۔ میں نے خاموشی سے گردن ہلا دی۔

"تمہاری مرضی پیتو سنگھ۔ میں نے تو ان تمام حقیقتوں کو دیکھتے ہوئے یہ بات کی تھی اگر تم نہیں چاہتے تو ٹھیک ہے۔ کوئی بات نہیں مجبور نہیں کروں گا۔"

بات آئی گئی ہو گئی۔ لیکن میں نے اندازہ کر لیا کہ پیتو سنگھ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو آسانی سے کوئی بات مان لیتے ہیں اور اب میں وہ کرنے کے لئے مجبور تھا جو خود میں نے سوچا تھا اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

چنانچہ ہم سفر کرتے رہے اور جب میں اس مقام پر پہنچا جہاں سے مجھے اپنا کام کا آغاز کرنا تھا تو میں نے اپنا گھوڑا پیتو سنگھ کے گھوڑے کے بالکل برابر کر لیا اور پھر میں نے نہایت عاجزی سے پیتو سنگھ کے گھوڑے کی کمر میں چھری کی چھوڑی گھوڑا بے اختیار اچھلا اور پھر اس نے ایک لمبی چھلانگ لگا دی۔

کوئی نہیں سمجھ سکا کہ گھوڑا اچانک کیوں بگڑ گیا ہے لیکن زخمی گھوڑے کو روکنا آسان کام نہیں تھا کہ میں نے اپنا گھوڑا پیتو سنگھ کے گھوڑے کے پیچھے لگا دیا تھا لیکن میرا گھوڑا بھی اس رفتار سے نہیں دوڑ رہا تھا جس رفتار سے پیتو سنگھ کا گھوڑا بھاگ رہا تھا۔ پیتو سنگھ کی فوجیں اتنی پیچھے رہ گئی تھیں کہ اب آسانی سے ان کا ہم تک پہنچنا مشکل تھا۔

دفعتاً ایک بلند جگہ پیتو سنگھ کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور وہ سنبھل نہ سکا لیکن پیتو سنگھ بری طرح گرا تھا اور پھر وہ اس بلند ٹیلے سے نیچے لڑھکنے لگا۔ بہرحال میرے پروگرام میں نہیں تھی۔ مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں پیتو سنگھ مر ہی نہ جائے۔ چنانچہ میں نے اپنے گھوڑے کو چھوڑا اور خود اس ٹیلے پر دوڑنے لگا۔

پیتو سنگھ درمیان ہی میں رک گیا تھا لیکن وہ بری طرح زخمی ہو گیا تھا اس کے سر میں بھی چوٹ آئی تھی اور بدن تو کوئی جگہ سے سخت زخمی ہو گیا تھا۔ میں نے اسے جلدی سے اٹھا کر اپنے گھوڑے پر ڈالا اور پھر سمت بدل لی لیکن اس کے ساتھ میں پریشان بھی تھا پھر ایک آبشار کے کنارے جا کر میں نے پیتو سنگھ کے زخم صاف کئے اس کا لباس پھاڑ کر ان زخموں کو کسا۔ پیتو سنگھ بے ہوش تھا لیکن اس کی حالت تشویشناک نہیں تھی۔ میں نے اطمینان سے اسے گھوڑے پر ڈالا اور سمت بدل کر چل پڑا۔ یہ طویل راستہ میں نے اس لئے اختیار کیا تھا کہ کہیں پیتو سنگھ کی فوجیں اسے تلاش کرتی ہوئی یہاں تک نہ پہنچ جائیں۔

پیتو سنگھ کو گھوڑے پر ڈالے ڈالے میں نے کافی طویل سفر کیا تھا لیکن وہ اس دوران ہوش میں نہیں آیا۔ یوں بھی اس کے بدن سے کافی خون بہہ گیا تھا کالندی میں پالا آخر سے دور اس محل میں پہنچ گیا جہاں روپ کلی مقید تھی۔

محل کے باہر پہرے دار سپاہیوں نے میرا راستہ روکا تو میں نے پیتو سنگھ کو سامنے کرتے ہوئے کہا۔ "بے وقوفو۔ دیکھ نہیں رہیں مہاراج پیتو سنگھ زخمی ہیں۔ ہٹو مجھے اندر جانے دو۔" اور پیتو سنگھ کو اس حال میں دیکھ کر ان کے ہوش اڑ گئے۔

روپ کلی کو خبر ملی تو وہ پاگلوں کی طرح دوڑی چلی آئی۔ پیتو سنگھ کو اس حال میں دیکھ کر اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پیدا ہو گئے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ غم کے تاثرات ہیں یا خوشی کے۔ بس عجیب سی کیفیت تھی اس کی۔

"نہیں کیا ہو گیا پوران جی؟" اس نے پوچھا۔

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

"گھوڑے سے گر کر زخمی ہو گیا ہے روپ علی۔ لیکن تم فوراً ایک کام کرو!"

"کیا مہاراج!"

"محل کے ایک ایک فرد سے کہہ دو کہ کسی کو پیتو سنگھ کے بارے میں کچھ نہ بتائے۔ خواہ کوئی اہم ترین آدمی کیوں نہ آئے۔ مہاراج کو اپنے دشمنوں سے خطرہ ہے۔"

"ٹھیک ہے میں کہے دیتی ہوں۔" روپ کلی کے انداز میں وہ تڑپ یا جوش نہیں تھا جو ہونا چاہیے تھا لیکن وہ بھی اپنی جگہ درست تھی جو زندگی وہ گزار رہی تھی وہ قیدیوں سے بھی بدتر تھی ان حالات میں اس کے دل میں پیتو سنگھ کا اور کیا مقام ہو سکتا تھا۔ بہرحال وہ ہدایات جاری کرنے کے بعد واپس آ گئی۔

پیتو سنگھ کو ہوش آ رہا تھا میں نے روپ کلی کو یہاں سے ہٹایا اور روپ کلی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ پیتو سنگھ نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ وہ بار بار پلکیں جھپکا رہا تھا اور پھر اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا "میں کہاں ہوں۔ یہ کوئی سی جگہ ہے۔ میں کہاں ہوں؟"

"گھبراؤ نہیں پیتو سنگھ۔ تم محفوظ ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"پورن جی۔ پورن جی۔ تم کہاں ہو۔ سامنے آؤ۔ تم مجھے نظر کیوں نہیں آ رہے ہو۔ تم کہاں ہو پورن مہاراج۔" اور میں نے گہری سانس لی۔ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے پیتو سنگھ کی آنکھیں اندھیری ہو گئی تھیں۔ میں نے ان آنکھوں کو غور سے دیکھا ان میں چمک موجود تھی مگر زیادہ اندھا نہیں ہوا تھا بس وقتی کمزوری کی وجہ سے بینائی متاثر ہو گئی تھی۔

"میں تو تمہارے سامنے ہوں پیتو سنگھ!"

"مگر میں تمہیں دیکھ کیوں نہیں سکتا کیا میں اندھا ہو گیا ہوں؟"

"نہیں پیتو سنگھ۔ یہ وقتی کمزوری ہے۔ تمہاری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی۔"

"مگر مجھے ہوا کیا ہے۔ مجھے کیا ہو گیا پورن مہاراج!" پیتو سنگھ روہانسی آواز میں بولا۔

"آپ کا گھوڑا بدک گیا تھا۔ اور آپ اس سے گر پڑے تھے۔"

"آہ۔ کیا میں محل میں ہوں۔ کیا آپ مجھے محل لے آئے ہیں!"

"نہیں۔ لیکن یہ جگہ بہت اچھی ہے۔ تمہاری راجدھانی میں نہیں ہے۔ بلکہ اس کی پرلی سرحد میں ہے ہم لوگ یہ گھر ایک شریف اور رحمدل عورت کا ہے جو نہایت ضعیف ہے اس کی نوجوان بیٹی دن رات تمہاری تیمارداری کرتی ہے۔"

"لیکن اب کیا ہو گا!"

"تم مجھے جانتے ہو پیتو سنگھ۔ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ ایک آدھ ماہ میں تمہاری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی اور تم اطمینان سے واپس جا سکو گے۔"

"مگر مہاراج۔ کسی طرح بھی مجھے کالندی لے چلیں۔ میں کلوندی جانا چاہتا ہوں۔" پیتو سنگھ نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

"نہیں پیتو سنگھ ان حالات میں تمہارا سفر کرنا مناسب نہیں ہے اور ناممکن ہے تمہیں لے جاؤں گا۔ لیکن یہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جونہی تمہاری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی ہم تم دونوں کلوندی واپس چلیں گے یا کم از کم تم اس قابل ہی ہو جاؤ کہ گھوڑے پر سفر کر سکو۔ اس حالت میں تمہارا سفر کرنا بالکل مناسب نہیں ہے۔" میں نے کہا اور پیتو سنگھ بے چارگی سے ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

تب میں نے اسے مطمئن رہنے کے لئے کہا اور پھر اٹھ کر اس کمرے سے نکل آیا۔ دوسرے کمرے میں روپ کلی حیران و پریشان بیٹھی ہوئی تھی اس نے مجھے دیکھا اور کہا۔

"یہ سب کیا ہے پورن مہاراج!"

"روپ کلی جو کچھ بھی ہے۔ تم یہ کیوں نہیں سوچتی ہو کہ تمہاری منوکامنا پوری ہونے کا وقت آ گیا ہے۔"

"مہاراج۔" وہ عجیب سے انداز میں کھڑی ہو گئی۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے لیکن پھر اس کی نگاہیں جھک گئیں۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی شکستگی نمودار ہو گئی تھی تب اس نے مجھے دیکھا اور دھیمے لہجے میں بولی۔ "مہاراج کیا مجھے میری منوکامنا پوری کرنے کا موقع دے دیں گے۔"

"ہاں روپ کلی۔ میں اس لئے اسے یہاں تک لایا ہوں۔"

"آپ۔ آپ لائے ہیں مہاراج!"

"ہاں میں سمجھا۔ لیکن مجھے بتاؤ کیا تم ان حالات میں اس سے مقصد حل نہیں کر سکتیں۔ مجھے بتاؤ روپ کلی کہ میں نے یہ جو یہ سب کیا ہے۔ وہ تمہارے لئے کسی طور ناگوار تو نہیں ہے۔"

"نہیں مہاراج بالکل نہیں۔ میں تو مرتے دم تک آپ کے یہ احسان یاد رکھوں گی اگر آپ نے یہ سب کچھ نہ کیا ہوتا مہاراج تو جگلوان کی سوگند میں آپ کو دیوتا۔ ماں مانتی ہوں آپ نے میری آرزو پوری کرنے کے لئے جو کچھ کیا ہے جگلوان اس کا صلہ دے گا۔"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "تم خوش ہو روپ کلی مجھے اس بات کی بہت خوشی ہے لیکن تمہیں نہایت احتیاط سے اپنا کام کرنا ہو گا۔ میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ یہ پورب کی سرحد کا ایک مکان ہے اور یہاں ایک بوڑھی عورت اور اس کی نوجوان بیٹی رہتی ہے جو تمہاری خدمت کر رہی ہے۔ تمہیں ان باتوں کا خیال رکھنا ہے۔"

"میں خیال رکھوں گی مہاراج!"

"اس کے علاوہ ممکن ہے پیتو سنگھ کی تلاش میں لوگ یہاں آئیں۔ تم پہرداروں کو اور سمجھا دینا۔"

"آپ چنتا نہ کریں۔ اب میں سب ٹھیک کر لوں گی۔" روپ کلی نے کہا اور میں چپ ہو گیا... چونکہ اب میں پیتو سنگھ کے ساتھ آیا تھا اس لئے یہاں میرے قیام کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ میں بھی ایک آرام دہ کمرے میں پڑ گیا۔

دن گزرا۔ رات گزر گئی۔ دوسرا دن آ گیا۔ تب روپ کلی نے مجھے بتایا کہ پیتو سنگھ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ اور میں پیتو سنگھ کے پاس پہنچ گیا اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ میرے قدموں کی آہٹ پہچان کر اس نے مجھے آواز دی۔

"میں ہی ہوں پیتو سنگھ۔"

"آہ۔ یہ جگہ بہت اچھی ہے پورن مہاراج۔ میرا من تو ایک ہی دن میں یہاں خوب لگ گیا۔"

"کل تو تم بڑے گھبرا رہے تھے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کل کی بات اور تھی مہاراج۔" پیتو سنگھ بھی مسکرا دیا۔

"ہاں کل کی بات اور تھی اور آج اور ہے۔ ایک ہی خوبصورت بے پناہ حسین خدمت گار جو مل گئی ہے تمہیں۔" اس کے سوا اور کیا چاہیے پیتو سنگھ۔" میں ہنس پڑا اور پیتو سنگھ بھی ہنسنے لگا۔ پھر رازدارانہ انداز میں بولا۔

"کیا وہ بہت سندر ہے مہاراج!"

"تم نے کیا اندازہ لگایا!"

میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ ٹٹول کر دیکھا تھا۔ روپ کلی معلوم ہوتی ہے۔ بڑی میٹھی آواز ہے۔ باتیں کرتی ہے تو من ڈول ڈول جاتا ہے۔" پیتو سنگھ مزے لے لے کر بولا۔

"تو پھر اب کیا ارادہ ہے پیتو سنگھ!"

"ابھی نہیں مہاراج ابھی نہیں۔" پیتو سنگھ نے ہنستے ہوئے کہا اور میں بھی ہنسنے لگا۔

پیتو سنگھ جتنی دیر میں اس کے پاس بیٹھا اس لڑکی کی باتیں کرتا رہا جس نے اپنے نام شکنتلا بتایا تھا۔ وہ شکنتلا کی داؤں کے بارے میں بتاتا رہا اور میں اس کی نادانی پر مسکراتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اٹھ گیا یوں دن گزرتے رہے اور تقریباً بیس بائیس دن اس طرح گزر گئے کہ پتہ بھی نہیں چلا۔ ابھی تک پیتو سنگھ کی سینا کا کوئی آدمی اس طرف نہیں آیا تھا۔ شاید ان کی توجہ اس طرف نہیں گئی تھی۔ مجھے بھی پتہ نہیں تھا کہ راجدھانی میں پیتو سنگھ کے لئے کیا کھچڑی پکی ہوئی ہے۔ ایک بات میرے ذہن میں تھی وہ یہ کہ کہیں وہ لوگ پیتو سنگھ کو مردہ نہ سمجھ لیں اس کی سلطنت کو زوال نہ آ جائے۔ چنانچہ ایک دن میں نے روپ کلی سے کہا۔

"میرا خیال ہے مجھے کچھ دن کے لئے کلوندی جانا چاہیے۔ میں خاص خاص لوگوں کو بتا دوں گا کہ پیتو سنگھ خیریت سے ہے اور بہت جلد واپس آ جائے گا۔ میرا جانا اسلئے بھی ضروری ہے روپ کلی کہ کہیں پیتو سنگھ کی غیر موجودگی میں کوئی فتنہ نہ اٹھ جائے۔"

"ٹھیک ہے مہاراج آپ چلے جائیں اور یہاں کے بارے میں بالکل چنتا نہ کریں۔" روپ کلی نے جواب دیا۔

چنانچہ میں کلوندی کی طرف چل پڑا اور سفر کرتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ بے شک وہاں کے حالات بہت خراب تھے راجہ کے ہونے سے ارکان حکومت تخت پر براجمان تھے۔ میں نے انہیں تسلی دی اور بتایا کہ مہاراج پیتو سنگھ خیریت سے ہیں اور بہت جلد واپس آ جائیں گے۔ میرے اس بیان کا اعلان کر دیا گیا۔ بے شمار سوالات لوگوں نے مجھ سے کئے لیکن میں نے ٹال دیا۔ البتہ ان کے لئے میں نے پیتو سنگھ کی ہدایات پہنچا دیں گو یہ بھی اختراع تھی لیکن اس طرح میں الجھے ہوئے حالات سنبھال دیئے تھے اور پھر اس طرف سے اطمینان کرنے کے بعد میں واپس روپ کلی کے محل پہنچ گیا۔

پیتو سنگھ مہاراج اب بڑے کڑے ہو گئے تھے۔

لیکن آنکھوں کی پٹی میرے بغیر کیسے کھل سکتی تھی۔ میں نے انہیں راجدھانی کے حالات سنائے اور وہ چونک پڑے۔ "تم مجھے بتائے بغیر یہاں سے چلے گئے پورن مہاراج لیکن یہ کام تم نے بہت اچھا کیا ہے۔ میں تمہارے یہ احسانات کبھی نہیں بھول سکوں گا!"

"تمہارا اب کیا رہنا ہے پیتو سنگھ۔ چلو گے نہیں۔"

"میری پٹی کب کھلے گی مہاراج۔ اور ہاں میں شکنتلا کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ بس میں اسے رانی بنانے کا چاؤ کچھ بھی ہو جائے میں اسے رانی بناؤں گا۔ میں نے اسے وچن دیا ہے۔" اور میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔ میں نے پوری طرح اندازہ لگا لیا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے انتہائی قریب ہو چکے ہیں۔ تب ایک دن میں نے روپ کلی سے بات کی اور اس نے مجھے بتانے کی اجازت دے دی۔ یہاں سے نکلنے کے لئے ایک منصوبہ بنایا تھا اور پھر ایک دن بس منصوبے پر عمل کر لیا گیا۔ اس کے قریب دیہات میں خوب ہنگامہ کیا گیا جہاں پیتو سنگھ قیام پذیر تھا۔ اور میں نے بتایا کہ وہ اس لیے پیتو سنگھ کو تیار کر رہا ہے۔ خوفناک صورت شکنتلا اور اس کی ماں کو ہلاک کر دیا گیا۔ میں نے ان کی لاشیں دیکھیں اور اب لوگ یہاں قتل کرتے ہیں [illegible] کو ہلاک کرنے پر [illegible] شکنتلا کی موت کے [illegible]

Scanned by aazamm@UrduLanz.com

aazzamm@yahoo.com

کلونڈی

محل میں پیتو سنگھ کی آمد سے کھلبلی مچ گئی۔ لوگوں کے دلوں میں جو اندیشے سر اٹھا رہے تھے وہ ختم ہو گئے تھے۔ پوری راجدھانی کے ویدا اور حکیم اس کی تیمارداری کے لیے جمع ہو گئے۔ اور اس کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے۔

اور پھر دوسرے دن اس کی آنکھوں کی پٹی کھول دی گئی۔ پیتو سنگھ نے سب کو دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا آپ کو ٹھیک نظر آ رہا ہے مہاراج!" دھڑکتے دلوں سے لوگوں نے پوچھا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔" پیتو سنگھ نے اطمینان سے جواب دیا۔

دوسرے لوگ گو اس اطمینان کی وجہ نہیں جانتے تھے لیکن وہ اس سے پوری طرح واقف تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس کے ذہن پر شکنتلا کی موت چھائی ہوئی ہے۔ بہرحال پیتو سنگھ کی واپسی کی خوشیاں منائی جانے لگیں۔ یہ ایسی عام باتیں تھیں جن سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں اپنے طور پر مصروف رہا۔ اپنے بارے میں، میں کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ کیسا کروں۔ یہاں کے ماحول سے مجھے کوئی اقامت نہیں تھی میری زندگی کا تو ایک یکساں انداز تھا پر وفیسر سو جہاں بھی گزارتا۔

میرا خیال تھا کہ پیتو سنگھ چند روز یا زیادہ سے زیادہ چند مہینوں میں شکنتلا کو بھول جائے گا لیکن پیتو سنگھ کی فطرت میں بڑی تبدیلی آ گئی تھی۔ اس واقعے کو اب تقریباً سات ماہ گزر چکے تھے لیکن پیتو سنگھ درست نہیں ہوا تھا۔ راج پاٹ کے کام میں وہ دلچسپی لیتا تھا لیکن پہلے جیسی شوخی اور دلچسپی نہیں رہی تھی۔ تب ایک شام میں نے اس سے کہا۔

"تمہارے ذہن میں ابھی تک اس کا خیال موجود ہے پیتو سنگھ؟"

"کس کا مہاراج؟"

"شکنتلا کی بات کر رہا ہوں۔" میں نے کہا اور پیتو سنگھ کے چہرے پر غم کے آثار ابھر آئے۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"آپ کا خیال درست ہے پورن جی۔"

"لیکن تب تک اس کے لیے افسردہ رہو گے پیتو سنگھ؟"

"شاید جیون بھر مہاراج۔"

"یہ تمہاری ذات میں ایک نمایاں تبدیلی رونما ہوئی ہے پہلے تو تم عورت کو اتنی اہمیت نہیں دیتے تھے؟" میں نے سوال کیا۔

"مجھے احساس ہے مہاراج۔ پر میں کیا کروں۔ لاکھ کوشش کرتا ہوں مگر من سے اس کا خیال نہیں مٹتا۔ اس کی مدھر آواز میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہے۔ وہ صرف عورت ہی نہیں تھی مہاراج بلکہ اس کے وجود میں ایک ایسی کشش تھی جسے میں فراموش نہیں کر سکتا۔ آج بھی مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ زندہ ہو مجھے آواز دے رہی ہو۔"

"اب تو طویل عرصہ گزر چکا ہے پیتو سنگھ۔ خود کو سنبھالو۔"

"میں تو بہت کوشش کرتا ہوں۔ مگر۔ ہار گیا ہوں میں مہاراج۔ نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔ مجھے تو یہ افسوس بھی ہے کہ میں اس کی صورت تک نہ دیکھ سکا۔ بس وہ ایک سپنے کی طرح میرے جیون میں آئی اور پھر آنکھ کھل گئی۔"

"ہاں بعض خواب ایسے ہی ہوتے ہیں پیتو سنگھ۔ مگر اب کیا ارادہ ہے؟"

"کیا مطلب مہاراج۔ کس ارادے کی بات کر رہے ہیں؟"

"کیا تم پوری زندگی ایسے ہی گزار دو گے؟"

"تو پھر کیا کروں گا؟"

"اپنی نسل کو آگے نہیں بڑھاؤ گے؟"

"شاید بھگوان کو بھی یہ منظور نہیں ہے۔"

"بھگوان کو کیوں دوش دیتے ہو۔ یہ تو تمہارے اپنے ہاتھ کی بات ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"میرے ہاتھ کی بات؟" وہ سوالیہ انداز میں بولا۔

"ہاں کسی خوبصورت سی راج کماری کو رانی بنا لو۔ اس سے تمہارے ہاں اولاد پیدا ہو گی۔ کشن سنگھ کا نام تو زندہ رہنا چاہیے تھا۔"

"اگر جیون میں کسی عورت کو رانی بنانے کا خیال آیا مہاراج تو بھگوان کی سوگند وہ شکنتلا تھی۔ میں نے سوچا کہ اس لڑکی کو رانی بنا لوں گا چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ مگر۔"

"تو پھر دوسرا کام کرو پیتو سنگھ۔"

"وہ کیا مہاراج؟"

"روپ کلی کا قصور معاف کر دو۔ کتنا طویل عرصہ گزر گیا۔ تم نے اس کے ارادوں کو شکست فاش دی ہے کیا وہ ساری زندگی اپنا انتقام لے سکتی ہے۔ اگر وہ اپنا انتقام لے سکتی تو اتنے دن خاموش نہ بیٹھی ہوتی۔ اس لیے اب اسے رانی کی حیثیت سے محل میں لے آؤ۔"

"بھگوان کی سوگند مہاراج۔ یہ کبھی نہ ہو گا۔ ایسا کبھی نہ ہو گا۔ مجھے اس کے وجود سے نفرت ہے۔ اس نے میرا اپمان کیا تھا۔ مرد کی انا جب ٹوٹ جائے تو پھر کبھی نہیں جڑتی۔ میں سب کچھ کر سکتا ہوں مگر روپ کلی کے لیے کوئی لیک نہیں پیدا کر سکتا۔ اسے اسی محل میں بڑھا ہونا ہو گا۔ میں تو بس اس کی ارتھی میں شریک ہو جاؤں گا اور جب اس کی ارتھی جلائی جا رہی ہو گی تو میں اس سے سوال کروں گا۔ کیوں روپ کلی۔ کہاں گیا تیرا روپ۔ کہاں گیا تیرا جوبن۔ جا جیون بھر آگ میں جلتی رہ۔ اب آخری آگ میں جل جا۔"

پیتو سنگھ کا چہرہ انتقام کی آگ میں سلگ رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جو دل سے کبھی کینہ نہیں نکالتے۔ ایسے لوگوں کو کچھ سمجھانا فضول ہوتا ہے۔ البتہ حقیقت حال سے میں واقف تھا۔ روپ متی کا روپ مان پر تلا تھا۔ وہ کامیابی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اسی دن میرے ذہن میں خیال آیا کہ اس کا جائزہ لوں۔ وہ کس حال میں ہے۔ کافی دن گزر گئے تھے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی یا نہیں۔ چنانچہ میں نے پیتو سنگھ سے کہا۔

"جیسی تمہاری مرضی لیکن کبھی اس کی خبر تو لے لیا کرو پیتو سنگھ۔"

"محل میں اس کے لیے سب کچھ ہے مہاراج۔ میں نے جن لوگوں

سے وہاں رکھا ہے انہیں بھی ہدایت کی تھی کہ روپ کلی کے بارے میں کوئی خبر مجھے نہ دیں صرف ایک اطلاع دینے آئیں کہ وہ مر گئی۔ اس سے قبل اس کے بارے میں کوئی اطلاع دینے آیا تو اس کی گردن اتار دی جائے گی۔"

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لی اور پیتو سنگھ مسکرا کر مجھے دیکھنے لگا۔

"میں نے آپ کو تو منع نہیں کیا ہے پورن مہاراج۔"

"کس بات سے پیتو سنگھ؟"

"آپ جس طرح من چاہے رنگ رلیاں منائیں بلکہ میری مانیں تو کچھ عرصہ ترکھانوں کے علاقے میں گزارا کریں، وہاں کی سندریاں آپ پر جان دیں گی۔"

"ہاں میں سوچ رہا ہوں پیتو سنگھ کہ کچھ وقت گھوم پھر کر گزاروں۔"

"جو من چاہے کریں مہاراج۔ پیتو سنگھ کی راجدھانی میں آپ کے لیے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔" پیتو سنگھ نے جواب دیا۔ اور میں اس کے پاس سے اٹھ آیا۔ پیتو سنگھ کیا حیثیت رکھتا تھا میرے لیے تو دنیا بھر میں آج تک کسی نے روک ٹوک نہیں کی تھی۔ چنانچہ میں چل پڑا۔ اور میرا رخ اب روپ کلی کے محل کی طرف تھا۔ اس بار میں چھپ کر نہیں گیا تھا کیونکہ سب جانتے تھے کہ میں پیتو سنگھ کا دوست تھا۔ میں اس کے ساتھ آ چکا تھا۔ روپ کلی نے بڑی محبت کے ساتھ میرا استقبال کیا تھا اور اسے دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی تھی۔ اس کا پھولا ہوا پیٹ اس کے مشن کی کامیابی کی اطلاع دے رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ بہت شرمائی لیکن میں نے اسے تسلیاں دیں۔

"بھگوان نے ایک کمزور عورت کی لاج رکھی ہے مہاراج!" وہ بولی۔

"ہاں روپ کلی۔ میں بھی تمہارے ساتھ خوش ہوں۔"

"سوامی کے کیا حال ہیں؟"

"بہت بدل گیا ہے۔ شکنتلا کی یاد کو اپنے دل سے نہیں نکال سکا۔"

"اور روپ کلی کو؟" روپ کلی نے پوچھا۔

"اسے بھی۔ لیکن اس کے لیے پیتو سنگھ کے دل میں آج بھی انتقام سلگ رہا ہے۔ وہ روپ کلی کو سارا جیون معاف نہیں کرے گا۔"

"میں بھی اسے سارا جیون معاف نہیں کروں گی مہاراج۔ اب تو بھگوان بھی میرے ساتھ ہے اور تم بھی۔ مگر مہاراج؟" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"کہو روپ کلی۔"

"من میں ایک بات ہے مہاراج۔ پر کہاں تک آپ کے استھان کا بوجھ اٹھاؤں۔"

"کہو روپ کلی۔ میں تمہارے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔"

"بھگوان نے چاہا تو میرے ہاں بیٹا ہی پیدا ہو گا مہاراج۔ مگر ایک اور خوف دل میں بار بار ابھرتا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"اسے اس قابل کون بنائے گا مہاراج کہ وہ۔ امان بن سکے یہاں کون اس کی تربیت کرے گا کون اس کی دیکھ بھال کرے گا؟"

"کیا چاہتی ہو روپ کلی؟" میں نے پوچھا۔

"جیون بھر۔ اس سمے سے جب سے آپ ملے پورن جی۔ میں نے آپ سے کچھ نہ کچھ مانگا ہی ہے کچھ بھی نہیں دیا آپ کو۔ اور اب تو جیون میں دینے کے لیے کچھ ہے ہی نہیں۔ اور مانگنے کو بہت کچھ ہے سو مانگوں گی تو سہی منع کر دیں گے برا نہیں مانوں گی۔ کیا آپ میری یہ سہایتا بھی کریں گے؟ کیا آپ میرے بیٹے کو طوبان بنانے میں میری مدد نہیں کریں گے؟"

"میں نے پہلے تمہیں کس بات کو منع کیا ہے روپ کلی۔ ٹھیک ہے یہ فرض بھی میں انجام دوں گا لیکن اس سمے میرا تمہارے ساتھ رہنا مناسب نہیں ہو گا۔ تمہارا بیٹا جب چار سال کا ہو جائے گا تب میں تمہارے پاس آؤں گا!"

"وچن دیں مہاراج سنسار میں میرا کوئی نہیں ہے۔ بھگوان کے آکاش پر ہے اور دھرتی پر آپ ہیں۔ مجھے وچن دیں کہ آپ ضرور آئیں گے۔" روپ کلی نے درد بھری آواز میں کہا اور میں نے اس سے وعدہ کر لیا۔ کچھ وقت اس کے ساتھ گزار کر پروفیسر میں وہاں سے چل پڑا۔ زمین بے حد وسیع ہے اور اس پر لاتعداد واقعات بکھرے ہوئے ہیں۔ ہر ذرے کی اپنی ایک کہانی ہے اور سلسلۂ روز و شب یونہی جاری ہے اور جاری رہے گا۔ میں ترکھانوں کے علاقے میں گیا اور پھر وہاں سے میں نے چتر بھوگ کی سرحد پار کی اور پیتو سنگھ کی حدود سے نکل گیا۔ وہاں والوں نے مجھے لوکھے نام دیے اور میں نے طویل وقت اُن کے ساتھ گزارا۔ وہ کہانیاں اپنا الگ رنگ رکھتی ہیں اور اگر میں انہیں اس داستان میں شامل کروں تو یہ سلسلہ طویل سے طویل تر ہو جائے گا۔ اس طرح انسانوں کے حساب سے چار یا ساڑھے چار سال میں نے دوسری جگہوں پر گزارے۔ روپ کلی سے کیا ہوا وعدہ مجھے یاد تھا چنانچہ میں نے جب حساب لگایا اور ستاروں نے مجھے میرا قول یاد دلایا تو میں واپس پیتو سنگھ کی زمین پر پہنچ گیا۔ ترکھانوں کے علاقے میں پیتو سنگھ کے خلاف بغاوت سر ابھار رہی تھی۔ لوگ نہ مجھے پیتو سنگھ سے ہمدردی تھی اور نہ ترکھانوں سے۔ جب میں نے اپنے لیے دوسرے مشن کا انتخاب کر لیا تھا تو پھر میں کسی نئے کام میں نہیں الجھنا چاہتا تھا چنانچہ میں نے دوسری سمتوں سے آنکھیں بند کر لیں۔ اور اگلے ہی برق رفتاری سے اس محل کی طرف دوڑتے گئے جہاں روپ کلی موجود تھی۔ محل کے قرب و جوار میں تبدیلیاں ہو گئی تھیں۔ اب اس کے اطراف ایک خوبصورت باغ بکھرا ہوا تھا اس باغ میں ایک حوض کے قریب مجھے روپ کلی اپنے بیٹے کے ساتھ مل گئی۔ شکل و صورت سے بھی اب وہ ماں نظر آنے لگی تھی۔

میرے گھوڑے کی چاپ سن کر اس نے گردن اٹھائی اور پھر اس

Scanned by yazamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

کی آنکھوں سے آنسو برس پڑے۔ وہ دوڑ کر میرے قدموں سے لپٹ گئی اور آنسو بہانے لگی۔ میں نے گھوڑے سے اتر کر اسے سہارا دیا۔ نہ جانے کیوں مجھے اس سے بہت ہمدردی تھی۔ پھر میں نے اس کے بیٹے کو دیکھا۔ انتہائی خوبصورت اور چست و چالاک بچہ تھا۔

میں نے اسے اشارے سے بلایا تو وہ میرے پاس آگیا۔

"کشکا۔ انہیں پہچانتے ہو؟" روپ کلی نے پوچھا۔

"پہچانتا ہوں ماتا جی۔" بچے نے جواب دیا۔

"کون ہیں یہ؟" روپ کلی نے پوچھا۔

"جنگل میں آدھی رات کو بھیڑیے چنگھاڑتے چنگھاڑتے یکلخت خاموش ہو جاتا ہے۔ خون کے پیاسے شکاری بھیڑیوں کا غول جب گپھاؤں میں جا چھپتا ہے تو پرندے حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگتے ہیں تب وہ ایک ایسے منش کو دیکھتے ہیں جس کا بدن سونے کا ہے۔ اور بدن کا یہ سونا ناقابلِ تسخیر ہے۔ تب وہ مسکراتا ہے اور معصوم پرندوں کو لوری لگتا ہے جیسے درندوں کا راج ختم ہو گیا ہو۔ اور یہ مسکراہٹ ہے۔ میرے ماتا جی مہاراج کی۔ یہ میرے ماتا جی مہاراج ہیں۔" بچہ اچھل کر میری گردن میں لٹک گیا۔ میں اس کی زبان سے یہ سب کچھ سن کر حیران رہ گیا تھا۔

"میں کون ہوں تمہارا؟"

"ماتا جی مہاراج۔"

"اور یہ جوتم نے کہا۔ وہ تمہیں کس نے سکھایا؟"

"ماتا جی نے۔" اس نے جواب دیا۔

"مگر تم مجھے پہچان کیسے گئے؟"

"اس لیے کہ جنگل کے بھیڑیے خاصی سے گپھاؤں میں جا چھپے ہیں اور تمہارا بدن سونے کا ہے۔" بچے نے جواب دیا۔

"اوہ" روپ کلی۔ "بہت بہادر بچہ ہے تمہارا۔ کیا نام ہے اس کا؟"

"کشکا۔" روپ کلی نے جواب دیا۔

"نام پسند آیا آپ کو ماتا جی مہاراج۔" بچے نے پوچھا۔

"بہت۔" میں نے اسے چوم کر کہا۔

"ماتا جی۔ دیکھو ماتا جی نے مجھے پیار کیا۔" بچہ خوشی سے بولا۔

"میں نے کہا تھا نا کشکا۔"

"میں نے ماتا جی تو تھا نا ماں جی۔" بچہ شرارت سے بولا۔ اور روپ کلی ہنسنے لگی۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔

"اب تو نہیں جائیں گے کہیں پورن مہاراج۔ اب تو سمجھ آگیا ہے کہ آپ اپنا وعدہ پورا کریں۔"

"ہاں روپ کلی۔ اور یقین کرو میں اسی وعدے کو پورا کرنے کے لیے بہت دور سے آیا ہوں۔"

"میں جانتی تھی مہاراج۔ بھگوان کی سوگند میں جانتی تھی کہ تم نے جو کچھ کہا ہے اسے ضرور پورا کرو گے، اور میں یہ بھی جانتی تھی کہ میرے بھاگ ضرور کھلیں گے ایک نہ ایک دن۔ اور شاید وہ دن قریب آگیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے بچے کو گود میں لیے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اور سناؤ پیتو سنگھ کے کیا حال ہیں؟"

"کچھ نہیں معلوم۔ تب ہی سے کچھ پتہ نہیں۔ بس یہاں کے دن رات جوں کے توں چل رہے ہیں۔"

"ہوں سکھ راج مہاراج کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا؟" میں نے سوال کیا اور روپ کلی کے چہرے پر اداسی تیر گئی۔

"نہیں بالکل نہیں۔ بس بھگوان سے ان کے لیے دعائیں کرتی رہتی ہوں، اور پھر ان سے تو ہمارا ناطہ اسی دن ٹوٹ گیا تھا جب وہ ہمیں محل میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اس کے بعد میں نے سوچ لیا تھا کہ پیتو سنگھ بھلا کیا ہمیں ان کے درشن کرائے گا، بہرصورت بھگوان جب تک انہیں جیون دے سکھی رہیں۔" روپ کلی اداس لہجے میں بولی۔ اور میں خاموش ہو گیا۔ مزید حالات پوچھنا ہی بیکار تھا۔ روپ کلی یہاں وہی خاموشی اور تنہائی کی زندگی گزار رہی تھی۔ اس زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں تھی سوائے کشکا کے۔ کشکا اس کی زندگی میں امیدوں کے پھول لے کر آگیا تھا۔ اور اس روز اسی کی ذات میں خوش تھی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ روپ کلی بہت خوش نظر آتی ہے، بچہ بھی اس کا بہت پیارا تھا۔

تب پروفیسر میں نے اس سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں گئیں۔ میں اسے فنون حرب میں طاق کرنے لگا اور ذہین بچہ میری توجہ کا مرکز بن گیا۔ زندگی کے ماہ و سال میرے لیے بے اہمیت نہیں رکھتے تھے میں تو گزرنے والوں میں سے ہوں۔ ہاں اس دوران کوئی خاص واقعہ رونما نہیں ہوا تھا۔ سوائے اس کے کہ کشکا جوان ہو گیا۔

اب وہ پورے بیس سال کا شیر تھا۔ اسے شیر کہنا ہی مناسب تھا۔ میں نے اسے زمانے کی سختیاں جھیلنے میں طاق کر دیا تھا اور وہ میرے معیار پر پورا اترتا تھا۔ بے پناہ طاقتور اور حسین نوجوان تھا جس روز اس کی زندگی کا بیسواں سال پورا ہوا اور روپ کلی نے جس کے بال سفید ہو گئے تھے۔ دیوالی کی رات بیس چراغ روشن کیے میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میرا کام پورا ہو گیا روپ کلی۔"

"میں نہیں سمجھی پورن مہاراج۔"

"کشکا جیسا شیر ہمارے سامنے ہے۔"

"بھگوان اسے جیتا رکھے۔"

"کیا اب مجھے اجازت دو گی؟"

"کہاں جائیں گے مہاراج؟"

"کلوندی۔"

"مگر اب میں کیا کروں مہاراج؟" وہ بولی۔

"باقی کام تمہارا ہے روپ کلی۔" میں نے جواب دیا اور وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر اس نے ایک عزم سے گردن ہلا دی۔

"ہاں پورن مہاراج۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اب باقی کام میرا ہے۔" اس نے کہا اور مجھے اجازت دے دی۔

طویل عرصہ کے بعد میں نے کلوندی کا رخ کیا تھا۔ لیکن تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہی میں نے علاقے میں بہت سی تبدیلیاں دیکھیں۔ نئی نئی بستیاں آباد ہو گئی تھیں، آبادی کافی بڑھ گئی تھی، طرز تعمیر میں بھی کافی جدت پیدا ہو گئی تھی، گویا پیتو سنگھ ترقی کے راستے پر تھا، لیکن میں براہ راست اس کے محل کی طرف نہیں گیا بلکہ میں اور رک کر میں نے پیتو سنگھ کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ بڑے دلچسپ حالات معلوم ہوئے تھے، ترکھانوں نے تین دفعہ بغاوت کی تھی، اور اب وہ آزاد تھے، وہ لوگ پیتو سنگھ کے زیر نگین نہیں رہے تھے بلکہ انہوں نے باقاعدہ اپنی سیاست قائم کر کے سرحدیں بنا لی تھیں۔

لیکن پیتو سنگھ اپنی سرحد کے بائیں سمت پہاڑی راستے عبور کر کے راجہ ملکا پر حملہ آور ہو چکا تھا اور اب ملکا کی سلطنت اس کے زیر نگین تھی۔ گویا ترکھانوں کی قسمت پیتو سنگھ نے ادھر لوٹ کر لی تھی، سنا تھا کہ پیتو سنگھ کئی جنگوں میں شدید زخمی بھی ہو گیا تھا، لیکن اب وہ ایک ناقابل تسخیر شخصیت بن چکا تھا۔

پیتو سنگھ کے بارے میں بے شمار معلومات مجھے حاصل ہوئیں۔ مجھے یہ بھی پتہ چلا کہ اس نے آج تک شادی نہیں کی، لیکن بہت سی خادماؤں اس کے محل میں اس کی داشتاؤں کی حیثیت سے زندگی گزار رہی ہیں۔ ان میں سے ہر اس خادمہ کو قتل کر دیا جاتا ہے جو حاملہ ہو جاتی ہے۔ پیتو سنگھ ایک شدید ذہنی مرض کا شکار ہو چکا تھا، اور اس مرض نے اسے انسانیت سے دور کر دیا تھا۔

ان ساری معلومات کے بعد میں پیتو سنگھ سے ملا۔ میں نے دربار میں اس سے ملاقات کی۔ اس وقت پیتو سنگھ اپنے دربار میں فریادیوں کے فیصلے کر رہا تھا جب میں وہاں داخل ہوا۔ میں نے پروفیسر کا بہروپ رکھا تھا ویسا ہی اس کے پاس پہنچا لیکن پیتو سنگھ میں سفید بال اور سفید مونچھوں کی وجہ سے کافی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ تاہم اس نے مجھے پہچان لیا اور دیوانہ وار کھڑا ہو گیا۔ تخت سے کھڑا ہوتے ہی دربار میں موجود تمام لوگ بھی کھڑے ہو گئے۔ اور پیتو سنگھ دونوں ہاتھ پھیلا کر میری طرف بڑھا۔ "پورن مہاراج۔" اس کی آواز میں محبت کی لرزش تھی۔ میں بھی اس سے بغل گیر ہو گیا تھا۔ "ساتھیو۔ یہ ہمارا دوست۔ طویل عرصہ سے جنگلوں سے پاس آیا ہے۔ اب میں کوئی دوسرا کام نہیں کر سکتا اس لیے دربار خاصت کیا جاتا ہے۔"

لوگوں نے پیتو سنگھ کی [illegible] جس نے تھی وہ خوش خوش مجھے اندر لایا اور اپنے کمرۂ خاص میں پہنچا دیا۔

یہ کمرۂ خاص کیا ہوں یہ ایک خوبصورت حوض بنا ہوا تھا جس میں بھرا ہوا خوش رنگ پانی دراصل شراب تھا۔ پیتو سنگھ پہلے کی بہ نسبت اب بہت بدل گیا تھا۔

"تمہیں دیکھ کر یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے عمر کے بیس سال واپس لوٹ آئے۔ کاش میں بھی تمہاری طرح جادوگر ہوتا۔"

"جادوگر؟"

"بھگوان کی سوگند۔ پہلے جیسے سندر ہو۔ وقت کی ایک شکن بھی تو نہیں پڑی تمہارے چہرے پر۔ یہ جادو مجھے بھی تو سکھا دو۔"

"تمہارے چہرے پر تو بہت سے زخم ہیں پیتو سنگھ۔"

"ایک جنگجو اور دلیر راجہ کی شان انہیں زخموں میں جھلکتی ہے پورن مہاراج۔"

"بہت سے معرکے سر کر لیے؟"

"ہاں۔ لیکن تمہارے سامنے وہی مسئلہ پھر موجود ہے۔"

"کون سا مسئلہ؟"

"ترکھانوں کا۔ وہاں گوکل سنگھ حکمران ہے۔ اور ترکھانوں نے الگ حکومت بنا لی ہے۔"

"اوہ۔ تم سے کیسے تعلقات ہیں؟"

"تیاریاں کر رہا ہوں۔ پیتو سنگھ کے جیون میں یہ ممکن نہیں ہے کہ ترکھان حکومت کریں۔"

"کب حملہ کر رہے ہو؟"

"بہت جلد۔ گوکل سنگھ کا ہر سانس مجھ پر بھاری ہے۔"

"خوب۔ اس کے علاوہ اور کیا ہو رہا ہے؟"

"بس چاروں طرف پیتو سنگھ کے نام کا ڈنکا بج رہا ہے۔ میں نے دور دور تک کا علاقہ فتح کر لیا ہے اور اب پیتو سنگھ کی حکومت سب سے بڑی ہے۔ اس حکومت کی سرحدوں میں چیتوں گھوڑے دوڑائے جا سکتے ہیں۔ پتا جی نے اس حکومت کو محدود رکھا تھا میں نے اسے لامحدود کر دیا ہے۔"

میں نے محسوس کیا کہ پیتو سنگھ پہلے سے کہیں زیادہ مغرور ہو گیا ہے۔ اس کی ہر بات میں خود کو ناقابل تسخیر سمجھنے کا احساس ہے۔ بہرحال میں نے اس مغرور راجہ سے کچھ نہ کہا۔ البتہ پیتو سنگھ آج بھی میرا معترف تھا اور مجھ پر رشک ہی کرتا تھا۔ پھر اس نے میرے لیے قیام کا بندوبست کرایا اور

میری تعریفات کے بارے میں پوچھا اور میں نے اسے یہی جواب دیا کہ میں تو دنیا گرد ہوں۔ نہ جانے اس دوران کہاں کہاں مارا پھرا ہوں۔ اور پھر جب پیتو سنگھ کی یاد آئی تو پھر یہاں چلا آیا۔

بہرحال پیتو سنگھ نے میرے ساتھ بہترین سلوک کیا تھا اس نے مجھے دنیا کی ہر آسائش مہیا کر دی تھی لیکن اب میں روپ کلی کے کسی قدم کا انتظار کر رہا تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ کشکا روپ کلی کے مان کو کس طرح پورا کرتا ہے۔ اور اس کے لیے مجھے طویل انتظار نہیں کرنا پڑا۔

پھر اور بار تھا۔ پیتو سنگھ لوگوں کے مقدمات سن رہا تھا۔ اس کے نزدیک ہی جہاں پناہ بیٹھے ہوئے ان مقدمات پر شاہی مہر لگا رہے تھے جن کا فیصلہ پیتو سنگھ کر رہا تھا کہ دربار میں ایک شخص داخل ہوا۔ اس کے بدن پر چست لباس تھا اس کا چہرہ ایک کپڑے میں ڈھکا ہوا تھا۔ کمر سے تلوار لٹکی ہوئی تھی۔ وہ بیباکی سے چلتا ہوا پیتو سنگھ کے سامنے پہنچ گیا۔

"میں راجہ پیتو سنگھ کے پاس ایک سوال کرنے آیا ہوں۔" اس کی

Scanned by aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

بزدلیر
شمیم نوید
قیمت 150/- روپے
فرید بک سٹال لاہور
طیبہ بکسٹال پبلشرز اینڈ بک سیلرز
Scanned By: Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

بیباک آواز ابھری اور اہل دربار چونک کر اس آواز کی سمت کو پلٹا تھا اور پھر ہیں دلچسپ انداز میں اسے دیکھنے لگا!

"کون ہو تم۔ اور کیا راجہ کے محل میں آنے کے آداب نہیں جانتے؟" سیناپتی نے کرخت لہجہ میں کہا۔

"نہیں میں آداب کی پرواہ نہیں کرتا کیوں کہ میں بھی اپنے من کا راجہ ہوں۔ اور میری ماں مجھے پیار سے راجہ کہہ کر پکارتی ہے۔"

"تمہیں اس گستاخی کی سزا دی جا سکتی ہے۔ کیا اسے گرفتار کر لیا جائے مہاراج؟" سیناپتی نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔ لیکن پیتو سنگھ نے ہاتھ اٹھا لیا۔ وہ اس شخص میں دلچسپی لے رہا تھا۔ سیناپتی نے تلوار دوبارہ نیام میں کر لی تھی۔

"اپنے چہرے سے کپڑا ہٹاؤ" پیتو سنگھ بولا۔

"اس کے لیے ماں نے منع کیا ہے۔ اور جس بات کا حکم ماں دے وہ ہر طرح افضل ہے۔ میری ماں کا حکم راجہ کے حکم سے بڑا ہے" اسے والے نے جواب دیا اور میں مسکرا اٹھا۔ کشکا کی یہ بیباکی مجھے بہت بھائی تھی اور شاید پیتو سنگھ بھی اس بیباکی سے محظوظ ہو رہا تھا۔ دربار میں بہت سے لوگوں نے دوبارہ تلواریں نکال لی تھیں۔ لیکن راجہ نے اشارہ نہ کیا۔ اور مسکرا کر بولا۔

"کیا سوال کرنا چاہتے ہو تم؟"

"میرا یہ سوال راجہ پیتو سنگھ سے ہے۔ سنسار میں سب سے بڑا مان کس کا ہوتا ہے؟"

"ماں کا" پیتو سنگھ مسکرا کر بولا۔

"سارے سنسار میں سب سے بڑا احسان کس کا ہوتا ہے؟"

"صرف ماں کا" پیتو سنگھ نے جواب دیا۔

"ایک حکومت کے کتنے راجہ ہوتے ہیں؟"

"ایک۔"

"تمہاری حکومت میں دو راجہ کیوں ہیں؟"

"دو راجہ؟"

"ہاں۔ ایک پیتو سنگھ۔ اور ایک کشکا۔"

"پیتو سنگھ تو میں ہوں۔ پر یہ کشکا کون ہے؟" پیتو سنگھ نے سوال کیا۔

"میں" اس نے جواب دیا۔

"خوب۔ یہ تو واقعی بڑی مشکل بات ہے۔ اب کیا ہو؟"

"تم کتنے دن حکومت کر چکے ہو؟"

"میں۔ تقریباً بائیس سال" پیتو سنگھ نے جواب دیا۔

"بس تو اب میری باری ہے۔ شاہی مہر ایک ہوتی ہے نا؟"

"شاہی مہر؟" پیتو سنگھ نے سوال کیا پھر بولا "ہاں ایک ہی ہوتی ہے"

"کسی راج میں دوسری مہر نہیں بنوائی جاتی اور اگر دوسری مہر بنوائی جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ راجہ اپنے پرکھوں سے انحراف کر رہا ہے اور انہیں تسلیم نہیں کرتا۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے" پیتو سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور وہ آگے بڑھ آیا۔ پھر اس نے چھٹا مار کر شاہی مہر اٹھا لی اور بولا۔

"تو آج سے یہ مہر میرے قبضے میں ہے۔ اب پیتو سنگھ کسی معاملے کا فیصلہ نہیں کریں گے اور آج سے راج دربار کی ساری کارروائی کشکا ہو جائے گی کیونکہ یہاں مہر ہی نہیں ہوگی۔"

"کیا صرف مہر قبضے میں کرنے سے راج بدل جاتا ہے؟" پیتو سنگھ نے کہا۔

"یہ ابتدا ہے۔"

"لیکن یہ گستاخی ہے نوجوان۔ تم راج مہر لے کر یہاں سے کس طرح جا سکتے ہو؟"

"اگر میں راج مہر لے کر یہاں سے نکل جاؤں تو تم سوچ لینا کہ تمہارا

زوال شروع ہو گیا ہے" سیاہ پوش نے کہا۔ اور اب پیتو سنگھ کسی قدر سنجیدہ ہو گیا۔

"مہر واپس کر دو۔ مجھے تمہاری یہ بیباکی پسند آئی ہے۔ لیکن کہیں میری یہ پسند غصے میں نہ بدل جائے۔"

"تم ناراض ہو کر بھی میرا کچھ نہ بگاڑ سکو گے سمجھ لینا راجہ پیتو سنگھ کا زوال آ گیا" نوجوان نے کہا اور نیام سے تلوار نکال لی "جو لوگ میرے ہاتھوں سے قتل ہونے کی خواہش رکھتے ہوں وہ مجھے روکیں میں جا رہا ہوں" نوجوان نے کہا اور الٹی قلابازی کھا کر نیچے اترا اور دوسری چھلانگ میں دروازے تک پہنچ گیا۔

دروازے کے بالکل نزدیک کھڑے ہوئے لوگوں نے تلواریں سونت کر اس پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی لیکن نوجوان نے صرف دو تین ہاتھوں میں انہیں زمین چٹا دی اور دوسرے لمحے وہ باہر تھا۔ پیتو سنگھ کھڑا ہو گیا۔

"اسے گرفتار کرو نکل کر نہ جانے پائے" اس نے کہا اور دوسرے لمحے اندر موجود لوگ باہر نکلے۔ میں اپنی جگہ رہا تھا۔ پیتو سنگھ حیران کھڑا تھا "یہ کون تھا؟" اس نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا لیکن اس کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔

باہر بھاگ دوڑ ہو رہی تھی نہ جانے اس کا کیا نتیجہ نکلا تھا۔ بہرحال دربار برخاست ہو گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد نتیجہ بھی نکل آیا... نوجوان آٹھ افراد کو قتل کر کے صاف نکل گیا تھا۔ اور اب پیتو سنگھ کو احساس ہوا کہ یہ سب کچھ مذاق نہیں تھا وہ غصے سے پاگل ہو گیا۔ اس نے اپنے خاص لوگوں کو بلا کر حکم دیا کہ مہر چند گھنٹوں کے اندر اندر واپس آ جانی چاہیے۔

لیکن میں جانتا تھا کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ اور جو کچھ میں جانتا تھا وہی درست نکلا۔ سب کچھ ہوا لیکن مہر لے جانے والے کا کوئی نشان نہیں ملا۔ فوری طور پر راجدھانی میں کچھ ہدایات جاری کی گئیں جن کے تحت ان ساری کارروائیوں کو روک دیا گیا جو راجہ کے حکم سے عمل میں آئی تھیں۔ مبادا مہر کے کوئی خاص فائدہ اٹھا لیا جائے۔

راجہ پیتو سنگھ اور اس کے مشیر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ اس شخص کے بارے میں غور کیا جا رہا تھا جس نے یہ دیدہ دلیری کی تھی۔ لیکن کوئی یقینی رائے دینے سے قاصر تھا۔ پھر ایک رات کی صبح راجہ جاگا تو اس کا تاج شاہی غائب تھا اور اس کی جگہ ایک پرچا رکھا ہوا تھا۔

"ایک راجہ کے لیے اس سے بڑی خبر اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ وہ بے تاج ہو جائے۔ یہ تاج اب میرے سر پر ہے اور بہت جلد میں اس کو تین کرشنا کے درشن آؤں گا۔ نیلے پیتو سنگھ مہاراج تاج مجھے تلاش کرنے کی کوشش کریں۔"

اب تو پیتو سنگھ کے قہر و غضب کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ جن جن لوگوں پر بغاوت کا شبہ ہو سکتا تھا انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ بہت سے بے گناہوں کی شامت آ گئی لیکن اصلی آدمی نہیں پکڑا جا سکا۔

میں مطمئن تھا۔ کشکا نے ایک راستے کا انتخاب کر کے کام شروع کر دیا تھا۔ نہ ہی تاج شاہی ملا اور نہ ہی شاہی مہر۔ حالانکہ راجہ کے ہزاروں آدمی اس کام میں مصروف ہو گئے تھے لیکن کشکا بلا کا دلیر تھا۔ ایک صبح وہ اس وقت راج دربار میں داخل ہوا جب پیتو سنگھ وہاں نہیں پہنچا تھا۔ اس کا چہرہ بدستور کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا۔ لوگ سمجھ نہ سکے اور کشکا تخت شاہی پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے لباس سے گمشدہ تاج نکال کر سر پر رکھ لیا تھا۔ اسی وقت میں اور پیتو سنگھ دوسرے لوگوں کے ساتھ دربار میں داخل ہوئے تھے لیکن اندر کا منظر دیکھ کر پیتو سنگھ ششدر رہ گیا۔

"یہ کون ہے؟" وہ غصہ آیا

"میں راجہ ہوں۔ اور یہ تاج۔ اس تخت کا ہے۔ راجہ پیتو سنگھ میری برتری تسلیم کر لو اور راج چھوڑ دو۔ ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا" کشکا نے کہا۔ پیتو سنگھ کے جانثار تلواریں سونت کر تیار ہو گئے لیکن پیتو سنگھ نے انہیں روک دیا۔

"بیباک انسان! میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ اگر تم کوئی شاطر چور ہو تو مجھے بتاؤ میں تمہیں معاف کر کے انعام دوں گا اگر تم حکومت کے باغی ہو تو بھی بتاؤ تاکہ میں تم سے بغاوت کی وجہ معلوم کروں۔ دوسری صورت میں تم مارے جاؤ گے اور اتنے دلیر انسان کو قتل کر کے مجھے افسوس ہوگا!"

"میرا نام کشکا ہے۔ اور میں اس تخت کا مالک ہوں۔"

"کیا تم باغی ہو؟"

"ہرگز نہیں۔ اپنے وطن سے کون باغی ہوتا ہے۔ مگر مجھے اب تمہاری حکومت پسند نہیں ہے۔ میں تم سے بہتر طور پر نظام حکومت چلا سکتا ہوں۔"

"مجھے کوئی پاگل معلوم ہوتے ہو۔ تاج اور مہر واپس کر دو۔ ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

"اپنی تلوار بھی کھول دو پیتو سنگھ۔ یہ میرے پاس ہونی چاہیے۔"

"گرفتار کر لو اسے نکل کر نہ جانے پائے" پیتو سنگھ کو طیش آ گیا اور نوجوان نے تاج اتار کر اپنے لباس میں رکھ لیا۔ اور آخر کشکا میرا شاگرد تھا۔ میں نے اسے وقت کی بہترین صلاحیتیں بخشی تھیں۔ چاروں طرف سے لوگ اس پر ٹوٹ پڑے تھے لیکن اس نے انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر پھینک دیا اور بے شمار لوگوں کو قتل کر کے وہ پیتو سنگھ پر اچانک آ پڑا۔ اس نے نہایت چابکدستی سے پیتو سنگھ کی تلوار نکال لی۔ اور اپنی تلوار پھینک کر فرار ہو گیا۔ محل کے مختلف حصوں میں اس نے چند لوگوں کو قتل کیا اور صاف نکل گیا۔ لیکن پیتو سنگھ پر اب ہیجان طاری تھا۔ اس کی حکومت ہل کر رہ گئی تھی۔ بقل میں آنے والی بات ہی نہیں تھی۔ اس نے اعلیٰ پیمانے پر کشکا کے خلاف کارروائی شروع کر دی۔ لیکن دوسری طرف کشکا بھی خاموش نہیں

Scanned by aazzamm@UduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

تھا اس نے محل میں کئی بار داخل ہو کر اسرار سی پھیلائی اور پیتو سنگھ کو پریشان کر کے رکھ دیا۔ اب تو پیتو سنگھ کسی بہت بڑی سازش پر غور کرنے لگا تھا۔

میں اس دوران ایک خاموش تماشائی بنا رہا تھا۔ پیتو سنگھ نے کئی بار مجھ سے اس موضوع پر گفتگو کی تھی لیکن میں نے اسے ٹال دیا۔ بس میں بھی حیرانی کا اظہار کرتا رہتا تھا۔ پیتو سنگھ کو اس بات کی پریشانی تھی کہ لوگ اس کے بارے میں کیا سوچیں گے۔ میدان جنگ میں ہر لمحہ پیتو سنگھ کا نام گونجتا تھا۔ مہاراج نے اس کے کہا۔ اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ "پورن مہاراج وہ جانتے ہیں کہ اب ان کے جیون کی آخری گھڑی آپہنچی ہے۔ اور میرے مقابلے پر آنے والے تھر تھر کانپنے لگتے ہیں۔ میں نے اب تک جتنی فتوحات حاصل کی ہیں مہاراج اگر ان کا حال آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے تو آپ کو یقیناً خوشی ہوتی مہاراج۔ بس یہ ترکھان رہ گئے ہیں لیکن اس بار میں نے ان کے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے اس کے بعد ترکھانوں میں اتنی جان ہی نہ رہے گی کہ وہ کبھی بغاوت کے بارے میں سوچ بھی سکیں۔ میں ان لوگوں پر کبھی اعتبار نہیں کرتا تھا لیکن اب انہوں نے اس بات کا یقین دلا دیا ہے کہ ان پر اعتبار کرنا بے وقوفی ہے۔ میں جانتا ہوں مہاراج کہ میں ترکھانوں کو شکست دے دوں گا۔ میں نے جو کوششیں کی ہیں ان کا جائزہ آپ لے رہے ہیں۔ مگر یہ گھر کا بھیدی یہ آستین کا سانپ کون ہے۔ مجھے تو سب سے بڑی حیرت اس بات پر ہے کہ وہ محل میں آتا ہے اور محل سے چلا جاتا ہے۔ نہ تو میں اس کی تلوار ہر مقابلے پر آنے والے کو ختم کر دیتی ہے۔ نہ ہی وہ راستے سے باہر جانے کا۔ مگر کوئی اسے روک نہیں پاتا۔ یہ کیسی انوکھی بات ہے؟"

"اس کی وجوہات تمہیں بھی معلوم ہیں پیتو سنگھ؟"

"کون سی وجوہات مہاراج؟"

"ظاہر ہے کہ وہ دن اور رات کا تعین کر کے تو نہیں آتا۔ اس اچانک نمودار ہوتا ہے اور اس کے لیے ہمارے پاس پہلے سے تیاریاں نہیں ہوتیں۔"

"کونسی تیاریاں نہیں ہیں مہاراج کلوندی میں جگہ جگہ فوجی پھیلے ہوئے ہیں اور اسے تلاش کر رہے ہیں مگر اب وہ اطمینان سے آتا ہے اور نکل جاتا ہے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے پوری کلوندی اس کے ساتھ ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے پیتو سنگھ۔ میدان جنگ کا معاملہ دوسرا ہے۔ وہاں ایک جانا پہچانا دشمن نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے اور ان کی تعداد اتنی ہوتی ہے کہ وہ چھپ نہیں سکتا۔ لیکن یہ تنہا آدمی ظاہر ہے اتنے کام کرنے کے بہتر مواقع فراہم ہیں اور انہیں سے فائدہ اٹھا کر وہ نکل جاتا ہے۔"

"مگر اب میں کیا کروں؟"

"اسے گرفتار کرنے کی کوششیں جاری رکھو۔"

"بڑی انوکھی بات ہے مہاراج۔ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ مجھ پر تاثر چھوڑ چکا ہے۔ جس ریاست کے راجہ کا تاج، شاہی مہر اور تلوار کسی دوسرے آدمی کے قبضے میں ہو وہ اپنے آپ کو صرف اسی بات پر راجہ کہلوا سکتا ہے کہ اس کی حکومت باقاعدہ ختم ہونے کا اعلان نہیں کیا گیا۔ ورنہ اگر پرکھوں کی ریت مان لی جائے تو میری حکومت تو ختم ہو چکی ہے۔"

"اوہ نہیں پیتو سنگھ اس سلسلے میں تو ہم اتنی ہو کر سوچ رہے ہو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ باغی تو آتے ہی رہتے ہیں اور ان کی سرکوبی بھی کی جاتی ہے چنانچہ اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں پریشان نہیں ہوں مہاراج۔ مگر اس باغی کی حرکتیں مجھے ضرور حیران کیے ہوئے ہیں۔ میں سوچتا ہوں آخر اس کے ساتھ کون سی قوت ہے جو وہ اتنے زبردست پیمانے پر کام کر رہا ہے۔"

"وہ چالاک ہے پیتو سنگھ، نڈر ہے دلیر ہے اور یہی ساری چیزیں اسے کامیابی دلا رہی ہیں لیکن وہ ہمیشہ تمہارے ہاتھوں سے نہیں بچ سکتا، ایک نہ ایک دن ضرور پکڑا جائے گا۔"

"مہاراج پورن سنگھ میں اس کی وجہ سے پریشان ہو گیا ہوں میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ اس کے میرے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔ میں کچھ دن آرام کرنا چاہتا ہوں۔ مہاراج دربار کے سارے کاموں سے دور رہ کر صرف اس کے بارے میں سوچنے کا خواہشمند ہوں۔ کیا تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو گے مہاراج پورن۔" پیتو سنگھ نے کہا۔

"کہاں جاؤ گے پیتو سنگھ؟" میں نے سوال کیا۔

"میرا ایک اور محل ہے بستی سے دور ہٹ کر ایک دریا کے کنارے بڑی سندر جگہ ہے وہاں چاروں طرف سکون ہی سکون بکھرا ہوا ہے۔ میں پرسکون رہ کر اس سلسلے میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔ جب بھی مجھ پر کوئی پریشانی طاری ہوتی ہے تو میں وہیں چلا جاتا ہوں اور واقعی اس جگہ سوچنے میں بڑی آسانیاں ہوتی ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے پیتو سنگھ، اگر تم سمجھتے ہو کہ اس وقت تمہیں سکون کی ضرورت ہے تو چلو میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ مہاراج۔ ابھی تیاریاں کیے لیتا ہوں۔" پیتو سنگھ نے کہا۔

اور پروفیسر پریشان حال راجہ، راج دربار کے سارے کاموں کو چھوڑ چھاڑ کر سکون کی تلاش میں چل پڑا۔ میں بھی اس کے ساتھ تھا۔ جس محل کے بارے میں راجہ نے نشاندہی کی تھی واقعی ایک حسین ترین علاقے میں تھا۔ تاحد نگاہ سرسبز چوٹیاں نظر آ رہی تھیں۔ ان کے دامن میں سبزہ زار پھیلے ہوئے تھے اور سبزہ زاروں میں یہ حسین محل ایک کھلونے کی مانند نظر آتا تھا۔ بلندیوں سے دیکھنے پر تو منظر بے حد حسین معلوم ہوتا تھا۔

میں نے بھی اس جگہ کو پسند کیا۔ راجہ کی بے شمار خادمائیں وہاں موجود تھیں۔ ایک ایک حسین اور ایک سے ایک خوش گلو۔ سکون کے لیے یہ بہترین جگہ تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ راجہ پیتو سنگھ نے یہاں تفریح طبع کے لیے بے شمار سامان مہیا کر لیے ہیں۔ اس کی فطرت کی نمایاں تبدیلیاں میرے علم میں آ چکی تھیں۔ وہ پہلے سے زیادہ عیش پسند ہو گیا تھا اور عورتوں کے معاملے میں تو اس کے دل میں رحم کی ذرہ برابر گنجائش نہیں تھی۔ جو ملتی جہاں ملتی اور پسند آ جاتی تو پھر اس کا ٹھکانا رات گئے ہی ہوتا تھا۔ کنیزوں اور باندیوں کے جھرمٹ میں ہم نے تین دن گزارے۔ میرے ذہن میں کشکا کا خیال تھا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ اس کی معلومات کہاں تک ہیں اور اب اس سلسلے میں وہ کیا کرتا ہے۔ ویسے احتیاطاً راجہ نے اپنے ساتھ چند خاص سپاہی بھی لے لیے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کشکا سے خوفزدہ ہے۔

بہرصورت تفریحات کا سلسلہ جاری تھا۔ راجہ پیتو سنگھ کی ذہنی واردات کا پتہ ہی نہ چلتا تھا۔ اب وہ گہرائی میں سوچنے کا عادی ہو گیا تھا۔ پھر ایک شام جب کہ سورج اپنے سفر کا آخری مرحلہ طے کر رہا تھا۔ پیتو سنگھ میرے ساتھ ساتھ دریا کے کنارے کنارے چل پڑا۔

سبزہ زاروں میں خوبصورت جانور دوڑتے پھر رہے تھے۔ پرندوں کی ٹولیاں دریا کے پانی پر سے خوبصورت آوازیں نکالتی ہوئی سفر کر رہی تھیں۔ موسم بے حد خوشگوار تھا۔ راجہ پیتو سنگھ کی ذہنی کیفیت بھی اس وقت خاصی بہتر معلوم ہوتی تھی۔ تب اس نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"پورن مہاراج آپ نے تو امرت پی رکھا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے آپ تو کبھی بوڑھے ہی نہ ہوں گے آپ کا حسن اور جوانی دیکھ کر مجھے بڑا رشک آتا ہے کیا یہ نہیں ہو سکتا پورن مہاراج کہ آپ مجھے بھی کوئی ایسی ہی چیز مہیا کر دیں۔"

"نہیں پیتو سنگھ تم زندگی کے ان جنگلوں سے اکتا جاؤ گے۔"

"کیا مطلب مہاراج؟"

"زندگی اور موت ایک ایسا فلسفہ ہے کہ انسان اس کے ہر نقطے کو کبھی نہیں سمجھ سکتا۔ خوشیوں اور سکون کی انتہا بیزاری کا سبب بن جاتی ہے۔ اگر تمہیں علم ہو جائے کہ تمہیں ملی ہوئی خوشیاں دائمی ہیں تو یقین کرو ہم خوشیوں کا تلذذ کھو بیٹھیں ان کی لذت ختم ہو جائے۔ ہر تکلیف کے بعد راحت کا تصور خوشگوار ہوتا ہے اور راحتوں کے درمیان تکلیفوں کا احساس ان راحتوں کی لذت کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ زندگی کے لیے احساسات بے حد ضروری ہیں۔ اگر کشکا تمہاری زندگی میں نہ آتا تو تم خود کو ایک فاتح تصور کرتے اور ایک وقت ایسا بھی آ جاتا جب تمہیں ان فتوحات سے کوئی دلچسپی نہ رہ جاتی۔"

"ممکن ہے آپ کشکا کو درست ہو مہاراج۔ مگر کشکا کو جیون نہیں دیا جا سکتا۔ اس نے جو میری بے عزتی ہے اس کی سزا تو پانا ہی ہوگی۔"

"ضرور۔ ضرور۔ لیکن تم دیکھو نا کہ تم اس کے بارے میں سوچنے کے لیے یہاں آ گئے ہو۔ مگر یاد رکھو اس کی اہمیت کا احساس ہے۔ اگر اس کی اہمیت کا بھی کوئی احساس نہ ہوتا تو تمہارے دل میں اس کے خلاف یہ نفرت نہ ہوتی۔"

"ہاں میں اعتراف کرتا ہوں۔ ایک انسان نے مجھ سے میرا وقار چھین لیا ہے۔ میں اس کا خون پینا چاہتا ہوں۔"

"ضرور۔ ہر شخص کو اپنا وقار بحال کرنا چاہیے۔" میں نے جواب دیا اور پیتو سنگھ خاموش ہو گیا۔

سورج بادلوں کی اوٹ میں چھپ رہا تھا۔ موسم کچھ اور مست ہو گیا تھا۔ اسی وقت ہماری نگاہ سامنے کی طرف اٹھ گئی۔ گھنے درختوں کے جھنڈ کی آڑ لے کر کوئی باہر نکل رہا تھا۔ میں اور پیتو سنگھ رک گئے۔ یہ لباس اور یہ انداز اب ہمارے لیے اجنبی نہیں رہا تھا۔ ہم کشکا کو صاف پہچان گئے۔

"بھگوان کی سوگند۔ آج فیصلہ ہو جائے گا۔" پیتو سنگھ نے اپنی تلوار پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔

کشکا پُراطمینان انداز میں چلتا ہوا ہمارے سامنے پہنچ گیا۔ پیتو سنگھ کینہ توز نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"جے رام جی کی پیتو سنگھ۔"

"مجھے مہاراج کہو۔ میں راجہ ہوں۔"

"راجہ تو اب میں ہوں پیتو سنگھ جی۔ تاج و تلوار اور شاہی مہر کا مالک اس کے سوا راجہ کے پاس کیا ہوتا ہے؟"

"تمہاری گستاخیاں اب ناقابل برداشت ہو گئی ہیں۔"

"پہلے ہی آپ نے کون سا برداشت کیا تھا مہاراج۔ مجبوریوں کو دوسرا روپ دینا چاہو تو دوسری بات ہے۔"

"تم بے وقوف ہو۔ میں نے یہ سلطنت اتنی پھیلائی ہے۔ بڑے بڑے سورماؤں کا پتہ مجھ سے پانی ہوتا ہے اور تم۔ جو ہر کے میندک میرے سامنے بولنے کی جسارت کر رہے ہو۔"

"لوہے کو لوہا کاٹتا ہے مہاراج۔ میری کاٹ تم سے زیادہ بہتر ہے۔ دیکھو لوہیں نے بھرے دربار میں تم سے سب کچھ چھینا ہے۔ اگر تم اعتراف شکست تو دو۔ ایک راجہ کی بددیانتی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ پورن جی تم بھی گواہ ہو۔"

"چھننے اور چوری کرنے میں بڑا فرق ہے۔"

"میں ہر فرق کو مٹانے کے لیے تیار ہوں۔" کشکا نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"وہ میں بتاتا ہوں۔" کشکا نے کہا اور پھر اس نے اپنے لباس میں سے تاج نکالا اور ایک جگہ رکھ دیا۔ پھر اس نے مہر اور تلوار بھی اسی جگہ رکھ دی اور اپنی تلوار پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "گرمین میں ایک راجہ کی کالوسہ ہے تو آؤ نیلا کر لیں۔ ہار جاؤ تو یہ چیزیں جو تمہارے سر پر رکھی ہے، اتار کر ان چیزوں کے ساتھ رکھ دینا جیت جاؤ تو یہ سب واپس لے جانا اور

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

اس کے بعد میں بھی خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دوں گا اس ماں کا بیٹا ہوں اس کے نزدیک وجیہ بڑی حیثیت رکھتا ہے۔"

"باپ کون ہے تمہارا؟"

"تمہاری ہی طرح کوئی خود پرست جس کا مان شاید ٹوٹ گیا ہو۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ سب بیکار باتیں ہیں۔ کیا تم اپنے آپ کو اس کے لیے تیار نہیں پاتے؟" کشکا نے کہا اور پیتو سنگھ غضب کا شکار ہو گیا۔

"اس کی موت میرے ہی ہاتھوں آئی ہے تو سہی سہی۔" اس نے کہا اور تلوار کھینچ لی۔ اور پھر مجھ سے بولا "تم کسی طرح نہیں بولو گے پورن مہاراج۔ میں راجہ ہوں اور اپنا مان مجھے ہی رکھنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے پیتو سنگھ۔ اب تو ایک طویل تجربہ ہے تمہارے پاس۔" میں نے جواب دیا اور پیتو سنگھ تلوار کھینچ کر اس کے مقابل آ گیا۔ سیماب صفت کشکا نے بھی تلوار کھینچ لی اور مطمئن نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

دونوں ایک دوسرے پر وار کر رہے تھے لیکن کشکا کے وار محتاط تھے۔ وہ درمیان میں ہنس ہنس کر پیتو سنگھ کو غصہ دلاتا جا رہا تھا۔ "یہ۔ یہ لو مہاراج۔ گردن گئی۔ یہ ہاتھ گیا۔ گیا نا!" پیتو سنگھ دیوانہ ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے تجربے کا سارا رنگ آزما لیا تھا۔ لیکن اس کے مقابل ایک چھلاوا تھا۔ پیتو سنگھ اس سے ایک طویل وقت تک لڑتا رہا یہاں تک کہ تھک کر چور ہو گیا۔ اب اس سے تلوار بھی نہیں ہلائی جا رہی تھی۔ کشکا چاہتا تو اسے آسانی سے قتل کر دیتا۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ پیتو سنگھ کے چہرے پر اب شگفتگی پھیل رہی تھی۔ وہ مسکرانے لگا تھا۔ اور پھر وہ ٹہلتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا اور بالآخر اس نے تلوار دریا میں اچھال دی۔ اب وہ مسکرا رہا تھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ "اب کیا خیال ہے۔ پورن مہاراج۔ جیون کے اس حسین روپ کو کونسی نگاہ سے دیکھا جائے؟"

"ایک راجہ کی نگاہ سے۔" میں نے جواب دیا۔ اور پیتو سنگھ ہنس پڑا۔

"تو پھر پورن سنگھ۔ میں نے کشکا سے ہار مان لی ہے۔ یہ ایک راجہ کا اعلان ہے۔" اس نے کہا اور دونوں ہاتھوں سے اپنی پگڑی اتار لی۔ کشکا تلوار سنبھالے کھڑا ہوا تھا۔ پیتو سنگھ آگے بڑھا۔ لیکن درختوں کے عقب سے کوئی اور نکلا۔ اور اس طرف بڑھ آیا۔ پیتو سنگھ رک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ کوئی عورت تھی لیکن اس کا چہرہ بھی اسی طرح ڈھکا ہوا تھا۔

"تم کون ہو؟" پیتو سنگھ نے پوچھا۔

"ماں ہوں اس کی۔" عورت نے جواب دیا۔ اور پیتو سنگھ چونک پڑا۔

"شیرنی ہو۔ شیر کی اولاد معلوم ہوتا ہے۔ بڑا بھاگ تمہارے دودھ کا۔ مگر تم دونوں نے چہرے کیوں ڈھکے ہوئے ہیں؟"

"پیتو سنگھ جی۔ بیٹے اپنا وچن پورا کرو۔" کشکا بول پڑا۔

"ہاں۔ یہ پگڑی اب تمہارا قرض ہے۔" پیتو سنگھ جھکا لیکن عورت تڑپ کر آگے بڑھ آئی۔

"کشکا۔ پگڑی زمین نہ چھونے پائے۔ اسے۔ اسے اپنے پتاجی کے سر پر رکھ دو۔ چلو۔ تلوار پھینک دو۔ پگڑی زمین پر چھو گئی تو میرا دودھ نہیں معاف کروں گی۔" روپ کلی کی آواز میں ہلکی کھنک تھی۔ پیتو سنگھ ششدر رہ گیا۔

کشکا کے پگڑی سنبھال لی تھی۔ لیکن پیتو سنگھ کے حواس رخصت ہوتے جا رہے تھے۔ کشکا نے پگڑی دوبارہ پیتو سنگھ کے سر پر رکھ دی۔

"اب چرنوں میں جھک جاؤ ان کے۔" روپ کلی نے کہا۔

"تم... تم کون ہو دیوی۔ یہ تمہاری آواز۔ تمہاری آواز۔" پیتو سنگھ دیوانگی سے بولا۔ "تم۔ تم شکنتلا ہو۔ بھگوان کی سوگند تم شکنتلا ہو۔"

"ہاں مہاراج۔ میں شکنتلا ہوں۔ میں وہی ابھاگن ہوں۔" وہ غمزدہ آواز میں بولی۔

"شکنتلا۔ تم۔ تم زندہ ہو۔ مگر پورن مہاراج۔ یہ سب کیا ہے۔ تم نے تو کہا تھا۔ شکنتلا مجھے اپنا چہرہ دکھاؤ۔ اور۔ یہ۔ یہ کون ہے؟"

"آپ کا بیٹا کشکا۔"

"م۔ میرا بیٹا۔ میرا بیٹا۔ کیا کہہ رہی ہو شکنتلا؟"

"جو کچھ کہہ رہی ہوں مہاراج۔ اس کا ثبوت آپ خود ہیں۔ آپ کی یہ مالا ہے جسے میں نے جان کے ساتھ لگا کر رکھا ہے۔" شکنتلا نے ایک مالا نکال کر سامنے کر دی۔

"چہرہ تو کھولو شکنتلا۔ آہ۔ میں۔ میں مر جاؤں گا۔ میں شکنتلا۔ میں جیون کی کسی سانس تمہیں نہیں بھول سکا۔ تمہاری آواز ہی تو میرا جیون تھی۔ اس آواز کی بازگشت ہر لمحہ میرے کانوں میں رہی ہے۔ شکنتلا چہرے سے نقاب اٹھاؤ۔"

پیتو سنگھ نے آگے بڑھ کر خود شکنتلا کے چہرے سے کپڑا اٹھا دیا۔ اس نے حسرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا اور ایک لمحے کے لیے ساری جان سے لرز گیا۔ "روپ۔ کلی۔!" وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"ہاں راجہ پیتو سنگھ۔ سکھ راج کی بیٹی روپ کلی۔"

"یہ۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے۔"

"اسی طرح پیتو سنگھ جس طرح تم نے ایک نارنگ سے اپنے ایمان کا بدلہ لینے کے لیے اس کے سارے جیون میں انگارے بھر دیے تھے۔"

"مگر تم روپ کلی ہو یا شکنتلا؟"

"اس کا جواب پورن مہاراج دیں گے۔" روپ کلی بولی۔

"ہاں پیتو سنگھ۔ یہ روپ کلی ہے اور یہی شکنتلا ہے۔"

"مگر کیسے مہاراج؟"

"تم نے بھی ہو کر روپ کلی کے محل ہی میں پہنچے تھے۔ وہاں اس نے شکنتلا کی حیثیت سے تمہاری خدمت کی اور تم اس کی کوکھ میں اپنا پھل چھوڑ آئے۔ یہ ایک کمزور لڑکی کی فتح کے اسباب تھے جس میں میں نے اس کی مدد کی۔ روپ کلی نے چوبیس سال کے بعد اپنا کہا پورا کر دکھایا ہے۔"

"پورن جی۔ تم نے۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟"

"ستاروں کا یہی کہنا تھا پیتو سنگھ۔ تم مجھ سے کوئی سوال نہ کرو۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔ اور پیتو سنگھ غصے سے کھولتا رہا لیکن پورن میں مجھے اس کے غصے کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی۔

"میں نہیں جانتا ستاروں کے اس کھیل کو۔ یہ سازش ہے۔ تم مجھے جان بوجھ کر اس محل میں لے گئے اور پھر اسے شکنتلا بنا کر۔ ہاں آپ ہی نے مجھے اطلاع دی تھی کہ آپ نے شکنتلا اور اس کی ماں کی لاش دیکھی ہے۔"

"ہاں پیتو سنگھ۔ تم راجہ تھے۔ تم نے طاقت کے بل پر ایک کمزور لڑکی کو زندگی سے محروم کر دیا۔ میں اس کی اتنی مدد بھی نہ کرتا؟"

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا پورن جی۔ یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔"

"میں آپ سے کچھ نہیں چاہتے پیتو مہاراج۔ بھگوان نے میرا مان پورا کر دیا۔ تمہیں منہ کی کھانی پڑی۔ اب ہم دونوں ماں بیٹے کو آگیا دو۔ وہ پڑا ہے تمہارا تاج اور تلوار۔ آتے تھے اس کے بل پر۔ آؤ کشکا۔"

روپ کلی نفرت سے بولی۔ کشکا نے بھی اب چہرہ کھول دیا تھا۔ وہ ہو بہو پیتو سنگھ کی جوانی کی تصویر تھا۔ پیتو سنگھ نے اسے دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔ کشکا ماں کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اور پھر وہ دونوں واپس پلٹ پڑے۔

"شکنتلا۔" پیتو سنگھ نے بھرائی ہوئی آواز میں پکارا۔

"میرا نام روپ کلی ہے مہاراج۔ سکھ راج کی بیٹی ہوں۔ آپ کو بھول رہی ہے۔"

"روپ کلی۔" پیتو سنگھ آگے بڑھ کر اس کے سامنے پہنچ گیا۔ "میں تیرا اپرادھی ہوں مگر مجھے معاف کر دو روپ کلی۔"

"اب کیا چاہتے ہیں مہاراج؟"

"میں نے تمہیں جیون بھر دکھ دیے ہیں روپ کلی۔ مگر تم نے مجھے کشکا دیا ہے۔ سوتکے وہاں پھر سے ہرے ہو گئے ہیں روپ۔ جو کچھ دیا ہے اسے دھیرج سے۔ میں تمہیں روکنے کا ادھیکار نہیں رکھتا۔ لیکن، لیکن روپ کلی ہو سکے تو مجھے تنہا مت چھوڑو۔"

پیتو سنگھ کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ روپ کلی اسے دیکھتی رہی پھر وہ اس کے چرنوں میں جھک گئی۔ میں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ۔ ہٹا اور پھر میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ میں تو آزاد تھا پروفیسر کسی انسان کی محبت میرے پیروں کی بیڑی نہیں بن سکی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو میں بھی اپنا وجود کھو بیٹھتا۔ لیکن میں نے وہ بستی نہیں چھوڑی۔ میں نے اس ڈرامے کے آخری مناظر بھی دیکھے۔

پیتو سنگھ، روپ کلی اور اپنے بیٹے کو لے کر محل میں آ گیا۔ اس نے چاروں طرف میری تلاش شروع کر دی تھی۔ پھر مایوس ہو کر میں واپس چلا پڑا۔ لیکن میں دیکھ رہا تھا۔ پیتو سنگھ نے دربار عام بلایا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"مگر بابو۔ چوبیس سال پرانی بات ہے جب میں نوری بستی گیا تھا۔ وہاں میں نے روپ کلی کی رانی روپ کلی کو دیکھا اور میرا دل اس پر آ گیا۔ وہ ایک کھری ذات کی لڑکی تھی۔ میں اسے اٹھا لایا۔ پر اس نے مجھے نہ مانا اور میرا مان توڑنے کی کوشش کی سو [illegible] نے اس سے دغا کر لیا۔ اس نے کہا کہ میں نے راجہ ہونے کا فائدہ اٹھایا [illegible] مگر وہ میرا مان اس طرح توڑے گی کہ مجھے میری ہی اولاد کے ہاتھوں [illegible] ے گی۔ تو نگر بابو۔ میں نے اسے ایک ٹھگ محل میں قید کر دیا۔ اور کھری [illegible] والے کا خون کھری ہوتا ہے۔ میرے بیٹے کشکا نے مجھ سے تاج [illegible] رنی اور پھر میری تلوار بھی چھین لی اور پھر اس نے مجھ سے جنگ کر کے مجھ کو شکست دی۔ اور خود کو راجہ ثابت کر دیا۔ اس طرح کلوندی کے باسیو پیتو سنگھ کو شکست ہوئی۔ میں شکست مانتا ہوں اور آج تمہارے سامنے یہ تاج روپ کلی کے لیے کشکا کے سر پر رکھتا ہوں۔ کل سے نئے راجہ کی خوشی میں جشن سنائے جائیں گے۔ پیتو سنگھ اب ہارا ہوا جواری ہے۔ پورن کشکا مہاراج کی جے۔"

اور چاروں طرف جے جے کار گونجنے لگی۔ اس کے بعد پروفیسر میرے یہاں رکنے کا کیا جواز تھا۔ میں نے عوام کے ہجوم میں شامل ہو کر یہ کارروائی دیکھی تھی اور پھر خاموشی سے وہاں پلٹ پڑا۔ اب اس سرزمین سے نکلنا ہی بہتر تھا تو یہی پروفیسر کشکا کی کہانی۔"

اور ایک چنا کے ساتھ صدیوں کا طلسم ٹوٹ گیا۔ وہ سب کچھ لگا ہوں سے اوجھل ہو گیا۔ فرزاں اور فرزانہ اچھلوں کی طرح ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہی تھیں۔ اور وہ سکرا رہا تھا۔ تب پروفیسر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"بڑا لطف تمہاری داستانوں میں ہے۔ وہ کہیں اور کہاں۔ آہ دیکھنے والے کاش تیری آنکھیں ہمیں مل جاتیں۔ زمین پر رہنے والے کیسی کیسی خوبصورت داستانیں سمیٹے ہوئے ہیں کاش۔ یہ داستانیں ہماری نگاہوں میں ہوتیں۔ تو نے کیا کیا دیکھا۔ ہمیں بھی سب کچھ معلوم ہوتا تو کیا خوش نصیبی تھی۔"

"وقت کائنات کا سب سے عظیم داستان گو ہے۔ لیکن سننے والے بھی تو لوگ ہو۔ جن کی دلچسپی مجھے حیرت میں مبتلا کرتی ہے۔ کیا تمہارا ذہن کسی کا شکار نہیں ہوا؟"

"ہرگز نہیں بلکہ جب کسی داستان کا طلسم ختم ہوتا ہے تو چاروں طرف ویرانی پھیل جاتی ہے اور ہمیں یوں لگتا ہے جیسے ہم سب کچھ کھو بیٹھے ہوں۔"

"کیا ہم ان دونوں لڑکیوں کو توڑ پھاڑ کے یہاں سے لے جاؤ گے پروفیسر؟"

"ہم سب ایک دوسرے کے وجود سے آزاد ہیں کیونکہ اب ہم انسان نہیں۔ ہم تو ماضی کے پرستار ہیں۔ ہمیں خود میں شامل رکھو اور ہمیں ان داستانوں میں گم رہنے دے۔"

"تو اب بتاؤ کہاں جانے کے خواہشمند ہو؟"

"پھر کوئی طلسمی فضا ہو۔ کوئی حسین ماحول۔ پھر کوئی روح پرور داستان جاگتا قیامت ہے۔ ہمارے ذہنوں کو ماضی کے دھارے بخش دے کہ یہ

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

کہانیاں جاں بخش ہیں اور تیری آواز روح کا سرور۔ پروفیسر خاور نے کہا اور وہ مسکرانے لگا۔ اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوب گئیں۔ پھر اس کی جاں گداز آواز ابھری۔

صدیوں کے بیتے ہوئے ماہ و سال انسانی زندگی میں انوکھے تغیر اور تبدیلیاں لاتے رہے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ ہواؤں کی نمی مٹی کی خوشبو اور موسم کے تغیرات سے شعور پانے والے اس وجود نے خود میں بے پناہ قوتیں سمیٹی ہیں اور قوتیں کائنات میں تسخیر کی جاتی ہیں کہ آج دیکھ کے دیکھو ذہن سوچ سکے۔ وجود اور عمل ہو تو باقی نہیں یاد ہوگا پروفیسر کہ چند دانشوروں نے بلاشبہ علم و دانش میں تحقیق کی ایسی ایسی کوششیں کیں کہ اگر جادو نہ ہوتی ایک قوت ان کی ذات پر اور اس کا منشور موت و زیست نہ ہوتا تو وہ کائنات کی کتب کھول چکے تھے کچھ نہ میری حیات کا تجزیہ کرتے ہوئے خود بھی میرے سفر میں شریک ہونے کی کوشش کی تھی اگر وہ حقیقت سے واقف ہو جاتے تو شاید یہ کوشش نہ کرتے کہ لمحے فنا نہیں ہوتے خواہ انہیں آگ میں ڈالو۔ مٹی میں دبا دو یا پانی کی گہرائی میں۔ لیکن لمحوں کی تشکیل فنا ہو جاتی ہے جیسا کہ ثبوت موجود ہے تمہارے سامنے۔ یعنی سلانوس کا وہ دانشکدہ جس کے مکین ماضی حال اور مستقبل بند ہے کے ہوتے ہیں اور سلانوس فانی تھا۔ اس کا دانشکدہ بھی فانی ہے اور کوئی نازک زلزلہ زمین کا تغیر نمودار ہو جائے تو سب کچھ بکھر ہو جائے۔ ٹوٹنے والی چیز صرف خیال ہے اور خیال کی قوت لافانی۔ لیکن انسان کو خیال ہے اور آتی دور پہنچ گئے کہ گمان ہوتا تھا ہدیت پانے کا لیکن ان کی ذات کی ایک کمی ہمیشہ قائم رہی یعنی وہ سانسوں پر قادر نہ تھے اور جو قادر ہے وہ ترکیب جانتا ہے اور اس ترکیب سے اس نے ایک جنبش کی اور یہ جنبش اس طور بے لیاقت کی قاتل بن گئی جس کے تحت سوچ لیا گیا کہ لافانی قوتیں حاصل ہو گئی ہیں۔ سو میری بات چھوڑو۔ میری شکیل ہی اس خیال کا نتیجہ ہے جسے لیشیہ نے غلط سمجھ لیا تھا۔ اور اس نے اپنا خیال مجھے ہی تصور کیا تھا یعنی بار ہا تمہارے ذہن میں یہ خیال گندلہ ہوگا کہ انسان نے کوئی قوت بھی حاصل کی جو لافانی بن گئی ہو۔ لوگوں نے پہنچنے والوں کا ذکر کیا ہے جو بہت دور تک جا سکے لیکن کوئی جگہ انہیں ایسی نہ مل سکی جہاں وہ آخری لمحات کو شکست دے سکتے۔ لیشیہ اتنی خیال کی حامل تھی اور لیلیٰ کھجور و فصیر کے عورتوں میں وہ عورت میرے ذہن کا وہ نقش ہے جو ماضی کے اوراق میں ہمیشہ جاوداں ہے۔

"لیشیہ کون تھی؟" فرزین نے پوچھا۔

"یونان کے ایک پسماندہ گھرانے میں پیدا ہونے والی ایک لڑکی۔ جس نے تاریخ یونان میں تو شہرت حاصل نہیں کی لیکن دیکھنے والی آنکھ نے اسے بہت دور تک دیکھا۔ قدیم یونان کی تاریخ میں ایجی کی تہذیب کا ذکر بطور خاص آتا ہے اس کا مرکز جزیرہ کریٹ تھا۔ کریٹ کے باشندے تند خو اور جاں فروش تھے۔ خطے کی آب و ہوا نے انہیں جسمانی توانائی بخشی تھی۔ اس کے علاوہ کریٹ کو سمندر نے ایک طرف سے بیرونی حملوں سے محفوظ کر دیا تھا صحت مندی فارغ البالی اور پرسکون آب و ہوا نے کریٹ کے باشندوں کو فتح و تسخیر اور بحر نوردوں کا ذوق و شوق بخش دیا تھا۔ یہ جزیرہ مشرقی بحیرہ روم کو قطع کرنے والے عام راستوں پر واقع تھا ساتھ ہی ایشیا، افریقہ اور یورپ سے اتنا قریب تھا کہ پیچیدہ ملاح ابتدائی دور کی کشتیوں پر سوار ہو کر مصر، فینیقیہ اور یونان پہنچ سکتے تھے۔

جزیرے کی جغرافیائی حیثیت ایسی تھی جس کے باعث جزیرے کے باشندوں نے طبعاً تجارت اور بحری قذاقی اختیار کر لی تھی۔ جب تانبے اور برنج کی ساخت کا فن فینیقیہ یا ایشیائے کوچک کے دوسرے حصے سے کریٹ پہنچا تو وہاں تہذیب کا آغاز ہو گیا۔ مصر کی طرح کریٹ میں بھی مطلق العنان بادشاہی کا دور شروع ہو گیا۔ ان بادشاہوں کو بندی پیشوائی بھی حاصل تھی اور وہ ایک مرکزی نظام کے تحت کاروبار حکومت چلاتے تھے۔ پھر جب کریٹ کی قوت عروج پر پہنچ گئی تو اس نے بحری سلطنت قائم کر لی جس میں بحیرہ ایجہ کے جزیرے بھی شامل تھے اور ایشیائے کوچک اور یونان کے سواحل کی بیرونی چوکیاں بھی۔

تہذیب و ترقی کے کارنامے ان لوگوں کے لیے اہم نہیں تھے جو یونان کے باغوں میں جو اور گندم کے علاوہ پھل انگور اور شہد پیدا ہوتا تھا گوشت بہت کم تھا کیونکہ بہترین کسی قطعے نخلے کی کاشت کے لیے وقف تھے، صرف پہاڑوں کی ڈھلانوں پر گائیں تھیں۔ وہاں بھیڑ بکریوں کے بہت کم ریوڑ رہ سکتے تھے۔ کیونکہ مویشی ان ڈھلانوں پر چڑھ نہیں سکتے تھے۔ لیکن جو صلاحیت لوگ کشتی رانی سے تعلق رکھتے تھے۔ ساحل کے دندانہ دار ہونے کی باعث اور جزیروں کی کثرت کے سبب کشتیوں کو جگہ جگہ پناہ ملی کی تھی، موسم گرما کشتی رانی کا خاص دور ہوتا تھا اس موسم میں تباہی خیز طوفان بہت کم آتے تھے۔ کشتیاں سینکڑوں میل دور نکل جاتی تھیں اور زمین ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوتی تھی۔ ایسے ہی ماہر ملاح سفر کیا جاتا تھا جن میں بادبان ہوتے تھے یا جنہیں چپوؤں کے ذریعے چلایا جاتا تھا۔ بعض اوقات دونوں چیزوں سے بیک وقت کام لیا جاتا تھا۔ یہ سفر خشکی کے راستے پہاڑ پر چڑھنے اور اترنے کے مقابلے میں زیادہ ارزاں اور آرام دہ تھا۔ غیر مسافت جلد طے ہو جاتی تھی، چنانچہ یونانیوں نے بحری تجارت کا ایک عمدہ اور سرگرم نظام قائم کر لیا تھا۔ یونان اور ایشیائے کوچک سے روغن زیتون اور شراب پہاڑوں کے ذریعے سے دور دور کے ملکوں میں پہنچائے جاتے تھے جہاں وہ ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوتے اور ان کے بدلے میں دھاتیں، غلہ اور دیگر ضرورت کی دوسری چیزیں حاصل کی جاتی تھیں۔

جن دنوں کا میں ذکر کر رہا ہوں پروفیسر وہ اہل یونان اور اہل ٹرائے کے درمیان جنگ ہونے کے بعد کی کہانی ہے۔ یہ جنگ گیارہ سو ستر قبل مسیح میں ہوئی تھی اور یہ انہی مہمات کا ایک جز تھی جو یونانیوں کو ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ جزائر ایجہ کی تہذیب کی بیرونی چوکیوں سے پیش آئی۔ ایگا میمنون اور بہترین یونانی بہادر لیسینز کے درمیان جھگڑا ہوا تھا اور وہ روٹھ کر اپنے خیمے میں جا بیٹھا تھا۔ چنانچہ لڑائی میں یونانیوں کی حالت پتلی ہو گئی تھی۔ اسی اثنا میں شاہ ٹرائے کا بیٹا ہیکٹر پیٹروکلس کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا جو اکیلیز کا بہترین دوست تھا۔ زندہ اکیلیز نے انتقام میں ہیکٹر کو قتل کر ڈالا۔

یہ دور یونانی دیوتاؤں کا دور تھا۔ ان یونانی دیوتاؤں کا وسیع خاندان کوہ اولمپس کی برفپوش بلندیوں پر رہتا تھا۔ یہ پہاڑ یونانیوں کے شمالی کنارے پر ہے۔ دیوتاؤں کے خاندان پر زیوس اور اس کی بیوی ہیرا کی حکومت تھی۔ یہ دیوتا انسانی معاملات میں مداخلت کرتے رہتے تھے پوسیڈن سمندروں کا دیوتا تھا اس نے اوڈیوس کو جابجا سرگرداں پھرایا۔ خود یونیوں نے اکیلیز کی حمایت کی جو تھیٹس نام کی ایک دیوی کا بیٹا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ایگا میمنون سے جھگڑنے کے بعد اکیلیز روٹھ کر اپنے خیمے میں جا بیٹھا تھا۔ جب اکیلیز ہیکٹر کو قتل کرنے کے لیے نکلا تو اسے ہفائیسٹس نے ہتھیار فراہم پہنائے تھے جو اسلحہ سازی کا دیوتا تھا۔ جب اکیلیز ہیکٹر کی لاش کو ٹرائے کی فصیل کے اردگرد گھسیٹ رہا تھا تو پھر دیوتاؤں نے مداخلت کی اور کہہ سن کر اسے راضی کر لیا کہ ہیکٹر کی لاش مناسب تدفین کے لیے اہل ٹرائے کے حوالے کر دی جائے۔

میری اس تفصیل سے پروفیسر تم نے اس دور کے یونان کا اندازہ لگا لیا ہوگا جس کا میں تذکرہ کر رہا ہوں۔ گویا یہ دور توہمات اور دیوی دیوتاؤں کا دور تھا، ہر چیز پیدائش کی حکمرانی تھی۔ ان کے آپس کے جھگڑے بڑی اہمیت رکھتے تھے اور اہل یونان ان میں باقاعدہ ملوث ہو کر رہتے تھے۔ دیوتاؤں کے ساتھ غیر معمولی گہرے روابط پر یونانی کس وجہ سے استوار تھے۔ مظاہر فطرت میں جو چیزیں تحیر خیز اور دہشت انگیز تھیں یا انسانوں میں جو جذبات برہمی پیدا کرتے تھے ان کا اطمینان بخش حل یونانیوں کو دیوتاؤں میں مل گیا تھا، وہ سورج کی حرکات کو اپولو سے منسوب کرتے تھے اور سمندر میں جو طوفان آتے تھے ان کا انتساب پوسیڈن سے ہوتا تھا۔ انسانی عقل و حکمت کی دیوی ایتھینا تھی۔ ٹرائی میں فتح، جنگ کے دیوتا ایریز کی برکت سے حاصل ہوتی تھی اور محبت میں کامرانی کا ذریعہ افروڈائٹ تھا۔

یہ دیوتاؤں کا کوئی مکمل خاندان نہیں تھا۔ بلکہ سرکش، حریف اور جھگڑالو افراد کا ایک گروہ تھا جو اس سلسلے میں کچھ خاص قوتیں حاصل کر چکا تھا اور ان قوتوں کو غیر فانی سمجھا جاتا۔

دیوتا کا یہ حال تھا اور عام افراد طاقت کا لوہا مانتے تھے۔ جو جتنا طاقتور ہوتا اتنے ہی بہتر وسائل اور اتنی ہی عزت کا حقدار رہتا تھا۔ بحری قذاقی عام تھی اور کمزور افراد کے لیے کوئی بہتر چارہ پناہ نہیں تھی۔ ان کی تقدیر میں موت اور ذلت در سوائی لکھی ہوئی تھی۔ ہر جگہ ظلم و بربریت کے مظاہرے نظر آتے تھے۔ ہر شخص دوسرے کو شک و شبہے کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ دراصل اہل یونان اور اہل ٹرائے بالکل اپنے دیوتاؤں کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ اس سلسلے میں یونانی ادبیات شہری ریاستوں کی شدید خانہ جنگیوں اور تباہ کن رزم آرائیوں سے لبریز ہیں۔ یونان کی سیاسی پائیدار زمین کی شدید ضرورت اور حملہ آوروں کی روایتی نزاع کا نتیجہ تھا — یہ نزاعات بعض اوقات سخت خونریزی کا موجب ہوتے تھے اور بعد میں ان ہی کی وجہ سے یونان بہت سی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا۔

دیوتاؤں کی مشیتیں الگ تھی۔ ہیرا نے زیوس سے شکایت کی۔ "کیا آپ میریز کے کارناموں پر خاموش رہیں گے جس نے اہل ٹرائے کی مدد کی ہے۔ اگر میں اس کے خلاف کوئی قدم اٹھاؤں تو برائی میں شمار کیا جائے گا۔"

بادلوں کو سمیٹنے والے زیوس نے کہا "اس بارے میں یقیناً سے بات کر وہ خوب سمجھتی ہے کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ میں تجھ سے کچھ نہ کہہ سکوں گا۔" تب ہیرا نے ریوسیریز سے کہا "یونان کے جوانمرد تو میریز یا کسی دوسرے غیر فانی سے کیوں ڈرتا ہے۔ اٹھو اور میریز پر کاری ضرب لگاؤ کہ وہ بدخو اور وعدہ خلاف ہے۔ اس نے کہا تھا کہ میں اہل ٹرائے سے جنگ کروں گا۔ اور یونانیوں کی مدد کروں گا مگر اس نے اہل ٹرائے کا ساتھ دیا۔"

ریوسیریز اپنے رتھ پر سوار ہو کر چل پڑا۔ اور ایک خونریز لڑائی کا آغاز ہو گیا جو چند افراد کے قتل اور پھر ان لوگوں کی صلح پر ختم ہوئی۔ اس پرفضا ماحول میں یونانی زندگی بسر کر رہے تھے۔

ماحول کی دھند میں لپٹا ہوا میں ایک ایسے خطے کی جانب جا نکلا جس کے بارے میں مجھے کوئی خاص اندازہ نہیں تھا۔ طویل سفر کے بعد میری چھوٹی سی جو سیدہ کشتی ایک ساحل سے جا لگی جو دندانہ دار تھا اور جس کے ایک سمت سخت کائی زدہ لیکن موٹے اور مضبوط شہتیروں سے جہازوں کا سامان اتارنے کی جگہ بنائی گئی تھی۔ مضبوط شہتیروں کے نزدیک ایک بادبانی جہاز لنگر انداز تھا جس پر سے بے شمار مزدور شراب کے بڑے بڑے پیپے اور پانی کے بنے ہوئے توکرے اتار رہے تھے۔

اس بار پروفیسر میں نے ایک زمانہ سمندر کے سینے پر گزارا تھا اور انسانوں سے دور رہا تھا اس لیے خود کو انسانوں کے درمیان پا کر مجھے بے حد خوشی ہوتی تھی۔ میں نے اپنی کشتی کا پیوستہ فاصلہ بھی دور کر دیا اور خود بھی اس جہاز کے نزدیک پہنچ گیا۔ چند طاقتور تو انا لوگ ہاتھوں میں رسیوں کے کوڑے لیے مزدوروں کی نگرانی کر رہے تھے اور جب بھی کسی مزدور کے قدموں میں لغزش ہوتی یہ کوڑے مار مار کر اسے دور کر دیتے۔

ایسی ہی مار کا شکار ایک بوڑھا مزدور مدھ شراب کے وزنی پیپے کے میری کشتی میں آگرا اور چھوٹی سی کشتی جو پہلے ہی ماہ و سال کے سفر اور سمندری نمک سے بوجھل ہوا ڈول سے تنگ آ کر عرشہ تک آ چکی تھی۔ چیخ کر الٹ گئی۔ بوڑھا مزدور تو سمندر کی گہرائیوں میں روپوش ہو گیا ایک شراب کا ڈھول سمندر پر تیرنے لگا۔ میں اتنی دیر نہ رفیق سے فرو ہو چکا تھا۔ اور اس کے ٹوٹ جانے پر افسوس بھی نہیں کر سکا تھا کہ چند افراد نے مجھے اوپر سے آواز دی۔

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

"ایک بوڑھے اور بدخو انسان کی زندگی اتنی قیمتی نہیں ہوتی کہ تو اس کا ماتم کرے۔ نہ ہی لکڑی کی بوسیدہ کشتی اس شراب کے پیپے کی قیمت رکھتی ہے۔ اس لیے تو سوچنے کے بجائے اس پیپے کو اپنے شانوں پر سنبھال اور باہر نکل آ۔" ایک کوڑا بردار نے کہا اور میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔

انسان جوں کا توں میرے سامنے آیا تھا لیکن سمندر کی طویل زندگی نے مجھے معاملت کی طرف راغب کر دیا اور میں نے شراب کا وزنی ڈھول اپنے کاندھے پر لاد لیا پھر تیرتا ہوا لخت لخت سیڑھیوں تک پہنچ گیا۔ وزنی برتن کندھے پر اٹھائے ہوئے میں اوپر پہنچ گیا۔ اور مجھے ایک سمت کا راستہ بتا دیا گیا۔ شراب کے پیپے جہاں جمع کیے جا رہے تھے وہاں بھی چند لوگ موجود تھے یہ اسرار تھے جن کا مال اس جہاز سے آیا تھا جن کا مال اس جہاز سے آیا تھا۔ ایک جنگاوری بوڑھے لوگوں کے ایک گروہ میں موجود تھا اس کی آن بان دیکھنے کے قابل تھی۔ میں نے پیار کھا اور سیدھا ہوا ہی تھا کہ مجھے ایک آواز سنائی دی۔

"نلی پس۔ ذرا اس غلام کو دیکھو۔ کتنا خوبصورت جوان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پولی فاس اسے میرے لیے لایا ہوگا۔ اے جوان ادھر آؤ۔" اس بار اس نے مجھے مخاطب کیا۔ اور میں اس کے پاس چلا گیا۔ "کیسا نام ہے تمہارا؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "غلام۔"

"میں نے نام پوچھا ہے۔" بوڑھے نے کسی قدر ناگوار لہجے میں کہا۔

"غلاموں کا اپنا کوئی نام نہیں ہوتا۔ آقا انہیں جو نام بھی دے دیں۔" میں نے نیاز مندی سے کہا۔ اور بوڑھا خوش ہو گیا۔

"واہ۔ آقا اس پر اتنا بھروسہ کرنے والے مجھے پسند ہیں۔ بس بس۔ تم ان لوگوں کے درمیان نہ جاؤ۔ افیئس کے غلام بار برداری نہیں کرتے یہاں کھڑے ہو جاؤ۔" اور میں نے گردن ہلا دی۔ پھر میں اس کے اشارے پر ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔

اسی وقت چابک بردار وں میں سے دو میری طرف آئے۔ اور ان میں سے ایک میری گردن دبوچ کر بولا۔ "یہاں کیوں کھڑے ہو گئے نمک حرام۔ کام کرتے ہوئے دم نکلتا ہے؟"

"چلو۔ پیپے اٹھاؤ۔"

"اے تم اندھے ہو۔ تم نے نہیں دیکھا کہ وہ میرے غلاموں کی صف میں کھڑا ہے۔" افیئس نے غراتے ہوئے کہا۔

"یہ جہاز کا بار بردار ہے تمہارا غلام نہیں۔ سمجھے تم۔ اور تم ابھی تک یہاں کھڑے ہو۔" ان میں سے دوسرے نے رسی کا چابک ہلاتے ہوئے کہا۔ اور پھر ایک چابک میری پشت پر رسید کر دیا گیا۔ بس غضب ہو گیا۔ افیئس کے جانبازوں نے چابک والوں پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے بھی تلواریں نکال لیں اور جنگ ہونے لگی۔ چابک والوں کے ساتھی بھی آ گئے اور بندرگاہ پر خون بہنے لگا۔ بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے تھے۔ پھر مداخلت کاروں نے اس جنگ کو ختم کرایا لیکن افیئس کا پلہ بھاری رہا تھا۔

اس نے مجھے نہیں چھوڑا۔ یوں یہاں میرا پہلا قدم خونریزی سے بھرا ہوا تھا۔

افیئس نے مجھے اپنے رتھ پر پیچھے بٹھا لیا اور رتھ چل پڑا۔ حسن یونان کھرا پڑا تھا۔ ہر طرف رنگ رلیوں کا دور دورہ تھا۔ تو میں جب عروج کی جانب سفر کر رہی ہوتی ہیں تو ان کی یہی کیفیت ہوتی ہے تاکہ زوال کے راستے آسان ہو جائیں۔

افیئس شراب کا بہت بڑا تاجر تھا۔ اس کا خوبصورت مکان بیشمار ملازموں سے بھرا ہوا تھا اور بے حد وسیع اور کشادہ تھا۔ مکان کے احاطے احاطے میں خوبصورت باغیچے لہلہا رہا تھا جس میں پھل اور پھول بکھرے ہوئے تھے، باغیچے میں ایک سفید مرمر کا حوض بنا ہوا تھا جس میں رنگین پانی بھرا ہوا تھا۔ گویا عیش و عشرت کے تمام سامان یہاں موجود تھے۔ مجھے چونکہ وہ بڑی چاہ سے لایا تھا اور اس نے مجھے اپنا غلام تصور کر لیا تھا میرے حصول کے لیے چونکہ اسے خون بھی بہانا پڑا تھا اس لیے میری بڑی عزت ہوتی اور مجھے محل میں خاص جگہ بھیج دیا گیا، جہاں لوگوں کو ہدایت کر دی گئی کہ مجھے سجا سنوار کر اس کی غلامی میں پیش کر دیں۔

غلاموں کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات تو مجھے تھیں مگر میں ان کا اصل مصرف نہیں جانتا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ حالات کا یہ رخ خاصا دلچسپ ہے، نجانے مجھے کیا کچھ کرنا ہو گا ویسے اب تک میں نے جو کچھ دیکھا تھا اس میں غلاموں کا کام تو صرف غلامی ہی تھا۔ افیئس مجھ سے کیا چاہتا ہے؟

دلچسپ بات تھی پروفیسر میں ہر طرح سے بن سنور کر تیار ہو گیا اور پھر رات کو مجھے افیئس کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔

جس جگہ مجھے لے جایا گیا تھا یہ افیئس کے محل نما مکان کا عقبی حصہ تھا۔ یہاں بھی حسین باغ لگا ہوا تھا، جہاں جا بجا سبز گھاس لہراتی تھی اور اسی سبز گھاس پر نہایت خوبصورت تخت بچھا ہوا تھا۔ اس حسین تخت پر افیئس دراز تھا۔

تخت کے سامنے ایک گہرا اور لمبا حوض بنا ہوا تھا میں نہیں جانتا تھا کہ اس حوض میں کیا ہو رہا ہے۔ حوض کے کنارے پر دوشیزائیں نظر آ رہی تھیں۔ میں افیئس کی خدمت میں پہنچ کر سینے پر ہاتھ باندھ کر جھکا۔ ان لڑکیوں کا مخصوص انداز میں نے دیکھ لیا تھا اور افیئس نے مسکرا کر مجھے دیکھا۔

تب میری نگاہ حوض پر پڑی۔ میں نے محسوس کیا کہ حوض میں لڑکیاں تیر رہی ہیں۔ بالکل ان رنگ برنگی مچھلیوں کی مانند جو اس قسم کے حوض میں نظر آیا کرتی ہیں۔ ان کا انداز نرالی بھانے والا تھا۔ ان میں سے اکثر گردنیں باہر نکالتیں اور ان کے سر سے رنگین پانی بہنے لگتا۔ ایک عجیب سی مہک پھیلی ہوئی تھی اور تب مجھے اس مہک کا راز معلوم ہو گیا۔ حوض میں شراب بھری ہوئی تھی۔

افیئس کے یہ شاہانہ انداز دیکھ کر میں انگشت بدنداں رہ گیا تھا۔ یہ تو ایک امیر کا محل تھا۔ نجانے اس کے علاوہ یہاں اور کیا کچھ ہو۔

"دنیا کے حسین غلام۔ کیا تجھے افیئس کی عیش گاہ پسند آئی؟"

"یہ عیش گاہ شہنشاہوں کی عیش گاہ سے کسی طرح کم نہیں۔ میں تو حیران ہوں۔"

"تیرا حسن نگاہوں کو خیرہ کرتا ہے۔ یہ چاند جیسی رنگت تو نے کہاں سے پائی؟"

"میں نہیں جانتا افیئس۔"

"تیرے انداز بھی غلاموں کے سے نہیں ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے تیری تشکیل دیوتاؤں کی نگاہ خاص سے ہوئی تاہم تو مجھے پسند ہے۔"

"میں شکر گزار ہوں افیئس۔"

"افیئس کو آقا کہہ۔ میں تیرا مالک ہوں۔ اگر تو اس نام سے مجھے مخاطب کرتا رہا تو دوسرے لوگ مجھے تعجب سے دیکھیں گے۔"

"مگر میں تیرا غلام نہیں ہوں افیئس۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"نہ ہی میں اس جہاز سے آیا ہوں جس میں سے شراب اتاری جا رہی تھی۔ میں نے تو ایک چھوٹی سی کشتی سے سفر کیا اور یہاں پہنچا۔ جو کچھ بھی ہوا غلط فہمیوں کے دوران ہوا۔"

"اور کیا تو مجھے میرے لیے نہیں لایا گیا؟"

"ہرگز نہیں۔"

"لیکن یہ بات تو نے مجھے بندرگاہ پر نہیں بتائی تھی۔"

"میں تیری دوستی کا طالب تھا افیئس۔"

"تو دھوکہ باز ہے۔ میں نے تیرے لیے خونریزی کی ہے اور اب اگر لوگ یہ معلوم ہو جائے تو میرا غلام نہیں ہے تو مجھ سے باز پرس ہو گی۔"

"تو اگر چاہے تو لوگوں سے کہہ دے کہ میں تیرا غلام ہوں۔ میں تردید نہیں کروں گا۔ لیکن میں تجھے آقا نہیں کہوں گا۔"

"یہ بڑی پریشانی کی بات ہے۔ کیونکہ یہ راز چھپا نہیں رہ سکتا۔ جلد یا دیر لوگوں کو ضرور معلوم ہو جائے گا کہ میں نے زیادتی کی ہے۔"

افیئس نے کہا اور ایک حسینہ کو اشارہ کیا۔ لڑکی نے جام بھر کر مجھے پیش کیا اور میں نے وہ جام قبول کر لیا۔

"غلاموں میں سب سے افضل کو دوستوں میں شامل ہے۔"

"کیا نام ہے تیرا؟"

"شلابات۔ اور تو کون ہے؟"

"سرزمین یونان پر تو مجھے کوئی بہتر نام دے۔"

"کیا مطلب۔ خود تیرا کوئی نام تو ہو گا؟"

"ہزاروں نام ہیں۔ مگر مجھے وہ نام پسند ہو گا جو تو مجھے دے گی۔"

"تب میں تجھے آقا کہوں گی جس کا مطلب ہے چاند کی پہلی کرن۔"

"شکریہ۔"

"بدمستوں کے درمیان تجھ سے گفتگو ہو سکے گی اور اب یہاں کسی کو خوف نہیں ہے۔ تو باغ کے اس گوشے میں چلتے ہیں۔" اس نے تجویز پیش کی اور میں اٹھ گیا۔

سورج کی پہلی کرن وقت کی تیز رفتاری کی شاکی۔ شلابا ہوش میں آ گئی اور غمناک نگاہوں سے مجھے دیکھ کر بولی۔

"آہ۔ کیا میری کسی غلطی سے سورج طلوع ہو گیا ہے؟"

"دن ڈھلنے میں کتنی دیر لگے گی؟" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا میں اسی جگہ بیٹھ کر سورج ڈھلنے کا انتظار کروں؟"

"میں افیئس کا غلام ہوں۔ شام میری پسند کے مطابق نہیں ہو گی۔"

"پھر میں کیا کروں؟"

"بھول جانے کا عمل بہتر ہے۔ اور پھر تقدیر کے ہاتھوں بات بڑے تو زیادہ آسانیاں ہو جاتی ہیں تو بھی اسی پر عمل کر۔"

"آہ مگر میں تجھے بھول جانے پر قادر نہیں ہوں، شلابا کی آنکھوں سے سفید موتی گرنے لگے اور میں نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"میرے اور تیرے درمیان ایک نقطہ مشترک ہے۔"

"کیا؟" وہ بسورتے ہوئے ہونٹوں سے بولی۔

"تو بھی غلام ہے اور میں بھی غلام، حالانکہ غلامی کا یہ تجربہ میں نے زندگی میں پہلی بار قبول کیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ غلاموں کے اطوار کیا ہوتے ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ غلاموں کا اپنے ذہنوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، وہ صرف آقاؤں کی جنبش ابرو پر جیتے ہیں اور اسی پر مرتے ہیں۔"

"ہاں تیرا یہ خیال درست ہے۔" شلابا نے روتے ہوئے جواب دیا۔

"تو پھر ہماری اپنی پسند ہماری اپنی رائے ہمارے لیے کیا حیثیت رکھتی ہے، ہم اپنی سوچ کو بے حقیقت کیوں نہیں جانتے۔" میں نے کہا اور وہ غمزدہ انداز میں گردن ہلانے لگی۔

محل میں مختلف ملازمین اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ میں نے ان میں سے ایک کو روک کر افیئس کے بارے میں پوچھا۔

"ہاں وہ ناشتے کے کمرے میں گیا ہے۔"

"میرے لیے تو کوئی حکم نہیں ہے۔" میں نے پوچھا اور خادم مسکرا دیا۔

"ابھی نہیں جب وہ کھا پی کر فارغ ہو جائے گا تب اسے دوسرے لوگ یاد آئیں گے اور وہ ان کے بارے میں معلومات حاصل کرے گا۔ ہاں اگر تم نے بھی ناشتہ نہیں کیا تو میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں اس جگہ پہنچا دوں۔"

"نہیں ٹھیک ہے، میں ناشتہ کر چکا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور ملازم اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا۔

افیئس کا اس طرح نظر انداز کر دینا مجھے محسوس نہیں ہوا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ بہت بڑا تاجر ہے اور پروفیسر انسان ہر وقت یکساں اہمیت کا حامل رہا ہے، اگر شخص بھی نظر انداز کر دینے والوں میں سے ہے۔ تو خیر بھلا اس کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ میں تو خود اپنی ذات میں مگن تھا اور مجھے بھلا کسی کی کیا پرواہ تھی جس وقت چاہتا افیئس کے محل سے نکل جاتا لیکن بہرحال یہ میرا پہلا گھر تھا جہاں سے مجھے اہل یونان کی طرز زندگی اور موجودہ معاشرے کی روش کا صحیح اندازہ ہو سکتا تھا چنانچہ میں ابھی اس جگہ کو چھوڑنا پسند نہیں کرتا تھا اور خود کو زمین و آسمان کی گردش سے پیدا ہونے والے واقعات کے دھاروں پر بہتے دینا چاہتا تھا چنانچہ میں محل کے مختلف

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

گونجوں میں چکر اتا رہا۔ بلاشبہ الفیٹس کی عظمت کا اندازہ اس مکان یا محل کے ماحول سے ہو جاتا تھا۔ چاروں طرف ملازموں کی فوجیں تھیں۔ بے شمار ملازم نظر آ رہے تھے۔ ہر شخص کسی نہ کسی کام میں مصروف تھا۔ ان میں خادمائیں بھی تھیں جو حسین چہروں والی تھیں شاید ان کی روشنی میں ان کے لیے چھوٹے چھوٹے معمولی کاموں کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا۔ البتہ رات کو ان کی اہمیت بڑھ جاتی تھی اور شراب کے حوض کی رنگین مچھلیاں اپنی جگہ پہنچ جاتی تھیں۔ اور یہی ان کی تقدیر تھی۔

لیکن ادھر اُدھر گھومنے والوں میں مجھے شلاباہ نہیں نظر آئی۔ وہ میری نگاہوں سے اوجھل رہی تھی۔ پھر اس وقت میں اس حسین مکان کے سامنے والے باغ میں ایک خوبصورت اور سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ دو ملازم دوڑتے ہوئے میرے پاس آئے۔

"آقا تمہیں طلب کرتے ہیں۔" ان میں سے ایک نے کہا اور میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ملازموں کے ساتھ چلتا ہوا میں مکان کے اندرونی حصے میں داخل ہو گیا۔ اور پھر ایک بہت بڑے کمرے کے سامنے خادم رک گئے۔

"اندر چلے جاؤ۔ آقا تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" انہوں نے کہا اور میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

زرتار سامان آسائش، وسیع و عریض کمرے کی زینت کو دوبالا کر رہا تھا۔ ایک مرصع کرسی پر الفیٹس بڑی شان سے بیٹھا ہوا تھا اور اس کے اردگرد افراد مودبانہ انداز میں کھڑے تھے۔ الفیٹس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور مجھے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"گو میں دن کی روشنی میں تمہیں دیکھ چکا تھا اور سورج کی شعاعیں تمہارے بدن سے منعکس ہو رہی تھیں لیکن رات کو تمہارا حسن کچھ اور ہی رنگ لے گیا تھا۔ عجیب و غریب شخصیت کے مالک میں ابھی تک تمہارا نام نہیں جان سکا۔" الفیٹس نے نرم اور پُراخلاق لہجے میں کہا اور میں بھی مسکرا دیا۔

"رات کی حسینہ نے مجھے کیا اس کہا ہے اور یہ نام مجھے بھی قبول ہے، میں نے اس نام کو پسند کر لیا ہے۔ چنانچہ یونان کے بڑے تو مجھے کیا اس کے نام سے پکار سکتا ہے۔"

"چاند کی پہلی کرن۔" الفیٹس نے کہا اور مسکرا دیا۔ "میں خطاب دینے والی سے متفق ہوں مگر تو نے میرے ذہن کو بری طرح الجھا دیا ہے۔"

"کیوں؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ بتا کر کہ پولی ناس مجھے اپنے جہاز میں نہیں لایا اور میں نے بھی پولی ناس سے یہی معلوم کیا، جو جو غلام وہ اپنے ساتھ میرے لیے لایا تھا اس نے مجھے پیش کر دیے اور تجھ سے لاعلمی کا اظہار کیا، گویا تیرا کہا درست تھا۔ لیکن جو کچھ بندرگاہ پر ہوا اس کے لیے اب مجھے گورنر کے حضور تیرے ساتھ پیش ہونا ہے۔ تو مجھے جواب دے کہ میرے لیے کیا فیصلہ کرتا ہے؟"

"جو تو چاہے الفیٹس۔" میں نے جواب دیا۔

"میں نہیں جانتا کہ خود تیری اپنی حیثیت کیا ہے، تو مجھے عجیب و غریب معلوم ہوا۔ یہاں غلاموں کی حیثیت سے تو بے مثال تھا لیکن اب میں تجھے غلام نہیں کہہ سکتا، جیسا کہ تو نے کہا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گورنر کے سامنے تو اپنے آپ کو میرا غلام کہنا پسند کرے گا۔" الفیٹس نے پوچھا۔

"اس سے تجھے کیا فائدہ ہوگا الفیٹس؟" میں نے الفیٹس سے سوال کیا۔

"فائدہ! میری عزت میری حیثیت بچ جاتی ہے ورنہ دوسری صورت میں مجھے جواب دہی کرنے پڑے گی ان لوگوں کی جو ہلاک ہو گئے ہیں بندرگاہ پر۔"

"ہوں۔ الفیٹس اگر تیرا یہ خیال ہے تو میں خود کو تیرا غلام کہنے پر رضامند ہوں۔" میں نے جواب دیا اور الفیٹس فرطِ مسرت سے مجھے دیکھنے لگا۔

"تب تو ان لوگوں میں سے ہے جو ناسپاس نہیں ہوتے اور اپنی ذات کو نکیل کر دوسرے کو عزت دلا دیتے ہیں۔"

جب میں نے الفیٹس کو اپنے تعاون کا پورا یقین دلا دیا تو وہ خوش گورنر کے پاس جانے کے لیے تیار ہو گیا جس نے اپنے آدمی کے ذریعے اسے بلوایا تھا۔

ایک حسین بگھی جس میں چھ سات گھوڑے جتے ہوئے تھے اور یہ گھوڑے سونے کے زیورات سے آراستہ تھے ہمیں لے کر چل دیے۔ الفیٹس نے مجبوری کا اظہار کرتے ہوئے بتایا تھا کہ آقاؤں کے رتھ غلاموں کو بیٹھنے کے لیے یہی جگہ استعمال کرنی پڑتی ہے جو آقاؤں کے قدموں کے پاس ہوتی ہے، سو میں محسوس نہ کروں کہ اس وقت مجھے درپیش ہے۔

پر وحیمیلزنان کے اس نئے ماحول میں، میں حالات سے لطف اندوز ہونا کا خواہشمند تھا چنانچہ میں نے اسی وقت ہر وہ بات منظور کر لی تھی جو الفیٹس نے مجھ سے چاہی، اور اسی جگہ میں بیٹھ گیا جہاں غلام بیٹھتے تھے۔ یوں سفر کرتے ہوئے گورنر کے خوبصورت مکان پر پہنچ گئے۔

اور یہاں تو ہر عمارت ہی بے نظیر تھی۔ گو گورنر کی رہائش گاہ بھی خوبصورت یعنی یونانی تھی الفیٹس کی محل نما عمارت لیکن بہرصورت وہ بھی حسین جگہ تھی اور گورنر یہیں پر سرکاری کام کیا کرتا تھا۔ چنانچہ چند سات کے بعد ہم اس کے سامنے پیش ہو گئے۔

گورنر ایک پستہ قامت اور کریہہ شکل آدمی تھا، لیکن اس کے شان و شوکت قابل دید تھی۔ وہ بڑی تمکنت اور غرور سے ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ بہت سے افراد اس کے اردگرد کھڑے تھے اور ان کے چہرے پر رعونت کے آثار تھے۔ تب اس نے میری نگاہ کو دیکھا۔ الفیٹس کو اور اس کے پیچھے مجھے دیکھا۔ پہلے الفیٹس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہی سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر گورنر کو جھک کر سلام کیا تھا جس کا گورنر نے سر کی جنبش تک سے جواب نہیں دیا۔ بھلا غلام کے سلام کا بھی کہیں جواب دیا جاتا ہے۔

بہرصورت یہاں کا ماحول اچھی طرح میری سمجھ میں آتا جا رہا تھا۔

الفیٹس بھی گورنر کو سلام کر کے ایک طرف کھڑا ہو گیا، گو اس کی حیثیت معمولی نہیں لیکن بہرصورت گورنر اس سے کم حیثیت ہونے کے باوجود حکومت کا نمائندہ تھا اس لیے وہ زیادہ صاحبِ عزت تھا تب اس نے اپنی غرغراتی آواز میں الفیٹس کو مخاطب کیا۔

"جو کچھ میرے کانوں نے سنا اور جو کچھ مجھے معلوم ہوا کیا اس میں صداقت ہے الفیٹس؟"

"ہاں عالی نسب یہ درست ہے۔"

"کیا یہ بھی درست ہے کہ تمہارے آدمیوں نے بندرگاہ پر موجود محافظوں کی خونریزی کی اور ان میں سے چند کو قتل کر دیا۔" گورنر نے بھاری لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں عالی نسب یہ بھی درست ہے۔"

"کیا تمہیں یہ معلوم ہے الفیٹس، کہ بندرگاہ کے محافظ حکومت کا اجازت نامہ رکھتے ہیں اور انہیں وہاں کے معاملات میں دخل اندازی کا پورا پورا حق دیا جاتا ہے؟" گورنر نے سوال کیا۔

"بے شک، لیکن یونان کے تاجر اس امید پر ملک کی ترقی کے لیے محنت و مشقت کرتے ہیں کہ ان کی عزت دوسروں سے ممتاز ہوگی، اور اگر بندرگاہ پر کام کرنے والے محافظ ناموس کے دشمن بن جائیں تو یونان کے قانون بھی اجازت دیتا ہے کہ اپنے ناموس کی حفاظت کی جائے، خواہ اس کے لیے کسی قسم کا اقدام کرنا ہو۔" الفیٹس نے جواب دیا۔

"میرے ناموس کو کیا خطرہ تھا الفیٹس؟" گورنر نے حقارت زدہ لہجے میں سوال کیا۔

"میرا غلام بار برداری کے لیے نہیں تھا۔ حکومت کو اگر بیگار لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے تو بے شک ہر شخص کا فرض ہے کہ حکومت کے ساتھ تعاون کرے۔ اس بیگار میں الفیٹس بھی بخوشی شامل ہونے کو تیار ہے لیکن کیا کسی معمولی درجے کے محافظ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ آقا کی موجودگی میں غلام کو پکڑے اور اس سے بیگار لینے لگے۔"

"کیا ایسا ہوا ہے؟" گورنر نے پوچھا۔

"ہاں۔ اس خون خرابے کی بنیادی وجہ یہی تھی۔" الفیٹس نے جواب دیا۔

"اس کا کوئی گواہ ہے؟" گورنر نے پوچھا۔

"وہ سب لوگ اس بات کے گواہ ہوں گے جو اس وقت بندرگاہ پر موجود تھے۔" الفیٹس نے جواب دیا۔

"میں ان لوگوں کو نہیں جانتا تاہم محافظوں کے سردار نے مجھ سے جو بات کہی ہے وہ یوں ہے کہ ایک شخص ایک بوسیدہ سی کشتی میں سفر کرتا ہوا ساحل تک آیا، ایک بار بردار شراب کا پیالہ لے کر سیڑھیوں پر چڑھ رہا تھا کہ سمندر میں گر پڑا اور سفر کر کے آنے والے شخص کی کشتی ڈوب گئی۔ وہ بار بردار بھی زندہ نہ بچ سکا لیکن سفر کرنے والا پیالہ اٹھائے ہوئے اوپر آ گیا۔ اور اس نے وہ پیالہ اس کی جگہ رکھ دیا۔ محافظوں نے یہی سمجھا کہ یہ شخص بھی بار برداروں میں شامل ہے، چنانچہ اسے کے دیکھ کر وہ اس تک پہنچے اور تمہارے آدمیوں نے ان کے خلاف خونریزی کا رویہ شروع کر دیا۔"

"بے شک یہ تمام گفتگو سچ ہے۔ لیکن میرا سوال اپنی جگہ حق بجانب ہے۔ کیا میرے غلام کا بار برداری کے لیے پکڑا جانا مناسب تھا؟"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے الفیٹس کہ وہ شخص تیرا غلام تو نہیں تھا؟" گورنر نے سوال کیا۔

"نہیں عالی نسب بات صرف اتنی سی ہے، اگر وہ میرا غلام نہ ہوتا تو ظاہر ہے کہ میں ایک امن پسند انسان ہوں اور بے امنی کی ایسی کوئی کوشش نہ کرتا۔ میں نے محافظوں کو سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھے تب مجبوراً میرے آدمیوں نے یہ اقدام کیا۔"

"ہوں۔" گورنر نے اپنے مخصوص انداز میں کہا، اور پھر میری جانب دیکھ کر بولا۔ "تو آ گے آ اے شخص، کیا تو الفیٹس کا غلام ہے؟"

"ہاں الفیٹس میرے آقا ہیں۔" میں نے جواب دیا اور درباریوں کی سی سنسناہٹ گونج اٹھی۔

"تو الفیٹس کے پاس کب سے ہے؟" گورنر نے سوال کیا۔

"عرصہ دراز سے۔"

"تو کیا کرتا ہے؟"

"میرا آقا مجھ پر مہربان ہے۔ چنانچہ مجھے بہت کم کام سونپے جاتے ہیں۔" میں نے نرم اور خوش گفتارانہ انداز میں جواب دیا۔ اور گورنر نے کچھ خاصے پر کھڑے لوگوں کی جانب دیکھا اور بولا۔

"تم میں سے کون ہے جو الفیٹس کے خلاف شکایت لے کر آیا ہے؟"

"میں ہوں عالی نسب۔" محافظوں کے سردار نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"تم نے یہ کیسے جان لیا کہ یہ شخص بندرگاہ کا مزدور ہے؟"

"اس نے شراب کا پیالہ اٹھایا ہوا تھا جس کی وجہ سے میں نے یہ سمجھا کہ یہ حکومت کا غلام ہے۔"

"لیکن جب الفیٹس نے تمہیں بتایا کہ یہ شخص اس کا غلام ہے تو تم نے اس بات کو تسلیم کیوں نہیں کیا؟"

"میں اس وقت موجود نہ تھا عالی نسب۔"

"اور لیکن تم نے اپنے بیان میں یہی کہا تھا کہ تم اس وقت وہاں موجود تھے۔"

"ہاں عالی نسب، لیکن میں بندرگاہ پر کھڑے ہوئے جہاز سے سامان اتروانے میں مصروف رہا تھا۔ مجھے تو اس واقعے کا اس وقت علم ہوا جب چند افراد قتل ہو چکے تھے اور میں نے اپنی ذمہ داری سمجھ کر یہ اطلاع عالی نسب تک پہنچا دی۔"

"اس کا مطلب ہے جن لوگوں نے جنگ کی اور الفیٹس کے غلام کو پکڑنا چاہا تو زیادتی تو ان کی ہوئی کیونکہ انہوں نے الفیٹس کا کہا نہ مانا اور تاجر مربوط ممتاز ہوتے ہیں عام لوگوں سے اور ان کا بڑا حق ہوتا ہے ملک و حکومت کی ترقی میں۔ چنانچہ انہیں مان لینا چاہیے تھا الفیٹس کی بات کو اور یہ شخص تو الفیٹس کا غلام ہے جیسا کہ اس نے خود اقرار کیا ہے۔

Scanned by aazzamm@urdufanz.com

aazzamm@yahoo.com

کرنا ہے جو خود کو کسی کی غلامی میں دینے کو تیار ہو جائے اور وہ بھی گورنر کے سامنے۔ گویا اگر کبھی وہ انکار کرے اپنی حیثیت سے تو قانون کے مطابق اس کی گردن فوراً اتار دی جائے۔ چنانچہ تمہاری شکایت بے سود اور بے کار ہے۔ الفیئس کو حق ہے اپنے غلام کی مدد کرے اور اگر کوئی دوسرا اس پر قبضہ جمانے کی کوشش کرے تو اس سے بہتر طریقہ نمٹ لے چنانچہ میں تمہاری اس درخواست کو خارج کرتا ہوں۔ الفیئس نے جو کچھ کیا اسے اس کا حق تھا۔" گورنر نے فیصلہ صادر کر دیا اور الفیئس بے پناہ مسرور ہو گیا۔ اس نے گردن جھکا کر کہا۔

"عالی نسب کے فیصلے ہمارے لیے خوشی کا باعث ہوتے ہیں اور ہم نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ آپ نے اپنے منصب کی پوری پوری تعمیل نہ کی ہو۔ موجب چڑیوں کا اجتماع ہوگا اور جو سے پوچھا جائے گورنر کے بارے میں۔ تو اس واقعہ کو میں ذہن نشین رکھوں گا۔" الفیئس نے مسرور لہجے میں کہا۔

"ہم تجھ سے ہمیشہ تعاون کے لیے تیار ہیں الفیئس۔" گورنر نے جواب دیا اور الفیئس نے پھر گردن جھکا دی۔

"اب گھر جانا چاہتا ہے تو تجھے اجازت ہے۔" گورنر پھر بولا۔ اور الفیئس ایک بار پھر جھک کر میرے ساتھ گورنر کے دربار سے نکل آیا۔ وہ غلام بھی باہر چلا آیا تھا جس نے الفیئس کے خلاف گورنر سے شکایت کی تھی۔ تب الفیئس نے مجھے رتھ میں سوار کرایا اور واپس چل پڑا۔ لیکن وہ بے حد مسرور تھا اور مسکرا مسکرا کر مجھے دیکھتا جا رہا تھا۔

"تو نے میری جرأت افزائی کی ہے الیاس میں تجھے اس کا صلہ دوں گا۔ بے شک تو اس قابل ہے کہ مجھے اپنے دوستوں میں شامل کیا جائے۔ لیکن میرے دوست میری بدبختی ہے کہ دوسروں کے سامنے میں تجھے غلام رکھنے پر مجبور ہوں البتہ میرے مکان میں تیری حیثیت ہوگی اس سے تو خود اندازہ لگا لے گا کہ میرے دل میں تیری کیا قدر و منزلت ہے تیری عزت میرے دل میں ہے الیاس۔" الفیئس نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں تجھ سے مکمل طور پر مطمئن ہوں الفیئس۔" میں نے جواب دیا۔ اور پھر ہم محل میں پہنچ گئے۔ الفیئس نے مجھے قیام کرنے کے لیے ایک بہترین جگہ مہیا کر دی تھی۔ اور دوسرے لوگوں کو ہدایت کر دی تھی کہ اس موتے کے غلام کو اسی مانند رکھا جائے جیسے خزانے میں کسی نایاب ہیرے کا اضافہ ہوتا ہے اور اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اس کی خوشی اور آرام کا مکمل بندوبست کیا جائے۔

چنانچہ پروفیسر مجھے الفیئس کے محل کے ایک خوشنما گوشے میں پناہ مل گئی اور یہ گوشہ پورے محل کے حسن کی نمائندگی کرتا تھا۔ سب سے بڑی بات الفیئس کی خوش ذوقی تھی۔

شام تک مجھے مختلف لوگوں سے الفیئس کے محل کی بے شمار باتیں معلوم ہو گئیں۔ مجھے پتہ چل گیا کہ محل کے دور افتادہ گوشے میں اس کے اپنے اہل خاندان رہتے ہیں لیکن انہیں اجازت نہیں ہے کہ الفیئس کی بارگاہ کے اس حصے میں آئیں جہاں بیرونی لوگ آتے رہتے ہیں اور اس ہدایت پر انہیں سختی سے عمل پیرا ہونے کا حکم دیا گیا تھا چنانچہ اس طرف کے بہت سے افراد نے ابھی تک یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ اس طرف کا ماحول کیسا ہے اور یہاں کیسے کیسے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔

بہرحال پروفیسر لوزان کی سرزمین پر میرے لیے ایک مخصوص مقام پیدا ہو گیا تھا اور اب میں اسی مقام کو ذہن میں رکھ کر اپنے آئندہ اقدامات کر سکتا تھا۔

پھر رات ہو گئی اور الفیئس کا خصوصی ملازم میرے لیے آیا۔ اس نے مجھے اپنی عیش گاہ میں طلب کیا تھا۔

الفیئس کی عیش گاہ کے وہی رنگ تھے یہاں نشلا بھی موجود تھی جو مجھے دیکھ کر بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی۔ میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ آج الفیئس کے نزدیک میری جگہ ذرا مختلف تھی۔ یعنی اس نے مجھے ان لوگوں میں شمار کر لیا تھا جو اس کے دوستوں میں تھے۔ آج چند رقاصائیں اپنے رقص کا مظاہرہ کرنے کے لیے الفیئس کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں اور الفیئس نے انہیں اس جگہ آنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ برابط نما سازوں کے چند لڑکیاں منتظر بیٹھی تھیں کہ الفیئس اشارہ کرے۔

میں الفیئس کے نزدیک جا بیٹھا تو الفیئس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تیرے اعزاز میں آج میں نے رقص کا اہتمام کیا ہے الیاس۔"

"میں الفیئس کی عنایتوں کا شکر گزار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"نہیں میرے دوست اس میں عنایت کی کوئی بات نہیں ہے تو نے بھی تو میرے ساتھ ـــــ دوستانہ برتاؤ کیا ہے۔ ہاں ذرا یہ تو بتا تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے کیا تیرا تعلق اس سرزمین سے ہے یا تو کہیں دور کا رہنے والا ہے۔ میرا مقصد ہے کہ کہیں تیرا شمار ناطلوں میں تو نہیں ہے جو دور دراز کے مقامات سے آکر آباد ہو گئے ہیں کیونکہ تیری شخصیت میں ایک انوکھا پن ہے جس پر مجھے حیرت ہے، میرے کچھ ساتھیوں کا خیال ہے کہ درحقیقت تیرا تعلق کوہ اولیمپس کے دیوتاؤں کی سرزمین سے ہے اور شاید تو انہی میں سے کوئی ہے اور ہمارے درمیان آگیا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو کم از کم ہمیں اپنا صحیح نام بتا کہ ہم تیری عزت اور تکریم کر سکیں۔"

"انوکھی بات ہے الفیئس، میں نے خود کو یہاں تیرے غلاموں کی حیثیت سے مشہور کر دیا ہے اور تو دیوتاؤں کی حیثیت سے میرا احترام شروع کر دے تو کیا تیری بات غلط نہ ہو جائے گی۔"

"گزری ہوئی بات گزر چکی ہے دوست، صرف گورنر کے سامنے جانے کا تھا اور چونکہ محافظوں کا سردار اس سلسلے میں ناکام ہو گیا ہے اس لیے اب وہ کبھی کوشش نہیں کرے گا کہ دوبارہ گورنر کے سامنے جا کر یہ بتائے کہ درحقیقت وہ کہ جس نے اپنے آپ کو غلام کہا تھا دیوتا ہے۔ چنانچہ اس بات کو اب ذہن سے نکال پھینک اب تو تیری حیثیت میرے ایک دوست کی سی ہے اور میں اسی انداز میں تجھ سے یہ سوال کر رہا ہوں۔" الفیئس نے کہا۔

"نہیں الفیئس میرا تعلق کوہ اولیمپس سے نہیں ہے اور نہ ہی میں دیوتاؤں کی حیثیت رکھتا ہوں۔ میں تو ایک عام آدمی ہوں اور غلام کی حیثیت

ہی کی طرح تیرے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ الفیئس مسکرانے لگا۔ پھر بولا۔

"بہرصورت تیری آمد سے میں بے حد خوش ہوں، لیکن تیرے اندر جو عجیب و غریب خصوصیات پائی جاتی ہیں وہ میرے لیے ہمیشہ تعجب خیز رہیں گی۔ تو اب میں رقص کا اہتمام کرتا ہوں۔" الفیئس نے ہاتھ اٹھایا اور برابط کے تار چھڑ گئے۔

یوں شب و روز گزرتے رہے یہاں تک کہ ایک دن ایک بہت ہی کم سن حسینہ میری خلوت میں آئی۔

بلاشبہ یہ حسینہ آج تک آنے والی ساری خادماؤں سے زیادہ حسین اور نازک اندام تھی۔ اس کے انداز سے بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ خادمہ ہے، میری شخصیت سے وہ سہمی سہمی سی ڈری ڈری وہ میرے پاس آئی مجھے دیکھتی رہی اور پھر اس نے نگاہیں جھکا لیں۔

"کون ہو تم؟"

پروفیسر۔ میرے ساتھ تو عجیب حادثات ہوتے تھے۔ میں ایک خوشگوار ماحول کی تلاش میں انسانوں کی سرزمین کی جانب آ جاتا تھا لیکن انسانوں کی جو مختلف اشکال میرے سامنے آئیں ان میں کوئی نہ کوئی کردار ایسا آ جاتا تھا جو مجھے خود میں الجھا لیتا۔ اور پھر میں اس کردار کی الجھنوں میں الجھ کر خود بھی اپنے لیے بے شمار الجھنیں خرید لیتا تھا۔ لیکن اس بار مجھے یوں لگتا تھا جیسے میری کہانی میرے پسندیدہ انداز میں آگے بڑھے گی۔ یعنی میرا تعلق ایک ایسے شخص سے ہو گیا تھا جو اپنے طور پر کسی الجھن کا شکار نہیں تھا بلکہ ایک مطمئن اور خوشحال شخص تھا۔

"میرا نام گلشار ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"خادمہ ہو؟"

"صرف تمہاری۔" وہ بولی۔ اس کی شخصیت میں بڑی معصومیت تھی۔

"صرف میری۔"

"ہاں۔"

"مگر میں نے تمہیں کبھی الفیئس کے عیش کدے میں نہیں دیکھا۔"

"مجھے وہاں جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"اوہ کیوں؟"

"میں نہیں جانتی۔" وہ میرے سوالات سے کسی قدر گھبرا گئی تھی۔

"میں نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے نیند کی شراب ابل رہی تھی۔ پھر وہ آہستہ سے میرے پاس بیٹھ گئی۔

"تم چاند کی پہلی کرن ہو۔"

"تمہارے لوگ یہی کہتے ہیں۔"

"کہاں سے آئے ہو۔ کیا چاند سے؟"

"نہیں تمہاری زمین کا رہنے والا ہوں۔"

"جھوٹ بولتے ہو۔"

"کیوں؟"

"بس یہ راز کوئی نہیں جانتا صرف میں جانتی ہوں۔"

"کونسا راز؟"

"یہی کہ چاند پر بھی انسان رہتے ہیں اور تم وہیں سے بھٹک کر آ گئے ہو۔ شاید کسی ٹوٹتے ہوئے ستارے کے ساتھ۔ میں نے کئی مرتبہ خوابوں میں دیکھا ہے۔"

"اوہ تم خواب دیکھتی ہو۔"

"اکثر دیکھتی ہوں۔ اور میں نے کئی بار تمہیں خواب میں دیکھا تھا۔"

"بہرحال میں چاند کا نہیں زمین کا انسان ہوں۔"

"جھوٹ بول رہے ہو۔ میں جانتی ہوں۔" وہ ہنس کر بولی۔

اور ساری رات معصوم معصوم سی باتیں کرتی رہی۔ انوکھے قصے سناتے تھے اس نے مجھے جو بچوں کی کہانیوں کی مانند تھے۔ میں اس سے بہت متاثر ہوا تھا۔ پھر دن کی روشنی میں اس نے میرے پاس سے جانے سے انکار کر دیا۔

"میں اب تمہارے ساتھ ہی رہا کروں گی تم پریشان تو نہیں ہو جاؤ گے الیاس؟"

"نہیں گلشار۔ تم اتنی حسین اور اتنی معصوم ہو کہ تمہاری باتیں چاند کی ٹھنڈک محسوس ہوتی ہیں۔" میں نے جواب دیا اور وہ خوش ہو گئی۔ اس نے ناشتہ بھی میرے ساتھ کیا اور کسی نے اس دوران مداخلت نہیں کی تھی۔

دوپہر کو وہ تھوڑی دیر کے لیے چلی گئی لیکن پھر واپس آ گئی اور اس وقت بھی وہ میرے ساتھ ہی رہی۔ اس نے بتایا کہ وہ مجھ سے عشق کرنے لگی ہے۔ اس شام وہ یہ کہہ کر گئی کہ رات کو ذرا دیر سے آئے گی لیکن اسی رات مجھے الفیئس نے طلب کر لیا۔ وہ واپس آ گیا تھا اور اس وقت اپنے عیش کدے ہی میں تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا تھا۔

"بات صرف یہیں تک محدود نہیں ہے کہ میں ایک تاجر ہوں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ میں سیاسی بصیرت بھی رکھتا ہوں۔ اس لیے ضروری امور میں وہ میری قبولیت کے خواہاں ہوتے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"تیری فراست سے اندازہ ہوتا ہے الفیئس۔" میں نے کہا۔

"شکریہ۔"

"تو نے کیسا وقت گذارا الیاس۔"

"الفیئس کی تمنیات کے سائے میں مجھے ہر طرح کی مراعات حاصل ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"یوں بھی میں ہدایات دے گیا تھا کہ تجھے کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ نہ جانے کیوں میں دل میں تیرے لیے بڑی جگہ پاتا ہوں۔"

"میں خلوص دل سے تیرا شکر گزار ہوں الفیئس۔" میں نے کہا۔ "لیکن افسوس ابھی تک میں تیری عنایات کا شکار ہوں۔ میں نے خود تیری ذات کے لیے کچھ نہیں کیا۔"

"اوہ۔ تو میری ذات کے لیے بہت کچھ کر سکتا ہے۔ وقت آنے پر میں خود تیرے سپرد کوئی خدمت کر دوں گا۔"

الفیئس نے جواب دیا۔ میں نے گردن ہلا دی تھی اور پھر میں اٹھ گیا۔

Scanned by Faiz ul Qurab

aazzamm@yahoo.com

لیکن ابھی میں تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ مجھے کچھ ہنگامے کی سی آوازیں سنائی دیں۔ خادماؤں کا ایک غول کسی کو اپنے نرغے میں لیے ہوئے تھا۔ اور کوئی چیخ رہا تھا۔ چیخنے والی آواز بھی نسوانی تھی۔ انیٹس چونک کر کھڑا ہوگیا۔ اس سے قبل اس کے عیش کدے کے اطراف میں ہنگامے نہیں ہوتے تھے اس لیے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور ہنگامہ خیز یاں رک گئیں۔

"کیا بات ہے۔ تمہارے درمیان کون ہے؟" اس نے پوچھا اور خادماؤں کا غول کاہی کی طرح پھٹ گیا۔ ان کے درمیان نوخیز گلشار موجود تھی۔ میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور مجھ سے زیادہ خراب حالت انیٹس کی ہوئی تھی۔

"کون۔ گلشار؟" اس نے خوابی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں۔ یہ میں ہوں۔" لڑکی جرأت سے بولی۔

"لیکن تجھے اس طرف آنے کی جرأت کس طرح ہوئی؟"

"میں اکیاس کی تلاش میں آئی تھی۔"

"اکیاس۔ تو اسے کس طرح جانتی ہے۔" انیٹس خونخوار لہجے میں بولا۔

"وہ میرا محبوب ہے۔" گلشار نے کہا۔ اور انیٹس پر جیسے بجلی گر پڑی۔ وہ منہ کھولے کھڑا رہ گیا۔ میں نے اس معاملے میں مداخلت نہیں کی تھی۔

"وہ تیرا محبوب کس طرح ہوگیا؟"

"تم نہیں جانتے۔ جان بھی نہیں سکتے۔ میں اسے بہت پہلے سے جانتی ہوں۔" گلشار بولی۔

"کیسے جانتی تھی؟"

"چاند جب دیر سے نکلتا ہے تو اس میں کچھ معنی پنہاں ہوتے ہیں۔ ابتدائی راتوں میں لوگ جاگ رہے ہوتے ہیں لیکن جب آخری رات میں چاند سلگتا ہے تو اس میں رہنے والے پکے پیچے زمین کی سیر کے لیے چلے آتے ہیں۔ پھر جب تک لوگ سوتے رہتے ہیں وہ چاند کی کرنوں کے ذریعہ زمین کی سیر کرتے رہتے ہیں۔ کرنوں کی رسی لے کر کبھی وہ نیچے آتے ہیں کبھی اوپر چلے جاتے ہیں۔ یہ کھیل اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک دنیا سوتی رہتی ہے۔ پھر جب زمین کا پہلا آدمی جاگتا ہے تو وہ سب اوپر چلے جاتے ہیں۔ لیکن کیا اس۔ اور نہیں جا سکا۔ وہ اس وقت تک زمین پر رہے جب تک چاند آدھی رات کو نہیں نکلتا۔ میں نے چوری چوری اسے چاند سے اترتے دیکھا تھا۔ اور جب وہ ہمارے محل میں آیا تو میں اس کے پاس آگئی۔"

"لے جاؤ۔ اسے محل میں لے جاؤ۔ زبردستی لے جاؤ۔ چلو لے چلو۔" انیٹس کا سارا نشہ ہرن ہوگیا تھا۔ وہ میری طرف متوجہ بھی نہیں ہوا اور لڑکی کو اپنی نگرانی میں لے کر محل کی طرف چلا گیا۔ میں متعجب تھا۔ انیٹس کو میں نے اتنا جذباتی کبھی نہیں دیکھا تھا۔

شراب کے حوض کے گرد کی لڑکیاں بھی تیتر کھڑی تھیں۔ میں نے ان میں سے ایک کو اشارہ کیا اور وہ میرے قریب آگئی۔

"یہ کیا ہنگامہ تھا؟"

"میں نہیں جانتی۔"

"گلشار کون ہے؟"

"انیٹس کی بیٹی۔" لڑکی نے جواب دیا اور میں دنگ رہ گیا۔ اب سارا ہنگامہ خود بخود میری سمجھ میں آگیا تھا۔ لیکن یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ گلشار انیٹس کی بیٹی ہے۔ میں دیر تک حیران رہا تھا۔ کس لڑکی نے مجھے اپنے باپ کو خادمہ ہی بتایا تھا۔ اگر مجھے یہ بات پہلے پتا چل جاتی کہ وہ انیٹس کی بیٹی ہے تو شاید میں اس کی عنایت کو نظر رکھتے ہوئے اس لڑکی کی طرف راغب نہ ہوتا لیکن میں تو بے قصور تھا۔ اس رات انیٹس دوبارہ اپنے عیش کدے میں واپس نہیں آیا تھا تاہی میں نے کسی لڑکی کو اناقرب بخشا! ہاں رات میں نے اپنی آرامگاہ ہی میں گذاری تھی اور یہ سوچتا رہا تھا کہ انیٹس پر اس واقعے کا کیا اثر ہوگا۔ دوسری صبح ناشتے کی میز پر انیٹس نے مجھے طلب کر لیا اور میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ انیٹس غرور سے زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ ناشتے پر اس کے اور میرے علاوہ کوئی نہ تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" اس نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ اور میں بیٹھ گیا۔

"کیا تمہیں اس بات کا علم تھا کہ گلشار میری بیٹی ہے؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ کب تمہارے پاس آئی تھی؟"

"دوسری رات جب تم چلے گئے تھے۔"

"خود آئی تھی یا اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟"

"نہیں وہ خود آئی تھی۔"

"اس نے تم سے کیا کہا؟"

"کچھ نہیں اس نے یہی بتایا کہ وہ بھی خادمہ ہے۔"

"ہوں، خود اس نے مجھ سے بھی کہا ہے اکیاس! اگر وہ یہ بات نہ کہتی تو جانتے ہو میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتا؟" میں نے اس بات کوئی جواب نہ دیا اور سوالیہ نگاہوں سے انیٹس کو دیکھنے لگا۔ "میں تمہارے دونوں ٹانگوں میں رسیاں باندھتا اور ان رسیوں کو دو مضبوط اور طاقتور گھوڑوں کے بدن سے باندھتا اور ان دونوں گھوڑوں کو مختلف سمتوں میں ہانک دیا جاتا، یوں کہ تمہارا بدن درمیان سے دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا۔ گلشار میری بیٹی ہے اور تم نے دوست ہو کر میری عزت پر ڈاکا ڈالا ہے۔"

"میں بتا چکا ہوں انیٹس کہ اس لڑکی نے خود کو خادمہ بتایا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو میں اس کے ساتھ کوئی غلط سلوک نہ کرتا لیکن مجھے لاعلم تھا۔"

"ہوں۔ وہ لڑکی تمہارے لیے پاگل ہو رہی ہے۔ اب تمہارا کیا کروں؟" انیٹس نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"اسے سمجھاؤ انیٹس، مجھے واقعی افسوس ہے۔" میں نے کہا۔

"نہیں وہ سمجھنے کی حدود سے باہر نکل چکی ہے۔ میں نے کبھی پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں مارا۔ لیکن اب ——— اگر تم اس کو ملو گے تو تمہیں اس کے بدن پر سینکڑوں نشانات نظر آئیں گے۔ لیکن اس کی زبان سے صرف تمہارا ہی نام نکلتا ہے۔"

"بہت افسوس کی بات ہے انیٹس۔ میں حالانکہ تصور وار نہیں ہوں لیکن اس بات پر میں تم سے شرمندہ ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ کبھی نہیں ہو سکتا اکیاس کہ میں تمہیں اس کی تقدیر کا مالک بنا دوں۔"

"میں نہیں سمجھا انیٹس۔"

"میرا مقصد ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اس سے تمہاری شادی کر دوں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ میرے تمہارے درمیان جو کچھ بھی ہو لوگ نہیں میرے خادم کی حیثیت سے جانتے ہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں انیٹس۔ یہ کام تمہارے لیے انتہائی مشکل ہوگا، اس کا ایک حل میرے پاس موجود ہے۔"

"کیا؟" انیٹس نے پوچھا۔

"میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔ میں یہ علاقہ ہی چھوڑ دیتا ہوں۔ اس کے بعد تمہیں اتنی پریشانی نہیں رہے گی۔"

"پریشانی اب تو میرا مقدر بن چکی ہے، یا تو گلشار کی زندگی ختم کرنا پڑے گی یا اپنی عزت داؤ پر لگا دینا ہوگی۔" انیٹس نے سخت لہجے میں کہا۔ "انیٹس کی صورت دیکھنے لگا تم اگر یہاں سے چلے بھی جاتے ہو تو اس کے علاوہ کیا ہوگا۔ گلشار بدستور تمہارے لیے پریشان رہے گی اور ہم سب کو پریشان کرتی رہے گی۔"

"اس سلسلے میں میں کیا کر سکتا ہوں انیٹس؟" میں نے سوال کیا اور انیٹس عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ناشتہ کرو۔ میں سوچوں گا۔"

پروفیسر نے انیٹس کے چہرے پر کوئی ایسی عجیب بات دیکھی تھی جو میرے ذہن میں کھٹکنے لگی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرنے کا خواہاں تھا لیکن بہرصورت اس کے اندر کچھ اور ہی پروگرام چل رہے تھے اور پھر وہ کسی قدر مطمئن ہوگیا۔ نجانے کیوں ناشتے کے بعد اس نے مجھے جانے کی اجازت دے دی اور میں وہاں سے چلا آیا لیکن نجانے کیوں مجھ پر اس واقعے کا بڑا اثر تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ انیٹس اس سلسلے کا کیا حل تلاش کرے گا۔

میں اپنے طور پر بھی سوچ رہا تھا

"یہاں سے نکل چلنا چاہیے۔ انیٹس کی جان کا روگ بنے رہنا اچھی بات نہیں تھی۔ صبح کو میں تنہا تھا لیکن سورج چڑھا نہیں تھا جب انیٹس کے بلانے پر میں اس کے اس گوشے میں بلایا جہاں اس کے اہل خاندان رہتے تھے۔

میں جب وہاں داخل ہوا تو گلشار بھی وہیں موجود تھی۔ لیکن اس کی حالت دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ چہرہ اترا ہوا بال بکھرے ہوئے سالوں کی جاگی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھ کر دیوانہ وار اٹھی اور مجھ سے لپٹ گئی۔ انیٹس نے رخ بدل لیا تھا۔

"میں تمہارے ساتھ جاؤں گی اکیاس۔ دیوتاؤں کے لیے مجھے چاند لے چلو۔ مجھے اپنی دنیا میں لے چلو۔"

"ہاں اکیاس تم اسے اپنے ساتھ لے جانے کا بندوبست کرو۔ میں دونوں کی شادی کر دینا چاہتا ہوں۔ لیکن اس کے بعد تم اس زمین پر مت آنا۔" انیٹس نے رخ بدلے بدلے کہا۔

"یہ تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے گلشار؟"

"یہ لوگ مجھے تم سے محبت کرنے سے روکنا چاہتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ میں تمہارے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔"

"اب تم ٹھیک ہو جاؤ گلشار۔"

"نہیں بس تم مجھے یہاں سے لے چلو۔"

"کیا تم اسی طرح اکیاس کے ساتھ چلی جاؤ گی۔ کیا تم اہل یونان کی رسم توڑ دو گی؟ بہتر یہ ہے کہ خود کو سنبھالو۔ انتظار کرو اور اس کے بعد اکیاس سے شادی کر کے اس کے ساتھ چلی جاؤ۔"

"کتنا انتظار کرنا ہوگا؟" گلشار نے باپ سے پوچھا۔

"بس چند روز۔ صرف چند روز۔" انیٹس نے جواب دیا۔

"تم... تم بھی یہی کہتے ہو اکیاس۔ کیا میں ایسا ہی کروں؟" اس نے معصومیت سے پوچھا اور میں نے گردن ہلا دی۔ یہ ایک لڑکی میسیدی پر مسلط ہو رہی تھی۔ پروفیسر میرا اندازہ تھا کہ بالآخر انیٹس نے مجبور ہو کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ لیکن میں کسی کے فیصلے کا پابند نہیں تھا۔ البتہ ہمدردی کی بات دوسری تھی۔ اس لڑکی کی حالت پر مجھے رحم آگیا تھا۔ بہرحال میں نے خاموشی اختیار کر لی اور تھوڑی دیر تک میں گلشار کے پاس رہا۔ لیکن انیٹس نے ہم پر کڑی نگاہ رکھی تھی۔ پھر اس نے گلشار سے کہا۔

"اب اسے اجازت دو گلشار۔"

"کیوں پاپا۔ اسے میرے پاس ہی رہنے دو۔"

"یہ روایات کے خلاف ہے۔"

"میں روایات کی پروا نہیں کرتی۔"

"تمہیں اپنے باپ کی عزت کا خیال رکھنا ہوگا۔"

"باپ کو بھی میری محبت کا خیال رکھنا چاہیے۔"

"میں تم سے وعدہ کر چکا ہوں۔" انیٹس غرایا۔

"مجھے تم لوگ۔ تم سب لوگ دشمن محسوس ہوتے ہو۔ اور دشمنوں کے وعدوں پر اعتبار کرنا دانشمندی نہیں ہے۔"

"اکیاس تم ہی اسے سمجھاؤ۔" انیٹس شاید اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔

"انیٹس ٹھیک کہتے ہیں گلشار۔ تھوڑا سا انتظار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"تم خود بھی یہی کہتے ہو؟"

"ہاں یہی ٹھیک ہے۔"

"تب مجھے اطمینان ہے۔ لیکن جب تک ہماری شادی نہیں ہو جاتی تم رات شب مجھ سے ملاقات کرو گے۔ مجھ سے ملتے رہو گے۔"

"یہ مناسب نہ ہوگا گلشار۔" انیٹس نے کہا۔

"کیوں مناسب نہ ہوگا۔" جواب دو۔" وہ بپھر کر بولی۔

"یہ ہمارے اصول کے خلاف ہے۔ اور ہم اپنے اصول کو توڑ کر دیوتاؤں کو اپنا دشمن نہیں بنا سکتا۔ لوگ ہمارے بارے میں کیا سوچیں گے؟"

"میرا خیال ہے گلشار۔ اپنے بابا کی بات مان لو۔ شادی کے بعد ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ اس وقت تک انتظار کر لو۔"

"تم کہتے ہو تو ٹھیک ہے۔" وہ بے چارگی سے بولی۔ اور پھر میں

aazzamm@yahoo.com

وہاں سے حل آیا۔ الفیئس نے پورا دن مجھ سے ملاقات نہیں کی تھی میں اس کی پریشانیوں سے واقف تھا۔ ویسے میں خود بھی بہت کچھ سوچ رہا تھا۔ ان حالات میں گلشار کی ذمہ داری سنبھالنا میرے لیے خاصا مشکل مرحلہ لیکن حالات عجیب ہو گئے تھے۔ الفیئس نے میرے ساتھ بہتر سلوک کیا تھا اس لیے اس کی یہ پریشانی بھی میرے لیے باعث تکلیف تھی۔ میں کوئی درمیانی حل تلاش کرنا چاہتا تھا۔

الفیئس کے رویے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ خوش نہیں ہے اور خوش ہو بھی نہیں سکتا تھا اس کی عزت پر آنچ آ گئی تھی بیش کدہ اس رات بھی ویران تھا لیکن جب تاریکی پھیلی تو ایک حسینہ جام و سبو لیے میرے پاس پہنچ گئی۔

"کیا تمہیں الفیئس نے بھیجا ہے؟"

"اس وقت نہیں۔ لیکن اس نے مجھے کو ہدایت کی تھی کہ تیری دلجوئی کا خیال کہیں اسی سہارے سے آ گئی ہوں۔" وہ بدستور مسکراتی ہوئی بولی۔

"میں بھی پریشان تھا۔ تو نے اچھا کیا جو آ گئی۔ کیا نام ہے تیرا؟"

"جہانہ۔" اس نے جواب دیا۔ اور میں مسکرانے لگا۔ جہانہ

مجھے شراب پلاتی رہی۔ اور تھوڑی دیر کے لیے میں ذہنی انتشار سے اور پھر وہ رونے لگی اچانک ہی اس کے رونا شروع کر دیا تھا۔ میں حیران ہو کر اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہو گیا جہانہ۔ تو کیوں رو رہی ہے؟" میں نے پوچھا۔ لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور بدستور سسکیاں لیتی رہی۔

"آہ۔ میں اتنی مجبور کیوں ہوں۔ آہ میں نے اچھا نہیں کیا کاش آقا یہ کام میرے سپرد نہ کرتا۔" وہ روتی ہوئی بولی۔ اور پھر اس نے محبت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ "میرے محبوب۔ اکیاس۔ تو بیشک کرنوس کی تخلیق ہے۔ تیرے وجود کی گرمی ذہنوں کو مسخر کر لیتی ہے میں بھی تیری محبت کا شکار ہو گئی ہوں۔ یوں کر کیا اس۔ شراب کا ایک جام مجھے اپنے ہاتھوں سے بھر کر دے۔"

میں نے اس کی خواہش کی تکمیل کی اور اسے شراب کا جام بھر کر دے دیا۔ "میری روح میں اتر جانے والے۔ میں خود کو اس جرم کی سزا دے رہی ہوں جو میں نے بحالت مجبوری کیا ہے۔ آہ چند ساعت کے بعد تو اس دنیا میں نہیں رہے گا۔ لیکن میں خود بھی تیرے ساتھ لیوتاؤں کی سرزمین میں چل رہی ہوں۔ میں خود بھی اس احساس کی محرم نہ رہوں گی۔" اس نے جام ہونٹوں سے لگا کر خالی کر دیا۔

"تیری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں جہانہ۔" میں نے کہا۔

"آہ مجھے الفیئس نے تیرے پاس بھیجا تھا۔ اس شراب میں زہر ملا ہوا تھا جو تو نے بڑی مقدار میں معدے میں اتاری ہے۔ الفیئس کا حکم تھا کہ تجھے زہر دے کر ہلاک کر دیا جائے۔ سو میں نے تعمیل حکم کی لیکن ہائے نا میرے لیے بے مزا ہو گئی۔ تو اس دنیا میں نہ ہو گا تو تیرا تصور مجھے ہر لمحہ موت دے گا۔ اس لیے۔ زہر کا ایک جام۔ میں نے بھی۔ تیرے ہاتھوں سے۔" جہانہ کی حالت بگڑنے لگی۔ اس کی آنکھیں دھندلانے لگیں اور پھر اس کا کلیجہ کٹ کر منہ کے راستے باہر آنے لگا۔

"میرے محبوب۔ میرے محبوب۔" اس کے منہ نے خون میں ڈوبے ہوئے الفاظ نکلے اور پھر اس نے دم توڑ دیا۔

الفیئس کے بارے میں میری رائے پہلے بھی اچھی نہیں تھی لیکن جہانہ کی موت کے بعد مجھے اس سے نفرت ہو گئی۔ شراب کا دلدادہ اور خود غرض تاجر اپنی بیٹی کے ہاتھوں مجبور تھا۔ گلشار نے اس سے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ میرے علاوہ کسی اور کے ساتھ زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اس نے گلشار کو تسلیاں دی تھیں اور اس کے بعد مجھے ہلاک کرنے کی سازش کی تھی۔ کم از کم مجھ سے اس کے جیسے تعلقات تھے ان کے پیش نظر اسے یہ گھٹیا سازش نہیں کرنی چاہیے تھی۔ لیکن پروردگار اب تو اس کے بارے میں کچھ کہنے کے لیے الفاظ بھی نہیں رہے ہیں میرے پاس۔ تاہم میں نے ان سب کے درمیان تندرستی کے گر بھی سیکھ لیے تھے۔ اب میں ان واقعات سے زیادہ بددل نہیں ہوتا تھا۔

دوسری صبح میری اس سے ملاقات ہوئی۔ مجھے زندہ سلامت دیکھ کر ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے لیکن دوسرے لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا۔

"اکھاس میرے عزیز۔ صبح بخیر۔ صبح بخیر۔ تمہیں دیکھ کر دل کو بڑی فرحت کا احساس ہوتا ہے کہو رات کیسی گزری؟"

"حسب معمول۔ تمہاری مہربانیوں کے دوران۔ لیکن تم عجیب لڑکی ہے، مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے اس کا ذہنی توازن درست نہ ہو۔"

"کیوں، کیوں۔ کیا اس نے کوئی ایسی بات کہی جو تمہاری شان کے خلاف ہے۔ اگر اس غلام زادی نے ایسی کوئی حرکت کی ہے تو قابل گردن زدنی ہے میں اسے بدترین سزا دوں گا۔" وہ بولا۔ تو کیا کہا اس نے؟" چالاک انسان مصنوعی غصے کا اظہار کرنے لگا۔

"کہنے لگی۔ الفیئس تمہاری جان کا دشمن ہے۔ وہ تمہیں زہر دلوانا چاہتا ہے۔"

"آہ۔ آہ۔ اس نمک حرام نے یوں میرے اور تمہارے درمیان غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کیوں؟ اس سے اسے کیا فائدہ حاصل ہوا۔ آہ میں سمجھ گیا۔ میں اچھی طرح سمجھ گیا۔ کچھ لوگ نہیں چاہتے کہ میرے اور تمہارے درمیان دوستی محبت کی راہیں ہموار ہوں۔ لیکن فکر مت کرو میں اس نمک حرام لڑکی کی زبان سے سب کچھ اگلوا لوں گا ذرا بتاؤ تو وہ کہاں ہے اور کیا ثبوت پیش کرے گی وہ اس بارے میں۔"

"میں نے بھی اس سے یہ سوال کیا تھا اور ثبوت کے طور پر اس نے وہ شراب اپنے معدے میں اتار لی جو زہر آلود تھی۔"

"پھر۔ پھر کیا ہوا؟" تاجر نے بے چینی سے پوچھا۔ اس کی آنکھیں پریشانی سے پھیل اور سکڑ رہی تھیں۔

"پھر وہ جاں بحق ہو گئی اور اس کی لاش میرے کمرے میں موجود ہے۔" میں نے جواب دیا اور تاجر سکتے میں رہ گیا۔ پھر وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"گویا گویا میرے اور تمہارے دشمن ہمارے درمیان تفرقہ ڈالنے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے اس شدت پسندی کا ثبوت دیا کہ ایک زندگی اس کام کی بھینٹ چڑھا دی۔ کیسے شقی القلب لوگ ہیں۔ اب بتاؤ میں اپنی صفائی کے لیے کیا کروں۔ ایکاس میرے دوست کیا تم میرے دشمنوں کے جال میں پھنس گئے۔ کیا میں تمہاری نگاہوں میں اپنا اعتماد کھو بیٹھا ہوں؟" اس نے بدستور روندھی آواز میں کہا۔

"ہرگز نہیں الفیئس۔ میں جانتا ہوں کہ تم بے لوث انسان ہو۔ تم نے تو میرے اوپر احسانات کیے ہیں۔ اتنی معمولی سی بات پر میں تم سے بددل نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان لوگوں کو ہم سے دشمنی کیوں ہو گئی۔ وہ اس بات کے درپے کیوں ہیں کہ ہمارے درمیان اختلاف ہو جائے۔"

"میرا کاروبار، میری دولت، میری عزت و شہرت بہت سے لوگوں کے لیے تکلیف دہ ہے اور وہ اس کوشش میں مصروف رہتے ہیں کہ کسی طرح میں الجھنوں اور پریشانیوں کا شکار ہو جاؤں۔"

"ہوں تو یہ بات ہے۔ لیکن اس طرح وہ لوگ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تم پوں کر دو الفیئس کہ ایک آدھ دن میں اپنی بیٹی سے میری شادی کا اعلان کر دو۔ اور اس کے فوراً بعد میری شادی اس سے کر دو تاکہ لوگوں کو پتا چل جائے کہ ہمارے درمیان کیا رشتہ قائم ہو گیا ہے۔"

موذی صفت تاجر کا چہرہ میری اس تجویز پر اتر گیا لیکن وہ زہر دہ سانپ کی طرح موذی تھا۔ اس کے اعصاب میں بلا کی قوت تھی۔ دوسرے لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا اور خوش ہو کر بولا۔

"نہایت مناسب تجویز ہے، سو یوں کرتا ہوں کہ آج ہی انتظامات کیے دیتا ہوں اور کل شام کو چند معززین کو بلا کر یہ اعلان کیے دیتا ہوں کیسا رہے گا؟"

"بہت ہی موزوں۔" میں نے جواب دیا۔ میں اس سے جو بے بلی کا کھیل کھیل رہا تھا، مجبوری تھی۔ میں خود تو اسے نقصان پہنچانے کے درپے نہیں تھا لیکن اس نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔ اور اب مجھے اس کی مکاری سے نفرت ہو گئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود میں اس کو نقصان نہیں چاہتا تھا بلکہ اسے سبق دینے کا خواہاں تھا۔ اس سے ملنے کے بعد میں نے سوچا کہ ضرور اس کے شیطانی ذہن نے کوئی دوسرا منصوبہ سوچا ہے، لیکن بدنصیب تاجر یک لاکھ منصوبے بنا لیتا تو بھی میری ذات ان سے متاثر نہ ہوتی، ہاں اس کا یہ منصوبہ اس رات میرے سامنے آ گیا۔ شام کو اس نے ایک محفل رقص و سرور برپا کی تھی اور مجھے بطور خاص اس میں شرکت کی دعوت دی تھی۔

"میں فنکاروں کی دل سے قدر کرتا ہوں اور جب بھی میری نگاہ میں ایسے لوگ آتے ہیں جو رقص و موسیقی کے فن میں یکتا ہوں میں ان کی عزت افزائی کے لیے انہیں دعوت دیتا ہوں۔ آج جو رقاص رقص پیش کریں گے وہ اپنے فن میں یکتا ہیں۔" اس نے مجھے بتایا۔

"ہاں میں جانتا ہوں تم طالب ذوق ہو۔" میں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ میرے بیٹھنے کے لیے جو جگہ بنائی گئی تھی وہ کافی نمایاں تھی اور ذرا الگ تھلگ کر بھی تھی۔ میں نے اس بات کو محسوس کیا لیکن درحقیقت اس وقت الفیئس کا منصوبہ میرے علم میں نہیں آیا تھا۔ جن رقاص کا اس نے تذکرہ کیا تھا ان کی تعداد آٹھ تھی۔ سیاہ ذرکار لباس میں ملبوس تھے اور ان کے چہرے چھپے ہوئے تھے۔ جس وقت وہ رقص گاہ میں آئے تو ایک عجیب سی سنسنی پھیل گئی۔ وہاں موجود لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر انہیں دیکھنے لگے لیکن پھر ڈرم پر چوٹ پڑی اور رقاصوں کے بدن تھرکنے لگے۔ انہوں نے ایک قطار بنا لی تھی اور ان کے پھیلے ہوئے ہاتھ سانپوں کی طرح لہرا رہے تھے۔ پورے بدن ساکت تھے بس ہاتھ ہل رہے تھے اور ایک عجیب سا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے فوراً بعد رقاصوں نے چھلانگ لگائی پیچھے ہٹے اور اس کے فوراً بعد ہی ڈرم طوفانی انداز میں بجنے لگا۔ اور رقاصوں کے پھرتیلے بدن حرکت میں آ گئے خاصا سنسنی خیز رقص تھا اور میں اس رقص سے محظوظ ہو رہا تھا۔ میں نے قرب و جوار کا جائزہ لیا۔ تمام لوگ سنسنی خیز نگاہوں سے رقاصوں کو رقص کرتے دیکھ رہے تھے اور الفیئس کے چہرے پر سکون کے تاثرات تھے، وہ نیم باز آنکھوں سے رقاصوں کی ہر جنبش کو دیکھ رہا تھا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ رقاصوں کے فن پر عروج آتا گیا۔ اب وہ اتنی پھرتی سے تھرک رہے تھے کہ ان کے بدن نظر نہیں آ رہے تھے۔ بس بے پناہ تیز رفتاری سے دوڑتے ہوئے سائے تھے۔ میں ان کے اس فن کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا اور پھر جونہی ڈرم رکے، رقاصوں کے بدن بھی جہاں اور جس حالت میں تھے ساکت ہو گئے۔

دیکھنے والوں نے ایک نعرہ ہائے تحسین بلند کیا لیکن اس کے ساتھ ہی آہستہ آہستہ ڈرم پر دو چوٹیں پڑیں اور رقاصوں نے اپنے لباسوں کی پٹیوں میں اڑسے ہوئے چمکدار خنجر نکال لیے۔ چوڑے پھل والے خنجر جن کی تیز چمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ اور اس کے بعد ڈرم پھر تیز ہو گیا اور رقاص خنجر لے کر ناچنے لگے۔

دوسرے لمحے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اگر میری جہاندیدہ نگاہیں اور تجربہ کار سوچ غلط نہیں تھی تو یقیناً الفیئس کی

Scanned by aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

سازش کی بنا ہو چکی تھی۔

چنانچہ رقاص پھر تحریک میں آ گئے ان کی رفتار آہستہ آہستہ پہلے کے انداز میں طوفانی ہوتی چلی گئی۔ اسی انداز میں دو پہلے بھی پینا رقص پیش کر چکے تھے۔ ڈرم پر پھر زبردست چوٹ پڑی اور رقاص رکے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ دلچسپ واقعہ پیش آیا جس کا میں متوقع تھا۔

انہوں نے اپنے خنجر چھل کی طرف سے پکڑ کر انتہائی قوت سے میری جانب پھینکے اور یکے بعد دیگرے آٹھ خنجر میرے جسم کے مختلف حصوں پر آ کر لگے۔ لیکن میں۔ میں تو ناقابل تسخیر ہوں اور بعض اوقات یہ بات بڑے فخر و انبساط کے ساتھ کہتا ہوں کہ گزرے ہوئے لمحات میں گزری ہوئی صدیوں نے میرے خلاف کیا کچھ نہیں کیا لیکن مجھے فنا نہیں ہے میں تو جاری ہوں اور جاری رہوں گا جنہوں کی نوکیں میرے بدن سے ٹکرائیں اگر وہ اتنی قوت سے کسی اور کے بدن سے ٹکراتیں تو یقیناً پتھر سے تک موت ہو جاتے۔ لیکن ہوا یوں کہ ان کی نوکیں میرے بدن سے ٹکرا کر کند ہو گئیں اور ایک ایک کر کے وہ سب میرے قدموں میں گر پڑے۔

ایفٹس خوفزدہ انداز میں کھڑا ہو گیا تھا۔ میں نے اس کے جسم کی لرزش نمایاں طور پر محسوس کی تھی۔ دوسرے تمام لوگ جو اس رقص کے تماشائی تھے۔ منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکالتے ہوئے کھڑے ہو گئے ان کی آنکھیں دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ لیکن اس کے بعد اس خوف میں تعجب کا احساس بھی شامل ہو گیا۔ پھٹی ہوئی آنکھوں سے انہوں نے مجھے دیکھا۔

میں بدستور پرسکون تھا اور میرے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ تب میں نے ایفٹس کی جانب دیکھا جس کے بدن کا لہو پانی نچڑ کر رہ گیا تھا۔ اس کا رنگ زرد چہرہ ڈھلکا ہوا تھا اور وہ تھکے تھکے سے انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا۔

تب میں آگے بڑھا اور مسکراتے ہوئے میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کیا خوب رقص پیش کیا تمہارے ان فنکاروں نے ایفٹس" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا اور ایفٹس منہ کھول کر رہ گیا۔ اس کے منہ سے آواز نہیں نکل سکی۔

دوسری طرف رقاص بھی وحشت زدہ نگاہوں سے اپنی اس کارروائی کا نتیجہ دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ پلٹ کر ایسے بھاگے کہ ان کا نام و نشان بھی نہ ملا۔ ظاہر ہے اگر وہ یہاں موجود رہتے تو ان کی اپنی زندگی کو بھی خطرہ تھا۔ ایفٹس دوسرا کام یہی کرتا کہ انہیں کسی نہ کسی طرح قتل کر دیتا۔ لیکن انہوں نے جان بچا کر بھاگ جانے میں عافیت محسوس کی تھی۔ تب تماشائی میرے نزدیک پہنچ گئے اور مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ ان تمام سوالات کا لب لباب یہی تھا کہ میرے بدن پر زخم کیوں نہیں آئے اور میں نے ان سب کو تسلی دی۔ میری آواز انتہائی نرم تھی۔ لیکن اگر کوئی شخص خوف و دہشت سے بے ہوش ہو جا رہا تھا تو وہ ایفٹس تھا۔ تب میں نے لوگوں سے کہا تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ لوگوں کو اس ناگوار حادثے کی وجہ سے پریشان ہونا پڑا۔ لیکن ظاہر ہے اس کے بعد اب رقص دوسرا کوئی مرحلہ باقی نہیں رہا۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ نشستیں برخاست کی جائیں" میں نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہا اور ان لوگوں نے ایفٹس کی طرف دیکھا۔

ایفٹس کے تو گویا بدن میں جان ہی نہیں تھی وہ اپنے منہ سے آواز تک نہیں نکال سکتا تھا۔ چنانچہ تماشائی ایک ایک کر کے رخصت ہونے لگے اور اب رقص گاہ میں صرف میں اور ایفٹس رہ گئے۔

"تم پریشان کیوں ہو ایفٹس، بیٹھ جاؤ میرا خیال ہے تمہیں خاصی پریشانی ہے" میں نے نرم لہجے میں کہا اور اس کے شانے پر دباؤ ڈال کر اسے اس کی نشست پر بٹھا دیا۔ پھر میں اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"بہتر تو یہ تھا عظیم تاجر کہ تم جس دوستانہ انداز میں مجھے اپنے ساتھ لے کر آئے تھے وہی دوستانہ انداز برقرار رکھتے" میں نے کہا۔ ایفٹس نے پھر کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن اس کی آواز اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

"بہتر یہ ہے کہ تم اپنے ہوش و حواس واپس لاؤ اور مجھ سے گفتگو کرو میں اس وقت بھی تم سے دوستانہ انداز میں اور دوستانہ لہجے میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں اور تم یقین کرو میرے ذہن میں تمہارے خلاف کوئی انتقامی جذبہ پیدا نہیں ہوا ہے۔"

"میں۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔"

"ہاں ہاں کہو ایفٹس کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں تم سے سخت شرمندہ ہوں۔"

"نہیں۔ تمہاری یہ بات سخت بیکار ہے، میں ایک بار پھر تم سے کہتا ہوں کہ میرے غصے کو آواز نہ دو۔ میری پرخلوص پیش کش کے جواب میں خلوص سے گفتگو کرو۔ میں تمہاری الجھن جانتا ہوں" میں نے کہا اور ایفٹس مجھے دیکھنے لگا پھر شاید اس نے اپنے حواس بحال کرنے کی کوشش کی اور اس میں کسی حد تک کامیاب ہو گیا۔

"میں پائی گاس کا ایک باعزت انسان ہوں اور تم جانتے ہو کہ میں تمہیں کسی بدنیتی سے اپنے ساتھ نہیں لایا۔ بلکہ میں نے تمہیں اپنا دوست سمجھا ہے۔ لیکن ہوا یوں کہ میں تمہیں بھی مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتا۔ عورت ہمیشہ کی بے وقوف ہوتی ہے۔ جذباتی فیصلوں کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتی اور بعض اوقات اس کے یہ فیصلے ایسا بدنما داغ بن جاتے ہیں جنہیں کسی بھی طور نہیں دھویا جا سکتا۔ اہل پائی گاس ایفٹس کی عزت بھی کرتے ہیں اور اس کی نسبت سے خوفزدہ بھی ہیں ان کے ذہنوں میں اس کے لیے گندگی ہے اور اس گندگی کو اچھالنے کا بھی موقع ملتا ہے ابھر آتی ہے۔ چنانچہ اگر میں ایسے شخص کے ساتھ بیٹی کی شادی کر دوں جو حقیقت میں نہ سہی بظاہر میرا غلام ہے تو لوگ کہیں گے۔ مجھے پائی گاس چھوڑنا پڑے گا اور میں کسی اس جگہ پر باعزت نہیں رہ سکتا۔ لیکن دوسری جانب میری حق تلفی ہے جس کی وجہ سے مجھے مشکلات کا شکار ہونا پڑا ہے۔"

"لیکن ایفٹس تم جانتے ہو کہ جس وقت مجھے یہ معلوم ہوا کہ تمہاری بیٹی ہے تو میں نے خلوص دل سے یہ بات کہی تھی کہ اگر میں اس کا علم ہوتا تو میں اسے اپنے قرب میں جگہ نہ دیتا۔"

"ہاں مجھے علم ہے۔"

"پھر مجھے بتاؤ کہ اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

"تمہارا کوئی قصور نہیں۔"

"تو یا تم ایک بے قصور انسان کو قتل کرنے کی ناپاک اور غیر انسانی سازشیں کر رہے ہو۔ تم نے اپنی لونڈی بہانے سے مجھے زہر دینے کا فیصلہ کیا لیکن تمہاری بدقسمتی تھی کہ بہانہ"

میری محبت سے سرشار ہو گئی تھی اور اس نے زہر خود پی لیا تاکہ اسے یہ ناگوار فرض نہ انجام دینا پڑے اور نہ ہی تمہارے سامنے جوابدہ ہو اور میں تمہاری اس دوسری کوشش سے بھی واقف تھا۔"

"واقف تھے؟" ایفٹس نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں ایفٹس مجھے اس کے بعد سے تم پر اعتبار نہیں رہا تھا تمہارے خودکشی کی۔ اور میں تمہاری طرف سے محتاط تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میرے جسم پر تمہاری خنجر آزمائی کامیاب نہیں ہو سکی۔"

"وہ میں کتنا بدنصیب ہوں، میں کتنا بدقسمت ہوں کہ میں نے دوست کو بھی اپنے دامن میں پناہ نہ دے سکا۔ میں تم سے ایک بار پھر شرمندہ ہوں۔"

"میں کہتا ہوں ایفٹس مکاری مت کرو۔ مجھے کھلے دل سے بتاؤ کہ کیا چاہتے ہو؟"

"جو کچھ میں بتا چکا ہوں اس کے بعد اس سلسلے میں تم خود فیصلہ کرو کیا اس؟" ایفٹس نے کہا۔

"ٹھیک ہے ایفٹس اگر میں چاہوں تو اتفاقاً تمہیں مشکلات کا شکار کر سکتا ہوں۔ میں چاہوں تو تم سے اپنے اور قاتلانہ حملے کا انتقام لے سکتا ہوں یا اگر یہ بھی نہ ہو تو تمہاری بیٹی سے مل کر تمہاری کوئی سازش کا انکشاف بھی کر سکتا ہوں اور اس کے بعد ظاہر ہے کہ تمہارے لیے بے پناہ مشکلات پیدا کر دے گی۔ لیکن اس وقت میرے سامنے میرے ساتھ کرتے رہے ہیں تمہیں کسی مشکل میں نہیں ڈال رہا بلکہ میں پوری طور پر پائی گاس چھوڑنے کا فیصلہ کر رہا ہوں۔ ایفٹس خوشی سے اچھل پڑا۔ لیکن دوسرے لمحے اس نے اپنی یہ خوشی چھپا لی۔

"کیا تم مجھ سے مذاق کر رہے ہو ایکیاس؟"

"میں وقت انسان میں تیری طرح مجبور اور سازشی نہیں ہوں جو کہہ رہا ہوں وہی کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ چنانچہ مجھے رخصت کی اجازت دے۔"

"اوہ ایکیاس میرے دوست ایک بار پھر میں شرمندگی کا اظہار کر رہا ہوں اور اس اظہار میں کوئی مکاری پوشیدہ نہیں ہے، مجھے واقعی اس بات کا احساس ہے کہ تو نے میرے ساتھ بہت شریفانہ برتاؤ کیا ہے" وہ بولا اور میں واپس کے لیے مڑ گیا۔

رات کا وقت تھا۔ ایفٹس کے خوبصورت مکان سے نکلنے کے بعد میرے لیے ایسی کوئی جائے پناہ نہیں تھی جہاں میں قیام کرتا لیکن پروفیسر میں ان انسانی مشکلات کا شکار تو نہیں تھا جو تمہاری دنیا کے لوگوں کو پیش آتی ہیں میرے لیے تو ہر جگہ پرسکون اور قابل آرام تھی۔ چنانچہ ایفٹس کے مکان سے نکل کر جدھر میرا منہ اٹھا چل پڑا۔ خوبصورت پائی گاس میں درختوں کی بہتات تھی اور ایسے ہی ایک درخت کے نیچے میں آرام کرنے لیٹ گیا۔ مجھ سے تقریباً فاصلے پر خانہ بدوشوں کے خیمے لگے ہوئے تھے ظاہر وہ عارضی طور پر یہاں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ کیونکہ خیموں کی آبادی اس جگہ کے علاوہ میں نے کہیں اور نہیں دیکھی تھی۔ تب میں نے سوچا کہ پائی گاس کو چھوڑ کر دوسرے راستوں کو اپنایا جائے لیکن اس کے لیے سمندری سفر بھی ضروری تھا۔ کیونکہ جزیرہ پائی گاس چاروں طرف سے سمندر کے درمیان گھرا ہوا تھا اور سمندر کو عبور کیے بغیر کوئی دوسری سرزمین دیکھنا مشکل تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ انتشار کے عالم میں ایفٹس نے بھی اس بارے میں نہیں سوچا تھا کہ اگر میں اس سے پائی گاس چھوڑنے کا وعدہ کر رہا ہوں تو کس بنیاد پر۔ ظاہر ہے اس کے لیے مجھے سمندری سہولتیں درکار ہوتیں۔

لیکن بہرحال اب تو ایفٹس کے مکان سے نکل آیا تھا اور اب مجھے اس سے کیا ہوا وعدہ نبھانا تھا۔ میں نے درخت سے ٹک کر آنکھیں بند کر لیں اور نیم غنودگی کی کیفیت میں کھو گیا۔

اس وقت رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی جب میں نے کچھ لوگوں کے بولنے کی آوازیں سنیں، میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ میدان میں کچھ اور خیمے نصب کیے جا رہے تھے۔ نہ جانے یہ خانہ بدوش کہاں سے آ رہے تھے۔ صبح کی آمد کے ساتھ ساتھ جنہوں کا ہجوم بڑھتا رہا اور میں دلچسپی سے اس اضافے کو دیکھتا رہا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ لوگوں کے بولنے اور چلنے پھرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ تب مجھے ایک پستہ قامت شخص اس درخت کی طرف آتا نظر آیا۔ ہلکی ہلکی روشنی پھیل گئی تھی۔ اس لیے میں اس شخص کو بخوبی دیکھ سکتا تھا وہ کمر پر دونوں ہاتھ باندھے چہل قدمی کرنے کے سے

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

انداز میں اس طرف آرہا تھا۔ پھر وہ میرے نزدیک پہنچ کر ٹھٹک گیا۔ درمیانی عمر کا آدمی تھا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے عجیب سی عیاری کا احساس ہوتا تھا۔ چند لمحات وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر وہ قدم بڑھا کر میرے نزدیک پہنچ گیا۔

"دیوتاؤں کی مدد سے۔ تو کون ہے۔"

"ایکاس۔"

"بلاشبہ اسم بامسمیٰ ہے، لیکن یہاں کیا کر رہا ہے۔ کیا تو غلاموں کا تاجر ہے۔ شکل وصورت سے تو غلام نہیں معلوم ہوتا۔"

"نہ میں غلام ہوں اور نہ غلاموں کا تاجر۔ بس ایک بے خانماں انسان ہوں، اور رات گزارنے کے لیے یہاں ٹھیر گیا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور اس کے نچلا ہونٹ اس انداز میں لٹک گیا۔ جیسے اس کے ذہن میں کوئی خاص خیال آیا ہو۔

"کیا مطلب، کیا مطلب۔ کیا تیرا تعلق پائی گاس سے نہیں ہے۔ کیا تو کسی دوسری جگہ سے یہاں پہنچا ہے؟"

"ہاں، ایک جہاز کی تباہی نے مجھے اس ساحل پر چھوڑا ہے۔"

"دیوتا تجھ پر رحم کریں۔ کیا اہل پائی گاس میں سے کسی کی نگاہ تجھ پر نہیں پڑی۔ کیا کسی نے تجھے اپنا مہمان بنانے کی کوشش نہیں کی۔"

"نہیں اہل پائی گاس خشک طبیعت ہیں۔ اور پھر میں نے ان میں سے کسی سے مدد مانگنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ میں اس شخص کے بارے میں جاننے کا خواہشمند تھا۔ اس لیے اس کی پسند کے الفاظ بول رہا تھا۔ اور لمحہ بہ لمحہ اس کی آنکھوں میں پیدا ہونے والی حریص چمک کو دیکھ رہا تھا۔"

"لعنت ہو ان لوگوں پر جنہوں نے تجھ جیسے سونے کی کان کو بھی چھوڑ دیا اور یہ تو بتا تیرے سونے کی طرح چمکنے والے بدن کا کیا راز ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"یوں لگتا ہے جیسے تو چاند کی دنیا سے بھٹک کر آگیا ہو۔ قدر دانوں کے لیے تو تو زمین کا چاند ہے۔ آہ مجھے تیری اس بے بسی پر کتنا رنج ہو رہا ہے۔ تجھ جیسا گوہر بے بہا یوں چھوڑ دیا گیا میرے عزیز۔ کیا تو میرے خیمے میں پناہ نہیں پسند کرے گا۔"

"تجھے تکلیف ہوگی۔"

"ہرگز نہیں، تو تو میرے لیے سونے کا پہاڑ ہے۔ میں تجھے زندگی کی ہر بہترین سہولت فراہم کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تو اگر اپنی ذات میرے لیے وقف کر دے تو میں تجھے ایسا اعلا منصب دلاؤں گا کہ تو تا زندگی مجھے دعائیں دے گا۔ اٹھ۔ اٹھ میرے ساتھ۔ میں تیری منت کرتا ہوں۔"

میں اٹھ گیا۔ دوسرے چالاک آدمی کے دل میں کیا ہے یہ تو مجھے ابھی تک نہیں معلوم ہو سکا تھا، لیکن پروفیسر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا تو میری فطرت تھی۔ میں نے سوچا ذرا اسے بھی تو دیکھوں۔ یہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ چنانچہ میں خاموشی سے اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑا۔

موٹا شخص مجھے ایک کشادہ خیمے میں لے گیا۔ وہاں ایک شخص گہری نیند سو رہا تھا۔ "اوہ بے وقوف انسانوں نے اسے بھی یہاں سلا دیا۔ خیر کوئی بات نہیں ہے تو خیمے میں آرام کر۔ اگر نیند آتی ہے تو تھوڑی دیر سو جا۔ اس پر لطف ماحول میں تجھے خوب نیند آئے گی۔ بھوکا ہے تو مجھے بتا میں تیرے لیے فوراً خوراک کا بندوبست کروں۔" اس نے کہا۔

"نہیں میں بھوکا نہیں ہوں۔"

"تب پھر آرام کر۔ بقیہ گفتگو تجھ سے صبح کو ہوگی۔" اور اس ادا کے وہ چلا گیا۔ اس کے انداز میں جوش و اضطراب تھا۔ میں اندرونی خیال نے مسرت میں مبتلا کر رہا ہو۔ وہ خیال کیا تھا۔

تب میں سوتے ہوئے شخص کی طرف متوجہ ہو گیا۔ سیاہ فام کا کوئی نوجوان تھا جس کے اعضا فولاد کے ڈھلے معلوم ہوتے تھے اس کے بدن کا ایک ایک پٹھا کسا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس کی صورت بدنما تھی، میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پھر اس شخص کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے اسے جگایا اور وہ ایک دم اٹھ کر بیدار ہو گیا۔

"کیا صبح ہو گئی؟" اس نے پوچھا۔

"ہونے کے قریب ہے، کیا تو سوتا رہے گا؟"

"نہیں اگر الغوذ کا حکم ہے تو میں جاگ جاتا ہوں۔"

"الغوذ کون ہے؟" میں نے سوال کیا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے خیمے میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔

"تو کیا یہ الغوذ کا خیمہ نہیں ہے؟"

"کیا اس موٹے اور پستہ قد انسان کا نام الغوذ ہے۔ جس کے سر پر پہنی ہوئی ٹوپی میں ایک سیاہ پتھر جڑا ہوا ہے۔"

سیاہ شخص نے مجھے تعجب سے دیکھا۔ "پھر تو تیرا نام تو تو عجیب ہے، لیکن تو اس خیمے میں کس طرح آگیا جبکہ تو الغوذ سے واقف بھی نہیں ہے؟"

"اگر تو خیموں سے نکل آئے تو ہم دونوں دوستوں کی طرح گفتگو کریں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ تو وہ بھی مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"تو عجیب ہے۔ تیری یہاں موجودگی ابھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔ لیکن بہتر ہے ہم خیموں میں ڈوبنے کے بجائے ایک دوسرے سے گفتگو کر کے معلومات حاصل کریں۔"

"ہاں نہایت مناسب فیصلہ ہے۔" میں نے اس سے اتفاق

"پہلے سوال کون کرے گا۔ میں یا تم؟" سیاہ فام نوجوان نے خوش مزاجی سے پوچھا وہ اپنی صورت اور جسامت کے برعکس نرم طبیعت کا معلوم ہوتا تھا اور میں نے اس کی یہ بات پسند کی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس کی بے پناہ قوت اس کے لیے سکون کا باعث تھی اور اس نے ٹھنڈی طبیعت پائی تھی۔

"تم ہی سوال کر لو۔ تاکہ پہلے تمہارا تجسس دور ہو جائے۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تب تمہارا شکریہ۔ ہاں ذرا یہ تو بتاؤ تمہارا کیا نام ہے؟"

"ایکاس۔"

"پائی گاس کے رہنے والے ہو، یا کہیں اور سے منڈی آئے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں میرا تعلق پائی گاس سے نہیں ہے۔ بس اتفاقات مجھے یہاں تک لے آئے ہیں۔ یوں سمجھو ایک جہاز کی تباہی کے بعد میں پائی گاس کے ساحل تک پہنچ گیا۔"

"گویا پائی گاس میں تمہارا کوئی شناسا یا عزیز نہ تھا؟"

"نہیں۔"

"آہ! تعجب ہے، تب پائی گاس کے لوگوں نے تمہیں پناہ کیوں نہ دی، لاوارث انسان تو قوت کا غلام ہوتا ہے۔ ایسے کسی شخص کے لیے تو جنگیں تک ہو جاتی ہیں۔ لیکن تم الغوذ کے ہاتھ کہاں سے لگے؟"

"موٹے پستہ شخص نے مجھے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا پایا تھا اور اس نے مجھے پناہ کی پیشکش کی اور اس خیمے میں لے آیا۔"

"ہوں تو یہ بات ہے۔ لیکن ایکاس تم عام لوگوں سے بڑے مختلف ہو۔ تمہارا بدن سونے کی طرح سنہرا اور چمکدار ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔ لیکن یوں سمجھ کہ جس طرح تمہارا بدن ان لوگوں کے جسم کے رنگوں کے برعکس سیاہی مائل ہے اسی طرح میرے بدن کا رنگ بھی سنہرا ہے۔"

"میری نسل کے تمام لوگ میری طرح سیاہ فام ہوتے ہیں کیونکہ میری سرزمین سورج سے قریب ہے، اس لیے ہمارے رنگ سیاہ ہوتے ہیں۔"

"یعنی تمہارا تعلق افریقہ سے ہے۔"

"ہاں میرے وطن کا یہی نام ہے۔"

"میرے بارے میں اور سوالات کرو۔" میں نے کہا اور وہ مسکرانے لگا۔

"میرے خیال میں میرے سوالات پورے ہو چکے ہیں میں تمہارے بارے میں ابتدائی باتیں جان گیا ہوں اس لیے اب سوالات کی باری تمہاری ہے۔"

"سب سے پہلا سوال یہ کہ تمہارا کیا نام ہے؟"

"جالوت، غلام جالوت۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا تم الغوذ کے غلام ہو؟"

"ہاں! میں اس کی ملکیت ہوں۔ اور اس کی رضامندی نہ جانے مجھے کونسا آقا بخش دے۔" جالوت نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"پائی گاس کے بارے میں شاید تیری معلومات محدود ہوں ایکاس۔ یہ غلاموں کی بڑی منڈی ہے، قرب وجوار کے اور بعض اوقات دور دراز کے جزیروں سے غلام یہاں لا کر فروخت کیے جاتے ہیں موسم بہار کا آغاز پائی گاس کے لیے بڑا منفعت بخش ہوتا ہے۔ ان دنوں یہاں غلاموں کے تاجروں اور خریداروں کا ہجوم ہو جاتا ہے اور خوب خرید و فروخت ہوتی ہے۔ تاجروں اور خریداروں کے بہت سے جہاز پہنچ چکے ہیں اور منڈیاں زیادہ ہو گئی ہیں کیا تم نے ایسی کوئی منڈی کبھی نہیں دیکھی؟"

"نہیں۔"

"ویسے الغوذ تمہیں نیک نیتی سے یہاں نہ لایا ہوگا۔ ضرور اس شخص نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ تم لاوارث ہو۔ چنانچہ اب وہ تم کو فروخت کر دے گا۔"

"میری مرضی کے بغیر؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں غلاموں کی کوئی مرضی نہیں ہوتی۔"

"کمال ہے کیا یہ حرکت غیر قانونی نہیں ہے۔"

"غلام انسان کہاں ہوتے ہیں۔" جالوت حسرت سے بولا۔ اور میں اس کی صورت دیکھنے لگا۔

"تم الغوذ کے پاس کب سے ہو؟"

"الغوذ نے تو مجھے صرف تین ماہ قبل خریدا ہے۔ اس سے قبل میں ترا کاذ کا غلام تھا اور وہاں میں نے چھ سال گزارے۔ یوں سمجھو میری ہوش کی زندگی کا آغاز اس کے پاس سے ہوا۔"

"ترا کاذ نے تمہیں کیوں فروخت کر دیا۔"

"اس لیے کہ میں نے حرکت کی تھی جو غلاموں کی تقدیر نہیں ہوتی۔"

"کیا مطلب؟"

"مجھے نشہ سے عشق ہو گیا تھا وہ بھی ایک باندی تھی، اور خوبصورت تھی۔ گو وہ ان کے تصرف میں نہیں تھی۔ لیکن حالات بڑے عجیب تھے، مجھے اس سے عشق کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔"

"کوئی خاص بات تھی اس میں۔"

"ہاں لوگوں کا خیال تھا کہ وہ ترا کاذ کے نطفے سے تھی۔ گو اس کی ماں بھی باندی تھی۔ لیکن باندیوں کی اولاد کو یہ حق نہیں ہوتا کہ وہ ان کو اپنا باپ کہہ سکیں۔ تاہم ترا کاذ کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ دو ہی صورتیں تھیں یا تو وہ مجھے قتل کر دیتا یا فروخت۔ چنانچہ اس نے ان میں سے ایک کام کیا۔"

scanned by aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"نشہ کہاں ہے؟"

"اسے بے قصور گردانا گیا۔"

"ہوں، تیرے دل میں اب بھی اس کی یاد چٹکیاں لیتی ہو گی؟" میں نے سوال کیا اور جالوت کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ اس نے میری اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

میں بھی خاموش ہو گیا۔ انوکھی لیکن دلچسپ صورت حال تھی۔ انوکھے قانون تھے، اب مجھے بھی فروخت کر دیا جانے گا۔ مکار لومڑی مجھے کس چالاکی سے یہاں لے آئی ہے۔ لیکن اس کے فرشتے بھی نہیں جانتے تھے کہ اگر میں اس سے تعاون نہ کروں تو اسے دینے پڑ جائیں۔ میں سوچتا رہا۔ پانی گلاس سے نکلنا چاہتا تھا اور یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ غلاموں کی دنیا کیسی ہوتی ہے اس لیے میں نے یہی فیصلہ کیا کہ بک جاؤں اور میں خود کو تیار کرنے لگا۔ زندگی کا یہ تجربہ انوکھا اور نیا تھا اور میں تو تجربات کا رسیا تھا چنانچہ ایک رخ یہ بھی سہی۔ میں نے سیاہ غلام کی طرف دیکھا اور بولا "نشہ بھی نہیں چاہتی تھی؟"

"ہاں، بہت لیکن اس نے پیش گوئی کر دی تھی کہ ایک دن ہم دونوں کو جدا کر دیا جائے گا اور یہی ہوا۔"

"ممکن ہے زندگی کے کسی موڑ پر وہ تمہیں دوبارہ مل جائے؟"

"نہیں میرے دوست، غلاموں کی زندگی میں سنہرے خوابوں کا کوئی دخل نہیں ہے، اس لیے میں اس کی یاد کو بھلانے میں کوشاں رہتا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ صبح ہو گئی تھی۔ دیر تک ہم خیمے میں رہے۔ کسی نے اندر آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پھر باہر چہل پہل ہو گئی اور خاصا سورج چڑھ آیا جب کسی نے خیمے کا پردہ ہٹا کر اندر جھانکا۔

"اگر تم دونوں جاگ چکے ہو تو ناشتہ کر لو۔"

"آقا کا کیا حکم ہے؟" جالوت نے پوچھا۔

"یہی جو میں نے کہا۔"

"تب ہم ناشتہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔" جالوت بولا۔ اور ناشتے والا چلا گیا۔

"کیا ہمیں باہر جانے کی اجازت نہیں ہے؟" میں نے پوچھا

"اس وقت تک نہیں جب تک آقا ہمیں نیلام گاہ میں نہ پیش کرے۔"

"میں نیلام گاہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ہم پہرے دار تمہیں نہیں جانے دیں گے۔"

"ناشتہ کر لوں، اس کے بعد سوچوں گا۔" میں کہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہمارے لیے پھلوں کا رس۔ بھنا ہوا گوشت اور پنیر کے ٹکڑے آ گئے۔ جالوت اپنا غم بھول کر ناشتے پر ٹوٹ پڑا۔ اور میری علالت بھی کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ناشتے سے فارغ ہو گئے۔

"یہ کاروبار کتنے دن سے جاری ہے؟"

"مجھے یہاں آئے ہوئے پانچواں دن ہے۔"

"تمہیں نیلام گاہ میں نہیں پیش کیا گیا؟"

"ابھی تک نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انفوذ کی نگاہ میں میں ایک قیمتی غلام ہوں۔ اس نے مجھے قیمتی داموں خریدا ہے اور اب وہ میرے اوپر معقول معاوضہ وصول کرے گا۔"

"ہاں جسمانی طور پر تم بہت مضبوط ہو، بہرحال جالوت دیکھنا تو چاہیے کہ یہ نیلام کس طرح ہوتا ہے۔"

"تمہارے لیے مشکل ہے دوست، اب انفوذ کسی طور تمہیں ہاتھ سے نہ جانے دے گا۔ وہ ہر ہتھکنڈہ استعمال کرے گا۔"

"میں کوشش کرتا ہوں۔" میں نے کہا اور اٹھ کر خیمے کے دروازے تک آ گیا۔ یہاں چار نیزہ بردار موجود تھے، جنہوں نے مجھے دیکھا اور ان میں سے ایک سنبھل کر بولا۔

"کیا بات ہے تمہیں کسی شے کی حاجت ہے؟"

"ہاں میں باہر جانا چاہتا ہوں۔"

"کس کام سے؟" پہرے دار نے پوچھا۔

"یہ بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔"

"آقا کی اجازت نہیں ہے۔ پردہ بند کر دو۔" پہرے دار نے کہا۔ میں باہر نکل آیا۔ پہرے داروں نے نیزے تان لیے تھے۔ لیکن میں نے ان میں سے ایک کو پکڑا اور نیزے سمیت اٹھا کر دور پھینک دیا۔ اس کی چیخ سن کر اچانک بہت سے پہرے دار آ گئے اور انہوں نے میرے گرد گھیرا ڈال دیا۔ پھر شاید انفوذ کو اس بات کی اطلاع مل گئی خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔

لیکن انفوذ نے آتے ہی ان سب کو ڈانٹا اور پھر ہاتھ ملتا دانت نکالے میرے پاس پہنچ گیا "کیا بات ہے میرے دوست کیا ہوا میرے عزیز۔ ان لوگوں میں سے جس نے گستاخی کی ہے تم سے، تو میری تلوار اور اس کی گردن، اقادوں مجھے اعتراض نہ ہو گا لیکن کیا بات ہے مجھے بتاؤ۔"

"کیا میں تمہارا قیدی ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں، کسی طور نہیں۔"

"پھر یہ پہرے دار کیوں ہیں؟"

"اوہ! اندر ایک غلام موجود ہے، آؤ اندر چلیں اندر چل کر گفتگو کریں ورنہ یہاں کافی مجمع جمع ہو جائے گا اور تم پریشان ہو جاؤ گے۔ آؤ ابھی چلو براہ کرم میری بات مان لو۔"

میں اس کے ساتھ اندر آ گیا۔ "ہوا کیا۔ بات کیا ہوئی۔ تمہیں کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ۔"

"میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔"

"کہاں۔ کیا انہیں لوگوں کے درمیان، جنہوں نے تمہیں بے اعتنائی کی۔ آہ تم کتنے معصوم ہو، اور یہ خوبصورت انسان سوم ہوتا ہے۔ تم ان لوگوں کے درمیان خوش نہ رہ سکو گے؟"

"مگر مجھے یہاں کیوں قید کیا گیا ہے؟"

"بڑے لوگوں کی نگاہوں سے بچانے کے لیے اور پھر میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہارے لیے کوئی بہتر بندوبست کروں گا سو اگر تم کسی ایسے قدردان کے ہاتھوں میں پہنچ جاؤ جو تمہارا صحیح مقام پہچان لے تو کیا برا ہو گا؟"

"اور وہ قدردان کون ہے؟"

"بہت جلد، بس بہت جلد اس کی آمد ہو گی۔ تھوڑا سا تکلف کر لو میرے لیے۔" انفوذ نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں اس خیمے سے اکتا چکا ہوں۔ میرے لیے باہر سیر و تفریح کا بندوبست کرو۔"

"ضرور ضرور، لیکن ایک شرط پر۔"

"کیا شرط ہے؟"

"تم واپس یہاں آ جاؤ گے۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ تم جالوت کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ اور ہاں جالوت، تم نگراں و محافظ ہو، اس کے ساتھ رہو اور یہاں واپس لانا تمہارا کام ہے لیکن اس مانند کہ دوسروں سے پوشیدہ رہو۔ ابھی ٹھہرو۔ میں تمہارے لیے ایسی بگھی کا انتظام کر دوں جو خریداروں کی ہوتی ہے۔ پھر تم آرام سے منڈیوں کی سیر کر سکو گے کیا تم مجھ سے تعاون کرو گے اور واپس آ جاؤ گے وعدہ کرو۔ بولو کیا تم ایک سنہرا مستقبل نہیں بنانا چاہو گے؟" چالاک بوڑھے کے لہجے میں ایسی التجا تھی کہ مجھے ہنسی آ گئی۔ دولت کمانے کا یہ شوقین دولت کے حصول کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار تھا۔

"تو میں جاتا ہوں اور تمہاری سیر و تفریح کے لیے دس بگھیوں کا بندوبست کرتا ہوں جہاں جا کر تمہیں خوشی ہو جالوت ذرا تم میرے ساتھ آؤ۔" اس نے جالوت کو حکم دیا اور وہ انفوذ کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ چند ساعت کے بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"بگھی تیار ہے۔" اس نے کہا۔

"اور تم میرے نگراں ہو گے؟"

"یہ گفتگو بگھی کے اندر کر لیں گے آؤ۔" اس نے کہا اور میں اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ دو گھوڑوں کی یہ بگھی بہت خوبصورت تھی۔ ایک کوچوان اوپر بیٹھا تھا۔ ہم دونوں بگھی میں بیٹھ گئے۔ اس نے مجھے لاتعداد واسطے دیئے ہیں کہ میں تمہیں یہاں واپس لے آؤں۔ تمہارا کیا ارادہ ہے ایکاس؟"

"اگر میں واپس نہ آنا چاہوں تو؟"

"وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گا اور بس، اس کے بعد جو اس کا دل چاہے گا کرے گا۔"

"کیا کر رہا تھا؟"

"یہی کہ تمہیں تیار کروں کہ تم اس کے کام آ جاؤ اور وہ تمہیں بہترین قیمت پر فروخت کر دے۔ اس نے کہا کہ تم اس کے لیے درحقیقت سونے کی کان ثابت ہو گے۔"

"عجیب، عجیب انسان ہے۔ میری آزادی چھین کر مجھے غلام بنا رہا ہے اور میں اس سے تعاون کروں۔"

"اس نے کہا ہے کہ میں تمہیں سنہرے خواب دکھاؤں۔ تمہیں بتاؤں کہ تمہاری آئندہ زندگی کس قدر خوشگوار گزرے گی۔"

"فضول آدمی ہے۔ اس کی باتیں چھوڑو۔ باقی تم مجھے ذرا منڈی کی سیر کراؤ۔"

کوچوان کسی دوسری منڈی چلو۔" جالوت نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد گھوڑا گاڑی لوگوں کے ہجوم کے قریب رک گئی۔ اونچے اونچے لکڑی کے چبوترے بنے ہوئے تھے اور ان پر غلاموں کی قطاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ رنگین لباسوں میں کنیزیں سر جھکائے جانوروں کی طرح فروخت ہو رہی تھیں۔ اہل ہوس ان پر اپنی زر تھیلیاں لگا رہے تھے اور بیچنے والے طرح طرح کے سوانگ رچائے ہوئے تھے۔ خوبصورت جملوں سے حسن و جمال کی اور اوصاف کی تعریفیں کی جا رہی تھیں۔

تبھی ہم نے ایک نقاہت کی آواز سنی "اہل شوق کے لیے متاع بے بہا، سپاہی و سپہ گری کا امتزاج، سپاہی کردار پارسائی میں بے مثال ہوتی ہے طاقت و سپہ گیری میں لاجواب ہے۔ اس کے سونے کے بدن سے رات کی تاریکی منور ہو جاتی ہے۔ انفوذ کے پاس آج شام کو سورج چھپنے سے قبل صرف ان لوگوں کے لیے یہ دعوت ہے جو باذوق ہوں اور جن کے خزانے لبریز ہوں، موسم بہار کی سب سے قیمتی فروخت۔" نقاہت کی آواز خاموش ہو گئی اور چند ساعت کے بعد اس نے پھر یہی بکواس شروع کر دی۔

"سنا تم نے، یہ اعلان ہمارے بارے میں ہو رہا ہے۔"

"اوہ ہاں۔" میں نے اندازہ لگا لیا۔ گویا یہ ہماری تشہیر ہو رہی ہے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"ہاں تمام منڈیوں اور بندرگاہوں پر رئیسوں کے جہازوں کے نزدیک ایسے ہی نقارچی چیخ رہے ہوں گے۔" جالوت نے جواب دیا۔ اور میں غلاموں کی فروخت کا جائزہ لینے لگا۔ بولیاں دی جا رہی تھیں۔ سونے کے سکوں کے انبار لگائے جا رہے تھے اپنی پسند کی کنیزوں اور غلاموں کی خرید کے لیے بڑی بڑی قیمتیں دی جا رہی تھیں۔ فروخت شدہ انسان کو اس کے خریدار کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

میں گہری سانس لے کر اس کاروبار کو دیکھتا رہا جالوت کے ساتھ میں نے کئی منڈیوں کا جائزہ لیا اور پھر اس کی درخواست پر ہم واپس الغوذ کی رہائش گاہ چل پڑے۔

الغوذ ہمیں دیکھ کر خوش ہو گیا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد اس نے مجھ سے کہا: "اس طرح تمہیں کوئی مضبوط سہارا مل جائے گا۔ ظاہر ہے تمہارے خریدار عام لوگ نہ ہوں اور جو تمہارے لیے ایک بیش بہا دولت خرچ کرے گا وہ تمہارا قدر دان ہو گا کوئی معمولی آدمی تو تمہیں خرید بھی نہیں سکے گا۔"

اور پروفیسر میں اپنی قیمت بنانے کا خواہشمند ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ دیکھوں تو سہی میری کیا حیثیت ہے۔ یہ سورج چھپنے سے قبل چند شناسائیاں ہمیں سنوارنے آ گئیں، مجھے ایک حسین لباس دیا گیا۔ سونے کا ایک تاج میرے سر پر رکھ دیا گیا۔ جالوت کے بدن کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور اس پر کوئی روغن مل کر اس کو چمکا دیا گیا تھا۔ پھر ہمیں بڑے اہتمام سے جیناؤں کے جھرمٹ میں باہر لایا گیا اور میں نے ایک عظیم اجتماع دیکھا تا حد نگاہ سر ہی سر نظر آ رہے تھے جو ایک ایک کر کے مجھے دیکھ رہے تھے۔ یوں ہمیں نیلام گاہ کے چبوترے پر لایا گیا جسے رنگین قالین سے سجایا گیا تھا۔ اور ہماری بولی لگانے والا خود الغوذ تھا جو ایک ریشمی لباس میں کوئی جادوگر نظر آ رہا تھا۔

مجمع میں زبردست چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور لوگ ایک دوسرے پر گرتے پڑتے ہمیں دیکھنے کے لیے بے چین ہو گئے۔ لاتعداد گھوڑے سوار تھے، لاتعداد پیدل تھے، غلام قطاروں کے بوجھ لادے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی مجمع چھٹتا اور کوئی زبردست سب سے آگے آ جاتا۔

پھر ایک ڈھول پیٹا جانے لگا اور لوگ خاموش ہو گئے اور پھر مکار شخص کی آواز ابھری۔ دیکھتی آنکھوں نے کبھی ایسا دیکھا سنتے کانوں نے کبھی ایسا سنا۔ ایک حسن و جمال میں یکتا تو دوسرا قوت و جرأت میں بے مثال، سونے سے تراشے ہوئے اور انہوں تسکین پانے والے آپ کے سامنے ہیں۔ اور اس کے بعد ممکن ہے الغوذ آپ کے سامنے نہ آئے کیونکہ وہ اس کی مثال نہ دے سکے گا۔ ہاں میرا نام الغوذ ہے اور یہ نایاب ہیرے میری تلاش ہیں، ہے کوئی جوان کا بدل تلاش کر دے اور اب قدر دان وہ کہیں جو ان کے شایان شان ہو اور کوئی ایسی بات نہ کہے جس پر دوسرے ہنسیں۔"

"چھ تھیلیاں زر سرخ۔" ایک بوڑھے قلندر کی آواز ابھری۔

"اس مسخرے کو پیچھے دھکیل دو۔" الغوذ نے نفرت سے کہا۔

"بیس تھیلیاں زر سرخ۔" دوسری آواز ابھری۔

"اس سے اپنے گھوڑوں کے لیے چارہ خرید لینا ورنہ بھوکے مر جائیں گے۔"

"سو تھیلیاں۔"

"دو سو تھیلیاں۔"

"ایک ہزار تھیلیاں۔" آوازیں بلند ہوتی رہیں اور الغوذ مسکراتا رہا پھر اس نے کہا۔

"چاند جس محل میں چمکتا ہے وہاں چمکے گا اور بہتر تو یوں ہے کہ یہ دونوں نایاب موتی بکھار ہیں تو اب مذاق کی دنیا سے حقیقت کی دنیا میں آ جائیں اور سفیدہ بولی لگائیں۔"

"ایک ہزار تھیلیاں۔" ایک آواز ابھری اور میری نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں۔ دو گھوڑے باہر کھڑے ہوئے تھے۔ دونوں پر عورتیں تھیں لیکن ان کے چہرے نقابوں میں پوشیدہ تھے۔

"آہ جس کی زندگی میں یہ دونوں ہوں اسے پھر کیا طلب ہے لیکن سنہرے سکوں کی زیادہ تعداد ہی کارآمد ہو گی۔"

"دو ہزار تھیلیاں۔" ایک دوسری نسوانی آواز ابھری۔ ایک صحت مند اور دراز قامت عورت گھوڑے پر سوار نظر آئی۔ وہ کشش رکھتی تھی لیکن عمر پینتیس چالیس کے لگ بھگ ہو گی۔ اس کے شانے پر سیاہ رنگ کا ایک عقاب بیٹھا ہوا تھا اور پیچھے کئی غلام گھوڑوں پر موجود تھے۔

"آہ اب صحیح قدر دان پہنچ سکے۔ لیکن بات شان کے ساتھ ہوئی پہلی آواز دو ہزار تھیلیاں زر سرخ۔" الغوذ بولا۔

"پانچ ہزار تھیلیاں۔" پہلی آواز ابھری۔ "یہ میری مالکہ کی جانب سے ہے۔"

"دوسری آواز پانچ ہزار تھیلیاں۔"

"دس ہزار۔" عقاب والی شہسوارہ کو طرارہ آ گیا۔

"بیس ہزار۔" لڑکی بولی۔

"پچاس ہزار معدود گوہر سرخ۔" عقاب والی بولی اس کے بعد کوئی آواز نہ سنائی دی۔ لیکن پھر گھوڑے والی دوسری حسینہ نے بھی اپنا گھوڑا آگے بڑھا لیا۔

"پچاس ہزار تھیلیاں اور بیس گوہر سرخ۔"

"واہ اب قدر دانوں کے درمیان گفتگو ہو رہی ہے۔"

"پچاس ہزار تھیلیاں بمع پچاس گوہر سرخ۔" عقاب والی حیرت کے عالم میں بولی اور گھوڑے والی حسینہ بے قابو ہو گئی۔ اس کی بلند چیخ ابھری اور وہ گھوڑے سے گر پڑی لیکن اس وقت مجمع کو گیند کی طرح کاٹتا ہوا ایفش برآمد ہوا اور اس نے گری ہوئی حسینہ کو اٹھا لیا۔

یہ گلنار تھی جو شاید فرط غم سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ بہت سے لوگ اس کے ساتھ تھے۔ ایفش نے گلنار کو اپنے آدمیوں کے حوالے کر دیا جو اسے فوراً مجمع کے پیچھے لے گئے۔ تب ایفش آگے بڑھا اور الغوذ سے بولا۔

"کس کی اجازت سے تم کیا اس کو نیلام کر رہے ہو۔"

"میں نہیں سمجھا امیر۔" الغوذ کا چہرہ ہلتی ہو گیا۔

"یہ... یہ میرا آدمی ہے... یہ... میرا غلام ہے۔" ایفش بولا۔ الغوذ کی آنکھوں میں جیسے تاریکی چھا گئی ہو۔ اس نے گرنے سے بچنے کے لیے چبوترے کا سہارا لیا۔ اس کی زبان گنگ تھی۔ تب ایفش میرے قریب آ کر آہستہ سے بولا۔ "تم یہاں تک کیسے پہنچ گئے ایکاس تم اس کے ہم کیسے بن گئے؟"

"راز کی بات ہے ایفش۔ لیکن یہ تو بتاؤ تمہیں کیا تکلیف لاحق ہو گئی ہے تم یہاں کیوں آ گئے؟"

"آہ میری زندگی تو عذاب میں گرفتار ہو گئی۔ نہ جانے وہ کونسا منحوس لمحہ تھا جب تم میرے ساتھ آئے تھے اور میں نے تمہیں اپنے غلام بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ گلنار میری زندگی کا روگ بن گئی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے تمہیں خریدنے کی کوشش کی تھی۔"

"دس ہزار تھیلیاں زر سرخ اور بیس گوہر سرخ۔" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں بیچاری کی ذاتی ملکیت ہے۔"

"چلو اچھا ہوا تم بچ گئے۔ اگر بولی اس کے نام چھوٹ جاتی تو؟"

"آہ! میرے عزیز۔ میں تم سے معافی مانگنے آیا ہوں چلو میرے ساتھ چلو۔ میں جو کچھ کر چکا ہوں اس پر شرمندہ ہوں۔ اب میں تمہیں اپنی بیٹی کا شوہر بنا دوں گا۔"

"تو یوں کرو ایفش، اس خاتون سے بڑھ کر رقم لگاؤ جو ابھی تمہاری بیٹی سے مقابلہ کر رہی تھی۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"آہ! یہ تم کیا کہہ رہے ہو، اچھا میں سمجھ گیا کہ تم مجھ سے انتقام لینا چاہتے ہو۔ لیکن یہ وقت اس کے لیے موزوں نہیں ہے، ہم تنہائی میں واپس چل کر اپنے معاملات طے کر لیں گے۔"

"الغوذ یہ پاگل شخص کیا بکواس کر رہا ہے، کیا یہ تمہارا کاروبار خراب کرنے کا باعث نہیں بن رہا۔ اسے دور ہٹا دو اور اپنا کام جاری رکھو۔" میں نے الغوذ سے کہا اور اس کے مردہ جسم میں جیسے جان پڑ گئی۔

"تو... تو تم... تم..." اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

"ہاں یہ دروغ گو ہے۔ میں تو تمہارا غلام ہوں اور تم مجھے فروخت کرنے کا حق رکھتے ہو۔" میں نے کہا اور الغوذ کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور بولا۔

"اس بے وقوف شخص کو دھکے دے کر یہاں سے نکال دو۔ ہمارا وقت یہ معزز ہستیوں کے مشاغل میں دخل دے رہا ہے۔"

"کیا بکواس کرتے ہو۔ میں شراب کا سب سے بڑا تاجر ہوں۔ اور یہاں کے معززین میں میرا شمار ہوتا ہے، تم اس بدتمیزی کا بہت بڑا خمیازہ بھگتو گے۔" ایفش دھاڑا۔

"ہم بھی تاجر ہیں اور حکومت کو اس کاروبار کا ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ پانی کا اس میں آزادانہ تجارت کی یقین دہانی کی گئی ہے۔ اس لیے تم شرافت سے واپس چلے جاؤ، ورنہ..."

"لیکن یہ شخص تمہارا غلام نہیں ہے۔"

"کیا تم اسے اپنا غلام ثابت کر سکو گے اور دروغ گوئی کی سزا سے بھی تم واقف ہو؟" الغوذ کو میری شہ مل گئی تھی۔ چنانچہ وہ غیر ہو گیا تھا۔

"احمق دو کانداز۔ یہ تم نے معزز گاہکوں کو بلانے کے لیے کیا جھگڑا شروع کر دیا ہے، نیلام کرو تاکہ ہم اپنی پسند کے غلام خرید کر واپس جا سکیں۔" عقاب والی عورت نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میری بدقسمتی ہے محترمہ کہ یہ احمق شخص ہمارے کاروبار کے درمیان آ گیا۔ لیکن چند لمحات توقف کریں، میں ابھی نیلام شروع کرتا ہوں۔" الغوذ بولا۔ اور ایفش پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئی تھیں۔

"کتنی بولی لگی ہے اب تک؟" میں نے پوچھا۔

"پچاس ہزار زر سرخ اور پچاس گوہر سرخ۔" الغوذ بولا۔

"پچاس لاکھ اور سو گوہر سرخ۔" ایفش نے کہا۔

"ایک لاکھ اور ایک سو۔" عورت بولی۔

"دو لاکھ دو سو۔"

"پانچ لاکھ ایک ہزار۔" عورت نے طنزیہ مسکراہٹ سے کہا اور الغوذ زمین پر بیٹھ گیا اب وہ پاگلوں کی طرح ان دونوں کی شکلیں دیکھ رہا تھا لیکن اب ایفش کی بھی حالت خراب ہو گئی تھی اس سے زیادہ وہ بولی نہیں دے سکتا تھا چنانچہ اس نے گردن جھکا لی۔ تب گھوڑے سوار عورت آگے بڑھی اور طنزیہ انداز میں بولی۔

"میرا نام شاکانیہ ہے تاجر۔ میں حکومتیں خرید سکتی ہوں تم صرف ایک غلام کی بات کر رہے ہو۔"

ایفش نے ایک بار خونخوار نگاہوں سے شاکانیہ کو دیکھا یہ نام شاید اس کے لیے اجنبی نہیں تھا اور پھر وہ مجمع سے باہر نکل گیا۔ تب الغوذ بمشکل کھڑا ہوا۔ "آپ کی بولی صادق ہے خاتون شاکانیہ۔"

"ہاں غلام ہمارے حوالے کر دو اور ازیلا کے جہاز پر آ کر قیمت وصول کر لو۔"

"آہ دوسرے غلام کے بارے میں کیا خیال ہے؟" الغوذ نے پھر لالچ کیا لیکن اس سے قبل میں بول پڑا۔

"ہم دونوں ساتھ فروخت ہوتے ہیں الغوذ، جالوت بھی میرے ساتھ ہی جائے گا۔"

"نہیں میرے عزیز۔ مالکہ کو بولنے دو۔ اس کی بات میں دخل اندازی مت کرو۔" الغوذ لجاجت سے بولا۔

Scanned by aazamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

"اور اگر تم نے فضول بکواس بند نہ کی تو۔۔۔" میں نے کڑی نگاہوں سے الفوز کو دیکھا اور وہ بغلیں جھانکنے لگا۔ پھر اس نے نیم مردہ انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے، جیسا آپ پسند کریں اور پھر ہمیں شاکانیہ کے سپرد کر دیا گیا۔ ہم دونوں چبوترے سے اتر آئے اور شاکانیہ کے غلاموں نے ہمیں گھیر لیا۔ لوگ پانی کا اس کی تاریخ کی اس سب سے بڑی بولی پر ششدر تھے۔ ہمیں دو گھوڑے پیش کیے گئے۔ شاکانیہ الفوز کو ساتھ لے کر بندرگاہ چل پڑی، جہاں اس کا جہاز ازیلا کھڑا ہوا تھا۔

سفید خوبصورت کشتی کے ذریعے ہمیں سمندر میں کھڑے ہوئے عظیم الشان جہاز پر لایا گیا اور پھر اس کشتی میں زر و جواہر کے انبار لا لا کر الفوز کے حوالے کر دیے گئے۔ جہاز کے عرشے پر کھڑے ہو کر ہم الفوز کی مسکراتی کیفیت دیکھتے رہے، وہ اتنی دولت حاصل کر کے نیم دیوانہ ہو رہا تھا۔

"اس کی حالت دیکھ رہے ہو جالوت، مجھے خطرہ ہے کہ کہیں ساحل تک پہنچتے پہنچتے اس کی حرکت قلب بند ہو جائے۔"

"یہی مکتا ہے کیا اس، لیکن اب ہمیں اس سے کیا۔"

"یہ شاکانیہ کیا کوئی مشہور نام ہے؟"

"ہاں اگر یہ وہی شاکانیہ ہے تو ہم زیتون کے جنگلات کے سب سے بڑی ریاست ایوورز کی ملکہ کے غلام بن گئے ہیں اور زیتون کی تجارت کے لیے ایوورز سے بڑی کوئی ریاست نہیں ہے۔"

"اوہ! ایوورز کا شہنشاہ کون ہے؟"

"کوئی نہیں، شاکانیہ ہی اس ریاست کی مالکہ ہے اور اس کا شمار یونان کی خطرناک ترین عورتوں میں سے ہے، اور ٹھیک ہی تو ہے اس کے کاندھے پر سیاہ عقاب موجود ہے۔ بلاشبہ شاکانیہ ہی ہے اور پھر اس کا عظیم الشان جہاز چاروں طرف نگاہ ڈالو اس سے بڑا جہاز اور کوئی موجود ہے؟"

میں نے دور تک سمندر کو دیکھا، لاتعداد چھوٹے بڑے جہاز کھڑے تھے جبکہ اس وقت جب میں پانی کا اس کے ساحل پر پہنچا تھا یہ سمندر خالی تھا اور یہاں صرف ایک جہاز تھا۔

"یہ سارے جہاز موسم بہار کے کاروبار کے ہیں۔ میرا مطلب ہے ان پر غلاموں کے تاجر اور خریدار آئے ہوں گے۔"

"ہاں ایسا ہی ہے۔"

"دلچسپ منظر ہے۔" میں نے جہاز کے عرشے پر کھڑے کھڑے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ چھوٹی بڑی کشتیاں سمندر میں چاروں طرف گردش کر رہی تھیں اور ساحل پر خوب رونق تھی تاجروں کے لیے ساحل پر ہی بازار لگا دیے گئے تھے۔ عرض عجیب ماحول تھا اور سمندر میں سورج کا طباق غروب ہو رہا تھا اور اس کے نارنجی لہریے پانی پر جگمگا رہے تھے۔

تب چند لوگ ہمارے پاس پہنچ گئے۔ "تم لوگ اب ہمارے کھڑے ہوئے ہو، آؤ تمہیں تمہاری آرام گاہ دکھا دی جائے۔" میں نے جالوت کی طرف دیکھا اور ہم دونوں شانے ہلا کر ان کے ساتھ چل دیے۔

پورا جہاز سامان آرائش کی حسین چیزوں سے آراستہ تھا اور خوبصورت حسینائیں چاروں طرف گردش کر رہی تھیں۔ رنگین بنی ہوئی تھیں اور ان کے درمیان موٹے خوشنما قالین بچھے تھے، ہمیں ایک دالان میں لے جایا گیا اور اس سے متصل کمرے ہماری رہائش گاہ بتا دی گئی۔

"سیاہ غلام باہر لان میں رہے گا اور تم اندر۔" وہ دالان والوں میں سے ایک نے کہا۔

"شاکانیہ کا حکم ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"تعمیل ہو گی۔" جالوت بولا۔ اور پھر ان لوگوں کے کہنے کے مطابق ہم نے عمل کیا۔ یوں مجھے تنہائی میسر آئی اور میں اپنی غلامی کے بارے میں سوچنے لگا۔ فکر و تردد کی کوئی رمق تو میرے کسی گوشے میں نہیں تھی، کہیں بھی ہوں اور کسی بھی حال میں ہوں میری اپنی انفرادیت کون چھین سکتا تھا۔ میں نے تو اپنی زندگی میں لاتعداد تجربات کیے تھے اور یہ تجربہ بھی انہیں میں سے ایک تھا۔

جہاز پر روشنیاں جگمگا اٹھیں، چند حسین خادمائیں ہمارے کمرے میں آ کر شمعدان روشن کر گئیں باہر دالان میں بھی روشنیاں جگ اٹھیں۔ میں کافی دیر تک اندر رہا اور پھر باہر دالان میں آ گیا جہاں جالوت موجود تھا مجھے دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"تنہائی سے اکتا گئے؟"

"ہاں جالوت، تمہاری کیا کیفیت ہے؟"

"میں تو ٹھیک ہوں، مجھے تو ہر ماحول میں خود کو منوانا آتا ہے لیکن تم نے نئی نئی غلامی قبول کی ہے۔"

"تھوڑا سا وقت گزرنے دو جالوت تم بھی غلام نہیں رہو گے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں۔۔؟ یہ کیسے ممکن ہے؟"

"اس لیے کہ تم اب میرے ساتھ ہو اور میں حالات بدلنے والوں میں سے ہوں، تم میری قوتوں سے واقف نہیں ہو لیکن جب تم میرے ساتھ کے ساتھ ہو جاؤ گے تو بہت کچھ جان جاؤ گے۔"

"ہاں! مجھے تمہاری شخصیت بڑی انوکھی لگتی ہے، تمہیں تاریخ کی قیمت ادا کر کے خریدا گیا ہے کہ غلاموں کی تاریخ میں کوئی اتنا قیمتی غلام نہ ہو گا۔ لیکن ذرا یہ تو بتاؤ وہ لڑکی کون تھی جو تمہیں خریدنے کی تھی اور بے ہوش ہو گئی تھی؟" اس نے سوال کیا۔

"اس کا نام گلشار تھا اور وہ جو بعد میں مجھ پر دولت لگانے کے لیے تیار ہو گیا تھا اس کا باپ اور مقامی تاجر ایفلس تھا۔" میں نے جالوت کو ایفلس کی مختصر کہانی سنا دی۔

"تم عجیب ہو۔ ایک ایسی زندگی مل رہی تھی جو عیش و عشرت سے بھرپور تھی تو پھر تم نے اسے کیوں نہ قبول کیا؟"

"نہیں میرے دوست۔ میری گردش حیات ہے میں رک جاؤں تو بقیہ کائنات رک جائے مجھے تحریک پسند ہے اور میں قرار قبول نہیں کرتا۔"

"میں تمہاری انتہا تک نہیں پہنچ سکتا۔ میں تم سے بہت کمزور ہوں نہ جانے تمہارے وجود میں کونسی قوتیں پوشیدہ ہیں۔" جالوت بولا۔ اور میں نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

پھر شب رات گئے ہمیں کھانے کی پیشکش کی گئی اور ہم دونوں نے اس دوران میں کھانا کھایا، چند خادمائیں ہمارے پاس تھیں اور ہماری ضروریات پوری کر رہی تھیں، اس کے بعد وہ واپس چلی گئیں رات کو ہم آرام کی نیند سو گئے اور دوسری صبح جہاز پر اعلان ہوا کہ لنگر اٹھانے جا رہے ہیں۔ ہم عرشہ پر آ گئے۔ اس دوران ہم نے ایک بار بھی ملکہ شاکانیہ کو نہیں دیکھا تھا لیکن اس وقت وہ عرشہ پر کھڑی تھی اور سمندر سے کشتیاں اوپر اٹھائی جا رہی تھیں، سیاہ عقاب بدستور اس کے شانے پر بیٹھا ہوا تھا اور وہ بڑی عجیب لگ رہی تھی۔

"اس عورت کے بارے میں کیا خیال ہے جالوت؟"

"ملکہ کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟"

"ہاں۔"

"خطرناک اور دلیر عورت ہے۔"

"مجھے اس نے نئی راہ سے کیوں خریدا ہے؟"

"ممکن ہے تمہیں چاہنے لگی ہو۔ اس کے علاوہ تم ایسی انوکھی شے ہو کہ ہر شخص تمہارے حصول کا خواہاں ہو۔"

"اوہ! وہ کشتی نجات ہے جو۔"

"نہیں حقیقت کہہ رہا ہوں۔" جالوت ہنس کر بولا۔ پھر دو غلام ہمارے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ یہ دونوں یونان کے کسی پسماندہ علاقے کے تھے اور ہم سے دوستی کے خواہاں تھے انہوں نے اپنا تعارف کرایا اور پھر ان میں سے ایک بولا۔

"تم دونوں بھی عجیب ہو، ایک چاند کی مانند چمکدار اور دوسرا آبنوس کا پہاڑ۔ یہاں بڑے بڑے طاقتور موجود ہیں۔ ممکن ہے تمہیں ان پہاڑوں سے ٹکرانا پڑے۔"

"کیا مطلب؟"

"ملکہ شاکانیہ طاقت کی رسیا ہے اور اکثر جہاز پر خونریز معرکے ہوتے ہیں۔"

"اوہ! گویا سمندر میں یہ تفریحات بھی ہوتی ہیں۔"

"جو کچھ ہوتا ہے تمہیں جلد معلوم ہو جائے گا لیکن درحقیقت ہم لوگ اس جہاز کے سفر کی آرزو کرتے ہیں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ اس کا سطرنج نئی دلچسپیوں کا حامل ہوتا ہے۔ کچھ انوکھی تفریحات کی شائقین ہے۔"

"خوب! لیکن ہمیں یہاں آئے ہوئے کتنے دن ہو گئے ہیں؟"

"صرف تین دن۔ اگر رات کے واقعات نہ ہوتے تو شاید وہ یہاں سے ابھی نہ جاتی۔"

"رات کے واقعات؟"

"تمہیں معلوم نہیں؟"

"نہیں ہم جلدی سو گئے تھے۔"

"آہ رات کو تو ہتھیار نکل آئے تھے۔ اگر ایفلس واپس نہ چلا جاتا تو ضرور خونریزی ہوتی لیکن جب ہم سب ہتھیاروں سے لیس ہو کر گئے اور ہم نے اس کی کشتیوں پر تیر اندازی شروع کر دی تو وہ واپس چلا گیا۔ ہاں اگر اس نے کھلے سمندر میں تعاقب کرنے کی کوشش کی تو پھر خونریزی یقینی ہے۔"

"ایفلس؟" میں نے دلچسپی سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

"ہاں، مقامی باشندہ ہے، شراب کا بہت بڑا تاجر، کوئی سرپھرا ہی معلوم ہوتا ہے۔" اس نے جواب دیا اور جالوت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ ایفلس کی کہانی میری زبان سے سن چکا تھا۔ بہرحال ظاہر ہے ہم یہ کہانی سب کو تو نہیں سنا سکتے تھے۔

جہاز کی روانگی کی تیاریاں مکمل ہو گئیں، ملاح پوری تندہی سے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ بادبانوں کے رخ بدلے گئے اور پھر جہاز ساحل چھوڑنے لگا۔ دیو پیکر جہاز آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے ہٹتا جا رہا تھا اور ایک بار پھر سمندر کے سفر کی ابتدا ہو گئی تھی، میں عرشہ پر کھڑا دور ہوتے ہوئے ساحل کو دیکھ رہا تھا اور میرے نزدیک جالوت بھی خوابوں میں کھویا ہوا تھا۔

شاکانیہ اپنی جگہ سے ہٹ کر کہیں چلی گئی تھی۔ تب جالوت ایک طویل سانس لے کر بولا "آؤ کیا اس اپنی جگہ چلیں نہ جانے کسی وقت ہماری ضرورت پیش آ جائے۔ غلام مہمان نہیں ہوتے ہیں چلیں چلا آیا تھا۔

لیکن شام تک ہماری خاطر مدارت مہمانوں کی طرح ہی رہی تھی دوپہر کے کھانے میں بھی اہتمام تھا اور بڑے احترام سے ہمیں کھانا کھلایا گیا تھا اور پھر شام کو ہم جس وقت عرشہ پر نکلے تو دو خادمائیں ہمارے پاس پہنچ گئیں۔

"بہتر یہ ہے کہ اس وقت آرام کرو، دراصل خلاط تمہارے لباسوں کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں وہ تیار کر لیں تو تمہیں ملکہ شاکانیہ کے سامنے پیش کیا جائے۔"

Scanned by aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"یہ کب تک ممکن ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بس اب سے تھوڑی دیر کے بعد۔ رات کی محفل گرم ہونے سے قبل۔" خادمہ نے جواب دیا۔

خادمہ کے چلے جانے کے بعد میں اور جالوت نے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھیں اور مسکراتے ہوئے واپس آ گئے۔ خادماؤں کا کہا غلط نہیں تھا۔ اس گفتگو کے تھوڑی ہی دیر بعد چند خادمائیں اندر آ گئیں اور انہوں نے دو لباس ہمارے سامنے رکھ دیے۔ میرے لیے ایک زرکار قبا تھی اور جالوت کے لیے ایسا لباس جو اس کے جسمانی خطوط کو نمایاں کر دے۔ ہم سے کہا گیا کہ ہم خوب غسل کر کے یہ لباس زیب تن کر لیں۔

"ذرا یہ بتاؤ کہ تمہاری مالکہ کس فطرت کی مالک ہے اور مجھے قربانی کے جانوروں کی طرح کیوں تیار کیا جا رہا ہے؟"

"تاکہ تمہاری قربانی دی جا سکے۔"

"گویا یہ میری زندگی کی آخری رات ہے؟"

"ہاں! تمہیں اب قربان ہونا پڑے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب وقت سے قبل نہیں بتایا جا سکتا۔"

خادمائیں چلی گئیں۔ میرے بدن سے خوشبوؤں کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں باہر نکلا تو جالوت موجود تھا۔ اس نے مجھے دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا پھر پرشوق انداز میں آگے بڑھ آیا۔

"تمہیں دیکھ کر کبھی کبھی غصہ ہونے لگتا ہے۔"

"وہ کیا؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"تم کسی طور غلام نہیں ہو سکتے، تم مجھے اس ملکہ شاکانیہ سے زیادہ پراسرار معلوم ہوتے ہو، سچ بتاؤ تم کون ہو؟"

"گویا اب تم بھی وہی احمقانہ گفتگو کرو گے جو دوسرے کرتے رہے مگر ان لوگوں نے میری حیثیت عجیب بنا دی ہے۔"

"خوش نصیب ہو کیا اس؟" جالوت مسکرا کر بولا۔

"وہ کیوں۔ ذرا میری خوش نصیبی سے مجھے بھی تو آگاہ کرو۔"

"ملکہ شاکانیہ کا منظور نظر ہونا اس کی ریاست کا حکمراں بھی بن سکتا ہے نہ سہی یہ لیکن تم شہنشاہوں کی سی زندگی ہی بسر کرو گے۔ ویسے اس عورت کے بارے میں میری رائے زیادہ اچھی نہیں ہے تاہم شکل و صورت کی وہ اتنی بری بھی نہیں کہ تمہیں کسی ذہنی تکلیف کا شکار ہونا پڑے۔"

جالوت بکواس کرتا رہا۔ وہ خود بھی بہت شاندار نظر آ رہا تھا۔ اس لباس میں اس کا طوفانی بدن پھڑپھڑا رہا تھا۔ رات ہو گئی اور جہاز برتیز روشنیاں جگمگا اٹھیں وہ سبک روی سے سمندر میں تیر رہا تھا۔

پھر وہی خادمائیں آئیں اور ہم دونوں کو ملکہ کے حضور طلب کیے جانے کا حکم سنایا۔ میں اور جالوت چل پڑے، جس جگہ ہمیں لے جایا گیا وہ جہاز کے عرشے کا انتہائی سجا ہوا حصہ تھا لیکن اسے حسین خیموں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ یہاں گلکاری بھی کی گئی تھی اور گملوں میں حسین پھول کھلے ہوئے تھے۔ نیچے سبز گھاس کے رنگ کا قالین بچھا ہوا تھا اور کرسیاں کافی تیز تھیں۔

ایک زرکار تخت پر ملکہ شاکانیہ انتہائی حسین لباس میں ملبوس تھی۔ اس کے قرب و جوار میں بیٹھی ہوئی حسین لڑکیاں ملکہ کے سروں میں بربط بجا رہی تھیں جس کی دھنیں دور تک گونج رہی تھیں، عطر بیز ہوائیں چل رہی تھیں اور ماحول کافی خوبصورت تھا۔

ملکہ شاکانیہ نے مجھے دیکھا اور ایکدم اٹھ کر بیٹھ گئی وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے ہاتھ اٹھائے اور ساز بند ہو گئے۔ عجیب سی کیفیت ہو گئی تھی اس کی۔ بس سحر زدہ سی تھی اور چاروں طرف سکوت طاری ہو گیا تھا تب وہ سنبھلی۔

"بیٹھ جاؤ۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ وہ پریشان سی نظر آ رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے بائیں طرف رخ کر کے کہا: "تنہائی۔ میں مکمل تنہائی چاہتی ہوں۔" اور خادمہ نے اس کا حکم دوسروں تک پہنچا دیا۔ ایک ایک کر کے تمام لوگ اٹھ گئے۔ تب اس نے جالوت سے کہا: "تم بھی جاؤ میں کل تم سے ملاقات کروں گی۔"

جالوت نے گردن خم کی۔ ایک مسکراتی نگاہ مجھ پر ڈالی اور واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد صرف میں اس کے پاس رہ گیا تھا اور وہ دیوانہ وار مجھے دیکھ رہی تھی۔

"کیا تم نے کبھی آئینہ دیکھا ہے۔ یا کسی نے تمہیں یہ حیثیت نہیں بخشی؟"

"میں مالکہ کے الفاظ کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔"

"آہ تم کسی طور غلام نہیں ہو سکتے، سچ بتاؤ تم کون ہو اور بازار میں کس طرح آ گئے۔ میں نہیں مانتی۔"

"میں آپ کا غلام ہوں۔ آپ نے مجھے خریدا ہے۔"

"اس سے قبل کہاں تھے؟"

"پانی گاس میں۔"

"اور اس سے قبل؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ دل کی یہ نسبت وہ دیکھ بدل ہوئی لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شراب کا خمار تھا اور خدوخال میں نرمی محسوس ہو رہی تھی۔

"ایک غلام کی زندگی کا آپ تصور کر سکتی ہیں ملکہ عالیہ۔"

"نہیں میں زیرک ہوں۔ میں نے جہاں دیکھے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے تم کوئی بھٹکے ہوئے دیوتا ہو۔ یا پھر تمہیں آسمان سے کوئی سزا ملی ہے، تم اس جہاں کی مخلوق نہیں لگتے۔"

"یہ آپ کا حسن ظن ہے۔ ورنہ میں آپ کا غلام ہوں۔"

"آہ! تمہیں تو غلام کہہ کر شرمندگی ہوتی ہے۔ تم غلام نہیں ہو، سچ بتاؤ تم کون ہو۔ میں تو تمہیں دیکھ کر ششدر رہ گئی ہوں۔"

"ملکہ کے حکم سے سرتابی میری مجال نہیں۔ اگر کوئی دوسری بات ہوتی تو میں عرض کر دیتا۔"

"میرا دل نہیں مانتا۔ میں تسلیم نہیں کرتی۔ لیکن اگر تم دیوتا ہو تو میں خود کو دیوی سمجھتی ہوں۔ میں نے تمہیں ایک غلام کی حیثیت سے خریدا تھا۔ لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ چلتا پھرتا غلام میری تقدیر کا مالک بھی بن سکتا ہے۔ ایکاس میں نے تمہیں اپنی غلامی سے آزاد کیا۔"

"مالکہ میں تیرا شکر گزار ہوں۔"

"لیکن مجھے بتاؤ۔ میں تمہیں اپنے نہاں خانۂ دل سے کیسے نکالوں۔ تم نے تو میرے حواس چھین لیے ہیں۔"

"میں خادم ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور . . . سر جھکا دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ میری شکل دیکھنے لگی۔

"آہ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے۔ جیسے دیوتاؤں نے میرا امتحان لینے کے لیے تمہیں زمین پر بھیجا ہو۔ شک میں باقی ہوں اپنی ذات اور ماحول سے۔ لیکن تمہارے بدن کو داغدار کرنے کا تصور بھی میرے لیے ممکن نہیں، تم تقدس کے بت ہو۔"

میں نے ایک گہری سانس لی۔ ایک تکلیف دہ خیال سے مجھے نجات مل گئی تھی۔ یہ عورت عمر رسیدہ تھی، پختہ کار تھی۔ زمانے کے سرد گرم اس کے وجود کی مہر سے نمایاں تھے اس کے غلام کی حیثیت سے اگر مجھے اس کے تصرف میں رہنا پڑتا تو میرے لیے خوشگوار نہیں تھا۔ لیکن یہ دیوتاؤں کا چکر دلچسپ ہے بول تو اور دار میں بسنے والوں نے مجھے مختلف رنگ اور مختلف نام دیے تھے لیکن یہ حیثیت اگر میرے کام آ رہی ہے تو مجھے اس سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آہ! تمہاری مسکراہٹ۔ دیوتاؤں کی قسم میں بے حد خوش نصیب ہوں۔ میں نے تمہاری قیمت ادا کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ یہ مسکراہٹ سورج کی اس کرن کی مانند ہے جو سب سے پہلے زمین کو صبح کی آمد کا پیغام دیتی ہے۔ مجھے بتاؤ تم کون ہو کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گے؟"

"میرا نام ایکاس ہے۔"

"ہاں تمہارے وجود کی روشنی اس بات کا پتا دیتی ہے۔"

"اس کے علاوہ تم اور کیا پوچھنا چاہتی ہو؟"

"اس طرح سر بازار کیسے آ گئے؟"

"اگر آسمان کے راز زمین پر عیاں ہونے لگیں تو دیوتاؤں اور انسانوں میں کیا فرق رہ جائے۔"

"آہ تو تم نے تسلیم کر لیا۔ گویا میرا خیال درست تھا۔ میری خوش بختی اب کسی شک و شبہ کا شکار نہیں ہے۔ بلاشبہ میرے اوپر رحمتوں کا نزول شروع ہو گیا ہے۔ لیکن مجھے بتاؤ میں اس جہاز پر تمہارے لیے کیا کروں۔ اور یہ بھی بتاؤ کہ تمہاری آمد میرے لیے کون سی خوشیاں لائی ہے؟"

"تم ہر طرح سے ایک مطمئن عورت ہو شاکانیہ۔ بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"شاکانیہ کیا چاہتی ہے، کیا یہ تم پر عیاں نہیں ہے۔ لیکن افسوس عمر کی اس منزل میں آ کر مجھے میرے خوابوں کی تعبیر مل رہی ہے۔ نہ جانے یہاں خود کو خوش نصیب کہوں یا بدنصیب میں کیا کہوں خود کو۔"

"میں تیرے دکھ، تیرے خواب جاننا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"تم واقف ہو ایکاس۔ بلاشبہ تم واقف ہو، تمام باتوں سے۔ میرے دل کا راز جان لو۔ اوہ! تمام علامتیں وہی ہیں۔ میرے خواب، میرے بچپن کے خواب جو میرے ذہن سے نکل بھی چکے تھے۔ ایک طویل عرصہ گزر گیا۔ ہاں یوں لگتا ہے، جیسے صدیاں بیت گئی ہوں۔ میں چھوٹی تھی۔ بہت چھوٹی سی تھی۔ شاید دس یا گیارہ سال کی۔ میرا باپ گڈریا تھا۔ جنگل میں بھیڑیں چراتا تھا۔ جو کہ میری ماں بچپن ہی میں مر گئی تھی اس لیے میرا باپ مجھے اکثر ساتھ رکھتا تھا۔ ایک چھوٹی سی آبادی میں ہماری رہائش گاہ تھی پھر ایک دوپہر جب آسمان سے قہر برس رہا تھا، سورج کی تپش عروج پر تھی۔ میرے باپ نے مجھے ایک چٹان کے سائے میں سلا دیا۔ اور میں گہری نیند سو گئی۔ تب میں نے دیکھا بلند و بالا پہاڑ کی چوٹیوں سے ایک قافلہ اتر رہا ہے۔ وہ سب کے سب نورانی چہرے والے تھے۔ ان کے سفید لباس ہواؤں سے ہل رہے تھے۔ وہ میرے پاس پہنچ گئے اور پھر۔ پھر۔ انہوں نے مجھے جگایا۔ ان میں سے ایک نے میری پیشانی پر بوسہ دیا اور اپنے لباس سے ایک تاج نکال کر میرے سر پر رکھ دیا۔ تب اس نے کہا کہ میں شاکانیہ ہوں۔ اور میں شاکانیہ بن گئی۔ سمجھے ایکاس میں شاکانیہ بن گئی۔"

"اس سے قبل تمہارا نام شاکانیہ نہیں تھا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں میرے باپ نے میرا نام شائی رکھا تھا۔ لیکن انہوں نے کہا کہ میں شاکانیہ ہوں۔"

"خوب . . . پھر . . . ؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"پھر انہوں نے مجھے زمین پر لٹا دیا اور میرے پیٹ کو کھول دیا۔ انہوں نے ایک خوبصورت پتھر میرے پیٹ کے اندر پوشیدہ کر دیا میں نے پوچھا وہ کون ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ازمیر ہے ہونٹوں کا رکھوالا ازمیر۔ اور یہ میرے بطن میں پرورش پائے گا اور اس سے جنم لے گا۔ اس خواب کے بعد میں جاگ گئی۔ لیکن میرے بطن میں بھاری پن تھا اور میرے سر پر تاج موجود تھا۔

میرے باپ نے جب بھیڑوں کو اکٹھا کیا اور مجھے دیکھا تو تاج دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا تو میں نے اسے پورا واقعہ سنا دیا وہ خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ اس نے مجھے بہت سے سجدے کیے اور پھر خوشی خوشی واپس آ کر یہ کہانی بستی والوں کو سنائی لیکن بستی کے تاریک نگاہ نہ سمجھ سکے نہ انہوں نے یقین کیا بلکہ میرے باپ پر الزام لگایا کہ اس نے یہ تاج کہاں سے چرایا ہے۔"

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

پھر دونوں باپ بیٹی کو حکومت وقت کے حوالے کر دیا گیا۔ یہاں بھی میرے باپ کی ان باتوں کو دیوانگی قرار دیا گیا اور ملزم اس سے چھین لیا گیا۔ یہی کرم کیا گیا تھا جسے اور پر کہیں قتل نہیں کیا گیا لیکن میرے باپ کو میری سچائی پر یقین تھا۔ وہ مجھے واپس لے کر بستی گیا اور یہاں سے اپنا سامان سمیٹ کر میری خوش بختی کی تلاش میں نکل گیا لیکن خوابوں کی تعبیر دیر سے ملتی ہے، جنگل جنگل صحرا صحرا ہم خوش بختی کی تلاش میں بھٹکتے پھرے اور ایک شام میرے باپ نے ایک ویرانے میں دم توڑ دیا اور میں تنہا رہ گئی جو خواب میں نے دیکھا تھا وہ میرے لیے عذاب بن گیا تھا۔ مجھے ہوش آگیا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ خواب صرف خواب ہوتے ہیں۔ پانچ برس ہو گئے تھے ہمیں اس عذاب کا شکار ہوئے۔ میں اب اس کے تصور سے لرزنے لگی تھی۔ تنہا ویران جنگل میں میں بے یار و مددگار تھی اور خوف سے میرا دم نکلا جا رہا تھا کہ رات کی تاریکی میں چند گھڑ سوار میرے پاس سے گزرے اور میں نے انہیں مدد کے لیے پکارا۔ گھوڑے رک گئے اور پھر ایک شخص نے مجھے دیکھا اور میرے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اسے اپنی داستان سنائی تو وہ مجھے اپنے ساتھ لے چلا۔ پورا قافلہ ہو گیا۔ اس کا نام فرناس تھا اور وہ ازیلا کا حکمران تھا۔

میری عمر سولہ سال کی تھی اور جاشنہ میں نہایت خوبصورت تھی۔ فرناس نے مجھ سے شادی کر لی۔ لیکن وہ پہلے سے شادی شدہ تھا۔ مجھے اس نے بہت ہی بری طرح رکھا لیکن اس کی پہلی بیوی اس طرح مجھ سے بری طرح جلتی تھی وہ بے وفا تھی اور اسے خوف تھا کہ اگر میرے بطن سے اولاد پیدا ہو گئی تو وہ فرناس کی نگاہوں سے ہمیشہ کے لیے گر جائے گی۔ وہ میرے خلاف سازشوں میں لگی رہی لیکن کبھی کامیاب نہ ہو سکی۔ لیکن پھر تقدیر نے اسے بھی برفوقیت دے دی اور اس کے ہاں ایک لڑکی ہوئی۔ فرناس کی توجہ مجھ سے ہٹ گئی اور میں اس بات کو برداشت نہیں کر سکی۔ لڑکی کی پیدائش کے تین سال بعد میں نے فرناس کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ پھر اس کی بیوی کو قتل کر دیا۔ لیکن نہ جانے کیوں میں نے جب بھی فرناس کی بیٹی کو قتل کرنے کی کوشش کی تو میری روح کانپ جاتی تھی، وہ شیطان صفت لڑکی آج بھی میری جان کا عذاب بنی ہوئی ہے۔

فرناس کی موت کے بعد میں اس ریاست کی مطلق العنان تھی اور میں نے خود کو شاکانیہ کہنا شروع کر دیا تھا۔ شاکانیہ کی حیثیت سے میں ایک مہم جو مشہور ہوئی۔ یہ ازیلا زمین کے درختوں کا سب سے بڑا مرکز ہے اور یہاں سے زیتون پورے یونان بلکہ دوسرے ممالک میں بھی جاتا ہے اس لیے دولت کی میرے پاس کوئی کمی نہ رہی اور میرے عاشق بردار میری مافوق الفطرت شخصیت کے چرچے کرتے رہے۔

لیکن جب میں اپنے خوابوں سے مایوس ہو گئی تھی تو میں نے زندگی پہچانی اور سارے خواب بھول گئی، میں پورے یونان میں اپنی کہانی کے ساتھ مشہور ہوں لیکن اب لوگ بھی میری اس کہانی کو بھول گئے ہوں گے۔ آہ کہاں ہے مجھے دیکھ کر کیسے وہ کہانی پھر یاد آگئی ہے۔ جانیں اپنی سچائی دوسروں پر کیسے ثابت کروں۔

میں کیا بتا سکتا ہوں شاکانیہ۔

آہ مجھ سے اجتناب نہ برت آج پھر میرے دل میں میرا بچپن زندہ ہو گیا ہے۔ تیرے سامنے ہیں وہ نہیں ہوں جو دوسروں کے لیے ہوں۔ جنگ میں نے تجھے خریدا ہے لیکن آج سے میں خود تیری غلام ہوں مجھے اپنے قدموں سے روشنی دیدے۔

وہ بھی اور اس نے میرے دونوں بازو پکڑ لیے اور پروفیسر بڑی بوکھلاہٹ کے عالم تھے۔ اب میں اتنا گیا یہ میرے بس کی بات تھی۔

میں پریشانی سے اس کی صورت دیکھتا رہا۔ لیکن عورت جس تلاش کی تھی اس سے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا طلسم ٹوٹ گیا اور وہ نہ رہے گی۔ اس لیے کچھ کہنا ضروری تھا تب میں نے اسے مخاطب کیا اور بولا۔ شاکانیہ کیا تو مجھے سوچنے کی مہلت نہ دے گی؟

میں زندگی کی آخری سانس تک اپنے حق میں تیرے فیصلے کا انتظار کروں گی اور میں جبر کرنے والوں میں ہوں۔ لیکن بھلا تیرے اوپر جبر کس طرح کروں گی۔

وہ پھر تمہارا کیا ہے میرے لیے، میں نے پوچھا۔

آسمان سے اترنے والے تو جس رنگ میں میرے سامنے آیا ہے وہ اجنبی ہے لیکن دیوتاؤں کی باتیں دیوتا ہی جانیں۔ میں وہ مقام حاصل کرنا چاہتی ہوں جو کسی دیوتا کی ماں کا ہوتا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ تو ہی میرے بدن میں انگیز کی روح پھونک دے۔

اور پروفیسر یہ روح پھونکنے کا معاملہ ہی ٹیڑھا تھا اس لیے اس نے ذرا گھبرا کر پکڑ لی تھی۔

اور یہ تو میں ہی جانتا ہوں کہ روح میں پھونکنے میں میری کیا حیثیت تھی۔

بہرحال مجھے سوچنے کی مہلت مل گئی تھی۔ شاکانیہ تو کہہ رہی تھی کہ میں اپنے قدموں کو مدنگاہ رکھتے ہوئے بڑی نیاز مندی سے مجھے میری قیام گاہ تک چھوڑنے آئی۔

جالوت اپنے دالان میں گہری نیند سو رہا تھا۔ میں نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا اور خود اپنی حمام گاہ میں آکر لیٹ گیا۔ لیکن میں دلچسپ واقعات کا تجزیہ کر رہا تھا۔

دوسری صبح جالوت اس وقت میرے کمرے میں آیا جب میں غافل تھا۔ میری خدمت پر مامور تھیں اور بڑی چاہ سے مجھے جگا رہی تھیں لیکن میں تو بھلا اٹھ گیا اور سامنے ہی جالوت کی مسکراتی شکل تھی۔ اس نے سینے پر دونوں ہاتھ رکھے اور جھک گیا میرے سامنے۔

خوب کوئی نیا منصوبہ ذہن میں سوچا ہے؟ میں نے کہا۔

نہیں آقا کیسی۔ جالوت تو آپ کا غلام ہے۔

لڑکیوں کے سامنے فضول گفتگو کرنے کی عادت زیادہ

اچھی تو نہیں ہوتی۔ میں نے منہ بنا کر کہا۔

جالوت کی مجال۔ خود ان لڑکیوں سے پوچھ لیا جائے۔

کیا پوچھ لیا جائے؟

یہی کہ راتوں رات تقدیریں کیسے بدل جاتی ہیں اور کس کو بات کیا سے کیا بنا دیتی ہے۔

پھر بات کروں گا تجھ سے۔ ہاں میں جاگ گیا ہوں تم لوگ آپ جاؤ۔ لوٹی اور ہدایت ہے میرے لیے۔

شاکانیہ اس وقت تک ناشتہ نہیں کریں گی جب تک آپ ان کے پاس نہ پہنچ جائیں گے۔ ایک خادم نے کہا۔

تجھے بھی بلندیاں مل جائیں۔ جالوت مسکرا کر پیار سے بولا۔

تم لوگ جاؤ۔ میں تھوڑی دیر میں خود ہی آجاؤں گا۔

تمہارا وہ احمق عورت بلانے بھیج رہی ہے۔ میں ذرا اس کے پاس جاؤں پھر تم سے گفتگو ہو گی۔ میں نے اندر جا کر جاس پہنا۔ پھر میں اس بے وقوف عورت کے پاس پہنچ گیا۔

نہ تھے پر وہ میری منتظر تھی کس قدر مضطرب نظر آرہی تھی۔ میں نے شکر کیا کہ اس وقت بھی اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا مجھے دیکھ کر وہ کھڑی ہو گئی اور پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

خوش آمدید کیا اس۔ خوش آمدید چاند سے آنے والے۔ رات تمہاری کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟

تمہارا شکریہ شاکانیہ۔

احسان تو تیرا ہے کہ تو میری شخصیت مکمل کرنے میرے پاس آئی۔ احسان تو تیرا ہے کہ تو نے مجھے بھولے ہوئے خواب یاد دلا دیے۔ تجھے اپنی رہائش گاہ پر تکلیف ہو گی۔ کیا میں تیرے لیے اور مزید راحت کر دوں؟

نہیں شاکانیہ۔ میری رہائش گاہ نہایت آرام دہ ہے یہاں جالوت بھی موجود ہے کسی دوسری رہائش گاہ کی ضرورت نہیں ہے۔

تو تو مطمئن ہے تو ٹھیک ہے۔ ویسے رات کو تو نے میرے بارے میں ضرور سوچا ہو گا۔

ہاں اور مزید سوچنا چاہتا ہوں۔

مجھے بھی جلدی نہیں ہے۔ لیکن اب تو ہر لمحہ خوش آئند ہو جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ تو میرے حق میں فیصلہ دے گی۔ کہا اور میں نے خاموشی سے ناشتہ شروع کر دیا۔ ناشتے کے دوران میں نے پوچھا۔

اب تمہارا کیا ارادہ ہے شاکانیہ؟

کس بارے میں؟

تمہارے جہاز کی دوسری منزل کونسی ہو گی؟

موسم بہار میں، میں طویل سفر کرتی ہوں اور دور دور کے جزیروں میں نکل جاتی ہوں، مقصد سیر و تفریح بھی ہوتا ہے اور تجارت بھی، میں ان جگہوں پر زیتون کی کھیت کی بات کرتی ہوں۔ لیکن اب میرا ارادہ کچھ اور ہے۔

وہ کیا؟ میں نے سوال کیا۔

میں چاہتی ہوں کہ جلد از جلد ازیلا پہنچ جاؤں اور اہل ازیلا کو ان کی خوف زدگی کی خوشخبری سناؤں۔

اس کے لیے اتنی جلدی ضروری نہیں ہے شاکانیہ۔ بہتر ہے تمہارے وعدے کے مطابق اپنا سفر جاری رکھو اور وقت پر ازیلا پہنچو۔

اس میں اگر کوئی رسز پنہاں تو ٹھیک ہے اگر ازیلا کی تکمیل سیند سمندر پر ہی مقصود ہے تو مجھے اعتراض نہیں جیسا تو کہے۔

ہاں بھئی اپنے ارادوں میں کوئی تبدیلی مت کرو۔

جیسا تو نے کہا۔ وہی ٹھیک ہے۔ میں نے اپنے ارادے سے کسی کو باخبر نہیں کیا البتہ تیری آمد کی اطلاع دے دی ہے۔

یہ بھی مناسب نہ ہوا۔

وہ کیوں؟ کیا میں اپنی خوشیاں چھپا سکتی ہوں یہ میرے لیے بہت مشکل تھا تو میری خوشیوں کا اندازہ نہیں کر سکتا۔

اور پروفیسر میں نے سوچا کہ یہ عورت باز نہیں آئے گی۔ یہ میری لاگو ہو گئی تھی۔ اب اس کے مقاصد پورے ہوں یا نہ ہوں وہ دوسری بات ہے لیکن مجھے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ میں اس سے بچ نہ سکوں گا۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ خیر ٹھیک ہے میں نے سوچا۔ زمانہ قدیم میں ایسی عورتیں اکثر میرے ساتھ رہی تھیں جو عین عالم جوانی میں میری زندگی میں شامل ہوئی تھیں اور میرے سامنے ہی بوڑھی ہو کر مر گئی تھیں لیکن بوڑھی ہونے کے باوجود میں نے انہیں اپنی بیگانگی کا احساس نہ ہونے دیا۔ اور برداشت کرتا رہا تھا۔ اسی عورت کو بھی انہیں میں شمار کروں گا۔

خیر ٹھیک ہے، میں گہری سانس لے کر بولا۔ وہ میری خاطر مدارت کرتی رہی اور پھر میرے ساتھ ہی جہاز کے عرشہ پر نکل آئی۔ اس کی روانی گفتگو کو مضحکہ خیز رنگ دے رہی تھی لیکن میں اسے نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کر رہا تھا۔

فرناس میں میرے ہزاروں دشمن ہیں۔ لیکن میں نے کسی دشمن کو سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ اب جب میرے دشمن میری اس بلندی سے واقف ہوں گے تو ان کے سینوں پر سانپ لوٹ جائیں گے اور اس کے بعد وہ مجھے برتر و اعلیٰ سمجھنے پر مجبور ہوں گے وہ بھی سرنگوں ہو جائیں گے جو خود کو دیوتاؤں کا پیر سمجھ کر پیش گوئیاں کرتے ہیں۔

وہ کون؟ میں نے پوچھا۔

aazzamm@yahoo.com

"تم ان سے روشناس ہو جاؤ گے۔ بس وقت آنے دو۔" اور میں خاموش ہو گیا۔ پھر جب دھوپ بلند ہو گئی تو مجھے اس سے نجات ملی۔ لیکن صرف دوپہر تک کے لیے اس کے بعد مجھے اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہونا تھا۔

واپس پہنچا تو جالوت غمگین نظر آیا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے غصیلے انداز میں سر ہلا دیا۔

"کیا بات ہے جالوت؟ ناراض ہو؟"

"تم نے مجھے پریشانیوں کا شکار کر دیا ہے۔" وہ بولا۔

"خیریت۔ کون سی پریشانی لاحق ہو گئی تمہیں؟"

"وہ مصیبت ابھی ابھی میرے پاس سے گئی ہے۔"

"کون زلالہ؟"

"ہاں!"

"اوہ کیا کہہ رہی تھی۔ کس لیے آئی تھی؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔ ویسے جالوت کی شکل دیکھ کر ہنسی نہیں روکی جا رہی تھی۔ وہ کافی پریشان نظر آ رہا تھا۔

"اس کا خیال ہے کہ دیوتا صفت لوگ جھوٹ نہیں بولتے۔ میں اس سے چھپا رہا ہوں اپنی محبت کیونکہ میں شرمیلا ہوں۔ رات کو میرے پاس آنے کی دھمکی دی گئی ہے۔" جالوت فریادی لہجے میں بولا

"خیر میں کوشش کروں گا کہ تمہیں اس سے نجات دلا دوں۔ حالانکہ خود میں تو بری طرح پھنس چکا ہوں۔"

شام کو بادل چھا گئے تھے۔ ملاح چاق و چوبند نظر آ رہے تھے۔ اور سمندر کی ہوائیں خنک اور مست کن ہو گئی تھیں۔ ملکہ شاکانیہ کی طرف سے ہمارا بلاوا آ گیا۔ میں اور جالوت جہاز کے ایک حصے پر پہنچ گئے۔

زیادہ تر ملاح وہاں جمع تھے۔ ملکہ شاکانیہ بھی اپنے عقاب کے ساتھ موجود تھی۔ اس کے بدن پر وہی چست جہازی لباس تھا جس سے تلوار لٹک رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے خوشی سے ہاتھ ہلایا۔

"کیا تمہیں قوت کے مظاہروں سے دلچسپی ہے کیا؟"

"کیوں نہیں۔"

"میرا پسندیدہ کھیل ہے اور اس کے لیے میں نے بڑے بڑے طاقتور لوگوں کو جمع کیا ہے۔ ابھی میں ان کے جسمانی مقابلے کراؤں گی۔" اور میں اس کے نزدیک بیٹھ گیا

"خوب۔" میں نے کہا۔ اور اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔ تب شاکانیہ نے جالوت کی طرف دیکھا۔

"سیاہ غلام تم میرے لیے اس طور قابل توجہ اور احترام ہو کہ کیا اس تمہیں دوست سمجھتا ہے۔ تم بھی خود کو یہاں غلام مت سمجھو۔ کیا اس کے دوست کسی کے غلام نہیں ہو سکتے۔ ہاں جسمانی طور پر تو تم بھی بیمار ہو۔ کیا تمہیں جسمانی مقابلوں سے دلچسپی ہے۔"

"اگر شاکانیہ کا حکم ہو گا تو میں تعمیل کروں گا۔" جالوت نے سسکتے ہوئے کہا۔ اور شاکانیہ بھی مسکرانے لگی۔ پھر جسمانی مظاہرے کرنے والے آنے لگے۔ انوکھے لوگ تھے یہ گوشت کے پہاڑ۔ جالوت کے لیے فرزندگی کا باعث۔ مگر میں نے جالوت جیسے حسین بدن کا مالک کسی کو بھی نہ دیکھا۔

ان میں کنگانہ سب سے لحیم شحیم تھا وہ بڑا اترتا ہوا تھا اور اس کے آنے کے بعد مقابلوں کا آغاز ہو گیا۔ دو نیل پیکر ایک دوسرے سے گتھ گئے اور دونوں میں زور آزمائی ہونے لگی۔ پھر ان میں سے ایک نے دوسرے کو زیر کر لیا۔ اور فتح پانے والے کو لقمہ اجل سے نوازا گیا۔ اس کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا مقابلہ ہوا۔ پھر شاکانیہ نے جالوت کی طرف دیکھا۔

"تم ان میں سے کس سے مقابلہ کرو گے؟"

"اس کا نام تم نے کیا بتایا تھا؟" جالوت نے پوچھا۔

"کنگانہ۔"

"میں اس سے لڑوں گا۔"

"اوہ! کیا اس کے دوست۔ اسے صرف طاقت کے اظہار کے طور پر رکھا گیا ہے، وہ جدھر سے گزرتا ہے زمین دب جاتی ہے۔ یہ سب بھی مل کر بھی اسے زیر نہیں کر سکتے۔ ظہور میں تمہیں اس کی طاقت دکھاتی ہوں۔" شاکانیہ نے کہا اور پھر اس نے ایک خادم کو ہدایت دی۔ لوہے کی موٹی موٹی زنجیریں کنگانہ کے بازوؤں سے کس دی گئیں اور اسے لوہے میں غرق کر دیا گیا۔ کنگانہ باتیں کرتا تھا اور پھر جب غلام دو پہلوان اس کام سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے بدن کو پھلایا اور لوہے کی کڑیوں کے منہ کھول دیے۔ اس کے ایک ایک زنجیر بیکار کر کے پھینک دی اور چند ساعت کے بعد وہ آزاد ہو گیا تھا۔

طاقت کا بے مثال مظاہرہ تھا۔ شاکانیہ نے مسکرا کر جالوت کو دیکھا اور بولی "اب تمہارا کیا خیال ہے؟"

"اگر شاکانیہ کی اجازت ہو تو؟"

"ٹھیک ہے۔ لیکن لڑائی کے اصول ہوتے ہیں جن کی انہیں تمنا ہے اور تمہیں بھی۔"

"حکم ملکہ شاکانیہ۔" جالوت بولا۔

"لڑائی کے دوران کسی پر کوئی پابندی نہیں ہو گی۔ ہر طرح کے داؤ آزمائے جائیں گے اور اگر کوئی پہلوان کسی کو موت کے گھاٹ بھی اتار دے تو اس سے باز پرس نہیں کی جائے گی۔"

"مجھے منظور ہے۔" جالوت بولا۔ لیکن میں نے تشویش زدہ نگاہوں سے جالوت کو دیکھا تھا۔ وہ کسی طور کنگانہ کے قابل نہیں تھا۔

"کیا کوئی دوسرا بھی اس لڑائی میں مداخلت کر سکتا ہے؟" میں نے پوچھا

"صرف اس شکل میں جب وہ خود کنگانہ کو للکارے۔ یہ اصول میں نے بنائے ہیں اور اب یہی کشتی کے نہ بدلنے اصول ہیں۔"

"تب ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔

"لیکن میری رائے ہے کہ جالوت کو اس سے نہ لڑنے دیا جائے وہ وحشی صفت ہے۔ اور اپنے مقابل کے سامنے دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اس نے اپنی زندگی میں صرف چھ کشتیاں لڑی ہیں اور اس کا ایک بھی مقابل جانبر نہ ہو سکا۔ اس کا اصول ہے کہ وہ مقابل کو اپنے ایک خطرناک داؤ سے ہلاک کر دیتا ہے تاکہ کوئی یہ کہنے کے لیے زندہ نہ رہے کہ وہ کنگانہ سے لڑ چکا ہے۔"

"مجھے اجازت دی جائے۔" جالوت مسکرا کر بولا۔

"تمہاری مرضی۔" شاکانیہ نے کہا اور پھر اس نے کنگانہ کو آواز دی۔ کنگانہ اس کے حضور حاضر ہو گیا "طاقت کے بے مثال مظاہرے پر تمہارا انعام۔ لیکن آج پھر تمہارا ایک مقابلہ آیا ہے۔"

"کون ہے عظیم شاکانیہ؟"

"جالوت۔ یہ سیاہ غلام۔" شاکانیہ نے کہا۔

"آہ ملکہ اسے جینے کی اجازت دی جائے۔ ابھی جوان ہے اور میرے اصول میری زندگی ہوتے ہیں۔"

"اس نے تمہارے اصول سے لڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"تب خوش آمدید۔" کنگانہ نے بدن نہیں چھوڑا۔ لیکن اسے اس کے اصولوں کے ساتھ زندہ رہنے کی اجازت دی جائے۔"

"ہاں اس نے قبول کیا ہے۔ جاؤ سیاہ غلام۔ اپنے فن کا مظاہرہ کرو۔ اگر تم نے کنگانہ کو شکست دے دی تو میں تمہیں آزادی بخش دوں گی۔" جالوت نے سر جھکا دیا اور پھر اپنے بدن کا لباس اتار کر وہ کنگانہ کے مقابل آ گیا۔ اس کے بدن کی پھڑکیاں تڑپ رہی تھیں۔

بلاشبہ وہ حسین بدن کا مالک ہے۔ لیکن گوشت کا یہ تودہ اس کے قابل نہیں ہے۔ وہ پہلوان بھی ہے اور فنکار بھی۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ خود میں بھی کافی دلچسپی لے رہا تھا۔

کنگانہ کی کشتی کی خبر سن کر دوسرے ملاح بھی اپنے کام چھوڑ کر ادھر آ گئے۔ خود شاکانیہ بھی کافی دلچسپی لے رہی تھی۔ جالوت کنگانہ کے مقابل آ گیا۔ کنگانہ اسے حقارت سے دیکھ رہا تھا۔ پھر دونوں نے ایک

دوسرے کو ڈنگایا۔ لیکن جالوت برق کی طرح کود کر کنگانہ کی گرفت سے نکل گیا۔

"بڑی بات ہے۔" شاکانیہ بے اختیار بولی۔ اس بار جالوت نے کنگانہ کو اپنی ٹانگوں میں پھنسایا اور گھوم گیا کنگانہ توازن نہ برقرار رکھ سکتا۔ لیکن گوشت کا اتنا عظیم تودہ اتنی پھرتی سے اٹھ جائے گا یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔"

"اس کا ایک خاص داؤ ہے۔" اچانک شاکانیہ بولی۔

"وہ کیا؟"

"جس وقت یہ لڑتے لڑتے زمین پر بیٹھ جائے تو سمجھ لو کہ داؤ لگانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اس کا مقابل اسے تھکا ہوا سمجھ کر اسے زیر کرنے کی فکر کرتا ہے اور یہ اپنی رانوں کی قینچی اس کی گردن میں لگا دیتا ہے مگر اس وقت یہ داؤ استعمال کرتا ہے جب اسے مقابل کے طاقتور ہونے کا احساس ہو جائے۔" وہ خوب طرب۔ شاکانیہ اچھل پڑی۔ جالوت نے کنگانہ کو پشت سے پکڑ لیا تھا اور کنگانہ اس کی گرفت میں زور لگا رہا تھا۔ لیکن جالوت اس بے پناہ گوشت کو گرفت میں نہ رکھ سکا اور کنگانہ اچھل کر نیچے بیٹھ گیا۔ جالوت اچھل کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"آہ کاش کوئی اسے روک سکتا۔ کنگانہ پر جنون سوار ہو گیا ہے۔" شاکانیہ بولی۔ جالوت کنگانہ کی اس چال کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ جھکا اور اس نے کنگانہ کی گردن پکڑ لی۔ لیکن اس وقت کنگانہ نے ایک قلابازی کھائی اور جالوت کی گردن میں دونوں پاؤں پھنسا لیے۔

جالوت بے پناہ قوت صرف کر کے کنگانہ کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن میں نے اسے مضمحل ہوتے دیکھا۔ دوسرے لمحے میں کھڑا ہو گیا۔ اس سے قبل کہ شاکانیہ مجھے روکے میں ان دونوں کے سر پر پہنچ گیا اور میں نے کنگانہ کے دونوں پاؤں پکڑ کر جالوت کی گردن سے قینچی نکال دی۔

کنگانہ اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اب وہ خونی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"خبردار۔ ہرگز نہیں۔ رک جاؤ کنگانہ۔ ابھی تم وار نہیں کرو گے شاکانیہ چیخی اور کنگانہ کسی زخمی چیتے کی طرح زمین پر تڑپنے لگا۔ اس کے حلق سے وحشت خیز آوازیں نکل رہی تھیں۔

"یہ... یہ بے اصولی ہو گئی۔ یہ ظلم ہو گا۔ میں خودکشی کر لوں گا۔ میرا شکار... میرا شکار مجھے دیدو۔" وہ چیخ رہا تھا۔ میں نے جالوت کی طرف دیکھا وہ نیم بے ہوشی کی کیفیت میں تھا اور اب اس میں سکت نہیں تھی۔

"بے اصولی نہیں ہو گی کنگانہ۔ مگر مجھے لباس اتار لینے دو۔"

"نہیں کیا اس، تم اکھاڑے کے انسان نہیں ہو۔ میں اسے سمجھا لوں گی۔ اصولی طور پر وہ جیت چکا ہے۔ لیکن میں نے لباس اتار کر پھینک دیا اور اب میں نیم برہنہ تھا۔

scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

"آؤ... اٹھ جاؤ۔ آج میں تمہارا غرور توڑ دوں گا۔" میں نے کنگانہ سے کہا اور اس نے فریادی نگاہوں سے شاکانیہ کو دیکھا۔

"مجھے اجازت دے شاکانیہ، مجھے اجازت دے۔" لیکن میں نے اس کی کمر پہلوانی سے دبا کر دی اور وہ اوندھا گر پڑا۔

"جنگ اجازت مانگ کر نہیں ہوتی۔ کھڑا ہو جا۔" میں اس کے سر پر پہنچ گیا اور کنگانہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ شاکانیہ اضطراب کے عالم میں کھڑی ہوئی تھی۔ لیکن میں نے کنگانہ کی کمر میں دونوں ہاتھ ڈال دیے اور اسے الٹا کر دیا تو وہ رک گئی۔ تب میں کنگانہ کو سنبھلنے کا موقع دے کر پیچھے ہٹ گیا۔

"مجھے اجازت دے دو شاکانیہ۔" میں نے کہا۔ لیکن اب کنگانہ جوش میں بھر گیا تھا اور شاید اجازت وغیرہ کے جھگڑے سے نکل آیا تھا۔ وہ میرے اوپر حملہ آور ہوا۔ دیکھنے والوں کا خیال تھا کہ میں پھرتی سے اس کا وار خالی دوں گا لیکن میں نے کنگانہ کی زور دار ٹکر اپنے بدن پر روکی۔ اور کنگانہ کی آنکھوں میں ستارے ناچ گئے۔ اور لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

جالوت اب حیران کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا۔ کنگانہ سنبھل گیا۔ اس نے ایک نگاہ چاروں طرف دیکھا اور شاکانیہ کی طرف سے کوئی مداخلت نہ پا کر شیر ہو گیا۔ اس نے ہاتھ پاؤں جھٹکے اور حلق سے ایک مسلسل آواز نکالتا ہوا پھر مجھ پر حملہ آور ہوا۔ اس بار میں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور اسے چکر دے کر اوپر اچھال دیا لیکن زمین پر گرنے سے قبل میں نے اسے پھر دبوچ لیا تھا۔ اور اب میں نے اسے دونوں ٹانگوں میں پھنسا کر گرا دیا۔ کنگانہ کی تقدیر میں خرابی تھی تو کوئی کیا کر سکتا۔ وہ اپنے مخصوص داؤ کے لیے پھر بیٹھ گیا تھا اور جوں ہی میں جھکا اس نے میری گردن میں قینچی ڈال دی۔

شاکانیہ کی آواز بند ہو گئی تھی۔ اس کا چہرہ شدت خوف سے سفید پڑ گیا تھا لیکن میں نے کنگانہ کی دونوں ٹانگوں کو گرفت میں لے کر انہیں گردن سے کھول دیا اور پھر انہیں پکڑ کر کنگانہ کو سیدھا کھڑا کر کے اپنے ہاتھوں پر بلند کر دیا۔

گوشت کے اس وزنی پہاڑ کو اس طرح اٹھا لینا بھی بعید از قیاس تھا وہ فضا میں جنبش کر رہا تھا لیکن جونہی وہ الٹا لٹک کر خود کو زمین پر لانے کے لیے جھکا میں نے جھولا دے کر اسے پھر سیدھا کھڑا کر دیا۔ اور اس کے بعد میں نے کئی بار اس کے ساتھ یہ سلوک کیا اگر میں چاہتا تو اسے دور پھینک سکتا تھا۔ لیکن میں نے اسے مکمل طور پر اسے بے بس کرنے کے بعد زمین پر کھڑا کر دیا۔ کنگانہ میں اب سکت نہیں رہ گئی تھی۔

"آؤ۔" میں نے اسے بلایا۔ لیکن وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اور اس کے بعد اس نے گردن جھکا کر ہار مان لی۔ ملاح چیخنے لگے تھے ان کی آوازوں میں حیرت و خوف کی ملی جلی کیفیت تھی۔

پھر کسی نے کہا۔ "وہ دیوتا ہے۔ انسان دیوتاؤں سے جنگ نہیں کر سکتا۔"

"کیا اس دیوتا ہے۔"

"شاکانیہ کہی ہے۔"

"اسے دیوتا نہ سمجھنے والا عتاب کا شکار ہو گا۔" اور پھر لوگ چیختے چلاتے رہے۔ شاکانیہ دیوانہ وار اچھل رہی تھی اور اس کا شکاری باز پھڑ پھڑا رہا تھا اور پھر وہ دوڑتی ہوئی آئی اور اس نے میرا منہ چوم لیا۔

"میری آنکھوں نے دھوکا نہیں کھایا کیا اس میرے دعوے کی تصدیق ہو گئی ہے۔" وہ خوشی سے چھلتی ہوئی بولی۔

دیر تک ہنگامہ رہا اور پھر اس سے نجات مل سکی لیکن صرف مجھے، شاکانیہ سے اب بھی نجات نہیں مل سکی تھی اور رات کو اس وقت تک اس نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا جب تک میں نے اس سے شدید نیند آنے کا بہانہ کیا۔ وہ مجھے میری آرام گاہ تک چھوڑنے آئی تھی۔

لیکن آرام گاہ میں جالوت موجود تھا۔ اس کا منہ پھولا ہوا تھا اور وہ روٹھا روٹھا نظر آ رہا تھا۔

"تمہیں کیا ہوا؟"

"ساری زندگی میں پہلی بار شکست ہوئی ہے۔"

"یہ تو ہوتا رہتا ہے۔ تم نے نہ سہی تمہارے دوست نے اسے زیر کر دیا۔"

"میں دیوتاؤں کی دوستی کے قابل کہاں ہوں؟"

"تم پر بھی یہ بھوت سوار ہو گیا؟"

"غلط تو نہیں ہے۔ مجھے بتا دیتے تو میں تمہاری تکریم کرتا اب گنہگار ہوا یا نہیں؟"

"ارے کاہے بے وقوف، فضول توہمات کا شکار نہ ہو۔ میں کوئی دیوتا وغیرہ نہیں ہوں۔ ان لوگوں میں چل رہی ہے تو اچھا ہی ہے۔ بہت سی مراعات مل گئی ہیں نقصان ہی کیا ہے؟"

"دیوتاؤں کی قسم تم دیوتا نہیں ہو؟"

"ہاں! میں دیوتا نہیں ہوں۔"

"پھر تم نے اس پہاڑ کو شکست کس طرح دی؟"

"طاقت سے۔"

"ایسی بے پناہ طاقت؟ نظر تو نہیں آتے۔"

"اس میں میرا کیا قصور ہے۔"

"تمہاری وجہ سے میں پاگل نہ ہو جاؤں کہیں میری تو عقل میں نہیں آتا کہ تم کیا ہو، خواہ مخواہ خود کو الجھن کے جال میں پھنسا دیا۔ پھر فروخت ہوتے اس سے قبل اتنی بڑی دولت ٹھکرا دی۔ اور اب اس جہاز پر آخر ان تمام باتوں میں کیا راز ہے؟"

"بس یوں سمجھو کہ متحرک رہ کر گزر رہا ہوں۔"

"الوکھی تحریک ہے یہ۔ بہرحال تم کہہ رہے ہو تو مان لیتا ہوں۔"

"کیا اب تم یہاں پہنچ کر تم اس سے شادی کرو گے؟"

"اس بوڑھی چڑیل سے؟"

"وہ اب اتنی بدنما بھی نہیں ہے۔ لیکن وہ تو اسی خوش فہمی کا شکار ہے اور جہاز پر اس سلسلہ میں خوب چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ ہر شخص ایک کہانی بھی دہرائی جا رہی ہے اور اب لوگوں کے ذہن میں اس کے لیے صرف ایک ماں کا تصور ہی نہیں ہے بلکہ وہ روحانی حیثیت بھی اختیار کرتی جا رہی ہے۔ لوگوں کے اسے نامل ہونے والے دیوتا کنگانہ کی ماں کہنا شروع کر دیا ہے۔"

"خوب! بہرحال اس نے میرے اوپر زرکثیر خرچ کیا۔ گروہ اس سے اس سب شہرت حاصل کر رہی ہے تو ٹھیک ہے۔"

"لیکن زمینر کا کیا ہو گا؟ اہل یونان میں اس کا بڑا اثر چلے ہے۔ وہ اس کی آمد کے منتظر ہیں۔"

"کیا تفصیل ہے اس سلسلہ میں؟"

"میں نہیں جانتا۔ اول تو میرا تعلق اس سرزمین سے نہیں ہے دوسرے میں اس مذہب سے بھی متاثر نہیں ہوں۔ چنانچہ تفصیل مجھے نہیں معلوم۔ اس سلسلہ میں مفصل تو کوئی یونانی ہی بتا سکتا ہے۔"

"بہرحال زمینر کو زکر میرے دریچے سے نہیں آئے گا اور گروہ اس کی تمہارے دیوتا ہے تو پھر شاکانیہ جیسی عورت کے بدلے تو سودا مہنگا ہے۔" میری اس بات پر جالوت ہنس پڑا تھا۔

"خوب واقعات ہیں۔ لیکن تمہاری طاقت واقعی لوکھی ہے۔ یہ جسم تمہاری عقل کی عقل بھی کام نہیں کرتی؟"

"تمہاری عقل تو اس نے سلب کر لی ہے۔"

"کس نے؟"

"کیا نام ہے اس حسینہ کا؟ غالباً ارینی نہیں تھی تمہارے پاس؟" میں نے کہا اور جالوت نے خوف سے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"دیوتاؤں کے لیے اس کا نام نہ لو۔ مجھے خوف محسوس ہونا شروع ہو گیا تھی کہ چاند نکلنے آئے گی۔ لیکن آ جانے بے وقوف میں اس وقت یہاں موجود ہی نہ ہوں گا۔"

"وہ کہاں جاؤ گے؟"

"بندوبست کر لیا ہے میں نے کسی کو بتاؤں گا۔" جالوت نے کہا۔ میں دیو ہیکل کے خوف پر ہنستا رہا۔ میں نے اس سے کئی بار پوچھا، وہ وہاں سے بچنے کے لیے کہاں جائے گا۔ لیکن اس نے کسی قیمت پر بتانے کا تہیہ کر لیا تھا۔

بہرحال میں اپنی آرام گاہ میں آ گیا۔ کوئی فکر کوئی تردد نہیں تھا اس میں میری پسند کے مطابق تھا۔

رات کا نہ جانے کونسا پہر تھا۔ میری آنکھوں میں غنودگی بھی تھی۔ دفعتاً مجھے جالوت کا خیال آیا اور میں اپنے بستر سے اٹھ گیا۔ میں نے اس کی حالت تو دیکھی جائے۔ بہرحال جالوت اپنی جگہ موجود نہیں تھا۔

"بھاگ گیا۔" میں نے مسکراتے ہوئے سوچا۔ اور پھر میں اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ یوں بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں نے سوچا تھا میں سمندر کا نظارہ ہی کیا جائے۔

اپنی جگہ سے نکل کر میں ایک طرف چل پڑا۔ جہاز پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں جو دو کا ملاح کسی کام میں مصروف نظر آ جاتے تھے۔

میں عرشہ پر پہنچ گیا اور پھر دور دور تک نگاہیں دوڑاتا آگے بڑھتا رہا۔ پھر مجھے ایک عجیب سی آواز سنائی دی اور میں نے ٹھٹک کر اپنی بائیں سمت دیکھا۔ ایک عجیب سی کیفیت نظر آئی۔ کوئی لڑکی تھی۔ چاندنی رات میں وہ گھٹنوں کے بل عرشے کے موٹے تختے پر بیٹھی تھی۔ اس کی صورت تو میرے سامنے نہیں تھی لیکن جسمانی خدوخال بے حد حسین تھے قد دراز تھا اور بدن اس مناسبت سے انتہائی موزوں۔ میں متحیانہ انداز میں آگے بڑھا اور اس کے عقب میں پہنچ گیا۔ لڑکی کے سامنے تین پالنے پڑے ہوئے تھے۔

پھر اس نے تینوں پالنے اٹھائے اور انہیں مٹھی میں بند کر کے بنایا اور پھر نیچے پھینک دیا۔ اور پھر وہ جھک کر نہیں دیکھے گی۔ کمال ہے۔ ستاروں کے اصول کے مطابق اب اسے میرے پاس ہونا چاہیے بلکہ وہ ہے۔ وہ بڑبڑائی اور پھر اس نے چونک کر سامنے دیکھا۔ مگر کیوں؟

اور اچانک گویا اسے میرے جانے کا احساس ہوا۔ اور وہ اچھل کر پلٹی۔ ایک لمحے کے لیے وہ خوفزدہ سی نظر آئی۔ لیکن پھر ہنس پڑی۔ انداز نشاط آمیز تھا۔

"تو ہے۔ تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا لیکن میں متحیر سے انداز میں اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ ایک کمسن لیکن ایسا جاذب نگاہ چہرہ قرابیسے کسی سرسبز درخت پر تنہا کھلا ہو بھولی آنکھوں میں خاکی گہرائی اور شرارت بول رہی تھی جیسے اسے مجھ سے ذرا بھی ہیبت کا احساس نہ ہو۔ درحقیقت پورے جہاز پر ایسا معصوم حسن دوسرا نہ ہو گا۔ اس کی دلکشی بے مثال تھی اور وہ ایسی تھی جس کی تعریف کی جائے۔

"اچھے لمحوں سے ہے۔" میں نے اس کے سراپا کا مکمل جائزہ لینے کے بعد کہا۔

"کس بات پر؟"

"تم میری چاک آمد پر خوفزدہ ہو گئیں۔"

"وہ اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ میں نے لفظ خوف سنا ضرور ہے لیکن وہ میری ذات سے بہت دور ہے۔"

"خوب۔ بھی تمہیں خود کہا تھا۔"

"تجربے کے الفاظ تھے میں تمہارے آنے کا انتظار کر رہی

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

تھی اور میں جانتی تھی تمہیں اپنے عقب میں دیکھ کر تحیر ہو گئی تھی۔"

"اسے کا انتظار کر رہی تھیں۔" میں نے تعجب سے کہا۔ "اس کے الفاظ مجھے یاد آ گئے۔ ابھی چند لمحات قبل وہ کہہ رہی تھی کہ اس ستاروں کے اصول کے مطابق اسے یہاں بہت جیسے کہ وہ ہے؟ تو کیا یہ الفاظ میرے بارے میں تھے اور وہ ستارہ شناس تھی۔"

"ہاں۔ مجھے ایک ایک لمحے کی خبر ہے۔ اپنی نرسے وقات کے وقت کا تعین میں نے بہت پہلے کر دیا تھا۔" وہ مسکرا کر بیٹھ کے ساتھ بولی۔

"خوب! یونانی ستارہ شناسوں کے بارے میں میں نے بہت کچھ سنا ہے۔ لیکن یہی بار ایک عظیم ستارہ شناس کو دیکھ رہی ہے۔"

"میں صرف ستاروں تک محدود نہیں ہوں۔ اس میں ایک خاص علم بھی شامل ہے جس کے بارے میں ابھی تک کسی کو نہیں معلوم۔"

"وہ وہ کیا ہے؟"

"یہ پانی کے دیکھ رہے ہو؟"

"لیکن یہ بھی تو علم نجوم ہی کی شاخ ہے۔"

"ہاں ہے۔ لیکن... مگر کیوں۔ میں تمہیں اس علم کے بارے میں کیوں بتاؤں؟"

"تم بتاؤ۔ لیکن میرا انتظار کیوں کر رہی تھیں؟"

"ستاروں نے کہا تھا۔"

"تمہارے خیال میں تم بہت بڑی ستارہ شناس ہو؟"

"ہاں میں ہوں۔" وہ شرارت سے بولی۔ "اور میں اس کی صورت دیکھ رہی ہوں۔" میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ "میں اس ستارہ شناس کی حقیقت سے خوب واقف ہوں۔"

"اور پھر فضیلت تم بھی جانتے ہو کہ میرے دوستوں نے مجھے کبھی دیوانہ نہیں کہا۔ میں نے اپنے دوستوں کو تلاش کر کے اس کی نشاندہی کی تو وہ مسکرا پڑے۔"

"لعشیہ ہے اس کا نام۔ وہ کالا نیگرو ہے جس کی ماں کو اس نے زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا۔"

"وہ۔" میں نے حیرت سے کہا۔ "کیا یہ ممکن ہے کہ میں علم نجوم میں کس حد تک ہے؟"

"اپنی عمر سے ہزار سال آگے۔ اس کے شاطرانہ ذہن میں ایک خوفناک سازش پروان چڑھ رہی ہے اور وہ تمہیں اس کا شریک کار بنانا چاہتی ہے۔"

"اسے تم کہاں کھو گئے؟" اس نے مجھے ٹوک دیا اور میں نے ایک طویل سانس لے کر اس کی طرف دیکھا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ تم خود مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ اور اگر نہ بتاؤ تو تم دیوتا ہو۔ مجھے بددعا دو گے اور میں مصیبت کا شکار ہو جاؤں گی۔ کیوں؟"

"نہیں لعشیہ! ایسا کوئی خیال میرے ذہن میں نہیں تھا۔ میں نے اپنے ترکش کے تیر نکالے۔"

"ارے تم میرا نام کیسے جان گئے؟ اوہ میرا خیال ہے کسی نے میرے بارے اطلاع دے دی ہے۔"

"کون دیتا۔ تم جانتی ہو شاکا نیگرو تو کبھی تمہارا تذکرہ نہیں کرے گی کیونکہ وہ تم سے نفرت کرتا ہے۔"

"دوسرے لوگوں کو بھی اس کی اجازت نہیں ہے۔ مجھے بتاؤ تمہیں کس نے میرے بارے میں بتایا؟" وہ تعجب سے بولی۔

"تمہاری شخصیت اتنی ہلکی تو نہیں ہے لعشیہ کہ لوگ منع کرنے کے باوجود تمہارے تذکرے کر دیا کریں؟"

"میں خود بھی اس لیے حیران ہوں۔"

"معلومات کا تبادلہ کرنا چاہو تو کر دو۔ میں تمہیں تمہارے بارے میں مکمل صورت بتا سکتا ہوں؟"

"مگر تم خود کو دیوتا ثابت کرو گے؟"

"چلو یہی سہی۔"

"لیکن مجھے قائل نہ کر سکو گے۔"

"شاید! لیکن جو خطرناک خیال تمہارے ذہن کے گوشوں میں پل رہا ہے میں اس میں تمہارا شریک کار کس طرح ہوں گا؟"

تم نے مجھ سے یہ راز رکھا۔" میں نے کہا اور وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑی ہو گئی۔

"کک... کیا مطلب؟"

"میں اس گہری سازش کا تذکرہ کر رہا تھا۔ جو تمہارے ذہن میں..." میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ اس نے جلدی سے ہاتھ میرے منہ پر رکھ دیا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

"یہ... یہ راز کسی اور کو بھی معلوم ہے؟"

"ابھی تک تو صرف میرے سینے میں ہے۔ لیکن بہتر یہ ہوگا کہ پورے اطمینان کے ساتھ مجھ سے گفتگو کرو۔"

"مگر میرا علم جھوٹا نہیں ہے۔ تم آسمانی باشندے نہیں ہو۔ تم... تم عجیب و غریب قوتوں کے مالک ضرور ہو لیکن... تمہاری قوتیں زمین تک محدود ہیں۔ میں تو سرے سے ہی دیوتا کو نہیں مانتی۔ میں ان تینوں سے الگ ہوں۔"

"میں بھی خود کو دیوتا نہیں کہتا۔ اب دوسرے لوگ... تمہاری... اس کے لیے اصرار کرے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"ایک بدتر ہی موت اس کا مقدر ہے۔"

"شاید! ویسے میں جانتا ہوں۔ تم نے اس کی موت کو نہ بھولی ہوگی۔"

"تم نے جو اس تمہاری معلومات خطرناک حد تک ہیں۔ تم نے واقعی میرے ذہن کو شدید جھٹکا دیا ہے۔ میں چند ساعت قبل

بہت خوش تھی لیکن اب میں افسردہ ہوں۔"

"کیوں؟"

"میں قیامت تک نہیں سوچ سکتی تھی کہ روئے زمین کا کوئی شخص بھی میرے ذہن کی گہرائیوں میں جھانک سکتا ہے مجھے... تمہیں کیسے معلوم ہوا ہے؟"

"ستارے میرے بھی دوست ہیں۔"

"لیکن ستاروں کے جال سے میں نے اپنی تقدیر نکال لی ہے۔ اب ان کے پاس میری تفصیل موجود نہیں ہے۔ جس طرح تم... ستارے تمہارے بارے میں وضاحت نہیں کرتے۔"

"ان باتوں کو چھوڑو لعشیہ، تم خود بھی جانتی ہو کہ تم نے مجھے ہی کیوں اپنا شریک کار متعین کیا ہے۔"

"آہ! تم نے مجھے خوفزدہ کر دیا ہے۔ اب تو مجھے بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔" وہ پیشانی مسلتی ہوئی بولی۔

"جس طرح تم پسند کرو۔ اگر میری یہاں موجودگی بہت ناگوار گزر رہی ہے تو میں واپس چلا جاؤں۔"

"نہیں! کیا اس... تو یہاں کھڑے ہو جاؤ۔ دراصل میں تم پر اپنی شخصیت کی ساکھ بٹھانا چاہتی ہوں۔ لیکن تم نے مجھے زیر کر لیا۔ تو دور سناٹا فضا میں گفتگو کریں۔"

"مجھے تمہاری پیشکش منظور ہے۔" اور پھر وہ دیر تک عرشے سے لگی سمندر کی لہروں کو دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔

"تمہاری شخصیت سربستہ راز ہے۔ آخر کیوں؟ تمہارا بدن سونے کی طرح چمکدار اور تمہاری صورت اس جہاں کے تمام مردوں سے زیادہ حسین کیوں، تمہاری آنکھوں میں صدیوں کا ماضی کیوں تو ہے۔ بولو تمہارا وجود انسانی آلودگی سے پاک کیوں ہے؟ اگر تمہاری دوست اور پانی تمہارا محافظ کیوں ہے۔ تم انسانوں سے اتنے دور کے انسان کیوں ہو؟"

"اور تم میرے بارے میں یہ سب کچھ جانتی ہو؟"

"ہاں! میرے علم نے کہا تھا کہ میرا ایک مددگار روئے زمین پر موجود ہے اور پھر لمحہ بہ لمحہ تم میرے قریب آتے گئے۔ تم اس وقت مجھے سب سے زیادہ قریب محسوس ہوئے جب شراب کے تاجر کی بیٹی تم سے اظہار عشق کر رہی تھی اور ہمارا جہاز پانی کا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پھر تم دونوں بازو میں بکھرے تھے اور میں نے سوچ لیا کہ تم میرے پاس پہنچ گئے۔ اور اب تم اس جہاز پر ہو اور تمہارا ایک ایک لمحہ میرے لیے غیر متوقع نہیں ہے۔ میں نے خوب... کھا ہے تم نے وہی سب کچھ حاصل کر لیا جس کے اہل تھے اور اب اس کے بعد کے کھیل شروع ہوتے ہیں۔"

"دیکھو لعشیہ! مجھے تعجب ہے اتنی کم عمر ہونے کے باوجود تم نے اتنے علوم حاصل کر لیے۔"

"ہاں میں دشمنوں کے درمیان زندہ رہنے والی ہستی ہوں۔ مجھے معلومات دی گئی ہے اور اب میں اپنے دشمنوں کو حقیر جانتی ہوں۔ شاکا نیگرو کو بہت طاقتور سمجھتی ہے۔ لیکن اب اگر میں اس کے خلاف کھڑی ہو جاؤں تو وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔"

"پھر تم نے اسے اب تک معاف کیوں رکھا ہے؟" میں نے سوال کیا اور وہ مسکرا دی۔

"ایک بڑے مفاد کے لیے چھوٹے مفادات قربان کرنے ہی پڑتے ہیں۔ مجھے اس سے ایک بڑا کام لینا ہے۔"

"خوب!" میں اسے گہری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ یہ حسین لڑکی جو علم نجوم سے بھی آراستہ تھی میری توجہ کا مرکز بن گئی تھی میں اس کے قرب میں دلچسپی لے رہا تھا۔ لیکن لعشیہ جہاز میں سفر کرتے ہوئے کافی وقت گزر گیا ہے تم پہلی بار نظر آئی ہو؟"

"مجھے میری ماں کی طرف سے یہی ہدایت ہے۔" اس نے گردن گھما کر مجھے دیکھا اور مسکرا دی۔

"کیا ہدایت ہے؟"

"دن کی روشنی میں دوسروں کے سامنے نہ آیا کروں۔ ہاں تنہا ہونے کے لیے رات کی تاریکی مناسب ہے۔ کسی سے زیادہ گفتگو نہ کیا کروں۔ مہر کوئی ملاقاتی نہیں ہونا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔"

"یہ پابندیاں کیوں ہیں؟"

"کون اس سے سوال کرے۔"

"گویا تمہارے ساتھ اس کا رویہ مناسب نہیں ہے؟"

"عجیب سوال ہے تمہارا! کیا تم اپنے دشمنوں کے ساتھ بہتر سلوک کو پسند کرو گے؟"

"لیکن اگر وہ تمہیں دشمن سمجھتی ہے تو تمہارے والدین کی طرح اس نے تمہیں ہلاک کیوں نہیں کر دیا؟"

"اس لیے کہ وہ اس پر قادر نہیں تھی۔" لعشیہ نے جواب دیا اور میں گہری سانس لے کر اس پراسرار لڑکی کو دیکھنے لگا جو ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ تب اس نے آسمان کی جانب دیکھا اور بولی۔ "ستارے واپسی کے اشارے کر رہے ہیں۔ مجھے اجازت دو۔"

"اوہ! لیکن اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ تمہاری شخصیت اتنی دلچسپ ہے کہ تمہارے پاس کرتے رہنے کو جی چاہتا ہے۔"

"ہاں! لیکن مجبوریاں نظر انداز نہیں کی جا سکتیں۔ ملاقات تو ہماری پھر ہوگی۔ اور میرا خیال ہے ایک دو ملاقاتوں کے بعد کافی تفصیل سے ہوگی۔ انتظار کرو۔"

"کل رات؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں! کل رات بھی ملاقات ہوگی۔ لیکن اس ماحول میں نہیں کل کی رات تو ایک دلچسپ رات ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔ کل کیا خاص بات ہوگی؟"

Scanned by aazzamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

"اس کے بعد ستارے خاموش ہیں اور ٹھیک بھی تو ہے۔ رات کے رازدان کی روشنی میں عیاں نہیں ہونے چاہئیں ورنہ رات کا انتظار کون کرے۔ رات آنے دو راز عیاں ہو جائیں گے۔" اس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا اور عرشے کے پاس سے ہٹ گئی۔ پھر اس نے رخصتی انداز میں مجھے دیکھا اور مڑ کر ایک طرف چل دی۔

میں خاموشی سے اسے جاتے دیکھ رہا تھا اور پھر جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو میں نے گہری سانس لی۔ انوکھی لڑکی ہے لیکن حسین بھی ہے اور زیرک بھی۔ کیا کام بنانا چاہتی ہے وہ مجھ سے۔ ویسے اس کے انداز سے کس قدر درست تھے۔ اس نے بہت کچھ معلوم کر لیا میرے بارے میں اور اپنی معلومات سے بہت پر اعتماد ہے۔

آخری رات میں، میں عرشے سے ہٹ آیا۔ میرا دوست جالوت واپس آ گیا تھا اور اب مزے کی نیند سو رہا تھا۔ شاید اسے اس خطرے سے نجات مل گئی تھی جس سے وہ بھاگا پھر رہا تھا۔ میں خاموشی سے اپنی آرام گاہ میں آ گیا اور پھر دوسری صبح حسب معمول تھا۔ جاگنے کے بعد جالوت نے اپنی مختصر کہانی سنائی کہ کس طرح زالا اسے تلاش کرتی رہی اور وہ اس سے چھپا چھپا پھرتا رہا ہے۔

"اس لڑکی کو تم نے میرے پیچھے لگایا ہے، کیا سمجھے؟"

"اب بتاؤ میں کیا کروں تمہارے لیے؟"

"میری جان بچاؤ کسی طرح اس سے۔"

"اس کی صرف ایک ترکیب ہے۔"

"کیا؟" جالوت نے مجھے دیکھا۔

"میں خود اس سے اظہار عشق کر دوں۔"

"اوہ عمدہ ترکیب ہے۔ مگر خوف سے مر جائے گی بیچاری" جالوت ہنس کر بولا۔

"کیوں؟"

"تم شاکانیہ کے منظور نظر ہو۔ اگر شاکانیہ کو پتا چل جائے گا کہ اس کی کوئی کنیز تمہاری توجہ کا مرکز ہے تو وہ اطمینان سے اسے قتل کرا کر سمندر میں پھنکوا دے گی اور یہ بات زالا بخوبی جانتی ہے اس لیے وہ دہشت سے زرد ہو جائے گی۔"

"اس طرح پھر وہ تمہارے پاس بھی نہیں آئے گی۔"

"ہاں! اس بات کا امکان تو ہے۔"

"بس تو ٹھیک ہے۔ اب اسے آنے دو بلکہ ہو سکے تو تم خود بھی اس کا تذکرہ کر دو۔ ممکن ہے مجھ تک آنے کی نوبت ہی نہ آئے۔" میں نے کہا اور جالوت بے تحاشا ہنس پڑا۔ پھر میں گشت کرنے چل پڑا تھا۔

شاکانیہ نے حسب معمول میرا استقبال کیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کے چراغ روشن تھے۔ اس وقت اس نے خود کو سجا رکھا تھا اور بلاشبہ اپنی اس سج دھج سے وہ کم عمر نظر آنے لگی تھی۔

"ایک بار پھر میری آنکھوں میں انوکھے خواب آ بسے ہیں کیا اس جانتے ہو رات بھر میں کیا دیکھتی ہوں؟"

"کیا دیکھا شاکانیہ؟"

"میں نے دیکھا میں سمندر کی سطح پر ننگے پاؤں دوڑ رہی ہوں پانی کسی پھول کی طرح میرا وزن اٹھائے ہوئے ہے پھر سمندر کے لطیف بخارات نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا اور میں ان کے ساتھ بلند ہو گئی اتنی بلند کہ میرا جہاز کسی ننھے سے نقطے کی مانند رہ گیا۔ اور خلاؤں میں معلق ایک وادی میں لے جا کر مجھے چھوڑ دیا گیا۔ پھر وادی میں کچھ دور پر سرسراتے نمودار ہوئے اور ایک ننھے سے بچے کے رونے کی آواز سنائی دی۔ پھر وہ ننھا سا میرے بازوؤں میں آ گیا۔ اور چند ہی لمحات گزرے تھے کہ وہ ایک قوی ہیکل نوجوان بن کر [illegible] چلا گیا۔ لوگوں نے میرے سر پر تاج فضیلت رکھ دیا تھا اور وہ مجھے اس منبر کی مقدس ماں کہہ کر مخاطب کر رہے تھے۔ بس میں کہہ بتا دیا کیا میں نے کتنی خوش خوابی ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف مسکراتا رہا۔ شاکانیہ مجھے کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ لیکن انتہائی کوشش کے باوجود اس کی مراد نہیں پڑی اور وقت گزر گیا۔ پورا دن حسب معمول تھا۔ ملاح اپنے کام میں مصروف تھے۔ دن میں صرف ایک بار اور شاکانیہ سے ملاقات ہوئی اور پھر رات ہو گئی۔ رات کے کھانے پر وہ میرے ساتھ نہیں تھی۔ میں نے کسی سے اس کے بارے میں سوال نہیں کیا۔ لیکن پھر جب رات گہری ہو گئی تو اس کا بلاوا آ گیا۔ دو خادمائیں آئی تھیں۔

"کیا اس کو طلب کیا گیا ہے۔"

"کہاں ہے وہ؟" میں نے پوچھا۔

"اپنی آرام گاہ میں۔" خادماؤں نے کہا اور میں ان کے ساتھ چل پڑا۔

"آؤ کیا اس میں تمہاری منظور تھی۔"

"کسی نے کے وقت ملاقات نہیں ہوئی؟"

"ہاں! زالا صبیحہ بوجھل تھی۔"

"کیوں؟" [illegible] میں اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔ اس کے بدن

"بس انوکھے خیالوں میں ڈوبی رہی ہوں میں۔ اس سے قبل یہ کیفیت میں نے کبھی نہ محسوس کی تھی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس سے قبل میری پسند کا کوئی جوان میری زندگی میں بھی نہیں آیا تھا۔"

"اوہ! یہ بات ہے؟"

"ہاں۔ آج میرے دل میں یہ عورت جاگ اٹھی ہے۔ گزرے ہوئے واقعات مجھے نہ جانے کون سی کہانیاں سناتے ہیں۔"

"کیسی کہانیاں؟" میں نے سوال کیا

"کرنے [illegible] سے بے پناہ شور سنائی دیا اور جہاز کو کئی چھوٹے چھوٹے جھٹکے لگے۔ شاکانیہ نے مخمور آنکھیں کھول دیں۔ "یہ... یہ کیا ہوا؟" اس نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"میں نہیں جانتا۔"

"[illegible] شور۔ میرا خیال ہے جہاز کے ملاح چیخ رہے ہیں [illegible]" وہ پریشان کرخت لہجے میں بولی۔ پھر واقعات پیش ہوئی [illegible] لڑکی ہوئی۔ اس کی کیفیت بھوکی شیرنی کی سی تھی اور اسی کیفیت میں وہ باہر نکل آئی۔

"کیا ہو گیا کیوں مر رہے ہو سب لوگ کیوں حلق پھاڑ رہے ہو۔" شاکانیہ آگے بڑھی اور کچھ دوڑتے ہوئے ملاح نظر آئے۔ میں اس کے پیچھے پیچھے باہر آ گیا تھا۔

"بحری قزاق... بحری قزاق۔" ملاحوں کی آواز ابھری اور [illegible] نے ایک تحیر کن منظر دیکھا۔ چیخنے والے ملاح کے سینے میں تیر پیوست [illegible] نے اپنا فرض پورا کیا اور نیچے گر پڑا۔

شاکانیہ ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گئی جذباتی [illegible] اس کے حلق سے ایک خونخوار آواز بلند ہوئی دوسرے لمحے وہ غائب ہو گئی۔ باہر کی آوازیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ بڑی مشکل سے تو اس بیچاری کو یہ [illegible] نصیب ہوئے تھے لیکن ان نیزوں کی قسمت میں ہی نہیں تھا [illegible] جانتے کے لیے جہاز کے ہیرو بنے بیٹھے تھے۔

جو چھوٹے جہاز کو گھیرے تھے وہ بحری قزاقوں کی کشتیوں کے تھے [illegible] رنگا دی تھیں [illegible] کی سیاہ جھنڈے [illegible] تھے ان کی بغلوں [illegible] تھے۔ [illegible] تھے۔ [illegible] کے [illegible] لیکن دوسری [illegible] کے ساتھ [illegible] پر [illegible] آ گئے۔

ایک بلند [illegible] میں نے دیکھا کہ قزاقوں کی کشتیوں کی [illegible] سے زیادہ تھی [illegible] سے [illegible] ہوئے تھے جو تیزی سے [illegible] تھے۔

میں نے ایک گہری سانس لی۔ ملاحوں کی تعداد [illegible] قزاقوں سے نمٹ سکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شاکانیہ کا حشر [illegible] ہو رہا تھا اور شاید اس کی موت بھی نزدیک آ گئی۔

قزاقوں کی یلغار رکنے کا نام نہ لے رہی تھی۔ وہ خوف ناک [illegible] لئے چنگھاڑتے اوپر آ رہے تھے۔ وہ بے دریغ غلاموں کو قتل [illegible] تھے۔ غلام حتی المقدور کوشش کر رہے تھے کہ ان کی یلغار [illegible] لیکن یہ ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ تب میں نے [illegible] کی دھار سنی۔ وہ اپنے اسی لباس میں تھی۔ جس میں میں [illegible] پہلی بار دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک چوڑی تلوار تھی۔ شانے پر باز بیٹھا ہوا تھا۔ بلاشبہ وہ ایک خونخوار اور جنگ جو عورت نظر آ رہی تھی۔

شاکانیہ نے آتے ہی قزاقوں پر حملہ کر دیا اور میں نے دیکھا اس نے پہلے ہی حملے میں دو انسانوں کی گردنیں اڑا دی تھیں پھر وہ بڑی چابکدستی سے قزاقوں سے مقابلہ کرنے لگی۔ میں اب بھی خاموش کھڑا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ان معاملات میں میرا کیا حصہ ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے مجھے قزاقوں سے کوئی دشمنی نہیں تھی اور نہ ہی شاکانیہ سے اتنی ہمدردی کہ اس کے لیے میں قتل عام شروع کر دیتا۔

لیکن پھر میں نے جالوت کو دیکھا، یہ زرخرید غلام بڑی قیمت ادا کر کے لیے میدان میں آ گیا تھا۔ کنگالو اور دوسرے لوگ بھی میدان میں آ گئے تھے اور لڑ رہے تھے۔ یہ سب قزاقوں پر بلاشبہ بھاری پڑ رہے تھے۔ لیکن جالوت کی پھرتی قابل دید تھی۔ تلوار بازی میں واقعی وہ یکتا تھا۔ وہ بے دریغ قزاقوں کو قتل کر رہا تھا۔

تب جالوت قزاقوں کا ایک جھنڈ اس کے نزدیک جمع ہو گیا۔ قزاقوں نے اندازہ لگایا تھا کہ سیاہ فام خطرناک ہے چنانچہ اسے قتل کرنا ضروری ہے۔

جالوت کو ان کے ریلے میں دیکھ کر میں برداشت نہیں کر سکا اور میں نے اپنی [illegible] کی۔ ایک گزرتے ہوئے قزاق نے میرے [illegible] کر کیا اور اس کی [illegible] شانے کے قریب [illegible] اور اسے [illegible] کے قریب [illegible] لوگوں کو [illegible] دیکھ کر [illegible]

[illegible] جالوت [illegible] مرنے کے بعد [illegible] لوگ [illegible] مقتل سے جا رہے [illegible]

اس وقت [illegible] میں سوچنے میں [illegible] کہ وہ جالوت میرا خیال ہے [illegible] ان بحری قزاقوں کی صفائی کرنی ہی ہو گی۔ میں نے [illegible] اور جالوت کے گرد [illegible] جھکا دی۔ پھر [illegible] سامنے آنے والے [illegible] سنبھل گیا۔ میں بھی [illegible] کر دوسری [illegible] کا ارادہ کر رہا تھا کہ عقب سے ایک سرگوشی سنائی دی۔

"کیا [illegible]" میں نے پلٹ کر دیکھا اور [illegible] کا مسکراتا چہرہ

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

نظر آیا۔ وہ مجھے بلا رہی تھی۔

"وہ لعیشہ اس وقت تمہارا جہاز کے کھلے حصوں پر آنا مناسب نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"اور جو مناسب ہے وہ میں تمہیں بتلانے آئی ہوں۔" لعیشہ بولی۔

"کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"تم کیوں ان لوگوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ رہے ہو؟"

"کیا مطلب؟ کیا جہاز کے ملاحوں کو قتل ہونے دیا جائے؟"

"یہ تقدیر کا فیصلہ ہے۔" لعیشہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"وہ کیا تم نے اس سلسلے میں ستاروں سے رابطہ قائم کیا ہے؟"

"نہیں تم بھول گئے۔ میں نے تم سے کل بھی ایک جملہ کہا تھا یاد ہے تمہیں۔ جب تم نے پوچھا تھا کہ کیا کل رات ملاقات ہوگی۔ لیکن میں نے کہا تھا۔ ہاں ہوگی لیکن اس محل میں نہیں۔ کل کی رات ایک دلچسپ رات ہے۔" اور میں چونک کر لعیشہ کی شکل دیکھنے لگا۔ بلاشبہ اس نے یہ جملے کہے تھے۔ اور لعیشہ ستارہ شناس لڑکی پہلے سے ان حالات سے واقف تھی اور میں رک گیا۔

"تو کیا تمہارا خیال ہے شاکانہ قتل ہو جائے گی؟"

"نہیں شاکانہ قتل نہیں ہوگی۔ اسے گرفتار کر لیا جائے گا۔" لعیشہ نے کہا۔

"جہاز کے دوسرے ملاح؟"

"بیشتر ماریں جائیں گے۔ اور بیشتر گرفتار کر لیے جائیں گے۔ جہاز کو آگ لگا دی جائے گی۔" لعیشہ نے کہا اور اپنے مٹھی میں دبے ہوئے پانسوں کو کھنکھنانے لگی اس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ میں رک گیا اور میں نے جالوت کو آواز دی۔ جالوت جو اپنے سامنے والے دو آدمیوں کا صفایا کرنے کے بعد آگے بڑھ رہا تھا۔ پلٹ کر میرے قریب پہنچ گیا اور پھر اس نے متحیرانہ نگاہوں سے لعیشہ کو دیکھا اور میری طرف دیکھنے لگے۔

"بحری قزاقوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ غلام ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ تم خود کو خطرے میں نہ ڈالو۔"

"لیکن میں اپنا فرض ادا کرنے سے باز نہ رہوں گا۔" جالوت نے کہا

"تمہاری وجہ سے مجھے بھی جنگ میں حصہ لینا پڑے گا اور میرا وجود بحری قزاقوں کے لیے ناقابل برداشت ہو جائے گا۔"

"افسوس کیا اس، میں تمہاری طرح آقا نہیں غلام ہوں۔ مجھے اپنی قیمت ادا کرنے دو۔" جالوت نے کہا اور جنگ میں کود گیا۔ لعیشہ بدستور مسکرا رہی تھی۔

"اگر وہ اس زبان کا مالک نہ ہوتا تو غلام بھی نہ ہوتا حکمران ذہین ہوتے ہیں اور غلام جذباتی۔ تماشہ دیکھو۔ دیکھو وہ جہاز میں شعلے بھڑک اٹھے ہیں۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ قزاقوں نے جہاز کو آگ لگا دی تھی۔ اور سمندری موجیں اس آگ کو جلا دے رہی تھیں اور وہ تیزی سے پھیلتی جا رہی تھی۔

شاکانہ اب بھی وحشت خیز جنگ کر رہی تھی۔ لیکن پھر کسی نے اس پر ایک سیاہ جال پھینکا اور وہ جال میں جکڑ گئی۔ اس نے شانے پر بیٹھا باز زور زور سے چیخنے لگا اور شاکانہ تلوار سے جال کاٹنے لگی تھی۔ لیکن پھر کئی دوسرے جال اس پر آ پڑے اور وہ ان میں جکڑ کر رہ گئی۔ دوسری طرف جالوت پر بھی کئی جال پھینکے جا چکے تھے۔

قزاق بہت ذہین تھے انہوں نے خطرناک لڑاکوں پر قابو پانے کے لیے جال استعمال کیے تھے۔ کنگانہ اور دوسرے طاقتور بدستور جنگ کر رہے تھے لیکن بہت جلد غلاموں کی مدافعت کمزور پڑنے لگی جو زندہ بچے تھے انہیں گرفتار کیا جانے لگا۔ شاکانہ کو شکست ہو گئی تھی۔

بحری قزاق اب لوٹ مار میں مصروف ہو گئے۔ قیمتی سامان نیچے پھینکا جانے لگا۔ اور پھر ایک قوی ہیکل قزاق جس کی ایک آنکھ پر سیاہ پٹی بندھی ہوئی تھی ہمارے پاس پہنچ گیا۔ اس کے پیچھے ہی دوسرے قزاق بھی تھے۔ اس نے نیزے کی انی میرے سینے پر رکھ دی۔

"خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دو۔" میں نے نیزے کی انی پر زور لگایا اور ایک جھٹکے سے اسے پیچھے دھکیل دیا۔ قزاق خود کو اشکل گرنے سے روکا تھا۔ لیکن دوسرے لوگوں نے اس کو گرد تلواروں کا حصار کر دیا۔ لعیشہ میرے بالکل نزدیک ہو گئی۔

"لیکن تم لوگ میرے ہاتھ سے قتل ہونا چاہتے ہو۔" اس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دو۔ تمہارے دوسرے ساتھی شکست ہو چکے ہیں۔" ایک چشم بولا۔

"ہم جنگ میں حصہ نہیں لے رہے۔ لیکن مجھے گرفتار کرنے کے لیے تمہیں مجھ سے جنگ کرنا ہوگی۔" میں نے کہا اور ایک چشم نیزہ کر کے میری طرف لپکا۔ میں نے دوبارہ نیزے پر ہاتھ ڈالا اور دوسرے لمحے نیزہ ایک جھٹکے سے میرے ہاتھ میں آ گیا میں نے اسے پیچھے دھکیل دیا تھا۔ تب میں نے نیزہ درمیان سے دو ٹکڑے کر دیا اور بولا۔

"میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ہم جنگ نہیں کر رہے۔ گرفتار ہونے کو بھی تیار نہیں ہیں لیکن اگر تم نے ایسی کوئی کوشش کی تو پھر نئے سرے سے جنگ ہوگی۔"

"بس چند ساعت کے بعد یہ جہاز تباہ ہو جائے گا۔"

"ہم لوگ تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہیں۔" لعیشہ اور ایک چشم نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

"انہیں کشتیوں پر لے جاؤ۔"

"چلو۔" وہ بولے۔ اور میں نے لعیشہ کو سنبھال لیا۔ ہم دونوں رسی کی سیڑھی سے ایک کشتی پر اتر گئے۔ خاصی کشادہ اور جدید کشتیاں تھیں۔ دوسرے بہت سے قیدیوں کو اس کشتی پر اتار دیا گیا۔ ہم خاموش ایک جگہ کھڑے ہوئے تھے۔

جہاز میں اب بری طرح آگ لگ گئی تھی۔ قزاق تیزی سے نیچے کود رہے تھے پھر کشتیاں جہاز سے دور لے جائی جانے لگیں آسمان پر چاند چمک رہا تھا اور چاندنی وحشیوں کو بہت خوفناک بنا کر پیش کر رہی تھی۔ گرفتار شدہ غلام خاموش تھے نہ جالوت شاکانہ وغیرہ کا کیا حال تھا۔ وہ لوگ کشتیوں کو تیز رفتاری سے چلاتے ہوئے جہاز سے بہت دور نکل آئے۔ تب میں نے لعیشہ کی طرف دیکھا وہ مطمئن تھی اور اس کے چہرے سے کسی قسم کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

"تم بہت پرسکون ہو لعیشہ۔" میں نے کہا اور اس نے مٹھی میں بکھرے ہوئے پانسے پھینک دیے۔ پھر جھک کر انہیں دیکھنے لگی۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے پانسے سمیٹ لیے اور پھر میری طرف دیکھنے لگی۔

"کوئی بات بھی تو حیران کن نہیں ہے۔"

"خوب۔" میں نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ "کیا کہتا ہے اب تمہارا علم؟"

"ہمارا سفر ایک خطرناک ماحول کی طرف ہے۔ اور ہمیں ایک طویل عرصہ گزارنا پڑے گا وہاں کہیں۔ وہیں سے ابتداء ہوگی۔ وہیں سے ابتداء ہوگی۔"

"کس بات کی؟"

"اس کا جواب ماحول کی دھند میں پوشیدہ ہے۔" اس نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا۔

"بڑی متضاد شخصیت ہے تمہاری لعیشہ؟"

"کیوں؟"

"اس قدر خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ اس قدر پراسرار نہیں ہونا چاہیے۔"

"کیا ہونا چاہیے۔ کیا نہ ہونا چاہیے۔ اس کا فیصلہ تقدیر کرتی ہے۔ میں وہ بننا چاہتی تھی جو نہیں ہوں اور کچھ بننے کے لیے مجاہدہ ضروری ہے انسان کے وجود میں دو حصے ہیں۔ اس کا ایک رخ سطحی ہوتا ہے اور دوسرا اس کی ذات کی گہرائیوں میں چھپا ہوتا ہے۔ اپنی ذات کی گہرائیاں خود اسے نہیں معلوم ہوتیں۔ لیکن اگر اس کی نگاہ ان گہرائیوں تک پہنچ جائے تو سطحی زندگی بے معنی ہوتی وہ اپنی ذات کا سراغ لگانے میں کوشاں ہو جاتا ہے۔"

"تو تم اپنی ذات کا سراغ لگا رہی ہو؟"

"لگا چکی ہوں۔ میں اس منزل سے گزر چکی ہوں جو جذباتی طوفان کی سرزمین ہوتی ہے۔ اب میں سکون کی وادیوں میں ہوں۔"

"اتنی سی عمر میں؟" میں نے کہا۔

"بات تلاش کی ابتداء کی ہے۔ جس عمر میں بھی تلاش کا تجسس ہو جائے۔ میں نے اپنی ذات کا عرفان پا لیا۔ لیکن اس کے حصول کے لیے مجھے کاوشیں کرنا تھیں اور اب میں کاوشوں کی عمر سے گزر رہی ہوں۔ یہ پانسے میرے معاون بھی ہیں اور اس میں پہلا ہنر نہیں حاصل ہے۔ چنانچہ تم تک پہنچنے کے لیے مجھے جن راستوں سے گزرنا تھا میں ان کی تلاش میں تھی اور بالآخر یہ راستے مجھے مل گئے میں صحیح جگہ پہنچی اور میں نے تمہیں پا لیا۔"

"خوب! لیکن لعیشہ پا لینے کا تصور تمہارے ذہن میں کیسے آیا؟"

"کیا مطلب۔ میں نہیں سمجھی؟"

"کسی کی ذات سے قریب ہو جانے کا مقصد یہ تو نہیں ہے کہ تم نے اس ذات کو اپنی خواہشات کا قیدی بنا لیا ہو؟"

"ہاں! تمہارا خیال درست ہے۔ لیکن میں ستاروں کی چال سے بھی مطمئن ہوں۔"

"وہ کس طرح؟"

"ستارے کہتے ہیں کہ تم میری امداد پر آمادہ ہو جاؤ گے۔ اس لیے مجھے کیا کاوشیں کرنا ہوں گی۔ یہ میں نے آنے والے وقت پر رکھ چھوڑی ہیں۔"

"کیوں تمہارا علم تمہاری ان کاوشوں کی جانب رہنمائی نہیں کرتا؟" میں نے سوال کیا۔

"کرتا ہے اور میں اس سلسلے میں بہت جلد ابتداء کرنے والی ہوں لعیشہ نے کہا۔

"گویا تم میری ذات پر مکمل قدرت رکھتی ہو؟"

"نہیں یہ بات نہیں۔"

"پھر؟"

"بس میں اپنے حالات سے مطمئن ہوں۔ میں یہ جانتی ہوں کہ کسی نہ کسی طرح بالآخر میں تمہیں اپنی امداد کے لیے آمادہ ضرور کر لوں گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر ان دو بحری قزاقوں کی جانب دیکھنے لگی جو ہماری طرف آ رہے تھے۔ یہ دونوں نوجوان تھے اور خاصی اچھی شکل و صورت کے مالک ان کے انداز سے بڑی شان ٹپکتی تھی اور ان کے لباس پر خون کے بڑے بڑے دھبے تھے۔ دونوں ہمارے سامنے آ کر رک گئے۔

"ضرورت ہو جنہوں نے خود کو گرفتاری کے لیے پیش نہیں کیا ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ میں مسکرا کر اس کی صورت دیکھنے لگا۔

"ہاں ہم ہی ہیں۔"

"لیکن کیا تمہارے اندر دوسرے لوگوں سے کوئی مختلف بات

scanned by aazzamm@urdufanz.com

aazzamm@yahoo.com

ہے تم ہنسے آپ میں اس انفرادیت کو کیوں پاتے ہو؟"

"اس کا جواب آنے والا وقت دے گا۔"

"اور وہ وقت آچکا ہے۔ میں حکم دیتا ہوں کہ خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دو۔"

"ہم تمہاری قید میں ہیں اور ظاہر ہے ان کشتیوں سے فرار ممکن نہیں ہے۔ پھر تم یہ کیوں چاہتے ہو کہ معمولی سی رسیاں ہمارے بدن کے گرد لپیٹ دی جائیں۔"

"اس لیے کہ یہ ہمارا اصول ہے۔ اور۔ تو تم اس خوبصورت لڑکی سے کس مزے کے ساتھ گفتگو کر رہے ہو۔ کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ لوٹی ہوئی سیاہ مال حق ہوتی ہیں۔"

"تم سفلی آپس کر رہے ہو۔ اگر تم میرے جسم کے گرد رسیاں ہی لپیٹنا چاہتے ہو تو ضرور ایسا ہی کرو۔ مجھے انکار نہیں ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ تمہارے حق میں بہتر نہ ہوگا۔"

"واہ عجیب دلیر آدمی ہو۔ [illegible] قید میں آکر بھی دھمکیاں دے رہے ہو۔ [illegible] جو موجود [illegible] ملاحوں کو حکم [illegible] میرے قریب پہنچ گئے [illegible] میرے بدن کے گرد [illegible] رسیاں لپیٹ دی گئیں اور میں اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں [illegible] پروفیسر ویسے یہ بندر [illegible] ہے کہ جب ان کے غلام مجھے رسیوں سے کس کر تیار ہو گئے تو [illegible] توڑ کر کے ٹوٹ گئیں [illegible] نکلتے ہوئے [illegible]

[illegible] حکم دیا [illegible]

[illegible] ہو گئے تھے [illegible] ہو گئے تھے۔ میں نے لیشیہ کی جانب دیکھا اور لیشیہ مسکراتی ہوئی [illegible] دھاتی۔

"مگر یہ لوگ میرے قریب ہی جاتے ہیں تو انہیں اعتراض نہ ہونا چاہیے کیونکہ میں تمہارے جلد گرفتار کر لیے جاؤں گی [illegible] کشتی کشتی [illegible] نے کہا [illegible] لیشیہ [illegible] کے ساتھ کشتی کے دوسرے سرے پر پہنچ گئے۔ [illegible] کشتیوں کو مخصوص مقام کی جانب لے جا رہی تھیں۔ بظاہر ان ڈاکوؤں کا کوئی ٹھکانہ بھی ہوگا۔

لیشیہ میرے پاس سے چلی گئی تو مجھے سوچنے کا موقع مل گیا اور میں چاندنی رات میں کھلے سمندر کو دور دور تک دیکھنے لگا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ لوگ کس طرف جا رہے ہیں اور ظاہر ہے سمندر میں یہ اندازہ کرنا آسان کام نہیں تھا۔ بہرحال گزرے ہوئے لمحات نت نئی دلچسپیوں کے حامل تھے اور پروفیسر ہی دلچسپیاں تو میری زندگی کا حاصل تھیں۔ چنانچہ میں نے بہت دور سے سمندر میں سر اٹھاتے ہوئے ان چٹانوں کو دیکھا تھا جن کی جانب کشتیاں سفر کر رہی تھیں اور شاید ہی ان ڈاکوؤں کی منزل تھی۔ کشتیوں کا سفر جاری تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ان سیاہ چٹانوں کے درمیان کون کون سے واقعات میرا انتظار کر رہے ہیں۔

لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی پروفیسر اور دوسرے ہم سب لوگ جن میں لیشیہ بھی شامل تھی، بری قزاقوں کی قید میں تھے۔ لیکن باقی تمام لوگوں کے برعکس [illegible] خوش تھی۔ ظاہر ہے کہ میں بھی کسی فکر یا تردد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نہ کسی کا اسیر تھا نہ کسی کا غلام۔ اور نہ کوئی مجھ پر [illegible] کر سکتا تھا۔ میں تو ان لوگوں کے ساتھ کھیل رہا تھا جن [illegible] میں ظالموں، جابروں اور طاقتوروں کے کئی [illegible] ہتھکنڈوں کے ساتھ کھیلتا جا رہا ہوں اور [illegible] وقات کا احساس دلاتا ہے سو میرے پریشان ہونے کا [illegible] تھا۔ [illegible] کا [illegible]

[illegible] لیے گئے تھے اور مجھے نہیں معلوم [illegible] ساتھ آنے والی [illegible]

[illegible] لیکن [illegible] واپس [illegible] تھا لیکن [illegible] کا [illegible] کیا جا سکتا تھا [illegible] ایک [illegible] کی جانب [illegible] کا [illegible] تھا [illegible] ریاست کی وہ [illegible] ہے [illegible] کے [illegible] ہیں [illegible] اور خوشی کا [illegible] اپنے [illegible] جانب [illegible] لیشیہ کے بارے میں [illegible] کی [illegible] شکایات ہی [illegible] ایک دوسرے کو اپنا بدترین [illegible] کے [illegible] ہیں ایک [illegible] دوسرے کے [illegible] تھا۔

[illegible] لیشیہ [illegible] میرے لیے [illegible] تھا۔

[illegible] ایک غیر شادی شدہ لڑکی، جسے اپنی عزت کی ہر قیمت پر حفاظت کرنی چاہیے تھی۔ لیکن وہ بغیر کسی مزاحمت کے ان دو نوجوانوں کے ساتھ [illegible] جو انہیں گرفتار کرنے کی غرض سے آئے تھے۔ لیشیہ میرے بارے میں بہت کچھ جانتی تھی، وہ میری لامحدود لازوال قوتوں سے بھی واقف تھی، وہ اگر چاہتی تو مجھ سے مدد کی درخواست کر سکتی تھی اور اسے [illegible] بھی اچھی طرح معلوم تھی کہ اگر میں اس کی مدد پر آمادہ ہو گیا تو دنیا کی کوئی [illegible] سے قزاقوں کے ساتھ جانے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ لیکن ان سب کے باوجود وہ ہنسی خوشی قزاقوں کے ساتھ چلی گئی۔ کیا اسے معلوم نہیں [illegible] نوجوان اور حسین لڑکی کے ساتھ کیا سلوک کر سکتے ہیں؟ کیا وہ ان قزاقوں سے واقف ہے؟ کیا اس اچانک حملے کی سازش میں وہ خود [illegible] ہے؟ یہ تھے وہ سوالات جو برابر میرے ذہن میں پیدا ہو رہے تھے۔ ان سوالات کے جوابات حاصل کرنے کے لیے ابھی مجھے انتظار [illegible] میں اگر چاہتا تو اس سارے گورکھ دھندے سے نکل کر اپنی راہ [illegible] ذریعہ تھی اور مجھے روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ لیکن جاننا چاہتا تھا کہ [illegible] کا بس منظر کیا ہے اور ان کا نتیجہ کیا برآمد ہوگا۔ میری تجسس [illegible] فطرت مجھے مجبور کر رہی تھی کہ کچھ دن اور اسیری کا سوانگ رچائے [illegible] دیکھوں کہ آگے کیا ہوتا ہے۔ میں لیشیہ کے علم اور اس کی چال [illegible] سے قائل تھا۔ اس نے بڑے وثوق کے ساتھ یہ الفاظ کہے [illegible] کہ وہ پریشان ہو جائیں گا۔ اب مجھے دیکھنا تھا کہ وہ کس [illegible] کر سکتی ہے۔ یہ درست ہے کہ شاکا نے مجھے [illegible] نہیں [illegible] کوئی [illegible] نہیں [illegible]

[illegible] شاکا [illegible] لیشیہ [illegible] شاکا نے اپنی زندگی کی جو کہانی مجھے [illegible] تھی وہ ایک خوبصورت عورت تھی جس کے ساتھ [illegible] ایک خیالی [illegible] بن گئی تھی۔ حقیقت [illegible] تھیں [illegible] زمانے کی ٹھوکروں نے شاکا [illegible] کو [illegible] دیا تھا۔ [illegible] وہ [illegible] کی حیثیت سے [illegible] تھی۔ وہ حبشہ کے [illegible] کی قوت [illegible] سے [illegible] تھی۔ اس لیے وہ [illegible] ایک وقت [illegible] بھی تھی۔ [illegible] نہیں [illegible] تھا [illegible] تھا [illegible]

[illegible] ملبوس ایک قزاق جو شکل و صورت سے کسی اونچی حیثیت کا مالک معلوم ہوتا تھا، ہاتھ میں ایک کشتی لیے ہوئے آیا۔ اس سنہری بدن والے غلام شاکا نے مجھے توہین آمیز انداز میں مخاطب کرتے ہوئے کہا: "میں تیرے لیے کھانا لایا ہوں۔ یہ تیری پیش قیمتی ہے کہ تجھے کھانا دیا جا رہا ہے۔ اسے کھا لو۔" اس نے کشتی کو میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"خوش قسمتی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں!" اس نے جواب دیا۔ "ہم سمندری مقاب اپنے قیدیوں کو اس طرح کھانا نہیں دیتے جس طرح تجھے دیا جا رہا ہے۔ اگر ہماری منزل قریب ہوتی ہے تو ہم اپنے اسیروں کو بالکل کھانا نہیں دیتے اور اگر ہمیں کئی روز کا سفر درپیش ہوتا ہے تو اس دوران ہم انہیں آدھا پیٹ کھانا دیتے ہیں۔"

"اور پھر اسیروں کا انجام کیا ہوتا ہے؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہم فالتو آدمیوں کا بوجھ اٹھائے پھرنے کے قائل نہیں ہیں۔ اگر اسیروں کی زندگی سے ہمیں کسی فائدے کی امید نہیں ہوتی تو ہم انہیں قید سے اور ساتھ ہی زندگی کی قید سے آزاد کر دیتے ہیں۔ لیکن جنگی اسیروں کو کسی مصلحت کی بنا پر زندہ رکھنا مقصود ہو تو ہم انہیں عزت اتنا ہی کھانا دیتے ہیں جتنا ان کے جسم و جان کے رشتے کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہو۔"

"کیا تمہارے پاس کھانے کی کمی ہے؟" میں نے پوچھا۔ "میرے خیال میں تو تم لوگ بہت دولت مند ہو۔ پھر انسانوں کو بھوکا کیوں رکھتے ہو؟"

"ہمارے پاس کھانے کی کمی نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "ہم اپنے اسیروں کو بھوکا اس لیے رکھتے ہیں کہ ان کے بازوؤں کی طاقت کم ہو جائے۔ ان کے جسموں سے [illegible] نکل جائیں۔ وہ موقع پا کر ہم پر وار کرنے کے اہل نہ ہوں۔"

[illegible]

[illegible] تو [illegible] کا [illegible] تھا [illegible] کا [illegible] تھا [illegible] کا [illegible] تھا

aazzamm@yahoo.com

سے بہت بڑی رقم حاصل کرے گا۔"

"بوقام کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بوقام ہمارا سردار ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "ہم لوگ اپنے آپ کو سنہری عقاب کہتے ہیں اور بوقام کا مطلب عقابوں کا سردار۔"

"تمہارا مطلب اسی قوی ہیکل قزاق سے ہے جس کی ایک آنکھ پر سیاہ پٹی بندھی ہوئی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں وہی۔" اس نے جواب دیا۔ "ہم عقابوں میں سرداری کا ایک پیمانہ ہمیشہ سے اور وہ ہے سب سے زیادہ طاقتور ہونا۔ جو سب سے زیادہ طاقتور ہوگا، وہی ہمارا سردار ہوگا۔ اور بوقام ہم میں سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ ہمارے پورے گروہ میں کوئی شخص کشتی، شمشیر زنی، نیزے بازی میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ حقیقی معنوں میں ناقابل تسخیر ہے۔"

"ناقابل تسخیر" میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ اس بے چارے معمولی درجے کے قزاق کو بوقام دنیا کا سب سے زیادہ بہادر آدمی نظر آتا تھا اور میں اس کی نظروں میں محض ایک غلام تھا، ایک زرخرید اور مفتوح غلام جس کی جلد کی رنگت سنہری تھی۔

"کاشانہ۔ دوسرے قیدی کہاں ہیں؟" میں نے سوال کیا۔ "تم لوگ ان کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟"

"یہ فیصلہ تو بوقام کا کام ہے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن تجھے دوسروں کی بھی فکر کیوں ہے۔ تو اپنے بارے میں کیوں نہیں سوچتا کہ کیا تو یہ جاننے کا خواہش مند نہیں کہ تیرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟"

"نہیں میں یہ جاننے کا خواہش مند نہیں ہوں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "میرے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو میں چاہوں گا۔"

"تو مجھے کوئی پاگل معلوم ہوتا ہے جو یہ بات کہہ رہا ہے۔" اس نے کہا۔

"تو جانتا نہیں ہے کہ بوقام کون ہے اور ہم لوگ اپنے مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں؟"

"میں نہ تو پاگل ہوں اور نہ تمہارے بوقام سے خوفزدہ۔" میں نے اسے جواب دیا۔ "وقت آنے پر تجھے سب کچھ پتہ چل جائے گا۔"

"اوہ!" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "بڑا غرور معلوم ہوتا ہے تو۔ خیر کھانا کھا لے۔ لعشیہ نے خاص طور پر حکم دیا تھا کہ تجھے پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے۔"

"مگر لعشیہ ہے کہاں؟" میں نے دوبارہ اس سے پوچھا۔

"وہ اس وقت بوقام کے پاس ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"میں سوچنے لگا کہ لعشیہ بوقام کے پاس کس طرح پہنچ گئی۔ یقیناً وہ کسی گہری سازش میں مصروف ہے۔ اس نے بحری قزاقوں کے سردار کو کسی نہ کسی طرح شیشے میں اتار لیا ہے اور اب وہ اس کی منظور نظر بن کر حکم چلا رہی ہے۔ ہاں وہ ہے بھی تو بہت خوبصورت اور کمسن بھی۔ کچھ

چلانا چاہیے۔" میں دل ہی دل میں مسکرا اٹھا۔

"کس سوچ میں غرق ہو گیا سنہری غلام؟" قزاق نے مجھ سے پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"میرا نام ڈینپ ہے۔ اور تیرا؟" اس نے پوچھا۔

"مجھے کیاس کہتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "سنو ڈینپ۔ میں تمہیں اپنا دوست کہنے لگا ہوں کیا ہم دوستوں کی طرح نہیں رہ سکتے؟"

"ہاں کیوں نہیں۔" ڈینپ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "ویسے لڑائی کے دوران تو نے اچھے ہاتھ دکھائے تھے اور میں بہادری کو پسند کرتا ہوں۔ بہرحال جب تک تو زندہ ہے، یا ہمارے ساتھ ہے، اس وقت تک مجھے اپنا دوست سمجھ۔ اچھا اب کھانا کھا لے بہت دیر ہو گئی ہے۔"

ڈینپ کھانے کے برتن لے کر واپس چلا گیا اور ہمارا سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ تین دن اسی طرح گزر گئے۔

اس دوران میری کسی سے ملاقات نہیں ہوئی۔ نہ تو مجھے لعشیہ ہی نظر آئی اور نہ بوقام اور میں نے ان میں سے کسی سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ مجھے معلوم تھا کہ لعشیہ میرے بارے میں سب کچھ جانتی ہے اور تب تک کہ اسے میرے ان اقدامات کا بھی علم تھا جو میں مستقبل میں کرنے والا تھا۔ تبھی تو اس نے بڑے دعوے کے ساتھ یہ بات کہی تھی کہ میں اس کی مدد کے لیے تیار ہو جاؤں گا اور اسی لیے وہ شاید میری طرف سے مطمئن تھی اور اس نے مجھ سے ملنے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ لیکن یہ بات میرا سامنا کرنے سے اس لیے گریز کر رہی ہو گی کہ میں اس سے اس کا بوقام کے درمیان تعلقات کے بارے میں ضرور پوچھوں گا اور اس وقت اس سلسلے میں کچھ نہ کہنا چاہتی ہو۔ بہرحال مجھے اس کے نہ ملنے پر تو کوئی تشویش تھی نہ فکر، البتہ میں یہ جاننے کی خواہش ضرور رکھتا تھا کہ شاکا، جالوت اور کنگا وغیرہ کے ساتھ اس وقت کیا سلوک کیا جا رہا ہے۔ انہیں کھانا وغیرہ دیا جا رہا ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے پروفیسر میرے لیے تو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ مجھے کھانا دیا جا رہا ہے یا نہیں۔ کھانا میرے لیے ذریعہ زندگی نہیں تھا لیکن وہ لوگ تو فانی تھے۔ دنیا کے تمام انسانوں کی طرح فانی۔

رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ شاید قمری مہینے کی آخری تاریخیں تھیں، چاند کا کہیں دور دور پتہ نہیں تھا۔ ہر طرف گہری تاریکی پھیل گئی تھی اور اس تاریکی میں پُرہول سناٹے چھپے ہوئے تھے۔ صرف سمندر کی موجوں کی غضب ناک آوازوں کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ڈینپ کھانا لے کر آیا۔ مجھے کھانے کی کوئی خواہش نہیں تھی لیکن میں اس قزاق سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔ ان لوگوں کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا تھا۔

"ڈوست۔" میں نے ڈینپ کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ "ہماری منزل ابھی کتنی دور ہے؟"

"کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔" ڈینپ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"رات کے ختم ہوتے ہوتے ہم اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائیں گے۔"

"تم لوگ اپنے اس ٹھکانے میں کب سے آباد ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"میں آج سے پانچ سال پہلے اس گروہ میں شامل ہوا تھا۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن گروہ کے پاس یہ ٹھکانہ گزشتہ بیس سال سے ہے۔"

"گزشتہ بیس سال سے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔" ڈینپ نے جواب دیا۔ "دراصل ویران اور غیر آباد سیاہ پہاڑوں کے درمیان چٹانوں سے تراش کر یہ مضبوط ٹھکانہ آج سے بیس سال پہلے شسترال اور اس کے ساتھیوں نے تعمیر کروایا تھا۔ شسترال اپنے گروہ کا سردار تھا اور بہت بہادر اور طاقتور انسان تھا۔ ایک طویل عرصے تک وہ گروہ کا سردار رہا۔ لیکن پھر وہ بوڑھا ہو گیا اور اس کی طاقت میں کمی آ گئی۔ اسی عرصے کے دوران بوقام جو قزاقوں کے ایک دوسرے لیکن چھوٹے سے گروہ کا سردار تھا، تیزی سے کامیابی کے مراحل طے کر رہا تھا۔ بوقام کی نظریں شسترال کے ٹھکانے پر لگی ہوئی تھیں۔ بوقام نے شسترال کو پیشکش کی کہ وہ اپنی ضعیف العمری کے سبب اب سرداری چھوڑ دے اور اپنے گروہ کو بوقام کے گروہ میں ضم کر کے بوقام کو سردار مان لے۔ بوقام نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو مکمل تحفظ اور تعاون کی یقین دہانی کی۔ لیکن شسترال اس بات پر آمادہ نہ ہوا اور اس نے بوقام کو جنگ کی دعوت دی۔ دونوں گروہوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی اور بوقام نے اپنی بہادری کے زبردست جوہر دکھائے۔ اس کے ساتھیوں نے تعداد میں کم ہونے کے باوجود جم کر مقابلہ کیا اور بالآخر شسترال کے گروہ کو شکست دے دی۔ بوڑھا شسترال مارا گیا اور اس مقابلے میں بوقام کو اپنی ایک آنکھ سے محروم ہونا پڑا۔ شسترال کی موت کے بعد اس کے گروہ کے زیادہ تر آدمی مارے گئے، جو باقی بچے وہ گرفتار ہوئے اور انہوں نے بوقام سے وفاداری کا عہد کیا اور اس کے گروہ میں شامل ہو گئے۔ آخر وہ اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتے تھے۔"

"کیا لعشیہ بھی تب تک بوقام کے ساتھ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"شاید۔" اس نے جواب دیا۔ "مجھے ٹھیک سے معلوم نہیں ہے اور نہ مجھے اتنا اختیار حاصل ہے کہ میں سردار اور اس کے مہمانوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہوں۔"

اس ادنیٰ قزاق سے اب اس موضوع پر زیادہ بات چیت فضول تھی۔ اسے بوقام اور لعشیہ کے تعلقات اور ان کی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔

ڈینپ تھوڑی دیر بعد رخصت ہو گیا۔ اس بڑی سی کشتی میں اب جگہ جگہ مشعلیں روشن کر دی گئی تھیں۔ آس پاس چلنے والی کشتیوں میں بھی روشنی کے نقطے نمودار ہو گئے تھے۔ عجیب و غریب منظر تھا۔ پروفیسر دور دور تک پھیلی ہوئی اتھاہ تاریکی، یوں معلوم ہوتا تھا کہ سلمی بھاگ سیاہ رات کی ایک دبیز چادر میں لپٹ کر نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے۔ اور اس گھور تاریکی میں غرقتے ہوئے سمندر کی موجوں پر تیرتے ہوئے روشنی کے چند نقطے گھورے سناٹے اور تاریکی میں روشنی کے یہ ٹمٹماتے ہوئے دیئے زندگی کی علامت بنے ہوئے تھے۔ رات ڈھلتی گئی، اندھیرا گہرا ہوتا گیا۔ ہوا میں زیادہ خنکی آتی گئی اور میں کشتی کے ایک کونے میں ایک آرام دہ نشست پر بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا کہ لعشیہ نہ جانے اس وقت کیا کر رہی ہو گی۔

اب آسمان پر تارے نکل آئے تھے اور سطح سمندر پر پھیلی ہوئی بھیانک تاریکی کے پس منظر میں ان کی روشنی بڑی تیز معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے اپنی نظریں ستاروں پر جما دیں۔ میں ان سے کچھ پوچھ نہیں رہا تھا، کوئی سوال و جواب نہیں کر رہا تھا۔ صرف دوستانہ گفتگو کر رہا تھا وہ میرے دوست تھے۔ صدیوں پرانے ازلی اور ابدی دوست، جو ہر ضرورت کے موقع پر میری مدد کے لیے آمادہ رہتے تھے اور جن کی فراہم کردہ معلومات نے مجھے کبھی مایوس نہیں کیا۔

اور پھر میں اپنے دوستوں کی محفل میں چلا گیا۔ ستاروں کے ساتھ میری آنکھ مچولی کا کھیل دیر تک جاری رہا، یہاں تک کہ وہ ایک ایک کر کے میری نظروں سے اوجھل ہونا شروع ہو گئے۔ دور افق پر آسمان کا رنگ ہلکا ہلکا سرخ ہو چلا تھا۔ تاریکی کی دبیز چادر دھیرے دھیرے چھٹ رہی تھی۔ ہوا میں اور زیادہ نرمی اور لطافت پیدا ہو گئی تھی۔ کہیں دور سے آبی پرندوں کی قلقاریوں کی گونجتی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ سفر کی ایک اور رات بیت گئی تھی اور ایک نیا ہنگامہ پرور دن طلوع ہو رہا تھا۔

میں نے ایک انگڑائی لے کر بدن کو جھٹکا دیا اور سامنے نظر ڈالی۔ دھند میں لپٹا ہوا ایک جزیرہ میرے سامنے تھا جس میں جگہ جگہ اونچے پہاڑ اپنا سر اٹھائے ہوئے کھڑے تھے۔ گہری گہری چادریں ان پہاڑوں کے خدوخال سرمئی رنگ کے نظر آ رہے تھے۔ کشتی میں زندگی کی چہل پہل کا آغاز ہو گیا۔ دو قزاق میرے سامنے سے ہتھیار بجاتے ہوئے گزرے، انہوں نے میری جانب کوئی توجہ نہیں دی شاید کشتی پر موجود سارے قزاقوں کو اس بات کا یقین تھا کہ کوئی بھی قیدی راہ فرار اختیار نہیں کر سکتا خواہ اس کے ہاتھ پیر کھلے ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اس بحر ناپیدا کنار میں چھلانگ لگانا صرف اپنی موت کو دعوت دینا تھا۔ اب لعشیہ اور بوقام بھی اپنے سنہرے روپہلے خوابوں سے بیدار ہو گئے ہوں گے۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ بہرحال خوب کھیل تھا لیکن پروفیسر، جیسا کہ میں آگے چل کر تمہیں بتاؤں گا، میں سخت غلطی پر تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے سپیدۂ سحر پورے طور پر نمودار ہو گیا۔ لمبے لمبے سفید پروں والے آبی جانوروں کے غول کے غول ہمارے سروں پر سے اڑ رہے تھے اپنی طرح طرح کی آوازوں میں آمد سحر کا خیر مقدم کر رہے تھے۔ پورے ماحول پر ایک سحر انگیز کیفیت طاری تھی۔ سامنے پہاڑوں کے خطوط اور زیادہ نمایاں ہو گئے تھے۔ ساحل پر اگے ہوئے گھنے درخت ایک سبز کا ہی دھندلکے کی مانند نظر آ رہے تھے۔ کشتیوں کا قافلہ ساحل کی طرف رواں دواں تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ اب میری زندگی کی طویل تاریخ میں ایک اور نئے

aazzamm@yahoo.com

دل چسپ باب کا اضافہ ہونے والا ہے، صبح کی روح پرور اور کیف آگیں ہوا کے جھونکوں نے جو کہر اور پانی کے بخارات سے بوجھل تھے، مجھ پر غنودگی کی سی کیفیت طاری کر دی اور اسی عالم میں میری آنکھ لگ گئی۔

میری کمر پر پڑنے والی لات بڑی زوردار تھی اور میں چونک ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ میرے سامنے سیاہ ڈاڑھی والا ایک ہٹا کٹا قزاق ہتھیاروں سے لیس کھڑا مجھے لعنت سے گھور رہا تھا۔ "تو کوئی شاہزادہ نہیں ہے جو دن چڑھے تک ستارے گاہد بخت" اس نے بڑی نخوت کے ساتھ کہا۔ صبح ہو گئی ہے، اٹھ جا، ہم منزل کے قریب پہنچ گئے ہیں، اپنے انجام کے لیے تیار ہو جا۔"

میری آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے اور میرا فوری ارادہ یہ تھا کہ اس بدنصیب شخص کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دوں۔ لیکن پھر میں نے فوراً ہی اپنے آپ پر قابو پا لیا۔ اس نے جو کچھ کہا وہ نادانستگی کے عالم میں کہا تھا وہ میری قوتوں اور صلاحیتوں سے ناواقف تھا اور اس نے میرے ساتھ وہی سلوک کیا تھا جو غلاموں اور اسیروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس میں اس کا زیادہ قصور نہ تھا۔ تاہم اسے کچھ سزا دینی ضروری تھی تاکہ آئندہ وہ ان لوگوں کے ساتھ انسان جیسا سلوک کرنا سیکھ لے۔ میں چند لمحوں تک اسی طرح اپنی نشست پر نیم دراز اسے سرد نگاہوں سے گھورتا رہا اور اس کے آئندہ اقدام کا منتظر رہا۔

"کیا تو نے سنا نہیں سنہری غلام؟ کیا تجھے اٹھانے کے لیے مجھے تلوار کی نوک استعمال کرنی پڑے گی؟" اس نے اپنی تلوار کھینچتے ہوئے کہا۔

لیکن قبل اس کے کہ وہ اپنی تلوار کو نیام سے باہر نکالتا۔ میں نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ اس نے جھٹکا دے کر ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ لیکن اس کا ہاتھ تو فولاد کی گرفت میں تھا۔ وہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگا۔ اچانک میں نے دوسرے ہاتھ سے ایک تھپڑ اس کے گال پر رسید کیا۔ اگرچہ میں نے اس کے آہستہ سے تھپڑ مارا تھا لیکن اس کی چیخ دل ہلا دینے والی تھی۔ اس کے منہ سے خون کی دھار بہہ نکلی۔ شدید کئی دانت اپنی جگہ سے ہل گئے تھے۔ اس کی چیخ سن کر کئی قزاق جادر دھن سے دوڑ کر آ گئے اور اس منظر کو حیرت سے دیکھنے لگے اور تیز تیز چیخیں کھسکنے لگے۔ تھوڑی دیر میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ کئی قزاقوں نے کئی تلواریں کھینچ لیں اور قریب تھا کہ وہ مجھ پر پل پڑیں کہ پیچھے سے ایک کرخت آواز بلند ہوئی۔

"یہ کیا شور مچا رکھا ہے؟ کیا ہو رہا ہے؟"

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ بوقام اپنی آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھے ہنسے پر وقار انداز میں ایک چٹان کی طرح سامنے کھڑا تھا۔

"سردار! اس سنہری جمہور نے غلام نے ہمارے ساتھی کے طمانچہ مارا ہے ہم اس کی بوٹیاں کاٹ دیں گے۔" کئی آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئیں۔

"فی الحال تم سب لوگ یہاں سے ہٹ جاؤ ورنہ میں تمہاری بوٹیاں کاٹ دوں گا۔" بوقام زور سے دھاڑا اور سارے قزاق دھڑا دھڑ ہو گئے۔ "افسوس ہے کہ اس سلوک نے میرے قریب آ کر کہا۔ "تیرے ہوتے ہوئے اور دوسرے لوگ تم سے واقف نہیں ہیں، ورنہ وہ تمہاری شان میں گستاخی نہیں کرتے۔ ہورلاں نے ضرور کوئی بات ایسی کی ہوگی جس پر تم نے اس کے طمانچہ مارا۔ میں اس کی جانب سے تم سے معافی مانگتا ہوں۔"

بوقام کا رویہ دیکھ کر سخت حیران ہوا۔ یہ علاوہ صفت قزاق میرے ساتھ اس قدر مہربانی سے پیش آ رہا تھا۔ لیکن فوراً ہی میں نے اپنی حیرت پر قابو پا لیا۔ یقیناً لعیشہ نے میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہوگا اور میری قوتوں اور صلاحیتوں کا اسے بخوبی علم ہو گیا ہوگا۔ تاہم میں نے تصدیق کی غرض سے اس سے پوچھا۔ "تم میرے بارے کیا جانتے ہو سردار؟"

"بہت کچھ جانتا ہوں۔" اس نے اپنے خوف ناک چہرے پر مسکراہٹ پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے بارے میں اب سے نہیں، بہت عرصے سے جانتا ہوں اور تم سے ہم لوگوں کی ملاقات بالکل اسی طرح ہوئی ہے جس طرح اس کی پیشگوئی میری بیٹی نے کی تھی۔"

"تمہاری بیٹی نے؟" میں ایک دم چونک پڑا۔ "تمہاری کون سی بیٹی ہے؟" میرے ذہن میں عجیب و غریب شبہات سر اٹھا رہے تھے۔

"تم اسے اچھی طرح جانتے ہو۔" اس نے جواب دیا۔ "میری بیٹی جو علم کا سمندر ہے۔"

"کیا کہا لعیشہ؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ "کیا لعیشہ تمہاری بیٹی ہے؟"

"ہاں!" اس نے سکون سے جواب دیا۔

"لیکن وہ تو فرناس کی بیٹی ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"سیرتوں کے سمندر سے نکل آؤ میرے دوست۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "ہماری منزل اب قریب آ گئی ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کے اندر ہم ماقاب پہنچ جائیں گے اور پھر اطمینان سے بیٹھ کر ساری باتیں ہوں گی۔ تمہیں اس پوری داستان سے واقف کرا دیا جائے گا۔ تمہارے لیے یہ سب کچھ جاننا ضروری ہے۔"

کشتیاں دریا کے ساحل پر پہنچ گئیں۔ یہ ایک چھوٹا سا جزیرہ تھا جس کی پشت پر کئی پہاڑ سر اٹھائے کھڑے تھے۔ ساحل جزیرہ سرسبز درختوں، سرخ پھولوں اور بیلوں کا تانہ پھیلی ہوئی بیلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ کشتیوں کو خیمہ مقرر کرنے کے لیے ساحل پر کافی لوگ موجود تھے لیکن میں نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی کہ ان میں نوجوانوں کی تعداد بہت کم تھی زیادہ تر بچے اور بوڑھے تھے۔ پھر عورتیں، جوانی زندگی اور صحت و توانائی سے بھرپور عورتیں جن کے چہروں کی جلد کو کھلتے ہوئے دھوپ اور سمندر کی قربت نے سنولا دیا تھا۔ جن کے بدن محنت اور مشقت کے سبب سخت اور مضبوط نظر آ رہے تھے۔ بڑی دلکش اور حسین عورتیں تھیں ان میں کچھ نظر رسیدہ بھی تھیں لیکن مجموعی طور پر جوان عورتوں کی تعداد زیادہ تھی۔

پہاڑوں کی چوٹیوں کو اندر ہی اندر تراش کر خانوں کے بعد کشتی ہزار مسدبانوں نے ان کا ایک عالی شاہکار تخلیق کیا تھا۔ ایک بہت بڑا

پویلین ان پہاڑوں کے اندر کسی دنیا موجود تھی اپنے شمار کمرے اور دیوان خانے بنے ہوئے تھے۔ جن کا دوسرا سرا کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ بھروں کو اس نفاست سے تراشا گیا تھا کہ دیکھ کر جی خوش ہو جائے۔ نہ جانے وہ کون لوگ تھے جن کے ہنرمند ہاتھوں نے اس عظیم الشان پیلس کی تعمیر کی تھی جس کا ایک ایک گوشہ انسانی عظمت کی گواہی دے رہا تھا۔ خود بوقام کو بھی معلوم نہیں تھا کہ اس بستی کے معمار کون تھے وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ اس کی تعمیر شترال نے کروائی تھی۔ یہ پوری بستی قزاقوں کی بستی تھی اور اب اس پر بوقام کی حکمرانی تھی۔

یہ ایک بے حد وسیع و عریض ہال تھا جس میں چند لوگ جمع تھے۔ مجھے بیٹھنے کے لیے ایک زرتار کرسی پیش کی گئی۔ سامنے ایک بڑے سے سجے ہوئے تخت پر بوقام اور لعیشہ بیٹھے تھے۔ سمندری سفر کے دوران اور اس کے بعد لعیشہ کو اب میں پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت پرسکون اور خوش نظر لگ رہی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے میرا خیر مقدم کیا۔ میں اس کرسی پر بیٹھ گیا۔

اور تب اچانک ہال کے دوسرے کونے میں بہت سے قدموں کی آواز سنائی دی۔ میں نے دیکھا وہ شاکانہ تھی۔ نازیبل کی پرغرور اور پرنور شکل جس نے ایک بڑا خزانہ دے کر مجھے خریدا تھا۔ اس وقت وہ بہت دلکش لگ رہی تھی۔ اس کے چاروں طرف چار قزاق ننگی تلواریں لیے ہوئے چل رہے تھے اور وہ قزاق شاکانہ کو سہارا دے کر لا رہے تھے۔ چند ہی روز میں اس کی حالت میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ چالیس برس کی اور عمر رسیدہ نظر آنے لگی تھی۔ اس کی دلکش آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے نمودار ہو گئے تھے۔ اس کا لباس میلا اور شکن آلود ہو گیا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں ویرانی تھی اور چہرے پر شدت خودکشی کے خیال کے گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ اس نے میرے قریب کی رکاوٹ ہم لوگوں پر ڈالی اور پھر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ میرے لیے شاکانہ کے لیے رحم کے جذبات امڈ آئے۔ اس وقت وہ عورت کا روپ ہوئی تھی۔ اس کا کوئی دوست، کوئی ساتھی وہاں موجود نہیں تھا اور دشمنوں کے درمیان اکیلی تھی اور مجھے یقین تھا کہ اپنے دل میں میری ہمدردی کی تائید و حمایت کا یقین لیے ہوئے تھی۔ میں نے بھی فیصلہ کر لیا کہ شاکانہ کی مدد کروں گا۔ کم از کم اسے موت کے منہ سے ضرور بچا لوں گا۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ شاکانہ سے میری دلچسپی صرف اس حد تک تھی کہ میں اسے مرنے سے بچانا چاہتا تھا۔

محافظوں نے شاکانہ کو ایک لکڑی کی کرسی پر بٹھا دیا اور خود اس کے چاروں طرف تلواریں سونت کر کھڑے ہو گئے۔ اب اس وسیع و عریض ہال میں چھ محافظوں کے علاوہ صرف تین افراد موجود تھے۔ میں، لعیشہ اور بوقام۔ شاکانہ کی کرسی ہم لوگوں سے کافی فاصلے پر تھی۔

"میرے عزیز و محترم دوست!" بوقام نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔ "میری بیٹی لعیشہ نے . . . ."

"ٹھیرو بوقام!" میں نے سخت لہجے میں اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "پہلے یہ بتاؤ کہ لعیشہ تمہاری بیٹی کس طرح ہے؟"

"بابا تمہارے اس سوال کا جواب ضرور دیں گے۔" بوقام کی بجائے لعیشہ نے کہا۔ "تم سے کوئی بات چھپائی نہیں جائے گی سنہری طرشتے لیکن تمہارے جاری باتیں سنو۔" میں نے دیکھا کہ شاکانہ بوقام کے الفاظ پر اچھل گئی تھی۔ وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے کبھی لعیشہ کو دیکھتی اور کبھی بوقام کو۔

"اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ لعیشہ میری بیٹی کس طرح ہے۔" بوقام نے کہا اور شاکانہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اے مغرور اور ظالم عورت کو بھی یہ باتیں سن لے۔ آج تک تیرے علم میں نہیں تھیں۔ انکشافات یقیناً تیری روح کو لرزا دیں گے۔"

طرابلا، لعیشہ کی ماں ایک نیک دل عورت اور شوہر پرست عورت تھی۔ اس کا شوہر فرناس جوان بیلا کا حکمران تھا۔ اسے بہت چاہتا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں نوجوان تھا۔ طرابلا اور میں ایک ہی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ فرناس سے شادی کے بعد طرابلا نے مجھے فرناس کی حکومت میں ایک اچھا عہدہ دلوایا تھا اور فرناس میری خدمات سے بہت مطمئن اور خوش تھا۔ فرناس کو صرف ایک ہی غم تھا اور وہ یہ کہ اس کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ وہ اکثر یہ کہتا کہ اس کے مرنے کے بعد زیبا کی ریاست پر دوسرے لوگوں کا قبضہ ہو جائے گا اور اس کا نام لیوا کوئی باقی نہیں رہے گا۔ تب اس نے شاکانہ کے ساتھ دوسری شادی کر لی۔ شاکانہ جب فرناس کی بیوی بن کر آئی تو پہلے دن سے وہ طرابلا سے شدید نفرت کرنے لگی۔ وہ رات دن طرابلا کے خلاف فرناس کے کان بھرتی اور طرابلا کو یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں وہ اسے محل سے نکلوا نہ دے۔ طرابلا کے پاس اپنے بچاؤ کا صرف ایک ہی راستہ تھا کہ وہ کسی طرح ماں بن جائے۔

طرابلا مجھے اپنا سب سے بڑا ہمدرد سمجھتی تھی اور اس نے مجھے ایک دن تنہائی میں بلا کر اپنی داستان غم سنائی اور یہ بتایا کہ شاکانہ اس کی جان کی دشمن بن گئی ہے اور اسے اس کی جانب سے سخت خطرہ لاحق ہے۔ تب میں بوڑھی نفرتا کے پاس گیا۔ وہ بظاہر ایک بوڑھی سبزی فروش عورت تھی لیکن میرے علاوہ کوئی چند ہی لوگ یہ بات جانتے تھے کہ وہ ستاروں کا علم رکھتی ہے اور آنے والے واقعات کی پیشین گوئی کر سکتی ہے۔ اس نے یہ علم بڑی محنت سے ریاضت اور دیوتاؤں کے حضور کڑی مشقتوں کا نذرانہ پیش کر کے حاصل کیا تھا۔ لیکن وہ اپنی صلاحیتوں کو مخفی رکھنا بھی پسند کرتی تھی۔ میں نے بوڑھی نفرتا کو ساری بات بتا کر اس سے مدد کی درخواست کی اور اسے محل میں طرابلا کے پاس بھجوا دیا۔ طرابلا نے اسے محل میں ہی مستقل اپنے ساتھ رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

اور تب بوڑھی نفرتا نے طرابلا کو بتایا کہ طرابلا ماں بن سکتی ہے۔ لیکن فرناس باپ نہیں بن سکتا۔ کیونکہ دیوتاؤں نے اس کی قسمت میں باپ بننے کا خانہ نہیں بنایا ہے۔ طرابلا اس بات سے سخت پریشان ہو گئی اسے

aazzamm@yahoo.com

یقین ہو گیا کہ بہت جلد شاکانہ اسے ٹھکانے لگوا دے گی۔ لیکن نفرتیا نے اسے تسلی دی اور یہ کہا کہ ایسے مواقعوں پر دیوتاؤں نے انسان کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے جو مناسب سمجھے کر سکے۔ اور اس میں کوئی گناہ نہیں۔ نفرتیا نے کہا کہ دیوتا انسان کی زندگی کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اگر کوئی انسان اپنی زندگی کو بچانے کے لیے کوئی ایسا راستہ اختیار کرے جو عام راستوں سے ہٹ کر ہو تو دیوتا اس پر ناراضگی کا اظہار نہیں کرتے۔ بلکہ اس بات سے خوش ہوتے ہیں۔ نفرتیا نے مجھے ساری بات بتائی اور پھر مجھے یہ عجیب و غریب حکم دیا کہ میں طرابلا کو ختم کر دوں کیونکہ دیوتاؤں کی مرضی یہی ہے۔ میرے لیے یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ طرابلا کو میں نے کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ میری دوست تھی اور محسن بھی۔ اس نے مجھے فرناس کی حکومت میں اعلیٰ عہدہ دلایا تھا۔ میں اس کے ساتھ ایسی کسی بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن نفرتیا نے مجھ سے کہا کہ اگر طرابلا کی جان بچانا مقصود ہو تو ایسا کرنا ہوگا۔

اور پھر لعشیہ پیدا ہوئی۔ فرناس اور طرابلا دونوں بہت خوش تھے۔ فرناس کی زندگی بھر کی محرومی کو ادا ہو گیا تھا اور لعشیہ ایک جیتے جاگتے کھلونے کی صورت میں اس کے ہاتھ میں تھی۔ فرناس کا زیادہ تر وقت اب طرابلا اور اپنی بیٹی کے ساتھ گزرتا تھا اور شاکانہ کاموں پر دھیان دیتی تھی۔ اگرچہ شاکانہ کو محل میں وہ تمام مراعات اور اختیارات حاصل تھے جو ایک حکمران کی ملکہ کو حاصل ہونے چاہئیں۔ لیکن وہ اس سے بھی زیادہ کی خواہاں تھی، وہ ہر چیز کی بلا شرکت غیرے مالک بننا چاہتی تھی۔

بچی کی پرورش اور دیکھ بھال کا کام نفرتیا کے سپرد تھا۔ طرابلا کو خطرہ تھا کہ شاکانہ موقع پا کر اس کی بچی کو ہلاک نہ کروا دے۔ اس لیے اس صورت میں نفرتیا سے زیادہ اس کی حفاظت کوئی اور نہیں کر سکتا تھا۔ اور پھر میرے اور طرابلا کے علاوہ نفرتیا دنیا میں وہ واحد فرد تھی جو اس راز کی امین تھی۔ نفرتیا کو خود بھی بچی سے بہت محبت تھی اور وہ بڑے پیار سے اس کی پرورش کر رہی تھی۔ نفرتیا کی مخفی صلاحیتوں کے بارے میں شاکانہ سمیت پورے محل میں کسی کو کچھ نہیں معلوم تھا۔

لعشیہ کی پیدائش کے تین سال کے بعد شاکانہ نے بعض سازشی امراء کی مدد سے فرناس کو دھوکے سے زہر دے دیا۔ فرناس ہلاک ہو گیا اور اس کے چند ہی روز بعد جب ملکہ طرابلا کی تخت نشینی کا اعلان ہونے والا تھا تو شاکانہ نے سوتے میں اس کے سینے میں خنجر گھونپ دیا اور وہ بھی ہلاک ہو گئی۔ لعشیہ اس وقت نفرتیا کے ساتھ دوسرے کمرے میں تھی، ورنہ شاید آج یہ جہاں زندہ نہ بیٹھی ہوتی۔ فرناس اور طرابلا کی ہلاکت کے بعد شاکانہ ازبیلا کی حکمراں بن گئی اور اس نے اپنی سخت گیر اور ظلم پسند طبیعت سے کام لے کر ان لوگوں پر مظالم ڈھانے شروع کر دیئے جو طرابلا سے ہمدردی رکھتے تھے اور ماضی میں اس کے قریب تھے۔ میں بھی ان لوگوں میں سے ایک تھا۔ شاکانہ نے میری ملازمت ختم کر دی اور مجھے ازبیلا کی حدود سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ میری اولاد اس کے محل میں پرورش پا رہی ہے۔ ازبیلا جانے سے پہلے میں نے نفرتیا سے تفصیل ملاقات کی۔ نفرتیا نے مجھے بتایا کہ وہ اس بات پر قائل کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے کہ لعشیہ کا نہ زندہ رہنا ضروری ہے۔ اگر لعشیہ کو قتل کیا گیا تو ازبیلا کی ساری آبادی اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوگی اور بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔ ریاست کے لوگ کو فرناس اور طرابلا کی ہلاکت کے بارے میں صحیح طور پر معلوم نہیں تھا۔ فرناس کے بارے میں تو یہ مشہور کر دیا گیا کہ وہ پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہو کر مر گیا اور طرابلا کی موت کو زینے سے گرنے کا حادثہ قرار دیا گیا تھا۔ اب اگر لعشیہ بھی مر جاتی تو لوگوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات ابھرتے اور شاکانہ کے لیے سخت مشکلات پیدا ہو جاتیں۔ یہی بات نفرتیا نے شاکانہ کو سمجھائی تھی اور شاکانہ کی سمجھ میں یہ بات آ گئی تھی کیونکہ ہر حال میں محل کے اندر موجود بہت سے لوگوں کو فرناس اور طرابلا کی موت کے بارے میں اصل حقائق کا علم تھا اور اگر یہ باتیں محل کی چار دیواری سے باہر نکل جاتیں تو لوگ شاکانہ کو قتل کر دیتے۔

نفرتیا نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ لعشیہ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھے گی نیز وہ بچپن ہی سے اسے اپنا علم منتقل کرنا شروع کر دے گی۔ اور اسے ایسی تربیت دے گی جو ازبیلا تو کیا پورے جہان میں شاید ہی کسی دوسری لڑکی کو نصیب ہو۔ نفرتیا کا کہنا تھا کہ وہ لعشیہ کے سینے کو علم و حکمت کے خزانے سے بھر دے گی۔ لیکن خفیہ طور پر میں اور نفرتیا شاکانہ کو اس کے کیفر کردار تک پہنچا دیں گے۔ نہ وہ اور نہ ان دونوں کو ہلاک کرنے کی خواہش مجھے ازبیلا چھوڑے ہوئے پانچ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس عرصے میں میں نے سب سے بڑے بحری قزاق سنٹرال کو شکست دے کر اس کے جزیرے پر قبضہ کر لیا تھا اور میں سمندر کی دنیا کا بادشاہ بن گیا تھا۔ آس پاس کی چھوٹی موٹی ریاستیں میرے نام سے کانپنے لگیں۔ ملاح اور جہاز رانوں کے لیے ہمارا نام موت اور بربادی کی علامت بن گیا تھا۔ میری دولت میں بے پناہ اضافہ ہوتا گیا اور ہمارے ساتھیوں کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ اب مجھے اپنی بیٹی کی یاد بری طرح ستا رہی تھی۔ مجھے گزشتہ پانچ سال کے عرصے میں اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ شوق بڑھتی تھی، وہ کسی وقت بھی مر سکتی تھی۔ لعشیہ کی یاد بار بار میرے دل میں چٹکیاں لے رہی تھی۔ تب میں نے ازبیلا جانے اور لعشیہ سے ملنے کا فیصلہ کیا۔

میں بھیس بدل کر ازبیلا پہنچا اور بدقت تمام نفرتیا سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو سکا۔ مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ نفرتیا زندہ تھی اور لعشیہ بھی۔ اس وقت پورے ازبیلا پر شاکانہ کے نام کا طوطی بول رہا تھا۔ حکومت پر اس کی گرفت بڑی سخت تھی۔ اس نے اپنے مخالفین کو ایک ایک کر کے راہ سے ہٹا دیا تھا اور اپنے پسندیدہ سرداروں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کر دیا تھا۔

نفرتیا نے لعشیہ سے میری ملاقات کروائی۔ اس وقت لعشیہ کی

عمر سات سال کی تھی۔ لیکن مجھے اس سے گفتگو کرتے ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ غیر معمولی ذہن و دماغ کی مالک ہے، وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ ذہین تھی اور نفرتیا اپنی طرف سے اسے مخفی علوم کی تعلیم دے رہی ہے۔ نفرتیا کا کہنا تھا کہ چودہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے لعشیہ مخفی علوم کی مکمل ماہر بن جائے گی۔ وہ اس کے اس عمر میں ہی تنسقیتیں اور ریاضتیں کروانی تھی اور یہ سلسلہ شاکانہ سے چھپ کر کیا جا رہا تھا۔ شاکانہ کو فی الحال لعشیہ سے کوئی خطرہ نہیں تھا وہ حاقت کے نشے میں چور تھی۔

چودہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے لعشیہ مخفی علوم کی ماہر بن گئی۔ پھر نفرتیا کا کام ختم ہو گیا تھا یا یہ معلوم ہوتا تھا کہ قدرت نے اسے محض اسی کام کے لیے اب تک زندہ رکھا تھا کیونکہ لعشیہ کی عمر کا پندرہواں سال شروع ہوتے ہی نفرتیا نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

شاکانہ لعشیہ سے شدید نفرت کرتی تھی۔ لیکن وہ دل ہی دل میں اس سے خوفزدہ بھی تھی کیونکہ اب محل میں یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی کہ لعشیہ مخفی علوم سے واقف ہے اور اسے دیوتاؤں کی تائید حاصل ہے۔ شاکانہ تک بھی یہ خبریں پہنچ گئی تھیں۔ وہ لعشیہ کو ختم کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اسے دیوتاؤں کی ناراضگی کا خوف تھا۔ وہ ڈرتی تھی کہیں لعشیہ کا خون اس کے لیے عذاب نہ بن جائے۔ اس لیے وہ اپنی خواہش کے باوجود لعشیہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ البتہ اس نے اس کی حرکت پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کر دی تھیں اور دوسرے طریقوں سے لعشیہ کو آزار پہنچاتی تھی۔

اور پھر وہ وقت آ گیا جس کی لعشیہ نے اپنے علم کی بنیاد پر پیشگوئی کی تھی۔ شاکانہ کے جہاز پر حملے کا منصوبہ لعشیہ کی پیشین گوئی کی بنیاد پر بنایا گیا تھا اور پھر وہی سب کچھ ہوا، اور اب تک ہو رہا ہے، جو لعشیہ کے مطابق ہونا تھا۔ شاکانہ کا زوال ہو چکا ہے وہ تمہارے سامنے زنجیروں میں جکڑی کھڑی ہے اور لعشیہ آ رہی ہے۔"

بوقام نے اپنی داستان ختم کر کے ایک گہری سانس لی۔ اس عرصے کے دوران لعشیہ اور شاکانہ بالکل خاموش رہی تھیں۔ میں نے شاکانہ کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کا رنگ بالکل زرد ہو رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

"بڑی دلچسپ اور حیرت انگیز داستان ہے تم لوگوں کی۔" میں نے گہرے سکوت کو توڑتے ہوئے کہا۔ "ویسے اس داستان کے بعض ٹکڑے میں شاکانہ اور زینب کی زبانی سن چکا ہوں۔ لیکن اب پوری بات میرے سامنے بالکل واضح ہے۔ بہرحال اب تم یہ بتاؤ کہ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"ازبیلا کی حکومت حاصل کرنے کے لیے تمہاری مدد۔" بوقام کی ملکہ لعشیہ نے جواب دیا۔

"اور اگر میں اس تعاون سے انکار کر دوں تو؟" میں نے کہا۔

"تو پھر؟" اس مرتبہ بھی لعشیہ نے جواب دیا۔ "تمہاری زبان سے انکار کا لفظ نکلتے ہی چار تلواریں بیک وقت شاکانہ کے جسم پر پڑیں گی اور قبل اس کے کہ قصر اس تک پہنچ سکے اس کے جسم کے ٹکڑے ہو چکے ہوں گے۔" یہ چار جلاد تھے اس نے ان محافظوں کی طرف اشارہ کر کے کہا جو ننگی تلواریں لیے شاکانہ کے چاروں طرف کھڑے تھے۔ "صرف ہمارے اشارے کے منتظر ہیں۔ کیا اس، میرا علم مجھے کبھی غلط بات نہیں بتاتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم شاکانہ کی زندگی کے خواہاں ہو۔ اس وجہ سے نہیں کہ تمہیں اس سے محبت ہے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ تمہیں اس سے ہمدردی ہے۔ تم اسے زمانے کی ٹھکرائی ہوئی ایک ایسی مظلوم عورت سمجھتے ہو جو ذہنی مریضہ ہے اور اپنی محرومیوں کا انتقام ساری دنیا سے لے رہی ہے۔ تم شاکانہ کی موت کے خواہاں نہیں ہو اور اس کی زندگی بچانا چاہتے ہو اور اس کی زندگی صرف اسی صورت میں بچ سکتی ہے جب تم ہماری مدد کرو۔"

پروفیسر! میں اس فتنہ روزگار کی بات سن کر بہت حیران ہوا۔ بلاشبہ شاکانہ کی تمام تر غلط حرکتوں کے باوجود مجھے اس گڈریے کی غریب بیٹی سے دلی ہمدردی تھی جسے زمانے نے سنگدل اور بے رحم بنا دیا تھا اور میں چاہتا تھا کہ وہ دنیا میں کچھ دن اور زندہ رہے اور حالات سے سبق سیکھے، نئے طریقے سے، عام انسانوں کی طرح زندگی گزارنے کا سلیقہ پہچانے اور اسی لیے میں اسے موت کے منہ سے بچانا چاہتا تھا۔ لعشیہ کے علم نے اس کی بالکل صحیح رہنمائی کی تھی۔ وہ میرے بارے میں مکمل معلومات رکھتی تھی۔ دونوں باپ بیٹی میری اس مجبوری سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے کہ میں شاکانہ کو زندہ دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ دونوں میرے ساتھ وہی کر رہے تھے پروفیسر جسے تم لوگ اپنی آج کی دنیا کی زبان میں بلیک میلنگ کہتے ہو۔ بہرحال میں اس بلیک میلنگ کا شکار ہونے کے لیے خود تیار تھا۔ ورنہ ان کی میرے سامنے کوئی حیثیت نہیں تھی۔ میرے لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ ازبیلا کی حکومت ارغوث کے پاس رہے یا لعشیہ کے پاس۔ میں تو صرف شاکانہ کو زندہ دیکھنا چاہتا تھا اور پھر اس طرح تھے ایک اور کھیل میں شریک ہونے اور اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کا موقع مل رہا تھا۔ ظاہر ہے پروفیسر میرے لیے تو یہ سب کچھ کھیل ہی تھا۔ مجھے اپنے لیے نہ تو سلطنت چاہیے تھی، نہ حکومت، نہ دولت۔ میں تو سب کچھ دوسروں کے لیے کر رہا تھا۔ میری زندگی کی ساری مہمات دوسروں کو فیض پہنچانے کے لیے تھیں۔ چنانچہ میں شاکانہ کی جان بچانے کی خاطر بوقام اور اس کی بیٹی کے ہاتھوں بلیک میل ہونے کے لیے تیار تھا۔

"تمہارا علم حیرت انگیز لعشیہ!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بہرحال مجھے تم لوگوں کی بات منظور ہے۔ میں شاکانہ کو زندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور اس کے صلے میں میں ازبیلا کی حکومت حاصل کرنے میں تمہاری مدد کروں گا۔ لیکن یہ بتاؤ کہ شاکانہ کے مستقبل کے بارے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"شاکانہ چاہے تو ازبیلا میں قیام کر سکتی ہے۔" اس بار بوقام نے جواب دیا۔ "وہاں اسے ایک محل میں نظر بند رہنا پڑے گا۔ جہاں اس کی ضرورت کی ہر چیز کا وافر مقدار میں فراہم کی جائے گی اور ایک سابق ملکہ کی حیثیت سے اس

aazzamm@yahoo.com

کا احترام بھی کیا جائے گا لیکن اسے محل سے باہر نکلنے اور لوگوں سے ملنے کی اجازت نہیں ہوگی۔"

"کنگانہ، ہاتوت اور باقی قیدیوں کا کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"اگر تم مناسب سمجھو اور اس کی اجازت دو تو انہیں ہمارے قبیلے کی فتح تک اپنا قیدی رکھنا پسند کریں گے۔" بوقام نے جواب دیا۔ "اس کے بعد میرا وعدہ ہے کہ انہیں آزاد کر دیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن میں ہاتوت کی فوری آزادی چاہتا ہوں۔ وہ شاکانیہ کی فوج کا سپاہی نہیں ہے، بلکہ میرے ساتھ اسے بھی شاکانیہ نے منڈی سے خریدا تھا۔ وہ میرا دوست ہے جہاں تک باقی لوگوں کا تعلق ہے، تم انہیں اپنی فتح تک اپنا قیدی رکھ سکتے ہو۔ لیکن ان میں سے کسی کو بھی کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔"

"ایسا ہی ہوگا۔" اس پر بوقام نے کہا اور زور سے تالی بجائی۔

ایک دم قزاق پتھر کے تراشے ہوئے در سے گزر کر اندر آیا۔ "ہاتوت کو یہاں لے آؤ۔" بوقام نے اسے حکم دیا۔

"اور شاکانیہ کے پاس سے ان تلواروں کا مجمع ہٹا دو اب ان کی ضرورت نہیں ہے۔" شاکانیہ کو ایک جگہ کھڑا کر دے وہ جس میں وہ آرام کر سکے۔ وہ بہت تھک گئی ہے۔" میں نے حکم جاری کیا۔

بوقام نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور چاروں تلوار باز سر جھکائے ہوئے ہال سے باہر نکل گئے۔ صرف دو ہی نظر آ رہے تھے جو شاکانیہ کو سنبھالے ہوئے تھے۔

"اس کی زنجیریں کھول دو۔" میں نے براہ راست محافظوں کو حکم دیا۔

بوقام نے اثبات میں گردن ہلائی اور محافظوں نے شاکانیہ کو آزاد کر دیا۔

"شاکانیہ!" میں نے نرم لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ان لوگوں کے ساتھ جاؤ اور اپنے کمرے میں آرام کرو۔ تمہیں سکون کی ضرورت ہے۔ میں تھوڑی دیر بعد تم سے ملنے آؤں گا اور اطمینان سے باتیں کروں گا۔"

"تم... تم... میرے پاس آؤ گے؟" شاکانیہ نے اس تمام عرصے میں پہلی بار میری آواز سنی تھی۔ اسے شاید اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"کیوں؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔ "کیا تمہارے پاس آنے سے مجھے کوئی روک سکتا ہے؟"

"نہیں... نہیں۔" شاکانیہ کی بجائے بوقام بولا۔ "کیا اس بھلا کیا کیا مجال جو تم پر کوئی پابندی لگائے۔"

شاکانیہ کو شب سرخ والے کمروں میں سے شمال کی طرف کا آخری کمرہ دے دو۔" بوقام نے محافظوں کو ہدایت دی۔

شاکانیہ غیر مسلح محافظوں کے ساتھ روانہ ہو گئی۔

"کیا اب بھی تم اس بات سے انکار کرو گے کہ تم دیوتا نہیں ہو؟"

شاکانیہ نے ایک لمحہ وہ مسکراہٹ کے ساتھ میرا جائزہ مقدم کرتے ہوئے کہا۔ اس کے کہنے میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ کمرے کے باہر بھی کوئی محافظ موجود نہیں تھا۔ شاکانیہ پوری طرح آزاد تھی۔ اس وقت وہ آرام دہ بستر پر بیٹھی ہوئی تھی اور بستر کے ساتھ رکھی ہوئی میز پر کافی مقدار میں کھانے پینے کی اشیاء رکھی ہوئی تھیں۔ بوقام نے اس کے آرام کا پورا خیال رکھا تھا۔

"اگر تمہارا اصرار ہے تو چلو یونہی سہی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ میں اسے بہرحال خوش کرنا چاہتا تھا۔

"وہ لوگ تم سے خوفزدہ ہیں۔" اس نے کہا۔ "ان کا یہی خوف میری زندگی کا باعث بنا ہے۔ اگر تم ہمارے درمیان میں نہ ہوتے تو وہ مجھے کب کا ہلاک کر چکے ہوتے۔"

"اب تمہیں کوئی ہلاک نہیں کر سکتا۔" میں نے پرزور لہجے میں کہا۔ "تم میری پناہ میں ہو۔ وہ تمہیں زندہ دیکھیں گے۔"

"ہاں کیا اس نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "شاید میں نے لعیشہ اور اس کی ماں پر بڑا ظلم کیا ہے۔ اگر میں نے ایسا نہ کیا ہوتا تو آج میرا یہ انجام نہ ہوتا۔ بہرحال میں پارسا نہیں ہوں اور مجھے میں نے کبھی بھی بعض سے جنم لینے والی زیادہ تر لیے خوش بختی کی علامت تسلیم کیا ہے۔"

میں نے شاکانیہ کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ اس کے حق میں بہتر یہی ہوگا کہ وہ فی الحال بوقام اور لعیشہ کے راستے سے ہٹ جائے اور انہیں اس پر حملہ کرنے کا موقع دے۔ ان کے خلاف کسی قسم کی سازش میں ملوث نہ ہو ورنہ اسے جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے اور میں اسے نہیں بچا سکوں گا۔ خواہ اس کی جان کے عوض بعد میں کتنے ہی دیوتوں کو کیوں نہ ہلاک کر دوں۔ میں نے اسے یہ بھی بتا دیا کہ اگر وہ اذیتیں سہنے کا فیصلہ کرتی ہے تو اس راز کو اپنے سینے میں دفن رکھے کہ لعیشہ بوقام کی بیٹی ہے۔

شاکانیہ اب بہت مطمئن نظر آ رہی تھی۔ "مجھے اب کسی بات کی پروا نہیں ہے کیا اس... مجھے یقین ہے کہ آج کے بعد سے میں ایک مختلف انسان ہوں گی۔ میں زہر کو جو دوں گی جو میری ساری مشکلات کا حل ہوگا۔"

میں اس کی اس احمقانہ بات پر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔

شاید وہ نے زمین پر کہ مقامات اس قدر خوبصورت ہوں گے جس قدر خوبصورت یہ چھوٹا سا جزیرہ تھا۔ اس کے حسن کے سحر نے مجھے گرفتار کر لیا تھا۔ چند ہی دن کی مدت میں میں نے اس کے چپے چپے کی سیر کر لی تھی۔ قدرت نے اس چھوٹے سے قطعہ زمین کو اپنے خاص سے سنوارا تھا۔ یہاں کی زمین پر ایسے ایسے پھول کھلے تھے جو میں نے دنیا میں اور کہیں نہیں دیکھے۔ ٹھنڈے پانی کے کئی شفاف چشمے یہاں موجود تھے۔ گھنے درختوں کے سائے میں عجیب سی فرحت کا احساس ہوتا تھا۔ جزیرے پر ہر طرف زندگی کا حسن بکھرا پڑا تھا۔ میں اور جالوت جسے میری خواہش پر رہا کر دیا گیا تھا۔ اکثر سارا سارا دن ادھر ادھر گھومتے رہتے۔ میں نے بوقام کو سمجھا دیا تھا کہ ابھی اس کے آدمیوں کو کچھ دن

مرنے کی ضرورت ہے اور اس کے جدمہ زیلا کی مہم کے بارے میں سوچیں گے۔ بہ اصل بات یہ تھی کہ میں اس جزیرے پر کچھ زیادہ وقت گزارنا چاہتا تھا۔

اس دن میں ایک درخت کے نیچے کھڑا ہوا ایک حسین پرندے کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا جو ایک شاخ پر بیٹھا ہوا مسلسل نہایت سریلے پن میں گائے جا رہا تھا۔ اچانک مجھے اپنے پیچھے پتوں کے چرمرانے کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی انسانی آوازیں بھی۔

"بوقام اب بڑا ہو گیا ہے۔" اور اس کا دماغ بھی اس کا ساتھ دینے لگا ہے۔" ایک آواز بلند ہوئی۔ میں درخت کے پیچھے ہو گیا۔ گزرنے والوں نے مجھے نہیں دیکھا۔ وہ باتیں کرتے ہوئے آہستہ آہستہ جا رہے تھے۔ میں نے انہیں پہچان لیا۔ ان میں سے ایک ڈینیپ تھا اور دوسرا ہوال۔ ڈینیپ کسی نہ کسی بہانے پر بات مارتی تھی۔ اس نے اس سنہری غلام کو عورت سے زیادہ سر چڑھا رکھا تھا۔ قاب کی سرزمین پر اجنبی اندھے پھر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ ہماری برداشت سے باہر ہے۔" ہوال کہہ رہا تھا۔ "لیکن تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ سردار اس سنہری غلام کی مدد سے کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دینا چاہتا ہے۔ وہ کسی بڑی مہم کی تیاری کر رہا ہے۔" ڈینیپ کی آواز دور ہوتی جا رہی تھی۔ "اس کو اس سنہری غلام کی ضرورت ہے۔ یہ غلام، غلام ہی ہوتا ہے۔ اسے آزاد انسان کی طرح کوئی چیز نہیں دی جا سکتی۔ سردار صدیوں پرانے اصولوں کی توہین کر رہا ہے۔ وزیری کر رہا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کی آواز بھی معدوم ہوتی گئی۔

تو گویا خود بوقام کے آدمیوں میں بھی میرے خلاف عناصر موجود تھے۔ بہت خوب۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ اب یقیناً کچھ نئے لوگ کھڑے ہو جائیں گے۔ خاص مقاموں کے لیے مجھے انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ ان کا فنا اور انجام المناک طریقے پر ہوا۔

ہوا یوں کہ اس واقعے کے دو تین دن بعد میں اور جالوت کسی بات کافی دیر تک پیرا کی کرنے کے بعد واپس آ رہے تھے۔ میں آگے آگے تھا اور جالوت میرے پیچھے تھا۔ ہم ساحل سے چل کر بلندی پر چڑھ رہے تھے اور درختوں کے ایک جھنڈ میں سے گزر رہے تھے۔ اچانک مجھے ایک طرف سے کوئی چمکتی ہوئی چیز نظر آئی۔ میں رک کر اسے دیکھنے لگا اور جالوت کو ہلکا سا قدم آگے نکل گیا۔ عین اس وقت کہیں سے ایک تیر سنسناتا ہوا آیا اور جالوت کے سینے کی ہڈیوں کو توڑتا ہوا پشت سے نکل گیا۔ جالوت بہت چیخ مار کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ دور کہیں سے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ میں نے حملہ آور کی جانب توجہ دینے کے بجائے جالوت کو سنبھالا۔ لیکن چند ہی لمحوں میں وہ ختم ہو چکا تھا۔ تیر یقیناً زہریلا تھا۔ جالوت کو مارنے والے کا نشانہ جالوت نہیں تھا۔ جالوت کی موت کے عین وقت پر میرے آگے آ گیا۔ مجھے جالوت کی موت کا سخت صدمہ ہوا۔ میں اس کے قاتل کو، جو کہ درحقیقت میرا قاتل تھا۔ بہت اچھی طرح جانتا تھا۔

میں نے جالوت کی لاش کو کندھے پر اٹھایا اور محل کی جانب چل پڑا۔ راستے میں ملنے والے قزاق اس منظر کو دیکھ کر حیران اور خوفزدہ ہو گئے اور ان میں سے کئی تیزی سے بھاگتے ہوئے مجھ سے پہلے ہی بوقام کے پاس اس واقعے کی اطلاع دینے پہنچ گئے۔ میں ابھی محل کے قریب ہی پہنچا تھا کہ بوقام اور لعیشہ تیز تیز قدموں سے مجھے اپنی جانب آتے دکھائی دیئے۔ بوقام کے چہرے پر سخت پریشانی اور گھبراہٹ کے آثار تھے۔ لعیشہ البتہ مطمئن نظر آ رہی تھی۔

میں نے ان لوگوں کے قریب پہنچ کر جالوت کی لاش کو آہستہ سے بوقام کے قدموں کے پاس رکھ دیا اور خود سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"میرے دوست کو تمہارے کسی ساتھی نے ہلاک کر ڈالا ہے۔" میں نے بوقام کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ اس کا ارادہ یقیناً مجھے قتل کرنے کا تھا لیکن عین وقت پر اتفاق سے جالوت میرے آگے آ گیا اور زہریلا بھالا جالوت کے سینے کو توڑتا ہوا نکل گیا۔"

"قارہ بجاؤ۔" بوقام ٹہری کی طرح دھاڑا اور چند قزاق ایک طرف بھاگ پڑے۔

چند لمحوں بعد ایک عجیب سے ڈھول کی تیز آوازیں بلند ہونے لگیں اور اس کے ساتھ ہی چاروں طرف سے قزاق سپاہی بھاگتے ہوئے آ کر محل کے سامنے میدان میں جمع ہونے لگے۔ ڈھول کی آواز ان سب کے لیے بلاوے کا پیغام تھی۔ ذرا سی دیر میں تقریباً سارے ہی لوگ جمع ہو گئے۔

بوقام نے ایک نظر اپنے سامنے کھڑے ہوئے مجمع پر ڈالی اور پھر چیخ کر بولا۔ "ہوال کہاں ہے؟"

"ہوال یہ ہے۔" بوڑھے سردار نے مجمع کے پیچھے سے ہوال کی آواز بلند ہوئی جو ننگی تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے دور سے آ رہا تھا۔

ہوال سیدھا بوقام کے سامنے جا پہنچا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگا۔ "یہ کام میرا ہے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ یہ سنہرا سانپ بچ بھی بچ گیا اور وہ سیاہ گیدڑ مارا گیا۔ سردار بوقام تمہیں اس بات کا کوئی حق نہیں ہے کہ تم مشتبہ اجنبیوں کو قاب کی سرزمین پر اپنے کی اجازت دو اور حقیر غلاموں کو جو ہمارے برابر بیٹھنے کا اعزاز بخشو۔ ہو سکتا ہے تم کسی وجہ سے اس سنہری غلام سے خوفزدہ ہو لیکن میں اس سے خوفزدہ نہیں اور اس کو ہلاک کر کے دکھاؤں گا۔" اتنا کہہ کر وہ میری طرف بڑھنے لگا۔

"خبردار۔" بوڑھا بوقام گرجا۔ "بدنصیب تجھے نہیں معلوم کہ سنہری جلد والا یہ شخص کسی کا غلام نہیں۔ وہ دیوتاؤں کا منظور نظر ہے اور دیوتاؤں نے اسے ہماری مدد کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ اس کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے والوں پر دیوتاؤں کا عذاب نازل ہوگا۔"

"فی الحال تو میں اس کو زندگی کے عذاب سے نجات دلانا چاہتا ہوں۔" ہوال نے پھر تلوار گھمائی اور آگے بڑھا۔ لیکن ذرا ہی

Scanned by aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

بوتو سے ایک قدم آگے آ کر اس کا راستہ روک لیا۔

"میں سردار ہونے کی حیثیت سے تجھے حکم دیتا ہوں کہ کیاس سے معافی مانگ اور جالوت کے قتل کا تاوان ادا کر۔"

"ورنہ" ہورال نے تیز نظروں سے اسے گھورتے ہوئے دیکھا۔

"ورنہ تو سکم عدولی کا مرتکب ہو گا، اور اس کی سزا تو جانتا ہے" بوتام نے غصے سے کہا۔

"میں جانتا ہوں" ہورال نے کہا "بات یہ ہے کہ تو اب بوڑھا اور کمزور ہو چکا ہے، سرداری اب تیرے بس کا روگ نہیں۔ سردار وہی ہو گا جو سب سے زیادہ طاقتور ہو گا۔ اگر تو چاہتا ہے کہ میں تیرے احکامات کی تعمیل کروں تو آج تجھے یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ تو اب بھی مجھ سے زیادہ طاقتور ہے۔ میں تیری سرداری کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہوں اور تجھے مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔"

بوتام نے فوراً اپنی تلوار کھینچ لی۔ میں نے بوتام کو روک کر خود آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن لعشیہ نے سختی سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ "تمہیں ان چھوٹے چھوٹے اور غیر اہم معاملات میں مداخلت ہونے کی ضرورت نہیں۔" اس نے سرگوشی میں مجھ سے کہا۔ "مجھے اس مقابلے کا انجام معلوم ہے۔ ہورال کی زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں۔"

اور واقعی ہورال کی زندگی کے دن پورے ہو چکے تھے وہ اگرچہ جوان، طاقتور اور مضبوط جثے کا مالک تھا۔ لیکن بوتام کے برسوں کے تجربے اور اس کی کہنہ مشقی کے آگے زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکا۔ سارا مجمع نہایت خاموشی کے ساتھ اس خونریز مقابلے کو دیکھ رہا تھا۔ ہورال نے سردار کو مقابلے کی دعوت دی تھی اور یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اگر اس مقابلے میں بوتام شکست ہو جاتی تو ہورال ہی نیا سردار تھا۔ بشرطیکہ کوئی دوسرا شخص اس کی سرداری کو چیلنج نہ کر دیتا۔ بوتام کے تجربے اور مہارت نے تھوڑی ہی دیر میں اس مقابلے کا فیصلہ کر دیا۔ ہورال کی گردن زدنی جا پڑی۔ اس کی بغیر سر کے لاش جالوت کی لاش سے تھوڑے ہی فاصلے پر پڑی ہوئی تھی۔

"کیا کوئی اور ہے جو میرے بڑھاپے کو للکارنے کی حسرت رکھتا ہے؟" بوتام نے غضب ناک انداز میں اپنے آدمیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر تم میں سے کسی کو یہ دعویٰ ہے کہ وہ سرداری کے منصب کا مجھ سے زیادہ مستحق ہے تو سامنے آئے۔ میں تیار ہوں۔" مجمع خاموش رہا۔ کوئی آواز بلند نہیں ہوئی۔ یکایک ایک بوڑھا تیزی سے آگے بڑھا اور گویا ہوا۔ "بوتام! ہم تجھے بہادر اور قابل عزت گردانتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ تو جو کچھ سوچے گا ہم لوگوں کی بھلائی کے لیے سوچے گا۔ ہم تجھے ہی اپنا سردار تسلیم کرتے ہیں۔"

مجمع میں منظور، منظور ہے کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ بوتام نے اپنے ساتھیوں کا شکریہ ادا کیا اور ان سے کہا کہ اس وقت وہ آرام کریں اور آئندہ ہدایات کا انتظار کریں۔ لوگ بوتام کی بات سن کر منتشر ہو گئے اور اپنے اپنے کام دھندوں میں لگ گئے۔ بوتام کے حکم پر جالوت کی لاش کو بڑے روایتی اعزاز کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ ہورال کی لاش سمندر میں بہا دی گئی جہاں وہ مچھلیوں کی خوراک بن گئی۔

ایک ہفتہ کی مدت گزرنے کے بعد میں نے بوتام کے ساتھ ازہیلا پر حملے کی منصوبہ بندی کا آغاز کیا۔ میں نے اسے یہ سمجھایا کہ سب سے پہلے تو اسے ایک مضبوط بحری بیڑے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ازہیلا کی فوج ایک زبردست بحری بیڑے کی مالک ہے جس میں کئی جنگی جہاز شامل ہیں۔ بوتام اور اس کے ساتھیوں کے پاس بڑے جہاز نہیں تھے بلکہ چھوٹی چھوٹی کشتیاں تھیں جو زیادہ تر ماہی گیری اور جن کی نقل و حرکت بہت آسان تھی۔ یہ کشتیاں لوٹ مار کے لیے تو موزوں تھیں۔ کیونکہ وہ فوراً ہی رخ بدل کر راہ فرار اختیار کر سکتی تھیں۔ لیکن باقاعدہ بحری لڑائی کے لیے بالکل سودمند نہیں تھیں۔

بہرحال اگر میں چاہتا تو بوتام اور لعشیہ کے لیے ازہیلا کی حکومت اپنی تباہ قوت سے حاصل کر سکتا تھا۔ لیکن اس طرح ایک طرف تو میرا اصل شخصیت کا راز افشا ہو جاتا۔ دوسرے یہ کہ ازہیلا کے حملوں کے سلسلے میں انصافی ہوتی۔ میں چاہتا تھا کہ بوتام اور لعشیہ کی فوجیں اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے ہم کو مقابلہ کریں اور میں ان کی مدد کے لیے تب ہی میدان میں اتروں جب انہیں مکمل شکست کا خطرہ درپیش ہو۔ میں لعشیہ اور اس کے ساتھیوں کو ٹوٹنے کا پورا موقع دینا چاہتا تھا۔ اور یہ تو شاکابنہ کی فوج کا ہراول دستہ سا تھا۔

چنانچہ میری ہدایات کے موجب بڑے بڑے درختوں کو کاٹ کر لکڑی سے بھاری جہازوں کی تعمیر کا کام شروع کیا گیا۔ جنہیں بڑے بڑے درختوں کی کوئی کمی نہیں تھی جن کی لکڑی بہت عمدہ اور مضبوط تھی۔ قزاقوں نے اس کام میں بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ زیادہ تر قزاق جہاز سازی کے بنیادی اصولوں سے واقف تھے، کیونکہ ان کی زندگیوں کا بیشتر حصہ پانی میں ہی گزرتا تھا۔ لیکن ہورال نے خود کبھی بڑے جہاز نہیں بنائے تھے۔ اب وہ میری نگرانی میں بڑے بڑے جہاز تعمیر کر رہے تھے اور میں نے محسوس کیا کہ انہیں اس کام میں کوئی دقت نہیں پیش آ رہی ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف بڑی تیزی اور مہارت کے ساتھ عمدہ قسم کے جہاز تیار کر رہے ہیں۔ انہیں بس میری رہنمائی کی ضرورت تھی اور پھر وہ خود بخود آگے بڑھنے لگے۔ بوتام نے انہیں ایک نئی اور پرتحفظ زندگی کی نوید دی تھی اور وہ اس نئی زندگی کے تصور سے سرشار تھے، وہ جلد از جلد اپنی تیاریاں مکمل کر کے نئی مہم پر روانہ ہو جانے کے آرزومند تھے۔

ہورال کے مرنے کے بعد سے پھر کسی قزاق نے میری توہین نہیں کی تھی۔ میرا رویہ ان سب کے ساتھ دوستانہ تھا اور میں انہیں نئی نئی

باتیں بتاتا تھا جنہیں وہ بڑے غور اور حیرت کے ساتھ سنتے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ میری جانب ان کے رویے میں احترام کے علاوہ خوف کا عنصر بھی شامل تھا۔

میرا زیادہ تر وقت اب انہیں لوگوں کے ساتھ گزرتا تھا۔ اور میری نگرانی میں جنگی تیاریوں کا کام پورے زور و شور سے جاری تھا۔ بوتام بہت خوش اور مطمئن تھا۔ اسے زندگی میں پہلی بار اپنی بیٹی کو اپنے ساتھ رکھنے کا موقع ملا تھا اور اب اس کی بیٹی عنقریب ایک بڑی سلطنت کی حکمراں بننے والی تھی۔ لعشیہ کے بارے میں دوسرے قزاقوں کو یہی بتایا گیا تھا کہ شاکابنہ کی سوتیلی بیٹی ہے اور بوتام کی پناہ میں آ گئی ہے۔ وہ بوتام کی مدد سے ازہیلا کی حکومت حاصل کرنا چاہتی ہے جو اس کا جائز حق ہے کیونکہ شاکابنہ قاتل اور غاصب ہے۔

"ارغوث تو ہمارے اس اچانک حملے سے بڑا حیران اور متعجب ہو جائے گا ہو سکتا ہے کہ وہ فوری طور پر دفاعی تیاریاں بھی نہ کر سکے۔" میں نے ایک دن لعشیہ سے کہا۔ شام کا وقت تھا اور ہم دونوں ایک چھوٹے سے ٹیلے پر بیٹھے ہوئے غروب آفتاب کا منظر دیکھ رہے تھے۔ ہماری نظروں کے سامنے دور دور تک وسیع و عریض سمندر پھیلا ہوا تھا۔ سمندر کے پانی میں بیک وقت کئی رنگ نظر آ رہے تھے۔ ہلکا نیلا، گہرا نیلا، سبز، سبز کا ہی بڑا دل خوش کن منظر تھا، دور افق پر جہاں سمندر و آسمان ایک دوسرے میں جذب ہوتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ سورج ایک سرخ گولے کی مانند آہستہ آہستہ نیچے اتر رہا تھا۔ اس کا کچھ حصہ سمندر میں ڈوب چکا تھا اور یوں لگتا تھا کہ تھوڑی دیر بعد سمندر کی لق و دق دنیا سورج کے اس چھوٹے سے گولے کو اپنے حلق میں اتار دے گی اور پھر ہر طرف اندھیرا پھیل جائے گا۔ میں اور لعشیہ اکثر شام کا وقت ایک ساتھ گزارتے تھے۔ میری طرح اس نے بھی اقاقیا کی سرزمین پر پہلی مرتبہ قدم رکھا تھا اور اسے یہ حسین جزیرہ بہت پسند آیا تھا۔ اس نے میرے سامنے بارہا اپنی اس خواہش کا بھی اظہار کیا تھا کہ اگر ازہیلا کی مہم درپیش نہ ہوتی تو شاید وہ اپنی ساری زندگی اس خوبصورت خطہ ارض پر گزار دیتی۔

میری بات کے جواب میں لعشیہ نے گردن ہلائی "ایسی بات نہیں ہے کیا میں ارغوث کو یا تو اب تک ہمارے ارادوں کا علم ہو چکا ہو گا یا پھر کچھ دنوں میں ہو جائے گا۔"

"لیکن کس طرح؟" میں نے سوال کیا۔ "بوتام نے کھلے سمندر میں شاکابنہ کے جہاز پر چھاپہ مارا۔ ازہیلا سے سینکڑوں میل دور شاکابنہ کے جہاز پر موجود کوئی بھی شخص فرار نہیں ہو سکا۔ اس کے آدمی یا تو مارے گئے یا گرفتار ہو کر یہاں لائے گئے۔ کوئی بھی ازہیلا پہنچ کر اس واقعہ کی اطلاع نہیں دے سکتا۔ پھر ارغوث کو ہمارے بارے میں کیسے معلوم ہو جائے گا۔"

"ارغوث کو طاشرہ کی حمایت جو حاصل ہے۔" اس نے خاموشی سے جواب دیا۔

"اور یہ طاشرہ کون ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"طاشرہ ازہیلا کی مشہور ساحرہ ہے۔" لعشیہ نے جواب دیا۔ "وہ بہت بوڑھی ہو چکی ہے، دراصل طاشرہ میری قابل تعظیم قائین نفریتا کی ساتھیوں میں سے ہے۔ نفریتا انتقال کر چکی ہے اور طاشرہ ابھی زندہ ہے اور ارغوث کی خاص مددگار ہے۔"

"طاشرہ اس معاملے میں ارغوث کی کیا مدد کر سکتی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"طاشرہ اس معاملے میں ارغوث کی صرف اتنی مدد کر سکتی ہے کہ وہ اسے ان واقعات سے آگاہ کر دے جو اس وقت ازہیلا کی حدود سے دور دنیا کے کسی بھی حصے میں وقوع پذیر ہو رہے ہیں۔ وہ آنکھوں سے اوجھل واقعات کی تفصیلات جان سکتی ہے۔ لیکن پیش آنے والے واقعات کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ وہ مستقبل بینی کی صلاحیت سے محروم ہے۔"

"تو کیا تمہارے خیال میں طاشرہ ارغوث کو اب تک ہمارے عزائم سے آگاہ کر چکی ہو گی؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ ایسا کر چکی ہو گی۔" لعشیہ نے جواب دیا۔ "بات یہ ہے کہ جب شاکابنہ ازہیلا سے روانہ ہوئی تھی تو اس نے اپنی واپسی کے وقت سے ارغوث کو مطلع کر دیا تھا۔ شاکابنہ کی واپسی کا جو وقت مقرر تھا وہ گزر چکا ہے بلکہ تین ہفتے زیادہ ہو چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ارغوث کو شاکابنہ کے واپس نہ آنے سے تشویش لاحق ہوئی ہو گی اور اس نے شاکابنہ کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے طاشرہ سے رجوع کیا ہو گا۔ اور طاشرہ نے ارغوث کو وہ سب کچھ بتا دیا ہو گا جو ابھی پیش آ رہا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ازہیلا پر حملے کے وقت ہمیں ارغوث کی فوجیں بالکل تیار ملیں گی؟" میں نے پوچھا۔

"میں آج رات اس سلسلے میں پوری معلومات حاصل کر لوں گی۔" لعشیہ نے جواب دیا۔ "میں نے ابھی تک اس بارے میں نہیں سوچا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا علم مجھے یہ بتاتا ہے کہ اس لڑائی میں فتح ہماری ہو گی اس لیے میں مطمئن ہوں۔ البتہ کچھ سیاہ دھبے نظر آ رہے ہیں۔"

"اچھا ایک بات تو بتاؤ۔" میں نے مسکراتے ہوئے لعشیہ سے پوچھا۔ میں اس کے ساتھ مذاق کرنا چاہتا تھا۔ "جن دنوں تم نفریتا کی زیر نگرانی اپنے علم کی تکمیل کر رہی تھیں تو کیا تمہیں کسی دیوتا نے وصل کی دعوت نہیں دی؟"

لعشیہ ہنسنے لگی اور پروفیسر اس کی ہنسی میں سونے کے سکوں کی سی جھنکار تھی۔ اس کا حسین چہرہ کچھ اور زیادہ حسین ہو گیا۔ اس کے حسن میں بلا کی کشش اور معصومیت تھی۔ "ایک تو مجھے نفریتا کی سرپرستی اور ہدایات حاصل تھیں جس نے مجھے تمام مغلظات اور خطرات سے اچھی طرح آگاہ کر دیا تھا۔ دوسرے یہ کہ ایسا میں کوئی جذباتی لڑکی نہیں ہوں۔ میری ماں، میرے باپ اور میری ماں کے شوہر کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اس نے مجھے وقت سے بہت پہلے عاقل و بالغ بنا دیا اور دنیا کے مسائل کو سمجھنے اور ان سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ عطا کر دیا۔ مجھ سے جذباتی

aazzamm@yahoo.com

غلطیاں ہو سکتیں ہیں۔"

"بہت خوب۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "لیکن کبھی نہ کبھی تو تم سے یہ جذباتی غلطی سرزد ہوگی۔"

"ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔" کیا اس لیے لعیشہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مجھے معلوم ہے کہ وہ وقت کب آئے گا، اور وہ شخص کون ہوگا جو اس جذباتی ہنگامے میں میرا شریک ہوگا۔ مجھے معلوم ہے، مجھے سب معلوم ہے، لیکن اس کا وقت سے پہلے انکشاف بے سود ہے۔" لعیشہ نہ جانے کیا کیا بڑبڑاتی رہی اور میں خاموشی سے اس کی صورت دیکھتا رہا۔

"معاف کرنا کیا ہوا؟" اس نے یک بیک وقت جیسے ہوش میں آتے ہوئے کہا۔ "مخفی علوم سے آگاہی انسان کے لیے باعثِ رحمت بھی ہے اور باعثِ زحمت بھی، بہت سی باتیں مجھے ابھی بھی معلوم رہتی ہیں جو دل کے لیے تکلیف کا باعث ہوتی ہیں اور ان کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی ان کا غم دل کو جلانا شروع کر دیتا ہے۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو، تمہیں ان سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے، تم تو خود ریاضی قوتوں کا ایک تھا سمندر ہو۔ لع، شکست، کامیابی، ناکامی، دولت، تقدار، موت اور زندگی یہ سب تمہارے لیے بے معنی الفاظ ہیں۔ تمہارا وجود وجود وقت کی طرح امر اور ان مٹ ہے۔ تمہارے حوصلوں کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔" اور پھر وہ خاموشی میں ڈوب گئی۔

رات کا اندھیرا پھیلنے لگا جب میں اور لعیشہ واپس محل میں آئے تو تمام کھانے پر ہم لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔ آج میں نے لعیشہ سے بہت سی باتیں کی تھیں اور اس کے دل کی گہرائیوں میں جھانکنے کی کوشش کی تھی۔ محض قوتوں کا مالک ہونے سے قطعی نظر لعیشہ ایک ذہین لیکن معصوم لڑکی تھی۔ اس کے ساتھ المیہ یہ تھا کہ وہ لوگوں کو یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ اس کا باپ کون ہے۔ وہ لوگوں کو یہ باور کرانے پر مجبور تھی کہ وہ فرعاس کی اولاد ہے، اور یوقام کے زندہ ہوتے ہوئے بھی وہ خود کو بوقام کی اولاد نہیں کہہ سکتی تھی۔ کتنی عجیب بات تھی، ہر دیسرا انسان نے بھی اپنے لیے کیسے کیسے قاعدے اور قانون بنائے ہیں اور خود کیسی کیسی پابندیاں عاید کی ہیں۔ وہ خود ہی ان پابندیوں کا شکار ہو کر کس طرح تلملاتا اور تڑپتا ہے۔ ان بندھنوں میں جکڑ ہوا خود کو کتنا بے بس محسوس کرتا ہے لیکن شاید انسانی تہذیب کے ارتقاء کے لیے یہ سب کچھ ضروری ہے۔ ان بندھنوں اور پابندیوں کے بغیر انسانوں کا معاشرہ ایک حیوانی زندگی میں تبدیل ہو جاتا۔ بہرحال، میں انسانی تہذیب کے ہر دور سے گزرا ہوں اور میں نے دیکھا ہے کہ انسان ہمیشہ اپنی زندگی کو زیادہ نفیس اور زیادہ باضابطہ بنانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔

میں نے لعیشہ اور بوقام کے ساتھ رات کا کھانا کھایا اور پھر میں ان دونوں سے رخصت ہو کر محل کے پچھلے حصے میں آ گیا اور ایک چھوٹے سے ٹیلے پر بیٹھ کر رات کی خاموشی اور تاریکی میں ڈوب گیا۔ سارا جزیرہ گھپ اندھیرے سناٹے کی لپیٹ میں تھا۔ میری پشت پر عظیم الشان پہاڑیاں سیاہ دیو کی طرح کھڑی تھیں جن کا سینہ چیر کر اندر پورا محل بنایا گیا تھا۔ اس وقت سارا محل بھی اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ سامنے سمندر کی موجیں یکساں رفتار کے ساتھ سماں دوڑ میں مصروف تھیں۔

اچانک مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے ہوا بند ہو گئی ہو۔ ہر چیز جیسے بالکل ساکت ہو گئی تھی۔ میں نے سمندر کی طرف غور سے دیکھا اندھیرے میں مجھے یوں لگا جیسے ہر موج جہاں تھی وہیں ٹھہر گئی ہو۔ سمندر کی پرشور آواز کو جیسے کسی غیبی طاقت نے سلب کر لیا تھا۔ میں ابھی اس غیر متوقع تبدیلی پر غور ہی کر رہا تھا کہ اچانک دور سے بہت دور سے، سمندر میں ایک ہلکی ہلکی خوفناک گھڑگھڑاہٹ کی آواز سنائی دی جو ہر لمحہ بڑھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

میں بڑے غور سے اس آواز کو سن رہا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا گویا بہت دور کہیں ہزاروں ٹرینیں داخل جا رہی ہوں۔ ٹرینوں کے دل جانے کی آواز کچھ رک رک کر آ رہی تھی۔ [illegible] جاری ہو گیا۔ بڑا ہولناک اور ہلاکت انگیز قسم کا سناٹا یوں لگتا تھا جیسے کائنات کی نبضیں تھم گئی ہوں، وقت کی رفتار رک گئی ہو اور ہر چیز تباہی آنے والی تباہی کے انتظار میں خوفزدہ ہو کر اپنی جگہ پر جم کر رہ گئی ہو۔ اس معنی خیز سناٹے میں سمندر کی موجوں کی آواز بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔ پھر اچانک ایک بہت ہی زوردار دھماکہ ہوا۔ کانوں کے پردے پھاڑ دینے والی ایک بھیانک آواز بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی مجھے سمندر کی سطح پر دور بہت دور ایک سیاہ چیختی ہوئی بلند دیوار ساحل کی طرف تیزی سے بھاگتی ہوئی نظر آئی۔ میں فوراً ٹیلے سے اتر کر پہاڑی محل کی طرف لپکا تاکہ سوئے ہوئے لوگوں کو خبردار کر دوں کہ سمندر جزیرے پر چڑھا آ رہا ہے۔ اتنے میں ایک اور قیامت خیز دھماکہ سنائی دیا جو شاید اتنی دور نہیں ہوا تھا جتنی دور پہلا دھماکہ ہوا تھا۔ ہر طرف گہری تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ بے حد خوفناک منظر تھا۔ پے در پے ہونے والے یہ دونوں دھماکے اس قدر شدید تھے کہ میرے کے محو خواب باشندے بیدار ہو گئے۔ میں نے دور سے سنا ایک شور برپا ہو گیا تھا۔ لوگ ایک دوسرے کا نام لے لے کر چیخ رہے تھے۔ وہ اپنے عزیزوں کو پکار رہے تھے۔

میں تیزی سے پہاڑی محل کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اچانک پانی کی ایک تیز اور طوفانی دھار نے مجھے سر سے پاؤں تک شرابور کر دیا اور میرے منہ میں نمک کا ذائقہ گھل گیا۔ سمندر کا پانی ساحل کو توڑتا ہوا کئی فٹ کی بلندی پر چڑھ آیا تھا۔ میں نے پیچھے پلٹ کر دیکھا اٹھتے ہوئے ستاروں کی مدھم روشنی میں مجھے ایک اور چیختی ہوئی سیاہ دیوار دیوار جزیرہ کی جانب دوڑتی دکھائی دی۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ آج شاید اس جزیرے کی زندگی کا آخری دن ہے اور اگر طوفانی موجوں کا خدشہ اسی طرح جاری رہا تو کچھ دیر میں یہ پورا جزیرہ ڈوب جائے گا۔ دوسری دیوار کے پانی کے تھپیڑے بہت شدید تھے اور گرمیری جگہ کوئی دوسرا عام انسان ہوتا تو اب تک یک تاتوں اور حفظ تیکے کی طرح بہہ کر کہیں کا کہیں پہنچ چکا ہوتا۔ مگر میرے قدم آگے اوپری بلندی کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ پہاڑی محل اور جزیرے کی پوری بستی ساحل سے بہت زیادہ بلندی پر تھی اور اوپر موجود لوگوں کو شاید ابھی تک اس بات کا علم نہیں تھا کہ پانی کی ہلاکت انگیز طوفانی موجیں تیزی کے ساتھ جزیرے کی بلندیوں کو سر کر رہی ہیں۔ میں اب کافی اونچائی پر پہنچ گیا تھا اور تب ہی ایک اور ہیبت ناک دھماکہ سنائی دیا جس نے یقیناً بستی والوں کے دل لرزا دیئے ہوں گے۔ کیونکہ اس کے ساتھ ہی عورتوں کے رونے اور چیخنے کی آوازیں اوپر سے سنائی دینے لگیں۔ سمندر میں ہونے والے خوفناک دھماکوں اور پانی کی سرکش موجوں کی چنگھاڑ سے کان پڑی آوازیں نہیں سنائی دیتی تھیں۔ یوں لگتا تھا یہ لمحات دنیا کی زندگی کے آخری لمحات ہیں اور اب سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ فنا کا بھیانک عفریت سب کو نگل لے گا۔ کوئی باقی نہ بچے گا۔

پانی کی تیز بوچھاڑیں میرے تعاقب میں تھیں اور میں تیزی سے اوپر چڑھ رہا تھا۔ اب ایک تیسری سیاہ دیوار دور سے بھاگتی ہوئی آ رہی تھی۔ جو پہلی دو دیواروں کے مقابلے میں بہت زیادہ بلند تھی۔ اس دیوار نے مجھے بالکل ڈبو دیا اور پانی میرے سر پر سے بہتا ہوا نکل گیا۔ یہ چند لمحات جب پانی میرے سر سے اوپر سے ہوا اور پھر بہہ گیا۔ ایک عام انسان کی ہلاکت کے لیے بہت کافی تھے، لیکن مجھے ظاہر ہے کہ اپنے غرق یا ہلاک ہونے کی نہ کوئی فکر تھی نہ اندیشہ، میں تو اس لیے جلدی جلدی چڑھ رہا تھا کہ بستی والوں کی مدد کر سکوں اور ان کی ڈھارس بندھا سکوں۔ اب تک میں کافی بلندی طے کر چکا تھا اور میرے تعاقب میں خوفناک موجیں غرا رہی تھیں۔ اچانک ایک لمحے کے لیے مجھے ایسا محسوس ہوا گویا زمین میرے قدموں تلے سے نکل گئی ہو۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی اور گرتے گرتے بچا۔ اس کے ساتھ ہی اوپر بستی میں زوردار دھماکہ ہوا جیسے پہاڑ پھٹ کر گر پڑے ہوں۔ اس دھماکے کے ساتھ ہی انسانی چیخوں کا طوفان بھی اٹھ پڑا۔ اچانک ہوا میں بہت تیزی آ گئی اور اس کا زور اس قدر بڑھ گیا کہ کسی انسان کے لیے اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ ہوا کی سائیں سائیں اس قدر شدت اختیار کر گئی۔ گویا لاکھوں بلائیں ایک ساتھ چیخ رہی ہوں۔ اسی کے ساتھ زور سے بادل گرجے اور دیکھتے ہی دیکھتے دھواں دھار بارش شروع ہو گئی۔ ہواؤں کی چنگھاڑ، بارش کا شور، سمندر کی طوفانی موجوں کی گھن گرج اور سمندر کی طرف سے آنے والی ہولناک دھماکوں کی آوازیں ان سب چیزوں نے مل کر گویا ایک قیامت برپا کر دی تھی۔

میں گرتا پڑتا اور پانی میں بھیگتا ہوا اوپر پہنچ گیا اور چٹانوں کے محل میں داخل ہو گیا جہاں جگہ جگہ چربی کی مشعلیں روشن کر دی گئی تھیں۔ بوقام اور لعیشہ سامنے ہی کھڑے ہوئے تھے۔ ایک قندیل اپنے دونوں ہاتھوں میں جلتی ہوئی مشعلیں تھامے ہوئے ان کے ساتھ کھڑا تھا۔ سب کے چہروں سے ہیبت اور بدحواسی ٹپک رہی تھی۔ بوقام اور لعیشہ کے پیچھے بہت سے لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ غالباً ساری بستی کے باشندے اس وسیع و عریض ہال میں آ کر جمع ہو گئے تھے۔ ان میں کچھ ہاتھ اٹھا اٹھا کر زیر لب یا بلند آواز سے دعائیں مانگ رہے تھے، کچھ آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے، کچھ زور زور سے باتیں کر رہے تھے۔ ان کی آنکھوں سے خوف و ہراس نمایاں تھا۔

میں سر سے پاؤں تک شرابور ہو کر ہال میں داخل ہوا۔ بہت سی نگاہیں میری طرف اٹھیں اور پھر سمندر کی جانب مڑ گئیں جہاں سے دیو پیکر موجیں بلند ہو کر جزیرے پر حملہ آور ہو رہی تھیں۔ سوائے لعیشہ کے کسی نے مجھ پر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ سب کے سب اپنی جان کی خیر منا رہے تھے۔ لعیشہ نے مجھے دیکھ کر اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا اور میں اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

"تم کدھر سے آ رہے ہو کیا؟" اس نے سرگوشی میں مجھ سے پوچھا۔ گویا وہ اس بات سے خوفزدہ ہو کہ کوئی دوسرا اس کی بات سن لے گا۔

"میں سمندر کے کنارے سے آ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"سمندر کے تیور اچھے نہیں ہیں، طوفانی موجیں اس جزیرے کا کلیجہ چیر دینے کے درپے ہیں۔ سمندر میں ہونے والے پے در پے دھماکے بڑے ہلاکت آفریں ہیں۔ نہ معلوم صبح تک اس جزیرے کا اور اس میں موجود انسانوں کا کیا حشر بنے گا۔ بارش اور زلزلہ بھی اس طوفان کا حصہ ہیں۔"

ابھی میرے الفاظ پورے بھی نہ ہوئے تھے کہ دور سمندر کی طرف سے ایک اور قیامت خیز دھماکے کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد پے در پے کئی زبردست دھماکے ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی پانی کی دیو پیکر موجیں تیزی سے جزیرے کی بلندیوں پر چڑھنے لگیں۔ لوگوں میں چیخ و پکار مچی ہوئی تھی۔ عورتیں چلا چلا کر رونے لگیں۔ عجیب و غریب کیفیت تھی پروفیسر، سب کے سب لوگ اپنے آپ کو بالکل بے بس اور لاچار محسوس کر رہے تھے۔ موجوں کے خوفناک عفریت ہر طرف سے منہ کھولے ہوئے بڑھتے چلے آ رہے تھے اور وسیع و عریض اور بے کراں سمندر کے درمیان اس حقیر سے قطعۂ ارض پر موجود یہ انسان ان کے سامنے معمولی تنکوں کی طرح بے بس اور لاچار نظر آ رہے تھے۔ ان کے پاس اپنے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ سمندر کی تلاطم میں حیرت انگیز طور پر اضافہ ہو رہا تھا اور یوں لگتا تھا گویا آج سارا سمندر الٹ پلٹ ہو کر رہ جائے گا۔ میرے قریب کھڑے ہوئے لوگوں کی آنکھوں میں موت کی ویرانیاں رقص کر رہی تھیں۔ وہ کہاں جاتے، یہ کہاں رہتے ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ اسی جزیرے پر محصور رہ کر خود کو سمندر کی قاتل موجوں کے حوالے کر دیں۔ وہ ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ خود کو موت کے قریب محسوس کر رہے تھے کیونکہ جزیرے کی اونچائی پر پانی کی بلندی میں برابر اضافہ ہو رہا تھا

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

سمندر سے دھماکوں کی آوازیں مسلسل آ رہی تھیں۔ بارش بڑے زور شور کے ساتھ ہو رہی تھی اور پانی کی سطح بڑھ رہی تھی۔

جزیرے کی زمین سمندر کی سطح سے کئی سو فٹ بلند تھی اور یہ پہاڑی محل جس کے وسیع دالان میں اس وقت سارے لوگ جمع تھے جزیرے کی سب سے زیادہ بلند جگہ پر واقع تھا لیکن اب جزیرے کی زیادہ تر زمین پانی میں ڈوبی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ ساحل کب کا نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا اور چکنا ہوا پانی نشیب کی زیادہ تر زمین پر قابض ہو چکا تھا۔ پھر ایک اور سیاہ دیوار برق رفتاری کے ساتھ آئی اور پانی پہاڑی محل کے فرش سے دو چند گز نیچے رہ گیا۔ اگر چند اور دیواریں اسی طرح حملہ آور ہوئیں تو پانی محل کے اندر داخل ہو جائے گا۔ میں نے دکھ کے ساتھ سوچا اور اس کے ساتھ یہ سارے لوگ جو مستقبل کے بارے میں لمبے چوڑے منصوبے بنا رہے ہیں، غرقاب ہو جائیں گے۔ میں نے بوقام کے چہرے پر نظر ڈالی وہ بالکل خاموش کھڑا تھا۔ ایسا لگتا تھا گویا وہ پتھر کا بن گیا ہو۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔ یوں لگتا تھا گویا اس نے موت کو اپنا مقدر سمجھ کر قبول کر لیا ہو اور اب وہ اس کے استقبال کے لیے آمادہ ہو۔ لعشیہ مطمئن انداز میں کھڑی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ زیادہ پہلے سے اس طوفان کی آمد سے واقف تھی یا نہیں۔ تاہم اس کے چہرے کا اطمینان اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ اس کے لیے یہ سب کچھ غیر متوقع نہیں تھا اور شاید وہ اس کے انجام سے بھی واقف تھی۔ ہوا کے تیز جھکڑوں میں اس کے سیاہ بال بری طرح اڑ رہے تھے اور ڈھیلا ڈھالا لباس پھڑپھڑا رہا تھا۔ اپنی اس ہیئت کذائی میں وہ بڑی پراسرار معلوم ہو رہی تھی۔

اچانک پانی کا ایک تیز ریلا اوپر تک چڑھتا چلا آیا اور دالان میں داخل ہو گیا۔ پانی کی شرشر کی آواز گونجنے لگی اب سارے لوگوں کے ٹخنوں تک پانی آ گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی زور سے بجلی کڑکی، ہوا کا زناٹا گونجا اور سمندر کی طرف سے آنے والے دھماکوں کی آواز ایک دم تیز ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی لوگوں کی چیخ پکار میں بھی اضافہ ہو گیا۔ ان کے لیے فرار کی ساری راہیں مسدود ہو گئی تھیں۔

سب لوگوں کے ٹخنے پانی میں بھیگے ہوئے تھے اور ہر شخص اس بات کی توقع کر رہا تھا کہ تھوڑی دیر میں پانی ٹخنوں سے بڑھ کر گھٹنوں تک اور پھر اوپر پہنچ جائے گا اور یہ لمحات ان سب کی زندگی کی آخری رات ثابت ہوں گی۔

لیکن کافی دیر تک پانی کی وہی سطح قائم رہی۔ اندھیرے میں ہر طرف پانی کی موجیں چمکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں اور کسی بھی لمحے وہ ان سب انسانوں کو نگل سکتی تھیں۔ دھماکے اب بھی ہو رہے تھے۔

اسی حالت میں نہ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ شاید ایک گھنٹہ یا شاید دو گھنٹے، کسی کو اندازہ نہیں تھا کیونکہ ان سب لوگوں کے لیے وقت کے اب کوئی معنی نہیں رہے تھے۔ انہیں صرف اس ایک آخری لمحے کا انتظار تھا جو ان کے ناتواں اور حقیر جسموں کو اٹھا کر بے پایاں اور نامحدود طاقت کے حامل سمندر کی ظالم گود میں پھینک دے اور پھر ان کا کوئی سراغ بھی نہ ملے۔

• پھر رفتہ رفتہ سب لوگ یہ بات محسوس کرنے لگے کہ سمندری موجوں کی گھن گرج میں کچھ کمی آ گئی ہے۔ پانی کی دیواریں اب بھی ایک دوسرے کے آگے پیچھے دوڑ رہی تھیں لیکن ان کی بلندی کم ہو گئی تھی اور جزیرے تک پہنچتے پہنچتے ان کا زور کافی حد تک ٹوٹ جاتا تھا۔ میں نے ایک بار پھر نیچے ارد گرد کھڑے ہوئے لوگوں کے چہروں پر نظر ڈالی۔ ان پر مایوسی کی طرح امید کی کرنیں طلوع ہوتی نظر آئیں اور پھر جانکاہ ہی لوگوں نے محسوس کیا کہ ان کے پاؤں اب پانی میں ڈوبے ہوئے نہیں ہیں۔ وہ حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پانی اتر رہا تھا۔

اور واقعی پانی اتر رہا تھا۔ موجوں کی غضب ناک چنگھاڑ میں کمی واقع ہو گئی تھی۔ سمندر کی طرف سے آنے والی دھماکوں کی آواز بھی بند ہو گئی تھی۔ ہواؤں کے طوفانی جھکڑوں میں بھی خاصی کمی واقع ہو گئی تھی۔ البتہ بارش ابھی تک زور شور سے ہو رہی تھی۔ تو وہ کوئی بھی پریشان کن بات نہیں تھی۔ اصل اور اہم بات یہ تھی کہ سمندر کا پانی اتر رہا تھا۔ قضا و قدر کی قوتوں نے جزیرے کو ایک بار پھر زندگی عطا کر دی تھی اور اس کے باشندوں کو زندہ رہنے کا ایک اور موقع فراہم کر رہا تھا۔

لوگوں کے چہروں سے سکون و اطمینان جھلکنے لگا اور اب کھڑے ہوئے لوگ جو زانو جانے کتنے گھنٹوں سے کھڑے ہوئے تھے بیٹھنے لگے۔ کچھ جو زیادہ ہی تھک گئے تھے فرش پر لیٹ گئے۔ عورتوں نے اپنی گودوں میں اٹھائے ہوئے بچوں کو آرام سے فرش پر سلا دیا۔ محل کے دالان میں زندگی کی سرگرمیاں نظر آنے لگیں۔

اور آہستہ آہستہ بارش بھی رک گئی۔ دھیرے دھیرے سمندر بالکل پرسکون ہو گیا۔ ہوا معتدل ہو گئی۔ بادل چھٹ گئے اور پھر ستارے نظر آنے لگے۔ طوفان گزر چکا تھا اور اب سمندر کی موجیں معمول کے مطابق بہہ رہی تھیں۔

"کیا میں لعشیہ نے بڑی دیر بعد مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہا تم نے تو اپنی زندگی میں بڑے بڑے خوفناک سمندری طوفان دیکھے ہوں گے۔ کیا اس سے زیادہ ہولناک طوفان بھی تمہاری نظروں سے گزرا ہے؟"

اور اس نے ٹھیک ہی کہا تھا پروفیسر۔ میری آنکھوں نے اس کرۂ ارض پر عظیم تغیرات کو جنم لیتے دیکھا تھا۔ میں نے بڑے بڑے ہولناک طوفان دیکھے تھے۔ ایسے طوفان جو پوری پوری بستیوں اور پوری پوری

بادلوں کو ہمالے لے گئے تھے جن کے نتیجے میں زمین کا کلیجہ شق ہو گیا تھا پہاڑوں کی جگہ سمندر اور سمندروں کی جگہ پہاڑ نمودار ہو گئے تھے۔ ایسے ایسے طوفان جنہوں نے قوموں اور ملکوں کی تقدیریں بدل دی تھیں۔ لعشیہ بے چاری کو بھلا ان طوفانوں کے بارے میں کیا پتہ ہو سکتا تھا۔ اس کے لیے یہی ایک بہت بڑا طوفان تھا جس سے وہ اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ دوچار ہوئی تھی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بے حد قیامت خیز طوفان تھا۔

میں نے لعشیہ کے سوال کے جواب میں مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا کہ "میں نے تو ایسے ایسے طوفان دیکھے ہیں جنہیں دیکھنے والی کوئی انسانی آنکھ باقی نہ رہ سکی اور کوئی زبان زندہ نہ رہی جو ان طوفانوں کی داستان سناتی۔"

ذرا ہی دیر میں ایسا معلوم ہونے لگا گویا کبھی طوفان آیا ہی نہ تھا۔ ہر طرف معمول کے مطابق سناٹا تھا۔ سمندر اپنی رفتار سے بہہ رہا تھا اور ہوا میں ہلکی ہلکی خوشگوار خنکی شامل تھی جو قیامت ابھی کچھ دیر پہلے گزر چکی تھی۔ اس کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ ساحل صاف و شفاف نظر آ رہا تھا جبکہ کچھ دیر پہلے وہ طوفانی سمندر کا ایک حصہ بن گیا تھا۔

کچھ دیر بعد آسمان پر صبح کی پہلی کرن نمودار ہوئی اور اس کے ساتھ ہی ہزارہا پرندوں کی چہکار سے جزیرے کی سرزمین گونج اٹھی۔ رات بھر کے تھکے ہارے لوگ نئی زندگی کے خیر مقدم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آہستہ آہستہ اجالا پھیل رہا تھا اور جب لوگوں کی نظریں سامنے سمندر کی جانب اٹھیں تو حیرت کے مارے بہت سی چیخیں ایک ساتھ نکل پڑیں۔ لوگوں میں غل مچ گیا۔ وہ حیرت و استعجاب کے عالم میں بری طرح چیخ رہے تھے اور ایک دوسرے کو سامنے کی طرف اشارہ کر کے کچھ دکھا رہے تھے اور تب میں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا، واقعی پروفیسر یہ حیران کن منظر تھا۔ سامنے کی سمت، دور سمندر میں جہاں کل رات تک صرف پانی ہی پانی تھا، اب ایک بڑا سا جزیرہ نمودار ہو گیا تھا اور آسمان کی طرف سر اٹھائے کھڑا تھا۔ دور سے یہ سیاہ رنگ کا نظر آ رہا تھا اور ایک چھوٹے سے پہاڑی سلسلے کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔ بوقام اور لعشیہ نے بھی حیرت کے ساتھ یہ منظر دیکھا اور منہ کھولے کے کھلے رہ گئے۔

ابھی سورج پوری طرح طلوع نہیں ہوا تھا مگر اس نئے نمودار ہونے والے جزیرے کے خطوط صاف نظر آ رہے تھے۔ جب دن پوری طرح نکل آیا تو لوگوں نے سب سے پہلے تو پہاڑی محل کے اس حصے کا رخ کیا جہاں رات کے زلزلے کے دوران بڑے زور کا دھماکہ ہوا تھا۔ لوگوں کو عمارت کے اس حصے سے کم دلچسپی اس وجہ سے تھی کہ یہ زیادہ تر خالی تھی سوائے اس کے کہ اس کے چند کمروں میں شاکانیہ کے ساتھ ساتھ گرفتار ہونے والے سپاہی قید تھے جن میں کنگانا اور دوسرے لوگ شامل تھے۔ میں بھی لوگوں کے ساتھ عمارت کے اس منہدم حصے کی طرف گیا یہاں مٹی اور پتھروں کا ہزاروں ٹن وزنی ملبہ پڑا ہوا تھا۔ وہ کمرے بیٹھ گئے تھے جن میں شاکانیہ کے قیدی بند تھے، وہ سب کے سب مٹی اور چٹانوں کے نیچے دب کر اس طرح ہلاک ہو گئے تھے کہ ان کے جسموں کا کوئی نام و نشان بھی باقی نہیں رہا تھا۔ رات کو جزیرے پر زلزلے کا صرف ایک ہی ہلکا سا جھٹکا آیا تھا اور اس کے نتیجے میں پہاڑی محل کے صرف اس حصے کو نقصان پہنچا تھا۔ لیکن ایک اور اہم بات بھی ہوئی تھی اور وہ یہ کہ شاکانیہ بھی ہلاک ہو گئی تھی۔ اگرچہ اس کے کمرے کے دروازے کھلے رہتے تھے اور اسے باہر آنے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ لیکن شاید اس نے نامعلوم وجوہ کی بنا پر اپنے کمرے میں رہنا پسند کیا اور چھت سے کئی پتھر گر پڑنے کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گئی۔ سچی بات تو یہ ہے پروفیسر کہ مجھے شاکانیہ کی موت کا دلی رنج ہوا تھا۔ زیبا جیسی طاقتور ریاست کی حکمراں اسیری کے عالم میں اس کسمپرسی کی موت مری کہ کوئی اس کے پاس بھی موجود نہیں تھا اور اس پر کو جنم دینے کی آرزو دل ہی میں لیے ہوئے اس جہان فانی سے کوچ کر گئی۔ شاکانیہ اور اس کے سارے رفقا مر گئے تھے اور جزیرے کی تباہی میں سے بھی چند لوگ ہلاک ہو گئے تھے جن کے عزیز و اقارب ان کے لیے ماتم کر رہے تھے۔ مگر شاکانیہ کے لیے کسی آنکھ میں آنسو نہیں تھے کل کی باسطوت حکمراں آج گوشت و پوست کے ایک بے جان ڈھیر کی صورت میں پڑی ہوئی تھی۔

جب صبح کا اجالا پوری طرح پھیلا اور سورج کی کرنوں نے پورے جزیرے کو اپنی سفید چاندی سے روشن کیا تو رات کی تباہی کے آثار ہر طرف نظر آنے لگے۔ جزیرے پر جا بجا سیکڑوں درخت ٹوٹے ہوئے پڑے تھے کئی جگہ سے چٹانیں ٹوٹ کر گری تھیں سبزیوں اور پھلوں کے باغات بالکل تباہ و برباد ہو گئے تھے۔ شہر میں چشموں کا پانی گدلا ہو گیا تھا۔ سیکڑوں مویشی اور دیگر جانور ہلاک ہو گئے تھے جن کے بے جان جسم جگہ جگہ پڑے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

ساحل پر پہنچ کر ہم لوگوں نے دیکھا کہ جنگی جہازوں کی تیاری کا جو کام اب تک کیا گیا تھا۔ اس کا بیشتر حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ اب تک کئی جہازوں کے ڈھانچے تیار کئے جا چکے تھے لیکن اب ان کی جگہ محض ٹوٹے ہوئے تختوں کا ایک ڈھیر تھا۔ کوئی ایک ڈھانچہ بھی صحیح نہیں بچا تھا۔ سمندر کی طوفانی موجوں نے انسان کی ہفتوں کی محنت کو لمحوں میں ملیا میٹ کر کے رکھ دیا تھا۔

ایک اور بڑا نقصان یہ ہوا کہ تجارتی کی بہت سی کشتیاں بھی تباہ ہو گئی تھیں اور جو باقی بچی تھیں وہ استعمال کے قابل نہیں تھیں چنانچہ سب سے پہلے اور فوری طور پر کشتیوں کو قابل استعمال بنایا گیا تاکہ سمندر کی سطح پر راتوں رات نئے ابھرنے والے جزیرے کا جائزہ لیا جا سکے۔ سارے لوگوں کو کشتیوں کی تیاریوں کے کام پر لگا دیا گیا۔

aazzamm@yahoo.com

سب سے پہلی کشتی جو نئے جزیرے پر پہنچی اس میں ماحول کے علاوہ صرف میں، بوقام اور لعیشہ سوار تھے۔ جیسے جیسے جزیرہ قریب آتا جا رہا تھا ہماری حیرت اور دلچسپی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ سمندر کی سطح پر ابھرنے والی ان سلسلہ وار چٹانوں کا رنگ گہرا سیاہ تھا۔ نہ جانے کب سے کتنے کروڑوں یا اربوں سال سے یہ چٹانیں سمندر کے سینے کے اندر، اس کی گہرائیوں میں دفن تھیں اور پھر ایک ہیبت ناک زلزلے نے، ایک مظہر قدرت نے انہیں تہ میں سے نکال کر اچھال دیا اور وہ ایک جزیرے کی شکل میں نمودار ہو گئیں۔ سیاہ چٹانیں ٹھاٹھیں مارتے سمندر میں سر اٹھائے ایک عجیب شان بے نیازی سے کھڑی تھیں بے حس اور بے جان چٹانیں۔ ہر قسم کے احساس سے عاری چٹانیں جنہیں اس اہم بات کا کوئی علم نہیں تھا کہ ان کا وجود انسانوں کے لیے کس قدر تحیر خیز اور حیران کن ہے۔

ہماری کشتی نئے جزیرے کے ساحل سے جا لگی۔ سب سے پہلے میں کشتی میں سے کود کر زمین پر آیا۔ میرے پاؤں ان پتھروں سے مس ہوئے جنہوں نے اپنی کروڑوں برس کی زندگی میں پہلی بار انسانی لمس محسوس کیا تھا۔ میرے پیچھے پیچھے بوقام اور لعیشہ بھی کشتی سے اترے ملاحوں نے کشتی کو ایک چٹان کے نکیلے حصے سے باندھ دیا۔

کافی لمبا چوڑا جزیرہ وجود میں آ گیا تھا۔ پتھریلی چٹانوں والا سیاہ جزیرہ جس پر ظاہر ہے کہ زندگی کی کوئی علامت موجود نہیں تھی ہم لوگ ایک چٹان سے دوسری چٹان تک جھک جھک کر قدم رکھ رہے تھے۔ اچانک لعیشہ ایک جگہ رک گئی اور زمین پر جھک کر کسی چیز کو غور سے دیکھنے لگی۔ میں اور بوقام بھی رک گئے اور پھر ہم نے دیکھا کہ اس جگہ پر بہت بڑی تعداد میں سمندری سیپیوں کا ایک ڈھیر موجود تھا بڑی بڑی چکیلی اور رنگا رنگ سیپیاں۔ لعیشہ نے ایک سیپی اٹھائی وہ بند تھی۔ اس نے ہاتھ کے ذرا سے دباؤ سے اسے کھول دیا۔ سیپی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی اور اس کے اندر سے ایک نہایت آب دار گول، بڑا سا موتی برآمد ہوا۔ بوقام نے وہ موتی اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا یکایک اس کی آنکھیں فرط حیرت سے چمک اٹھیں۔ یہ بالکل اصلی اور سچا موتی تھا۔ اس نے سرگوشی کی کہا "میرا دعویٰ ہے کہ اتنی بڑی جسامت کے موتی دنیا میں بہت کمیاب ہیں۔" پھر اس نے جھک کر دوسری سیپی اٹھائی۔ اسے کھولا اور اس میں سے بھی ایک آب دار موتی برآمد ہوا۔ پھر تو دونوں باپ بیٹی جلدی جلدی سیپیوں کو کھول کر ان میں سے موتی نکالنے لگا اور ذرا دیر میں ان کے پاس موتیوں کا ایک ڈھیر جمع ہو گیا۔

"موتیوں کا یہ خزانہ ایک بڑی سلطنت کے خزانے کی ملکیت سے کم نہیں ہے۔" بوقام نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "سمندر نے اپنی صدیوں کی چھپی ہوئی دولت کو اگل دیا ہے۔ یہ سیپیاں نہ جانے کب سے زیر آب دفن رہی ہوں گی۔ رات کے زلزلے سے اور طوفان نے انہیں ان پتھروں کے ساتھ باہر کر دیا۔ ان موتیوں سے تو ایک پوری سلطنت خریدی جا سکتی ہے۔"

"صرف ایک نہیں بلکہ کئی سلطنتیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور بوقام حیران ہو کر میری شکل دیکھنے لگا۔ "اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں۔ ادھر دیکھو۔" میں نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور بوقام اور لعیشہ دونوں کی نظریں بیک وقت اس طرف اٹھیں اور حیرت و مسرت کے عالم میں ان کی چیخ نکل گئی۔ جس طرف میں نے اشارہ کیا تھا ادھر پتھروں کے درمیان میں سیپیوں کا ایک اتنا بڑا ڈھیر پڑا ہوا تھا جو پہلے والے ڈھیر سے کہیں زیادہ بڑا تھا۔ دونوں باپ بیٹی سیپیوں پر پل پڑے اور تیزی کے ساتھ موتی نکالنے لگے۔

"کیا اس" لعیشہ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اس کام میں تم ہماری مدد کرو۔ ہمیں جلد از جلد یہ سارے موتی جمع کر لینے چاہئیں۔" میں بھی ان کے ساتھ سیپیوں سے موتی نکالنے میں شامل ہو گیا۔ مجھے خود تو ان موتیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میرے لیے وہ محض سنگ ریزے تھے لیکن عام انسانوں کے لیے وہ بے انتہا قیمتی تھے۔ سمندر سے نکلنے والے اصلی اور سچے موتی۔ ویسے ایک بات ہے پروفیسر مجھے یہ موتی اچھے بہت لگے، گول گول، سڈول، چمک دار اور سفید۔ میں نے مٹھیاں بھر بھر کر لعیشہ اور بوقام کو دیئے۔ بوقام نے اپنے ڈھیلے ڈھالے بالائی لباس کو اتارا۔ پھر اپنی قمیص اتاری اور بالائی لباس دوبارہ پہن لیا۔ اس نے قمیص کی چوڑی قمیص کی سلائی ایک طرف سے کھول کر اسے ایک چادر کی شکل دے دی اور سارے موتی اس میں جمع کر کے گٹھڑی کی طرح باندھ لیے۔ خاصی بڑی گٹھڑی بن گئی تھی۔

"کیا اس" بوقام نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں ممنونیت جھلک رہی تھی۔ "تم بڑے خوش قدم ہو۔ کیا اس۔ تمہاری آمد ہمارے لیے حیرت انگیز کامیابیوں کا سبب بن گئی ہے۔ ہمیں اتنا بڑا خزانہ مل گیا ہے جو ہماری قرائی کی عمر بھر کی کمائی سے کہیں زیادہ ہے۔ تم بر واقعی دیوتاؤں کا سایہ ہے، تم عظیم ہو کیا اس۔ تم عظیم ہو۔" وہ اپنے تئیں نہ جانے کیا کیا بڑبڑاتا رہا۔

"ان موتیوں کو سنبھال کر رکھو۔" میں نے اس سے کہا۔ "تمہیں آگے چل کر بہت کام آنا ہے۔"

جہازوں کی تیاری کا کام ایک بار پھر پورے زور و شور کے ساتھ شروع کر دیا تھا۔ بوقام اور لعیشہ کے موتیوں کے خزانے میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا تھا کیونکہ انہیں جزیرے پر سیپیوں کے اور ڈھیر ملے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ سمندر نے اپنی ساری دولت ان کے لیے اگل دی تھی۔ لعیشہ بہت خوش تھی۔

"کیا اس" میں نے اسے یاد دلایا۔ "میں نے تم سے کہا تھا کہ ویسے تو ہماری کامیابی کے تمام آثار اور قرائن موجود ہیں اور ازیلا پر ہمارا قبضہ ہونا ایک یقینی بات ہے۔ لیکن بیچ میں کچھ سیاہ دھبے ابھر رہے ہیں۔ میں ان سیاہ دھبوں کے راز کو نہیں سمجھ پا رہا ہوں تھی یہ یہاں میرا علم میری راہنمائی کرنے سے قاصر نظر آتا تھا اور میں پریشان تھی کہ یہ سیاہ دھبے کس چیز کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ اب یہ عقدہ کھل ہو چکا ہے۔ سیاہ دھبے اس

طوفان کی علامت تھے جس سے ہم بخیر و عافیت گزر چکے ہیں۔ اس طوفان نے ہمیں کچھ نقصان پہنچایا ہے تو بہت بڑا فائدہ بھی پہنچایا ہے۔ اتنا بڑا فائدہ جس کا شاید تم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔"

"تم لوگوں کو یقیناً اس میں فائدہ نظر آتا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "لیکن میں اس طوفان کی تباہ کاریوں سے خوش نہیں ہوں۔ میں تم لوگوں کے لیے ماتم کناں ہوں جو اس طوفان کی بھینٹ چڑھ گئے خاص طور پر مجھے شاکانہ کی موت کا بہت افسوس ہے۔ اسے ابھی کچھ دن اور زندہ رہنا چاہیے تھا۔ ہو سکتا ہے ازیلا پر تم لوگوں کے قبضے کے بعد وہ اپنی ان زیادتیوں کی تلافی کرنے کے بارے میں سوچتی جو اس نے تم پر کی تھیں۔"

"شاید" لعیشہ نے جواب دیا۔ "مگر اب صورت حال بدل چکی ہے ازیلا والوں کی نظروں میں فرناس کی بیٹی ہونے کی حیثیت سے اب میں ازیلا کی حکومت کی جائز حقدار ہوں۔ کیونکہ شاکانہ دنیا میں موجود نہیں ہے اور ارغوث کا ازیلا کی حکومت پر کوئی حق نہیں ہے۔"

"حکومت کے معاملات میں جائز یا ناجائز کے تصورات کا کوئی گزر نہیں ہوتا۔" میں نے کہا۔ "حکومت اسی کی ہوتی ہے جو اپنی طاقت سے اسے حاصل کر لے۔ ارغوث اپنے آپ کو تم لوگوں سے زیادہ طاقتور سمجھتا ہے۔ درنی الحقیقت وہ ہے بھی۔ اس سے حکومت صرف طاقت ہی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔"

میں نے محسوس کیا کہ لعیشہ اس بات سے ذرا بھی پریشان نہ تھی کہ شاکانہ کے مر جانے کے ساتھ ہی میرا وعدہ بھی ختم ہو گیا ہے کہ میں لعیشہ اور بوقام کی مدد کروں گا۔ اصل صورت حال تو اب یہ تھی کہ شاکانہ، جس کی جان بچانے کی خاطر میں ان دونوں باپ بیٹی سے "بلیک میل" ہوا تھا اب دنیا میں موجود نہیں تھی اور اب کوئی وجہ نہیں رہی تھی کہ میں اپنے وعدے کی پابندی کرتا۔ اب تو مسئلہ صرف میری اپنی مواد یدیکا تھا۔

"کیا تمہیں اب بھی یقین ہے کہ میں شاکانہ کی موت کے بعد بھی ازیلا کی حکومت پر قبضہ کرنے میں تم لوگوں کی مدد کروں گا؟" میں نے لعیشہ سے پوچھا۔

"ہاں کیا اس" لعیشہ نے پر یقین لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے پورا یقین ہے۔ آخر اس میں یقین نہ کرنے کی کیا بات ہے؟"

"کیونکہ اب اس دعوے کی اصل بنیاد یعنی شاکانہ ختم ہو چکی ہے۔" میں نے کہا۔

"لیکن میں تو موجود ہوں۔ تم بھی موجود ہو اور تمہارا وعدہ بھی موجود ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

بڑی عجیب و غریب لڑکی تھی پروفیسر اس میں بلا کی خود اعتمادی تھی۔ بعض اوقات تو ایسا لگتا تھا گویا میں اس کے سحر میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ دراصل میں اس کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ مجھے تو اس قسم کے کھیلوں میں ہمیشہ ہی لطف آیا ہے۔ چنانچہ اب میں ایک نئے کھیل کے لیے تیار ہو گیا تھا۔

"بات یہ ہے کیا اس" لعیشہ نے سنجیدگی سے کہا۔ "ستارے مجھے بتلاتے ہیں کہ میرا ان ہزاروں لاکھوں لوگوں کی فہرست میں شامل ہے جن کی قسمت صدی کے ہی یار ہو گی۔ خود میرے اندر ایسی کوئی قوت موجود نہیں ہے جو تمہیں اس بات کے لئے مجبور کر سکے کہ میری مدد کرو۔ یہ فیصلہ تو تقدیر کی قوتوں کے ہیں جو ہماری خواہشات سے بالکل بالاتر ہوتے ہیں۔" لعیشہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئی اور کسی سوچ میں پڑ گئی۔ مجھے یہ سوچتی ہوئی سنجیدہ شکل کی لعیشہ بہت اچھی لگی۔ بہت پیاری سی۔

کچھ عرصہ میں جہازوں کی تیاری کا کام پورا ہو گیا۔ اب رات دن ان کی آزمائش کی جانے لگی اور انہیں ہر لحاظ سے عمدہ اور قابل استعمال پایا گیا۔ بوقام اور اس کے ساتھی اس بات سے بہت خوش تھے کہ اب ایک نیا جہاز ان کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ وہ بڑے بڑے جہاز اپنے ہاتھوں سے بنا سکتے تھے۔ انہوں نے آپس میں مل کر یہ طے کیا کہ اپنے کچھ آدمیوں کو آئندہ مستقلاً اس کام کے لیے مخصوص کر دیا جائے اور اپنی ضرورت سے زائد جہاز تیار کر کے دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیئے جائیں۔ ظاہر ہے روپیہ اس زمانے میں تمہارے آج کے دور کی طرح شپ یارڈز تو ہوتے نہیں تھے۔ بہرحال یہ بھی طے کر لیا گیا کہ سمندر میں ابھرنے والے نئے جزیرے کو لاقانون کی "سلطنت" میں شامل کر لیا جائے۔ اس جزیرے پر سے کئی قیمتی دھاتیں ملی تھیں اور اب اس پر دھاتوں کی مزید تلاش کا پروگرام بنایا گیا۔

میں نے ان لوگوں کو میدانی جنگ کی کافی تربیت دے دی تھی اور اب وقت آ گیا تھا کہ ہم ازیلا کی طرف کوچ کریں۔ چنانچہ کوچ کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ چند ہی دن بعد جنگی جہازوں اور تیز رفتار کشتیوں کا ایک زبردست قافلہ طویل سمندری سفر پر نکل کھڑا ہوا۔ ہمارے پاس وافر مقدار میں کھانے پینے کا سامان موجود تھا اور ہم مہینوں تک کہیں کے بغیر سمندر میں سفر کر سکتے تھے۔

قصہ مختصر یہ کہ پروفیسر اس سمندری سفر میں کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ یہاں تک کہ ہم ازیلا کے قریب پہنچ گئے۔ صبح کا وقت تھا اور سارے سمندر پر دھند پھیلی ہوئی تھی۔ سمندر میں جگہ جگہ طرح طرح کے رنگ نظر آ رہے تھے اور دور ہماری نظروں کے سامنے ازیلا کا خوبصورت ساحل ایک طویل سرسبز و شاداب بیل کی طرح پھیلا ہوا تھا جو کافی فاصلے سے سبز کا ہی رنگ کی نظر آ رہی تھی۔ لیکن اس سبز کا ہی رنگ سے پہلے کچھ مدھم مدھم سے سیاہ دھبے بھی نظر آ رہے تھے۔

ہمارا کارواں آگے بڑھتا گیا اور دھبے واضح ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ بڑے بڑے جنگی جہازوں کا ایک طویل سلسلہ تھا جو ساحل کے ساتھ پھیلا ہوا تھا۔ ارغوث ہماری آمد سے یقیناً باخبر تھا اور اس نے ہمارے استقبال کے لیے پوری تیاریاں کر رکھی تھیں۔ فرق صرف جہازوں کے خطوط زیادہ واضح ہو گئے۔ ان کی تعداد خاص تھی بڑے

aazzamm@yahoo.com

جہازوں کے علاوہ اب چھوٹی چھوٹی کشتیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ ازیلا کا جنگی بیڑہ کافی طاقتور تھا۔ یقیناً ان کے جہازوں کی تعداد بھی زیادہ تھی اور فوجوں کی بھی۔ بوقام اور اس کے ساتھی اس صورت حال سے کافی پریشان نظر آ رہے تھے۔ کیونکہ انہیں اس قسم کی جنگ کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ وہ پہلی بار ایک باقاعدہ لڑائی میں حصہ لینے جا رہے تھے لیکن لعیشہ حسب معمول مطمئن تھی۔

"کیا ہم واقعی اتنے بڑے جنگی بیڑے کو شکست دے سکیں گے؟" بوقام نے بے یقینی کے ساتھ مجھ سے پوچھا۔

"دل چھوٹا مت کرو بوقام! اور ہمت سے کام لو۔" میں نے اس سے کہا۔ "اس قسم کی کوئی بات اپنے سپاہیوں کے سامنے مت کرنا ورنہ ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ ان کی ہمتوں کو بلند رکھنا ضروری ہے۔"

اب دونوں بیڑے ایک دوسرے کے آمنے سامنے پہنچ گئے تھے۔ ازیلا کے بیڑے میں ہونے والی سرگرمیاں ہم لوگوں کو صاف نظر آ رہی تھیں۔ جہازوں کے عرشے پر مسلح سپاہی تعینات تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں میں تیر کمان سنبھالے ہوئے تھے۔ چھوٹی چھوٹی تیز رفتار کشتیوں میں بھی مسلح تیر انداز موجود تھے۔ ان کے پیچھے شمشیر زنوں کی فوجیں تھیں۔ ازیلا کے تمام سپاہی سروں پر فولادی ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے۔

ابھی تک کسی بھی طرف سے حملے کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ بوقام نے اپنے سپاہیوں کو تیر کمان سنبھال لینے کا حکم دے دیا تھا اور آگ کے گولے پھینکنے والے سپاہی بھی کسی لمحہ اپنی کارروائی کا آغاز کر سکتے تھے۔ انہیں بس ایک اشارہ کرنے کی دیر تھی۔

"ہم اپنی کارروائی کا آغاز بالکل دوسرے انداز میں کریں گے۔" میں نے بوقام اور لعیشہ سے کہا۔

"وہ کس طرح؟" بوقام نے پوچھا۔

"میں پہلے ایک کشتی میں بیٹھ کر خود ارغوث کے نمائندوں سے گفتگو کروں گا۔ اگر ہم لوگوں کو جنگ ہونے سے بچا لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔" میں نے کہا۔

"یقیناً اس میں کوئی حرج نہیں۔" بوقام نے جواب دیا۔

چنانچہ ایک چھوٹی سی کشتی پر ایک سفید رنگ کا جھنڈا لہرایا گیا۔ جس میں میرے علاوہ بوقام کے دو اور معتمد بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام ہرمونا اور دوسرے کا گوم تھا۔ ہماری چھوٹی سی کشتی سفید جھنڈا لہراتی ہوئی تیزی سے ازیلا کے ساحل کے نزدیک پہنچ رہی تھی اور ساحل پر کھڑے ہوئے جہازوں اور کشتیوں میں موجود لوگ حیرت سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔

ہماری کشتی کو ساحل تک آنے دیا گیا اور کسی نے مزاحمت نہیں کی۔ البتہ کشتی جیسے ہی ساحل سے لگی اور ہم تینوں کشتی میں سے اترے، ویسے ہی کئی درجن بھر مسلح سپاہیوں نے ہمیں گھیرے میں لے لیا۔ ایک شخص جو اپنی وضع قطع اور لباس سے اس جماعت کا سربراہ معلوم ہوتا تھا۔ آگے بڑھا اور براہ راست مجھ سے مخاطب ہوا۔ "تم کون لوگ ہو؟ کہاں سے آئے ہو اور تمہارا کیا مقصد ہے؟" اس نے ایک ہی سانس میں بہت سے سوالات کر ڈالے۔

"اتنی جلد بازی سے کام نہ لو دوست۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہمیں اپنی سرزمین پر ٹھیک سے قدم تو رکھ لینے دو۔"

"میں زیادہ فضول باتیں کرنے اور سننے کا عادی نہیں ہوں۔" اس نے میری مسکراہٹ کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔ "تم جلدی بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"مجھے جو کچھ کہنا ہے میں وہ صرف ارغوث سے کہوں گا۔" میں نے جواب دیا۔ "میری اس سے ملاقات کا فوراً بندوبست کرو۔"

"مگر تم کس حیثیت سے ارغوث سے ملنا چاہتے ہو؟" اس نے تیر نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں شاکانیہ کی سوتیلی بیٹی اور فرناس کی بیٹی لعیشہ کی جانب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"ہوں۔" اس شخص نے مجھے غور سے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور پھر اپنے نائب پر نظر ڈالی جو اس کے برابر کھڑا تھا۔ "کیا رہے ہرماگاس، یہ شخص لعیشہ کا نمائندہ بن کر آیا ہے۔"

"سن بھی رہا ہوں اور دیکھ بھی رہا ہوں ہرمیس۔" ہرماگاس نے جو ہرمیس کا نائب نظر آتا تھا، ہنستے ہوئے کہا۔ "ویسے ایک بات ہرمیس، آدمی واقعی لاجواب ہے۔ اس کی جلد کی رنگت کس قدر عجیب و غریب ہے۔ معلوم ہوتا ہے سونے کا بنا ہوا ہے۔" میں اس کے ریمارکس کا مفہوم بھلا صاف طور پر محسوس کر سکتا تھا۔ میرے دونوں ساتھی بالکل خاموش کھڑے ہماری گفتگو سن رہے تھے۔

"ہمیں لعیشہ کی پسند کی داد دینی چاہیے۔" ہرماگاس ہرمیس کی طرف دیکھ کر تضحیک آمیز لہجے میں کہا۔

"ازیلا کے بہادرو!" میں نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا۔ "میری تو ہین کرنا ایک قابل مذمت فعل ہے۔ میں تم سے الجھنا نہیں چاہتا۔ مجھے ارغوث کے پاس لے چلو۔ مجھے اس سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

"او ہو سفیر صاحب۔" اس بار ہرمیس کے بجائے اس کے نائب ہرماگاس نے جواب دیا۔ "معاف کیجیے، ہم نے آپ کی شان میں گستاخی کی۔ بہرحال ارغوث سے ملنے سے پیشتر بہتر ہو گا کہ آپ ہم لوگوں کو اپنا مدعا بیان فرما دیں تاکہ ہم لوگ آپ کو مناسب جواب دے سکیں۔ شاید آپ کو علم نہیں کہ ارغوث فضول باتیں سننے والوں کو بہت کم نظر آتا ہے اور پھر آپ کے تو ابھی مرنے کے دن بھی نہیں ہیں۔"

میں اس کے لہجے کی کاٹ اور توہین آمیز انداز گفتگو کو بڑی مشکل سے برداشت کر رہا تھا۔ تاہم میں نے ضبط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور ان سے دوبارہ مخاطب ہو کر کہا۔ "مجھے ارغوث اور صرف ارغوث سے بات کرنی ہے۔ تم لوگ اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔"

اتنے میں ایک طرف سے شور کی آوازیں آنے لگیں۔ سب لوگ ادھر متوجہ ہو گئے۔ کئی گھوڑ سوار تیزی سے ادھر آ رہے تھے۔ سب سے آگے سیاہ رنگ کے ایک نہایت حسین اور توانا گھوڑے پر ایک بے حد قوی ہیکل شخص سوار تھا جس کے چہرے سے رعب و داب ٹپک رہا تھا۔ باقی سوار اس کے پیچھے تھے۔

"لو وہ ارغوث آ گیا۔" ہرمیس نے دور سے اسے دیکھ کر تعظیم دیتے ہوئے مجھ سے کہا۔ "اب میں تمہاری جان کی سلامتی کی ضمانت نہیں دے سکتا۔"

شاید کسی نے ارغوث کو ہم لوگوں کی آمد کی اطلاع دے دی تھی اور وہ خود ہی یہاں آ گیا تھا۔

"کیا تو لعیشہ کا نمائندہ بن کر آیا ہے؟" ارغوث نے گھوڑے سے اترتے ہوئے براہ راست مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ اس کے لہجے میں حقارت تھی۔

"ہاں ارغوث، مجھے لعیشہ اور بوقام نے تمہارے پاس ایک خاص پیغام دے کر بھیجا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"بوقام کون ہے؟" ارغوث نے سوال کیا۔

"وہ سمندر کا بادشاہ ہے، اقاب اس کا دارالحکومت ہے اور اس نے لعیشہ کو اپنی بیٹی بنایا ہے۔ ان جہازوں میں سمندری عقاب بھرے ہوئے ہیں جو دیکھتے ہی دیکھتے بڑی سے بڑی فوج کو فنا کر دیتے ہیں۔"

"بات مختصر کر بدنصیب۔" ارغوث غصے میں دھاڑا۔ "مجھے صاف صاف بتا تو یہاں کیوں آیا ہے؟"

"میں تم سے یہ کہنے کے لیے آیا ہوں کہ شاکانیہ کی موت کے بعد لعیشہ ازیلا کی جائز اور قانونی حکمران ہے۔ تم ازیلا کی حکومت لعیشہ کے حوالے کر دو۔"

"بہت خوب۔" اس نے خوفناک انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "لعیشہ یہ چاہتی ہے کہ میں تھالی میں سجا کر حکومت اس کی خدمت میں پیش کر دوں۔ اور اگر میں ایسا کرنے سے انکار کر دوں تو؟"

"تو ناحق خون خرابہ ہو گا۔" میں نے جواب دیا۔ "حکومت تو بہرحال لعیشہ کو ہی ملے گی۔"

"تم لوگ اس بیڑے کے بل بوتے پر مجھ سے جنگ کرو گے؟" اس نے ہمارے جہازوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو ازیلا کے عظیم الشان بحری بیڑے کے آگے بہت حقیر نظر آ رہے تھے۔

"ہاں ارغوث۔" میں نے جواب دیا۔ "اور یہ بھی سمجھ لو کہ شکست تمہارا مقدر رہے۔"

"ہرمیس۔" ارغوث کلاہا بھاڑ کو چیخا۔ "کیا کسی نے آج تک ارغوث سے اس لہجے میں گفتگو کی ہے؟ اگر یہ سفیر بن کر نہ آیا ہوتا تو اس کی لاش کا بھی پتہ نہ چلتا۔ بہرحال اس بدزبان کو سزا دینی ضروری ہے۔"

"جو حکم سردار۔" ہرمیس بولا۔

"ان تینوں کے گرد گھیرا تنگ کر دو اور طالیس کو فوراً جلاد کے حوالے کر دو۔" ارغوث نے کڑک کر حکم دیا۔

سپاہی اپنی تلواریں کھینچ کر ہم تینوں کے گرد کھڑے ہو گئے تاکہ ہم میں سے کوئی بھاگ نہ سکے۔ میرے دونوں ساتھی بار بار گھبرا کر میری طرف دیکھ رہے تھے مگر میرے چہرے پر چھائی ہوئی گہری طمانیت شاید ان کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔

اور تب میں نے طالیس کو آتے دیکھا۔ وہ ایک بھاری بھرکم شخص تھا جس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ وہ ایک سفید رنگ کے گھوڑے پر بیٹھ کر آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک لمبا سا چمکتا ہوا خنجر تھا۔ اس کے ساتھ دو قوی ہیکل آدمی اور تھے جو اس کی طرح شکل سے جلاد نظر آتے تھے۔

"طالیس۔" ارغوث نے اسے مخاطب کر کے زور سے کہا۔ "تو اعضا و برید کا ماہر ہے۔ اس گستاخ شخص کی زبان کاٹ کر اس کے ہاتھ پر رکھ دے تاکہ جب یہ اس حالت میں لعیشہ کے پاس پہنچے تو اسے میرا جواب معلوم ہو جائے۔ سنو ہرمیس۔ جب یہ تینوں احمق اپنی کشتی میں بیٹھ کر واپس اپنے بیڑے میں چلے جائیں تو اس کے فوراً بعد ان کے بیڑے کو نیست و نابود کر دو۔ میں اپنی سلطنت کے ساحلوں پر کوا کباڑ دیکھنا پسند نہیں کرتا۔"

ہرمیس نے اثبات میں گردن جھکا لی اور وہاں سے چلا گیا۔ یقیناً وہ اپنے سپاہیوں کو ہدایت دینے گیا ہو گا۔

طالیس اپنا خنجر چمکاتا ہوا گھوڑے سے کودا اور اس کے دونوں ساتھی بھی اتر پڑے۔ اب وہ تینوں میری طرف بڑھ رہے تھے۔ طالیس بیچ میں تھا۔ میں سمجھ گیا کہ دونوں آدمی دونوں طرف سے مجھے پکڑ کر بے بس کرنا چاہتے ہیں تاکہ طالیس اپنا کام کر سکے۔

"ارغوث۔" میں نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے کہا۔ "ابھی اس حرکت سے باز آ جاؤ۔ تمہیں اس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ میں سفیر ہوں اور تم سے لڑنے نہیں بلکہ گفتگو کرنے آیا تھا۔"

ارغوث نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے نفرت سے مجھے دیکھا اور طالیس کو اشارہ کیا کہ اپنا کام کرے۔

طالیس اور اس کے دونوں ساتھی مجھ سے محض دو تین فاصلے پر رہ گئے تھے کہ یکایک وہاں موجود لوگوں نے ایک عجیب، غریب اور حیران کن منظر دیکھا۔ خنجر طالیس کے ہاتھ سے گر چکا تھا اور وہ خود بھی زمین پر گرا ہوا بری طرح کراہ رہا تھا۔ شاید میرے ہاتھ نے جو بجلی کی طرح چمک کر اس کے شانے پر پڑا تھا۔ اس کے بازو کی ہڈی توڑ دی تھی۔

طالیس کے گرتے ہی اس کے دونوں ساتھی وحشیانہ انداز میں مجھ پر پل پڑے۔ ان میں سے ایک نے بڑھ کر خنجر نکال لیا اور اسے میرے حلق میں گھونپنے کی کوشش کرنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ارغوث کے

Scanned by aazzamm@urdufanz.com

aazzamm@yahoo.com

قدموں میں لوٹ رہا تھا اور بری طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ غالباً میری لات نے اس کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی تھی۔ تیسرے جلاد کو میں نے کمر سے پکڑ کر اٹھایا اور ارغوث کی جانب اچھال دیا وہ اس طرح ارغوث کے اوپر گرا کہ وہ اور ارغوث دونوں زمین پر تھے۔ دوسرے لمحے ارغوث اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی نظروں میں اب نفرت کے ساتھ حیرت بھی تھی۔

"تیری یہ مجال ذلیل غلام زادے، وہ غضب ناک ہو کر دھاڑا "سمجھ لے کہ تیری زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں۔ اسے گرفتار کر لو" اس نے سپاہیوں کو حکم دیا "اب اس کی زبان میں اپنے ہاتھ سے کاٹوں گا۔"

سپاہی آگے بڑھے کہ اتنے میں ایک بھاری اور کریہہ آواز سنائی دی

"مجھے توقع ہے دوسردار یہ شخص بڑا مغرور نظر آتا ہے۔ میں بھی بہت دنوں سے خالی بیٹھے بیٹھے اکتا گیا ہوں۔ ذرا ہاتھ پیر سیدھے کر لوں۔"

میں نے آواز کی سمت دیکھا اور مجھے ایسا لگا گویا پہاڑ گھڑگھڑاتی ہوئی کریہہ آواز گوشت پوست کے کسی پہاڑ سے نکل رہی ہو۔ وہ ایک غیر معمولی تن و توش کا آدمی تھا۔ بے حد دراز قد اور فربہ اندام۔ اس کے ایک ہاتھ میں ایک بھاری ساگرز تھا لیکن میرے خیال میں اسے کسی ہتھیار کی ضرورت نہیں تھی۔ عام انسانوں کے لیے اس کے ہاتھ ہی گرز کا کام دے سکتے تھے۔

ارغوث نے اس کی طرف دیکھا "کیا تم اس سے لڑنا چاہتے ہو کانال؟" میں نے گوشت کے پہاڑ سے پوچھا "میں تمہیں اسے ہلاک کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ میں اسے زندہ لعنتیوں کے پاس واپس بھیجنا چاہتا ہوں، لیکن اس طرح کہ اس کی ناپاک زبان اس کے جسم سے علیحدہ ہو چکی ہو تمہیں اس بات کا خیال رکھنا ہے۔"

"میں اسے ہلاک نہیں کروں گا میرے آقا" کانال نے گھڑگھڑاتی ہوئی آواز میں جواب دیا "بس میں ذرا سے زمین کی خاک چٹا دوں پھر اس کی زبان کاٹ لی جائے اور اسے واپس بھیج دیا جائے۔"

کانال میری طرف بڑھا دیکھنے والے دم بخود تھے۔ میرے دونوں ساتھیوں کو پورا یقین تھا کہ اب میرا انجام قریب ہے۔ وہ مجھے غمزدہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ کانال میری طرف جارحانہ انداز میں بڑھ رہا تھا اس نے اپنا گرز پھینک دیا تھا اور ہاتھوں کو آگے پیچھے جھلاتا ہوا آ رہا تھا۔

"سن اے سڑے ہوئے گوشت کے تودے" میں نے چلا کر کہا تاکہ سب لوگ سن سکیں "تو اپنے غلیظ بدن کو مجھ سے دور رکھ۔ مجھے چربی کی گٹھڑیوں سے سخت کراہت محسوس ہوتی ہے۔"

کانال نے اس کے جواب میں ایک خوف ناک آواز حلق سے نکالی اور اپنے سر کو جھکا کر تیزی کے ساتھ جھپٹا وہ اپنا سر میرے پیٹ پر مارنا چاہتا تھا لیکن ایک سیکنڈ کے شاید ہزارویں حصے میں، میں اس کے سامنے سے ہٹ چکا تھا۔ اپنے وار کی جھونک میں کانال اس سپاہی پر جا پڑا جو میرے پیچھے کھڑا ہوا تھا اور میرے ہٹ جانے سے براہ راست کانال کی زد میں تھا۔ سپاہی کے حلق سے ایک بھیانک چیخ بلند ہوئی اور وہ زمین پر گر کر مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ اس کے منہ سے بری طرح خون جاری تھا۔ دوسرے سپاہیوں نے اسے سنبھالا اور کانال سخت غصے کے عالم میں زمین پر سے اٹھ کر میری طرف تیزی سے لپکا۔

میں اب اس فضول کھیل سے تنگ آ گیا تھا اور لوگوں کی نظروں میں غائر نہیں بننا چاہتا تھا۔ میں نے اپنے طور پر یہ کوشش کی تھی کہ ارغوث کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ بن جائے کہ جنگ کی نوبت نہ آئے لیکن ارغوث طاقت اور اقتدار کے نشے میں اس قدر چور تھا کہ میری کسی بات کو سوچنے کے ساتھ سننے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔ اس نے میری سخت توہین کی تھی۔ اب میں چاہتا تھا کہ اس قصے کو جلد از جلد ختم کر دوں اور اپنے بیڑے میں جا کر حملے کا اہتمام کر لوں۔

چنانچہ میں نے اس ہاتھی جیسے شخص کی ایک ٹانگ پکڑ لی اور جھٹکے سے اوپر اٹھا لیا۔ کئی لوگوں کی حیرت کے مارے چیخیں نکل گئیں میں نے ارغوث کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں میں نے کانال کو زور زور سے گھمانا شروع کر دیا۔ وہ بری طرح گرفت سے نکلنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہا تھا لیکن اسے اپنی سعی بے سود نظر آ رہی تھیں۔ میرے ہاتھ کی آہنی گرفت سے نکلنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ میں کانال کو اس طرح گھماتا رہا اور میرے چاروں طرف سے سپاہیوں کا مجمع کاہی کی طرح چھٹ گیا۔ کشتی میں واپس چلو، میں نے اپنے دونوں ساتھیوں کو حکم دیا اور چل پڑے۔ میں ان کے ساتھ تھا اور کانال کو برابر زور زور سے گھما رہا تھا۔ اس صورت میں ازبلا کا کوئی سپاہی ہم پر تیر چلانے کا حوصلہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ کئی شمشیر زنوں نے آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن کانال کے پنکھے کی طرح گھومتے ہوئے جسم نے انہیں روکے رکھا۔ کانال کا بدن ہم تینوں کے لیے ڈھال بنا ہوا تھا اور اب کانال بری طرح چیخ رہا تھا مجھے یقین تھا کہ اب تک اس کا بھیجا ہل کر رہ گیا ہوگا۔

کانال کو ڈھال بنائے ہم لوگ کشتی تک پہنچ گئے۔ ازبلا کے ساحل پر کھڑے ہوئے سپاہی اور انسان حیرت اور خوف کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ کانال واقعی بڑا بھاری بھرکم آدمی تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ اس نے بہت سے معرکے سر کیے ہوں گے اور بڑے بڑے سورماؤں کو نیچا دکھایا ہوگا لیکن اس وقت وہ ایک بے بس بوڑھے کی طرح میرے ہاتھوں میں گھوم رہا تھا جیسے گویا میں نے دم سے پکڑ لیا ہو۔ میں نے اپنے دونوں آدمیوں کو حکم دیا کہ کشتی میں سوار ہو کر فوراً لنگر اٹھا دیں۔ انہوں نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ پھر میں نے بھاری بھرکم کانال کو آخری مرتبہ زور سے ایک چکر دیا اور پھر اسے دور سمندر میں اچھال دیا۔ جہاں ایک زبردست چھپاکے کی آواز بلند ہوئی اور اس کا جسم ایک دم پانی میں ڈوبتا چلا گیا۔ مجھے یقین تھا کہ چند لمحوں بعد وہ پانی کی سطح پر آنے لگے گا۔ اس کے ساتھ ہی میں اچھل کر کشتی میں سوار ہو گیا اور کشتی تیزی سے ازبلا کے ساحل سے دور ہونے لگی مگر اس کے ساتھ ہی بے شمار تیر سنسناتے ہوئے آئے اور کشتی کے پہلو میں پیوست ہو گئے۔ کئی تیر میرے جسم سے ٹکرائے اور گر پڑے۔ میں نے ساحل کی طرف دیکھا۔ تیر اندازوں کا دستہ دوبارہ کمانیں کھینچ رہا تھا۔ ہماری کشتی تیر پہنچنے تک لوہے میں غرق تھے لہٰذا نہیں کوئی خطرہ نہیں تھا تیروں کی ایک دوسری باڑ آئی اور تیر اندازوں کے بہت سے تیروں کا نقصان ہو گیا۔ ذرا دیر بعد ہم ان کے تیروں کی زد سے باہر تھے۔

کشتی جیسے ہی بیڑے کے دوسرے جہازوں کے پاس پہنچی۔ میں نے ذرا بوقام کو بلایا اور اس سے کہا "میں نے جو باتیں تم کو سمجھائی ہیں ان کے مطابق عمل کرنا اور میری ہدایات کے خلاف کوئی قدم مت اٹھانا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ زیادہ باتوں کا وقت نہیں ہے میں ساری تکنیک عمل کر چکا ہوں۔ وہ لوگ بس اب حملہ کرنے ہی والے ہیں، تم تیار ہو جاؤ۔"

میں نے پہلے ہی بوقام کو سمجھا دیا تھا کہ اس کے آدمیوں کو ساحل پر پہنچ کر اترنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ آگ کے گولے پھینکنے والا دستہ اپنے کام میں مصروف رہے اور یہ کام صرف ایک جہاز کی مدد سے کر لیا جائے۔ باقی جہاز اور کشتیاں تیزی سے ساحل کی طرف بڑھنے کی کوشش کریں اور سپاہی فوراً ہی ازبلا کی حکومت پر ہلہ بول دیں۔

میں نے جہاز سے لوہے کا وہ شہتیر اٹھایا جو میں نے لاقاب کے خاص طور پر تیار کروایا تھا۔ یہ لوہے کا ایک بہت بھاری ستون تھا جس کا ایک سرا کسی سوئی کی طرح نوکیلا تھا۔ اس شہتیر کو اٹھا کر جہاز میں پھینکنے کے لیے دس آدمیوں کو لگنا پڑا تھا۔ میں نے بوقام کی نظروں کے سامنے اس بھاری بھرکم فولادی شہتیر کو ہاتھوں میں اٹھایا اور سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ بوقام کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

میں ایک طویل غوطہ لگا کر پانی کے نیچے ہی ازبلا کے بیڑے کی طرف بڑھنے لگا۔ مجھے معلوم تھا کہ ازبلا کے جہاز حرکت میں آ گئے ہیں اور وہ ہمارے جہازوں کی طرف تیز رفتاری کے ساتھ جارحانہ پیشقدمی کر رہے ہیں۔ میں پانی کے نیچے تیرتا ہوا ازبلا کے اس جہاز کی تہ کے پاس پہنچ گیا جو سب سے آگے تھا۔ یہ ایک نہایت شاندار اور مضبوط جنگی جہاز تھا اور ارغوث کو اس پر فخر ہوگا۔ میں جہاز کے پیندے کے نیچے تیر رہا تھا اور پھر میں نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا لوہے کا شہتیر نکیلے حصے کی طرف سے پوری طاقت سے جہاز کے پیندے میں مارا۔ لوہے کا فولادی شہتیر اور میرے ہاتھوں کی بے پایاں قوت، شہتیر تختوں کی موٹی موٹی تہوں کو توڑتا ہوا اندر تک گھستا چلا گیا اور پھر میں نے اسے واپس کھینچ لیا۔ جہاز میں سوراخ رہ گیا تھا اور میں اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا کہ جہاز پر موجود لوگوں کی کیا حالت ہوگئی تھی۔ جہاز میں تیزی کے ساتھ پانی بھرنے لگا۔

میں جہاز کے پیندے کے نیچے سے نکل کر تیرتا ہوا آگے بڑھ گیا اور میں نے اپنا سر پانی سے تھوڑا سا نکال کر باہر دیکھا جہاز پر بھگدڑ کا سماں تھا۔ افسر اور سپاہی سب چیخ چیخ کر بول رہے تھے اور کوئی کسی کی بات نہیں سمجھ رہا تھا۔ میں اس وقت مخالف سمت سے آگ کا ایک گولا ہوا میں اڑتا ہوا آیا اور ٹھیک جہاز کے مستول سے ٹکرایا۔ میں گولہ پھینکنے والوں کے صحیح نشانے کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ مستول نے فوراً آگ پکڑ لی اور جہاز کے بادبان بھی دھڑا دھڑ جلنے لگے۔

میں نے اپنا سر دوبارہ پانی کے اندر کر لیا اور اب میرا نشانہ اس سے پچھلے والا جہاز تھا۔ میں نے اس کے مضبوط پیندے میں بھی لوہے کا شہتیر مار کر سوراخ کر دیا اور اس میں بھی تیزی سے پانی بھرنے لگا۔

میں نے یکے بعد دیگرے ازبلا کے چار بڑے بڑے جہازوں کے ساتھ یہی سلوک کیا اور انہیں ناکارہ بنا دیا۔ جب میں نے پانی میں سے اپنا سر نکال کر دیکھا تو سب سے پہلا والا جہاز بڑی تیزی کے ساتھ اب رہا تھا۔ پچھلے والے جہاز بھی پانی میں دھنس رہے تھے۔ کئی جہازوں میں آگ لگ گئی تھی اور وہ دھڑا دھڑ جل رہے تھے۔ سپاہی ان میں سے کود کود کر اپنی جانیں بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن بوقام کے بیڑے کی طرف سے آتے ہوئے تیروں کے جھکڑ کے جھکڑ سنسناتے ہوئے تیروں کے جھکڑ ازبلا کے ساتھ ساحل کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں کھڑے ہوئے ازبلا کے ہتھیار بند سپاہی اور انسان اپنے جہازوں کا یہ غیر متوقع حشر دیکھ کر سخت پریشان تھے اور ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ جہاز آخر کس طرح لرز لرز کر کیوں ڈوبے جا رہے ہیں۔ دراصل ان کی پیشقدمی کس وجہ سے رک گئی ہے غالباً جب کہ ساحل پر موجود لوگوں کو اصل صورت حال کا علم نہیں تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس اچانک افتاد سے ازبلا کے سپاہیوں کے حوصلے پست ہو رہے ہیں۔ میری طاقت کا ایک زبردست سکہ انہیں اب سے کچھ دیر پہلے مرعوب کر ہی چکا تھا جب کہ میں نے ان کے نامی گرامی پہلوان کو چوہے کی طرح دم سے پکڑ کر رکھ دیا تھا۔ اور پھر اسے سمندر میں پھینک دیا تھا۔ اب جو کچھ وہ دیکھ رہے تھے اس نے انہیں اور زیادہ دبکو کھلا دیا تھا۔

بوقام کے جہازوں اور کشتیوں کی جانب بھی آگ کے گولے پھینکے جا رہے تھے لیکن ازبلا کے برقندازوں کے نشانے اتنے زیادہ صحیح نہیں ثابت ہو رہے تھے۔ وہ اس معاملے میں بحری قزاقوں سے بہت پیچھے نظر آ رہے تھے۔ تاہم آگ کے جو گولے بوقام کی کشتیوں اور جہازوں تک پہنچ بھی جاتے تھے۔ انہیں فوری طور پر بجھا کر غیر موثر بنا دیا جاتا تھا۔ میری ہدایت کے مطابق ہر جہاز پر چند آدمیوں کا ایک ایسا گروہ موجود تھا جس کا کام اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ وہ آگ کے گولوں پر فوری طور پر قابو پا لیں۔ اس گروہ کے افراد کے پاس ضروری سامان بھی موجود تھا۔

aazzamm@yahoo.com

یکایک میں نے دیکھا کہ زیلا کے بیڑے کی ایک جنگی کشتی جس میں سے متواتر آگ کے گولے پھینکے جا رہے تھے۔ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ اس جہاز کے قریب پہنچ رہی ہے جس میں بوقام اور لعیشہ سوار تھے اور اس کشتی میں سے مسلسل اور نہایت تیزی کے ساتھ آگ کے گولے پھینکے جا رہے تھے جو سب کے سب جہاز کے اندر جا کر گر رہے تھے اس کشتی میں اچھے نشانچی موجود تھے اور وہ کسی بھی لمحے بوقام اور لعیشہ کے جہاز کو راکھ کا ڈھیر بنا سکتے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ جہاز کے ملاح تیزی سے راستہ بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں اور جہاز پر سے بھی جوابی کارروائی کی جا رہی ہے لیکن کشتی کے نشانچی زیادہ خطرناک ثابت ہو رہے ہیں۔ اچانک کشتی میں سے پھینکا جانے والا ایک گولہ جہاز کے بادبان کے بالکل قریب گرا اور بادبان میں آگ لگنے لگ گئی۔ تیز رفتار کشتی بڑی تیزی سے جہاز کے قریب پہنچ رہی تھی۔

میں نے اپنا سر پانی کے اندر کیا اور تیزی کے ساتھ تیرتا ہوا کشتی کے عین نیچے پہنچ گیا۔ پانی کے نیچے میرے ہاتھ کی ایک ہی جنبش نے کشتی کو الٹ دیا اور اس میں موجود افراد چند لمحوں کے اندر اندر پانی میں غوطے کھانے لگے۔ کشتی ڈوبتی چلی گئی۔

میں نے پانی میں سے سر نکال کر ایک بار پھر باہر کا منظر دیکھا۔ زیلا کے وہ چاروں جہاز جن کے بیڑوں میں میں نے سوراخ کئے تھے۔ تین چوتھائی سے زیادہ پانی میں ڈوب چکے تھے اور ان میں آگ بھی لگی ہوئی تھی۔ پیچھے والے جہازوں میں سے بھی کئی میں آگ لگ گئی تھی اور ان کی پیش قدمی رک گئی تھی۔ بوقام کے بیڑے کا بھی ایک جہاز جل رہا تھا اور کئی کشتیاں تباہ ہو گئی تھیں لیکن بوقام کے باقی جہاز اور کشتیاں اب ساحل کے بہت نزدیک پہنچ گئی تھیں اور وہ ساحل کی طرف سے تیروں کی زبردست بارش کے باوجود بیش قدمی کر رہی تھیں۔

بالآخر بوقام کے آدمی ساحل پر اترنا شروع ہو گئے۔ آدھی جنگ فتح کی جا چکی تھی۔ زیلا کی فوجوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ ان کا کمر بیڑہ مکمل طور پر تباہ ہو چکا تھا اور زیادہ تر بحری سپاہی مارے جا چکے تھے اب ساحل پر موجود فوج حملہ آوروں سے واضح طور پر خوفزدہ نظر آتی تھی۔ اگرچہ اس نے ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔ تاہم اس میں بدنظمی اور خوف کے آثار نظر آ رہے تھے۔

میں نیچے ہی نیچے تیرتا ہوا ساحل تک آ گیا اور پھر اچانک میں نے اپنا سر پانی سے نکالا۔ اب ساحل پر زبردست دست بدست جنگ شروع ہو گئی تھی۔ فریق اگرچہ تعداد میں کم تھے لیکن بڑی بے جگری سے اور بے خوفی کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ جب کہ زیلا کے سپاہی اپنی اعلیٰ جنگی مہارت کے باوجود بے یقینی اور وسوسے کا شکار نظر آ رہے تھے۔

میں تھوڑی دیر تک یہ منظر دیکھتا رہا۔ مجھے حملہ آوروں میں بوقام بھی نظر آیا جس کی تلوار خون سے تر بتر ہو رہی تھی اور جس کے سر کے اوپر میں ایک سرکٹ کر نیچے گر جاتا تھا۔ میں دل ہی دل میں اس کی شجاعت کی داد دینے لگا۔

اچانک میری نظر غوث پر پڑی۔ وہ خود جنگ میں حصہ نہیں لے رہا تھا بلکہ دور ایک ٹیلے پر کھڑا ہوا اپنے افسروں کو ہدایات دے رہا تھا۔ اچانک میرے ذہن میں ایک نیا خیال آیا اور میں پانی میں سے نکل کر سیدھا اس ٹیلے کے پاس جا پہنچا جس پر ارغوث کھڑا ہوا تھا۔ میں اس وقت بالکل خالی ہاتھ تھا جبکہ ارغوث کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ وہ مجھے اس حالت میں دیکھ کر حیران رہ گیا اور تلوار سونت کر میری طرف لپکا۔

"ٹھہرو، بیوقوف انسان!" میں نے اسے زور سے ڈانٹا اور میری بے خوفی سے متاثر ہو کر وہیں ٹھٹک گیا۔ میری قوت سے وہ اس سے پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ "اپنے سپاہیوں کو کیوں ہلاک کرا رہے ہو؟" میں نے اس سے کہا۔ "اگر تم اپنی فوج کے سب سے بہادر آدمی ہو تو آؤ مجھ سے مقابلہ کرو۔ ورنہ اپنے جس آدمی کو چاہو میرے مقابلے میں بھیج دو۔ اس مقابلہ کا نتیجہ ہی تمہاری قسمت کا فیصلہ کر دے گا۔ اگر تم اس سے اتفاق کرو تو؟"

"میں تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کا بدروح" ارغوث نے میری بات کے جواب میں غصے سے دھاڑا اور اس نے پوری قوت سے ساتھ اپنی تلوار میرے سر پر ماری۔ ایک زوردار آواز پیدا ہوئی اور ارغوث کی تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر گر گئی۔

اس اثنا میں وہاں کئی اور افسر بھی آ گئے تھے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ حیران کن منظر دیکھا۔ ارغوث تو یہ حیرت کر کے رہ گیا تھا اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ میں نے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ارغوث نے زور سے لات چلائی اور چیخ دے کر اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا۔ میں کے ساتھ ہی کئی تلواریں بیک وقت میرے جسم پر پڑیں اور ٹوٹ کر گر پڑیں۔ افسروں میں سے کئی ایک کھڑے ہوئے۔ ارغوث میرے ہاتھ کی گرفت میں بری طرح چیخ رہا تھا۔

میں ارغوث کو کھینچتا ہوا دھڑ لایا جہاں زیلا کا سارا لشکر پڑا ہوا تھا۔ "زیلا کے بہادرو!" میں نے زور سے چلا کر کہا۔ "تمہارا سردار میرے قبضے میں ہے۔ میں اسے شکست دے چکا ہوں۔ جنگ بند کر دو اور ہتھیار ڈال دو۔"

زیلا کے فوجیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ ارغوث سخت مشکل میں مبتلا تھا۔ وہ میری بات کی تردید بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ میری گرفت میں تھا اور ہزار کوشش کے باوجود خود کو آزاد نہیں کرا سکا تھا۔ اس نے خاموشی سے اپنی گردن جھکا دی۔ یہ گویا اپنے سپاہیوں کے سامنے اس کا اعتراف شکست تھا۔

"جنگ روک دی جائے!" میں نے بلند آواز سے کہا۔ دونوں طرف کے لوگوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ ارغوث کی فوج کے زیادہ تر

لوگ قید کر لیا گیا جن میں لاکاس اور ہرمیس بھی شامل تھے۔ ارغوث اب بالکل بے بس ہو چکا تھا۔ اس کے تمام سپاہیوں نے ہتھیار پھینک دیئے تھے۔ میں نے ارغوث کا ہاتھ چھوڑ دیا اور قبل اس کے کہ مجھے روکنا ممکن ہو سکے۔ میں نے جھک کر زمین پر پڑی ہوئی ایک تلوار اٹھائی اور اپنے پیٹ میں اتار لی۔ وہ بہادر تھا اور بہادروں کی طرح مرا۔ اس نے مفتوح اور شکست خوردہ ہو کر زندگی گزارنے سے بہتر سمجھا تھا۔

ارغوث کی اچانک اور دردناک موت نے ہم سب لوگوں کو بہت متاثر کیا۔ بہرحال پروفیسر جنگ تو جنگ ہے اور جنگ میں سب کچھ ہوتا ہے۔ زیلا کے تمام سپاہیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی صفیں بنا کر کھڑے ہو جائیں اور نئی ملکہ کا خیر مقدم کریں۔

میں نے بوقام سے کہا کہ وہ لعیشہ کو جہاز میں سے لے آئے۔ یہ سارا سلسلہ اتنی حیرتوں کا واسطہ پڑا تھا کہ اب اس نے حیران ہونا چھوڑ دیا تھا اور اسے اس بات کا یقین تھا کہ میں کوئی دیوتا ہوں جسے اس نے جنگ کی مدد کرنے کے لیے بھیجا گیا اور وہ میرے حکم کی تعمیل اسی طرح کر رہا تھا جس طرح دیوتاؤں کے حکم کی تعمیل کی جاتی ہے۔

لعیشہ نے جب ساحل پر قدم رکھا تو میں خود بھی اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ جس وقت ساحل پر خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں اس وقت لعیشہ جہاز پر بنے کمرے میں سنگھار میں مصروف تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اسے اس سرزمین پر ملکہ کی حیثیت سے قدم رکھنا ہے۔ اس کی سج دھج دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ نہایت قیمتی اور شاندار لباس پہنے ہوئے تھی۔ اس کے سارے بدن پر قیمتی زیورات سجے ہوئے تھے اور سر پر ایک تاج پہن رکھا تھا جس میں سچے موتی جڑے ہوئے تھے۔ یہ ان قیمتی سیپیوں سے بنے ہوئے جزیرے سے جمع کئے گئے تھے۔ لعیشہ کے گلے میں ایک وقت کئی ہار پڑے ہوئے تھے جو انہیں موتیوں کے تھے۔ سچ چہرے پر شفق کے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں جادو جگا رہے تھے اور شانوں پر پڑی ہوئی زلفیں سیاہ بادلوں کو جو ڈرا رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ کوئی آسمانی مخلوق ہے جو اتفاق سے زمین پر اتر آئی ہے۔ میں نے لعیشہ کو اس سے پہلے کبھی اس قدر حسین اور پرکشش نہیں پایا تھا۔

لعیشہ کی چال بھی بدل گئی تھی اب وہ بڑے باوقار انداز میں سر اٹھائے بڑھی آ رہی تھی۔ اس کے انداز میں ایک حکمرانی کی شان اور سنجیدگی نمایاں تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت عصا تھا جس کے دستے کی شکل ایک اڑتے ہوئے عقاب کی سی تھی۔

"شہر جیسے ہی ساحل پر آئی، سب سے پہلے بڑھ کر میں نے اسے تعظیم دی اور لعیشہ کو زمین کی ملکہ کا تخت مبارک ہو۔"

مسکرا کر کہا اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ وہ شاہانہ وقار کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔

پھر وہ سامنے آگے بڑھ کر اپنی بیٹی کو تعظیم دی۔ جو دنیا والوں کی نظروں میں اس کی منہ بولی بیٹی تھی۔

زیلا کے سپاہیوں کی صفوں کے سامنے سے لعیشہ اس طرح گزری کہ اس کے دائیں جانب میں تھا اور بائیں جانب بوقام۔ زیلا کے لوگ ہمارے کمانڈر کی ایک مختصر سی جماعت۔ میرے سوا ان میں سے ہر شخص مسلح تھا اور کسی بھی اچانک حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ زیلا کے سپاہیوں نے پیٹھ گردنیں جھکا جھکا کر لعیشہ کو تعظیم دی۔

زیلا کا عظیم الشان محل نئی ملکہ کا منتظر تھا۔ ارغوث کی شکست اور اس کی موت کی خبر ہم لوگوں کے وہاں قدم رکھنے سے پہلے ہی پہنچ گئی تھی اور پورے محل میں حالات بدل گئے تھے۔ تم تو جانتے ہی ہو پروفیسر، دنیا ہمیشہ جیتنے والے کے آگے ہی سر جھکاتی ہے اور فاتح کے حکم کی تعمیل کرتی ہے۔ ہم لوگ فاتحین کی حیثیت سے محل میں داخل ہوئے۔ محل کے دروازے پر جن مقتدر شخصیتوں نے ہمارا خیر مقدم کیا ان میں طاشرہ بھی شامل تھی۔ ایک بیحد کثیف دنزار بڑھیا جس کی بھنوؤں تک کے بال سفید تھے۔

"مجھے شاکا یہ اور ارغوث کی موت کا افسوس ہے بہرحال ان کا مقدر یہی تھا ان کی زندگی کے دن پورے ہو گئے اور اب میں تیرا تہ دل سے خیر مقدم کرتی ہوں لعیشہ۔" بڑھیا نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"شکریہ طاشرہ!" لعیشہ نے جواب دیا۔ "تم ہمیشہ مجھے اپنا دوست پاؤ گی۔"

اسی شام کو لعیشہ نے پہلا دربار منعقد کیا۔ اس سے پہلے پورے شہر میں منادی کرا دی گئی کہ لعیشہ ان تمام افسروں اور امیروں کے لیے عام معافی کا اعلان کرتی ہے جو اس کے ساتھ وفاداری کا حلف اٹھانے کو تیار ہیں۔ انہیں چاہیے کہ شام کو دربار میں حاضری دیں۔ ساتھ ہی گرفتار شدہ افسروں اور امیروں تک بھی یہ پیغام پہنچا دیا گیا اور ان سبھوں نے لعیشہ سے وفاداری کا اعلان کیا۔ انہیں رہا کر دیا اور شام کو دربار میں حاضر ہونے کی ہدایت کی گئی۔ سارا ہنگامہ ہوں میں لاکاس اور ہرمیس بھی شامل تھے۔

دربار بڑی شان و شوکت کے ساتھ منعقد کیا گیا۔ میں سارا دن لوگوں کی توجہ کا مرکز اور ان کی گفتگو کا موضوع رہا تھا اور زیلا کے زیادہ تر لوگوں کا خیال تھا کہ مجھے لعیشہ کا وزیر اعظم یا سپہ سالار مقرر کیا جائے گا۔ میری حیرت انگیز قوتوں کے قصے دور دور تک پھیل گئے تھے اور لوگ مجھے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے میں کوئی عجوبہ ہوں۔ درحقیقت میں عجوبہ تھا بھی۔ زمین کی حسینائیں میری ایک جھلک دیکھنے کو بیتاب تھیں۔ تم تو جانتے ہو پروفیسر یونان کی عورت نے ہمیشہ بہادروں سے پیار کیا ہے۔

سارے افسران اور امراء دربار میں جمع ہوئے اور انہوں نے لعیشہ سے وفاداری کا اعلان کیا۔ اس کے جواب میں لعیشہ نے انہیں جو کچھ دیا

Scanned by AzamFamily.com

aazzamm@yahoo.com

اسے دیکھ کر میں آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ہر ایک کو ایک چھوٹی سی خوبصورت ڈبیہ دی گئی جس میں دس دس دانے چمکتے موتیوں کے موجود تھے۔ یہ وہی موتی تھے جو نئے جزیرے سے حاصل کئے گئے تھے۔ ان میں سے ایک ایک موتی بہت زیادہ بیش قیمت تھا اور ازیلا کے امراء میں سے کسی نے بھی کبھی اتنے بڑے بڑے موتی نہیں دیکھے تھے۔ لاگاس اور ہرمیس بھی دربار میں حاضر ہوئے اور انہوں نے لعیشہ سے وفاداری کا اعلان کیا۔ انہیں بھی انعام میں موتی دیئے گئے۔ لیکن یہ بات میں صاف طور پر محسوس کر رہا تھا کہ وہ اس کے دل میں میری طرف سے زہر بھرا ہوا ہے۔ وہ اپنی ذلت کو کبھی بھی نہیں بھولا تھا اور اگرچہ اس نے لعیشہ کی اطاعت قبول کر لی تھی لیکن اس کی نگاہوں میں میرے لیے سخت کینہ توزی پائی جاتی تھی۔ وہ کڑی نظروں سے مجھے گھور رہا تھا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اسے بھی اس وقت بڑا تعجب ہوا جب لعیشہ کے دربار میں اس کی فوج میں کوئی عہدہ نہیں دیا گیا اور اس غلطی کا قلمدان بوقام کے سپرد کیا گیا۔

دربار برخاست ہوا اور رات ڈھلنے لگی۔ آج ازیلا کے محل میں زبردست رونق تھی۔ لعیشہ پہلے بھی اسی محل میں رہتی تھی اور اس کے چپے چپے سے واقف تھی۔ لیکن آج اس کی حیثیت دوسری تھی۔ پہلے وہ محکوم تھی آج وہ حاکم تھی۔ کھانا کھانے کے بعد لعیشہ مجھے محل کی سیر کرانے کے لیے لے گئی۔ اس نے محافظوں کو ساتھ آنے سے منع کر دیا اور تنہا مجھے محل دکھانے لگی۔

میں نے لعیشہ کو بتایا کہ مجھے محل میں دیکھنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور میرے لیے اس محل میں کوئی نئی بات نہیں ہے لیکن لعیشہ میرا ہاتھ پکڑے مجھے مختلف عمارتوں سے گزارتی ہوئی محل کے ایک دور دراز گوشے میں لے آئی۔

"یہ ہے محل کا وہ حصہ جہاں میری رہائش تھی۔" اس نے ایک خواب گاہ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

میری نظروں کے سامنے ایک حسین اور سجائی سجائی خواب گاہ تھی جسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس کی سجاوٹ ابھی چند لمحے قبل پایۂ تکمیل کو پہنچی ہے۔ یقیناً لعیشہ نے حکم دے کر اس کو خاص طور پر آراستہ کروایا ہوگا۔

میں لعیشہ کے ساتھ ہی خواب گاہ میں داخل ہو گیا اور لعیشہ نے خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ میں حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔" لعیشہ نے ایک شان دلربائی سے کہا۔ "مجھے تنہائی درکار تھی اس لیے میں تمہیں یہاں لائی ہوں۔"

"کہو لعیشہ۔" اس نے کہنا شروع کیا۔ "میں اب زمین کی ملکہ ہوں اور یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہے اگر تم میری مدد نہ کرتے تو میں کبھی زمین کی حکومت کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ تم کون ہو اور کیا ہو اس کے بارے میں تفصیلات پیش کرنے سے یہ اعلم قاصر ہے البتہ تمہاری بعض خصوصیات سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ تم شہر سحری کے ایک لطیف و پرکیف جھونکے کی طرح میری زندگی میں داخل ہوئے ہو اور اسی طرح چپکے سے دبے پاؤں نکل جاؤ گے بہت مجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہے۔ میں زمین کی ملکہ اس وقت تک رہوں گی جب تک میں شادی نہ کروں۔ شادی کرنے کے بعد مجھے یہ حکومت اپنے شوہر کے حوالے کرنی پڑے گی اور میں اس کے لیے تیار نہیں ہوں چنانچہ میرا فیصلہ ہے کہ میں زندگی بھر شادی نہیں کروں گی اور پھر کیا میں شادی کر بھی کیسے سکتی ہوں جس عورت نے تمہیں قریب سے دیکھا ہو وہ کسی دوسرے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔"

اس کے ان الفاظ نے مجھے چونکا دیا۔ میرے وہم و گمان میں نہ تھا کہ لعیشہ کے دل میں میرے لیے اس قسم کے جذبات ہوں گے میں اسے اس کے تدبر و حکمت کے باوجود ایک چھوٹی سی لڑکی ہی سمجھتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ سر کے دل میں جذبات کا سمندر موجیں مار رہا ہے۔

میں خاموشی کے ساتھ لعیشہ کی خواب گاہ کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ محل میں دور دور تک سناٹا پھیلا ہوا تھا اور کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔ تاہم جگہ جگہ قندیلیں روشن تھیں جن کی روشنی میں در و دیوار کے لمبے لمبے سائے نظر آتے تھے۔

میں لعیشہ کی خواب گاہ سے نکل کر ایک لمبی راہداری میں آگے بڑھ گیا۔ اب میں جس جگہ سے گزر رہا تھا وہاں نسبتاً اندھیرا تھا اچانک میں نے محسوس کیا کہ کوئی میرے پیچھے آ رہا ہے۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک سیاہ سایہ میرے تعاقب میں چلا آ رہا تھا۔ آنے والے کے پاؤں تک ایک سیاہ رنگ کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا اور وہ [illegible] کا ایک جز معلوم ہوتا تھا اس کا چہرہ بالکل نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں رک گیا اور آنے والے کا انتظار کرنے لگا۔

سایہ میرے قریب آ کر ٹھہر گیا۔ "تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"چاہتا ہوں نہیں، چاہتی ہوں۔" سائے میں سے ایک [illegible] آواز بلند ہوئی اور دو ہاتھوں نے نقاب الٹ دیا۔ میں نے [illegible] میں طائرہ کو پہچان لیا۔

"میں تم سے تنہائی میں چند باتیں کرنا چاہتی ہوں کیا اس [illegible] جو بھی تمہارا نام ہے۔" اس نے مجھ سے کہا تھا اور اس کے لیے اس سے بہتر وقت کوئی اور نہیں ہو سکتا کیونکہ دن کی مصروفیات تمہیں تنہا نہیں چھوڑیں گی۔ تم اس وقت جہاں سے آ رہے ہو اس کے بارے میں مجھے معلوم ہے۔" اس کے بوڑھے جھریوں بھرے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ ابھری۔

"فی الحال میرا نام کیا اس سے ہے۔" میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "تم میرے بارے میں کچھ جاننا چاہتی ہو؟"

"کسی کے بارے میں پیدا کرنے والے کی۔ میرا سارا علم تمہارے بارے میں کچھ بھی بتانے سے قاصر ہے۔" اس نے اپنی کھوکھلی آواز میں کہا۔ "میں نے تمہیں کو دیکھ کر زرد دیر میں ہی اس کے بارے میں سب کچھ معلوم کر لیا تھا۔ ستاروں کے ستارے مجھے اس کے بارے میں سب کچھ بتا دیتے ہیں۔ تم دنیا کے عجیب ترین انسان ہو۔ تمہارے بارے میں ستارے بالکل خاموش ہیں۔ کوئی اشارہ نہیں۔ کوئی ذرا سا بھی اشارہ نہیں ملتا ہے جس سے کہ تم کو کیا سمجھوں۔ ویسے آج دن بھر تمہاری غیر معمولی [illegible] کے چرچے رہے ہیں۔ تم یقیناً دیوتا کا کوئی وتار ہو۔ اگر ایسا ہے تو مجھے [illegible] میں تمہاری مناسب تعظیم کر سکوں اور تم سے کچھ [illegible] کر سکوں۔"

"تم تمہیں میری بات کا یقین نہیں کرو گی طائرہ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں نہ تو کوئی دیوتا ہوں اور نہ کسی دیوتا کا اوتار ہوں۔ میں [illegible] بات شاید مجھے خود بھی پورے طور پر معلوم نہیں ہے۔ مجھے کسی قسم کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی میں تمہیں جو کچھ مانگنا ہے دیوتاؤں [illegible] کے پاس کسی کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔"

"تم ایک بہادر اور غیر معمولی انسان ہو۔ نہ جانے [illegible] تمہارے بارے میں خاموش کیوں ہیں۔ میں تمہیں اس بات سے خبردار [illegible] سمجھتی ہوں کہ لاگاس تمہارے خون کا پیاسا ہے اور وہ [illegible] کے بعد تم کو قتل کر دے گا۔ تمہیں اس کی طاقت سے مرشد [illegible] ہے اور تمہاری [illegible] ہے۔" طائرہ نے کہا۔

"اس طاقت کے لیے تو شکریہ۔" میں نے جواب دیا۔ "اور میرے [illegible] تم فکر نہ کرو۔ مجھے خود بھی معلوم نہیں کہ میں کون ہوں [illegible] کے بارے میں کیا معلوم کر سکتی ہو۔ اور میں آگے بڑھ گیا۔ مجھے [illegible] کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

[illegible] طائرہ نے [illegible] وہ سچ تھا۔ دوسرے دن لاگاس [illegible] میں [illegible] کے [illegible] زیر دست جشن کا [illegible] [illegible] بھی [illegible] تھا جس کے دوران [illegible] [illegible] کر رہی تھیں۔ میں نے محسوس کیا کہ [illegible] [illegible] ہوا جس کے [illegible] ایک کشش تھی جس [illegible] [illegible] کھانے پینے کی [illegible] [illegible] جام [illegible] [illegible] میں نے [illegible] [illegible] کہا۔ میں نے مسکراتے ہوئے [illegible] [illegible] گیا [illegible] ہوتے [illegible] [illegible] بنا لی اور [illegible] [illegible] بند ہو چکا تھا۔

[illegible] میں نے [illegible] کہا۔ [illegible] کے [illegible] بیٹھی تھا [illegible] دیدہ نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"لاگاس۔" میں نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔ "اب ہمارے درمیان دشمنی ختم ہو چکی ہے۔ ہم دوست بن گئے ہیں۔ تم پچھلی باتوں کو بھلا دیں۔ اور دوستی کے معاہدے کریں۔" میری آواز کافی بلند تھی اور بہت سارے مہمان ہماری طرف متوجہ ہو گئے۔

"ہاں آپس میں دوستی کا لاگاس نے جواب دیا۔ اس کے لہجے کی رقت کو محسوس کر رہا تھا۔ "ہمیں ساری پرانی تلخیوں کو فراموش کر دینا چاہیے۔ اب ہم ایک نئی زندگی کا آغاز کر رہے ہیں۔"

"تو آؤ اس نئی زندگی کا آغاز ہم اس جام سے کریں۔" میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "پینے سے پہلے تم چند گھونٹ پیو پھر میں چند گھونٹ پیوں گا۔ اور اس طرح ہم اپنی دوستی کی تکمیل کریں گے۔"

میں نے دیکھا کہ لاگاس کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا ہے اس کے ہاتھوں میں ہلکی ہلکی لرزش تھی۔

"یہ جام تمہارے لیے ہے۔" میں نے اس سے وہ آواز میں کہا۔ "میں پہلے دوسرا جام اٹھاؤں گا۔ ہم دونوں ایک ساتھ پئیں گے۔"

"نہیں۔" میں نے انکار کرتے ہوئے کہا۔ "ہم دونوں ایک ہی جام سے اور اسی جام سے پئیں گے۔ اب سارے مہمان ہمارے حریف متوجہ تھے۔

اور یہ واقعہ بھی میری زندگی کا ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ ثابت ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے اپنی طویل زندگی میں بہت کم لوگوں کو اس جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے دیکھا ہے۔ لاگاس نے جام میرے ہاتھ سے لے لیا۔ اس کی انگلیاں بری طرح کانپ رہی تھیں۔ اس نے جام سے چند گھونٹ پیئے اور جام مجھے واپس کر دیا۔ میں نے فوراً جام اپنے ہونٹوں سے لگایا اور اسے خالی کر دیا۔

لاگاس بھری محفل میں اپنے آپ کو ذلیل و رسوا نہیں کروانا چاہتا تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر وہ اس جام کو پینے سے مسلسل انکار کرے گا تو اہل محفل اس کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس نے اپنی جرأت اور وقار کی خاطر موت کو گلے لگا لیا۔ میں نے محسوس کیا کہ جب میں نے جام کو پی لیا تھا تو لاگاس کے ہونٹوں پر ایک گہری مسکراہٹ رقصاں تھی۔ اس کی زندگی کی آخری مسکراہٹ جس میں یہ یقین شامل تھا کہ اس کے مرنے کے بعد بھی زندہ رہ سکوں گا کیونکہ میں بھی اس کی طرح زہر پی رہا تھا۔

چند لمحوں میں لاگاس نے دم توڑ دیا اور پوری محفل میں ایک کہرام برپا ہو گیا۔ لوگ لاگاس کی موت کا سبب سمجھنے سے قاصر تھے۔ جام میں زہر ہو سکتا تھا لیکن اس کے سامنے زندہ سلامت اور شاداں و فرحاں کھڑا تھا۔

جشن طرب بزم ماتم میں تبدیل ہو گیا۔ لاگاس کے آخری سفر

Scanned by aazamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

کی تیاریاں شروع کر دی تھیں اور میں نے ازبیلا کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے بوقام اور لعشیہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا تھا۔ لعشیہ کو ازبیلا کی حکومت مل گئی تھی اور اب میرے وہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ چنانچہ خلوت کی تاریکی میں میں محل سے باہر نکلا۔ میں نے ایک نظر پلٹ کر محل کو دیکھا اور پھر کسی سمت کا تعین کیے بغیر چل پڑا۔ میری اگلی منزل کون سی تھی مجھے اس کے بارے میں خود بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔ لعشیہ اور بوقام کو ان کے حال پر چھوڑ کر اب میں نئی دنیاؤں کی تلاش روانہ ہو گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ ہمیشہ کی طرح اب ان لوگوں سے میری کبھی ملاقات نہیں ہو سکے گی جنہیں میں اپنے پیچھے چھوڑے جا رہا تھا۔ میں ان کی دنیا سے ہمیشہ کے لیے نکل آیا تھا۔

میں نے ساری رات اپنا سفر جاری رکھا ازبیلا کا شہر اور اس کے مضافات اب بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ میں وسیع گنجان اور تاریک جنگلوں سے گزرتا ہوا چلا آیا تھا۔ مجھے نہ مت کا پتہ تھا اور نہ یہ معلوم تھا کہ میں نے کتنا سفر طے کر لیا ہے اور اب میں کہاں ہوں۔ بہرحال اتنا اندازہ مجھے ضرور تھا کہ میں سمندر کے علاقے سے بہت دور نکل آیا ہوں کیونکہ اب میں جس جگہ سے گزر رہا تھا، وہاں کی ہوا میں رطوبت کے بجائے خشکی کا احساس ہو رہا تھا۔ رات ڈھلنے لگی ستارے ایک ایک کر کے نظروں سے اوجھل ہونے لگے۔ دور افق پر ایک سفید مدھم سی لکیر نمودار ہونے لگی جو بہت آہستہ آہستہ پھیلتی جا رہی تھی۔ ساری رات مختلف اقسام کے جنگلی جانوروں سے میری مڈبھیڑ ہوتی رہی تھی۔ ان میں بعض خطرناک درندے بھی شامل تھے، لیکن ان میں سے کسی نے مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ تم تو جانتے ہی ہو پروفیسر کہ جنگل دن کو سوتے اور رات کو جاگتے ہیں۔ رات کو جنگل کی اپنی ایک زندگی ہوتی ہے جس کا تجربہ صرف انہیں لوگوں کو ہوتا ہے ——————

جنہیں جنگل میں راتیں گزارنے کا موقع ملا ہو اور میں تو ہر قسم کے تجربوں سے گزر رہا تھا۔ اور گزرنے کے لیے تیار تھا۔

اب بلا جھجک، بلا جھینپ شروع ہو چکا تھا اور میں اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے منظر کو دیکھ سکتا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو انتہائی خوبصورت اور سرسبز و شاداب وادی میں پایا جس کے تین اطراف میں بڑے بڑے پہاڑ کھڑے ہوئے تھے اور ایک طرف صاف و شفاف پانی کا ایک دریا اپنی مترنم آواز میں بہہ رہا تھا۔ یہ ایک بہت بڑی وادی تھی اور اس میں دور تک چھوٹے چھوٹے مکانوں کی قطاریں نظر آ رہی تھیں۔ البتہ بعض مکان کافی بڑے اور بلند بھی نظر آ رہے تھے۔ ابھی تک مجھے کوئی انسان نظر نہیں آیا تھا۔ شاید بستی کے لوگ ابھی تک محو خواب تھے کیونکہ ابھی تک سورج نہیں ہوا تھا۔

میں ایک بڑے سے پتھر کے تنے سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گیا۔ اور میں نے آرام سے اپنی ٹانگیں زمین پر پھیلا دیں۔

نہ جانے یہ جگہ کون سی ہے اور یہاں رہنے والے کون لوگ ہیں میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ بہرحال کوئی بھی ہوں، مجھے ان سے کیا لینا ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ کچھ دیر یہاں ٹھہر کر اور بستی کی سیر کر کے آگے چلا جاؤں گا۔ لیکن مجھے یہ بات نہیں معلوم تھی کہ حیرت انگیز واقعات کی ایک دنیا میرے انتظار میں یہاں موجود ہے۔ میں رات بھر چلتا رہا تھا، اس لیے صبح کی ٹھنڈی ہوا میں مجھے بہت فرحت محسوس ہوئی اور آہستہ آہستہ میری آنکھیں بند ہو گئیں۔

میں شاید زیادہ دیر تک نہیں سویا تھا کہ اچانک میری آنکھ کھل گئی کچھ لوگ زور زور سے میرے قریب باتیں کر رہے تھے۔ میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا وہ تعداد میں پانچ تھے اور مختلف قسم کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ وہ بڑے قوی ہیکل اور مضبوط جسموں کے لوگ معلوم ہوتے تھے ان میں سے ایک کا لباس باقی چاروں کے لباسوں کے مقابلے میں زیادہ اعلیٰ درجے کا معلوم ہوتا تھا۔ وہ غالباً ان سب کا سردار تھا۔

"مجھے یہ کوئی مفرور غلام معلوم ہوتا ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ "شاید کسی وقت کر کے بھاگا ہے۔"

"یہ قاتل تو ہو سکتا ہے۔" دوسرے نے جواب دیا۔ "شکل و صورت سے غلام نہیں لگتا۔ اس کی رنگت کتنی لاجواب ہے اور جسم کتنا خوبصورت ہے۔"

"غلاموں کے سر پر کیا سینگ لگے ہوتے ہیں؟" تیسرے شخص نے جو سردار نظر آ رہا تھا، کہا۔ "کیا غلام خوبصورت اور صحت مند جسموں کے مالک نہیں ہو سکتے؟ اس سے پوچھو کہ یہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے، اور یہاں اس وقت کیا کر رہا ہے۔"

ان میں سے دو آدمی اپنے گھوڑوں سے نیچے اتر آئے اور میرے قریب آ کر مجھے غور سے دیکھنے لگے۔ میں بھی ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگا۔ ان کے چہرے پر اضطراب کے آثار نظر آ رہے تھے۔

"تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"میں تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں اور آرام کر رہا ہوں۔" میں نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے جواب دیا۔

"یہاں میں یہ بتاتا چلوں پروفیسر کہ یہ یونان کی تاریخ کا وہ دور تھا۔ جب انسانوں کو غلام بنانا ایک عام سی بات تھی۔ دور دراز ملکوں سے غلام لائے جاتے تھے۔ بلکہ اندرون ملک لوگوں کو بھی غلام بنایا جاتا تھا اور انہیں ساری زندگی اپنے آقاؤں کی خدمت میں گزارنی پڑتی تھی۔ سمندر میں بڑے بڑے جہاز غلاموں کی تلاش میں گھوما کرتے تھے اور ادھر ادھر سے لوگوں کو پکڑ کر ان کو بذریعہ طاقت اسیر کر کے غلام بنا لیا جاتا تھا۔ اور جہازوں میں لاد کر دور دراز کے ملکوں میں فروخت کر دیا جاتا تھا۔ ہتھیار بند لوگوں کے گروہ ادھر سے ادھر گھوما کرتے تھے اور اکا دکا لوگوں کو پکڑ کر انہیں اپنا غلام بنا لیتے تھے اور غلاموں کے کسی تاجر کے ہاتھوں انہیں فروخت کر کے ملک سے باہر بھجوا دیتے تھے۔ یونان کے غلاموں کی المناک زندگی سے متعلق بہت سے دلچسپ اور حیرت انگیز واقعات میرے سینے میں محفوظ ہیں جنہیں میں پھر کبھی سناؤں گا۔

میں ان لوگوں کو کچھ کچھ پہچان رہا تھا۔ یہ لوگ اپنے تیوروں سے مجھے مشکوک نظر آ رہے تھے۔ ان کا تعلق شاید غلاموں کی تجارت سے تھا اور بیکار کا لوگوں کو پکڑ کر غلام بنایا کرتے تھے۔ میری سوچ غلط نہیں نکلی۔

"یہ نڈر بھی لگتا ہے اور حاضر جواب بھی یقیناً اس نے کسی اچھے ماحول میں زندگی گزاری ہے۔ کافی بڑی رقم دے جائے گا۔" سردار نے اپنے قریب کھڑے ہوئے سوار سے مخاطب ہو کر کہا۔ اس کی زبان اور لب و لہجہ بھی صاف ہے۔

"تم کہاں کے رہنے والے ہو اور یہاں اس وقت کیا کر رہے ہو؟" اس بار سردار نے براہ راست مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"تمہارے سوال کے دوسرے حصے کا جواب میں پہلے ہی دے چکا ہوں اور پہلے حصے کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا۔" میں نے ہنس کر کہا۔ بات دراصل یہ تھی پروفیسر کہ میں نے اپنی زندگی کے کافی دن کسی نہ کسی صورت میں غلام بن کر گزار لیے تھے اور اب فی الحال میں دوبارہ غلام بننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں کافی عرصہ الیشیئن کی قید میں رہا تھا، پھر مجھے شاکانہ نے "خرید" لیا اور میں نے غلامی کی زندگی کے کافی تجربات حاصل کر لیے۔ اگرچہ فی الحقیقت کہیں بھی میرے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا گیا جو سرزمین یونان پر غلاموں کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ لیکن اب میں اس زندگی کو دوبارہ اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"بڑے مغرور معلوم ہوتے ہو۔" سردار نے کہا۔ "کچھ کام دھندا بھی جانتے ہو؟ فن سپہ گری سے واقف ہو؟"

"جب میں تمہارے پاس اس درخواست کے ساتھ آؤں کہ تم مجھے اپنی ملازمت میں قبول کر لو، اس وقت تم مجھ سے یہ سارے سوالات پوچھ لینا۔" میں نے سخت لہجے میں جواب دیا۔ "اس وقت مجھے راستہ چھوڑ دو اور اپنا راستہ لو۔"

"ہوں۔ تو یہ بات ہے۔" سردار نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "شاید معلوم نہیں کہ تم اس وقت کس سے گفتگو کر رہے ہو۔ میرا نام ارزاس ہے اور تم جیسے لوگ میری دولت میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔ یہاں سے روزانہ جہاز ایک ویران ساحل پر لنگر انداز ہیں جس میں تمہارے اور بھی ساتھی بند موجود ہیں اب تم اس سرزمین کو دوبارہ نہیں دیکھ

سکو گے مجھے اب مزید تلاش کی ضرورت نہیں۔ تنہا تمہاری قیمت دس عام غلاموں کی قیمت سے بھی زیادہ ہو گی۔ بڑا خوبصورت بدن ہے تمہارا۔" یہ کہہ کر وہ بڑے زور سے ہنسا۔ اس کا قہقہہ بڑا خوفناک تھا۔ ساتھ ہی اس نے اپنے برابر کھڑے ہوئے شخص کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور پروفیسر اس شخص نے اس قدر حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ مجھ پر چال پھینکا کہ چیخ تک نہ نکلی۔ میں سمجھ ہی نہ سکا کہ ہوا کیا۔ اور پھر مجھے اندازہ ہوا کہ میرے جسم کا اوپری حصہ رسیوں کی مضبوط ڈوریوں میں جکڑا جا چکا ہے۔ میں جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور میرے کھڑے ہوتے ہی چال نے میری ٹانگوں کو بھی اپنی گرفت میں لے لیا۔ سردار کے ساتھی کے ہاتھ کی ایک جنبش نے میری ٹانگوں کی آزادی بھی چھین لی۔ اب میں مچھلی کی طرح جال میں پھنسا ہوا تھا۔

"تمہاری بدزبانی کی سزا کے طور پر میں تمہیں قتل بھی کر سکتا تھا۔" سردار نے حقارت آمیز لہجے میں مجھ سے کہا۔ "لیکن میں بنیادی طور پر ایک کاروباری آدمی ہوں اور کاروبار کا پہلا اصول یہ ہے کہ جذبات کو عقل پر غالب مت آنے دو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم ایک کامیاب قسم کے غلام ہو اور میں تمہاری بہت زیادہ قیمت وصول کر سکتا ہوں۔ اس لیے میں تمہیں مارنے کے بجائے گرفتار کرنا زیادہ پسند کروں گا۔"

پروفیسر میں گرچہ بات تو چند لمحوں میں یہ سارا ڈرامہ ختم ہو سکتا تھا۔ بھلا ایسے میری یہ ڈرامہ بازی آزادی کی راہ میں کیا رکاوٹ بن سکتی تھیں ایک بار تو میرا جی چاہا کہ انسانوں کی تجارت کرنے والے ان بدروحوں کو یہیں جہنم واصل کر دوں اور خود کہیں آگے نکل جاؤں لیکن پھر خود ہی میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ سردار نے اپنے جہاز کا ذکر کیا ہے جو یہاں سے کافی فاصلے پر ایک ویران ساحل پر کھڑا ہوا ہے اور جس میں بہت سے غلام موجود ہیں۔ میں نے ان لوگوں کو زیادہ بڑی اور زیادہ کڑی سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ میں نے خود کو جال سے آزاد کرانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

سردار کے ساتھی نے ڈوری کھینچی اور جال کو میرے جسم کے گرد اور زیادہ سختی کے ساتھ کس دیا۔ میرے دونوں بازو پہلوؤں کے ساتھ لگے ہوئے تھے اور دونوں ٹانگیں سیدھی ہو کر آپس میں جڑ گئی تھیں۔ میں زمین پر کھڑا ہوا تھا۔ لیکن اپنی مرضی سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتا تھا۔

میرے قریب کھڑے ہوئے دونوں آدمیوں نے سردار کے اشارے پر مجھے دھکا دے کر پیچھے گرا دیا اور پھر انہوں نے مجھے اٹھا لیا۔ میرا وزن کوئی غیر معمولی نہیں تھا۔ تم تو دیکھ ہی رہے ہو پروفیسر میری جسامت ایک عام صحت مند انسان کی جسامت سے زیادہ نہیں ہے انہوں نے مجھے اٹھا کر گھوڑے کی پیٹھ پر لادا اور پھر اچھی طرح سے مجھے گھوڑے کے جسم کے ساتھ باندھ دیا تاکہ میں گر نہ سکوں۔ سردار نے اپنا گھوڑا بڑھایا اور باقی چاروں آدمی بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے جس گھوڑے پر مجھے لادا گیا تھا وہ درمیان میں تھا اور تب پروفیسر میں نے فیصلہ کیا کہ اب ارزاس کو کڑی سزا ملنی ہی چاہیے اور اس کے لیے میں نے اپنے آپ کو تیار کرنا شروع کر دیا۔

Scanned by aazzamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

راستے میں ان لوگوں کی آپس کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ سردار جس کا نام رفاس ہے۔ غلاموں کا ایک بین الاقوامی گروہ ہے جو بڑے بڑے جہازوں کا مالک ہے۔ اس کے جہاز دنیا میں ہر جگہ گھومتے پھرتے رہتے ہیں اور اس کے مسلح کارندے ہر جگہ سے انسانوں کو پکڑ پکڑ کر لاتے ہیں اور انہیں غلام بنا لیتے ہیں۔ پھر ان غلاموں کو جہازوں کے ذریعے ان کے اصل وطن سے ہزاروں میل دور پہنچا دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے وطن کو، اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو کبھی زندگی بھر دوبارہ نہیں دیکھ سکتے اور اجنبی سرزمینوں پر اجنبی لوگوں کے درمیان اپنی دکھ بھری زندگی گزارتے رہتے ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ بردہ فروشوں کا یہ گروہ زیلیا میں غلاموں کی تلاش میں آیا ہوا ہے۔ لیکن زیلیا میں ہونے والی اچانک سیاسی تبدیلیوں کے باعث انقلاب جلد ہی یہاں سے نکل جانا چاہتا ہے۔ رفاس اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ نئے حکمران نے قزاقوں کی مدد سے زیلیا کی حکومت پر قبضہ کر لیا ہے لیکن دراصل اس کے سر پر ایک ایسے پراسرار شخص کے سر ہے جس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے لیکن وہ شخص حیرت انگیز اور غیر انسانی قوتوں کا مالک ہے۔ سنا ہے کہ اس پر کوئی ہتھیار اثر نہیں کرتا۔ سارے زیلیا میں اس شخص کے جادو کی کہانیوں کا شہرہ ہے۔ بچے بچے کی زبان پر اس کی شجاعت کے قصے ہیں۔

"اگر وہ شخص ہمیں تنہا مل جائے تو" ان میں سے ایک نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو وہ شاید ہم سب کا قیمہ بنا ڈالے۔" رفاس نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔

میں ان لوگوں کی گفتگو سن کر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ ان بے وقوفوں کو اس بات کا کوئی علم نہیں تھا کہ وہ ایک غلام کو نہیں بلکہ اپنی موت کو اپنے ساتھ لیے جا رہے ہیں۔

ویرانوں اور جنگلوں سے گزرتا ہوا ہمارا چھوٹا سا قافلہ شام تک سفر کرتا رہا۔ زیلیا بہت پیچھے رہ گیا تھا وہ وادی بھی اب بہت دور رہ گئی تھی جہاں میں نے قیام کیا تھا۔ جہاں سے مجھے گرفتار کیا گیا تھا اور جہاں سے ان نئے واقعات کی ابتدا ہوئی تھی جس میں سات دن گھوڑے کی پیٹھ پر پڑا رہا تھا۔ اس دوران انہوں نے صرف ایک بار مجھے ایک برتن سے پانی پلایا تھا۔ برتن ایک بردہ فروش کے ہاتھ میں تھا جس کو اس نے میرے منہ سے لگا دیا تھا اور میں نے اس طرح بے تاب ہو کر پانی پیا گویا میں سخت پیاسا تھا اور بغیر پانی کے مر جاؤں گا۔ دراصل بردہ فروش انہیں اپنے بارے میں ایسا کوئی تاثر نہیں دینا چاہتا تھا کہ میں کوئی غیر معمولی انسان ہوں۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں پورے زیلیا میں اس غیر معمولی انسان کے بارے میں چرچے تھے اور ان بردہ فروشوں نے بھی میرے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ میں انہیں وقت سے پہلے ہوشیار نہیں کرنا چاہتا تھا۔

چلتے چلتے شام ہو گئی۔ ایک جگہ سرسبز درختوں کے جھنڈ کے نیچے انہوں نے گھوڑے روک لیے۔ "اب ہمیں یہاں قیام کرنا چاہیے۔" رفاس نے کہا "ہمیں چلتے ہوئے سارا دن گزر گیا ہے اور اب رات بھر آرام کرنے کے بعد صبح ہم دوبارہ روانہ ہوں گے۔ اس کے بعد زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کے اندر ہم اپنے جہاز پر ہوں گے۔" اس کے باقی ساتھیوں نے اس سے اتفاق کیا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم لوگ اب ساحل سے بہت زیادہ دور نہیں تھے۔

ان لوگوں نے مجھے گھوڑے سے نیچے اتارا اور سرسبز گھاس پر شاداب درختوں کے نیچے لٹا دیا۔ ان کی رسیاں کھول دی گئیں کیونکہ میں ناممکن تھا کہ میں کھڑا ہو سکوں اور میری رگوں کا خون منجمد نہ ہو جاتا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک مضبوط ڈوری میری کمر کے گرد باندھی اور اس کا دوسرا سرا ایک مضبوط درخت کے موٹے سے تنے کے ساتھ باندھ دیا تاکہ میں بھاگ نہ سکوں۔ جسم کا بالائی حصہ اور میرے دونوں بازو حسب سابق سختی کے ساتھ ریشم کی ڈوریوں سے بندھے ہوئے تھے۔

آگ روشن کر دی گئی۔ راستے میں ان لوگوں نے ایک چھوٹے سے ہرن کا شکار کیا تھا۔ اب ان میں سے ایک شخص نے ہرن کی کھال اتاری اور اس کے گوشت کے پارچے بنانے لگا۔ پھر انہیں بڑے بڑے سیخوں پر پرو کر آگ پر بھونا جانے لگا۔ سوندھے سوندھے گوشت کی خوشبو سارے جنگل میں پھیل گئی۔ دیر بعد وہ پارچوں کو منہ سے میٹھے گوشت کھا رہے تھے اور انہوں نے مجھے اس طرح نظر انداز کر دیا تھا گویا میرا کوئی وجود ہی نہ ہو۔ مجھے صرف پانی پلانے پر اکتفا کیا گیا۔ میرے لیے اس میں حیرت کی بات نہیں تھی۔ قزاقوں کے نزدیک غلاموں کو صرف اتنا کھانا دینے کی ضرورت تھی جس کی توانائی کو برقرار رکھے اور انہیں زندہ رہنے، کام کرنے اور اپنی نسل بڑھانے کے قابل رکھے۔ اسیری کی حالت میں غلاموں کو بھوکا رکھنا اور انہیں برائے نام غذا دینا ایک عام بات تھی۔

یہ لوگ انہیں نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور آپس میں دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ اب ان کی گفتگو کا موضوع زیلیا نہیں تھا۔ وہ اب اپنے اس جہاز کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے جو ویران ساحل پر کھڑا ہوا تھا اور جہاں صبح کو پہنچنے والے تھے۔ ان لوگوں کی گفتگو سے مجھے یہ پتا چلا کہ یہ جہاز گزشتہ چھ ماہ سے سمندر کے سینے پر رواں دواں ہے اور اس نے دنیا کے مختلف علاقوں سے سیکڑوں غلام اکٹھے کیے ہیں۔ جہاز یہاں سے سب سیدھا روم کا راستہ اختیار کرے گا جہاں ان سارے غلاموں کو فروخت کر دیا جائے گا۔ مجھے یہ بھی پتا چلا کہ رفاس اور اس کے ساتھیوں کا تعلق پرتگال سے ہے اور اس وقت سمندر میں ان کے ایک سے زائد جہاز موجود ہیں۔

کھانا کھانے کے دوران اور اس کے بعد بھی انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ غالباً میری ذات میں ان کی دلچسپی اب ختم ہو گئی تھی۔ ویسے بھی ایک غلام سے انہیں صرف اسی قدر دلچسپی ہونی چاہیے تھی کہ وہ کتنی قیمت لائے گا۔ اور انہیں یقین تھا کہ میری اچھی قیمت ملے گی۔ پھر بھلا اس بارے میں زیادہ سوچنے یا گفتگو کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

کھانا کھانے کے بعد انہوں نے میرے جسم کے گرد بندھے ہوئے چمڑے کا اچھی طرح معائنہ کیا۔ اس کی ڈوریوں اور پھندوں کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ میری کمر میں بندھی ہوئی ڈوری کو کھینچ کھینچ کر اس کی مضبوطی کا جائزہ لیا۔ درخت کے ساتھ بندھے ہوئے اس کے سرے کو بھی اچھی طرح دیکھ لیا۔ وہ لوگ سونے سے پہلے اس بات کا مکمل اطمینان کر لینا چاہتے تھے کہ میں جال کی ڈوریاں تڑا کر راہ فرار نہ اختیار کر لوں۔

اپنے طور پر پورا اطمینان کر لینے کے بعد وہ پانچوں آرام سے بیٹھ گئے۔ انہوں نے اپنے گھوڑوں کو بھی اچھی طرح کھلا پلا کر درختوں سے باندھ دیا تھا۔ اس کے بعد ان میں سے چار لیٹ گئے اور ایک کھڑا ہو کر لیٹے ہوئے لوگوں کی نظم و ضبط کے عادی اور تجربہ کار لوگ تھے۔ ایک پہر رات گزر گئی اور اس دوران کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ سوائے اس کے کہ پہرہ دینے والا شخص کبھی کبھی میرے قریب آ کر میرے چہرے پر نظر ڈال لیتا تھا۔ میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور میں بالکل خاموش تھا۔ لیکن پہرہ دینے والے شخص کو یہ بات نہیں معلوم تھی کہ میں کس سے باتیں کر رہا ہوں۔ گزرے ہوئے دنوں کی باتیں، آنے والے زمانوں کی باتیں، حال کی باتیں۔ میرے سر پر تنی ہوئی سیاہ آسمان کی چادر میں ہزاروں ستارے جگمگا رہے تھے اور میں اپنے گرد و پیش سے بے خبر ہو کر اپنے پرانے دوستوں سے خاموشی کے ساتھ محو کلام تھا۔ ایک پہر رات گزرنے کے بعد پہرے دار نے اپنے ساتھی کو جگا دیا اور خود آرام کرنے کے لیے سو گیا۔ اس کی ڈیوٹی آ گئی تھی۔

ابھی دوسرے پہریدار کی ڈیوٹی کو تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ یکایک میرے حساس کانوں میں سرسراہٹ کی آواز سنائی دی۔ پہریدار کے بے فکری کے انداز سے یہ پتا چلتا تھا کہ اس نے یہ آواز نہیں سنی۔ میں نے اسے اس طرف متوجہ کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ وہ خاموشی سے سرسراہٹ کی آواز قریب تر آ رہی تھی۔

اور تب اچانک پہریدار اپنی جگہ سے اچھل کر دور جا گرا۔ ایک سیاہ رنگ کا خوفناک سانپ ٹھیک اس جگہ موجود تھا جہاں چند لمحے پہلے وہ پہریدار کھڑا ہوا تھا۔ سانپ اب تیزی سے میری طرف بڑھ رہا تھا۔ میرے جسم میں صرف میری ٹانگیں حرکت کرنے کے قابل تھیں اور پہریدار کے پاس تھا کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے وہ سانپ کو ہلاک کر سکے۔ گھبراہٹ میں جلدی جلدی ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ کوئی پتھر وغیرہ تلاش کر سکے۔ اس کی کمر سے بندھی ہوئی تلوار موجود تھی لیکن ظاہر ہے کہ اس وقت کا آلہ ثابت نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ سانپ اگلے ہی لمحے میرے سینے پر چڑھ آیا۔

میں پہریدار کو حیران نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ سانپ مجھے کاٹ بھی لیتا تو میرا بگڑ سکتا تھا مگر یہ اپنی خبیث فطرت کے مظاہرے کا مناسب وقت نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے لیٹے ہی لیٹے تیزی سے اس طرح پھاٹک کھیلا کہ سانپ میرے سینے کے نیچے دب کر رہ گیا۔ پہریدار حیرت اور خوف کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اسے شاید یقین تھا کہ اب میں زندہ نہیں رہ سکوں گا اور زہریلا سانپ ضرور مجھے ڈس لے گا۔ میں ذرا دیر تک اسی عالم میں پڑا رہا اور سانپ میرے پتھر جیسے سینے کے نیچے دب کر بالکل بے بس ہو گیا۔ وہ ایک بار بھی جنبش نہ کر سکا اس کی دم کی طرف کا کچھ حصہ آزاد تھا جسے اس نے دو ایک بار زور سے ہلایا اور پھر کسمسا کر توڑ دیا۔ اس کے بعد میں سیدھا ہو گیا۔ مرا ہوا سانپ زمین پر پڑا ہوا تھا۔ پہریدار میرے قریب آیا اور عجیب سے میری شکل دیکھنے لگا۔ میں مسکرا دیا۔

"تم زندہ ہو۔" انہیں سانپ نے کاٹا تو نہیں؟" اس نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "قبل اس کے کہ وہ مجھے کاٹتا میں نے اس کا بھرتہ بنا دیا۔"

"تم واقعی بڑے عجیب و غریب آدمی ہو۔ بہت ہی بہادر اور غیر معمولی۔" اس نے کہا۔ "کیا تم مجھے بھی اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے؟"

"اگر میں اپنے بارے میں کچھ جانتا ہوتا تو نہیں ضرور بتا دیتا۔" میں نے جواب دیا۔

پہریدار خاموش ہو گیا۔ رات گزرتی گئی اور ان چاروں نے باری باری پہرہ دیا۔ سرد اور ساری رات سوتا رہا۔ صبح کو رات والے پہریدار نے سردار کو مرا ہوا سانپ دکھایا اور اسے سارا واقعہ سنایا۔ سردار بہت متحیر ہوا اور اس نے میرے کارنامے سے خوش ہو کر میرے حال پر یہ عنایت کی کہ مجھے رات کا بچا ہوا کچھ گوشت دیا۔ جسے لینے سے میں نے شکریے کے ساتھ انکار کر دیا۔

ذرا دیر بعد ہمارا سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد جنگل کے گھنے پن میں کمی آ گئی اور ریتیلا میدان شروع ہو گیا۔ اب دور سے سمندر کا چمکتا ہوا پانی نظر آ رہا تھا لیکن اس تک پہنچنے کے لیے ابھی کافی دیر طے کرنا تھا۔ ہم لوگ اسی طرح چلتے رہے اور سمندر نزدیک آتا گیا۔ یہاں تک کہ ہمیں ایک جہاز کے دھندلے دھندلے نقوش بھی نظر آنے لگے۔

یہ واقعی ایک ویران ساحل تھا۔ دور تک، میلوں تک کسی متنفس کا پتہ نہیں تھا۔ سمندر کا یہ حصہ تجارتی جہازوں اور کشتیوں سے بالکل خالی تھا۔ دراصل یہ ایک چھوٹی سی خلیج تھی، جو کافی اندر تک چلی گئی تھی۔ یہاں میلوں میل تک کوئی آبادی نہیں تھی۔ رفاس نے اپنے جہاز کو کھڑا کرنے کے لیے یقیناً بہت محفوظ جگہ تلاش کی تھی۔ یہاں اس کا جہاز گرمیوں تک بھی لنگر انداز رہتا تو کسی کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی تھی۔

Scanned by aazzamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

ہم لوگ جب ساحل کے قریب پہنچے تو ارفاس اور اس کے دوسرے ساتھی گھوڑوں پر سے اتر پڑے۔ ارفاس نے جہاز کی طرف ہاتھ لہرایا اور میں نے دیکھا کہ جہاز کے ساتھ بندھی ہوئی ایک بڑی سی کشتی کو کھول لیا گیا ہے۔ ذرا دیر بعد وہ کشتی ہمارے پاس پہنچ گئی۔ اور ہم پانچوں میں سے سردار سمیت چار آدمی کشتی میں سوار ہو گئے۔ انہوں نے مجھے بھی ساتھ میں لے لیا تھا۔ ایک آدمی گھوڑوں کے ساتھ ساحل پر رہ گیا۔

ہم لوگوں کو جہاز پر پہنچانے کے بعد کشتی فوراً ہی واپس چلی گئی اور ذرا ہی دیر میں پانچویں آدمی کو ساتھ لیے گھوڑوں کے لئے کر لوٹ آئی۔ گھوڑوں کو بھی جہاز میں سوار کر لیا گیا۔

یہ ایک بہت بڑا جہاز تھا۔ لیکن اس میں مسافر نہیں تھے۔ ملاحوں کے افراد کے علاوہ اس میں بڑی تعداد میں ارفاس کے مسلح سپاہی تھے اور جہاز کا ایک بہت بڑا حصہ غلاموں سے بھرا ہوا تھا۔

مجھے بھی ان غلاموں میں شامل کر لیا گیا اور میرے جسم پر سے نیم کے جال کو کھول کر مجھے لوہے کی مضبوط زنجیر پہنا دی گئی۔

میں ان غلاموں کی حالت زار کیا بتاؤں پروفیسر! تم تو اچھی طرح جانتے ہو کہ اس زمانے میں غلاموں کے ساتھ مویشیوں سے بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ ان غلاموں کی تعداد کئی سو کے لگ بھگ تھی۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں اور بچے بھی۔ سارے مرد اور ساری عورتیں جوان تھیں۔ بوڑھے غلاموں کا اس زمانے میں کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ بوڑھے غلام کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی تھی کیونکہ وہ محنت اور کام کرنے کے قابل نہیں ہوتا تھا۔ غلاموں کی اکثریت بوڑھا ہونے سے پہلے ہی مر جاتی تھی اور اگر کوئی اتنا ڈھیٹ ہوتا تھا کہ ساری سختیاں جھیلتے اور غیر انسانی حالات میں زندگی گزارنے کے باوجود بڑھاپے کی منزل میں داخل ہو جاتا تھا تو کوئی اس کا پرسان حال نہیں ہوتا تھا اور اسے مرنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اکثر آقا تو اپنے بوڑھے غلاموں کو خود ہی ہلاک کر دیتے تھے۔ یہی حال ہمارے غلاموں کا ہوتا تھا۔ کسی غلام کا بیمار ہو جانا اس کے لیے موت کا علامت تھا۔ کیونکہ ہمارے کے بڑھنے کی صورت میں، ایک خود ہی اسے ختم کر دیتے تھے۔ ہمارے غلام کے دو خلاف ورزی کے لیے کسی کے پاس وقت تھا نہ پیسہ۔

جہاز کے نیچے ایک بڑا سا تہ خانہ بنا ہوا تھا۔ بہت بڑا۔ اور اسی میں غلاموں کو جانوروں کی طرح بھر دیا گیا تھا۔ مجھے جب یہاں زنجیروں سے باندھ کر لایا گیا تو سخت متعفن کی وجہ سے میرا دماغ پھٹنے لگا۔ میرے چاروں طرف گندگی اور غلاظت کے ڈھیر تھے اور نیم گرسنہ برہنہ فاقہ زدہ پابہ زنجیر مرد، عورتوں اور بچوں کا ہجوم جس میں بہت سے بچے بھی شامل تھے۔ ان لوگوں کے جسموں پر سیاہ بس کی تہیں چڑھی ہوئی تھیں اور سخت بدبو اٹھ رہی تھی۔ نہ جانے ان لوگوں کو نہانے کا موقع حاصل نہیں ہوا تھا۔ یہ سارے کے سارے لوگ جہاز کے سخت لکڑی کے فرش پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ لیٹے ہوئے تھے۔ ان کے جسموں کے نیچے کوئی بستر نہیں تھا۔ ان کے بال اور ناخن بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے۔ اس ہولناک منظر کو دیکھ کر کانپ اٹھا اور میرے دل میں بردہ فروشوں کے خلاف شدید نفرت کی لہر دوڑ گئی۔ میری آمد پر تمام غلاموں کی توجہ میری جانب مبذول ہو گئی۔ وہ مجھے حیرت کے ساتھ دیکھنے لگے۔ میرے جسم کی خوبصورتی اور میری انوکھی رنگت انہیں بہت متاثر کر رہی تھی۔

میں نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک موجود غلاموں پر نظر ڈالی۔ ان میں مجھے مختلف قوموں اور مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے والے مرد اور عورت نظر آئے۔ ان میں سیاہ فام حبشی بھی شامل تھے اور سفید فام یورپی بھی، کئی ایک چینی ناک اور پیلی رنگت والے منگول نسل کے لوگ بھی تھے اور گندمی رنگت والے۔ سانولے سلونے ہندوستانی بھی نہ جانے کہاں کہاں سے انہیں پکڑ کر یہاں لایا گیا تھا۔ قسمت ان بے چاروں کو نہ جانے دنیا کے کن کن گوشوں سے یہاں کھینچ لائی تھی۔

جو مسلح سپاہی مجھے لے کر تہ خانے میں آئے تھے۔ انہوں نے ایک ذمے کے ساتھ مجھے ان لوگوں کی طرف بھیج دیا۔ باقی سارے غلاموں کی طرح میرے ہاتھ پیروں میں بھی زنجیریں بندھی ہوئی تھیں۔ میں ایک جھٹکے سے اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور نیچے گر گیا۔ جس جگہ میں گرا وہاں ایک نوجوان سیاہ فام عورت بیٹھی ہوئی تھی جس کی آنکھوں میں ساری دنیا کی ویرانیاں سمٹ آئی تھیں۔ اس عورت نے بڑے اپنائیت کے انداز میں مجھے پیار سے۔ زنجیر بستہ ہاتھوں سے سہارا دیا۔ سپاہی ہنسنے لگے۔ ان کی اس بیہودگی پر میرا خون کھول گیا۔ میں چاہتا تو انہیں کچھ کچھ کی طرح نیست و نابود کر پھینک دیتا۔ لیکن اس وقت مجھے مصلحت آمیز خاموشی سے کام لینے کی ضرورت تھی۔ میں چپ چاپ اس مہربان عورت کے پاس بیٹھ گیا اور میں نے اپنا سر جھکا لیا گویا میں بہت دکھی اور مغموم ہوں۔ سارے غلام خوفزدہ بھیڑ بکریوں کی طرح سپاہیوں کو دیکھ رہے تھے جن کے ہاتھوں میں لمبے لمبے چابک لہرا رہے تھے۔

سپاہی مجھے تہ خانے میں پھینک کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد بہت سے غلام اپنی جگہوں سے چل کر میرے پاس آ گئے اور مجھ سے مختلف قسم کے سوالات پوچھنے لگے۔ یہ لوگ ملی جلی زبانیں بول رہے تھے۔ میرے لیے یہ کوئی مشکل نہ تھا۔ میں ان سب کی زبانیں بخوبی سمجھتا تھا۔ میں نے ان کے سوالات کی بوچھاڑ کے جواب میں صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا کہ میں بھی ان کی طرح ان بردہ فروشوں کے چنگل میں پھنسا ہوا ہوں۔ لیکن مجھے اپنی آزادی سے محبت ہے۔ میں نے دیکھا، پروفیسر کہ اس کے نام پر ان کی آنکھوں میں ایک عزم ناک چمک پیدا ہوئی جو فوراً ہی معدوم ہو گئی۔ بھلا آزادی سے کون محبت نہیں کرتا ہے۔ میں نے دیکھا پروفیسر کہ ان میں سے ہر ایک کی پرشکستہ پشت پر کوڑوں کی ضربوں کے لمبے لمبے نشانات موجود تھے۔ ان میں سے بعض نشانات تو اس قدر تازہ تھے کہ ان میں سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ ان لوگوں کو بڑی ہی پابندی سے کوڑے مارے جاتے تھے۔ میں اس دردناک منظر سے بہت متاثر ہوا اور میں نے طے کر لیا کہ ان بردہ فروشوں کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ ہمیشہ اسے یاد رکھیں گے۔

جو سیاہ فام عورت میرے قریب بیٹھی تھی۔ اس نے اپنا نام کاواسا بتایا۔ اس کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ ان غلاموں میں سے بہت سے ایسے ہیں جو پہلے سے غلام ہیں اور انہیں ارفاس نے مختلف مقامات سے خریدا ہے۔ تاہم اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنہیں بھری طرح زبردستی پکڑ کر غلام بنا لیا گیا تھا۔ کاواسا کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ اس نے سپاہیوں سے سنا ہے کہ انہیں صرف ارفاس کی واپسی کا انتظار تھا۔ اس کے فوراً بعد وہ کوچ کر جائیں گے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ شاید دو روز میں جہاز یہاں سے روانہ ہونے والا تھا اور مجھے اس سے فائدہ اٹھانا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں سے روانہ ہونے کے بعد جہاز کی اگلی منزل کون سی ہوگی اور وہاں تک پہنچنے میں کتنا عرصہ لگے گا۔ لیکن اتنے عرصے تک زبردستی غلامی کی زندگی گزارنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ کاواسا مجھے پسندیدگی کی نظروں سے دیکھ رہی تھی اور اس نے پوری طرح میرے بارے میں بہت سے سوالات کیے۔ لیکن میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ بردہ فروشوں نے مجھے زیلا کے قریب سے گرفتار کیا ہے اور میں زیلا کی فوج کا ایک سپاہی ہوں۔

ہاتھوں میں کوڑے لیے پہریدار برابر ہماری نگہداشت کر رہے تھے اور حسب مرضی جس غلام کو چاہتے، اس کی پیٹھ پر کوڑے برسانا شروع کر دیتے۔ اس کے لیے کسی خاص وجہ کی ضرورت نہیں تھی۔ بردہ فروش سے یہ منظر دیکھتا رہا۔ شکر ہے کہ اس دوران کسی پہریدار نے میری پیٹھ کو نشانہ بنانے کی کوشش نہیں کی۔

دن پھر گزر گیا اور شام ہو گئی۔ تہ خانے میں پھیلی ہوئی نیم تاریکی میں بدلنے لگی۔ دن بھر غلاموں کو کچھ کھانے کو نہیں دیا گیا تھا۔ کاواسا نے مجھے بتایا کہ ان لوگوں کو جو بس گھنٹے میں صرف ایک بار کھانا دیا جاتا ہے۔ شام کے وقت اور وہ بھی اتنا کم ہوتا ہے کہ بمشکل کسی کا پیٹ بھر سکتا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ لوگ مسلسل نیم فاقہ کشی کا شکار ہیں۔

میں نے دل ہی دل میں سارا منصوبہ ترتیب دے لیا تھا۔ اس وقت کاواسا کے علاوہ میری اور کسی سے زیادہ گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ کاواسا چاہتی تھی کہ میں اسے اپنا منصوبہ نہیں بتا سکتا تھا کیونکہ کوئی بھی اسے محض پاگل پن ہی قرار دیتا۔

رات گہری ہوتی گئی اور اندھیرا بڑھتا گیا۔ تہ خانے میں اس وقت صرف دو پہریدار موجود تھے۔ ظاہر ہے کہ زنجیروں سے جکڑے ہوئے غلاموں کی جانب سے کسی قسم کی بغاوت کا خطرہ نہ تھا اس لیے دو پہریدار بھی ضرورت سے زیادہ ہی تھے۔

میں کچھ دیر تک اور انتظار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اوپر سے آنے والی آوازیں آہستہ آہستہ کم ہو کر رک گئیں اور چاروں طرف گہری خاموشی چھا گئی۔ پہریداروں نے تہ خانے میں ایک شمع روشن کر دی تھی جس کی نیم مردہ روشنی میں ہر چیز دھندلی پیلی نظر آ رہی تھی۔ لیکن تہ خانے کے وہ گوشے جو شمع سے دور تھے، تقریباً مکمل تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ذرا دیر بعد دونوں پہرے دار بھی خراٹے لینے لگے۔ انہیں اطمینان تھا کہ کوئی گڑبڑ نہیں ہو سکتی۔

میں نے ایک نظر غلاموں کے جم غفیر پر ڈالی۔ زیادہ تر لوگ فرش پر لیٹ کر سو گئے تھے۔ لیکن کچھ ایسے بھی تھے جو جاگ رہے تھے اور ان جاگنے والوں میں کاواسا بھی شامل تھی جو میرے قریب ہی آنکھیں کھولے ہوئے لیٹی تھی۔

"کاواسا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "کیا تمہیں نیند نہیں آ رہی ہے؟"

"اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے۔" کاواسا نے دکھ بھرے لہجے میں جواب دیا۔ "میرے لیے جاگنا یا سونا مناسب برابر ہیں۔ لیکن صرف اس وقت تک کے لیے جب تک کہ ہم اس جہاز پر موجود ہیں۔ اس کے بعد دیکھو ہماری تقدیر میں ہمیں کہاں لے جائیں۔"

"ہماری تقدیر بدل سکتی ہے۔ یہ فیصلہ ہے کہ آج کی رات ہماری غلامی کی آخری رات ہے۔" میں نے پرزور لہجے میں کہا اور آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے جسم سے بندھی ہوئی زنجیریں زور سے بج اٹھیں۔ لیکن یہ کوئی ایسی غیر معمولی بات نہیں تھی جو پہریداروں کی نیند خراب ہوتی۔

میرے ان الفاظ نے کاواسا کو ایک دم حیران کر دیا اور میرے اس طرح اٹھ جانے سے وہ بھی گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم کیا کرنے جا رہے ہو... تم... اف... تم نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں۔" اس نے گھبراتے ہوئے لہجے میں سرگوشی کی۔

"میرے نام کی فکر نہ کرو۔" میں نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا اور خاموشی سے دیکھتی رہو کہ میں کیا کرتا ہوں۔" اس کے ساتھ ہی میں نے اپنے جسم کو آہستہ سے جھٹکا دیا تاکہ زور کی آواز پیدا نہ ہو۔ لیکن اتنا ہی جھٹکا کافی تھا اور آہنی زنجیریں موسم کے ٹکڑوں کی طرح کٹ کر میرے جسم سے جدا ہو گئیں۔

"تم حیرت انگیز ہو..." کاواسا کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ "تم یقیناً کوئی جادوگر ہو۔" میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

کئی غلاموں نے جو ہمارے قریب تھے، باتیں کرتے ہوئے تھے۔ ہماری کھسر پھسر سن لی اور وہ ہماری طرف متوجہ ہو گئے۔ مجھے آزاد دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ میں نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پہریداروں کی طرف بڑھنے لگا۔ بردہ فروش پہریداروں کی یہ نیند ان کی زندگی کی آخری نیند ثابت ہوئی اور میرے ہاتھوں کی ایک معمولی جنبش نے انہیں قید حیات سے نجات دلا دی۔ ان کے مردہ جسم تہ خانے کے سرد فرش پر لڑھک گئے۔

Scanned by aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

اس کے بعد ہمارا کام میں نے یہ کیا کہ تہ خانے کے بھاری جھروکے کو اندر سے بند کر دیا۔ اب بہت سے لوگ اٹھ کر بیٹھ گئے تھے اور ان کے منہ سے حیرت بھری آوازیں نکل رہی تھیں۔ میں سب سے پہلے وہ سامنے کے قریب آیا اور میں نے اپنے ہی جھٹکے میں اس کی زنجیریں توڑ ڈالیں۔ اس فاتح کشی کے عالم میں بھی اس کا حسن بڑھ گیا تھا اور جب میرے ہاتھ اس کے نیم برہنہ بدن سے مس ہوئے تو میرے رگ و پے میں بجلی سی دوڑ گئی۔ کا واسا زاد کو کر خوشی کے مارے ناچنے لگی۔

"کوئی فائدہ نہیں، اس سے کوئی فائدہ نہیں" چھٹی ناک والے زرد رنگت والے ایک پستہ قد غلام نے تاسف بھرے لہجے میں کہا "تم نے پہریداروں کو ہلاک کر کے دراصل ہم سب کو ہلاک کر دیا ہے۔ صبح ہوتے ہی وہ ہم میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ خواہ تم اپنے عمل کے ذریعے ہم سب کی زنجیریں ہی کیوں نہ کھول دو۔"

"ایسا نہیں ہوگا میرے دوست" میں نے اس کی زنجیریں توڑتے ہوئے کہا "اپنے حوصلے بلند رکھو، ہم ان ظالموں کو نیست و نابود کر دیں گے۔" وہ حیرت سے اپنے آزاد جسم کو دیکھنے لگا۔

میں نے ایک ایک کر کے سارے غلام مردوں اور عورتوں کو زنجیروں سے آزاد کر دیا۔ ان میں سے بیشتر کی نگاہوں میں بے یقینی کی کیفیت تھی۔ میں ان کی سوچ کا اندازہ ان کی آنکھوں سے لگا سکتا تھا۔ ان میں سے کچھ مجھے غیر معمولی طور پر بہادر سمجھ رہے تھے۔ کچھ کے خیال میں میں جادوگر تھا اور کچھ مجھے بہروپیا سمجھ رہے تھے۔

"تم نے یہ سب کچھ کیسے کر لیا؟" ان میں سے ہر ایک کی زبان پر یہی سوال تھا۔

"میں نے برسوں لوہے کی زنجیریں توڑنے کی مشق کی ہے اور میرے بازوؤں میں اتنی طاقت پیدا ہو گئی ہے کہ میں موٹی سی موٹی زنجیر کو بھی توڑ سکتا ہوں۔" میں نے انہیں مطمئن کرنے کے لیے کہا۔

"لیکن، بالکل ناممکن" طرح طرح کی بڑبڑاہٹیں میرے کانوں میں پہنچ رہی تھیں "بڑے بڑے سورما لوہے کی زنجیریں نہیں توڑ سکتے۔ تم نے کیسے توڑ دیں؟"

"یہ وقت اس بحث میں الجھنے کا نہیں ہے۔" میں نے بات کو ختم کرنے کی غرض سے کہا "اب میری بات غور سے سنو۔ نہیں جہاز پر موجود سپاہیوں اور پہریداروں سے مقابلہ کرنا ہے۔ اپنی آزادی کے لیے کچھ نہ کچھ قربانی تمہیں ضرور دینی ہوگی۔ تم سب مقابلے کے لیے تیار ہو؟"

"لیکن ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔" ایک لمبے تڑنگے سیاہ فام نے کہا۔ وہ اپنے چہرے کے نقوش کے اعتبار سے روحانی معلوم ہوتا تھا۔

"ادھر دیکھو۔" میں نے لوہے کی زنجیروں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ ہیں تمہارے ہتھیار۔ جو ابھی کچھ دیر پہلے تک تمہارے جسموں کا حصہ بنے ہوئے تھے۔ یہ شخص اپنے جسم سے الگ ہونے والی زنجیروں کے لمبے لمبے ٹکڑے اٹھا لے اور تم میرے ساتھ آؤ۔"

میں نے ایک ٹکڑا اٹھایا اور اس کے بعد میں نے زنجیروں کا ایک ڈھیر اٹھا کر ان کے سامنے اس چیز کا عملی مظاہرہ کیا۔ فوراً ہی سب لوگ آگے بڑھے اور انہوں نے زنجیروں کے لمبے لمبے ٹکڑے اٹھا لیے اور میرا پیچھا شروع ہو گئی۔

ابھی رات ختم ہونے میں کافی دیر تھی۔ میں نے تمام لوگوں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی توانائیوں کو ضائع نہ کریں اور آرام سے سو جائیں۔ صبح حملے کے وقت وہ تازہ دم ہوں۔ لوگوں نے میری اس بات پر عمل کیا اور تھوڑی دیر میں سب سو گئے۔

ابھی صبح ہونے میں کافی دیر باقی تھی کہ تہ خانے میں روشنی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ سارے مرد اور عورتیں بیدار ہو گئے اور انہوں نے وقت سے بہت پہلے ہی اپنے ہاتھوں میں لوہے کی مضبوط زنجیروں کے ٹکڑے سنبھال لیے۔

میری ہدایت پر دو نوجوانوں نے پہریداروں کی لاشیں گھسیٹ کر دروازے کے قریب ڈال دیا تاکہ دروازہ کھلنے پر سب سے پہلے ان لاشوں پر نظر پڑے۔ اس کے بعد میں نے سارے لوگوں کو پیچھے ہٹ کر کھڑے ہونے اور تیار رہنے کی ہدایت کر دی۔

میں نے بھاری دروازے کی کنڈی اندر سے کھول دی تاکہ دروازہ کو بند رہنے دیا جائے تاکہ دروازہ کھلنے کے بعد کھلا ہو گیا۔

کسی کو تہ خانے میں آنے کی علامتوں کی خبر گیری کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ البتہ چونکہ پہریداروں کی ڈیوٹی بدلنے کا وقت ہو گیا تھا لیے دروازہ ایک جھٹکے سے چوپٹ کھلا اور دو سپاہی اندر داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں مشعلیں تھیں۔ اندر داخل ہوتے ہی میں نے ایک کا بھیجا پاش پاش کر دیا اور دوسرے کے حلق سے کوئی آواز بھی نہ نکلی۔ البتہ دوسرا بہت ہوشیار ہو گیا تھا اس لیے وہ مرنے سے پہلے بار زور سے چیخا۔ اس کی چیخ بڑی بھیانک تھی۔ اس کے چند ثانیے بعد اور سپاہی بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی اور ایک وقت کئی پہریدار اندر داخل ہو گئے جو دروازے کی دہلیز سے چند قدم سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ موت نے جو میری صورت میں ان کے سامنے

سانپ
عمل
حاجی عدیل
قیمت -/150 روپے

تھی ان کا راستہ روک دیا۔

اور پھر ایک ہنگامہ مچ گیا۔ زبردست چیخ و پکار کا بازار گرم ہو گیا۔ دوسرے سپاہیوں اور پہریداروں کی ایک بھاری مسلح تعداد دندناتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی۔ میں نے غلاموں کو ہوشیار ہو کر حملہ کرنے کی تلقین کی اور خود لمبے چوڑے دروازے کے قریب کھڑا ہو گیا۔ میں اگر چاہتا تو ان سب سے تنہا بھی نمٹ سکتا تھا اور ان میں سے کوئی ایک شخص بھی زندہ بچ کر واپس نہ جاتا۔ لیکن میں غلاموں کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ یہ جنگ انہوں نے مشترکہ جدوجہد کے ذریعے جیتی ہے تاکہ ایک حرف تو میری شخصیت کا راز پوری طرح منکشف نہ ہونے پائے اور دوسری طرف غلاموں کو اس معرکے کا ایک حصہ سمجھیں۔ چنانچہ میں نے بہت سے مسلح سپاہیوں کو اندر جانے دیا اور جب ان میں کو ٹھکانے لگایا جو میرے قریب تھے، اندر زور کی لڑائی ہو گئی۔ غلاموں کے ہاتھوں میں زنجیریں تھیں جنہیں وہ پوری قوت کے ساتھ گھما رہے تھے۔ اور جو سپاہی بھی ان کی زد میں آ جاتا تھا تو ان کی آن میں اس کا چہرہ ادھڑ کر گوشت اور ہڈیوں کا ڈھیر بن جاتا تھا۔ میں نے حیرت کے ساتھ دیکھا کہ اس معرکے میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی برابر کی شریک تھیں۔ کوئی عورت ایسی نہ تھی جو جنگ میں حصہ نہ لے رہی ہو۔ میں نے یہ بھی دیکھا پروفیسر کہ فاقہ کشی، لاغری اور کمزوری کے باوجود ان غلاموں کے جسموں میں جیسے بجلیاں بھر گئی تھیں اور قیامت بن بن کر سپاہیوں پر ٹوٹ رہے تھے اور ان کی بوٹیاں ادھیڑ رہے تھے۔ بہت سے سپاہیوں کی تلواریں زنجیروں کی بھاری ضربات سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں اور انہوں نے خوفزدہ ہو کر بھاگنا چاہا لیکن وہ دروازے سے باہر نہ نکل سکے۔ ان کی قسمت میں اس تہ خانے میں مرنا لکھا تھا۔

پھر اوپر سے تازہ کمک آ پہنچی۔ اگرچہ سب کے سب لوگ اندر پہنچ جاتے تو یقیناً بہت سے غلام مارے جاتے۔ میں نے ان میں سے زیادہ تر کو دروازے پر ہی ڈھیر کر دیا اور پھر مجھے ایک کڑک دار آواز سنائی دی۔

"او ذہین انسان! اپنا ہاتھ روک لے۔ تیرا آخری وقت قریب آ چکا ہے۔" اور نہیں معلوم کہ کون سنبھل سکوں۔ ارفاس کی دو دھاری تلوار کی قوت سے میرے شانے سے ٹکرائی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دور تک بکھر گئے۔ جن سے ارفاس کے کئی سپاہی زخمی ہو گئے۔ میں نے پلٹ کر فاس کے سر پر ایک گھونسہ رسید کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا بھیجہ ناک کے نتھنے سے بہہ گیا۔

ارفاس کے مرنے سے لڑائی کا نقشہ ہی بدل گیا۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں پروفیسر کہ اس جہاز پر ارفاس کے سپاہیوں اور عملے کی جو تعداد تھی غلاموں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔ ارفاس کے آدمیوں میں سے بہت تھوڑے سے لوگ بچے تھے۔ باقی سب یا تو مر گئے تھے یا شدید زخمی ہو گئے تھے۔ ان بچے کھچے لوگوں نے اپنے ہتھیار پھینک دیے اور میرے ساتھیوں نے، جو اب غلام نہیں رہے تھے، انہیں گرفتار کر کے رسیوں سے باندھ دیا۔

"تم اپنا نام کیوں نہیں بتاتے دوست؟" ایک بے حد سانولی رنگ کی حسینہ نے آنکھیں مٹکا کر مجھ سے پوچھا۔

"تم ہی میرے کوئی نام رکھ دو۔ مجھے تو اپنا نام معلوم نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"میں تمہیں سارم کہوں گی۔" اس نے کہا "جانتے ہو ہمارے وطن کی زبان میں اس لفظ کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے نجات دہندہ۔ تم نے ہم سب کو اس ذلیل زندگی سے نجات دلائی ہے اس لیے تمہارا نام سارم رکھیں گے۔" اس کے بعد سب نے مجھے سارم کہنا شروع کر دیا۔ اس حسینہ نے اپنا نام وترسیا بتایا۔

غلاموں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ انہیں اس زندگی سے نجات مل جائے گی اور وہ اپنے آقاؤں پر فتح حاصل کر لیں گے۔

تہ خانے میں ہر طرف خون، گوشت، انسانی اعضا اور رسیاں بکھری پڑی تھیں۔ بہت سے زخمی کراہ رہے تھے۔ میں نے صورت حال کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ اس معرکے میں دس غلام مارے گئے، جن میں سے چھ عورتیں تھیں اور چار مرد۔ ارفاس کے آدمیوں کے مقابلے میں یہ نقصان نہ ہونے کے برابر تھا۔ میں نے غلاموں سے دریافت کیا کہ ان میں سے کوئی زخمیوں کا علاج کرنا جانتا ہے، فوراً ہی دو آدمیوں نے اپنی خدمات پیش کر دیں جو اس فن سے واقف تھے، جیسا کہ گرفتار شدہ بردہ فروشوں نے بتایا، جہاز پر کافی دوائیں موجود تھیں، جو ہنگامی صورت حال کے لیے رکھی گئی تھیں۔ دوائیں حاصل کر لی گئیں اور زخمیوں کا علاج شروع ہو گیا۔

سب لوگ تہ خانے سے نکل کر اوپر آ گئے۔ زخمیوں کو بھی اوپر منتقل کر دیا تھا اور تہ خانے کا بھاری جھروکا مضبوطی سے بند کر دیا گیا۔ اس کے اندر پڑی ہوئی لاشوں کو اسی طرح چھوڑ دیا گیا۔

اب میں نے باہر جہاز کے مختلف حصوں کا جائزہ لیا۔ ارفاس کے سارے آدمی ختم ہو چکے تھے اور کچھ زخمی تھے جن کا علاج کیا جا رہا تھا۔ جہاز میں کھانے پینے کی اشیاء بہت تھیں۔ تھے گودام بھرے ہوئے تھے۔ اتنا غلہ تھا کہ ان سارے لوگوں کے لیے کچھ عرصے کے لیے کافی ہو سکتا تھا۔ جہاز میں ایک بہت بڑا اسلحہ خانہ بھی موجود تھا جس میں کافی تعداد میں مختلف قسم کے ہتھیار موجود تھے۔ اس کے علاوہ کپڑوں اور دیگر اشیائے ضرورت کا بھی اچھا خاصہ ذخیرہ موجود تھا۔ مطلب یہ ہے پروفیسر کہ اس جہاز کا جائزہ لینے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ یہ لوگ ذہن میں عجیب سفر کا منصوبہ بنا کر نکلے تھے اور اس لیے ان کے جہاز میں ضرورت کی ہر چیز کافی مقدار میں موجود تھی۔

ہم ارفاس پر فتح پا چکے تھے۔ سارے غلام آزاد اور فتح مند تھے لیکن مجھے ان سب کے چہرے پر ایک ہی سوال لکھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ کیا کرنا ہے؟ میرے ذہن میں اس سوال کا واضح اور متعین جواب موجود تھا

aazzamm@yahoo.com

اور مجھے یقین تھا کہ وہ لوگ میری تجویز سے ضرور اتفاق کریں گے۔

میں نے ان سب کو جہاں کے وسیع و عریض عرشے پر جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ اب آزاد انسانوں کی حیثیت سے وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔

ہم وہی کریں گے جو تم کہو گے سارم۔ کیونکہ تم ہمارے نجات دہندہ ہو۔ مردوں اور عورتوں کی ملی جلی آوازیں بلند ہوئیں۔

تو پھر میری بات غور سے سنو۔ میں نے ان سب سے مخاطب ہو کر کہا۔ تم لوگ دنیا کے مختلف حصوں سے تعلق رکھتے ہو۔ اب تم میں سے ہر ایک کا اپنے وطن واپس جانا ناممکن ہے۔ ہمارے پاس ایسے وسائل موجود نہیں ہیں کہ تمہیں تمہارے گھروں تک پہنچایا جا سکے۔ قسمت نے سب کو یکجا کر دیا ہے۔ جہاز میں کھانے پینے کا اتنا سامان موجود ہے کہ کچھ عرصے کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔ یہ ایک غیر آباد اور ویران علاقہ ہے، لیکن میں نے دیکھا ہے کہ یہاں کی زمین اچھی ہے اور سبزے کی بہتات ہے۔ اگر ہم محنت سے کام لیں تو ایک نئی زندگی کا آغاز کر سکتے ہیں۔ یہ جگہ آبادیوں سے بہت ہی دور ہے، ہم یہاں ایک نئی بستی تعمیر کریں گے۔ کھیت اور باغات اگائیں گے۔ گھر بنائیں گے اور اپنی زندگی کے باقی دن یہاں سکون و اطمینان کے ساتھ گزاریں گے۔ تم میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی اور سب ہی جوان ہیں، تم لوگ آپس میں شادیاں کر کے اپنا گھر بسا سکتے ہو اور اولادیں بھی پیدا کر سکتے ہو۔ یہ تمہارا نیا وطن ہو گا یہاں تمہیں کسی کی غلامی کا خوف نہیں ہو گا۔ اگر بستی پر کوئی آفت آئے گی تو ہم سب مل جل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔

میری اس تجویز کے جواب میں ہر طرف سے تائیدی آوازیں بلند ہوئیں اور لوگوں نے بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ بعض لوگ تو خوشی کے مارے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ ایک آزاد زندگی کا تصور ان کے لیے بہت خوش کن تھا۔ ان لوگوں کی حالت واقعی قابلِ دید تھی جو پہلے سے غلام چلے آ رہے تھے اور جنہیں ارفاس نے دوسری منڈیوں سے خریدا تھا۔ اس ایک سفر نے ان کی تقدیریں بدل دی تھیں۔

چنانچہ ساحل سے کچھ دور ہرے بھرے میدانوں کے قریب ایک چھوٹی سی نئی بستی کی داغ بیل ڈال دی گئی۔ میں نے چند ہوشیار مردوں پر مشتمل ایک کمیٹی بنا دی جس کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ بستی کی تعمیر کی نگرانی کرے، غلے کے گودام سنبھالنے کا کام میں نے چند عورتوں کے سپرد کیا اور اسی طرح مختلف کاموں کے لیے مختلف لوگوں کو ذمہ دار قرار دے دیا۔ اس طرح ان سب میں ایک نظم و ضبط پیدا ہوا اور وہ مل جل کر باضابطگی کے ساتھ کام کرنے لگے۔

کھیتی باڑی کے لیے زمینیں صاف کر لی گئیں۔ بیج بونے کے لیے میں نے چند آدمیوں کو کشتی کے ذریعے روانہ کر دیا۔ پانی کی یہاں کمی نہیں تھی کیونکہ تھوڑے فاصلے پر دریا بہتا تھا جو آگے دور جا کر سمندر میں گر جاتا تھا۔ لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے چھوٹی چھوٹی کشتیاں بنا کر ماہی گیری بھی شروع کر دی تھی تاکہ خوراک کی قلت کا مسئلہ نہ پیدا ہو۔

یہ سارے کام بہت جلد ہو گئے۔ بستی میں جو گھر سب سے پہلے تعمیر کیا گیا وہ میرے لیے تھا اور میں خود بھی ان لوگوں کے ساتھ تمام کاموں میں برابر کا شریک تھا۔ بستی کا نام مجھ سے منسوب کر کے سارم رکھا گیا اور میں گویا ایک طرح سے اس بستی کا سردار بن گیا۔

جب مجھے کچھ دنوں کے بعد سکون کا سانس لینے کا موقع ملا تو میں نے محسوس کیا کہ اگرچہ بستی کی زیادہ تر عورتیں میری جانب متوجہ ہیں لیکن سیاہ فام حسینہ کا دو سالہ گندمی رنگ کی طرح حسینہ وترلیسا میرے لیے کچھ زیادہ ہی پُرکشش ہیں۔ وہ دونوں ہمیشہ میرے ساتھ رہنے کی کوشش کرتی تھیں اور میرے التفات کی طلب گار تھیں۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ خوبصورت اور پُرکشش تھیں۔ غلامی کی زندگی سے نجات اور آزاد فضاؤں میں پھلنے پھولنے سے ان دونوں کے حسن کا نکھار اور بھی بڑھ گیا تھا۔ دونوں کی دلآویزی میں بہت اضافہ ہو گیا تھا اور میرے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ میں ان دونوں میں سے کسے اپنا لوں۔

بستی کے سارے گھر بن کر تیار ہو گئے تھے۔ زمینوں میں بیج بو دیے گئے تھے۔ اب اطمینان اور آرام حاصل ہو جانے کے بعد شادیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ صورتِ حال یہ تھی کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی تعداد کم تھی، چنانچہ کاداسا اور وترلیسا کے علاوہ باقی سب عورتوں کی شادیاں ہو گئیں۔ یہ دونوں شادی کے لیے تیار نہیں ہوئی تھیں اور ساری بستی کے لوگوں کو اس کی وجہ معلوم تھی۔ انہیں میرے فیصلے کا انتظار تھا۔ لیکن مجھے کوئی جلدی نہیں تھی۔ میں پہلے اس بستی کو پوری طرح آراستہ اور خود کفیل بنا دینا چاہتا تھا اور میری زیادہ تر توجہ انتظامی امور کی جانب رہتی۔ اگرچہ سارے لوگ مجھے مہاراجہ کی طرح مانتے تھے لیکن میں نے بستی کے چیدہ چیدہ لوگوں پر مشتمل ایک انتظامی ادارہ قائم کر دیا تھا جو بستی کا نظم و نسق چلا رہا تھا۔

بات یہ ہے پروفیسر کہ مجھے یہ سارے کے سارے لوگ بہت پسند آتے تھے۔ ان بے چاروں کی زندگیاں محرومیوں اور صعوبتوں کا شکار تھیں۔ میں نے انہیں ایک بڑے عذاب سے نجات دلائی تھی اس لیے یہ سب لوگ میرے بہت زیادہ ممنون تھے اور میری خاطر جان دینے کو بھی تیار تھے۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ ایک طویل عرصہ اسی بستی میں گزاروں گا۔ یہاں بڑا آرام اور سکون تھا، کوئی ہنگامہ نہیں، کوئی سازش نہیں، کوئی جنگ و جدل نہیں۔ اور اب میں خود بھی کچھ عرصہ آرام و سکون کے ساتھ دنیا سے الگ تھلگ رہنا چاہتا تھا، چنانچہ میں نے خود کو ایک طویل عرصے کے لیے اس بستی اور بستی والوں کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔

کاداسا اور وترلیسا کے مسئلے کا حل یوں تلاش کیا گیا کہ میں نے بیک وقت ان دونوں سے شادی کر لی۔ دونوں پہلے ہی سے اس کے لیے تیار تھیں اور انہیں ایک دوسرے کی سوکن بن کر رہنے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

بستی کے سارے لوگوں نے میرے اس عمل کو سراہا۔ میں کاداسا اور وترلیسا کے ساتھ اپنے بڑے سے مکان میں رہنے لگا۔

پروفیسر ان دنوں میری زندگی ایک عام محنت کش انسان کی طرح گزر رہی تھی اور اس میں مجھے اس قدر لطف آتا تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ صبح ہوتے ہی میں بھی بستی کے تمام مردوں کے ساتھ کھیتوں اور باغوں میں کام کرنے چلا جاتا اور سارا دن محنت کرتا۔ میری بیویاں رویشیوں کی دیکھ بھال کرتیں اور گھر کا کام کاج کرتیں۔ دوپہر کا کھانا ہر ایک دن وترلیسا آتی اور دوسرے دن کاداسا۔ جب فصلوں کا موسم ہوتا اور کھیتوں میں کوئی کام نہ ہوتا تو ہم لوگ مچھلیاں پکڑنے نکل جاتے۔ اب ہمارے پاس اپنی کشتیوں کا ایک بیڑا موجود تھا۔ ہمارے مویشیوں اور گھوڑوں کی تعداد خاصی تھی اور کسی اچانک حملے کی صورت میں بستی کے دفاع کے لیے وافر تعداد میں ہتھیار بھی موجود تھے۔

امن و سکون کی اس فضا میں رہتے ہوئے ایک زمانہ بیت گیا۔ نہ جانے کتنے سال گزر گئے ہیں تو ماہ و سال کی پابندیوں اور ان کے اثرات سے یکسر آزاد تھا، لہٰذا میرے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ لیکن بستی کے باقی لوگ ظاہر ہے کہ معتادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ بدلتے جا رہے تھے۔ نہ جانے کتنے غیر محسوس طور پر تبدیلیوں کا عمل جاری رہا۔ بستی میں بچے پیدا ہوئے اور میری نظروں کے سامنے وہ جوان ہو گئے، جوان بوڑھے ہو گئے اور بوڑھے مرنے لگے۔ موسم بدلتے رہے، وقت گزرتا رہا۔ بستی کی زمینیں سونا اگلتی رہیں اور نئے نئے انسان وجود میں آتے رہے۔ میری دونوں بیویاں بوڑھی ہو گئیں تھیں اور کچھ عرصہ بعد وہ ایک ایک کر کے اس دنیا سے کوچ کر گئیں۔ انہیں زندگی بھر آزادی کی تمنا نے بے چین کیے رکھا۔ لیکن وہ یہ ارمان لیے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

سارہ کی بستی والوں کے میرے بارے میں مختلف خیالات تھے۔ بعض لوگوں کے خیال میں میری طویل جوانی کا راز کسی خفیہ دوا یا جڑی بوٹی کا کرشمہ تھا۔ بعض کا خیال تھا کہ مجھے کسی دیوی یا دیوتا کی اشیرباد حاصل ہے اور بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ کسی سادھو یا جوگی نے مجھے کوئی ایسا منتر بتا دیا ہے جو مجھے سدا جوان رکھے ہوئے ہے۔ بستی کے لوگ چونکہ مختلف مذہبی عقائد کے حامل تھے اس لیے ان کی سوچ بھی جدا جدا تھی۔ تاہم میرے بارے میں ان میں ایک بات مشترک تھی اور وہ یہ کہ وہ سب مجھ سے بہت محبت کرتے تھے اور وقت آنے پر میرے لیے جان دینے کو تیار تھے۔

اس طویل عرصے کے دوران کوئی واقعہ ایسا پیش نہیں آیا تھا کہ جس میں مجھے اپنی غیر معمولی جسمانی قوت کا مظاہرہ کرنا پڑا ہو۔ ارفاس کے کارندوں سے جنگ کے بعد ہر طرف سکون ہی سکون تھا۔ اور پھر اچانک ایک دن یہ سکون غارت ہو گیا۔

بات یہ تھی کہ اپنی خوشحالی اور زرخیزی کے سبب سارہ کی بستی کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی۔ ایک نسل کی زندگی کے دوران علاقہ نے ترقی کی منزلیں بڑی تیزی سے طے کی تھیں۔ یہاں کی زمینیں سونا اگلتی تھیں، باغوں میں طرح طرح کے پھلوں کی افراط تھی، ماہی گیری بڑے پیمانے پر ہوتی تھی اور مویشیوں کے بڑے بڑے گلے موجود تھے۔ ان ساری باتوں کی خبریں دور و نزدیک پہنچ رہی تھیں۔ بستی کے لوگ باہر آتے جاتے رہتے تھے اور مجھے ان کی زبانی یہ معلوم ہوتا رہتا تھا کہ بہت سے امیروں، سرداروں اور حکمرانوں کی للچائی ہوئی نظریں سارہ کی جانب لگی ہوئی ہیں۔ میں اس صورتِ حال سے باخبر تھا اور اسی لیے میں نے بستی کے تمام مردوں کو وسیع پیمانے پر جنگی تربیت دی تھی، وہ سب کے سب بہادر تھے اور نڈر لوگ تھے اور مجھے یقین تھا کہ وقت پڑنے پر وہ سارہ کا بخوبی دفاع کر سکیں گے۔ ہمارے پاس ہتھیاروں کی بھی کمی نہیں تھی۔

وہ ایک سرد اور تاریک رات تھی۔ سارہ کے تمام لوگ اپنے اپنے آرام دہ گھروں میں گرم بستروں میں سوئے پڑے تھے۔ رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا اور ہر طرف گہما گہمی کا عالم تھا۔ سارہ کے کتوں نے اچانک بھونکنا شروع کیا اور اس کے ساتھ ہی گھوڑوں کی ٹاپوں کی اور ان کی ہنہناہٹوں کی تیز آوازیں سنائی دینے لگیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔

میں بجلی کی سی تیزی سے اپنے بستر میں سے نکلا۔ لپک کر میں نے اپنے سرہانے رکھی ہوئی تلوار اٹھائی اور باہر نکل آیا۔ چاندنی رات تھی اور ہر طرف جاڑے کی سفید سفید چاندنی پھیلی ہوئی تھی، لیکن میری آنکھیں جو منظر دیکھ رہی تھیں، وہ بڑا بھیانک تھا۔ حملہ آوروں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور انہوں نے چاروں طرف سے سارہ کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ تھی کہ وہ بے دریغ مکانوں کو آگ لگا رہے تھے۔ ان بزدلوں نے سارہ پر شب خون مارا اور اس کے باشندوں کو غفلت میں جا لیا تھا۔ سارہ کے جوان بھی تیزی سے مسلح ہو کر اپنے اپنے گھروں سے نکل رہے تھے۔ لیکن ان کے لیے مشکل یہ تھی کہ وہ گھروں کو آگ سے بچائیں یا حملہ آوروں کا مقابلہ کریں۔ تاہم وہ بڑی بہادری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ عورتیں اور بچے اور بوڑھے گھروں کی آگ بجھانے میں مصروف ہو گئے اور مردوں نے حملہ آوروں کو روکنا شروع کیا۔

میں مجسم اجل بن کر حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑا اور انہیں بے تحاشہ گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے میں نے ان کی بڑی تعداد کا صفایا کر دیا۔ وہ مجھے چاروں طرف سے گھیر گھیر کر بڑی شد و مد سے حملے کر رہے تھے۔ لیکن ان کے ہتھیار میرے جسم سے ٹکرا کر کند ہو جاتے تھے۔ اور دوسرے لمحے وہ خود ہی نقدِ اجل بن جاتے تھے۔ بستی کے جوان بھی حیرت کے ساتھ میرے جنگ کرنے کے انداز کو دیکھ رہے تھے اور ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر میں اتنے بہت سے حملوں کے باوجود

scanned by aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

تھی کہیں نہیں جا رہا ہوں۔ ذرا دیر میں میں نے محسوس کیا کہ حملہ آوروں کی ایک بڑی تعداد میرے ساتھ مصروفِ جنگ ہے اور مجھ سے الجھے ہوئے ہے۔ کی بنا پر وہ سارہ کے جوانوں کے حملوں کا بآسانی شکار ہو رہے ہیں۔ جنگ کا پانسہ ایک دم پلٹ گیا تھا۔ حملہ آوروں نے جس شدت کے ساتھ یلغار کی تھی اس سے ایک عام آدمی یہی اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ ذرا سی دیر میں پوری بستی کو تاخت و تاراج کر ڈالیں گے۔ لیکن واقعات ان کی توقعات کے بالکل برخلاف پیش آ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر وہ سب کے سب مل کر بھی مجھے ہلاک کرنے میں کامیاب کیوں نہیں ہو پا رہے ہیں۔

رفتہ رفتہ ان پر خوف غالب آتا گیا۔ ان کی تعداد بڑی تیزی سے کم ہو رہی تھی۔ سارہ کے بہت سے نوجوان جنگ کا نقشہ دیکھ کر اب لڑائی کے میدان سے ہٹ گئے تھے اور بڑی تیزی کے ساتھ مکانوں میں لگی ہوئی آگ کو بجھا رہے تھے۔ انہیں گویا خود اس بات کا یقین آ گیا تھا کہ میں حملہ آوروں سے بخوبی نمٹ لوں گا۔

حملہ آوروں میں سے کچھ نے بھاگنے کی کوشش کی۔ ان کے حوصلے بالکل پست ہو گئے تھے۔ وہ مجھے کوئی مافوق الفطرت چیز سمجھ رہے تھے جو ان کے لیے ناقابلِ تسخیر تھی۔ اب وہ میرے مقابلے سے بھاگ رہے تھے لیکن سارہ کے جوانوں نے بھاگنے والوں کو نہیں بخشا اور انہیں چن چن کر ہلاک کر دیا۔

اب حملہ آوروں کے صرف دس آدمی باقی رہ گئے تھے جن میں ان کا سردار بھی شامل تھا جو آخری وقت تک بڑی بے جگری اور بے خوفی کے ساتھ لڑتا رہا تھا لیکن جس بدنصیب کو یہ بات نہیں معلوم تھی کہ اس جنگ میں فتح اس کا مقدر نہیں ہو سکتی خواہ وہ ساری دنیا کی فوجوں کو اپنی حمایت میں کیوں نہ بلا لے۔

اچانک سردار کے نوسپاہیوں نے اپنی تلواریں زمین پر پھینک دیں اور ہاتھ فضا میں بلند کر دیے۔ ان کے چاروں طرف لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور وہ غور کر رہے تھے کہ ان ڈھیروں کا حصہ نہیں بننا چاہتے تھے۔ اپنے نوساتھیوں کو ہتھیار پھینکتے دیکھ کر سردار نے بھی اپنا ہاتھ روک لیا۔ میں نے اپنی تلوار جھکائی اور سارہ کے جوانوں کو اشارہ کیا کہ وہ جنگ بند کر دیں۔ میرے حکم پر سردار سمیت ان دس آدمیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

بچے کھچے حملہ آوروں کے علاوہ خود سارہ کے جوان مجھے دیکھ کر ڈر گئے تھے۔ میں نے حملہ آوروں سے لڑنے اور انہیں ہلاک کر دینے کے باوجود میرے جسم پر کہیں ایک خراش تک نہیں آئی تھی۔ ہزاروں تلواریں میرے بدن سے ٹکرائی ہوں گی لیکن وہ اپنے پیچھے کوئی نشان نہیں چھوڑ گئی تھیں۔ سارہ کے جوانوں کے سامنے میری غیر معمولی جسمانی قوتوں کا یہ ایسا مظاہرہ تھا جسے دیکھ کر ان کی عقل دنگ رہ گئی تھی۔

وہ ساری رات زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے اور لاشیں ہٹانے

گزری۔ حملہ آوروں کی تقریباً ساری تعداد کے علاوہ بستی کے کچھ لوگ بھی مارے گئے تھے۔ اگرچہ ان کی تعداد بہت کم تھی۔ سی مکانات جل کر ہو گئے تھے لیکن ان کے مکینوں کو بچا لیا گیا تھا۔ اس طرح مجموعی طور پر زیادہ نقصان نہیں ہوا تھا۔ گرفتار شدہ حملہ آوروں کو ایک مکان میں قید کر دیا گیا اور سخت پہرہ لگا دیا گیا۔

سارہ کے جوان بار بار میرے جسم کو چھو کر دیکھ رہے تھے۔ انہیں کسی طرح یقین نہیں آتا تھا کہ میں اتنی تلواریں کھانے کے بعد بھی زندہ ہوں اور میرے جسم پر ایک خراش تک نہیں آئی۔

"سارہ م کیا تم ہمیں اپنے اس راز میں شریک نہیں کرو گے؟" وہ بار بار مجھ سے پوچھ رہے تھے۔

"میں تمہیں اس بارے میں کیا بتا سکتا ہوں میرے دوستو! میں خود نہیں جانتا۔ بس یوں سمجھ لو کہ میری جلد میں ایسی خاصیت ہے کہ لوہا اس پر اثر نہیں کرتا۔"

ظاہر ہے وہ میری اس بات پر یقین نہیں کر سکتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ میں اس بات کو تسلیم کر لوں کہ میں کوئی دیوتا ہوں اور مجھے سارہ والوں کے لیے بھیجا گیا ہے۔ میرے لیے ان لوگوں کا پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا۔ وہ میرے اپنے لوگ تھے اور برسوں میرے ساتھ رہتے تھے۔ میں نے آج تک اپنی حقیقت کو ان سے پوشیدہ رکھا تھا مگر آج اس اچانک انکشاف سے وہ سب کے سب چکرا کر رہ گئے تھے۔

صبح ہونے میں تھوڑی دیر باقی تھی جب ہم لوگ قبرستان چلے گئے۔ لاشوں کو دفنایا جا چکا تھا اور زخمیوں کو دوائیں دی جا چکی تھیں۔ جن گھروں کے لوگ مارے گئے تھے۔ وہاں سے آہ و بکا کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔

صبح کو حملہ آوروں کے سردار کو مع اس کے ساتھیوں کے میرے سامنے لایا گیا۔

سردار ایک جوان العمر آدمی تھا۔ اس کی عمر بیس بائیس سال کے قریب ہو گی۔ وہ بڑا تنومند ہیکل اور بھاری بھرکم آدمی تھا۔ میں نے بار بار اسے میرے کی طرف اٹھتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ میں نے اسے کہیں دیکھا ہے، لیکن کب اور کہاں؟ یہ مجھے یاد نہیں آ رہا تھا۔ تاہم اس کے خدوخال مجھے جانے پہچانے لگ رہے تھے۔

"تم لوگ کون ہو اور اس بستی پر حملہ کرنے سے تمہارا کیا مقصد تھا؟" میں نے سردار سے براہِ راست مخاطب ہو کر پوچھا۔

بستیوں پر حملے کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے اور وہ ہے علاقہ تسخیر۔ ہمیشہ سے یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ حکومت اس کی ہے جس نے زیادہ قبضہ کیا ہو۔ اگر تم نے سارہ پر قبضہ کر کے اسے جیتنے کی کوشش کی تو اس میں کون سی انوکھی بات ہے؟" سردار نے جواب دیا۔

پروفیسر میں اس کے اس صاف اور منطقی جواب پر حیران رہ گیا۔ میرا خیال تھا کہ شاید وہ کوئی معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرے گا

[illegible] نہیں کیا۔

میں غور سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا اور وہ بھی مجھے بغور دیکھ رہا تھا۔ چند لمحوں تک مکمل خاموشی رہی۔ پھر اچانک اس نے [illegible] سارہ کی بستی کے سردار کا نام لیا۔ اس سنسنی خیز جمہوری تحقیق کے [illegible] میں موجود تھے نے آج سے بہت عرصے پہلے رناس کے جہاز پر بغاوت [illegible] سے غلاموں کو آزاد کروا دیا تھا۔ وہ رناس اور اس کے [illegible] کے کرتا دھرتا تھا؟

[illegible] اس بات کو کیونکر علم ہوا؟ میں نے حیرت سے اس سے [illegible] رناس کے زیادہ تر آدمی مارے گئے تھے اور جو زخمی ہو [illegible] تھے انہوں نے صحت یاب ہونے کے بعد اس بستی میں سکونت اختیار [illegible] ان میں سے کوئی باہر نہیں گیا تھا اور عرصہ ہوا وہ سب کے سب [illegible] چکے تھے۔ سارہ کے پرانے اور نئے باشندوں نے اس راز کو [illegible] رکھا تھا۔

[illegible] کچھ میں تمہیں بتاؤں گا۔ اس میں تمہیں اپنے تمام سوالوں کا [illegible] مل جائے گا۔ سردار نے کہا۔ "سنو میں رناس کا بیٹا ہوں۔ [illegible] بھولا نہیں ہوں۔ مجھے اس کی شکل جانی پہچانی کیوں لگ رہی تھی۔ [illegible] نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ "اب تمہارے باپ [illegible] سے جنگ کی تھی۔ اس وقت میں یہاں سے بہت دور [illegible] ایک ملک میں اپنی ماں کے ساتھ مقیم تھا اور میری عمر صرف [illegible] سال کی تھی۔ جنگ کے دوران میرا باپ مارا گیا اور اس کے سارے [illegible] ہو گئے۔ لیکن ایک جہاز جو میرے باپ کا خاص وفادار [illegible] تھا، خاموشی سے سمندر میں کود گیا اور کسی کو نظر نہیں آیا۔ [illegible] کس طرح ہمک کر سمندر میں کود گیا اور [illegible] کو بچا لیا۔ [illegible] نے مجھے اسی وقت [illegible] ہمارے ساتھ ہی رہنے لگا اور اس نے مجھے سمندروں کی سیر [illegible] کروائی۔ وہ مجھے ایک ماہی گیر کے بھیس میں یہاں لے کر آیا اور [illegible] دکھائی جہاں بدوؤں کا قبیلہ آیا تھا۔ اس وقت یہ بستی آباد ہو چکی [illegible] کے کہنے کے مطابق اس سے پہلے یہاں کسی بستی کا وجود نہ [illegible] مجھے ساتھ لے کر بستی میں گیا اور میں نے تمہارے والد کو دیکھا۔ [illegible] یہی شخص میرے باپ کا قاتل ہے۔ یہاں تک کہ میں جوان [illegible] نے تمہارے باپ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ اس کی [illegible] بگڑی تھی اور اس کے جسم کی رنگت دنیا سے نرالی تھی۔ کچھ [illegible] سوداگر کے بھیس میں خود اس بستی میں آیا اور میں نے تمہیں [illegible] ہوا اپنے باپ کی تصویر ہو۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم [illegible] کے بیٹے ہو جس نے میرے باپ کو قتل کیا تھا اور اپنے باپ [illegible] کی بستی کے سردار ہو۔ میرے پاس دولت کی کمی نہیں تھی، [illegible] میں بہت بڑی جاگیر خرید لی اور ایک مضبوط فوج تیار

کر کے اس بستی پر حملہ کر دیا تاکہ اپنے باپ کے قاتلوں سے بدلہ لے سکوں۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں ناکام رہا۔ اب میں شکست خوردہ تمہارے سامنے موجود ہوں۔ تم مجھے قتل کر سکتے ہو۔ تمہاری شجاعت ناقابلِ تسخیر ہے۔"

میں اس شخص کی صاف گوئی پر حیران رہ گیا۔ اس نے اپنے عزائم کے بارے میں کوئی بات نہیں چھپائی تھی جبکہ سب کچھ صاف صاف بتا دیا تھا۔ میں اس کی صاف گوئی سے بڑا متاثر ہوا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ پروفیسر یہ شخص بچپن کے دور میں مجھے دیکھ چکا تھا اور آج چھبیس تیس سال بعد اس نے پھر مجھے دیکھا تھا اور بالکل ہی طور پر اس کا خیال یہ تھا کہ جس شخص کو اس نے بچپن میں دیکھا تھا وہ میرا باپ تھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ وہ مجھ ہی کو میرا باپ سمجھ رہا تھا۔

میں اسے اور زیادہ حیران نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا میں نے اس کی غلط فہمی رفع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ سارہ کے جو دو سے لوگ اس وقت وہاں موجود تھے ان میں سے کوئی میری اجازت کے بغیر نہیں بول سکتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ان سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقصاں تھی۔ وہ رناس کی اس دلچسپ غلط فہمی سے بہت لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"یہ ٹھیک ہے کہ تم اپنے باپ کا انتقام لینا چاہتے تھے۔" میں نے رناس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "لیکن کیا تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ تمہارا باپ ایک ظالم بدوؤں کا سردار تھا اور اس نے [illegible] سال کو جزیروں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان لوگوں نے اس کے خلاف بغاوت کی اور اسے قتل کر دیا تو کون سی غلط بات ہے؟"

"مجھے ان سب باتوں سے کوئی مطلب نہیں۔" رناس نے جواب دیا۔ "میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ میرا باپ تھا اور اس کے قتل کا بدلہ لینا میرا فرض تھا۔"

میں نے سمجھ لیا کہ اس سے زیادہ گفتگو کرنا بے کار ہے کیونکہ وہ سراسر انتقام کے جذبے میں ڈوبا ہوا تھا۔

"رناس!" میں نے اس سے کہا۔ "یہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم لوگ پچھلی ساری باتوں کو فراموش کر کے دوست بن جائیں؟ تم کافی نقصان اٹھا چکے ہو اور تمہاری فوج کا بڑا حصہ تباہ ہو چکا ہے۔ تم نے دیکھ لیا کہ سارہ ناقابلِ تسخیر ہے۔"

"دوست؟" وہ حیرت سے اچھل پڑا۔ "تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ کیا تمہارا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے زندہ واپس جانے کی اجازت دے دو گے؟"

"میں انتقام پسندی کا قائل نہیں ہوں۔" میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "اگرچہ تم حملہ آور کی حیثیت سے یہاں آئے تھے اور تم نے ہمیں خاصا نقصان بھی پہنچایا ہے تاہم تم اب ہمارے سیر ہو اور تمہارے ساتھ جو سلوک چاہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن میں قیدیوں کو ہلاک کرنا انتہائی بزدلی سمجھتا ہوں۔ لہٰذا میں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو آزاد کرتا ہوں۔ تم جس وقت چاہو یہاں سے چلے سکتے ہو۔"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔" رالشوز نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔ "تم نے ہم لوگوں کی جان بخشی کر کے عالی ظرفی کا ثبوت دیا ہے۔ میں اجازت دوں تاکہ ہم اپنے گھروں کو واپس جا سکیں اور ان لوگوں کے بل خاندان کے غم میں شریک ہو سکیں جن کی موت کی اطلاع ہم اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

میں نے محسوس کیا کہ رشوز کی آنکھوں میں منافقت کی چمک تھی۔ میں اس کے لہجے کی کاٹ کو بھی محسوس کر رہا تھا۔

"تم نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے سارہ کے سردار رالشوز نے موید کہا۔ "مجھے اپنی شکست کا علم تو یقیناً ہے، لیکن میں تمہاری بلند ہمتی اور عالی حوصلگی کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہم آج سے دوست ہیں۔" اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ لیکن پروفیسر میں اپنے صدیوں کے تجربے کی بنا پر یہ بات واضح طور پر محسوس کر رہا تھا کہ رالشوز کی دوستی کی پیشکش میں ریاکاری کا عنصر شامل ہے اور اس نے دل سے اپنے باپ کے قاتل کو بیٹے کا درجہ نہیں دیا ہے۔

"میں کچھ عرصہ بعد تمہیں اپنی جاگیر پر مدعو کروں گا اور یہ میری عزت افزائی ہوگی اگر تم میری دعوت قبول کرو۔" رالشوز نے کہا۔

میں نے اس کا ہاتھ تھاما اور "میں تمہاری دعوت ابھی سے قبول کرتا ہوں رالشوز۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے تمہارا مہمان بن کر خوشی ہوگی۔"

رالشوز اور اس کے ساتھی رخصت ہو گئے۔ اور اپنے پیچھے لاشوں کا ایک انبار چھوڑ گئے، جنہیں دفن کرنے کے لیے گورکھے کھودنے کھود کے بستی والوں کے شانے دکھ گئے۔ رالشوز کے جانے کے بعد بستی کے ان معمر لوگوں نے جو رالشوز کے ساتھ میری بات چیت کے وقت موجود تھے اپنے خدشات کا برملا اظہار کیا اور یہ کہا کہ انہیں رالشوز کی نیت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی ہے۔ ان کے خیال کے مطابق رالشوز اس وقت تو مجبوری کی حالت میں واپس چلا گیا ہے لیکن وہ ایک انتقام پسند آدمی ہے اور دوبارہ کوئی شرارت کرنے کی کوشش کرے گا۔ انہوں نے مجھے خبردار کیا کہ میں اس کی جاگیر پر نہ جاؤں۔ میں نے ان لوگوں کی باتوں سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ انہیں فی الحال گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ابھی ایک طویل عرصہ تک رالشوز اس قابل نہیں ہو سکے گا کہ سارہ پر دوبارہ حملہ کرنے کے بارے میں سوچے۔ تاہم انہیں چوکس اور تیار رہنے کی ضرورت ہے۔

"وہ تمہاری غیر معمولی قوت کا مشاہدہ کر چکا ہے۔" ایک بوڑھے رالشوز نے کہا۔ "اب وہ اس وقت تک سارہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ نہیں بنائے گا جب تک تم یہاں موجود ہو۔ اس کی کوشش یہ ہوگی کہ پہلے کسی حیلے سے تمہیں ٹھکانے لگا دے۔ اس کے بعد سارہ پر حملہ کرے۔"

"ممکن ہے وہ اس انداز میں سوچ رہا ہو۔" میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "بہرحال خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

چند ماہ بغیر کسی خاص واقعے کے گزر گئے۔ اس دوران سارہ والے ان لوگوں کا غم کافی حد تک بھول چکے تھے جو پچھلی لڑائی میں مارے گئے تھے۔ زندگی اپنے معمول کے مطابق جاری تھی۔ لوگ آہستہ آہستہ پچھلی لڑائی کو بھولتے جا رہے تھے۔ البتہ ایک بڑی تبدیلی یہ ضرور ہوگئی تھی کہ سارہ کے لوگوں کے لیے میری شخصیت جو پہلے ہی خاصی پراسرار تھی اب افسانوی ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ مجھے کوئی مافوق الفطرت وجود سمجھنے لگے تھے۔ یا کہ محض لوگوں نے باقاعدہ دیوتا سمجھ کر میری پوجا بھی شروع کر دی تھی جنہیں میں نے سختی سے ایسا کرنے سے منع کیا۔

پھر ایک دن پروفیسر رالشوز کا ایک ایلچی میرے پاس آیا۔ رالشوز کی طرف سے وہ میرے لیے دعوت نامہ لایا تھا۔ رالشوز نے مجھے اپنی جاگیر پر مدعو کیا تھا اور لکھا تھا کہ وہ میری مہمان نوازی کو بھولا نہیں ہے اور چاہتا ہے کہ اب میں اسے میزبانی کا موقع دوں۔ میں نے رالشوز کے ایلچی کو بڑی عزت کے ساتھ ٹھہرایا۔ اور اس کے آرام و طعام کے لیے بندوبست جاری کیا۔

سارہ کے لوگوں کو جب یہ علم ہوا کہ مجھے رالشوز نے مدعو کیا ہے تو وہ اس خبر سے خاصے پریشان ہوئے۔ بستی کے معمر دانشمندوں نے ایک دفعہ میرے پاس آیا اور اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں رالشوز کی دعوت کو مسترد کر دوں۔ انہیں اس کے پیچھے کسی سازش کی بو آ رہی تھی۔ مجھے ان لوگوں کو مطمئن کرنے میں خاصی مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ اصل میں یہ تھی پروفیسر کو ایک طویل عرصے سے میں خاموشی اور سکون کی زندگی گزارتا چلا آیا تھا۔ چند ماہ پہلے سارہ پر رالشوز کے حملے میں مجھے کچھ ہمت سیدھے کرنے کا موقع ملا تھا اور اس کے بعد پھر وہی زندگی کی مسافت شروع ہو گئی تھی۔ سارہ میں رہتے رہتے میں ایک مسلسل کی زندگی گزار رہا تھا جس بستی کو میں نے اپنے ہاتھوں سے آباد کیا تھا اب وہ ایک چھوٹی سی ترقی یافتہ اور خوشحال ریاست کی شکل اختیار کر چکی تھی جس کے پاس وسیع وسائل موجود تھے۔ میری دونوں بیویاں عرصہ ہوا مر چکی تھیں اور سارہ کی تمام جوان عورتیں میرے سامنے کی پیدا کی ہوئی تھیں اور بستی کے رشتے سے گویا میری بیٹیاں تھیں۔ بہت دنوں سے مجھے جنس مخالف کی طلب ستا رہی تھی اور اب میں بستی سے باہر نکلنا چاہتا تھا۔ مجھے اپنے دانشمندوں کی اس رائے سے پورا اتفاق تھا کہ رالشوز کی دعوت کے پیچھے کوئی سازش کارفرما ہے۔ لیکن پروفیسر اگر کوئی شخص خطرات کا شکار ہونا چاہے تو بھلا اسے ایسا کرنے سے کون روک سکتا ہے؟"

میں نے سارہ کے لوگوں کو سمجھایا کہ کسی کی دعوت کو مسترد کرنا آداب انسانی کے خلاف ہے اور خود رالشوز کے ایلچی کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ بستی والوں نے بہت چاہا کہ میں اپنے ساتھ کچھ اور لوگوں کو بطور محافظ لے لوں مگر میں نے سختی سے منع کر دیا۔ جب میں ایلچی کے ساتھ سارہ سے روانہ ہوا اور ہم لوگ کافی دور نکل آئے تو راستے میں ہمیں دو گھوڑ سوار ملے۔ انہوں نے ایلچی سے گفتگو کی۔ ایلچی نے مجھے بتایا

کہ یہ رشوز کے ملازمین خاص ہیں اور اس بات کی تصدیق کرنے آئے ہیں کہ میں نے رالشوز کی دعوت قبول کر لی ہے تاکہ یہ ہم سے پہلے اس کا پیغام پہنچا کر رشوز کو ہماری روانگی کی اطلاع دے سکیں۔ کئی دن کی مسافت کے بعد ہم رالشوز کی جاگیر میں پہنچ گئے۔

رالشوز کی جاگیر میں میرا شایانِ شان خیر مقدم کیا گیا۔ رالشوز نے خود محل سے پہلے آ کر میرا استقبال کیا اور مجھے ساتھ لے کر اپنی جاگیر میں گھومنے پھرنے لگا۔ اس کا علاقہ کافی خوبصورت اور زرخیز تھا اور اس کے مکانوں کی تعمیر مشرقی جھلک صاف نظر آتی تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ رالشوز کی بیوی مشرقی عورت تھی اور رالشوز نے اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ مشرق میں گزارا تھا۔

رالشوز کا محل جتنا باہر سے خوبصورت تھا اس سے کہیں زیادہ اندر سے خوبصورت تھا۔ اس کی تراش میں اعلیٰ ذوق اور نفاست کا ثبوت دیا گیا تھا۔ جگہ جگہ حسین اور نازک اندام کنیزیں نظر آئیں جو مسکرا مسکرا کر ہم لوگوں کا خیر مقدم کر رہی تھیں۔ مجھے جس کمرے میں ٹھہرایا گیا وہ نہایت نفیس قسم کے قیمتی ساز و سامان سے آراستہ تھا۔ دیواروں پر نقش پردے لٹکے ہوئے تھے اور لکڑی کی منقش میزیں اور کرسیاں موجود تھیں جو نہایت آرام دہ اور قیمتی تھا اور جا بجا میزوں پر قیمتی گلدان سجے ہوئے تھے جن میں تازہ پھول مہک رہے تھے۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔

میں نے اشمارا کے محل کی اس شان و شوکت کا سارہ کی بستی سے موازنہ کیا تو مجھے واضح فرق نظر آیا۔ سارہ میں زندگی سادہ اور ہر قسم کے تکلف اور تصنع سے آزاد تھی۔ بات یہ ہے پروفیسر کہ سارہ کی بنیاد جن ہاتھوں نے رکھی تھی وہ غریب اور جفاکش ہاتھ تھے اور ان کی ساری توجہ اجتماعی خوشحالی پر صرف ہوئی نہ کہ انفرادی دولت اکٹھی کرنا۔ سارہ میں رالشوز کے محل جیسا کوئی محل موجود نہیں تھا۔ وہاں کے لوگوں کو سادہ طرز زندگی اپنے آباؤ اجداد سے ورثے میں ملا تھا۔ وہ ابتدا ہی سے اس شان و شوکت اور طمطراق سے دور رہتے تھے۔

ایک طویل مدت کے بعد عیش و طرب کا یہ ماحول میری زندگی میں ایک بار پھر داخل ہو گیا تھا۔ میرے میزبان میرے ہر گرویدہ ہو چکے تھے۔ رالشوز کی آنکھیں کسی اندرونی جذبے کے تحت چمک رہی تھیں۔ وہ جس انداز میں میری آؤ بھگت کر رہا تھا اس میں انتہائی خلوص اور تصنع کو زیادہ دخل تھا۔

میں اس کمرے میں آرام دہ بستر پر لیٹ گیا جو میرے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ میں نے ایک طویل سفر طے کیا تھا اور اب ایک آرام دہ بستر کی سب سے بڑی ضرورت تھی۔ ابھی مجھے بستر پر لیٹے ہوئے چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ دروازہ کھلا اور ایک آفت جاں حسین اور جامہ لیے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ ایک نہایت حسین کنیز تھی۔

اس کی مسکراہٹ میں بے باکی اور بے حجابی تھی۔ وہ ایک ادا سے آ کر میرے قریب بیٹھ گئی اور اس نے صراحی اور جام کو میز پر رکھ دیا۔

"میں اشمارا کی وہ سب سے زیادہ خوش نصیب عورت ہوں جسے رالشوز نے تمہاری خدمت پر مامور کیا ہے سردار۔" اس نے جام بھرتے ہوئے کہا۔

"اس میں خوش نصیبی کی کیا بات ہے؟" میں نے کہا۔ "میں تم لوگوں کا مہمان ہوں اور مہمان کے آرام کا خیال رکھنا میزبانوں کا فرض ہے۔"

"ہاں!" اس نے جواب دیا۔ "لیکن تم جیسے مہمان کی میزبانی کا شرف مجھے اس سے پہلے کبھی حاصل نہیں ہوا۔"

دوسرے دن رات کو کھانے کے بعد ایک بہت بڑے کھلے میدان میں جشن کا اہتمام کیا گیا تھا۔ یہ ایک عجیب و غریب قسم کا جشن تھا۔ جشن میں رالشوز کے علاوہ اشمارا کے بہت سے بڑے بڑے سردار اور فوجی انتظامی افسر شریک تھے۔ قالینوں کے فرش پر جا بجا کشتیوں میں پھل اور میوے رکھے ہوئے تھے اور خوبصورت کنیزیں جام بھر بھر کر مہمانوں کو پیش کر رہی تھیں۔ جشن کی جگہ سے کوئی آدھے فرلانگ کے فاصلے پر گھاس پھوس کی بہت سی خوبصورت اور گول کٹیائیں بنائی گئی تھیں جنہیں رنگین پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ یہ گول گول کٹیائیں بہت بڑی تھیں اور ان میں انسان پورے قد سے کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ میں ابھی تک ان سجی سجائی اور خوبصورت کٹیاؤں کا مقصد نہیں سمجھ سکا تھا لیکن جشن کے دوران یہ بات میری سمجھ میں آ گئی۔

رقص جب عروج پر پہنچا تو مجھے مرسلہ ایک کٹیا میں لے گئی

کٹیا اندر سے بھی بہت خوبصورت تھی۔ اس میں صرف ایک بستر تھا نرم اور آرام دہ بستر جو زمین پر بچھا ہوا تھا۔ کٹیا اتنی چھوٹی تھی کہ اس میں ایک سے زیادہ بستر کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ میں نے کٹیا کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ ایک کونے میں شمع دان رکھا ہوا تھا جس پر ایک چھوٹی سی شمع جل رہی تھی جس کی مدھم روشنی کٹیا میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ کٹیا میں اور کوئی سامان نہ تھا۔

"خوش نصیبی ایک بار پھر میرے ساتھ ہے سردار۔" مرسلہ نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "رالشوز نے مجھے خاص طور پر ہدایت دی تھی کہ میں تمہیں اس کٹیا میں لا[illegible] دوں کیونکہ تم مجھے پسند کرنے لگے ہو۔ میں اشمارا کی سب سے زیادہ حسین عورت ہوں۔"

"رالشوز کیوں چاہتا تھا کہ تم مجھے اس کٹیا میں لاؤ؟" میں نے پوچھا۔

"یہ کٹیائیں صرف تمہاری آمد کی خوشی میں بنائی گئی ہیں۔ یہ خرب کٹیائیں آج کی رات کے جشن کے لیے خاص طور سے تیار کی گئی ہیں۔"

aazzamm@yahoo.com

نہ جانے کس وقت میں اور مرسیلہ بندی کی آغوش میں چلے گئے تھے اچانک ایک غیر معمولی گرمی اور تپش کے احساس نے مجھے بیدار کر دیا۔ میری حیران آنکھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ گھاس پھوس کی بنی ہوئی خوبصورت اور مرصع جھونپڑی کو چاروں طرف سے شعلوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ دیکھتے دیکھتے اور بندھنوں کا ایک حلقہ سا گرد قائم ہو گیا تھا۔ ہم دونوں شعلوں کے حصار میں تھے اور سری عالم میں مرسیلہ نے رک رک کر مجھ سے کہا۔

مجھے تمہارے ساتھ مر کر دنیا کی سب سے بڑی خوشی حاصل ہو رہی ہے سرور سارو۔ تم سے جدائی کا تصور بھی محال تھا۔ میں رالشوز کی وفادار تھی اور اس کی سب سے زیادہ دل پسند کنیز۔ وہ مجھ سے جدا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے خود کو اس کام کے لیے وقف کیا۔ رالشوز نہیں جلانے کا تہیہ کر چکا تھا میں اسے روک نہیں سکتی تھی اور اگر میں نہیں پہلے سے تادیق کو یہ اپنے لوگوں سے غداری ہوتی۔ میں تمہارے ساتھ مر رہی ہوں سارو۔ میں تمہارے ساتھ مر رہی ہوں۔ میں نے اپنے لوگوں سے غداری نہیں کی میں نے رالشوز کی حکم عدولی بھی نہیں کی اور میں نے اپنے دل کی مراد بھی پالی۔ اس کے ساتھ ہی شعلے اس کے جسم کو بری طرح چاٹنے لگے، وہی حسین و نازک جسم

میرے دیکھتے ہی دیکھتے چوب خشک کی مانند دھڑا دھڑ جلنے لگا۔ مرسیلہ کی چیخیں دل دہلا دینے والی تھیں۔ اور پھر پروفیسر گویا ایک تدفن کا پیکر جاں بلب رحمت کے لطیف زندگی بخش چھینٹوں سے اپنے جسم کو ایک یک مسام کو تر کر رہا تھا۔ آگ کے شعلے میرے گرد و پیش میں حرارت کر رہے تھے اور میرے وجود کو ایک نئی توانائی، ایک نئی قوت بخش رہے تھے۔ میں کبھی آگ میں کودنے کا تصور نہ کر سکتا تھا۔ جسم کا کوئی حصہ حرارت سے خوفزدہ جاتے۔ کبھی کھڑا ہو کر شعلوں سے ہم آغوش ہو جاتا۔ میرا دل رواں بک جانے کا احساس سرت سے سرشار تھا۔ یقیناً انہوں نے جھونپڑی کی گھاس پھوس میں کچھ ایسے کیمیاوی مادے استعمال کیے تھے جو اسے معمول سے زیادہ دیر تک جلتا رہنے دیں۔ میرے اس آتش عمل کا سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا۔

مجھے مرسیلہ کی ناوقت موت کا افسوس تھا۔ وہ ابھی نوجوان تھی۔ اور اس کے سامنے زندگی کے وسیع شب و روز پھیلے ہوئے تھے۔ لیکن مجھ سے اس کی ناوقت موت کیلئے پیام مرگ ثابت ہوئی۔ عجیب لڑکی تھی۔ پروفیسر ایک وقت دو کشتیوں میں سفر کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنے لوگوں سے غداری کی مرتکب بھی نہیں ہونا چاہتی تھی اور میرا ساتھ بھی نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ اپنی دانست میں وہ عدم کے سفر میں میری ہمراہی تھی۔ لیکن اس بے چاری کو کیا معلوم تھا کہ اسے یہ سفر تنہا ہی کرنا پڑے گا۔

کافی دیر گزر جانے کے بعد جب آگ کے شعلے بالکل سرد ہو گئے اور دھوئیں کی طرح سیاہ ہو کر خاک کا ڈھیر بن گیا اور جھونپڑی کی بھی خاک کے سوا کچھ باقی نہ رہا اور دھوئیں کے گہرے سیاہ بادل چھٹ گئے تو میں نے دیکھا کہ دور دور تک سناٹا اور اندھیرا پھیلا ہوا ہے۔ کوئی انسان نظر نہیں آ رہا ہے جنگل گاہ ویران پڑی ہوئی تھی۔ چند ساعت خالی ادھر سے ادھر بھٹک رہے تھے۔ چند کتے کھانے پینے کی بچی کھچی اشیاء پر آپس میں جھپٹ پڑے میں مصروف تھے۔ باقی ساری کیمیاش خالی اور ویران پڑی تھیں اور میں تنہائیت کے سناٹے ویرانی اور اندھیرے میں، راکھ کے ڈھیر کے درمیان سونے کے ایک ستون کی مانند کھڑا ہوا تھا۔ میں نے دور دور تک اپنی نظریں دوڑائیں۔ رالشوز کے محل میں ہلکی ہلکی روشنی نظر آ رہی تھی۔ بستی کے باقی تمام مکانوں میں اندھیرا پڑا تھا۔

بات اتنی صاف تھی پروفیسر کہ اسے سمجھنے کے لیے دماغ پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ رالشوز میری تمناؤں کے جوہر دیکھ چکا تھا اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ کھلے مقابلے میں ایک لشکر بھی مجھ پر غالب نہیں آ سکے گا تاہم وہ مجھے ہلاک کرنے کے درپے تھا۔ وہ اپنے باپ کے قاتل کے بیٹے کو معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے مشاورین نے اپنی شکست کے فوراً ہی بعد ایک سازش کا منصوبہ تیار کر لیا تھا جس کا تھوڑا بہت اندازہ مجھے ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے مارنے کے لیے اپنے محل کی سب سے زیادہ دلنواز کنیز کو بھی قربان کر دیا۔ مجھے رالشوز سے اس طرز عمل پر سخت غصہ آیا۔ میں کوئی جواز اس کے جواب میں اثبات کا ایک گھر کو راکھ کا ڈھیر بنا سکتا تھا لیکن میرا منصب نہیں تھا۔ میں تو صرف عفو و درگزر تھا۔ میں تو لوگوں کو بھی مجبوری صرف اس وقت سزا دیتا تھا جب میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ کار باقی نہ رہے۔

چنانچہ میں نے فیصلہ کیا پروفیسر کہ رات کے اس مہیب سناٹے میں جبکہ یہ تمام لوگ اس یقین کے ساتھ یہاں سے چلے گئے ہیں کہ ہم انہیں کی ہڈیاں اس جگہ سے دستیاب ہوں گی، یہاں سے چلا جاؤں۔ میں اس خوش فہمی کا شکار رہنے دوں کہ وہ مجھے ہلاک کر چکے ہیں۔ کیا کر کچھ دیر تک تو ان کی یہ غلط فہمی قائم رہ سکتی تھی۔ اس وقت تک جب تک کہ انہیں کسی ذریعے سے میرے زندہ ہونے کی اطلاع نہ مل جاتی۔

میں نے اپنے جسم کو جھٹک کر راکھ جھاڑ دی۔ بالوں کو صاف کیا اور گرد و غبار کو پرے پاؤں رکھنا ہو آگے بڑھا لیکن فوراً ہی ایک خیال نے میرے قدم روک لیے۔ صبح کو جب یہ لوگ یہاں آئیں گے اور انہیں ایک بھی انسانی جسم کی جلی ہوئی ہڈیاں ملیں گی تو شاید ان کے دل میں یہ خیال آئے کہ میں کس طرح بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ چنانچہ ممکن ہو گا کہ انہیں کوئی انسانی ہڈی نہ ملے اور وہ یہی سمجھیں کہ آگ کی شدت سے ساری ہڈیاں جل کر راکھ ہو گئی ہیں۔ چنانچہ میں نے مرسیلہ کے بدن کی ایک بھی ہڈی بھی ساتھ نہیں اور وہاں سے چل دیا۔ میں واپس سادہ جا رہا تھا۔

تقریباً ساری رات سفر کرنے کے بعد مجھے ایک ندی ملی۔ میں نے مرسیلہ کے بدن کی ہڈیاں اس ندی میں بہا دیں اور خود خنک اور فرحت بخش پانی میں اتر گیا۔ ندی کا پانی بے حد شفاف اور ٹھنڈا تھا اور اس نے

میرے جسم کو ایک نئی تازگی بخش دی۔ ذرا غور کرو پروفیسر کس قدر عجیب اتفاق تھا۔ میں نے اسے اس میں غسل کہا تھا اور اب میں پانی میں غسل کر رہا تھا۔ میں بڑی دیر تک نہاتا رہا اور میرے مسامات میں جما ہوا راکھ کا ایک ذرہ باقی نہ رہا۔ میں ہلکا پھلکا ہو گیا۔ میری جلد کندن کی طرح چمکنے لگی۔ میرا رنگ و روپ خوب نکھر آیا۔ میں اپنے آپ کو دیکھ کر خود بخود مسکرا پڑا۔ کتنا عجیب تھا کہ آج بھی میری زندگی تھی اور پانی بھی۔ آگ مجھے حرارت، زندگی اور توانائی بخشتی تھی اور پانی مجھے فرحت اور تازگی بخشتا تھا۔ دونوں میرے لیے زندگی کی علامت تھے۔

میں راستے میں یہی سوچ رہا تھا کہ رالشوز اور اس کے ساتھی جب یہاں آئیں گے اور میرا اور مرسیلہ کا نام و نشان بھی نہ پائیں گے تو انہیں کیا محسوس ہو جائے گا کہ وہ مجھے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ رالشوز کا اس سے کتنی تقویت پہنچے گی۔ حالانکہ اصل صورت حال یہ تھی کہ رالشوز مجھے اس شخص کا بیٹا سمجھ رہا تھا جس نے اس کے باپ کو مارا۔ کیا تو اسے یہ بات بھی سمجھنی چاہیے تھی کہ اس کے باپ کے قتل میں میرا کوئی قصور نہیں۔ لیکن وہ تو انتقام کی آگ میں اندھا ہو رہا تھا۔

سادہ کی جانب میرا سفر کئی دن تک جاری رہا بالآخر میں سادہ کے قریب پہنچ گیا۔ لیکن مجھے بعض عجیب و غریب تبدیلیوں کا احساس ہوا۔ جنگلوں کے قریب سے گزر رہا تھا۔ آجکل برفانی کا موسم تھا لیکن مجھے کہیں کھیت میں لوگ کام کرتے اور ہل چلاتے دکھائی نہیں دیے۔ اور پھر درختوں پر طوطوں کے جھنڈ شور مچا رہے تھے۔ اور پرندے کوکاٹ کر نیچے پھینک رہے تھے۔ عام حالات میں ایسا نہیں تھا کیونکہ سادہ کے باغات اس پورے علاقے میں اپنے پھلوں کے لیے جانے جاتے تھے اور ان کی بڑی سختی کے ساتھ حفاظت کی جاتی تھی۔ ہر باغ میں کئی کئی رکھوالے موجود رہتے تھے۔ طوطوں اور دوسرے پرندوں کو بھگاتے رہتے تھے کیونکہ پرندے کھیتوں پر منڈلاتے تھا۔ میرا دل ایک عجیب سے احساس کے تحت بری طرح سے دھڑکنے لگا۔ بستی ابھی کافی دور تھی۔

اور پھر مجھے بستی کے آثار نظر آنے لگے۔ دور سے ہی مجھے نظر آ رہا تھا کہ یہ بستی ویسی نہیں ہے جیسی میں اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ تبدیلیاں نمایاں تھیں اور جب میں قریب پہنچا تو میری آنکھوں نے دلخراش منظر دیکھا۔ بستی کے بہت سے مکانات جلے ہوئے اور تباہ حال تھے جگہ جگہ بربادی کی نشانیاں نظر آ رہی تھیں۔

بستی کے بچے کھچے لوگوں نے جن میں نوجوانوں کی تعداد بہت کم تھی، مسکراتے ہوئے آہوں کے درمیان مجھے بتایا کہ بستی سے میری روانگی کے دوسرے ہی دن رالشوز نے اپنے آدمیوں کے ساتھ بستی پر زبردست حملہ کیا۔ اس بار رالشوز ایک بہت بڑی فوج لے کر آیا تھا جس میں نئے سپاہیاں پہلے سے زیادہ تھیں۔ پہلے کی طرح اس بار بھی انہوں نے بستی والوں کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور تھوڑی ہی ملانے ناگہانی کی طرح لوگوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس بار حملہ اس وقت کیا گیا جب بستی کے زیادہ تر مرد باغوں، کھیتوں اور دوسری جگہوں پر اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ بستی کے جوانوں نے جیسے تیسے کر کے خود کو مقابلے کے لیے تیار کیا۔ لیکن ان پر بے خبری میں چھاپہ مارا گیا تھا اس لیے انہیں زبردست نقصان اٹھانا پڑا۔ زیادہ تر جوان مارے گئے۔ حملہ آوروں نے بستی کے مکانوں کو آگ لگا دی۔ اور سارے گھروں کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ سب سے زیادہ ظلم اور افسوس کی بات یہ تھی کہ حملہ آور بستی کی بیشتر نوجوان عورتوں کو بھی پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ بہت سی عورتوں نے اپنی عزت بچانے کی خاطر کنوؤں میں چھلانگیں لگا دیں اور جان دے دی۔ حملہ آوروں نے خوب جی بھر کر بستی کو تہس نہس کیا اور اس کے بعد عورتوں کو ساتھ لے کر واپس چلے گئے۔ انہوں نے کھیت کے گودام بھی خالی کر دیے تھے۔ مویشیوں کی ایک بڑی تعداد کو بھی وہ اپنے ساتھ ہنکا لے گئے۔

بستی کے لوگوں کی زبانی یہ المناک داستان سن کر میرا دل خون کے آنسو رونے لگا اور میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ رالشوز نے کیسی کی انتہا کر دی تھی۔ اب اس کی پوری اسکیم میری سمجھ میں آ رہی تھی۔ اس نے اپنی فوج کو میرے پاس بھیجنے کے ساتھ ہی ایک بڑے لشکر کی مدد سے سادہ پر حملے کا منصوبہ بنایا تھا۔ جب میں میرے پاس آیا اس وقت رالشوز اپنے لشکر کے ساتھ سادہ سے زیادہ دور نہیں تھا اور کسی محفوظ جگہ پر چھپا ہوا تھا۔ راستے میں کہیں جو دو گھوڑ سوار ملے تھے وہ یقیناً رالشوز کے ہی آدمی تھے اور اس بات کی تصدیق کرنے آئے تھے کہ میں سادہ سے روانہ ہو گیا ہوں۔ انہوں نے رالشوز کو میری روانگی کی اطلاع دے دی۔ اور رالشوز کے لشکر نے میری عدم موجودگی کا فائدہ اٹھا کر سادہ پر ہلہ بول دیا اور بستی کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس کے بعد رالشوز اپنے لشکر کے ساتھ کسی دوسرے مختصر راستے سے مجھ سے پہلے اثمار پہنچ گیا۔ اب اسے اطمینان تھا کہ اگر میں کسی طرح اس کی گرفت سے بچ بھی نکلا تو بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ وہ اپنے کام کے بڑے حصے کو پورا کر چکا تھا۔ اپنی مجھے جس راستے سے اثمار لے گیا تھا وہ کئی دن کا راستہ تھا اور یہ صرف راستہ جان بوجھ کر اختیار کیا گیا تھا۔ جبکہ ایک دوسرا مختصر راستہ موجود تھا جسے رالشوز اور اس کے لشکر نے اختیار کیا تھا۔ رالشوز نے اپنی دانست میں ہم سب لوگوں کی مکمل تباہی کا سامان کر دیا تھا۔ سادہ کی اس نے اینٹ سے اینٹ بجا دی اور مجھے گھاس پھوس کی کٹیا میں بند کر کے نذر آتش کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ایک عام انسان کے لیے اس آتش زدگی سے بچ نکلنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ رالشوز مجھے اپنی دانست میں ختم کر چکا تھا لیکن اس بدنصیب انسان کو یہ نہیں معلوم تھا کہ میں نے خود ہی ہلاکت کے سامان مہیا کر لیے تھے اور مجھے مجبور کر دیا تھا کہ میں اس کو ختم کر دوں۔ بات یہ ہے پروفیسر کہ میں اپنے ذاتی معاملے میں تو اسے معاف کر سکتا

aazzamm@yahoo.com

تھی اور جیسا کہ میں نے بتایا، میں نے اسے معاف بھی کر دیا تھا۔ میں گ
سے نکل کر سیدھا ولیس سارہ آ گیا تھا اور میں نے اس کی اس حرکت
سے چشم پوشی کی تھی۔ لیکن جو کچھ اس نے سارہ والوں کے ساتھ کیا
اس کے لیے اُسے تاقیامت معاف نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سب کے
سب معصوم اور بے گناہ لوگ تھے۔ گزشتہ پچیس تیس سال سے وہ
امن و سکون کی زندگی گزارتے چلے آتے تھے۔ آس پاس کی بستیوں، جاگیروں
اور علاقوں سے ان کے اچھے اور دوستانہ مراسم تھے۔ انہوں نے کسی
کے علاقے کی طرف بُری نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ گزشتہ پچیس تیس برس
کے دوران سارہ والوں کی کسی سے کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی۔ رالشوز
کے پاس انہیں تباہ و برباد کرنے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں تھی۔
اس نے محض اپنی انتقام پسند طبیعت کی بنا پر بستی پر دوبارہ حملہ کیا
پہلا حملہ میری وجہ سے ناکام رہا اور دوسرے حملے میں وہ اپنا کام کر گیا۔

بستی کے ان دانشمندوں نے جنہوں نے مجھے اُٹھا لا جانے سے
روکا تھا، مجھ سے سخت شکوہ کیا کہ میں نے ان کی بات نہیں مانی اور پروفیسر
میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں اپنی غلطی کا
اعتراف کروں۔ میں نے انہیں دلاسا دیا اور یقین دلایا کہ میں سارہ کی
اس ذلت کا ضرور بدلہ لوں گا۔

"رالشوز نے تمہیں کیسے زندہ چھوڑ دیا؟" بستی کے ایک ضعیف العمر
شخص نے مجھ سے سوال کیا۔

"انہوں نے مجھے ہلاک کرنے کی پوری کوشش کی تھی۔" میں نے جواب
دیا۔ "بلکہ یہی دانست میں وہ مجھے ہلاک کر بھی چکے ہیں۔ انہیں اس بات کا
کوئی علم نہیں کہ میں زندہ ہوں، مگر میں زندہ ہوں۔ ان سے سارہ والوں
کا حساب چکانے کے لیے۔"

"کیا ان کے پورے لشکر نے تمہارے وجود کو بول دیا تھا؟" اس
ضعیف العمر شخص نے پوچھا۔ یقیناً وہ جاننا چاہتا تھا کہ اشمارہ والوں نے
مجھے کس طرح ہلاک کرنا چاہا اور میں کس طرح ان کے ہاتھوں سے بچ نکلا

میں نے اس ضعیف العمر
شخص کو یہ کہہ کر مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ انہوں نے مجھے پانی میں ڈبو
دیا تھا لیکن میں اتفاق سے بچ نکلا۔

"مگر وہ کیسا پانی تھا سارہ میں جس میں اشمارہ والوں نے تمہیں
ڈبو دیا تھا؟" بوڑھے دانشمند نے پوچھا۔ "کیا وہ کسی سونے کے پانی
کا دریا تھا؟"

"کیوں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔ بوڑھے کی بات فوری طور پر
میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"اس لیے کہ تمہارا سارا بدن کندن کی طرح چمک رہا ہے۔ ایسا
معلوم ہوتا ہے گویا تم کو ابھی ابھی سونے سے تراش کر بنایا ہے۔"

اور پھر فوراً ہی بات میری سمجھ میں آ گئی۔ میں بوڑھے کے سوال
میں صرف مسکرا کر رہ گیا۔ ظاہر ہے کہ میں آتش فشاں والی بات کا انکشاف
نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دانشمند کے اصرار پر میں نے اس سے کہا کہ پانی کے
اندر کافی دیر تک سانس لیے بغیر رہ سکتا ہوں، اور میری یہی خصوصیت
میری جان بچنے کا سبب بنی ہے۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں پانی کے نیچے
ہی نیچے تیرتا ہوا ان لوگوں کی نظروں سے دور نکل گیا۔

وہ ساری رات میں نے سارہ کے عزیز لوگوں کے ساتھ جاگ
کر گزاری۔ بچے کھچے لوگوں میں سے ہر شخص اپنی تباہی کی انفرادی کہانی
سنا رہا تھا اور میں پوری توجہ اور دل سوزی کے ساتھ ان لوگوں کی باتیں
سن رہا تھا۔ وہ مجھ پر نہ صرف اعتماد کرتے تھے۔ مجھ سے بے انتہا عقیدت
رکھتے تھے اور مجھے اپنا نجات دہندہ اور سب سے بڑا مونس و غم خوار
سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ سب کے سب مجھے اپنے غم میں شریک کرنا چاہتے
تھے۔ اور پروفیسر میں واقعی ان سب کے غم میں پوری طرح شریک تھا۔
جن لوگوں کی بہنیں، بیویاں اور بیٹیاں اغوا کر لی گئی تھیں، ان کے چہرے
میرے سامنے جھکے ہوئے تھے، اور چہروں پر ویرانی برس رہی تھی۔ مجھے
احساس ہوا پروفیسر کہ میں نے سارہ چھوڑ کر واقعی غلطی کی تھی۔ میرے
نہ ہونے کے باعث کتنے گھروں کے چراغ گل ہو گئے۔

"میرے عزیزو! میرے دل کے ٹکڑو!" میں نے ان لوگوں کو تسلی
دیتے ہوئے کہا۔ "میری اس بات کو تم لوگ اپنی گرہ میں باندھ لو۔ سارہ
زونے کے اندر تمہارے سارہ سے اغوا کی جانے والی ہر عورت واپس ضرور
یہاں موجود ہوگی، اور وہ بھی اس طرح کہ اس کے اغوا کرنے والے اس
کے ہاتھ میں ہوگا۔ تم یہ بھی سمجھ لو کہ رالشوز کی زندگی کے دن پورے
ہو چکے ہیں۔ آج سے اسے زندہ سمجھنا چھوڑ دو۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ سارہ
میں ہونے والی تباہی کا اصل ذمہ دار رالشوز ہے۔ اس لیے سب
سے بڑی سزا کا مستحق وہی ہے۔ ہم لوگ رالشوز کی طرح کوئی بزدلی
اور گھٹیا حرکت نہیں کریں گے اور اشمارا کی عورتوں کے ساتھ وہ سلوک
ہرگز نہیں کریں گے جو رالشوز نے سارہ کی عورتوں کے ساتھ کیا ہے۔
مجھے اس بات کا بیحد افسوس ہے کہ میں تم لوگوں کے منع کرنے کے باوجود
یہاں سے چلا گیا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس سے کوئی بہت بڑا فرق
نہیں پڑا۔ رالشوز کے دل میں انتقام کی آگ بُری طرح سلگ رہی تھی
اور وہ ہر طرح موقع کی تلاش میں رہتا۔ جب بھی اُسے موقع ملتا، وہ سارہ
پر چوروں اور بزدلوں کی طرح ٹوٹ کر کے اس کا یہی حشر کرتا۔ بہرحال
رالشوز نے اگر خود اپنی موت کے اسباب تیار کر لیے ہیں تو میں کیا
کر سکتا ہوں؟"

"لیکن اب تمہارے ذہن میں کیا منصوبہ ہے سارہ؟" ایک بزرگ
نے مجھ سے پوچھا۔ "ہمارے پاس لڑنے والوں کی تعداد بہت کم رہ
گئی ہے۔ ہمارے زیادہ تر لوگ تو مارے جا چکے ہیں۔ اب ہم لڑائی کے
لیے فوج کہاں سے لائیں گے؟"

"کہیں اس کے لیے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے
جواب دیا۔ "میں سب بندوبست کر لوں گا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب ہمیں بھی کئی ماہ تک تیاریوں اور
تربیت کے مراحل سے گزرنا ہوگا؟" پہلے والے شخص نے مایوسی کے ساتھ
پوچھا۔ "کہا نہ ان میری بیٹی شاہجیلہ نہ جانے کس حال میں ہوگی۔ نہ
جانے ان درندوں نے اس معصوم صورت اور فرشتہ سیرت لڑکی کے
ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا۔" بوڑھا پھر اشک رونے لگا۔

"کسی انتظار یا تیاری کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے ان سے
مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "مجھ پر بھروسہ رکھیں۔ تم لوگوں کو مایوس نہیں
کروں گا۔ میرے ذہن میں جو منصوبہ ہے اس کی تکمیل کے لیے کسی
لشکر کی ضرورت نہیں، صرف حکمت عملی سے کام لیا جائے گا۔ تم لوگ
مجھ سے اس بارے میں مزید سوالات مت کرو اور صرف چند دن
انتظار کرو۔"

"ہمیں تمہارے اوپر مکمل اعتماد ہے سارہ۔" ان لوگوں نے
جواب دیا۔ "ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ تم اور صرف تم ہی اس بستی کے
نجات دہندہ اور کھوئے ہوئے پہلے بھی تم نے ہماری حفاظت کی تھی
اور اب بھی کرو گے۔"

صبح کو میں نے بستی کے بچے کھچے نوجوانوں کو جمع کیا۔ ان میں
سے ہر ایک کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ مجھے ان میں تقریباً سب سے زیادہ
پسند آیا۔ وہ ایک مضبوط جسم اور مضبوط اعصاب کا نوجوان تھا۔ میں
نے اس کے کئی امتحان لیے۔ وہ گھوڑ سواری، نیزے بازی اور شمشیر زنی
میں زبردست مہارت رکھتا تھا۔ وہ ایک نڈر اور بہادر شخص تھا
مجھے ایسے ہی شخص کی ضرورت تھی جسے میں ایک مددگار کے طور
پر اپنے ساتھ رکھ سکوں۔ میرے ساتھی کا ذہین اور سمجھ دار ہونا
ضروری تھا اور تقران میں یہ ساری خوبیاں موجود تھیں، وہ ہر لحاظ
سے میرے معیار پر پورا اترا۔

سارہ سے اغوا ہونے والی عورتوں میں تقران کی بہن بانو بھی
شامل تھی۔ جس وقت سارہ پر حملہ ہوا تھا، اس وقت تقران بستی میں
موجود نہ تھا، بلکہ وہاں سے بیس پچیس میل دور ایک دوسرے علاقے
میں اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ ملاقات کرنے کے لیے گیا ہوا تھا۔
جب وہ واپس آیا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے بوڑھے ماں باپ کو قتل
کیا جا چکا ہے، اس کا بڑا بھائی اشمارا والوں سے لڑتے ہوئے مارا
گیا ہے اور اس کی نوجوان بہن بانو کو رالشوز کے سپاہی اٹھا کر لے
گئے ہیں۔ تقران یہ سب کچھ جان کر غصے سے پاگل ہو گیا اور اسی
وقت تلوار سنبھال کر گھوڑے کی طرف لپکا۔ "مجھے رالشوز کا خون
چاہیے۔" وہ دیوانوں کی طرح چلا رہا تھا۔ بستی کے لوگوں نے بڑی مشکل
سے سمجھا بجھا کر اس کا غصہ ٹھنڈا کیا اور اس سے کہا کہ اس طرح تنہا جانا
موت کو دعوت دینا ہے۔ اسے سارہ کی واپسی تک کا انتظار
کرنا چاہیے۔ تقران نے ان لوگوں کی بات مان لی ورنہ وہ تو اپنی جان
دینے پر تل گیا تھا۔

میں نے تقران سے کہا کہ ہمیں ابھی یہاں سے روانہ ہونا ہے
اور وہ اس سفر کے لیے ضروری تیاریاں کر لے۔

"مجھے کس تیاری کی ضرورت نہیں سارہ۔" اس نے جوشیلے
لہجے میں مجھ سے کہا۔ "میرے لیے دنیا میں اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا
ہے کہ تم نے مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے منتخب کیا ہے۔ میں اسے
اپنی بہت بڑی خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔ تم جس وقت بھی حکم دو گے
میں چلنے کے لیے تیار ہوں۔"

بات یہ تھی پروفیسر کہ میں اب رالشوز کو کسی قیمت پر بھی زندہ
نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ مجھے اس کے سامنے اس طرح اچانک پہنچنا
تھا کہ وہ کوئی راہ فرار اختیار نہ کر پائے۔ اگر اسے کسی طرح بھی یہ پتہ چل
جاتا کہ میں زندہ ہوں اور اشمارا آ گیا ہوں تو وہ یقیناً لنگر اور خود کو
ہراس کا شکار ہو کر کہیں نہ کہیں بھاگ جاتا اور پھر مجھے اس کو نہ جانے
کہاں کہاں ڈھونڈنا پڑتا۔ اس لیے ضروری تھا کہ میں اس طرح اور
اس حال میں اشمارا پہنچوں کہ پہچانا نہ جاؤں اور رالشوز کو میرے
زندہ ہونے کا علم وقت سے پہلے نہ ہو سکے۔ چنانچہ میں نے خوب سوچ
سمجھ کر اپنا منصوبہ ترتیب دیا۔

دوسرے دن جب میں اور تقران اپنی مہم پر روانہ ہونے لگے
تو میں نے تقران کو حکم دیا کہ وہ جلے ہوئے مکانوں میں سے پوٹلی بھر راکھ
اکٹھا کر لے۔

تقران میرے اس عجیب و غریب حکم پر حیران رہ گیا اور مجھے
الجھی الجھی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"پریشان اور حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے تقران۔" میں
نے اسے سمجھایا۔ "میرے ساتھ چلنے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ تم میرے
تمام احکامات کی تعمیل کرو گے اور کوئی سوال نہیں کرو گے۔ اس کی
وجہ یہ ہے تقران کہ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔"

"بیشک، بیشک سارہ۔" تقران نے ثبات میں اپنی گردن
ہلاتے ہوئے کہا۔ "جو کچھ تم جانتے ہو وہ میں نہیں جانتا۔ میرے لیے
اتنا ہی کافی ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جو کچھ تم کہو گے ویسا ہی
ہوگا۔"

میں نے ایک تھیلا تقران کو پکڑایا، جس میں کچھ چھوٹے موٹے سامان
تھا۔ تھیلے کا منہ سختی کے ساتھ ڈوری سے بندھا ہوا تھا۔ تقران
نے ایک بڑی سی پوٹلی میں راکھ اکٹھی کر لی تھی۔ ہماری روانگی کے
وقت بستی کے تمام لوگ ہمیں رخصت کرنے کے لیے کافی دور تک
آئے۔ کئی معمر لوگ مجھ سے بالالتزام پوچھتے رہے کہ میں تنہا تقران
کی مدد سے کس طرح رالشوز کو شکست دوں گا۔ لیکن میں نے انہیں
بتایا کہ انہیں قبل از وقت پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بہت
سی عورتوں نے روتے ہوئے ہمارے گلے میں ہار ڈالے اور
ہماری فتح مندی کے لیے دعائیں کیں۔ سارے بستی والے ان

aazzamm@yahoo.com

دعاؤں میں شریک تھے۔ باوجودیکہ ان کے مذاہب الگ الگ تھے اور طریقے دعا بھی مختلف تھے۔ میں نے سادہ والوں سے کہا کہ وہ ہرگز شکستہ اور دل برداشتہ نہ ہوں اور میری اور تفران کی واپسی کے لیے پرایقین رہیں۔

میں اور تفران اپنے اپنے گھوڑوں پر بیٹھ کر شمار کی جانب روانہ ہوگئے۔ راستے میں کوئی خاص بات پیش نہیں آئی اور ہمارا سفر کئی دن تک جاری رہا اور پھر دور سے شمار کی بستی کی جھلک نظر آنے لگی۔ راشوز کے محل کے اونچے اونچے مینار اور گنبد بڑی دور سے نظر آنا شروع ہو جاتے تھے۔ اس وقت صبح کا ہلکا ہلکا اجالا پھیل رہا تھا۔

"اب ہم شمار کے قریب پہنچ گئے ہیں۔" میں نے تفران سے کہا۔ "تھوڑی دیر بعد ہم بستی کے اندر داخل ہو جائیں گے۔ ان چٹانوں کی جانب چلو اور ان کی اوٹ میں اپنا گھوڑا روک لو۔ ہمیں یہاں رک کر کچھ کام کرنا پڑے گا۔"

تفران نے بلا چون و چرا ان چٹانوں کی طرف گھوڑا بڑھا دیا۔ جن کی جانب میں نے اشارہ کیا تھا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے اس طرف چلا گیا۔ یہاں پہنچ کر ہم دونوں اپنے اپنے گھوڑوں سے اتر پڑے۔

"اب تم راکھ کی یہ پوٹلی سنبھالو اور میرے جسم پر راکھ کی اتنی مالش کرو کہ میری سنہری رنگت کالی ہو جائے۔" میں نے تفران کو ہدایت دی۔ وہ میرے اس عجیب و غریب حکم پر حیران رہ گیا۔ لیکن اس نے حسب وعدہ کوئی سوال نہیں پوچھا۔ ہم شمار کی چٹانوں کی اوٹ میں تھے اور شمار کی جانب سے آنے والا کوئی بھی شخص ہمیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میں پتھریلی زمین پر لیٹ گیا اور تفران نے مٹھیاں بھر بھر کر راکھ میرے بدن پر ملنی شروع کر دی۔ میں نے اسے مزید ہدایت دی کہ ساری راکھ استعمال نہ کرے۔ بلکہ اس کے کچھ حصے کو بچا کر رکھے شاید ہمیں اس کی ضرورت ہو۔

فوراً ہی دیر میں میرا سارا بدن سیاہی مائل ہو گیا۔ میری سنہری رنگت رخصت ہو گئی تھی۔ تفران نے میرے بالوں کے رنگ کو بھی راکھ سے بدل دیا تھا۔

"اف سارم! تمہارا جسم تو فولاد کی طرح سخت ہے۔" تفران نے کہا۔ "میں نے آج تک اس سے زیادہ مضبوط بدن نہیں دیکھا۔" میں اس کے جواب میں صرف مسکرا کر رہ گیا۔

اب میں نے تفران سے وہ تھیلا کھولنے کو کہا جسے میں اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس تھیلے میں سیاہ گھوڑے کی دُم کے بالوں سے بنی ہوئی ڈھیر ساری مونچھیں تھیں جو میں نے سادہ کی ایک برفن کاریگر عورت سے بنوائی تھیں اور اسے منع کر دیا تھا کہ وہ کسی بات کا کسی سے تذکرہ نہ کرے۔ ساتھ ہی ایک شیشی میں کافی مقدار میں گوند موجود تھا۔ تم تو جانتے ہو ہمیں پردہ فلیسہ کہ اس دوران میک اپ کے وہ لوازمات تو موجود نہیں تھے جو تمہارے دور میں پائے جاتے ہیں اور جن کے استعمال سے انسان کی ہیئت مکمل طور پر تبدیل ہو جاتی ہے۔ تاہم پورے یونان میں تھیٹر، کھیل اور تماشوں کا زور تھا اور تھیٹر بدلنے کے طریقے موجود تھے۔ اس تھیلے میں ایک ڈھیلا ڈھالا بوسیدہ اور پرانا لباس بھی موجود تھا۔ میں نے وہ لباس پہن لیا اور اپنے چہرے پر ڈھیر ساری مونچھوں کو مہارت کے ساتھ چپکا لیا۔ میرا حلیہ اتنا زیادہ بدل چکا تھا کہ خود تفران بھی مجھے نہیں پہچان سکا تھا۔ وہ میری اس کایا پلٹ پر حیران تھا۔

"سنو تفران۔ میں اب ایک ہندوستانی نجومی ہوں اور دنیا کے دور دراز علاقوں کا سفر کرتا ہوا یہاں پہنچا ہوں۔ تم ایک یونانی نوجوان ہو اور تم نے میری شاگردی اختیار کی ہے۔ اور یونان کے سفر کے دوران تم میرے ساتھ ہو۔ تمہیں ستاروں کا علم سیکھنے کا بہت شوق ہے اور اسی شوق نے تمہیں میری شاگردی میں لے آیا ہے۔ ہم لوگ بہت دور دراز علاقوں کا سفر کرتے ہوئے اس علاقے میں آئے ہیں۔ تم سب کچھ سمجھ گئے ہو؟" میں نے تفران سے پوچھا۔

"میں بالکل سمجھ گیا سر۔ بالکل سمجھ گیا۔" تفران نے جلدی سے جواب دیا۔

"تمہاری یہی ترکیب ہے۔ راشوز کے پاس جلد از جلد پہنچنے میں کامیاب ہو گی۔ مجھے معلوم ہے کہ اسے علم نجوم اور نجومیوں سے بڑی دلچسپی ہے۔" میں نے تفران کو بتایا۔ "البتہ جب ہم راشوز کے دربار میں ہوں گے اس وقت تمہیں اپنے دفاع کے سلسلے میں بہت ہوشیار رہنا پڑے گا۔ تمہیں اس بات کی ضرورت نہیں ہوگی کہ دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ہو لیکن تمہاری واحد ضرورت یہ ہوگی کہ تم اپنے جسم کو ان کے ہتھیاروں سے محفوظ رکھو۔"

"میں بہت محفوظ ہوں۔" تفران نے طمانیت کے ساتھ جواب دیا۔ "میں نے اپنے لباس کے نیچے سینے پر آہنی زرہ بکتر پہن رکھی ہے۔ یہ سارے کے جنرل نوبار کی بنائی ہوئی زرہ بکتر ہے اور اس پر میسوں تلواریں ٹوٹ جائیں گی۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "دراصل روانگی کے وقت مجھے یاد نہیں رہا کہ میں تمہارے زرہ بکتر پہننے کے لیے کہہ دوں۔ اس وقت مجھے خوشی ہے کہ تم نے کافی ذہانت کا ثبوت دیا۔ اور ہاں، ذرا میری طرف بھی دیکھ لو۔" یہ کہتے ہوئے میں ایک پیر سے لنگڑاتا ہوا چند قدم چلا۔ تفران اس دل چسپ منظر کو دیکھ کر بھی تمام تر دل گرفتگی کے باوجود اپنی ہنسی کو ضبط نہیں کر سکا۔

"ہنسو اور خوب ہنسو میرے نوجوان دوست۔" میں نے اس سے کہا۔ "رونا تو اب راشوز کے بے خاندان کی قسمت میں لکھا ہے۔"

یکایک تفران سنجیدہ ہو گیا اور مجھ سے کہنے لگا۔ "میں پورے وثوق کے ساتھ بتاتا ہوں سارم کہ اگر تمہاری ماں بھی نہیں اس حلیے میں دیکھتی

تو پہچان نہیں سکتی تھی۔ تم نے تو واقعی کمال کر دکھایا ہے۔"

"میری ماں۔" میں دل ہی دل میں تفران کی اس بات پر مسکرا اٹھا۔ "مجھے پتا نہیں چلے گا کہ کیا معلوم کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں۔ وہ ایک عام عورت کی طرح میرے ماں باپ کا ذکر کر رہا تھا۔

"اچھا سنو میرے دوست۔" میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "جیسا کہ تمہیں بتا چکا ہوں، جب ہم راشوز کے پاس پہنچیں گے تو تمہیں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تم کچھ نہیں کہو، تمہارا کام صرف یہ ہی بات کی تصدیق کرنا ہے۔ کبھی بات کرنے کی ضرورت پڑی اور دوسری بات یہ ہے کہ لڑائی کی صورت میں تم کسی پر حملہ نہیں کرو گے۔ تمہارا کام صرف اپنا دفاع کرنا ہوگا۔ ہم لوگ کون ہیں اور ہمارا کیا رشتہ ہے، اس کے بارے میں میں تمہیں تفصیل سے بتا چکا ہوں۔ چلو اب گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ صبح ہو چکی ہے۔ ہمیں کاروبار حیات شروع ہو گیا ہے۔"

تفران نے میری بات سن کر شان میں گردن ہلائی۔ وہ ایک سمجھدار نوجوان تھا لیکن میں برابر محسوس کر رہا تھا کہ وہ شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہے۔ بہرحال، جلد ہی اس کی تھکن دور ہو جائے گی۔

ہم اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر شمار کی خوبصورت اور عظیم بستی میں داخل ہو گئے۔ تم تو جانتے ہو میرے دوست کہ وہ دور دراز کے علاقے چھوٹی چھوٹی اور مختصر ہوا کرتی تھیں اور ایک بستی کے لوگ دوسری بستی کے لوگوں کو جانتے پہچانتے تھے۔ اتنی بڑی بستی میں اجنبی چیز کی آمد کا فوراً ہی پتا چل جاتا تھا اور وہ لوگوں کی نظروں کا مرکز بن جاتی تھی۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

aazzamm@yahoo.com

کی تلاش میں رہتا ہوں جو ان چیزوں سے واقف ہوں۔ آپ کا یہاں پر تشریف لانا یقیناً ہم سب کے لیے باعثِ خیر و برکت ہوگا۔ میں اپنی زندگی میں بیس بار ہندوستان جیسے دور دراز ملک کے کسی عالم سے مل رہا ہوں اس لیے میں نے بہت سے سوالات کر ڈالے۔ مجھے معاف کیجیے گا محترم آپ کے ساتھ آئیے۔ اور ہاں یہ نوجوان کون ہے؟" اس نے تفران کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کا نام تفران ہے اور یہ میرا شاگرد ہے۔ اس کا تعلق یونان سے ہی ہے۔ یہ مجھ سے کچھ سیکھنا چاہتا ہے۔" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

پہرے دار نے ہم دونوں کو ایک وسیع اور کشادہ عمارت کے ایک آراستہ کمرے میں ٹھہرایا اور خود چلا گیا۔ یہ عمارت محل کے احاطے کے باہر واقع تھی جبکہ پہلی بار میں جب یہاں آیا تھا تو مجھے محل کے اندر والے مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا تھا جو یقیناً ایک معزز مہمان کے شایانِ شان تھا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد دس پہرے دار دوبارہ ہم لوگوں کے پاس آیا اور اس نے بتایا کہ رالشوز ہمارا منتظر ہے۔

ہم دونوں جب رالشوز کے دربار میں پہنچے تو وہ ایک آرام دہ تخت پر تکیوں کے سہارے نیم دراز تھا۔ دو حسین کنیزیں اس کے دائیں بائیں کھڑی ہوئی مورچھل جھل رہی تھیں۔ سامنے نیچی نیچی کرسیوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں جن پر امرائے دربار اور فوجی افسر بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے بیشتر کو میں پہچانتا تھا۔ ایک طرف ایک کرسی پر ایک بہت بوڑھا شخص بیٹھا ہوا تھا جس کے چہرے پر لمبی سی سفید ڈاڑھی تھی اور اس کے سامنے پڑی ہوئی ایک چھوٹی سی میز پر چند کتابیں، کاغذات اور کچھ اور فضول قسم کی چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔

ہم دونوں نے دربار میں داخل ہو کر رالشوز کو تعظیم دی۔ میں سارے رستے سگرٹ اٹھا ہوا چلتا آیا تھا۔ پھر یہ دیار میں دروازے تک چھوڑ کر رخصت ہو گیا تھا۔

"کیا نام ہے تمہارا ہندوستانی دانشمند؟" رالشوز نے مجھ سے سوال کیا۔

"اس ناچیز کو بلرام سنگھ کہتے ہیں۔" میں نے جھکی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ اور ساتھ میں یہ میرا شاگرد تفران ہے۔"

"میرے پاس آنے کا مقصد؟" اس نے بھاری آواز میں سوال کیا۔

"مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ نجومیوں اور جوتشیوں کی بڑی قدر کرتے ہیں اور انہیں انعام و اکرام سے نوازتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں علم نجوم کا ایک پرانا ماہر ہوں اور مجھے یقین ہے کہ مجھے ملاقات کی عزت بخش کر آپ کو خوشی ہوگی۔"

رالشوز نے ایک لمبی سی "ہوں" کی آواز نکالی۔ اس کا انداز گفتگو رعونت اور تکبر سے بھرپور تھا۔

"تم میری قسمت کے بارے میں کیا بتا سکتے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"سب کچھ سردار! سب کچھ۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ بھی جو ہو چکا ہے اور وہ بھی جو ہونے والا ہے۔"

"اچھا تو پھر شروع ہو جاؤ۔" اس نے کہا۔

بات یہ ہے پروفیسر کہ میں اگر چاہتا تو اب چند لمحوں میں رالشوز کا کام تمام کر سکتا تھا لیکن میں اسے اتنی آسانی سے مرنے دینا نہیں چاہتا تھا۔ میں اسے سارے درباریوں کے سامنے جی بھر کر ذلیل کرنا چاہتا تھا اور میری خواہش یہ تھی کہ مرنے سے پہلے اسے اس بات کا اچھی طرح علم اور احساس ہو جائے کہ اس نے سادھوؤں کے ساتھ اور خود میرے ساتھ کتنی بڑی زیادتی کی ہے۔ میں اسے ہر بات سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔

"مجھے اپنا ہاتھ چھونے کی اجازت دیجیے سردار۔" میں نے لجاجت سے کہا۔

رالشوز نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ اس ثانیے میں میں نے محسوس کیا کہ دربار میں موجود ایک لمبے کرسی پر بیٹھا ہوا بوڑھا جس کے سامنے کتابیں اور دوسرا سامان رکھا ہوا تھا، مجھے گہری نظروں سے دیکھ رہا ہے اور میں نے صاف طور پر محسوس کر لیا کہ اس کی نظروں میں میرے لیے شبہ اور حقارت ہے۔

"ٹھہرو ہندی نجومی۔" یکایک وہ بوڑھا اپنی گہری اور بھاری آواز میں بولا۔

مجھ سمیت سارے لوگ، جن میں رالشوز بھی شامل تھا، اس کی آواز کی سمت متوجہ ہو گئے۔

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم اس وقت رالشوز کے دربار میں ہو۔ میرا نام شاریپ ہے اور میں اس پورے علاقے کا سب سے بڑا نجومی ہوں۔ سردار رالشوز کے ماضی، حال یا مستقبل کے بارے میں کوئی بات بتانے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ میں یہاں موجود ہوں اور تمہاری غلط باتوں پر فوراً گرفت کروں گا۔ یہ بات یاد رکھنا کہ سردار رالشوز جھوٹوں اور غلط بیانی کرنے والوں کو معاف نہیں کرتا۔" بوڑھا مجھے کینہ توز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"عظیم دانشمند شاریپ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" رالشوز نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "یہ اس علاقے کا سب سے زیادہ باکمال اور باعلم نجومی ہے۔ دور دور تک اس کی لیاقت کا کوئی ثانی نہیں۔ اسے میرے دربار میں شاہی نجومی کا درجہ حاصل ہے اور میں اس پر مکمل اعتماد کرتا ہوں۔"

"میں سردار اور اس کے شاہی نجومی کے اعتماد کو مجروح نہیں کروں گا۔" میں نے رالشوز کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

سارے دربار میں اتنا گہرا سناٹا طاری تھا کہ لوگوں کے سانسوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں تھوڑی دیر تک رالشوز کے چہرے کو غور سے دیکھتا رہا اور دل ہی دل میں یہ سوچتا رہا کہ اس بات نے اس کے بے گناہوں کے علاوہ اور نہ جانے کتنے بے گناہوں کا خون بہایا ہوگا۔

"عظیم سردار رالشوز۔" میں نے اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔ "آپ اپنے ماضی کے بارے میں جاننا چاہیں گے، حال کے بارے میں یا مستقبل کے بارے میں؟"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تم سب کچھ بتا سکو گے ہندی دانش مند؟" اس نے پوچھا۔

"مجھے اپنے علم پر پورا بھروسہ ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا تو میرے ماضی کے بارے میں کچھ باتیں بتاؤ۔" اس نے کہا۔

"تو سنیے عالی نسب سردار۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ کا باپ مندروں کی تجارت کرتا تھا اور بردہ فروشوں کے ایک خونخوار گروہ کا سردار تھا۔" میں نے رک کر رالشوز کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اور وہاں سخت ناگواری کے ساتھ حیرت کا اظہار بھی تھا۔

"سرداروں اور بادشاہوں کے سامنے گفتگو کرنے کے کچھ آداب ہوتے ہیں ہندی نجومی۔" شاریپ نے سانپ کی طرح پھنکار کر کہا۔ "تمہیں اس سے پہلے کسی دربار میں حاضر ہونے اور حکمرانوں سے ہم کلام ہونے کا موقع نہیں ملا۔"

"اسے بولنے دو شاریپ۔" رالشوز نے متانت سے کہا۔ "اس کی بات میں سچائی کی بو ہے۔ شاید یہ صحیح لفظوں کے انتخاب کے سلیقے سے واقف نہیں ہے۔"

"آپ کے باپ کو غلاموں کی ایک بغاوت کے دوران جہاز پر قتل کر دیا گیا اور اس کے سارے ساتھی مارے گئے۔ اس بغاوت کی قیادت ایک ایسے شخص نے کی تھی جو غیر معمولی طور پر بہادر تھا اور جسے کوئی ہلاک نہیں کر سکا۔" رالشوز نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"پھر پروفیسر میں اسے سردار اس کے ماضی کے ان واقعات کے بارے میں بتاتا گیا جو مجھے معلوم تھے۔ رالشوز حیرت سے میری شکل دیکھ رہا تھا۔ سارے درباری خاموش تھے اور شاریپ کی نگاہوں میں میرے لیے موجود نفرت میں برابر اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ رالشوز اور سارے درباری میرے "علم" سے بڑے متاثر نظر آ رہے تھے۔ متاثر تو شاریپ بھی تھا اور اسی لیے وہ سخت ناپسندیدگی کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"سردار رالشوز! آپ نے دوبارہ سادھو پر حملہ کر کے اچھا نہیں کیا۔" میں نے گزشتہ واقعات بیان کرنے کے بعد کہا۔ "آپ سادھوؤں سے دوستی کا عہد کر کے آتے تھے۔ آپ بدعہدی اور وعدہ خلافی کے مرتکب ہوئے ہیں۔"

"میں نے تمہاری رائے نہیں پوچھی ہے۔" رالشوز نے تلخی سے کہا۔ "تم صرف واقعات بیان کرو صحیح اور غلط فیصلہ کرنا تمہارا کام نہیں ہے۔"

"یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں سردار رالشوز کہ اس بات کا تعلق آپ کے عبرت ناک انجام سے ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" رالشوز یکدم چونک پڑا اور شاریپ اور اس کے سارے درباری مجھے گھورنے لگے۔

"مطلب یہ ہے سردار رالشوز کہ آپ نے سادھو کے سردار سادم کو دھوکے سے مہمان بنا کر یہاں بلایا اور اس کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر اس کو تباہ و برباد کر دیا۔ میں آپ کے ہاتھوں کی لکیریں دیکھ کر بتا سکتا ہوں کہ اب اصل آپ کے سر پر منڈلا رہی ہے اور آپ کوئی دم کے مہمان ہیں۔"

"خاموش گستاخ۔" شاریپ زور سے دھاڑا۔ "میرے علم کے مطابق سردار رالشوز کو ابھی کم از کم چالیس سال تک زندہ رہنا ہے۔ تو نے کیا بیہودہ گوئی شروع کر دی ہے؟ سادھو میں اب کون بیٹھا ہے جو سردار رالشوز سے بدلہ لے گا؟"

لیکن میں نے دیکھا پروفیسر کہ میرے الفاظ سے رالشوز کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وجہ یہ تھی کہ جو کچھ بھی میں اب تک اسے بتا رہا تھا وہ سب درست تھا۔ میں نے اس کے سامنے وہ واقعات جو مجھے معلوم تھے بڑی تفصیلات کے ساتھ بیان کیے تھے اور اسے اس بات کا یقین آ گیا تھا کہ میں کوئی بڑا پہنچا ہوا نجومی ہوں۔ چنانچہ جب میں نے اسے موت کا پیغام سنایا تو وہ گھبرا گیا۔

"مجھے کون ہلاک کرے گا ہندی نجومی؟" اس نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"تقدیریں کہہ رہی ہیں سردار رالشوز کہ تم کی موت سادھو کے سردار سادم کے ہاتھ لکھی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہا ہا ہا۔" رالشوز بڑے زور سے ہنسا۔ اس کی ہنسی میں گہری سفاکیت کی جھلک موجود تھی۔

"تمہارا مطلب ہے سادم اقل کا بیٹا سادم دوم؟"

"پروفیسر اس موقع پر میں نے اس بات کی وضاحت ضروری نہیں سمجھی کہ سادم دوم اقل ایک ہی ہے اور اقل اور دوم کا کوئی سوال نہیں کیونکہ رالشوز میری اس بات کا ہرگز یقین نہیں کرتا۔

"جو بھی آپ سمجھیں، بہرحال یہ کام سادم ہی انجام دے گا۔" میں نے کہا۔

شاریپ نے فتحمندانہ نظروں سے رالشوز کی طرف دیکھا اور زیرِ لب مسکرانے لگا۔ اپنی دانست میں اس نے میری "غلطی" پکڑ لی تھی۔

"یہاں تو ایک بڑی غلطی کے مرتکب ہو رہے ہو ہندوستانی دانشمند۔" رالشوز نے مجھ سے ایسے لہجے میں کہا جس میں طنز اور تمسخر کی جھلک موجود تھی۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارا علم وسیع بھی ہے اور بڑی حد تک قابلِ اعتماد بھی۔ لیکن اس جگہ تمہارا علم تمہیں دھوکا دے رہا ہے۔"

"میرا علم کبھی مجھے دھوکا نہیں دیتا سردار رالشوز۔" میں نے متانت کے ساتھ جواب دیا۔ "مجھے اپنے علم کی سچائی پر پورا اعتماد ہے۔"

"اچھا تو سنو۔" رالشوز نے سخت لہجے میں کہا۔ "کیا تمہارے علم نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ سادم دوم ہلاک ہو چکا ہے؟"

"میرے علم نے مجھے سادم کے ہلاک ہونے کی کوئی خبر نہیں دی۔" میں نے اسی طرح ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں جواب دیا۔ "اور اس کا مطلب یہ ہے کہ سادم ہلاک نہیں ہوا وہ زندہ ہے۔"

"کیا بکتے ہو بیوقوف آدمی۔" رالشوز کو واقعی غصہ آ گیا تھا۔ "سادم کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے جلا کر راکھ کر دیا تھا۔"

Scanned by Aazzam@Urdutube.com

aazzamm@yahoo.com

رالشوز کے ان الفاظ کے ساتھ ہی میری نظریں تفرّن کی جانب اٹھ گئیں۔ میں نے دیکھا کہ اس کا منہ حیرت کے مارے کھلا ہوا تھا اور وہ بالکل بے یقینی کے انداز میں میری طرف دیکھ رہا تھا۔ نہیں یاد ہو گا پر ولیمر کو میں نے سارڈم میں کسی کو یہ بات نہیں بتائی تھی کہ مجھے جلا کر ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

کیمیا پھوں کی اس کٹیا میں سے سارڈم اور سیوکے جلے ہوئے مجسمے برآمد ہوئے تھے۔ میں نے رالشوز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

رالشوز کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ "اوہ تو تم کو یہ بھی معلوم ہے۔ تم کو سب کچھ معلوم ہے۔" اس نے اٹک اٹک کر بے ربط آواز میں کہا۔ میں نے شاریپ کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر سخت الجھن کے آثار نظر آ رہے تھے۔ باقی سارے درباری ڈر کر دبکے بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ لگتا تھا کہ ان سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ کافی دیر تک دربار پر مکمل سناٹا طاری رہا۔ مورچھل جھلنے والی کنیزوں کے ہاتھ سست پڑ گئے اور ان کے چہرے زرد پڑ گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پورے دربار پر خوف و ہراس کی ایک فضا طاری ہو گئی ہے۔

"سارڈم اور سیوکے کی لاشیں یقیناً جل کر راکھ ہو گئی ہوں گی۔" رالشوز نے کھوکھلے لہجے میں کہا۔ "ان کا موت کا ہو گیا ہو گا۔ اس میں حیرت کی کون سی بات ہے؟ ان دونوں کے زندہ بچ نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"سردار رالشوز" [illegible]

[illegible]

[illegible]

رالشوز [illegible]

[illegible]

[illegible]

[

aazzamm@yahoo.com

حاصل ہے۔"

"کیا یہ شخص صحیح کہہ رہا ہے؟" میں نے امراء دربار کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ان سب نے بیک آواز جواب دیا کہ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے اور یہ کہ سب کے سب اس کا بڑا احترام کرتے ہیں اور اب رالشوز کے بعد اس کے ہر حکم کی بلا چون و چرا تعمیل کریں گے۔

"اور تم کیا کہتے ہو بوڑھے شارپ؟" میں نے شارپ کی طرف مڑ کر پوچھا۔ "تمہارے علم کے مطابق تو رالشوز کو ابھی کم از کم چالیس سال تک مزید زندہ رہنا چاہیے تھا۔ لیکن افسوس کہ وہ چالیس گھنٹے بھی نہ جی سکا۔"

"میں نائب السلطنت اقلوس کا وفادار اور اس کے حکم کا پابند ہوں۔" بوڑھے نے مجھے زہریلی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو سنو اقلوس!" میں نے کہا۔ "میں تمہیں ایک گھنٹے کی مہلت دیتا ہوں۔ اس عرصے کے دوران تم لوگ اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لو۔ اگر تم لوگ لڑنا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ بصورت دیگر تمہیں سارہ سے لوٹا ہوا سارا مال و اسباب واپس کرنا ہوگا۔ وہاں کی ساری اغوا شدہ عورتوں کو واپس کرنا ہوگا، غلے کا جو ذخیرہ تم لوگوں نے لوٹا ہے وہ اور سارے مویشی واپس کرنے ہوں گے۔ تم نے انسانی جانوں کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کی تو کوئی تلافی ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ مردوں کو کوئی نہیں جلا سکتا۔ تاہم اس کے عوض تمہیں سونے اور چاندی کی ایک معقول مقدار سارہ والوں کے حوالے کرنی پڑے گی تاکہ جن گھروں کے چراغ گل ہو گئے ہیں ان کی تھوڑی بہت اشک شوئی ہو سکے۔" میں نے رک کر ان کے چہروں کا جائزہ لیا وہ سب کے سب خاموش تھے۔ "میرا یا سارہ کے کسی شخص کا اشمارا پر قبضہ کرنے اور اس پر حکومت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

میں نے پھر ان کے چہروں کو دیکھا۔ وہ حیرت سے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے تھے۔ "میں اپنے نوجوان دوست کے ساتھ یہاں سے واپس چلا جاؤں گا اور تمہاری حکومت تمہیں لوگوں کے سپرد کر جاؤں گا۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا اشمارا کے امیر! کہ اگر تم میں سے کسی نے کوئی چال چلنے کی کوشش کی تو پھر میں آزاد ہوں گا کہ تم لوگوں کے ساتھ جیسا چاہوں، سلوک کروں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ پھر اشمارا میں سازشیوں کے نام کو رونے والا بھی کوئی باقی بچے گا یا نہیں۔ ایک بار میری بستی کے معصوم لوگ تمہاری سازش کا شکار ہو چکے ہیں۔ وہ میری غلطی سے کیونکہ میں نے رالشوز پر اعتماد کیا تھا۔ اب دوبارہ دھوکا کھانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں اور میرا نوجوان دوست اب اشمارا کی سیر کریں گے اور ٹھیک ایک گھنٹے بعد میں اسی جگہ واپس آ جاؤں گا۔ اگر تم کو لوٹنے کا شوق ہو تو اپنی فوجیں آراستہ کر کے تیار رہنا۔"

اہل دربار کے سامنے یہ تقریر کرنے کے بعد، جس میں، میں نے صلح کی ساری شرائط بیان کر دی تھیں۔ میں نے تفران کو وہاں سے چلنے کا اشارہ کیا اور ہم دونوں سارے درباریوں کو حیران اور خوفزدہ چھوڑ کر باہر نکل آئے۔

جب ہم محل کے صدر دروازے پر پہنچے تو وہاں موجود پہرے داروں نے دو بالخصوص اس پہرے دار نے جس کے دھچے ہماری دربار تک رسائی کی تھی، ہمیں بڑی حیرت سے دیکھا کیونکہ میری ڈاڑھی مونچھیں غائب ہو چکی تھیں اور میں شکوہ نے کے بجائے سڑی کان کے تیر کی طرح سیدھا چل رہا تھا۔ تاہم اس پہرے دار نے ہم سے کوئی سوال نہیں کیا کیونکہ اس کے خیال کے مطابق اب ہم شاہی مہمان بن چکے تھے۔

اشمارا کے گلی کوچوں میں زندگی اپنے تمام تر حسن و سرگرمی کے ساتھ رواں دواں تھی۔ بازاروں میں اور دکانوں پر خرید و فروخت کا بازار گرم تھا۔ حسین عورتیں سامان آرائش کی دکانوں میں آ جا رہی تھیں۔ قدرتی حسن کے جلوے بکھرے پڑے تھے۔ اشمارا کی عورتیں اپنے دور کی بڑی فیشن پرست عورتیں تھیں پر دفعتہً جبکہ سارہ کی عورتیں سیدھی سادی زندگی گزارنے کی عادی تھیں، بازار میں خرید و فروخت کے کاروبار اور دکانوں میں اشیائے کی فراوانی کو دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ اشمارا کے لوگ کافی خوش حال ہیں۔ ویسے بھی پروفیسر مجھے ان کے طرز زندگی کا سب سے پہلے ہی اندازہ ہو چکا تھا تاہم تفران کے لیے یہ مناظر نئے تھے۔ وہ اس سے پہلے کبھی اشمارا میں نہیں آیا تھا۔ بستی کے لوگ ہم دونوں اجنبیوں کو بار بار پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگ مجھے خاص طور پر بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو مجھے اس سے پہلے بھی اشمارا میں رالشوز کے مہمان کی حیثیت سے دیکھ چکے ہوں گے۔ اس وقت میری رنگت سنہری تھی جبکہ اب میں انہیں سانولا نظر آ رہا تھا۔ شاید وہ ہم دونوں میں گہری مشابہت دیکھ کر حیران ہو رہے ہوں۔ محل سے باہر کے لوگوں کو ابھی تک یہ معلوم نہیں تھا کہ رالشوز مر چکا ہے اور ان کی بستی زبردست انقلاب سے گزر رہی ہے۔

ایک نانبائی کی دکان کے آگے سے گزرتے ہوئے ہمیں گوشت کی تیز بو نے مجھے اور تفران کو دکان کے اندر جھانکنے پر مجبور کر دیا۔ بہت سے لوگ اندر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے سامنے پلیٹوں میں بھنا گرم گرم گوشت اور پیالوں میں شراب رکھی ہوئی تھی۔ وہ لوگ نے لذت کے ساتھ کھانے پینے میں مصروف تھے۔ میں نے تفران کو اشارہ کیا اور دونوں اندر داخل ہو کر ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ نانبائی نے دو پلیٹوں میں گرم گرم بھنا ہوا گوشت اور شراب کے دو پیالے ہمارے آگے رکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم لوگ اس شہر میں اجنبی معلوم ہوتے ہو، کہاں سے آئے ہو میرے دوستو؟"

"ہم لوگ بڑی دور سے آئے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "یہاں سے کئی دن کی مسافت پر ایک بستی ہے، جس کا نام سارہ ہے، ہمارا تعلق اسی بستی سے ہے۔"

"اوہ!" اچانک نانبائی ہمیں حیران اور مشتبہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ "تو تم سارہ سے آئے ہو؟ ہم سارہ تو... سارہ تو..." وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی سمجھ میں شاید یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ جس بستی کو

بھی چند دن پہلے اشمارا کی فوجوں نے اپنی لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بنایا تھا، وہاں کے مسافر اشمارا کس طرح پہنچ گئے۔ یا شاید وہ ہمارے سامنے یہ کہنے سے ہچکچا رہا تھا کہ اشمارا والوں نے سارہ کو تباہ کر دیا ہے۔

"ہاں مجھے معلوم ہے۔" میں نے اس کی مشکل آسان کر دی۔ "اشمارا کی فوجوں نے سارہ پر حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا۔ میں سارہ کے بچے کھچے لوگوں کی جانب سے ایک ضروری پیغام لے کر اپنے نوجوان ساتھی کے ساتھ یہاں رالشوز کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔"

"کیا تم لوگ رالشوز سے مل چکے ہو؟" اس نے پوچھا۔ اس عرصے میں آس پاس بیٹھے ہوئے تمام لوگوں کی توجہ ہماری جانب مبذول ہو گئی تھی اور وہ غور سے ہماری باتیں سن رہے تھے۔

"ہاں، ہم لوگ رالشوز کے دربار میں گئے تھے اور اس سے بات بھی کی تھی۔ لیکن افسوس کہ وہ مر گیا۔" میں نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔

"کیا کہا؟" نانبائی اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ "رالشوز مر گیا؟ مگر کیسے؟"

"اسے بھرے دربار میں کسی نے قتل کر دیا۔" میں نے اسے اطمینان بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"رالشوز کو کس نے قتل کر دیا؟" اس نے گھبرا کر مجھ سے پوچھا۔ "وہ بھرے دربار میں کیسے قتل ہو گیا؟"

"اسے کسی نے اس جرم میں قتل کر دیا کہ اس نے سارہ کے بے گناہ لوگوں کو دھوکے سے ہلاک کیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

ذرا ہی دیر میں پورے بازار میں طل رچ گیا کہ رالشوز کو اس کے کسی دشمن نے بھرے دربار میں قتل کر دیا ہے۔ جب میں اور تفران نانبائی کی دکان میں سے خوب شکم سیر ہو کر نکلے تو اس وقت تک یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔ لوگ میری اور تفران کی جانب انگلیاں اٹھا اٹھا کر کچھ کہہ رہے تھے۔ غالباً وہ ایک دوسرے کو بتا رہے تھے کہ یہ طلوع ہم لوگوں کی فراہم کردہ ہے۔ میں اور تفران سڑک پر کافی آگے تک چلے گئے اور ہمارے پیچھے پیچھے یہ خبر پھیلتی جا رہی تھی کہ رالشوز مارا گیا۔ اچانک مجھے اپنے پیچھے گھوڑوں کی تیز تیز ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ اشمارا کے دو فوجی تیزی سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے ہماری طرف آ رہے تھے۔ میں نے تفران کو اپنے پیچھے کر لیا اور خود ان کے انتظار میں کھڑا ہو گیا۔ دونوں فوجی ہمارے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔ میں نے دیکھا کہ ان کے پیچھے پیچھے کئی لوگ بھاگتے چلے آ رہے تھے۔ غالباً انہیں لوگوں نے فوجوں کو ہماری نشاندہی کی ہوگی۔

"یہ افواہ تو نے پھیلائی ہے کہ رالشوز کو قتل کر دیا گیا ہے؟" اس نے لوگ کر مجھ سے پوچھا۔

"یہ افواہ نہیں ہے۔" میں نے سکون کے ساتھ جواب دیا۔ "تم رالشوز کے محل میں جا کر خود اس کی تصدیق کر سکتے ہو۔ تمہارے سردار کو قتل کر دیا گیا ہے۔"

"جھوٹ بولتا ہے بے ایمان!" سپاہی نے اپنا لمبا سا چابک لہرایا۔

"میں ابھی کچھ دیر پہلے محل کے اندر موجود تھا اور رالشوز نے میرے سلام کا جواب بھی دیا تھا۔ وہ زندہ و سلامت ہے۔ تو کس دشمن کا جاسوس معلوم ہوتا ہے۔" اور اتنا کہہ کر اس نے چابک کڑکایا اور مجھ پر ضرب لگانے کی کوشش کی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر چابک پکڑ لیا اور اچانک اسے اتنے زور سے جھٹکا دیا کہ وہ سپاہی مع چابک کے گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ اس اثنا میں اس کے دوسرے ساتھی نے اپنا چابک لہرایا اور میں نے اچھل کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے بھی گھوڑے سے نیچے گھسیٹ لیا۔ اتنی دیر میں پہلے والا اٹھ کھڑا ہوا تھا اور وہ کنگل کی طرح لپک کر مجھ پر حملہ آور ہوا۔ میں نے اسے بھی ہاتھ سے پکڑ لیا اور پھر میں نے ان دونوں کے دائیں ہاتھوں کو ایک ساتھ مڑ کر اپنی بغل میں دبا لیا۔ ان کے صرف بائیں ہاتھ آزاد تھے دونوں سپاہی بری طرح مچل اور تڑپ رہے تھے۔ وہ میری گرفت سے نکلنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا انہیں کسی نے لوہے کے شکنجے میں جکڑ دیا ہو۔ ان کی آنکھوں سے حیرانی اور شدید خوف کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ اپنے آزاد ہاتھوں سے مجھے بری طرح مارنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لاتیں چلا رہے تھے اور زور لگا رہے تھے لیکن کسی طرح ان کی گلو خلاصی ہی نہیں ہوتی تھی۔ اس دوران وہاں ایک بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا تھا اور حیرت کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ بعض من چلے تو سپاہیوں کی یہ حالت دیکھ کر ہنسنے لگے۔ لیکن مجمع میں سے کسی نے بھی ان کی مدد کے لیے آگے آنے کی کوشش نہیں کی۔ غالباً لوگ رالشوز کے سپاہیوں سے زیادہ خوش نہیں تھے اور انہیں ناپسند کرتے تھے۔

میں نے بازو کو تھوڑا سا دبایا اور سپاہیوں کے منہ سے چیخیں نکلنے لگیں، وہ بری طرح ڈکرانے لگے۔ میں نے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی تو ان کے درد میں کمی آ گئی۔ پھر ذرا دیر میں وہ میری خوشامد پر اتر آئے اور گڑگڑا کر اپنی غلطی کی معافی مانگنے لگے۔ انہیں بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ طاقت کے ذریعے میری گرفت سے کبھی نہ نکل سکیں گے۔

میں نے اپنا بازو اور ہاتھ اکران کے ہاتھوں کو آزاد کر دیا اور یہ منظر دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی کہ وہ دونوں اپنے گھوڑوں کو وہیں چھوڑ کر ایسے بے تحاشہ بھاگتے چلے گئے کہ انہوں نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

اس دوران مجمع کچھ اور زیادہ بڑھ گیا تھا اور بہت سے لوگ مجھے تعریفی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ مجھے دیکھنے والوں میں بڑی تعداد عورتوں کی بھی شامل تھی اور کئی عورتوں نے تو باقاعدہ مجھے شاباشے بھی کہے۔ لیکن میں تفران کو ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا۔ میرے تیور بدل چکے تھے راکھ کی تہہ جگہ جگہ سے ہٹ گئی تھی اور کندن جیسا جسم چمک رہا تھا۔

سارے بازاروں میں ہلچل مچ گئی تھی۔ دکاندار اپنی دکانوں سے باہر نکل کر سڑکوں پر آ کھڑے ہوئے تھے۔ خرید و فروخت کا سلسلہ رک گیا تھا

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

رانشوز کے قتل کی خبر ہمارے آگے آگے چل رہی تھی۔ لوگ ٹولیوں کی صورت میں گلی کوچوں میں جمع ہو کر باتیں کرنے لگے تھے۔ اب تک یہ بات کسی کو نہیں معلوم تھی کہ رانشوز کو قتل کرنے والا شخص آزادی کے ساتھ ان کے درمیان گھوم رہا ہے۔ اور پروفیسر اگر انہیں یہ بات معلوم ہو بھی جاتی تو اس سے کیا فرق پڑ سکتا تھا، ظاہر ہے کہ وہ بے چارے بہلا کیا بگاڑ سکتے تھے۔

تقریباً گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک بستی کے بازاروں کی سیر کرنے کے بعد ہم دونوں دوبارہ محل کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں نے ایک حمام میں غسل کر کے اپنا بدن صاف کر لیا تھا۔ اس دوران کوئی خاص اور قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ جب ہم دونوں محل کے قریب پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ لوگوں کا ایک بڑا ہجوم صدر دروازے کے سامنے جمع ہے اور لوگ ایک دوسرے سے اصل حقیقت معلوم کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ہم دونوں بھیڑ کو چیرتے ہوئے اپنا راستہ بناتے ہوئے صدر دروازے کے قریب پہنچے وہاں جا کر ہم نے دیکھا کہ دروازہ بند تھا اور پہرے داروں کی تعداد میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ کر دیا گیا تھا۔ لیکن ہم دونوں کی صورت دیکھتے ہی پہرے داروں کے افسر نے فوراً دروازہ میں لگی ہوئی کھڑکی کھول دی اور ہمیں اندر بلا لیا۔ غالباً انہیں پہلے سے اس بات کی ہدایات دے دی گئی تھیں۔ وہ ہمارے بدن کی اصل رنگت دیکھ کر ہمیں چھیڑنے لگے۔

جیسے ہی محل کی ڈیوڑھی میں داخل ہوئے، ہم نے ایک ایسے کو اپنا منتظر پایا۔ میں اس شخص کو دربار میں موجود دیکھ چکا تھا۔

"اقلوس" وہ ہمیں دیکھتے ہی [illegible] آپ کے منتظر ہیں معزز سارہ دم۔" اس نے شائستگی کے ساتھ ہم سے کہا۔ "سب لوگ دربار میں جمع ہیں۔"

"ہم بھی وہیں چل رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "تم لوگوں نے [illegible] کیا فیصلہ کیا؟"

"[illegible] اقلوس دے گا محترم سارہ دم۔"

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] پہنچے تو [illegible] اقلوس کے ساتھ دربار میں داخل ہوا۔ سارے لوگ مع شاریپ اور اقلوس کے اپنی اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ہمیں تعظیم دی۔ میں نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ خود ان کرسیوں کی طرف بڑھا جو مہمانوں اور آنے والوں کے لیے وقف تھیں۔ میرے جسم کی رنگت ان کی آنکھوں کے لیے نئی نہیں تھی۔

"انہیں سردار سارہ دم۔" اقلوس نے آگے بڑھ کر ادب سے کہا۔ "آپ آپ اس طرف کی کرسیوں پر نہیں بیٹھیں گے۔ آپ نے رانشوز کو قتل کر کے اس پر فتح حاصل کر لی ہے اور اب شمارا کی حکومت آپ کا حق ہے۔ اب آپ رانشوز کے تخت کو رونق بخشیں۔"

میں اس عجیب و غریب پیشکش پر حیران رہ گیا۔ میں نے ان لوگوں کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ہم شمارا کے لوگوں کو نہ تو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں اور نہ شمارا پر حکومت کرنا چاہتے تھے۔ میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ شمارا کی حکومت ان ہی لوگوں کے حوالے کر دی جائے گی۔ لیکن پھر بھی وہ بخوشی مجھے حکومت بخش رہے تھے۔ میں نے اس پیشکش کو ان کی [illegible] اور فیاضی پر محمول کیا۔

"مجھے رانشوز کے تخت پر بیٹھنا قبول نہیں ہے۔ میں [illegible] لوگ مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کرو۔" اور میں [illegible] مہمانوں کی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

تب اقلوس نے کہا۔ "[illegible] سردار سارہ دم۔ ہم لوگوں نے آپس کے مشورے کے ذریعے یہ طے کیا ہے کہ شمارا کی بھلائی اس میں ہے کہ آپ کی پیش کردہ شرائط کو بلا چون و چرا تسلیم کر لیا جائے۔ رانشوز کے ظلم و ستم سے آپ سے بدعہدی کی تھی [illegible] اس کی سزا بھی مل گئی۔ ہم سب آپ کو باوفا وفاداریوں کا یقین دلاتے ہیں اور آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ شمارا کی سرداری قبول کر کے مستقبل [illegible] قیام [illegible]"

"اور تمہارے [illegible] ہو؟" میں نے درباری بخوبی سے پوچھا۔

"[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] پیش [illegible] کی [illegible] ہو سکتا تھا لیکن مجھے [illegible] کی کوئی [illegible] حکومت حاصل [illegible] سارہ کے [illegible] انصاف [illegible] یہیں [illegible] اپنے [illegible] جسے [illegible] میں [illegible] پہلے سے [illegible] کر [illegible] کی طرف نظر [illegible] نہ دیکھیے۔"

"ہماری تو خواہش یہی تھی سارہ دم کہ تم شمارا کی سرداری قبول کرو۔" [illegible] نے کہا۔ اس کے لہجے میں خوشامد کی جھلک موجود تھی۔ "شمارا کو تمہیں [illegible] اور جری سردار کبھی نہ نصیب ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ یہ [illegible] دونوں کی خوش بختی ہوگی کہ تم ان کی سرپرستی قبول کرو۔"

"میں معذرت چاہوں گا۔" میں نے کہا۔ "تم لوگ جلد از جلد باقی [illegible] دنیاں پوری کر دو تاکہ میں سارہ کی امانتوں کو ساتھ لے کر یہاں سے رخصت ہو جاؤں۔"

"کل صبح تک سارے انتظام مکمل ہو جائیں گے عظیم سردار۔" اس نے جواب دیا۔ "آج ہی سارے ضروری احکامات جاری کر دیئے گئے ہیں۔"

اس کے بعد اقلوس نے قریب کھڑے ہوئے ایک غلام کو [illegible] غلام آگے بڑھا اور اس نے ایک سنہری رنگ کا حسین ڈبہ اقلوس کے [illegible] تھما دیا۔ اقلوس وہ ڈبہ لے کر میری طرف بڑھا اور اس نے [illegible] دونوں ہاتھوں سے وہ ڈبہ میری طرف بڑھایا۔

"یہ شمارا دونوں کی طرف سے عظیم سارہ دم کے لیے ایک حقیر سا تحفہ ہے۔ [illegible] مجھے امید ہے کہ محترم سردار اس تحفے کو شرف قبولیت بخشیں گے۔"

"اس میں کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس کو کھول کر دیکھیے معزز سارہ دم۔" اقلوس نے کہا۔ "اس میں [illegible] کی طرف سے چند نادر قسم کے جواہرات ہیں جو دنیا میں بہت [illegible] ہیں۔ اہل شمارا نے ان جواہرات کو ہمیشہ بہت عزیز رکھا ہے [illegible] کے خزانے کا ایک اہم حصہ ہے۔ ہم بڑی عقیدت کے ساتھ یہ [illegible] خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔"

میں نے اقلوس کے ہاتھ سے وہ ڈبہ لے لیا اور مجھے فوراً ہی اندازہ ہو گیا کہ شمارا کے یہ درباری اقتدار اور دولت کے بھوکے یہ امراء دراصل [illegible] خصلت اور فریب کار لوگ ہیں۔ مجھے ایک بار پھر دھوکا دیا جا رہا ہے۔ ایک بار پھر مجھے ایک گھناؤنی سازش کا شکار بنایا جا رہا تھا۔ [illegible] سمجھ لیا تھا کہ ان کے سارے ہتھیار میرے ہم سے ٹکرا کر [illegible] ہوئے ہیں۔ ان کی پوری پوری فوج کو میں گاجر مولی کی طرح کاٹ [illegible] دیتا ہوں۔ مجھے آگ میں جھلسانے کی کوشش ناکام [illegible] کے باوجود وہ میرے خون کے پیاسے تھے۔ انہوں نے [illegible] دھوکے سے سارہ دہ پر حملہ کیا اور شکست کھا کر بے آبرو ہوئے [illegible] دوستی کا عہد کیا اور غداری کی۔ اب ایک بار پھر وہ دوستی [illegible] کر کے غداری کر رہے تھے۔ میں دو دفعہ انہیں معاف کر چکا تھا۔ [illegible] نے صرف رانشوز کو اور ان لوگوں کو سزا دی تھی جو میرے [illegible] کر رہے تھے۔ اب دھوکا بازوں کو اس بات کا بھی طرح اندازہ تھا کہ [illegible] اعلان جنگ کر کے انہیں تباہی و بربادی کے سوا کچھ حاصل [illegible] لیے وہ زبان سے اعتراف شکست اور صلح کی باتیں کر رہے [illegible] انہوں نے میری ہلاکت کا ایک اور خوف ناک منصوبہ تیار کر [illegible]

میں نے ڈبے کو ہاتھ میں لینے ہی وہ مخصوص بو محسوس کر لی تھی جو اس ڈبے میں سے آ رہی تھی اور جسے دربار میں موجود تمام لوگوں میں سے صرف میری ہی قوت شامہ محسوس کر سکتی تھی۔ میں نے ڈبے کو ہاتھ میں لے کر اٹھایا۔ میں نے محسوس کیا کہ سارے دربار میں بالکل خاموشی تھی۔ ہر طرف ایک پراسرار سناٹا طاری تھا گویا وہ سب کے سب کسی ہولناک واقعے کے منتظر ہوں۔ میں ان کے انتظار کی گھڑیوں کو طوالت دے کر ان کے اضطراب میں مزید اضافہ کرنا چاہتا تھا۔

"تو اس خوبصورت طلائی ڈبے میں واقعی نادر جواہرات ہیں؟" میں نے اقلوس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"معزز سارہ دم۔ اسے کھول کر خود اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔" اقلوس نے جواب دیا۔

"مجھے تم پر مکمل اعتماد ہے اقلوس۔" میں نے گمبھیر لہجے میں جواب دیا۔ "میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ میں جواہرات کے بکائے منگائے بھرے ہوئے ہیں۔ بہرحال تمہارا بہت بہت شکریہ۔ میں نے تمہارا تحفہ قبول کر لیا ہے اور اب میں سارہ جا کر اسے کھولوں گا۔"

میں نے دیکھا کہ میرے ان الفاظ کے ساتھ ہی سارے درباری کن انکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اقلوس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آنے لگے۔ بوڑھے شاریپ کی آنکھوں سے میرے لیے نفرت و حقارت کا زہر اور زیادہ شدت کے ساتھ ٹپکنے لگا۔

"معزز سارہ دم۔" اقلوس نے مجھے مخاطب ہو کر کہا۔ "شمارا کی یہ [illegible] ہے کہ مہمان رخصت ہونے سے پہلے ان تحفوں کو بچشم خود ملاحظہ فرمالیں جو ان کی خدمت میں ان کے میزبانوں کی جانب سے پیش کئے گئے ہیں اور اس امر کی تصدیق کر لیں کہ ان کے میزبانوں نے کس درجہ اہمیت کا مستحق سمجھا ہے۔ سارہ دہ کے دور دراز سفر پر جانے کے دوران تحفہ کا ڈبہ گم بھی ہو سکتا ہے اور اس صورت میں اہل شمارا کو اس بات کا بڑا ملال ہوگا کہ ان کا دیا ہوا تحفہ آپ کی نظروں کے لمس سے محروم رہا۔ آپ اہل شمارا کو اس معاملے سے محروم نہ کریں تو یہ عین کرم ہوگا۔ باقی آپ کی مرضی ہے۔ ہم سب آپ کی خواہش کے آگے سرنگوں ہیں۔"

میں اقلوس کی مکاری کو خوب سمجھ رہا تھا۔ اسے پچھے دار باتیں کرنے کا فن بخوبی آتا تھا اور وہ کسی بھی شخص کو بآسانی اپنے جال میں پھانس سکتا تھا۔ غالباً اس کی اس خوبی نے اسے نائب السلطنت کا عہدہ دلایا تھا۔ مجھے دل ہی دل میں ان سب لوگوں کی قسمتوں پر افسوس ہو رہا تھا، خاص طور پر شاریپ کی کیونکہ زادمیر میں یہ سب لوگ میرے باغیوں ہتھیاروں سے ہونے والے تھے۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس بار میں انہیں ہرگز معاف نہیں کروں گا۔

"اگر شمارا کے میزبان کی یہی مرضی ہے تو مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور ڈبے کو اپنے سینے کے قریب لا کر اس طرح کھولنے لگا کہ ڈبے کا ایک حصہ میرے سینے سے مس ہو [illegible]

aazzamm@yahoo.com

تھا میں نے دزدیدہ نظروں سے اقلوس کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پر مسرت کی سرخی دوڑ رہی تھی۔ ایک لمحے کے دسویں حصے میں میں نے شاہ پر کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر طمانیت نظر آ رہی تھی۔ باقی درباری دم بخود بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے آہستہ سے ڈبے کے ڈھکن کا کنڈا کھول دیا۔ اب صرف ڈھکن اوپر اٹھانے کی دیر تھی۔ لیکن میں نے پورا ڈھکن اوپر نہیں اٹھایا۔ میں نے ڈھکن کو بالکل ذرا سا اوپر اٹھا کر اس میں ایک جھری پیدا کی اور پھر ایک دم اس میں اپنا ہاتھ ڈال دیا۔ جب میں نے اپنا ہاتھ نکالا تو اس میں ایک نہایت خوف ناک سیاہ رنگ کا سانپ لہرا رہا تھا جس کا پھن میری مٹھی میں دبا ہوا تھا اور جو بری طرح مچل رہا تھا۔

یہ منظر دیکھ کر تفرن کی چیخ نکل گئی اور وہ میری طرف دوڑا۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے وہیں روک دیا۔ میرے چہرے پر خوف و ہراس اور گھبراہٹ کے کوئی آثار نہ پا کر تفرن بہت حیران ہوا۔ امراء و درباری کی حالت قابل دید تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ فیسر جیسے کسی نے ان کے جسموں سے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ ان سب کے چہرے یک لخت سفید پڑ گئے تھے اقلوس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ بوڑھے شاریب پر سکتہ طاری تھا۔

"کیا کہتے ہیں امرائے شمارا کی سخاوت کے؟" میں نے اقلوس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "واقعی شمارا کے جواہرات کس قدر قیمتی اور نادر الوجود ہیں۔ لیکن میں یہ جواہرات نہیں کو واپس کرنا چاہتا ہوں۔" اتنا کہہ کر میں نے سیاہ زہریلے سانپ کو اقلوس کے سر پر اچھال دیا۔ غصے میں آئے ہوئے سانپ نے جھنجھلا کر اقلوس کی گردن میں اپنے دانت پیوست کر دیئے۔ اقلوس کی چیخ بڑی بھیانک تھی۔ اس اثناء میں کئی درباریوں نے بھاگ کر باہر نکلنے کی کوشش کی۔ لیکن میں سانپ کو اقلوس کی طرف اچھالنے کے فوراً ہی بعد لپک کر دروازے کو اندر سے بند کر چکا تھا۔ دربار میں آنے جانے کا یہ واحد دروازہ تھا۔ لکڑی کا بے حد بھاری بھرکم اور بلند و بالا دروازہ جس میں اندر و باہر بھاری بھاری زنجیریں لگی ہوئی تھیں۔ میں نے اندر سے بھاری زنجیر چڑھا دی اور خود دروازے کو روک کر کھڑا ہو گیا۔ ایک بھاگتے ہوئے امیر نے حواس باختگی کے عالم میں مجھے دھکا دیتے ہوئے زنجیر کھولنے کی کوشش کی اور دوسرے لمحے اس کی گردن میرے ایک ہاتھ کی گرفت میں تھی اور اس سے گلے لمحے اس کا نیم مردہ بدن زمین پر پھڑک رہا تھا۔ زہریلا سانپ اقلوس کو ڈسنے کے بعد اب ایک اور امیر کی طرف بڑھ رہا تھا کہ کسی نے اس پر تلوار سے وار کیا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ میں نے اس کی طرف دیکھا وہ ایک لمبا تڑنگا درباری تھا جس کی آنکھیں بہت بڑی چھوٹی تھیں۔

"یہ تم نے کیا کیا دوست؟" میں نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔ "بھئی جواہرات کے اس ذخیرے پر تم نے شمشیر آزمائی کیا ضرورت تھی؟ یہ تو بڑے قیمتی جواہرات کا ذخیرہ تھا۔"

"یقین کرو عظیم سالار!" اس شخص نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "ضرور کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ یہ سب کچھ کسی غلطی کا نتیجہ ہے، شاید کوئی ملازم غلط ڈبہ اٹھا لایا۔ ہم... ہم... تم سے معافی چاہتے ہیں۔"

"اس کا وقت گزر چکا ہے اشمارا کے منصب امیر!" میں نے غصے سے کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری تخلیق ہی غداری کے خمیر سے کی گئی ہے۔ غلط فہمی نہیں مجھے ہوئی تھی جو میں نے تم جیسے رہزنوں اور بدقماشوں پر اعتماد کیا۔ اس وقت دربار میں جتنے لوگ موجود ہیں وہ یقیناً تم کے سب اس سازش میں شریک ہیں اور ان سب کا حشر یکساں ہو گا۔" اتنا کہہ کر میں نے اس شخص کی کمر توڑ دی جس نے بھاگنے کی کوشش میں میرے قدموں میں دم توڑ دیا تھا۔

میرا گلا شدید اور بھاری بھرکم بدن کا سردار تھا جس نے میری جانب اپنا خنجر چھالنے کی حماقت کی تھی۔ بوڑھا شاریب حیرت ناک خاموشی کے ساتھ یہ روح فرسا منظر دیکھ رہا تھا۔

مختصر یہ کہ میں نے ایک ایک کر کے سارے امرائے دربار کو جہنم کے گھاٹ اتار دیا۔ وہ اتنے زیادہ خوفزدہ ہو گئے تھے کہ ان میں مقابلے یا مزاحمت کی سکت بھی باقی نہیں رہی تھی اور اگر وہ مقابلہ کرتے بھی تو بھی ان کا انجام مختلف نہ ہوتا۔

ان سب سے فارغ ہو کر میں بوڑھے شاریب کی طرف متوجہ ہوا۔ میں اسے دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا۔ اس کی گردن ایک طرف ڈھلکی ہوئی تھی اور آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ نہ جانے اس نے کس وقت کون سی ایسی چیز کھا لی تھی، جس نے اسے آناً فاناً موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس نے واقعی اپنی انا کو آخری وقت تک برقرار رکھا اور میرے ہاتھوں مرنا گوارا نہیں کیا۔ ویسے پیرو فیسر میں اسے ہلاک نہ کرتا۔ کیونکہ وہ واقعی بوڑھا اور کمزور تھا۔ میں نے اس کی جان بخش دینے کا فیصلہ کیا تھا لیکن مجھے معلوم تھا کہ میرے خلاف سازشوں میں وہ برابر کا شریک تھا مگر مجھے اس کی کیا پروا تھی۔ بہرحال اس نے خود کو ہلاک کر لیا تو اس میں میرا کیا قصور تھا؟

دربار میں ہر طرف لاشیں اور خون پھیلا ہوا تھا۔ میں نے دربار کے بڑے دروازے کو کھول دیا۔ تھوڑی دور پر پہرے دار کھڑے تھے۔ میں نے ان کے سربراہ کو ہلایا اور اسے اندر آنے کی دعوت دی۔ وہ دربار کا اندرونی منظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کے چہرے پر رعشہ طاری ہو گیا۔

"یہ سب لوگ سازش کے نمائندوں کے ساتھ بدعہدی اور غداری کے مرتکب ہوئے تھے اور میں نے انہیں اس کی سزا دی ہے۔" میں نے پہریداروں کے سربراہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "شمارا میں فی الحال کوئی سردار نہیں ہے اور میں عارضی طور پر اپنے ساتھی تفرن کو یہاں کا سردار مقرر کرتا ہوں۔ تم پورے شہر میں اس بات کی منادی کر دو اور اس کے ساتھ ہی میں نے اسے ان شرائط کی تفصیلات سے آگاہ کر دیا جو میں نے شمارا کے امرا کے سامنے پیش کی تھیں اور اسے ہدایت دی کہ وہ پورے شہر والوں کو مطلع کر دے کہ کل صبح

شمارا کے عوام کی بھاری تعداد بھی میدان میں جمع تھی۔ میں نے ان لوگوں کے سامنے سازش اور اشمارا کے درمیان پیش آنے والے واقعات کی مکمل تفصیل بیان کی اور انہیں بتایا کہ کس طرح ہمارے ساتھ بار بار بدعہدی کی گئی۔

سارے واقعات بیان کرنے کے بعد میں نے اشمارا کے لوگوں کو دعوت دی کہ اگر ان میں سے کوئی رالشوز کو حق بجانب سمجھتا ہے اور مجھ سے مقابلے کا خواہشمند ہے تو سامنے آئے اور اگر ساری فوج مجھ سے لڑنا چاہتی ہے تو اس کے لیے بھی میں تیار ہوں۔ میرے اس اعلان کے جواب میں چاروں طرف گہرا سناٹا طاری ہو گیا۔ پھر مختلف دستوں کے سردار ایک منظم ٹولی کی شکل میں آگے بڑھے اور انہوں نے اپنی اپنی تلواریں میرے قدموں میں رکھ دیں اور باادب کھڑے ہو گئے۔

"تم نے جو کچھ کہا ہے، وہ بالکل سچ ہے سردار سالار!" ان میں سے سب سے معمر سردار نے آگے بڑھ کر کہا۔ "ہمیں سارے وہ والوں کے ساتھ رالشوز کی پہلی جنگ کا حال بھی بخوبی معلوم ہے اور دوسری جنگ میں تو ہم سب لوگ بذات خود شریک تھے۔ تمہیں جلانے کی سازش بھی رالشوز کے ذہن کی پیداوار تھی لیکن تم کس طرح بچ نکلے، یہ تم نے ہمیں نہیں بتایا لیکن ہم اس صورت میں اس کے علاوہ اور کیا سمجھ سکتے ہیں کہ تمہیں دیوتا ڈل نے تحفظ فراہم کیا ہے تم یقیناً کسی دیوتا کا قاہر ہو، ورنہ ایک عام آدمی اس قدر حیرت انگیز صلاحیتوں کا حامل نہیں ہو سکتا۔ ہمیں اعتراف ہے کہ تم ناقابل تسخیر ہو۔ اب ہم تم سے جنگ کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہم تمہارے غلام اور تابع فرمان ہیں۔ تم ہمارے ساتھ جو سلوک چاہو کرو۔"

"میرا سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ آج سے تفرن اس مملکت کا سردار ہے۔" میں نے تفرن کو ان کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ "تفرن کے حکم کو میرا حکم سمجھا جائے اور اس کی تعمیل کی جائے۔ جب ہم یہاں سے روانہ ہوں گے تو اس وقت میں تمہیں میں سے کسی کو سردار بنا دوں گا۔ کیونکہ ہمارا ارادہ یہاں اپنی حکومت قائم کرنے کا نہیں ہے۔ تم لوگ اپنے گھروں کو واپس جا سکتے ہو۔ نیا سردار اپنا منصب سنبھالنے کے لیے تیار ہے۔"

لوگ منتشر ہونے لگے۔ میں اور تفرن سرداروں کی معیت میں محل میں داخل ہوئے۔ پچھلے پہر اور ورزنے تفرن کو نذریں پیش کیں جو اس نے میری ہدایت کے مطابق قبول کرنے کے بعد شکریے کے ساتھ واپس کر دیں۔ تفرن نے فوراً اپنے احکامات جاری کرنے شروع کر دیے۔ اشمارا کے بعض لوگوں کے ساتھ رالشوز اور امرائے دربار نے سخت زیادتیاں کی تھیں لیکن وہ لوگ ان کے آگے زبان نہیں کھول سکتے تھے۔ اب لوگوں کا ایک بڑا گروہ شکایتوں کا دفتر لے کر آ گیا اور تفرن ان کے مقدمے سننے لگا۔ اس نے میرے مشورے سے ان کے مسائل حل کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔

رات گئے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد دربار برخاست ہوا اور ہم لوگ محل کے اندرونی حصے میں آئے جہاں حسین و نازک اندام کنیزوں کے پرے کے پرے ہمارے استقبال کے لیے موجود تھے۔ ہمیں نہایت

scanned by aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

پر تکلف کھانا اور اعلیٰ درجے کے مشروبات پیش کیے گئے۔ تفران رشتوں کے حسن کی اندرونی شان و شوکت دیکھ کر دنگ تھا۔

تفران کا لباس تبدیل کر دیا گیا تھا اور اب اس کے جسم پر بیش قیمت خلعت تھا۔

ہمارے مجھ سے بھی تبدیلی لباس کی درخواست کی مگر میں نے انکار کر دیا۔ اب میں نے ہندوستانی جوگی والا لباس بھی اتار کر پھینک دیا تھا۔ اور میں اپنے روایتی قدیم لباس میں آ گیا تھا جو میں ہمیشہ سے استعمال کرتا چلا آیا تھا۔

رات زیادہ ہو گئی اور تفران کو شاہی خواب گاہ میں پہنچا دیا گیا مجھے محل کا ایک اور عالی شان کمرہ خواب گاہ کے طور پر دیا گیا اور میں آرام دہ بستر پر دراز ہو گیا۔

دوسرے دن صبح ہونے سے کچھ دیر بعد سپاہیوں کی نگرانی میں عورتوں کے ایک گروہ کو محل کے اندر لایا گیا۔ یہ سارہ کی عقیدت مند تھیں۔ جو مجھے اور تفران کو دیکھ کر چھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ ہم نے انہیں تسلی دی اور بتایا کہ جلد ہی وہ اپنے گھروں کو واپس چلی جائیں گی۔ عورتوں کے علاوہ ان مویشیوں کے گلے بھی تیار کر کے الگ کر دیئے گئے جو تفران اور سارہ سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ محل کے سامنے سارہ سے لوٹے ہوئے مال و اسباب کا ڈھیر لگ گیا اور اس سامان کو بڑی حفاظت کے ساتھ محل کے اندر پہنچا دیا گیا جہاں اس کی بڑی بڑی گٹھڑیاں باندھی گئیں۔

اس دن بھی تفران نے جملہ حالات کا جائزہ لیا۔ میں نے اس کے کاموں میں کوئی دخل نہیں دیا۔ اس دن وسیع و عریض محل کے باغات میں گھومتا رہا اور مناظر قدرت سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

غرض پورا دن بھی بہت مصروف گزرا۔ ہم نے شمالی میں گزارے پانچویں دن صبح کو ہم نے واپسی کا منصوبہ بنایا اور تیاریاں شروع کر دیں۔ تفران کی چاروں کی بادشاہت سے تو میں پہلے ہی بیزار ہو چکا تھا۔ اور میں نے مقامی مزدوروں سے ایک کشتی جو میں سوار ہو کر دریا کے راستے وہاں کا حدود سفر کرنے کا اعلان کر دیا۔ دریائی امراء اور وزراء نے میری رائے سے اتفاق کیا اور ہمیں سفر کا فوراً انتظام کرنے کا وعدہ کیا۔

شمالی علاقوں سے ہمیں بہت سی گاڑیاں فراہم کیں جن میں سے کچھ میں عورتوں کو بٹھایا گیا۔ باقی گاڑیوں میں لوٹا ہوا سامان اور تحفہ تحائف رکھ دیئے گئے۔ میں نے شمالی والوں پر جو تاوان عائد کیا تھا اسے میں نے معاف کر دیا حالانکہ وہ لوگ سونے کا کافی تاوان دینے کے لیے تیار تھے۔ اس طرح ہم لوگوں کا قافلہ روانگی کے لیے تیار ہو گیا۔ دریائی بیڑے نے میرے ساتھ چلنے کی بہت ضد کی لیکن میں نے اسے بمشکل سمجھا بجھا کر راضی کر لیا کہ اس وقت اس کا میرے ساتھ جانا ٹھیک نہیں ہے۔ ورنہ بہت سے لوگ یہ سمجھیں گے کہ وہ اپنے شوہر کے قتل میں شریک تھی اور اس کی سازش سے راشور مارا گیا۔ وہ بیٹی کی کچھ میں یہ بات آ گئی اور میں نے اس سے وعدہ کیا کہ اگر مجھے کبھی حالات نے اجازت دی تو میں دوبارہ اشمار ضرور آؤں گا۔ شہر کے سربرآوردہ لوگوں نے ہمیں رخصت کیا۔ جن میں نیا سردار بھی شامل تھا۔ گھڑ سواروں کا ایک دستہ میرے منع کرنے کے باوجود ایک منزل تک ہمارے ساتھ آیا۔ اس کے بعد ہم نے اسے رخصت کر دیا۔ اور ہم لوگ سارہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

کئی دن کے مسلسل سفر کے بعد جب ہم سارہ میں داخل ہوئے تو سارا شہر ہمارا منتظر تھا۔ ہمارا بڑا شاندار خیر مقدم کیا گیا۔ اعزاز و اکرام جن میں تفران کی بہت بھی شامل تھی۔ اپنے اپنے گھروں میں پہنچا دی گئیں۔ لوٹا ہوا سامان بستی کے وسط میں ایک میدان میں رکھا گیا۔ اور لوگوں سے کہا گیا کہ وہ اپنی اپنی اشیاء پہچان کر لے لیں۔ غلے کے ذخیرے گودام میں محفوظ کر دیئے گئے اور مویشیوں کو باڑوں میں بانک دیا گیا۔

اگرچہ سارہ والے میری غیر معمولی بہادری کا اس سے پیشتر خود مشاہدہ کر چکے تھے۔ اور اس وجہ سے وہ مجھے انسان کے بجائے دیوتا سمجھنے لگے تھے۔ لیکن جب تفران کی زبانی انہوں نے وہ واقعات سنے جو اشمار میں پیش آئے تھے تو وہ انگشت بدنداں رہ گئے۔ تفران نے انہیں میرے تمام ہی زندہ جلائے جانے کے بارے میں بھی بتایا۔ اہل سارہ اس واقعے سے بالکل لاعلم تھے۔ ان ساری باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس سارہ والوں کے لیے ایک مقدس ہستی گزیدہ اور پوجنے کے لائق بن گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے کہ میری جانب سارہ والوں کے رویے میں اب وہ پہلی سی بات موجود نہیں ہے۔ پہلے میں ان کے لیے ایک تھا۔ اور وہ مجھے اپنا ہی جیسا ایک انسان سمجھتے تھے جس میں کمزوری اور شجاعت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ میرے ساتھ کھلے ملے رہتے تھے اور بے تکلفانہ ہنسی مذاق بھی کرتے تھے۔ لیکن اب ان کے اندر میرے لیے احترام اور تقدس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ اب میں باقاعدہ دیوتا سمجھا جانے لگا تھا جس کے سامنے ہنسنا اور زور سے بولنا یا مذاق کرنا سخت بے ادبی کی بات تھی۔ اب لوگ میرے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھتے اور انتہائی مودبانہ رویہ اختیار کرتے۔ میں رفتہ رفتہ اپنے آپ کو ان لوگوں سے الگ محسوس کرنے لگا۔ میری مخفی قوتوں کے اظہار نے مجھے اپنے لوگوں سے دور کر دیا تھا۔ میں جس محفل میں بھی جا کر بیٹھ جاتا وہاں گونجتے ہوئے قہقہے رک جاتے۔ چہلیں کی طرح ہنستی ہوئی زبانیں تھم جاتیں۔ چہروں پر قدرے اور سنجیدگی کا پتھریلا پن نمودار ہو جاتا۔ لوگ کن انکھیوں سے اب میرے کو دیکھنے لگتے اور سنبھل کر مؤدب ہو کر بیٹھ جاتے۔ میری بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی کے جواب میں چہروں پر صرف ہلکی ہلکی محتاط مسکراہٹیں نمودار ہوتیں اور کوئی شخص کھلکھلا کر ہنسنے کی جرأت نہیں کرتا۔ میں خود اپنی تنہائی میں محبوس ہو کر رہ گیا تھا۔

رفتہ رفتہ میں اس صورت حال سے سخت بیزار ہو گیا۔ میں سارہ والوں کے درمیان ان ہی کی طرح رہنا چاہتا تھا۔ ان میں سے ایک بن کر رہنا چاہتا تھا۔ لیکن اب ایسا ممکن نہیں معلوم ہوتا تھا۔ میں عبودیت اور

تقدس کی علامت بن گیا تھا اور اس سے مجھے سخت وحشت ہو رہی تھی۔

بالآخر میں نے فیصلہ کیا کہ اب مجھے سارہ چھوڑ دینا چاہیے۔ میں نے اپنے ہاتھ سے اس بستی کی بنیاد رکھی تھی۔ اسے ترقی اور خوشحالی سے ہمکنار کرایا تھا اور دشمنوں کی سازشوں کے خلاف اس کا دفاع کیا تھا۔ میں ایک سال کے برابر زندگی اس بستی میں گزار چکا تھا اور اس دوران اشمار اور اس کی تھوڑی سی گوشمالی کرنے کے علاوہ میں نے اور کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا تھا۔ سکون اور اطمینان کا ایک طویل عرصہ گزر گیا تھا اور میرا دل پھر کسی طویل سفر کے لیے اور کسی طویل اور خطرناک مہم کے لیے بے چین تھا۔ میں سارہ میں اب پتھر کے بت کی طرح نہیں رہنا چاہتا تھا۔ میں ہنستی کھیلتی زندگی چاہتی تھی۔

وہ ایک سخت گرم دن تھا۔ سارا دن شدید حبس طاری رہا۔ شام ہوتے ہوتے گہرے بادل گھر آئے اور تھوڑی دیر میں بارش شروع ہو گئی۔ ابتداء میں ہلکی ہلکی بارش ہوئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے شدت اختیار کر لی اور دھواں دھار مینہ برسنے لگا۔ ساری فضا میں حبس چھا گئی اور یوں لگتا تھا جیسے پانی کی ایک دبیز چادر آسمان سے زمین پر تان دی گئی ہو۔ بارش کے تیز ہونے کے ساتھ ہی گرمی کی شدت میں کمی آ گئی اور فضا میں خنکی پھیل گئی۔ لوگ اپنے اپنے گھروں میں بند ہونے کے لیے دیکھتے ہی دیکھتے دور دور تک سناٹا چھا گیا۔ اگرچہ ابھی زیادہ رات نہیں ہوئی تھی۔ لیکن ایسا لگتا تھا کہ بستی میں کوئی متنفس موجود نہیں ہے۔ فضا میں بڑی سوگواری سی طاری تھی۔ ایسے میں میں اپنے گھر سے باہر نکلا۔ میں نے ایک نظر اپنے بارش میں بھیگتے ہوئے گھر پر ڈالی اور بند قدم آگے بڑھ گیا۔ تیز طوفانی بارش نے مجھے سر سے پاؤں تک شرابور کر دیا۔ میں نے اپنا منہ کھول دیا اور پانی کے قطرے سیدھے میرے حلق میں اترنے لگے۔ میرے رگ و پے میں انبساط کی ایک لہر دوڑ گئی۔ تھوڑی دیر تک میں اس حالت میں کھڑا رہا اور پھر آگے بڑھ گیا اور آگے اور آگے۔ یہاں تک کہ میں بستی کے آخری سرے پر پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر میں نے ایک الوداعی نظر سارہ کے خوبصورت مکانوں پر ڈالی۔ اب سارہ والوں سے رخصت ہو رہا تھا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ آج سے میں سارہ والوں کی زندگی سے نکل رہا تھا۔ اور سارہ کو اپنی زندگی سے خارج کر رہا تھا۔ اب صرف یادیں باقی رہ جائیں گی۔ سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں دوسری یادوں کی طرح جن کا انمول خزانہ میرے سینے میں محفوظ ہے۔ اب کبھی سارہ والوں کو میرے بارے میں کچھ نہ معلوم ہو سکے گا اور نہ تفران کے بارے میں کچھ جان سکوں گا۔ الوداع.... سارہ کے لوگو۔ الوداع۔

میں تیز اور طوفانی بارش میں چلتا رہا یہاں تک کہ سارہ کے مکانات مجھ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ بارش کی تیزی میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔ بجلی بار بار کڑک رہی تھی اور بادل خوفناک انداز میں گرج رہے تھے۔ راستوں پر پانی بھر گیا تھا اور چھوٹے نالوں نے تیز رفتار ندیوں کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ہر طرف گھور اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور جس وقت بجلی چمکتی تو چند لمحوں کے لیے سارا منظر روشن ہو جاتا۔ نیچے نیچے پہاڑیاں، درخت، جھاڑیاں اور پانی سے بھرے ہوئے گڑھے۔ میں اب آبادی سے بہت دور نکل آیا تھا اور نہ جانے کون سے ویرانوں میں داخل ہو گیا تھا۔ مجھے نہ سمت کا اندازہ تھا نہ منزل کا پتہ معلوم تھا۔ میں تو بس محو سفر تھا۔

ساری رات دھواں دھار بارش ہوتی رہی۔ آسمان اپنا قہر اگلتا رہا۔ بجلیاں غضب ناک سانپوں کی طرح چمکتی رہیں۔ بادل خوفناک آواز میں گڑگڑاتے رہے اور میں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ پھر آہستہ آہستہ اندھیرے میں کمی ہونا شروع ہو گئی۔ لیکن بارش اسی شدت کے ساتھ ہو رہی تھی۔ ذرا دیر میں مکمل تاریکی کی جگہ غیر تاریکی نے لے لی۔ صبح ہو رہی تھی لیکن گہرے بادلوں نے سورج کو چھپا رکھا تھا۔ میں چلتا رہا۔ بعض بعض جگہوں پر میں بوسے کا پورا پانی میں ڈوب گیا کیونکہ ہر طرف پانی ہی پانی تھا اور یہ نظر نہیں آتا تھا کہ نشیب کہاں ہے۔ بہرحال میرے لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ بارش کے پانی نے میرے جسم کو دھو کر بالکل تر و تازہ کر دیا تھا اور میں خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

کئی دن اور کئی راتوں تک میں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ اس دوران میں زیادہ تر ویرانوں اور غیر آباد علاقوں سے گزرتا رہا۔ کہیں کہیں درمیان میں چھوٹی چھوٹی دور افتادہ بستیاں بھی نظر آئیں۔ جہاں شاید ایسے لوگ آباد تھے جن کا اس دور کی متمدن زندگی سے کوئی گہرا رابطہ نہیں تھا لیکن میں ان میں سے کسی بھی بستی میں نہیں رکا۔ میں نے اس بات کی خاص طور پر کوشش کی کہ بستی کے کسی شخص کی مجھ پر نظر نہ پڑنے پائے۔ کئی بار میرا انسانوں سے آمنا سامنا ہوتے ہوتے رہ گیا اور میں بمشکل خود کو ان کی نظروں سے چھپا سکا۔

نہ جانے میں ایک ہفتے تک سفر کرتا رہا اور ہفتے تک یا شاید تین ہفتے تک۔ میں نے اس کے بارے میں نہیں سوچا۔ میں اب کسی چھوٹی موٹی بستی میں قیام نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ میرا ارادہ تھا کہ اب کچھ عرصہ تک کسی بڑے شہر میں زندگی گزاری جائے۔ بہت عرصہ ہو گیا تھا کہ میں نے کسی بڑے شہر میں قدم نہیں رکھا تھا۔ میں نے تقریباً چھ چھ سال کا عرصہ سارہ میں رہتے ہوئے گزار دیا تھا اور اب میں وہاں سے اکتا کر چلا آیا تھا کیونکہ سارہ والوں کا رویہ میرے لیے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ میں اب کسی نئی جگہ۔ کسی بڑی جگہ جا کر کچھ عرصہ گزارنا چاہتا تھا تاکہ اپنے گوناگوں تجربات کے ذخیرے میں کچھ اور اضافہ کر سکوں اور میرے سینے میں موجود علم کا یہ قیمتی ذخیرہ کچھ اور نئی وسعتیں حاصل کرے۔ چنانچہ راستے کی چھوٹی چھوٹی بستیوں کو نظر انداز کرتا ہوا میں ایک ہی سمت میں آگے بڑھتا چلا گیا۔

صبح کا سہانا وقت تھا۔ رات میں نے درختوں کے ایک جھنڈ کے نیچے گزاری تھی اور خوب آرام سے سویا تھا۔ اس جنگل میں بڑی فرحت بخش خنک فضا طاری تھی۔ یہاں اونچے اونچے اور گھنے درختوں کی بہتات تھی اور ہزارہا پرندے سرخوشی و سرمستی کے عالم میں ہر طرف چہچہا رہے تھے۔

scanned by aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

میں گزشتہ شام کو اس گھنے جنگل میں داخل ہوا تھا اور میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ میں آج کی رات یہیں بسر کروں گا۔ کیونکہ مجھے یہ جگہ بہت پسند آئی تھی۔ رات بھر میں درختوں کے جھنڈ کے نیچے سوتا رہا۔ میرے اردگرد سفید و رنگا رنگ بیلیں سرسرا رہی تھیں، جن میں طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا گویا میں پھولوں سے بھری ہوئی سیج پر سو رہا ہوں۔ صبح جب میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ کو بہت تازہ دم اور شاداں پایا۔ میں اٹھتے ہی آگے چل دیا۔

جب میں کافی دیر تک چلتے رہنے کے بعد گھنے جنگل سے باہر نکلا تو مجھے اپنے سامنے بہت دور اونچی اونچی عمارتوں کے آثار نظر آنے لگے۔ میں سمجھ گیا کہ اب میں کسی بڑے شہر کے قریب پہنچ گیا ہوں۔ میں نے اسی سمت میں چلنا شروع کر دیا۔ دور سے نظر آنے والے عمارتوں کے آثار اتنے قریب نہیں تھے، اور مجھے اس جگہ پہنچتے پہنچتے تقریباً دوپہر ہو گئی۔ اب میں ایک عظیم الشان شہر کے سامنے کھڑا تھا جو ایک وسیع و عریض رقبے پر پھیلا ہوا تھا اور جس میں بڑی شان دار عمارتیں نظر آ رہی تھیں۔ میں شہر کے اندر داخل ہو گیا۔ بڑا پُررونق اور شاد آباد شہر تھا۔ ہر طرف زندگی رواں دواں تھی۔ بارونق بازار لوگوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ہر طرف خوبصورت اور مضبوط عمارتوں کے سلسلے نظر آ رہے تھے۔ امرا، رؤسا اور معزز شہری گھوڑوں پر سوار اپنے اپنے غلاموں اور محافظوں کے ساتھ سڑکوں پر سے گزر رہے تھے۔ ان گنت لوگ گلیوں میں چہل پہل کر رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ معزز لوگ زیادہ تر یونانی تھے۔ لیکن دوسرے ملکوں اور دوسری نسلوں کے معزز لوگ بھی کافی تعداد میں نظر آ رہے تھے۔ یقیناً سوداگر، سیاح اور تجارت پیشہ لوگ ہوں گے۔ غلاموں میں ..... یونانی بھی نظر آتے تھے۔ رومن بھی، مصری بھی، ہندوستانی بھی اور افریقی بھی۔ یہ اپنے دور کا ایک بین الاقوامی قسم کا شہر نظر آ رہا تھا چونکہ یہاں مختلف نسلوں اور قوموں کے لوگ موجود تھے۔ اس لیے میری طرف کسی نے کوئی توجہ نہیں دی۔ یہ سارا دوبا اتنا ہی چھوٹی سی بستی نہیں تھی جہاں کے تمام افراد ایک دوسرے کی شکلیں پہچانتے تھے۔

میں ادھر اُدھر کافی دیر تک گھومتا رہا۔ دراصل میں یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اب میں کہاں جاؤں اور کس عمارت میں داخل ہوں۔ میرے چاروں طرف مکانات اور عمارتیں پھیلی ہوئی تھیں اور میں ان میں سے کسی میں بھی داخل ہو کر ایک نئی داستان کا موضوع بن سکتا تھا۔

اسی سرگشتگی کے دوران میں ایک وسیع عمارت کے صدر دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے اندر جھانک کر دیکھا۔ ایک بے حد وسیع احاطہ تھا اور اس کے چاروں طرف دالان اور کمرے بنے ہوئے تھے۔ احاطے میں ایک طرف چند مضبوط جسموں والے جوان ورزش کرنے میں مصروف تھے۔ ایک طرف دو طاقتور پہلوان آپس میں کشتی لڑ رہے تھے۔ اور ایک معمر شخص انہیں پیچ پیچ کر ہدایتیں دے رہا تھا۔ دوسری جانب چند پہلوانوں کی مالش کی جا رہی تھی۔ ایک کونے میں دو بھرتیلے افراد آپس میں شمشیر زنی کی مشق کر رہے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ کوئی ایسا ادارہ ہے جہاں کھیلوں اور فنونِ حرب کی تربیت دی جاتی ہے۔ میں چند قدم اندر بڑھ کر احاطے کے اندر آ گیا اور دور کھڑا ہو کر ان لوگوں کی حرکات و سکنات کا مشاہدہ کرنے لگا۔

اچانک کسی نے پیچھے سے میری گدی کو کس کر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ میں نے کسی قسم کی مزاحمت کے بغیر اپنی گردن گھمائی اور دیکھا کہ ایک لمبا تڑنگا آدمی میری گدی کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے۔

"کون ہے تو؟" اس نے ڈپٹ کر پوچھا۔ "یہاں کیا کر رہا ہے؟ کس نے تجھے اندر آنے کی اجازت دی؟"

"میں ایک مسافر ہوں اور تمہارے شہر میں مہمان ہوں۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔ "کیا تم لوگ اپنے مہمانوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہو؟"

"تو اپنے شہر میں کہاں سے آیا ہے؟" اس نے میرے الفاظ کا اثر لیے بغیر کرخت لہجے میں پوچھا۔ اور تب ہی مجھے معلوم ہوا کہ میں اس وقت اس عظیم شہر ایتھنز میں موجود ہوں جس سے انسانی تہذیب کی ہزاروں داستانیں وابستہ ہیں۔

"کیا تم انسانوں کی طرح بات نہیں کر سکتے؟" میں نے اپنی گردن کو ایک ہلکا سا جھٹکا دیا اور وہ شخص گرتے گرتے بچا۔ وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔

اس اثنا میں وہ شخص جو پہلوانوں کو ہدایات دے رہا تھا ہمارے پاس آ چکا تھا۔ اور بڑے غور سے میرے جسم کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا تو سرہنزوالوں کی جاسوسی کرنے یہاں آیا ہے؟" اس نے میرا بازو نکال کر پوچھا۔ "ہم اس سے پہلے بھی ان کے دو جاسوسوں کی بری درگت بنا چکے ہیں اور اگر تو بھی ان کا جاسوس ہے تو تیرے ساتھ بھی ہمارا رویہ مختلف نہیں ہو گا۔"

"سرہنزوالے کون؟" میں نے پوچھا۔ "میں کسی سرہنزوالوں کو نہیں جانتا۔"

"تو سرہنزوالوں کو نہیں جانتا؟" اس شخص نے پوچھا۔ "پھر تو اس احاطے میں بغیر اجازت کے داخل کیسے ہوا؟ کیا یہاں کوئی شخص تیرا جاننے والا ہے؟"

"نہیں۔ میں یہاں کسی کو نہیں جانتا۔" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

"اے بھلے مانس تو ہے کون؟ کہاں سے آیا ہے اور یہاں احاطے میں کیا کر رہا ہے؟" اس شخص نے اکتا کر پوچھا۔ "تیرا نام کیا ہے؟"

"میں کون ہوں، یہ تو میں خود بھی نہیں جانتا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "نام کا مسئلہ، تو تم مجھے جس نام سے چاہو پکار لو۔ میں ایک بہت دور دراز کی بستی سے یہاں آیا ہوں۔"

"کیوں آیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میں نے اس شہر کی بہت تعریف سنی تھی، اور اسے دیکھنا چاہتا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"اس شہر میں تیرا کوئی واقف ہے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں، میرا کوئی واقف نہیں۔"

"پھر تو کہاں رہے گا؟" اس نے مشتبہ انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جہاں بھی جگہ مل جائے گی۔" میں نے جواب دیا۔

"اور کھائے گا کہاں سے؟" اس نے سوال کیا۔

"یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"میں ہر کام کر سکتا ہوں۔ ہر قسم کی محنت کر سکتا ہوں۔ میں پیسے کما سکتا ہوں۔"

"تو جوان ہے اور تیرا جسم بے حد خوبصورت اور سبک ہے۔ تیری رنگت تو ایسی ہے جیسے تجھے سونے سے بنایا گیا ہو۔" اس نے مجھے تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر تو چاہے تو یہاں رہ سکتا ہے۔ ہمیں مضبوط اور توانا جسم والے ایک شخص کی ضرورت ہے، ہم تجھے معقول معاوضہ بھی دے سکتے ہیں۔ لیکن میں اس بات کا یقین کس طرح کر لوں کہ تو سرہنزوالوں کا جاسوس نہیں ہے۔"

"میں اس شہر میں آج ہی داخل ہوا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "اور میں نہیں جانتا کہ سرہنزوالے کون ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس شہر میں میری کسی سے واقفیت نہیں ہے۔ اگر تمہیں میری بات کا اعتبار نہیں ہے تو نہ سہی، میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔"

"ٹھہرو، نوجوان۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ایک بات ہو سکتی ہے۔" اس نے میری طرف دیکھا۔

میں نے اس کی بات پر کسی ردِعمل کا اظہار نہیں کیا اور خاموش کھڑا رہا۔ اس اثنا میں احاطے کے تقریباً سارے ہی لوگ اپنا کام چھوڑ چھاڑ کر ہمارے پاس اکٹھے ہو گئے تھے اور حیرت سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

"ہم تمہیں کام بھی مہیا کریں گے اور اس کا معقول معاوضہ بھی دیں گے۔" اس نے کہا۔ "لیکن اس کی شرط یہ ہو گی کہ تم آئندہ چار ماہ تک اس احاطے سے باہر نہیں نکلو گے، اور اگر تم نے ایسی کوئی کوشش کی تو سمجھ لیں گے کہ تم سرہنزوالوں کے جاسوس ہو اور پھر ہم تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔"

"مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔" میں نے فوراً جواب دیا۔ "مجھے علم تھا کہ میں انہیں چند ہی دنوں میں باور کرانے میں کامیاب ہو جاؤں گا کہ میں کسی کا جاسوس نہیں ہوں، اور ویسے بھی اگر میں نے یہاں سے نکل جانے کا فیصلہ کیا تو بھلا مجھے کون روک سکے گا۔"

"اچھا تو پھر آؤ۔ شروع ہو جاؤ۔" اس شخص نے کہا اور مجھے ساتھ لے کر اس طرف روانہ ہو گیا، جہاں ابھی کچھ دیر پہلے چند پہلوانوں کی مالش کی جا رہی تھی۔ زمین پر کچھ شیشیاں رکھی ہوئی تھیں جن میں طرح طرح کے روغن موجود تھے۔ اس نے ایک شیشی اٹھا کر میرے ہاتھ میں تھما دی۔

"روغن۔" اس نے کہا۔ "لگا دو۔"

"جی استاد۔" ایک گٹھیلے اور مضبوط بدن کا جوان آدمی اس کے سامنے آ گیا۔

"لے بھائی یہ شیشی پکڑ۔" استاد نے مجھے شیشی تھماتے ہوئے کہا۔ "اور ارتون کے بدن کی مالش شروع کر دے۔ میں تجھے بتاؤں گا کہ کہاں کتنا زیادہ دباؤ ڈالنا ہے، کن پٹھوں کو زیادہ رگڑنا ہے اور کہاں نرمی سے ہاتھ چلانا ہے۔ چل اب شروع ہو جا۔"

ارتون میرے سامنے فرش پر لیٹ گیا اور میں نے شیشی میں سے تھوڑا سا تیل اپنی ہتھیلی پر انڈیلا اور اس کی پنڈلی کو پکڑ کر ایک گھٹنا دبا دیا۔ ارتون بلبلا کر چیخ اٹھا اور اپنی پنڈلی کو میری گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے اس کی پنڈلی چھوڑ دی۔

"کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟" استاد نے گھبرا کر پوچھا۔ اور ارتون نے اپنی پنڈلی اس کے سامنے کر دی۔ استاد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ارتون کی پنڈلی بری طرح کھال چھل گئی تھی اور جگہ جگہ سے خون چھلک رہا تھا۔

استاد نے مجھے کھڑے ہو جانے کا حکم دیا۔ اس نے میرے ہاتھ کو پکڑ کر میری ہتھیلی کا بغور جائزہ لیا اور اس پر انگلیاں پھیر کر دیکھیں۔ میری ہتھیلی بالکل صاف تھی۔ استاد نے میرے ہاتھ کو دبایا اور اچانک اچھل پڑا۔

"کیا تیرا جسم لوہے کا بنا ہوا ہے اجنبی؟" اس نے حیرت سے کہا۔ اور پھر میرے بوسے کم کو اپنے ہاتھ سے ٹٹول ٹٹول کر دیکھا۔

"ناممکن... ناممکن..." وہ آہستہ آہستہ بڑبڑانے لگا۔ "میری عمر پچاس سال ہے۔ آج سے دس سال پہلے تک میں نے سیکڑوں کشتیاں لڑیں اور جیتیں۔ اب پچھلے دس سال سے میں اپنے کلب میں پہلوانوں کی تربیت کرتا ہوں۔ میں نے ہزاروں مضبوط بدن دیکھے ہیں۔ لیکن ایسا بدن... ایسا بدن میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ تو نا جواب ہے اجنبی، تو واقعی لاجواب ہے۔ ارتون تیرے ایک گھونسے کی تاب نہ لا سکا۔ اچھا ذرا مغرلیس سے مقابلہ کر۔"

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک خوبصورت اور کسے ہوئے جسم کا بدن کا جوان میرے سامنے آ کر تن ٹھونک کر کھڑا ہو گیا۔ یہ مغرلیس تھا۔

"مغرلیس۔" استاد نے کہا۔ "بالکل دوستانہ انداز میں۔ کوئی نقصان پہنچائے بغیر ذرا اس اجنبی کو پچھاڑ کر تو دکھاؤ۔"

مغرلیس ماہرانہ انداز میں مجھ سے لپٹ پڑا اور مجھے نیچے گرانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں اگر چاہتا تو ایک منٹ میں مغرلیس کو اٹھا کر پھینک دیتا۔ لیکن میں ان لوگوں کو بہت زیادہ حیرت زدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور نہ ہی اپنی غیر معمولی قوتوں کا فوری طور پر مظاہرہ کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے مغرلیس کو زور کرنے کا موقع دیا اور خود اپنی جگہ سے ادھر اُدھر ہٹتا رہا۔ پھر میں نے آہستہ سے ایک دھکا دے کر مغرلیس کو نیچے گرا دیا اور اسے دبا لیا۔ مغرلیس نے میری گرفت سے آزاد ہونے کی بڑی کوشش کی، لیکن وہ بے چارہ بالکل بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نے خود اس کے جسم پر محض ہلکا سا دباؤ ڈالا تھا۔ اس لیے وہ تھوڑی بہت

Scanned by aazzamm@urdutube.com

aazzamm@yahoo.com

حرکت کر سکتا تھا صرف اتنی جتنی کہ میں چاہتا تھا۔ استاد حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ مغرلیس کو تھوڑی دیر تک اپنے پیچھے دبائے رکھنے کے بعد میں نے اسے آزاد کر دیا۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی نگاہوں میں حیرت بھی تھی اور ندامت بھی۔ مگر میں نے دوستانہ انداز میں اس کا شانہ تھپتھپایا۔

"نہیں، تم مایوسی کا کام نہیں کرو گے اجنبی!" استاد نے گرجدار کر کہا۔ "تم نے مغرلیس جیسے مضبوط اور ماہر فن پہلوان کو شکست دے کر ثابت کر دیا ہے کہ تم اس سے کہیں زیادہ طاقتور ہو جیسے تم نظر آتے ہو۔ اب کل میں تمہارا مقابلہ اپنے اکھاڑے کے سب سے بڑے پہلوان "ناتوم" سے کراؤں گا۔ اور اگر تم نے ناتوم کو بھی ہرا دیا تو پھر ہمیں اپنے آئندہ پروگرام کے بارے میں نئے سرے سے سوچنا ہو گا۔ یاد رکھنا کہ ناتوم وہ پہلوان ہے جسے پورے ایتھنز میں ناقابلِ شکست سمجھا جاتا ہے۔"

"اور یہ سرسبز والے کون ہیں جن کا تم لوگ بار بار تذکرہ کر رہے تھے؟" میں نے استاد سے پوچھا۔

"تمہیں ان کے بارے میں بھی جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔" استاد نے مسکرا کر جواب دیا۔ "ساری باتیں ایک ہی وقت میں جاننے کی کوشش مت کرو اور ہمت سے کام لو۔ اب تم نہا دھو کر کوئی معقول سا لباس پہن لو اور کھانا کھا لو۔ تمہیں باقاعدہ تربیت کر دیا جائے گا اور ہاں۔ تمہارا نام؟ تم نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں؟"

"استاد!" میں نے اس سے کہا۔ "تم جس نام سے چاہو مجھے مخاطب کر سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"اچھا!" استاد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں شہزور کے نام سے پکاروں گا۔ تمہیں یہ نام کیسا لگا؟"

"بالکل ٹھیک!" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اور پھر مجھے مغرلیس کی زبانی یہاں کے سارے حالات کا تفصیلی علم ہو گیا۔ یہ بڑی دلچسپ جگہ تھی اور میری پسند کے عین مطابق۔ یہ کھیلوں کی تربیت کا ایک بڑا مرکز تھا۔ مقام اپنی موجودہ اصطلاح میں اسے کوچنگ سینٹر بھی کہہ سکتے ہو اور اسٹیڈیم بھی۔ یہاں مختلف قسم کے کھیلوں کی تربیت دی جاتی تھی جو اس زمانے میں یونان کے مردوں کے پسندیدہ کھیل تھے۔ ایک بات ہے پروفیسر اس وقت کے یونان کے لوگوں کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ جرأت، بہادری اور بے خوفی کی بڑی قدر کرتے تھے اور جس میں یہ ساری خصوصیات موجود ہوں، اسے بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ یہاں میں مقابلوں کا رجحان عام تھا۔ کھیلوں اور فنون کے مقابلوں کا شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ جگہ جگہ کھیلوں کی تربیت گاہیں قائم تھیں جن کے اپنے اپنے حلقے تھے۔ جنہیں تم کلب کہہ سکتے ہو۔ ان کلبوں میں آپس میں زبردست چپقلش رہتی تھی اور وہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ میں اتفاق سے جس کلب میں پہنچ گیا تھا اس کا نام طوفان کلب تھا۔ طوفان کلب کا مالک، نگراں اور کرتا دھرتا اسکندر نامی ایک تجربہ کار اور ہوشیار شخص تھا جو اپنی جوانی کے زمانے میں ایک نامی گرامی پہلوان، شمشیر زن، گھوڑ سوار اور نیزہ بازی کا ماہر تھا۔ اس نے پہلوانی، شمشیر زنی، گھوڑ سواری اور نیزے بازی کے سینکڑوں مقابلوں میں شرکت کی تھی اور شاندار کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ اس کے پاس تجربوں کا ایک پورا ذخیرہ موجود تھا۔ اب وہ بوڑھا ہو چکا تھا اور اس کے قویٰ میں جوانی کی سی طاقت برقرار نہیں رہی تھی۔ لیکن وہ کھیلوں سے اپنی گہری اور ناقابلِ شکست وابستگی کو ختم نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے کھیلوں کا یہ تربیتی مرکز قائم کر لیا اور نوجوانوں کو نرسیت دینی شروع کر دی۔ جلد ہی نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد اس کے کلب سے وابستہ ہو گئی اور طوفان کلب کا شمار ایتھنز کے اعلیٰ درجے کے کلبوں میں ہونے لگا۔ اسکندر کو اس کے سارے شاگرد استاد کے نام سے مخاطب کرتے تھے۔ طوفان کلب کے مقابلے میں شہر میں اور بھی کئی بڑے بڑے کلب موجود تھے جن سے طوفان کلب کی رقابت رہتی تھی۔ لیکن سب سے زیادہ چپقلش سرسبز کلب سے رہتی تھی جو کسی طرح بھی طوفان کلب سے کم نہیں تھا۔ سرسبز کلب کا مالک اور نگراں تارس نامی ایک شخص تھا جو خود بھی ایک نامی گرامی شمشیر زن تھا۔

شہر میں اکثر مقابلوں میں سرسبز کلب اور طوفان کلب کے کھلاڑی ایک دوسرے کے مدمقابل ہوتے تھے۔ کبھی سرسبز کلب والوں کو فتح حاصل ہوتی تھی اور کبھی طوفان کلب والوں کو۔ دونوں کلب نئی سے نئی تکنیک ایجاد کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ نئے نئے داؤ پیچ اور نئے نئے طریقے دریافت کرتے رہتے تھے۔ اسی لیے دونوں ایک دوسرے کے اندرونی حالات جاننے کے خواہشمند رہتے تھے۔ سرسبز کلب کا کوئی آدمی طوفان کلب میں بلا اجازت داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح طوفان کلب کا کوئی آدمی سرسبز کلب میں پیشگی اجازت کے بغیر قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ دونوں کلب ایک دوسرے کی جاسوسی میں لگے رہتے تھے اور خفیہ طور پر اپنے آدمی بھیج کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے کہ دوسرے کلب میں کیا ہو رہا ہے۔ جاسوسی اور جوابی جاسوسی کا یہ سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔ چنانچہ جب میں اتفاق سے طوفان کلب کی عمارت میں جا لگا تو ان لوگوں نے مجھے سرسبز والوں کا جاسوس سمجھا اور میرے ساتھ سختی سے پیش آئے لیکن جب میں انہیں یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ میں سرسبز والوں کو بالکل نہیں جانتا اور میں کسی کا بھی جاسوس نہیں ہوں تو انہیں اطمینان ہو گیا۔ پھر میری طاقت کے ایک ادنیٰ سے مظاہرے نے انہیں میرے بارے میں اپنی رائے بدلنے پر مجبور کر دیا۔ ناتوم کے جسم پر میرے ہاتھ کے ایک معمولی سے گھسنے نے ہی اس کی کھال اتار دی تھی۔ مغرلیس کو جو اس کلب کا ایک سمجھا ہوا پہلوان تھا، میں نے ایک منٹ میں شکست دے دی تھی۔ استاد میری کارکردگی دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ مجھ سے

بہت خوش ہوا اور اس نے مجھے اپنے "پٹھوں" میں شامل کر لیا۔

مغرلیس مجھ سے شکست کھانے کے بعد بڑی دیر تک میرے بدلے کو ٹوٹوں کو اور دہاڑ کر دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی کے سائے لہرا رہے تھے۔

"دوست!" اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "استاد نے تمہیں بالکل صحیح نام دیا ہے۔ تم واقعی شہزور ہو۔ تمہاری شہزوری کے آگے بہت کم لوگ ٹک سکیں گے۔ یہ بتاؤ کہ تم کون سی غذائیں کھاتے ہو اور کس کس قسم کی ورزشیں کرتے ہو؟ میں نے ایسا فولادی اور ٹھوس بدن آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"میری غذا میں کوئی خاص چیز شامل نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "جو کھانا ایک عام انسان کھاتا ہے وہی میں بھی کھاتا ہوں۔ رہا ورزش کا سوال تو مجھے تو یاد نہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایک بار بھی ورزش کی ہو۔"

"حیرت ہے۔" مغرلیس نے کہا۔ "نہ تم کوئی خاص غذا استعمال کرتے ہو اور نہ ہی کوئی ورزش کرتے ہو پھر تمہاری کھال اور ہڈیوں میں توانائی کا یہ ذخیرہ کہاں سے آ گیا؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" میں نے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے یہ دیوتاؤں کی مہربانی ہو۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ میں نے کبھی کسی کو دکھ نہیں دیا۔ کسی پر ظلم نہیں کیا۔"

اس اثنا میں استاد کچھ اور جوانوں کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا۔ اور پھر وہ ان اور دیگر لوگ ہماری طرف متوجہ ہوئے۔

"سنو شہزور!" استاد نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "آج تم آرام کرو۔ تم نے اپنے آپ کو ایک نہایت اعلیٰ اعزاز کا مستحق ثابت کیا ہے اور وہ اعزاز ہے ناتوم سے مقابلہ۔ ناتوم نہ صرف ہمارے کلب کا بلکہ اس پورے شہر کا سب سے زیادہ بہادر اور باہمت پہلوان ہے۔ چھوٹے موٹے پہلوان تو اس کا ایک گھسا بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ ناتوم نے اس شہر کے سارے پہلوانوں کو شکست دی ہے اور وہ اب تک کسی سے نہیں ہارا ہے۔ سرسبز والوں کے کئی پہلوان یکے بعد دیگرے ناتوم سے مقابلہ کر کے ہار چکے ہیں۔ سرسبز والوں کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ کسی طرح ان کے کلب کا پہلوان ناتوم کو ہرا دے۔ اب تک انہیں کامیابی نہیں ہوئی ہے لیکن ان دنوں وہ لوگ ایک نئے پہلوان کو تیار کر رہے ہیں جس کی ماں روڈس ہے اور باپ اسکندریہ کا رہنے والا۔ اس شخص نے ابتدائی تربیت مصر میں حاصل کی ہے اور پچھلے دنوں یہ اپنے ماں باپ کے ساتھ ایتھنز آیا تھا۔ سرسبز کے نگراں کی اس کے باپ سے پرانی ملاقات تھی۔ تارس نے اس نوجوان کو بہت پسند کیا اور اس کے باپ کی اجازت سے اسے کلب میں داخل کر لیا۔ پچھلے کئی مہینوں سے سرسبز والے اشرم کی تربیت بہت زور و شور سے مصروف ہیں اور انہوں نے اپنی ساری توجہ اس بات پر مرکوز کر رکھی ہے کہ اشرم کو اس قابل بنا دیں کہ وہ ناتوم کو شکست دے سکے اور اس طرح طوفان کلب کا یہ اعزاز اس سے چھن جائے۔ ہمیں ان کا چیلنج مل چکا ہے اور مقابلے کی تاریخ بھی مقرر ہو گئی ہے۔ آج سے تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد مقابلہ ہو گا۔ ہمارے علم کے مطابق اشرم نے بہت زیادہ باصلاحیت ہونے کا مظاہرہ کیا ہے اور وہ تیزی سے ترقی کے مراحل طے کر رہا ہے۔ ہم اس بات سے غافل نہیں ہیں اور ہم نے بھی ناتوم کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا رکھا ہے۔"

"تم ناتوم سے میرا مقابلہ کیوں کرانا چاہتے ہو؟" میں نے استاد سے پوچھا۔

"اس لئے کہ ہمیں تمہاری طاقت کا صحیح اندازہ ہو جائے۔" استاد نے جواب دیا۔ "تم نے مغرلیس کو جس انداز سے اور جتنی آسانی سے شکست دی ہے وہ بڑے سے بڑے پہلوان کے لئے ممکن نہیں ہے کیونکہ مغرلیس بھی کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ جب ناتوم اور مغرلیس کا دوستانہ مقابلہ ہوتا ہے تو ناتوم کو بھی مغرلیس پر غالب آنے میں کافی دیر لگ جاتی ہے اور کافی جدوجہد بھی کرنی پڑتی ہے۔"

"میری طاقت کا اندازہ لگانے کے بعد تم کیا کرو گے؟" میں نے پوچھا۔

"اس کا فیصلہ بعد میں کیا جائے گا۔" استاد نے جواب دیا۔ "اب تم جا کر آرام کرو۔ مغرلیس تمہاری رہنمائی کرے گا۔"

مغرلیس مجھے لے کر بالائی منزل کے ایک کمرے میں آ گیا۔

یہ کمرہ خالی تھا۔ لیکن اس میں ایک آدمی کے قیام کا پورا سامان موجود تھا۔ مغرلیس کا رویہ میری جانب بہت دوستانہ تھا۔ ہم دونوں کمرے میں بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ مغرلیس نے مجھے بتایا کہ اسے بچپن سے ہی فن سپہ گری اور کشتی وغیرہ کا بہت شوق رہا ہے۔ اور اس نے اپنے اس شوق کی تکمیل کی خاطر کئی بڑے بڑے اساتذہ اور ماہرین کی خدمات انجام دی ہیں اور اس کے عوض ان سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ گزشتہ دو سال سے وہ طوفان کلب سے وابستہ ہے۔ پچھلے ایک سال تک وہ اس کلب کا سب سے زیادہ بہادر اور طاقتور شخص سمجھا جاتا تھا۔ اس نے بہت سے نامی گرامی پہلوانوں کو شکست دی تھی، سرسبز والوں سے ساتھ اس کے کئی معرکے ہوئے تھے جن میں وہ سرخرو رہا تھا۔ لیکن پھر سرسبز والوں کے ایک پہلوان نے اسے شکست دے دی۔ یہ اس کی زندگی کی پہلی شکست تھی جس سے وہ سخت دل برداشتہ ہوا۔ طوفان کلب کا بھی اعزاز چھن گیا۔ سرسبز والوں نے اس خوشی میں زبردست جشن منایا جس میں طوفان والوں کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔ استاد نے جشن میں شرکت کی کیونکہ رواداری کا یہی تقاضہ تھا۔ لیکن مغرلیس خود کو اس جشن میں شرکت کے لئے تیار نہیں کر پایا اور اس جشن کے دوران استاد کی نگاہ ناتوم پر پڑی۔ ناتوم ایک نوجوان تھا اور اپنے آقا

aazzamm@yahoo.com

کے خدمت گار کے طور پر اس جشن میں آیا تھا۔ استاد کی دور بیں اور نکتہ شناس نگاہوں نے ناتوم کے جسم میں چھپی ہوئی لچک، پھرتی، اور توانائی کا نا قدانہ انداز میں پورا تجزیہ کر ڈالا۔ استاد نے اسی وقت فیصلہ کیا کہ وہ ناتوم کو اپنے کلب میں لے جا کر اس کی تربیت کرے گا کیونکہ میری شکست کے بعد اب اسے نئے توانا جسموں کی تلاش تھی۔ دوسرے دن استاد نے ناتوم کے آقا سے ملاقات کی اور ناتوم کو خریدنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ ناتوم کے آقا نے یہ دیکھ کر کہ استاد اس غلام کی خریداری میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہا ہے موقع سے فائدہ اٹھایا اور بھاری قیمت طلب کی لیکن استاد اسکے لئے پہلے سے تیار تھا اس نے بلا کسی حیل و حجت کے رقم اس کے حوالے کی اور ناتوم کو اپنے ساتھ لے آیا۔ استاد کو یہ خدشہ لاحق تھا کہ اگر سرسبز والوں کو ذرا سی بھی بھنک مل گئی تو وہ یقیناً زیادہ بڑی رقم ادا کر کے ناتوم کو خود خرید لیں گے۔ یہاں لانے کے بعد استاد نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ناتوم کو غلامی سے آزاد کر دیا۔ کیونکہ غلاموں کے ساتھ مختلف سلوک کیا جاتا ہے اور آزاد انسانوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ استاد نے ناتوم کو پہلے ہی بتا دیا کہ وہ اسے اس شرط پر آزاد کر رہا ہے کہ وہ یہیں، اسی کلب میں رہے گا اور مختلف فنون اور کھیل کی تربیت حاصل کرے گا۔ اسے یہ بھی بتا دیا گیا کہ وہ کسی اور کلب کا رخ نہیں کرے گا۔ ظاہر ہے کہ ناتوم کو بھلا اس میں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اسے اپنی آزادی دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز تھی۔ چنانچہ اس نے استاد کی تمام شرائط خوشی خوشی مان لیں۔

استاد نے ناتوم پر محنت کرنا شروع کر دی اور چند ہی ماہ میں ناتوم نے حیرت انگیز کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ ورزش اور بھی متوازن خوراک سے اس کا جسم شیشے کی طرح نکھر آیا۔ سارے عضلات پتھر کی طرح سخت ہو گئے اور پھر ایک دن اس نے کلب میں دوستانہ زور آزمائی میں مغرلیس کو پیلے کر دیا۔ استاد حیران رہ گیا۔ اب ناتوم اس کے لئے ایک بہت بڑی چیز بن گیا تھا۔ اس نے کلب میں مغرلیس اور ناتوم کے درمیان دوبارہ باقاعدہ مقابلہ منعقد کروایا لیکن اس بار بھی ناتوم نے مغرلیس کو شکست دے دی۔ استاد عش عش کر اٹھا۔ اور اس نے سرسبز والوں کے اس پہلوان کو چیلنج بھجوا دیا جس نے مغرلیس کو شکست دی تھی۔ سرسبز والوں نے بڑی خوشی سے چیلنج قبول کر لیا۔ دونوں جانب سے زبردست جوش و خروش کا مظاہرہ کیا جا رہا تھا اور زور و شور سے تیاریاں جاری تھیں۔ مقابلہ ہوا اور بہت بڑی تعداد میں لوگ اسے دیکھنے آئے۔ ناتوم نے سرسبز والوں کے پہلوان کو شکست دے دی۔ استاد کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ گئے۔ اس کا گم شدہ اعتماد اس کے پاس واپس آ گیا تھا۔ لیکن سرسبز والوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے کئی پہلوان تیار کئے اور چیلنج بھجوا کر مقابلے کر دیئے۔ ناتوم نے ان کے ہر پہلوان کو شکست دے دی اور اب سرسبز والے ایک نئے آدمی کو تیار کر رہے ہیں جس کا نام اشرام ہے اور جس کی طاقت اور فنی مہارت کے قصے دور دور تک پھیل چکے ہیں۔

"تمہارے خیال میں اشرام اور ناتوم کے درمیان اس مقابلے کا کیا انجام ہوگا؟" میں نے مغرلیس سے پوچھا۔

"اس بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔" مغرلیس نے جواب دیا۔ "ناتوم تو خیر جو کچھ ہے لیکن ہماری اطلاعات کے مطابق اشرام بھی کسی طرح اس سے کم نہیں ہے۔"

"اور اگر اشرام نے ناتوم کو شکست دے دی تو؟" میں نے پوچھا۔

"تو پھر استاد اشرام کے مقابلے کے لئے کوئی نیا آدمی تیار کرے گا۔" مغرلیس نے جواب دیا۔ "اور ہو سکتا ہے کہ وہ نئے آدمی تم ہو۔"

"میں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "لیکن میں تو یہاں بالکل نووارد ہوں اور استاد مجھے ٹھیک سے جانتا بھی نہیں ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" مغرلیس نے جواب دیا۔ "استاد انسان کو نہیں دیکھتا۔ صرف اس کے بدن کو دیکھتا ہے۔ اس کے کل بل کو دیکھتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس نے ناتوم کو اس قدر ڈھیل دے رکھی ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

"ناتوم ایک غلام تھا۔ اس کا باپ بھی غلام تھا۔ استاد نے اسے آزادی دلائی اور اپنی محنت سے اسے ایک مقام دلوایا۔ لیکن وہ بدبخت انسان اپنی اوقات بھول گیا ہے وہ طاقت کے نشے میں مبتلا ہو کر سخت مغرور ہو گیا ہے۔ وہ اپنے آگے کسی کو کچھ سمجھتا ہی نہیں جب بھی اس کا جی چاہتا ہے، وہ ہم میں سے کسی کی بھی توہین کر رہا ہے۔ لوگ برابر استاد سے اس کی شکایت کرتے رہتے ہیں لیکن استاد کو اس کا ایسا دیوانہ ہے کہ کسی کی کچھ سنتا ہی نہیں۔ اسے تو بس اپنے کلب کے اعزاز کی دھن سمائی رہتی ہے۔ ادھر ناتوم ہے کہ روز بروز زمین و آسمان پر چڑھتا چلا جا رہا ہے۔ دراصل وہ اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ استاد اسے یہاں سے نکال نہیں سکتا۔ کم از کم اس وقت تک نہیں جب تک کہ اشرام سے اس کا مقابلہ نہیں ہو جاتا اور اس مجبوری سے وہ پورا فائدہ اٹھا رہا ہے۔ ابھی کل ہی اس نے سارے حواریوں کے سامنے تریوں کے لئے ہاتھ اٹھایا ہوا تھا۔ استاد نے ایک کرسی کا ہاتھ پکڑ لیا اور [illegible] کیا شامت ہوتا اس کے باوجود استاد سے کوئی [illegible] کرنے کے بجائے خوشامدانہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہے۔"

"میں سمجھ گیا کہ یہاں بھی حسد اور مخالفتوں کے لاوے پک رہے ہیں۔ طاقت کے نشے اور غرور کی آگ سلگ رہی ہے۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ ارتوں اور مغرلیس سمیت کلب کے سارے جوان ہی ناتوم کے مخالف ہوں گے اور ہو سکتا ہے کہ ان کے دلوں میں یہ خواہش چھپی ہوئی ہو کہ ناتوم اشرام کے ہاتھوں شکست کھا جائے۔"

"ناتوم یہاں رہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔ "کیا وہ اسی عمارت میں رہتا ہے؟"

"ہاں! استاد کے علاوہ ناتوم، میں اور ارتوں اسی عمارت میں الگ الگ کمروں میں رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ملازمین اور خدمت گاروں سے یہ سب تنگ ہیں۔ باقی لوگ دن بھر کے لئے یہاں آ جاتے ہیں اور شام کو واپس چلے جاتے ہیں۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو صرف شام کو آتے ہیں اور چند گھنٹے کی تربیت کے بعد واپس چلے جاتے ہیں۔ ویسے یہاں سب سے زیادہ رونق سہ پہر کو ہی ہوتی ہے۔ اس وقت کلب سے تعلق رکھنے والا تقریباً ہر شخص یہاں موجود ہوتا ہے۔" مغرلیس نے بتایا۔

"ناتوم بھی؟" میں نے پوچھا۔

"کوئی ضروری نہیں ہے۔" مغرلیس نے جواب دیا۔ "اس کی مرضی ہے۔ وہ اس قدر مغرور ہو گیا ہے کہ لوگوں کے سامنے ذرا کم ہی آتا ہے۔ وہ جب آتا بھی ہے تو کسی سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا۔ استاد نے اس کی تربیت کا وقت بھی علی الصباح مقرر کیا ہے۔ جس وقت یہاں بہت کم لوگ موجود ہوتے ہیں۔ اس کے تکبر کا یہ عالم ہے کہ کبھی کبھی تو وہ استاد کے ساتھ بھی گستاخانہ رویہ اختیار کر لیتا ہے۔"

"تم نے ناتوم کے بارے میں اتنی بہت سی دلچسپ باتیں بتائی ہیں کہ میں اس سے ملنے کا بہت زیادہ مشتاق ہو گیا ہوں۔" میں نے کہا۔ مگر مغرلیس نے کہا۔ "وہ یقیناً ایک نووارد سے مل کر خوش ہوگا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" مغرلیس نے جواب دیا۔ "بلکہ عین ممکن ہے کہ اسے یہاں تمہارا وجود ہی ناگوار گزرے اور وہ تم کو یہاں سے نکال دینے کی کوشش کرے۔ وہ اجنبیوں کو بالکل پسند نہیں کرتا۔ اور اگر اس نے استاد کو مجبور کیا کہ وہ تمہیں یہاں سے نکال دے تو استاد اس کی بات کو رد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ وہ مجھے یہاں سے کیوں نکلوانا چاہے گا؟" میں نے دریافت کیا۔ "وہ تو مجھے جانتا بھی نہیں اور نہ ہی اسے جاننا ہے۔ پھر وہ میری مخالفت کیوں کرے گا؟"

"اس کی ایک خاص وجہ ہے۔" مغرلیس نے کہا۔ "ناتوم اس اکھاڑے کا سب سے زیادہ طاقتور پہلوان ہے اور پورے شہر میں اس کی دھوم ہے۔ یہ بات برداشت نہیں کر سکے گا کہ خود ان کلب میں کوئی ایسا شخص [illegible] طور پر اس سے زیادہ طاقتور ثابت ہو سکے۔"

"لیکن وہ کیوں سمجھے گا کہ میں اس سے زیادہ طاقتور ہوں؟" [illegible] مقابلے کے بعد ہی ہوگا۔" میں نے کہا۔

"کاش تم اس کو مقابلے میں شکست دے سکو۔" مغرلیس نے [illegible] کو نظر انداز کرتے ہوئے بالکل ہی دوسری بات کہی۔

"[illegible] مغرلیس کے ذہن کو سمجھ چکا تھا اور میرے لئے اس کی [illegible] کا اظہار کوئی چنداں تعجب کی بات نہیں تھی۔ تاہم میں نے [illegible] پوچھا۔ "تم کیوں چاہتے ہو کہ ناتوم مجھ سے مقابلے میں شکست [illegible]؟"

"اس لئے کہ وہ ان لوگوں کی نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ [illegible] نے مقابلوں میں شکست دی ہے اور جب بھی اسے موقع ملتا ہے وہ ان کی توہین کرنے سے نہیں چوکتا۔" مغرلیس نے کہا۔ "مگر ایک بار وہ شکست کی ذلت سے دوچار ہو جائے تو اس کا سر نیچا ہو جائے گا۔"

"لیکن اس سے کلب کا وقار نہیں مجروح ہوگا؟ اور پھر تم کے ساتھ مقابلے سے پہلے ہی ناتوم کے حوصلے پست نہیں ہو جائیں گے؟"

"مجھے یقین ہے کہ اگر تم نے دوستانہ مقابلے میں ناتوم کو شکست دے دی تو استاد اشرام سے مقابلے کے لئے ناتوم کو نہیں بلکہ تمہیں بھیجے گا۔" مغرلیس نے کہا۔ "اور جہاں تک تمہارے اور ناتوم کے مقابلے کا سوال ہے تو یہ کلب کے اندر ایک دوستانہ مقابلہ ہوگا اور اس میں کسی فریق کی ہار یا جیت سے کلب کے وقار کا کوئی تعلق نہیں۔"

رات ہو گئی تھی۔ مغرلیس میرے لئے کھانا لے کر آیا۔ ہم دونوں نے ساتھ ہی بیٹھ کر کھانا کھایا اور کھانے کے بعد وہ بڑی دیر تک مجھے ایتھنز کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں بتاتا رہا۔ یہاں کے سورماؤں کے بارے میں، یہاں کی عورتوں، ان کی دلچسپیوں اور ان کے فیشنوں کے بارے میں، شاہی محل اور دربار میں ہونے والی سازشوں اور امرا کی باہمی رقابتوں کے بارے میں۔ میں بڑے غور اور دلچسپی سے مغرلیس کی باتیں سنتا رہا۔ مغرلیس مجھے ایک چھوٹے سے قصبے کا دیہاتی باشندہ سمجھ رہا تھا جو پہلی مرتبہ ایتھنز جیسے بڑے اور بارونق شہر میں آیا تھا۔ اس لئے وہ مجھے ایک ایک بات تفصیل سے بتا رہا تھا۔ وہ ایک تانوں شخص تھا، لیکن مجھے اندازہ ہوا کہ وہ دل کا بہت اچھا ہے۔ ناتوم سے اس کی ناراضگی کا اصل سبب اس کا اپنا حسد نہیں، بلکہ ناتوم کا غیر معقول رویہ تھا۔

کافی رات گئے تک مغرلیس باتیں کرتا رہا۔ اس بیچارے کو کیا معلوم کہ وہ ایک ایسے شخص سے گفتگو کر رہا ہے جو صدیوں سے وقت کے بہتے ہوئے سمندر میں بہتا ہوا چلا آیا ہے اور جس نے انسانی تہذیب کے عروج و زوال کی بے شمار داستانوں کو جنم لیتے، ختم ہوتے اور ماضی کا حصہ بنتے دیکھا ہے۔ میں دل ہی دل میں مغرلیس کی سادگی پر مسکراتا رہا۔

صبح جب میری آنکھ کھلی تو دن خاصا چڑھ آیا تھا۔ مغرلیس مجھ سے پہلے بیدار ہو گیا تھا اور میرے لئے ناشتہ تیار تھا۔

اچانک استاد میرے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ "صبح بخیر شہزادہ، کیا حال ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"صبح بخیر۔" میں نے جواب دیا۔ "ٹھیک ہوں۔"

"مغرلیس ورزش کر رہا ہے۔" استاد نے کہا۔ "اور دوسرے پہلوان بھی ورزش کر رہے ہیں۔ اگر تم چاہو تو تم بھی اس میں شریک ہو سکتے ہو۔ بلکہ میرے خیال میں شریک ہونی چاہو تو بہتر ہے۔ میں مغرلیس کو تمہاری ہدایت کے لئے مقرر کر دوں گا۔ ویسے بھی تم دونوں اچھے دوست

Scanned by azam@AzamFamily.com

aazzamm@yahoo.com

بن گئے ہو۔"

"شکریہ استاد۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن میں کسی ورزش وغیرہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ میں اس کے بغیر ہی ٹھیک ہوں۔"

"تمہاری مرضی۔" استاد نے جواب دیا۔ "لیکن ناشتے سے پہلے تھوڑی سی ورزش بدن کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ چلو آج یہ سبھی دو چار دن کے بعد سے شروع کر دینا۔ ابھی تھوڑی دیر میں سب لوگ ورزش وغیرہ سے فارغ ہو جائیں گے تو پھر ساتھ ہی بیٹھ کر ناشتہ کریں گے۔ اس وقت ناتوم بھی موجود ہوگا۔ تمہاری اس سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ مغریس مجھے بتا رہا تھا کہ اس نے تمہیں ناتوم کی طاقت کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا ہے۔"

"ہاں!" میں نے جواب دیا۔ "مغریس نے مجھ سے ناتوم کے بارے میں بہت سی باتیں کہی ہیں اور میں ناتوم سے ملاقات کا متمنی ہوں۔"

"تھوڑی دیر بعد تمہاری اس سے ملاقات ہو جائے گی۔" استاد نے جواب دیا اور مجھ سے کہا کہ میں ہاتھ منہ دھو کر ناشتے کے لئے تیار ہو جاؤں اور نیچے آ جاؤں۔

میں ہاتھ منہ دھو کر فارغ ہوا ہی تھا کہ اتنے میں مغریس آ گیا۔

"استاد مجھ سے کہہ رہا تھا کہ میں تمہیں ورزش اور کشتی کے داؤ پیچ سکھاؤں۔ میں نے استاد سے کہا کہ میں بڑی خوشی سے اس کے لئے تیار ہوں۔ اگر تمہیں باضابطہ تربیت ملے اور تم خوب مشق کر دو تو مجھے یقین ہے کہ پورے ایتھنز میں تم سے مقابلہ کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔" مغریس نے کہا۔ بات یہ تھی پروفیسر کہ مغریس کو یہ اس کلب میں شامل کسی بھی دوسرے شخص کو میری طاقت کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ میں نے مغریس کو شکست دیتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ اپنی طاقت کے نہایت معمولی سے حصے کو استعمال کروں، صرف اتنے حصے کو جو مغریس جیسے ایک مضبوط پہلوان پر غالب آنے کے لئے درکار ہو۔ چنانچہ مغریس مجھ سے ہار تو گیا لیکن وہ میری طاقت کے بارے میں صحیح اندازہ قائم نہیں کر سکا۔ میں دل ہی دل میں اس کی باتیں سن کر مسکرا دیا تھا۔ تاہم میں نے اس کے ان دوستانہ اور مخلصانہ جذبات کی بڑی قدر کی اور اس کا شکریہ ادا کیا۔

ناشتے کی میز پر سب سے زیادہ نمایاں شخصیت ناتوم ہی کی تھی۔ میں اسے دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یہی شخص ناتوم ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ سب لوگوں میں ممتاز نظر آ رہا تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں پروفیسر کہ اس کی سج دھج دیکھنے کے قابل تھی۔ وہ واقعی بہت پرکشش شخصیت کا مالک تھا۔ اس کا قد کم از کم ساڑھے چھ فٹ کا ہوگا اور جسامت میں وہ کسی طرح بھی مجھ سے ڈیڑھ سے کم نہیں تھا لیکن فربہی مائل ہونے کے باوجود اس کا جسم بہت سڈول اور متناسب تھا۔ اس کے بازوؤں کی مچھلیاں پتھر کی طرح سخت نظر آ رہی تھیں۔ ناشتے کی میز پر استاد، ناتوم، ارتون اور ناتوم کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ البتہ کئی ملازمین موجود تھے۔

"ناتوم سے ملو شہزور۔" استاد نے پرمسرت لہجے میں کہا۔ "یہ ہے ہمارے کلب کا سرمایۂ افتخار ہے، اور ناتوم! یہ ہے شہزور، جس کا کل رات میں نے تم سے تذکرہ کیا تھا۔"

ناتوم نے بڑی نفرت کے ساتھ مجھے دیکھا اور پھر بڑی حقارت آمیز لہجے میں استاد سے مخاطب ہو کر بولا۔ "یہ دہقانی آیا کہاں سے ہے، اور اس اصل نام کیا ہے؟"

"میں نے اس کا نام شہزور رکھا ہے۔" استاد نے خوشی کے ساتھ کہا۔ "آج شام کو تمہارا اور اس کا دوستانہ مقابلہ ہوگا۔"

"استاد!" ناتوم نے سخت لہجے میں کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑھاپے نے تمہارے جسم کے ساتھ ساتھ تمہارے دماغ پر بھی حملہ کر دیا ہے۔ بھلا اس کی شکل تو دیکھو، یہ مجھ سے لڑے گا؟ کیوں اس غریب دہقانی کے پیچھے پڑے ہو؟ ایک تو وہ دیکھنے میں ہی کچھ سے کمزور نظر آتا ہے اور دوسرے وہ کوئی باقاعدہ تربیت یافتہ پہلوان بھی نہیں ہے۔ میں اس طرح ہر راہ چلتے کے ساتھ اپنا وقت اور طاقت برباد کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

ناتوم کا لہجہ بڑا جارحانہ اور گستاخانہ تھا اور میں نے محسوس کیا کہ استاد کے چہرے کا رنگ چند لمحوں کے لئے متغیر ہو گیا لیکن اس نے ناتوم کے کڑوے کسیلے طنزیہ جملوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک بار پھر پرجوش لہجے کے ساتھ کہا۔ "مگر یہ مغریس کو ہرا چکا ہے۔"

"مغریس مغریس ہے اور میں میں ہوں!" ناتوم نے حقارت کے ساتھ جواب دیا۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دہقانی کا جسم بے حد خوبصورت اور سانچے میں ڈھلا ہوا ہے اس کی جلد کی رنگت بھی سونے کی طرح ہے جو میں نے آج تک کسی دوسرے انسان میں نہیں دیکھی۔ اس کے بال بھی سنہری اور گھنے ہیں لیکن ان خصوصیات کی بنا پر بہتر ہوتا کہ تم اسے کسی شہزادی یا امیرزادی کے محل میں پہنچا دیتے۔ وہاں اس قسم کے لوگوں کی بڑی مانگ رہتی ہے۔"

میں ناتوم کے اس توہین آمیز اندازِ گفتگو پر دل ہی دل میں بہت چراغ پا ہوا لیکن میں نے اس کا کوئی اظہار نہیں ہونے دیا۔ باتیں کرتی پروفیسر کہ میں ان باتوں سے بہت بالاتر تھا۔ بھلا میرے لئے اس سے کیا فرق پڑتا تھا کہ کوئی انسان میرے بارے میں توہین آمیز باتیں کہہ رہا ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ اس انسان کو میری شخصیت کے اسرار و رموز کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ تاہم پروفیسر میں نے محسوس کیا کہ ناشتے کی میز پر موجود تمام لوگوں کو ناتوم کا یہ توہین آمیز رویہ ناگوار گزرا ہے۔ خاص طور پر استاد کے چہرے سے ساری خوشی کافور ہو گئی اور اس کی جگہ گہری سنجیدگی نے لے لی۔ تھوڑی دیر کے لئے کمرے میں سناٹا چھا گیا اور

سب لوگ خاموشی سے ناشتہ کرنے لگے۔

"استاد!" میں نے اس ناگوار خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔ "بہتر ہے کہ تم میرا اور ناتوم کا مقابلہ مت کرواؤ۔ ناتوم ایک نامی گرامی پہلوان ہے اور پورے شہر میں اس کی طاقت کی دھوم ہے اور اگر میں یہ مقابلے میں مجھ سے شکست کھا گیا تو اس کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور پھر یہ خود اعتمادی سے محروم ہو جائے گا جو اشرام سے مقابلے کے لئے ضروری ہے۔ اگر اشرام نے اسے ہرا دیا تو تمہارا اعزاز تم سے چھن جائے گا!"

ناتوم مجھے اس طرح مدلل گفتگو کرتے دیکھ کر کافی حیران ہوا۔ اس کے نزدیک میں ایک غیر مہذب دیہاتی تھا۔ وہ پھر کینہ توز نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"اگر تم نے ناتوم کو اس دوستانہ مقابلے میں شکست دے دی تو تھیطونان کلب کی جانب سے اشرام کے مقابلے میں ناتوم نہیں، تم جاؤ گے۔" استاد نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کے چہرے کی لکیریں کچھ اور گہری ہو گئی تھیں۔

"کیا کہا استاد؟" ناتوم نے سخت برہم لہجے میں کہا۔ "یہ دہقانی مجھے شکست دے گا؟" اس نے میری طرف اشارہ کیا۔

"یہ بات میں نے نہیں خود شہزور نے کہی ہے۔" استاد نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ وہ ناتوم سے خاصہ ناراض نظر آ رہا تھا۔

"میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔" میں نے جلدی سے جواب دیا۔ "میں نے ایسا کوئی دعوے نہیں کیا کہ میں ناتوم کو شکست دے سکتا ہوں۔ کہنے تو محض ایک امکان، ایک دور دراز امکان کی جانب اشارہ کیا تھا۔"

"دہقانی سے مقابلے کی ایک شرط ہوگی استاد۔" ناتوم نے استاد کی ناراضگی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "وہ مجھے شہزور کہنے کے بجائے مسلسل دہقانی کہہ رہا تھا۔"

"وہ کیا؟" استاد نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"وہ یہ کہ میرے ساتھ مقابلے میں دہقانی کے شکست کھا جانے کے بعد تم اسے یہاں سے چلتا کر دینا۔ میں ہرنے آدمی پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ نہ معلوم یہ شخص کون ہے۔ اور کس ارادے کے ساتھ یہاں آیا ہے، ویسے اس کی اصل جگہ ایتھنز کی ہوس کوش حسیناؤں کی خوابگاہیں ہیں۔ عورتوں کے اکھاڑے میں اس کا کیا کام؟" ناتوم نے ایک بار پھر میری تحقیر کرتے ہوئے کہا اور میں خاموشی سے بیٹھا ہوا اس کے تبصرے سنتا رہا۔

"ناتوم!" مغریس نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ "تم یہ بات بھول رہے ہو کہ شہزور مجھے شکست دے چکا ہے۔"

"تم اگر اپنی چونچ بند ہی رکھو تو اچھا ہے۔" ناتوم نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ مغریس منہ بنا کر خاموش ہو گیا۔

"اس صورت میں اگر استاد مجھے یہاں رکھنا بھی چاہیں گے تو میں نہیں رہوں گا۔" استاد کے کچھ کہنے سے پہلے میں بول پڑا۔ "اگر تم نے مجھے شکست دے دی تو پھر میں خود ہی یہاں سے فوراً چلا جاؤں گا تاکہ تم کسی اجنبی کی وجہ سے اپنے لئے مشکلات محسوس نہ کرو ویسے بھی میرا تم سے مقابلہ کرنے کا کوئی ارادہ تھا اور نہ ہے۔ یہ تو استاد نے مجھے اس مقابلے کی دعوت دی ہے!"

"ٹھیک ہے!" استاد نے ایک لمبی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "مجھے بھی تمہاری اس شرط سے اتفاق ہے۔ ناکامی کی صورت میں شہزور یہاں سے چلا جائے گا!"

پروفیسر اس ذرا سی دیر کی گفتگو میں مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا کہ ناتوم واقعی ایک ناپسندیدہ شخصیت تھا۔ مگر مغریس اور کلب کے دوسرے لوگ اسے ناپسند کرتے تھے تو اس میں ان کا کوئی قصور نہ تھا۔ ناتوم کو طاقت کے نشے نے اندھا کر دیا تھا اور وہ اپنے آگے کسی کو کچھ سمجھتا ہی نہیں تھا حتیٰ کہ استاد کی توہین کرنے سے بھی باز نہیں آتا تھا اور اپنی پوزیشن کا غلط فائدہ اٹھا رہا تھا۔

"آج سہ پہر کو تم دونوں کا مقابلہ ہوگا۔" استاد نے کہا۔ پھر وہ میری طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "اگر تمہیں اپنی تیاری کے لیے کسی خاص چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دو۔ مثلاً کسی خاص غذا کی، کسی روغن کی یا کسی اور چیز کی۔ تمہاری مطلوبہ چیز تمہیں مہیا کر دی جائے گی۔ اگر تم اکھاڑے میں ندم کرنا چاہو تو مغریس تمہارے ساتھ چلا جائے گا۔"

"شکریہ استاد۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے فی الحال کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

"بہرحال، مغریس تمہارے ساتھ ہوگا۔" استاد نے کہا۔ "تمہیں جو کچھ چاہیے ہو اسے بتا دینا۔"

ناشتے کے دوران باقی وقت خاموشی طاری رہی۔ میز پر سب سے پہلے اٹھ کر جانے والا ناتوم تھا جس نے ناشتہ ختم کرنے کے بعد کسی سے کوئی بات نہیں کی اور سیدھا باہر نکل گیا۔ ناتوم کے جانے کے بعد مغریس نے استاد سے کہا۔ "ناتوم کا رویہ ناقابلِ برداشت ہوتا جا رہا ہے۔ اب تو وہ تمہارے بھی منہ آنے لگا ہے۔"

"مجھے اب خود بھی اس بات کا احساس ہو چلا ہے۔" استاد نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے افسوس تو اس بات کا ہے کہ وہ صورتِ حال کا ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے جو ایک غیر فطری حرکت ہے۔ بہرحال ہمیں اشرام سے اس کے مقابلے تک تو اسے برداشت کرنا ہی ہے۔"

اس سہ پہر کو کلب کے میدان میں کافی لوگ جمع تھے لیکن یہ سب

aazzamm@yahoo.com

کے سب وہی لوگ تھے جن کا باتو کلب سے کسی نہ کسی قسم کا تعلق تھا اور یا تو کلب کے ہمدردوں اور حمایتیوں میں سے تھے۔ کلب کا وسیع و عریض میدان شائقین سے بھر گیا تھا۔

بالآخر مقابلے کا وقت آن پہنچا۔ ناتوم ایک شاہانہ وقار کے ساتھ چلتا ہوا اکھاڑے تک آیا۔ اس نے نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا تک گوارا نہیں کیا۔ پھر اس نے اپنا لباس اتارنا شروع کیا یہاں تک کہ اس کے بدن پر صرف ایک چست جانگیہ رہ گیا۔ اور حقیقت تو یہ ہے پروفیسر کہ میں ناتوم کے حسین اور فولادی بدن کو دل ہی دل میں سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کا بدن یونان کے تصوراتی دیوتاؤں کے مجسموں کی طرح متناسب اور موزوں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدرت نے اس کے ہر حصۂ جسم پر گوشت کی مناسب ترین مقدار لگائی ہے۔ کاش اس شخص کا ذہن بھی اتنا ہی حسین ہوتا جتنا حسین اس کا بدن ہے۔" میں نے دل میں سوچا اور اس سے مقابلے کے لیے اکھاڑے میں اتر آیا۔

"اگر تمہارے ہاتھ میری کوئی ہڈی ٹوٹ جائے تو مجھ سے شکوہ نہ کرنا۔" اس نے ایک بار پھر مجھے ذلیل کرتے ہوئے کہا۔ "جو کچھ کہنا ہے استاد سے کہنا کیونکہ میرا اسی کا فیصلہ ہے کہ میں تم سے مقابلہ کروں۔" استاد، رانتوں اور مغرلیس وغیرہ کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ اکھاڑے کے قریب ہی کھڑے تھے۔ انہوں نے ناتوم کی بات سن لی اور استاد کے چہرے پر ناگواری کے سخت تاثرات نمودار ہوئے۔ میں نے ناتوم کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور اپنی جگہ پر خاموش کھڑا رہا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ اس بار میرا مقابلہ کرنے کا انداز قدرے مختلف ہوگا اور میں ناتوم کو اس کے احمقانہ غرور و بیہودہ تکبر کی سزا ضرور دوں گا۔

اب میں اور ناتوم ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ناتوم شاید اس انتظار میں تھا کہ میں پہل کروں اور آگے بڑھ کر کوئی داؤ لگاؤں تاکہ جواباً وہ مجھے ایسا کر سکے لیکن میں نے ناتوم کو پہلے موقعہ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ تقریباً ایک منٹ اسی حالت میں گزر گیا۔ ہر طرف مکمل سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ استاد اور دوسرے لوگ سانس روکے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ آخر ناتوم مجھ سے اس خاموشی اور بے حرکتی سے اکتا گیا۔ یک بیک اس نے اپنے حلق سے حیوانوں کی طرح کی ایک زوردار آواز نکالی اور مجھ پر حملہ آور ہو کر اپنے دونوں بازو میری کمر کے گرد حمائل کر دیئے۔ مجھ سے ٹکراتے ہی اس کے بدن کو شدید جھٹکا لگا اور میری کمر کے گرد اس کے بازوؤں کی گرفت سخت نہ ہو سکی۔ تاہم اس نے دور سے ہی لمحے میری کمر کو خوب کس کے باندھ لیا اور مجھے نیچے گرانے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن میں لوہے کے ایک ایسے ستون کی طرح اپنی جگہ پر جما کھڑا تھا جو آدھے سے زیادہ زمین کے اندر گڑا ہوا ہو۔ ناتوم کی آنکھوں میں غصے کے آثار پیدا ہوئے۔ اس نے ایک بار پھر اپنی گرفت مضبوط کر کے مجھے نیچے گرانے کے لیے پورے بدن کا زور لگا دیا لیکن میں نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔ ناتوم کے قد آور اور بھاری جسم کے سامنے میرا جسم بہت ہلکا پھلکا اور کم تر نظر آ رہا تھا لیکن اس کے باوجود یہ جسم پتھر کا ایک ایسا ستون تھا جسے ناتوم ہلا بھی نہ پایا تھا۔ میں نے ناتوم کو روکنے یا اسے پکڑنے کی کوشش نہیں کی۔ میں اپنے ہاتھوں کو قدرتی انداز میں لٹکائے ہوئے خاموش اور بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ ناتوم نے اب دوسرا داؤ آزمایا۔ اس نے مجھے گرفت میں لینے کے ساتھ ہی اپنی ایک بھاری اور مضبوط ٹانگ میری دونوں ٹانگوں کے بیچ میں پھنسا کر اڑنگا لگا کر مجھے گرانے کی کوشش کی۔ لیکن دوسرے لمحے وہ پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی ٹانگ میں شدید درد ہونے لگا تھا۔

میں نے ایک نظر تماشائیوں کی طرف ڈالی۔ استاد، مغرلیس، رانتوں اور دوسرے لوگ آنکھیں پھاڑے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ استاد کے چہرے پر بے یقینی کی سی کیفیت تھی۔ مغرلیس اور رانتوں کے چہروں پر دلوں میں چھپی ہوئی مسرت کے آثار نظر آ رہے تھے۔ مجمع کے باقی لوگوں پر حیرت طاری تھی۔

ناتوم نے جبراً حملہ پورے زور و شور کے ساتھ کیا۔ وہ میرے بازو سے دور چلا گیا اور پھر وہاں سے کسی چیتے کی طرح جھانکتا ہوا آیا اور پوری قوت کے ساتھ مجھ سے ٹکرایا۔ اور یہی اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ مجھ سے ٹکرانے کے بعد وہ ایک دلدوز چیخ کے ساتھ نیچے گر پڑا۔ اس کے جسم سے کئی حصوں سے خون نکلنے لگا تھا۔

"ناتوم!" میں نے بلند آواز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم دوسرے لوگ بھی سن سکیں۔ اگر کوئی اور داؤ آزمانا چاہو تو میں ابھی تمہارے سامنے اسی طرح کھڑا ہوں۔ اور اگر تمہارے پاس اپنی فنی مہارت کا ڈھیر ختم ہو گیا ہو تو پھر مجھے اجازت دو کہ میں اس مقابلے کو اس کے اختتام تک پہنچا دوں۔" مجمع میں سے اب بھنبھناہٹ کی آوازیں مجھ تک پہنچ رہی تھیں۔ کچھ لوگ سرگوشیوں میں اور کچھ بآواز بلند اس صورت حال پر تبصرہ کر رہے تھے۔

ناتوم زخمی سانپ کی طرح پھنکارتا ہوا ایک بار پھر لپک کر میری طرف جھپٹا۔ میں نے حسب وعدہ اسے ایک موقع اور دیا۔ اس بار اس نے مجھے بنگوسی مارنے کی دوبارہ کوشش کی لیکن بے سود۔ میں نے محسوس کیا کہ ناتوم کے چہرے پر شکست خوردگی کے ساتھ ساتھ خوف کے آثار بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ اب میں نے آگے بڑھ کر ناتوم کی کمر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور اس کے بے حد بھاری بھرکم اور تنومند جسم کو پھول کی طرح اوپر اٹھا لیا۔ اس نے بری طرح میرے پیٹ اور سینے پر لاتیں مارنے کی کوشش کی لیکن شاید اس کے پیروں میں درد کی ایسی شدید ٹیسیں اٹھیں کہ وہ بلبلا اٹھا۔ مجمع میں ایک شور اٹھ گیا۔ مغرلیس کود کر اکھاڑے میں آ گیا لیکن استاد نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑا اور ڈانٹ کر اسے باہر آنے کو کہا۔ ناتوم میرے ہاتھوں میں کسی موٹے سے بیمار چوہے کی طرح لٹکا ہوا تھا اور میں اسے تھامے ہوئے سارے اکھاڑے کا چکر لگا رہا تھا۔ ہر طرف سے

تالیاں بج رہی تھیں اور نعرہ ہائے تحسین بلند ہو رہے تھے۔ مغرلیس خوشی کے مارے ناچ رہا تھا۔ استاد کے چہرے پر غم اور خوشی کے ملے جلے تاثرات تھے۔ باقی لوگ جوش، حیرت اور مسرت کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ تماشائیوں کی تعریف تو ہمیشہ جیتنے والوں کے لیے ہی ہوتی ہے۔

میں نے ناتوم کو پورے اکھاڑے میں دو چکر دیے اور پھر اسے زمین پر کھڑا کر دیا۔ اس کا پورا جسم بری طرح کانپ رہا تھا اور وہ اپنی ٹانگوں پر کھڑا نہ رہ سکا۔ میں اسے چھوڑ کر اکھاڑے سے باہر نکلا اور میں جیسے مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ سب سے پہلے استاد نے مجھے مبارک باد دی۔ مغرلیس خوشی کے عالم میں مجھ سے لپٹ گیا۔ رانتوں نے میرے چہرے کے بے شمار بوسے لے ڈالے۔ میری جیت کی خوشی میں لوگ ناتوم کو بھول چکے تھے۔ اچانک میری نگاہ اس پر پڑی۔ وہ لنگڑاتا ہوا اکھاڑے سے باہر نکل رہا تھا۔ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا۔ لیکن اس نے غصے اور نفرت کے ساتھ میرے ہاتھ کو جھٹک دیا۔

"رسی جل گئی پر بل نہ گیا۔" کسی نے طنز کیا اور ناتوم پیر پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

اور پروفیسر، وہ ایک بڑی پُرلطف شام تھی۔ کلب سے وابستہ تقریباً سارے لوگ اور ان کے بہت سے دوست اور حمایتی کلب کے احاطے میں جمع تھے۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ استاد نے اس خوشی میں سارے لوگوں کی مشروبات اور پھلوں سے تواضع کا بندوبست کیا۔ استاد مجھ پر بڑا مہربان ہو رہا تھا۔ تمام لوگ میرے بارے میں توصیفی کلمات کہہ رہے تھے جو ظاہر ہے کہ میرے لیے بے معنی تھے۔ لیکن میں نے ان کے جذبات کا احترام کیا۔ اس مجمع میں ناتوم کہیں موجود نہیں تھا۔ استاد نے شاید کسی کو اسے بلانے کے لیے بھیجا۔ لیکن معلوم ہوا کہ وہ اپنے کمرے میں آرام کر رہا ہے۔

اگرچہ میرے اور ناتوم کے درمیان یہ مقابلہ کلب کا ایک خالص اندرونی معاملہ تھا لیکن ناتوم کی شکست کی خبر دو دن میں سارے شہر میں پھیل گئی۔ دو دن مغرلیس نے مجھے بتایا کہ سارے شہر کے لوگ ناتوم کی شکست پر حیرت زدہ ہیں کیونکہ وہ آج تک اجنبیوں میں کسی سے نہیں ہارا تھا اور شہر کے لوگ اشرام کے ساتھ اس کے مقابلے کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ لیکن اب صورت حال بدل گئی تھی۔ لوگ میرے بارے میں جاننے کے خواہش مند تھے۔ سرسبز والوں تک بھی یہ اطلاع پہنچ گئی کہ ایک نووارد دہقانی نوجوان ناتوم کو دوستانہ مقابلے میں شکست دے چکا ہے اور وہ اس نتائج سے پریشان تھے کیونکہ ظاہر ہے کہ اب اشرام کو اور زیادہ ضرورت تھی۔

انہوں نے سرسبز والوں کو پیغام بھیجا کہ وہ اشرام کے مقابلے میں اب جائے شہزور کو لانا چاہتا ہے۔ سرسبز والوں نے استاد کی اس پیشکش کو مسترد کر دیا اور جواباً یہ کہلوایا کہ طے شدہ معاہدے کے مطابق اشرام کے مقابلے میں ناتوم کو ہی آنا ہوگا۔ اگر ناتوم، اشرام کے ہاتھوں شکست کھا گیا تو اس صورت میں طوفان کلب والے اشرام کے مقابلے میں شہزور کو لا سکتے ہیں اور اگر اشرام، ناتوم کے ہاتھوں شکست کھا گیا تو سرسبز والے کچھ دنوں بعد کسی اور پہلوان کو شہزور کے مقابلے میں تیار کر کے لائیں گے۔ استاد کے پاس ان تجاویز کو ماننے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کیونکہ معاہدے کے مطابق وہ اشرام کے مقابلے میں ناتوم کو لانے کا پابند تھا۔ ناتوم کے بجائے کسی دوسرے پہلوان کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا پورا اختیار سرسبز والوں کو حاصل تھا۔ اور انہوں نے اس سلسلے میں کوئی مزید خطرہ مول لینے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کے سامنے مفروضہ یہ تھا کہ جو پہلوان ناتوم کو بآسانی ہرا سکتا ہے، اس سے اشرام کا جیتنا مشکل ہوگا۔ استاد کی دلی خواہش تھی کہ وہ اشرام کے مقابلے میں مجھے بھیجے لیکن وہ مجبور تھا۔ استاد کے پاس کلب میں آنے والوں کا تانتا بندھ گیا تھا۔ لوگ استاد کی اجازت سے مجھے دیکھنے اور مجھ سے گفتگو کرنے کے لیے آتے تھے۔ وہ میری سنہری رنگت کو دیکھ کر حیران رہ جاتے لیکن اس سے زیادہ حیرت انہیں میرا چست بدن دیکھ کر ہوتی تھی جس نے ناتوم جیسے قوی الجثہ انسان کو اٹھا کر پٹخ دیا تھا۔ استاد میری نمائش کر کے بڑا خوش ہوتا تھا۔ وہ آنے والوں کی خوب آؤ بھگت کرتا اور انہیں مجھ سے ملانے میں کوئی تردد نہیں کرتا تھا۔ ناتوم اب تک اصباح اپنی ورزش کی مشقوں سے فارغ ہونے کے بعد دن بھر کے لیے کہیں ادھر ادھر غائب ہو جاتا اور رات گئے واپس آ کر سو جاتا۔ ناشتہ بھی وہ اپنے کمرے میں ہی کرتا تھا۔ مقابلے کے دن کے بعد سے میرا اور اس کا آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔

اس شام مغرلیس اور میں باہر گھومنے نکلے۔ استاد نے میری چار ماہ کی قید والی شرط واپس لے لی تھی۔ اور مجھے کلب سے باہر جانے کی اجازت دے دی تھی۔ شام کے دھندلکوں میں لپٹا ہوا یہ شہر ایک خوبصورت منظر پیش کر رہا تھا۔ مغرلیس مجھے مختلف مقامات کی سیر کراتا رہا اور مجھے ان کے بارے میں بتاتا رہا۔ اس رات ہم نے کھانا بھی باہر کھانے کا فیصلہ کیا تھا۔ مغرلیس مجھے ایک خوبصورت اور مہنگے طعام خانے میں لے گیا جو اندر سے بڑا سجا ہوا اور روشن تھا۔ ہم لوگ منقش کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اس وقت پورے طعام خانے میں بھی دو کرسیاں خالی تھیں۔ ہم دونوں کے بیٹھنے کے بعد طعام خانے میں کوئی خالی جگہ نہ رہی۔

ابھی ہم نے کھانے کے لیے کچھ منگوایا بھی نہیں تھا کہ نہایت قیمتی لباسوں میں ملبوس ایک جوان اور وجیہہ مرد اور عورت اندر داخل ہوئے۔ عورت کا ریشمی لباس جھلمل جھلمل کر رہا تھا اور اس کا چہرہ اس قدر حسین تھا کہ اس پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔ وہ کسی مورنی کی طرح خوبصورت انداز میں چل رہی تھی۔ مرد کے چہرے کے خدوخال بھی حسین تھے اور ان میں مردانہ سختی موجود تھی۔ میں نے دیکھا کہ ان دونوں کے اندر داخل ہوتے ہی طعام

scan by azad urdu

aazzamm@yahoo.com

خانے کا مالک دوڑتا ہوا ان کی طرف آیا اور اس نے جھک کر ان کا خیر مقدم کیا۔ اس نے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی۔ ساری کرسیاں بھری ہوئی تھیں۔ لوگوں کے سامنے میزوں پر کھانے رکھے ہوئے تھے اور وہ کھانے میں مصروف تھے۔ صرف ایک میز ایسی تھی جس پر ابھی تک کوئی کھانا نہیں لگایا گیا تھا۔ اور یہ وہ میز تھی جس کے گرد ہم دونوں بیٹھے تھے۔

طعام خانے کے مالک نے چاروں طرف دوڑائی اور پھر اس کی نظریں ہم پر جم گئیں۔ نو وارد مرد اور عورت بھی ہماری طرف دیکھنے لگے۔

"یہ ایتھنز کے گورنر کا بھائی ارتینوس ہے۔" مغرلیس نے کہا۔ "گورنر کا بھائی ہونے کے علاوہ یہ فوج میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہے۔ اس کے ساتھ جو عورت ہے وہ ایتھنز کی نامی گرامی رقاصہ تارونہ ہے جس کے حسن اور فن کے قصے سارے ملک میں مشہور ہیں۔ اور بڑے بڑے امراء اور رؤسا اس کی ایک نظر کرم کے محتاج رہتے ہیں۔ بہت کم ایسے خوش نصیب ہیں جنہیں اس کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ حسین اور ماہر فن ہونے کے علاوہ یہ عورت بے حد مغرور اور ضدی بھی ہے۔"

اس اثنا میں طعام خانے کا مالک ہمارے قریب آگیا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے ارتینوس اور تارونہ بھی آرہے تھے۔ انکے ساتھ کے والے چار غلام مؤدب انداز میں دروازے کے قریب کھڑے ہو گئے تھے۔

"مجھے امید ہے کہ تم لوگ معزز ارتینوس اور اس کی حسین رفیقہ کے لیے جگہ خالی کر دو گے۔" اس نے ہم لوگوں کو مخاطب کر کے شائستہ لہجے میں کہا۔ مگر مجھے خوب اندازہ تھا کہ شائستگی کے ساتھ کی جانے والی اس درخواست میں حکم کا عنصر شامل تھا۔

"معزرہ" مغرلیس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا لیکن میں نے ایک جھٹکے سے مغرلیس کو دوبارہ کرسی پر بٹھا دیا۔ "ہرگز نہیں۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "ہم لوگ یہاں پہلے سے بیٹھے ہیں۔ معزز ارتینوس اور اس کی حسین رفیقہ اپنے لیے کوئی اور جگہ تلاش کر سکتے ہیں۔"

طعام خانے کے مالک کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ مغرلیس نے گھبرا کر دوبارہ میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اٹھانے کی کوشش کی۔ ارتینوس نے اپنی گھنی بھنویں سکیڑ کر سخت نظروں سے مجھے گھورا اور تارونہ حیران حیران نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

اسی اثنا میں برابر والی میز پر سے کئی آدمی اٹھ کر چلے گئے اور جگہ خالی ہو گئی۔ طعام خانے کے مالک نے فوراً ارتینوس کا ہاتھ پکڑا اور مؤدب لہجے میں اس سے اس میز پر آنے کی درخواست کی۔

"مغرلیس، میں تمہارے استاد کی، تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی بڑی عزت کرتا ہوں۔" ارتینوس نے مغرلیس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ نووارد ——— یہ اجنبی کون ہے؟ کیا تم نے اسے میرے بارے میں نہیں بتایا ہے؟"

"نہیں معزز ارتینوس۔" مغرلیس نے جواب دیا۔ "یہ اس شہر میں صرف چند روز قبل آیا ہے اور آپ سے بالکل ناواقف ہے۔ اگر یہ آپ سے واقف ہوتا تو بھلا ایسی گستاخی کیسے کر سکتا تھا؟" میں مغرلیس کے اس جواب پر دل ہی دل میں جل کر رہ گیا، لیکن کچھ بولا نہیں۔ مقابلہ تارونہ برابر مجھے اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے گھورے جا رہی تھی۔

"اسے کچھ تمیز اور تہذیب سکھاؤ اور یہ بتاؤ کہ ایتھنز کے امراء کے ساتھ کس طرح گفتگو کی جاتی ہے۔" ارتینوس نے کہا اور تارونہ کا ہاتھ پکڑ کر دوسری میز پر جا بیٹھا۔

"تم نے تو مروا دیا تھا شہزادے۔" مغرلیس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں مجھ سے کہا۔ "میں نے تمہیں بتا بھی دیا تھا کہ وہ گورنر کا بھائی اور ایک اعلیٰ عہدے پر ہے۔ پھر بھی تم نے اس کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا۔"

"میں نے کوئی غلط رویہ اختیار نہیں کیا۔" میں نے سختی سے کہا۔ "ہم لوگ یہاں پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ہمیں اٹھانے والا کون ہوتا ہے؟"

"مگر وہ ایک بااختیار اور بااثر شخص ہے . . . . . ."

"اور یہ بھی سن لو۔" میں نے مغرلیس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اس نے اسے اس وقت صرف اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ تمہارے اور استاد کے لیے کوئی مشکلات پیدا نہ ہو جائیں، ورنہ میں اس قسم کی گفتگو کرنے والے مغرور انسانوں کا سر جھکانا اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"سنو شہزادے۔" مغرلیس نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ ایتھنز ہے، یونان کا دارالحکومت، امراء، رؤسا، وزراء، فوجی افسران اور صاحب اقتدار لوگوں کا شہر۔ یہ تمہارا گاؤں یا قصبہ نہیں ہے جہاں سے تم سیدھے چلے آ رہے ہو۔ یہاں تمہیں ہر قدم پر محتاط اور ہوشیار رہنا پڑے گا۔ یہاں صرف جسم کی طاقت ہی سب کچھ نہیں ہے۔ جسم سے زیادہ اقتدار کی طاقت اہمیت رکھتی ہے۔ تم لاکھ زبردست پہلوان سہی، لیکن صاحب اقتدار لوگوں کے ساتھ گستاخی نہیں کر سکتے۔"

"میں جانتا ہوں۔" میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن میں ناانصافی کے خلاف آواز بلند کرنا مردانگی کی شان کے عین مطابق سمجھتا ہوں۔ بہرحال، اس قصے کو ختم کرو اور کھانا منگواؤ۔" بات یہ ہے پروفیسر کہ میں اس سے اس بارے میں زیادہ گفتگو کرنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ نہ وہ میری بات مان سکتا تھا اور نہ اپنی بات مجھ سے منوا سکتا تھا۔ اس بے چارے کو کیا معلوم تھا کہ ارتینوس جیسے کتنے ہی امیروں کو میں نے اپنی ٹھوکروں سے روندا ہے۔ ویسے بھی پروفیسر میں اپنی طاقت کے کم سے کم استعمال کا قائل تھا اور بلاوجہ تماشا بننے سے گریز کرنا چاہتا تھا۔

ہم دونوں بہت آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے تاکہ ہماری آواز دوسرے لوگ، اور خاص طور پر ارتینوس اور تارونہ نہ سن سکیں۔ میں نے چوری چوری نظروں کی طرف ڈالی۔ ایک لمحے کے لیے تارونہ کی نظریں میری نظروں

[illegible] لمحے کی مختصر سی مدت کے دوران میں نے اس کی نگاہوں میں [illegible] پڑھ لیا جو اس سے پہلے میں سینکڑوں ہزاروں عورتوں کی آنکھوں [illegible] پڑھ چکا تھا۔ اور جسے سمجھنے میں میں نے کبھی غلطی نہیں کی تھی۔

ہم لوگوں نے کھانا ختم کیا اور باہر نکلنے لگے۔ ارتینوس اور تارونہ نے [illegible] ختم کر لیا تھا اور وہ ہمارے آگے آگے جا رہے تھے۔ ان کے چار [illegible] مؤدب انداز میں ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ طعام خانے کے [illegible] ارتینوس کی مرصع اور شاندار دو گھوڑوں والی گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ [illegible] طعام خانے کے دروازے سے کچھ پیچھے ہٹ کر کھڑی ہوئی تھی۔

[illegible] کوچوان نے دانستہ طور پر دروازہ کی جگہ چھوڑی تھی اور گاڑی کو دیوار [illegible] سے پر کھڑا کیا تھا۔ تارونہ گاڑی کی طرف بڑھی۔ اس نے دروازے [illegible] کا ہاتھ تھاما۔ اچانک نہ معلوم کس وجہ سے ایک گھوڑا بدک گیا۔ وہ بڑے [illegible] سے ہنہنایا اور اپنی اگلی دو ٹانگوں پر کھڑا ہو کر پیچھے ہٹنے لگا۔ اس کی [illegible] دوسرا گھوڑا بھی زور سے ہنہنانے لگا اور وہ بھی پیچھے ہٹنے لگا۔ [illegible] ایک دم گھوم کر ٹیڑھی ہو گئی۔ تارونہ کے ہاتھ سے دروازے چھوٹ گیا وہ [illegible] سے پیچھے کی طرف ہٹی۔ مگر پیچھے دیوار تھی اور سامنے سے گاڑی ترچھی [illegible] کی طرف اس تیزی سے آ رہی تھی کہ اس نے طعام خانے کے [illegible] دروازے کی راہ بھی روک لی تھی جہاں تارونہ کو پناہ مل سکتی تھی۔ کوچوان اور [illegible] غلام بگٹٹ کی سی تیزی کے ساتھ گھوڑوں کی جانب لپکے اور انہیں گاڑی [illegible] کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن گھوڑے برابر پیچھے ہٹ رہے تھے اور [illegible] بگٹٹوں میں تارونہ کا جسم دیوار اور گاڑی کے درمیان پھنس کر کچلا [illegible] تھا۔ وہ بری طرح چیخ رہی تھی۔ ارتینوس اس تک پہنچنے سے قاصر [illegible] اس کے اور تارونہ کے درمیان گاڑی حائل تھی جو تیزی سے پیچھے [illegible] تھی۔ یہ سارا واقعہ محض چند لمحوں میں پیش آیا اور محض چند ہی لمحوں [illegible] اس کے انجام تک بھی پہنچا دیا۔ قبل اس کے کہ تارونہ کا جسم گاڑی [illegible] کے درمیان دب کر کچل جاتا، میں نے آگے بڑھ کر گاڑی کے پچھلے [illegible] سے تارونہ اور دیوار کی طرف بڑھ رہا تھا، ایک ہاتھ سے [illegible] سے پکڑ لیا اور گاڑی اپنی جگہ جم کر رہ گئی۔ پھر میں نے سے دھکا [illegible] گاڑی گھوڑوں سمیت آگے کو لڑھک گئی۔ دیوار اور گاڑی کے درمیان [illegible] جگہ بن گئی تھی۔ تارونہ تیزی سے گاڑی کے پیچھے سے نکل گئی۔ تارونہ [illegible] کے بعد میں نے گاڑی پر سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ اس اثنا میں کوچوان [illegible] کی مدد سے گھوڑوں کو رام کر لیا تھا۔

[illegible] نے گاڑی کے ساتھ جو کچھ کیا تھا، اسے پوری طرح صرف دو [illegible] دیکھ رہے تھے، ایک تو تارونہ اور دوسرے مغرلیس، جو میرے قریب [illegible] تھا۔ ارتینوس میرے پیچھے تھا۔ اس لیے اسے صحیح اندازہ نہیں ہو سکا [illegible] کس وجہ سے پیچھے ہٹنے سے رک گئی تھی۔ لیکن تارونہ نے اس منظر کو [illegible] دیکھا تھا۔ وہ حیرت اور بے یقینی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ مجھے دیکھ رہی تھی۔ دوبارہ گاڑی میں سوار ہونے سے پہلے اس نے پیچھے پلٹ کر ایک بار پھر میری طرف دیکھا اور ہولے سے ہونٹ دبا کر مسکرائی۔ ارتینوس اس کی اس مسکراہٹ کو نہیں دیکھ سکا۔ اگلے لمحے گاڑی روانہ ہو گئی۔

"سچ بتاؤ شہزادے۔ تم نے دو گھوڑوں کی طاقت سے پیچھے ہٹتی ہوئی گاڑی کو ہاتھ سے روکنے کے لیے کون سا داؤ استعمال کیا تھا؟" مغرلیس نے گاڑی روانہ ہو جانے کے بعد مجھ سے پوچھا۔ "میرے علم کے مطابق پورے ایتھنز میں کوئی ایک جوان بھی ایسا نہیں ہے جو دو گھوڑوں کی گاڑی کو ایک ہاتھ سے روک لے۔"

"میرا خیال ہے دوست، تم جاگتے میں خواب دیکھنے کے عادی ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ کیسے؟" اس نے پوچھا۔

"جب تم خود ہی سوچو کہ کیا کوئی انسان دو گھوڑوں والی گاڑی کو روک سکتا ہے؟" میں نے کہا۔ "میں چونکہ گاڑی کے قریب تھا اس لیے میں نے تارونہ کو غصے میں دیکھ کر بالکل فلمی طور پر گاڑی پر ہاتھ رکھ دیا یا یوں کہو کہ میرا ہاتھ بلا ارادہ و خود بخود گاڑی تک پہنچ گیا۔ یہ تو محض ایک اتفاق تھا کہ گھوڑوں نے عین اس وقت پیچھے ہٹنا بند کر دیا اور گاڑی رک گئی۔"

"پھر وہ دوبارہ آگے کیسے بڑھی؟" مغرلیس نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ اس وقت تک کوچوان نے غلاموں کی مدد سے گھوڑوں پر قابو پا لیا تھا اور انہیں آگے بڑھا دیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"شاید ایسا ہی ہو۔" مغرلیس نے الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ جواب دیا۔ "مگر مجھے تو بالکل ایسا معلوم ہوا کہ جب تم نے گاڑی کے پچھلے حصے پر ہاتھ رکھ کر زور لگایا تو عین اسی وقت گاڑی رک گئی اور پھر تم نے اسے دھکیلا تو وہ گھوڑوں سمیت آگے بڑھ گئی۔ میں نے خود گھوڑوں کو آگے گھسٹتے ہوئے دیکھا جیسے انہیں کوئی پیچھے سے دھکیل رہا ہو۔"

"یہ تمہارا وہم ہے۔" میں نے اسے بہلانے کے لیے کہا۔ "دنیا میں کوئی ایسا انسان موجود نہیں ہے جو یہ کام کر سکے۔"

"یقیناً۔" تم ٹھیک کہتے ہو۔" مغرلیس نے جواب دیا۔ "ایسا کام انسان نہیں، صرف دیوتا کر سکتے ہیں۔ لیکن ایک بات ضرور ہے۔ اور وہ یہ کہ صرف میرے لیے شام کو کلب میں موجود تمام لوگوں کے اندازے کے مطابق تمہارا جسم غیر معمولی طاقت کا سرچشمہ ہے۔ تم دیکھنے میں ایک عام صحت مند آدمی کی طرح پورے بدن کے نظر آتے ہو اور تمہارے بدن اس کے سوا اور کوئی نمایاں خصوصیت نظر نہیں آتی کہ تمہاری جلد اور بالوں کی رنگت سنہری ہے۔ لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ تم نے کس طرح ایک ہلکے سے جھٹکے میں مجھے نیچے گرا دیا تھا۔ اور ناؤم کے مقابلے میں تم نے جو قوت کا مظاہرہ کیا ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ ناؤم تمہیں تمہاری جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہلا سکا تھا۔ میں تمہارا دوست ہوں اور تمہیں کامیاب دیکھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم مجھے نہیں

aazzamm@yahoo.com

بتاؤ گے کہ تمہاری اس زبردست قوت کا راز کیا ہے؟"

"میری قوت کا کوئی راز نہیں۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "اور پروفیسر میں اسے بتاتا بھی کیا ہوں بھلا اپنی قوت کے راز کی کس طرح تشریح کر سکتا تھا؟"

رات زیادہ ہو گئی تھی۔ اب ہم لوگوں نے "گھر" کا رخ کیا۔ طوفان کلب کی عمارت ہی ہمارا "گھر" تھی۔

جب ہم گھر پہنچے تو استاد ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے ہمارے انتظار میں ابھی تک کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ مغرلیس نے سے بتایا کہ ہم لوگوں نے کھانا باہر ہی کھا لیا ہے۔ میں نے گھر واپس آتے ہوئے مغرلیس کو منع کر دیا تھا کہ وہ گاڑی رکھنے والی بات کا کسی سے بھی ذکر نہ کرے، ورنہ لوگ میرے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں شروع کر دیں گے۔ مغرلیس نے اس بات کا تذکرہ استاد سے نہیں کیا، البتہ اس نے عقب خانے میں ارتینوس اور تارونہ کے ساتھ ہماری تاخیر کی اطلاع استاد کو دی۔ استاد نے پوری بات سننے کے بعد کہا: "شہزور تم اب طوفان کلب سے وابستہ ہو۔ طوفان کلب کا نام اب تمہارے نام کا ایک جزو بن گیا ہے۔ میں نے اس کلب کو بڑی محنت اور جانفشانی کے ساتھ قائم کیا ہے اور اپنے خون سے ان لوگوں کی پرورش اور تربیت کی ہے جو اس کلب سے وابستہ ہیں۔ مجھے یہ کلب دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز ہے۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ جوانی کے جوش میں کوئی ایسا غلط قدم نہ اٹھانا جس سے کلب کو کوئی نقصان پہنچے۔ مجھے اپنی کوئی پروا نہیں لیکن میں اس کلب کو اپنے مرنے کے بعد بھی پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اب تیزی سے بوڑھا ہو رہا ہوں اور معلوم نہیں کب دیوتا مجھے آسمان پر بلا لیں۔ مجھے اپنی زندگی میں ہی اپنا جانشین بھی مقرر کرنا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ تاتوم اور اشرام کے درمیان مقابلے کے بعد میں کوئی فیصلہ بھی کر لوں۔" اس نے معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھا اور ذرا رک کر پھر کہنے لگا: "ارتینوس بڑے اثر و رسوخ والا آدمی ہے۔ وہ گورنر کا بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اعلیٰ فوجی افسر بھی ہے اور میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ بلکہ اس کے حالات خصوصی عنایت کرتی ہے۔ بہرحال تم اس شہر میں نئے ہو۔ میں تمہیں محتاط رہنے کا مشورہ دوں گا کہ ہمارے لیے تمہاری زندگی بڑی قیمتی ہے۔ ابھی تو تمہاری تمام صلاحیتوں کو ابھرنے کا موقع ہی نہیں ملا ہے۔ اصل کام تو تاتوم اور اشرام کے مقابلے کے بعد شروع ہوگا۔ اور پھر آج سے چھ ماہ بعد قومی کھیلوں کے مقابلے ہونے والے ہیں جو سال میں صرف ایک بار ہوتے ہیں اور جنہیں دیکھنے کے لیے بادشاہ اور ملکہ بذات خود تشریف لاتے ہیں۔ میں تمہیں ایتھنز والوں کے سامنے اس عظیم ہیرو کے روپ میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ . . . . . ."

"ایک ایسا ہیرو جسے گورنر کا بھائی کھانے کی کرسی سے اٹھا دے اور خود وہاں بیٹھ جائے وہ بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا۔

مغرلیس گھبرا کر مجھے دیکھنے لگا۔ لیکن استاد نے میرے اس طنز کا بالکل برا نہیں مانا، بلکہ وہ مسکرا کر کہنے لگا: "حکومت اور ارکان حکومت کے حکامات کی پابندی کرنا کسی توہین کا باعث نہیں ہوتا۔ تم اس خیال کو اپنے دل سے نکال دو۔ میرا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ تم ارتینوس سے ڈر جاؤ۔ اگر تم نے کوئی غلط حرکت کرنا ہے تو میں اتنے وسائل رکھتا ہوں کہ براہ راست تخت تک پہنچ سکتا ہوں اور ارتینوس کو بگاڑ بھی دے سکتا ہوں۔ میں نے اپنی پوری زندگی گزاری ہے اور یہاں کے سارے امراء و رؤسا میری بہت عزت کرتے ہیں۔ اگر ارتینوس ہم سے محاذ آرائی چاہے گا تو ہم اس کے لیے تیار ہیں۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ حتی المقدور اہل اقتدار سے الجھنے سے گریز کرنا چاہیے۔ اب تم لوگ جا کر آرام کرو اور بے فکر رہو۔"

ہم دونوں اوپر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

اور دوسرے دن دوپہر کو ایک نیا واقعہ پیش آیا۔ مغرلیس نے آ کر مجھے بتایا کہ کوئی مجھ سے ملنے کے لیے آیا ہے۔

"مجھ سے ملنے کے لیے؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "لیکن میں تو اس شہر میں کسی کو بھی نہیں جانتا۔ مجھ سے کون ملنے آئے گا؟"

"لوگوں کو نہیں جانتے، لیکن لوگ تو تمہیں جانتے ہیں۔" مغرلیس نے ایک عجیب انداز سے مسکرا کر کہا۔ اس کی مسکراہٹ میں مجھے کوئی خاص پوشیدہ محسوس ہوئے۔

میں مغرلیس کے ساتھ نیچے آیا۔ مغرلیس نے آنے والے کو ایک کمرے میں بٹھایا تھا جو عمارت کے ایک دور دراز گوشے میں واقع تھا۔ ہم دونوں اس کمرے میں داخل ہوئے تو ایک غلام جو ہمارا منتظر تھا ہمیں دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا اور اس نے جھک کر ہمیں تعظیم دی۔

"انہیں کے لیے پیغام ہے؟" مغرلیس نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" غلام نے ادب سے جواب دیا۔ "کل میں نے ان کو عقب خانے میں دیکھا تھا۔ مالکہ نے مجھے ہدایت کی کہ آپ کے ذریعے ان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کروں۔ مالکہ کو جواب چاہیے ہیں، اور آپ کے فن کو سراہتی ہیں۔ انہوں نے مجھے یہ بھی کہا کہ آپ تک یہ پیغام بھی پہنچا دوں کہ آپ اس بات کا کسی سے ذکر نہ کریں اور صرف یہی گفت والے نوجوان کو کل دوپہر کو ان کے ہاں پہنچا دوں۔ وہ وقات کی خواہاں ہیں۔"

میں نے پہلی نظر میں تو غلام پر کوئی توجہ نہیں دی تھی لیکن جب میں نے غور سے دیکھا تو میں اسے پہچان گیا۔ یہ ان چار غلاموں میں سے تھا جنہیں کل میں نے ارتینوس اور تارونہ کے ساتھ دیکھا تھا۔ اب معلوم ہوئی کہ یہ شخص ارتینوس کا نہیں، بلکہ تارونہ کا غلام تھا۔

"سن لو شہزور!" مغرلیس نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "تم سے ملاقات کی خواہشمند ہے اور کل دوپہر اس نے تمہیں اپنے گھر بلایا ہے۔"

"لیکن وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟" میں نے مغرلیس اور غلام دونوں کی طرف باری باری دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تو تمہیں وہاں چل کر ہی پتہ چلے گا۔" مغرلیس نے جواب دیا۔ "ٹھیک ہے۔" اس نے غلام سے مخاطب ہو کر کہا۔ "شہزور آ جائے گا۔ لیکن اپنی مالکہ سے کہہ دینا کہ شہزور ابھی اس شہر میں نووارد ہے اور استاد کا حکم ہے کہ وہ تنہا کہیں بھی نہ جائے، اس لیے میں اس کے ساتھ آؤں گا۔"

غلام تعظیم دے کر رخصت ہو گیا۔ "تم خوش قسمت ہو شہزور کہ تارونہ نے تم سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ ورنہ تارونہ ایسی عورت ہے جس کے آگے بڑے بڑے لوگ ناک رگڑتے ہیں اور وہ انہیں گھاس نہیں ڈالتی۔"

"مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہے، اور نہ میں اس کے التفات کا بھوکا ہوں۔ مگر تم یہ بتاؤ کہ تم نے میرے ساتھ جانے کی شرط کیوں لگائی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"بات یہ ہے کہ میں استاد سے چھپ کر وہاں جانا ہے۔ اگر استاد کو پہلے سے پتہ چل گیا تو وہ ہرگز ہمیں وہاں جانے کی اجازت نہیں دیں گے کیونکہ اب کو معلوم ہے تارونہ ان دنوں ارتینوس کی منظور نظر ہے اور وہ اس پر بے دریغ رقم لٹا رہا ہے۔ اگر ارتینوس کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ تارونہ نے کسی اور میں دل چسپی لینی شروع کر دی ہے تو اس سے بڑی گڑبڑ پیدا ہو جائے گی۔ استاد فی الحال اپنے لیے مشکلات مول لینا نہیں چاہتا۔ میں تمہارے ساتھ اس لیے جانا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی ایسی ویسی صورت حال پیدا ہو جائے تو میں اسے سنبھال سکوں، کیونکہ تم مصلحت سے کام نہیں لیتے۔ کل تم غلام کے بہکاوے میں آ کر مجھے ارتینوس سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے جبکہ تم کو صبر سے کام لینا چاہیے تھا۔ میری موجودگی تمہیں پریشانیوں سے دور رکھے گی۔ میں نے تو یہ سوچا تھا کہ تارونہ کے غلام کو یہاں سے بھگا دوں، مگر میں یہ نہیں کہہ سکتا ہے تارونہ تم تک پہنچنے کے لیے کوئی دوسرا طریقہ تلاش کرے گی۔ مجھے صبر بھی نہ ہو پائے۔"

"بڑی دور دور کی باتیں سوچا کرتے ہو مغرلیس۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "خیر تم میرے ساتھ چلنا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی۔"

دوسرے دن دوپہر کو میں اور مغرلیس تارونہ کے گھر پہنچے۔ اس کا گھر یا رہائش کا نمونہ تھا۔ آرام و آسائش اور آرائش کی ہر چیز اس کے گھر میں موجود تھی۔ گھر کے ایک ایک گوشے کی سجاوٹ پر خصوصی توجہ دی گئی تھی اور ہر شے وہاں جہاں کہیں بھی بیٹھ جائے پھر وہاں سے اٹھنے کو اس کا جی نہیں چاہتا تھا۔

تارونہ نے مسکراہٹوں کے پھول نچھاور کرتے ہوئے ہمارا خیر مقدم کیا۔ اس کا حسن دل سے بھی زیادہ حسین نظر آ رہی تھی۔ اس نے اس طنطنے کا بناؤ سنگھار کیا تھا کہ اس کے چہرے پر آنکھیں نہیں ٹھہرتی تھیں۔ میں اور مغرلیس اس کے حسن و جمال کے اس بے مثل پیکر کو دیکھ کر مبہوت ہو گئے۔

مغرلیس نے تارونہ سے میرا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ میں ایتھنز میں کل کس طرح میں نے روشنائی مقابلے میں تاتوم کو ہرا دیا ہے۔

"اچھا تو وہ تم ہو جس نے تاتوم جیسے نامی گرامی ماہر فن پہلوان کو شکست دی ہے۔" تارونہ نے حیرت اور خوشی کے ساتھ پوچھا۔ "میں اس بارے میں سن چکی ہوں کہ ناقابل شکست تاتوم ایک اجنبی پہلوان سے دوستانہ مقابلے میں ہار گیا ہے۔ اس کے بعد وہ کافی دیر تک مجھ سے میرے بارے میں معلومات کرتی رہی اور میں اپنے جوابوں کے ذریعہ اس کے جذبہ تجسس کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ حسین و جمیل کنیزوں نے مشروبات اور پھلوں کے ڈھیر ہمارے سامنے رکھ دیئے۔ تھوڑی دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر تارونہ نے مغرلیس سے مخاطب ہو کر کہا: "اگر بہادر اور معزز مغرلیس اجازت دے تو میں اس کے دوست شہزور سے تنہائی میں چند ضروری باتیں کروں۔ دراصل میں کل کے واقعے کے بارے میں اس سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"میری طرف سے اجازت ہے۔" مغرلیس نے جواب دیا اور تارونہ مجھے لے کر ایک دوسرے کمرے میں آ گئی جو اس کی خواب گاہ تھی۔ اس کمرے کا طلسمی ماحول انسان کو بے خود کر دینے کے لیے کافی تھا۔ کھڑکیوں پر نرم ریشم کے رنگین پردے لہرا رہے تھے۔ فرش پر مرمریں قالین میں پیر دھنسے جاتے تھے۔ لمبے چوڑے بستر کی چادریں دودھ کی طرح اجلی تھیں۔ ان پر بہت سے رنگ برنگے تکیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ میز پر شراب کی صراحیاں اور جام قرینے سے سجے ہوئے تھے۔ دیواروں پر متعدد تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ کمرہ کیا تھا، چھوٹا خاصہ طلسمی خانہ تھا۔

تارونہ میرا ہاتھ پکڑ کر بستر پر بیٹھ گئی۔

"روشنیوں کی پُراسرار دنیا سے آنے والے اجنبی مسافر! یہ بتاؤ کہ کیا تم کسی سونے کی کان سے برآمد ہوئے ہو؟" تارونہ نے اپنی آنکھوں میں ساری دنیا کی محبت سمیٹتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

"میں تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "قدرت نے میری جلد کی رنگت تم لوگوں سے مختلف بنائی ہے اور بس۔"

"نہیں، بس نہیں۔" تارونہ نے جواب دیا۔ "یہ تاثر اجنبی کہ تمہارے جسم کے اندر کتنے گھوڑوں کو روک لینے کی طاقت موجود ہے؟ دو گھوڑوں کو تو کل تم نے میری آنکھوں کے سامنے اپنے محض ایک ہاتھ سے روک دیا۔ دونوں ہاتھوں سے تم کتنے گھوڑوں کو روک سکتے ہو؟ میں حیران ہوں کہ اسے تمہاری جسمانی قوت سمجھوں یا دیوتاؤں کی بخشی ہوئی کوئی مافوق الفطرت طاقت؟"

"اصل میں مغرلیس کو بھی یہی غلط فہمی ہوئی تھی۔" میں نے بات بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ محض ایک اتفاق تھا کہ میرے گاڑی کو ہانکنے کے ساتھ ہی گھوڑوں نے پیچھے ہٹنا بند کر دیا تھا۔ ورنہ میں بھلا کس طرح گھوڑوں کو روک سکتا تھا؟"

"میں اس بات کے لیے اصرار نہیں کروں گی شہزور کہ تم مجھے اپنی اصل حقیقت سے آگاہ کرو۔ ہو سکتا ہے یہ کسی دیوتا کی دین ہو اور تم اس کا اظہار نہ کرنا چاہو۔ لیکن یہ بات میں اچھی طرح جان گئی ہوں کہ تم ایک غیر معمولی انسان ہو۔ تمہاری جیسی طاقت کا مظاہرہ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ شہزور۔

aazzamm@yahoo.com

کل رات سے ہی میں تمہارے سحر میں گرفتار ہو گئی ہوں اور مجھے تمہارے قریب آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

"اور ارتینوس کا کیا ہو گا؟"

"میں اسے منع کر دوں گی کہ وہ آئندہ یہاں نہ آئے۔ وہ ہر ماہ مجھے ایک بھاری رقم اس شرط کے ساتھ دے رہا ہے کہ میں صرف اس کی ہو کر رہوں لیکن میں اس کی ساری رقم واپس کر دوں گی۔ میرے پاس پہلے ہی دولت کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ میں اسے اس سے بھی زیادہ دولت دے سکتی ہوں جتنی وہ اب تک مجھے دے چکا ہے۔"

"لیکن وہ گورنر کا بھائی ہے اور ایک اعلیٰ فوجی افسر بھی۔" میں نے کہا۔

"لیکن میرے بھی ملکہ سے خصوصی مراسم ہیں۔ وہ میرے حال پر عنایت کرتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ملکہ کی نمائش کے بعد ارتینوس مجھے یا تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کی جرأت نہیں کرے گا۔ میں تو تمہارے لیے مرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔ لیکن میں یہ نہیں چاہتی کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔ میں کل ہی شاہی محل جا کر ملکہ کے حضور حاضری دوں گی اور ان سے کہوں گی کہ میں ارتینوس کو چھوڑ رہی ہوں۔ پھر میں ارتینوس کو بھی سب کچھ بتا دوں گی اور اس سے کہوں گی کہ میرا اور اس کا معاہدہ ختم ہو چکا ہے۔ میں اپنی یقینی زندگی تمہارے قدموں میں گزار دوں گی۔ میرے بن جاؤ شہزور، میرے بن جاؤ۔"

"سنو تارونہ! میں نے محبت سے اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے کہا۔ "تمہیں انتظار کرنا ہو گا۔ مجھے یقین ہے کہ ارتینوس تمہارے سے تم سے دستبردار نہیں ہو گا اور کافی ہنگامے کھڑے ہوں گے۔ میں نہ تو ارتینوس سے ڈرتا ہوں اور نہ جنگلوں سے۔ لیکن میں اپنے استاد کو کسی الوقت کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ تمہیں تھوڑا سا وقت مجھے کام لینا ہو گا۔ اس وقت تک جب تک کہ ناتوم اور اشرمر کے درمیان مقابلہ ختم نہ ہو جائے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ناتوم کی شکست کی صورت میں مجھے اشرمر سے مقابلہ کرنا پڑے۔ تب تک تمہیں بالکل خاموش رہنا ہو گا اور ارتینوس کو ابھی کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وقت آنے پر میں خود ہی اس سے نمٹ لوں گا۔ تمہیں اس سلسلے میں کچھ نہیں کرنا ہے۔ تھوڑا سا انتظار اور پھر میں تمہیں یہاں سے کہیں دور لے چلوں گا۔"

میرے ان الفاظ نے تارونہ پر جیسے جادو کر دیا۔

"میں تمہارے لیے ساری عمر تمہارا انتظار کر سکتی ہوں۔ جیسا تم کہو گے ویسا ہی ہو گا شہزور! لیکن آؤ اس مہلت کو جو آج ہمیں حاصل ہے رائگاں نہ جانے دیں۔"

لیکن میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سختی سے منع کر دیا۔ "ابھی نہیں۔ باہر مغریس میرا منتظر ہے۔ اب کافی دیر ہو گئی ہے استاد ہماری تلاش شروع کر دیں گے۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" تارونہ نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور کھڑی ہو گئی۔

جیسے ہی تارونہ کے گھر سے نکل کر سڑک پر آئے، ہم نے اپنے سامنے سے ناتوم کو گزرتے دیکھا۔ وہ غیظ آلود نظروں سے ہمیں گھورتا ہوا گزر گیا۔

"کیا یہ ہمارا پیچھا کر رہا تھا؟" میں نے مغریس سے پوچھا۔

"شاید۔" مغریس نے فکرمندی سے جواب دیا۔ "اس نے ہمیں تارونہ کے گھر سے نکلتے دیکھ لیا ہے اور اب یہ ضرور کوئی خرابی پیدا کرے گا۔ اگر استاد کو پتہ چل گیا تو بڑی بری بات ہو گی۔ میں نے استاد سے ساری بات چھپانے کی کوشش کی ہے۔"

"میں نے کہا۔ "ہم استاد کو یقین دلا دیں گے کہ آئندہ ہم سے ایسی غلطی نہیں ہو گی۔"

لیکن ناتوم نے ہماری توقعات سے زیادہ خطرناک قدم اٹھایا۔ دوسرے روز مغریس نے مجھے بتایا کہ تارونہ کا غلام اس کے پاس آیا تھا اور تارونہ نے کہلوایا ہے کہ ارتینوس کو ناتوم کے ذریعے اس بات کی اطلاع مل گئی ہے کہ شہزور اور مغریس اس کے گھر آتے تھے اور کافی دیر تک اندر رہتے۔ ارتینوس نے تارونہ کو کڑی سرزنش کی ہے اور یہ دھمکی دی ہے کہ اگر اس نے آئندہ اسے شہزور کے ساتھ کہیں بھی دیکھا تو وہ اس شہزور رنگت والے دمتھانی کو قتل کروا دے گا۔ تارونہ نے اپنے معتمد غلام کے ذریعے ہمیں ہوشیار رہنے کی ہدایت کی تھی۔ مجھے بھی اس کمینگی پر سخت غصہ آیا۔ مغریس نے بھی اس کی اس حرکت پر سخت احتجاج کیا لیکن مشکل یہ تھی کہ ہم نہ تو استاد سے اس کی شکایت کر سکتے تھے اور نہ ہی ہم خود اس سے کچھ کہہ سکتے تھے۔ میں اگر چاہتا تو ناتوم اور ارتینوس دونوں کے مزاج درست کر سکتا تھا لیکن ابھی صبر سے کام لینا تھا۔

اور یہ اس واقعے کے دو دن بعد کی بات ہے۔ میں اور مغریس تفریح کے لیے روزانہ ہی شام کو گھومنے پھرنے نکل جاتے تھے اور اکثر رات کو کافی دیر سے واپس آتے۔

اس دن واپسی میں کافی دیر ہو گئی تھی۔ شہر کے نئے حصے کی سڑک ایک موڑ بری طرح میرے پیچھے پڑ گئی تھی اور اس سے جان چھڑانا مشکل ہو گیا تھا۔ ہم جونہی اس کے عشق کدے سے باہر نکلے اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ کافی آگے جا کر ہمیں ایک گلی سے مڑ کر گزرنا تھا جس کے دونوں طرف جانوروں کے باڑوں کی اونچی اونچی دیواریں تھیں۔ گلی بالکل سنسان تھی اور دور دور تک سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ اچانک سامنے سے دو نقاب پوش گھوڑ سوار نمودار ہوئے اور انہوں نے ہمارا راستہ روک لیا۔

ہمیں اپنے پیچھے بھی آہٹ سنائی دی۔ ہم نے پلٹ کر دیکھا۔ دو نقاب پوش گھوڑ سوار ہمارے پیچھے کھڑے تھے!

ہمیں آگے اور پیچھے دونوں طرف سے گھیرا جا چکا تھا۔ نقاب پوشوں نے ہمیں سنبھلنے کا کوئی موقع نہیں دیا اور وہ آناً فاناً تلواریں سونت کر ہم پر پل پڑے۔ میرے لیے مشکل یہ تھی کہ مغریس کو کس طرح ان لوگوں کے ہتھ

سے محفوظ رکھوں کیونکہ حملہ آوروں نے ہمیں دونوں طرف سے گھیر لیا تھا۔ دائیں اور بائیں طرف جانوروں کے باڑوں کی اونچی اونچی دیواریں تھیں جو گلی کے اوپر تک پہنچتی تھیں۔ نقاب پوش حملہ آور تھے۔ ہمیں وہ زندہ بھی نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ جانے کب سے کچھ اپنی تو کیا فکر تھی۔ البتہ مغریس کی جان بچانے کے لیے میں جو کچھ ضروری ہوتا تو میں اس سے بھی گریز نہیں کرتا۔ مگر مغریس نے میرے پھنسنے میں صورت حال کا جائزہ لے لیا تھا اور اس نے فوراً نیام سے تلوار کھینچ کر نکال لی تھی۔ میں حسب معمول خالی ہاتھ تھا۔

دو سواروں نے مغریس پر اور دو نے مجھ پر حملہ کیا۔ مغریس کے کمال ہوشیاری اور پھرتی کے ساتھ ان دونوں کے وار اپنی تلوار پر روکے۔ وہ صرف دفاعی پوزیشن اختیار کر سکتا تھا۔ ادھر دونوں نقاب پوشوں کی تلواریں اس کے بدن سے ٹکرائیں۔ ایک کی تلوار دو ٹکڑے ہو گئی۔ میں نے بجلی کی سی تیزی سے لپک کر ایک گھوڑے کی ٹانگ پکڑ لی اور اسے منہ سوار کے اوپر اچھال دیا۔ سوار سمیت کچھ دور جا کر گرا اور سوار اس کے نیچے دب گیا۔ گھوڑا گھبرا کر کھڑا ہوا اور سوار اس کے نیچے سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے ساتھی چیخ اٹھے تھے۔ میں نے ان دونوں سواروں کو نظر انداز کر کے مغریس کی طرف توجہ دی۔ مغریس واقعی سپاہیانہ فن سے واقف تھا۔ اس نے میری طرف دیکھنے کی حماقت نہیں کی اور دونوں سواروں کا مقابلہ کرنے میں لگا رہا۔ میں نے آگے بڑھ کر مغریس پر حملہ کرنے والے سوار کو کمر سے پکڑ کر جھٹکا دیا اور وہ نیچے گر پڑا۔ لیکن اس اثنا میں دوسرے سوار کی تلوار مغریس کے شانے میں اتر گئی۔ وہ ایک چیخ کے ساتھ نیچے گر پڑا۔ شانے سے خون کا فوارہ بہہ رہا تھا۔ میں نے مغریس پر حملہ کرنے والے کو موقع نہیں دیا اور اسے گھوڑے سمیت فضا میں اچھال دیا۔ وہ بہت زوردار چیخ کے ساتھ دو بار گرا۔ باقی نقاب پوش میری اس عجیب و غریب انسانی طاقت کو دیکھ کر سخت خوفزدہ ہو گئے۔ ان سب نے بھاگ جانے میں عافیت سمجھی۔ زمین پر گرا ہوا نقاب پوش بھی جلدی سے گر پڑا۔ اٹھا اور سب سے پہلے ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ جلدی سے گھوڑے پر سوار ہوا اور وہ چاروں بھاگ نکلے۔ میں اگر چاہتا تو ان چاروں میں سے کوئی ایک بھی واپس نہیں جا سکتا تھا۔ لیکن مجھے ان کا پیچھا کرنے کے بجائے مغریس کی فکر پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے شانے سے خون تیزی سے جاری تھا اور میں نہیں جانتا تھا کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا۔

میں نے مغریس کے خون میں ڈوبے ہوئے جسم کو پھول کی طرح اٹھا کر گھوڑے پر ڈالا اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گھر کی طرف روانہ ہوا۔ میں نے گلیوں کے راستے میں طے کیا اور کلب میں پہنچ گیا۔ استاد اور دوسرے لوگ موجود تھے۔ لیکن کئی ملازمین جاگ رہے تھے۔ وہ مغریس کے بے جان جسم کو دیکھ کر سر سے پاؤں تک خون میں ڈوبا ہوا دیکھ کر سخت گھبرا گئے۔ اور ملازمین سے استاد کو جگا کر لے آئے۔ اس اثنا میں میں نے مغریس کو آرام سے لٹا دیا تھا۔ وہ زندہ تھا اور اس کی سانس چل رہی تھی۔ بات سخت پریشان کن ہو گئی۔ میں نے اسے صرف اتنا بتایا کہ رات کی تاریکی میں ہم دونوں پر چار نقاب پوشوں نے حملہ کیا۔ جن کی شکلیں ہم نہیں دیکھ پائے۔ وہ مجھے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے۔ لیکن مغریس کو زخمی کر کے بھاگ گئے۔ استاد نے اس وقت زیادہ سوال و جواب نہیں کیے۔ اور مغریس کی مرہم پٹی میں مصروف ہو گیا۔ اس نے اسی وقت ایک آدمی کو مارینالوس کو بلانے کے لیے بھیج دیا۔ اس کے کہنے کے مطابق انتخار کی نائی گرامی طبیب اور جراح تھا۔ تھوڑی دیر میں مارینالوس بھی آ گیا۔ اس کی آنکھوں میں ابھی تک نیند بھری ہوئی تھی لیکن وہ فوراً ہی اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

"زخم اچھا بڑا ہے۔" مارینالوس نے کہا۔ "مغریس کی جان بچ جائے گی اور اس کا ہاتھ بھی ٹھیک ہو جائے گا۔ کچھ دیر تک کہیں ہاتھ کاٹنا نہ پڑے۔ میں پینے کی دوا بھی دوں گا۔ صبح تک اسے ہوش آ جائے گا۔ پھر دوا پلا دینا۔" پھر اس نے مغریس کے زخم کو صاف کر کے اس میں کچھ دوائیں اندر تک بھریں اور پٹی باندھ دی۔ اب خون رک گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد مارینالوس مطمئن ہو کر رخصت ہو گیا۔

مجھے یقین تھا کہ حملہ کرنے والوں کا مقصد مجھے ہلاک کرنا تھا۔ وہ یقیناً پیشہ ور آدمی ہوں گے اور اسی لیے انہوں نے نقاب پہن رکھے تھے تاکہ مغریس انہیں پہچان نہ لے۔ ارتینوس نے تارونہ کو تو محض تنبیہ کرنے پر اکتفا کیا تھا۔ لیکن میری ہلاکت کا اس نے پورا بندوبست کر دیا تھا اور یہ سب کچھ ناتوم کی وجہ سے ہوا۔ اگر وہ جاں مخبری نہ کرتا تو ارتینوس کو ہماری آمد کا علم نہ ہوتا۔ ناتوم نے میرے خلاف نہایت گھٹیا حرکت کی تھی۔ لیکن میں اور مغریس اس بارے میں کسی سے بھی کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ مجھے اصل جھنجھلاہٹ اس بات کی تھی کہ میں سب کچھ کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ایک بار تو میرے جی میں آیا کہ مقابلے وغیرہ کے انتظار پر لعنت بھیجوں اور ناتوم اور ارتینوس کو ان کی حرکتوں کی کھلم کھلا ایسی سزا دوں کہ وہ زندگی بھر یاد رکھیں۔ لیکن پھر میں نے یہی سوچا کہ ارتینوس سے ٹکر لینے کا مطلب ہو گا انتخار کی حکومت سے ٹکر لینا۔ اور یہ کام میں اس وقت کر سکتا ہوں جب میں یہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کر لوں۔ ٹیرنڈاس کے بعد یہاں رہنے کا مطلب تھا ایک بار پھر کسی دیوتا کی سی کسی آسمانی مخلوق کی سی زندگی گزارنا اور لوگوں سے اپنی پرستش کروانا۔ اور میں اس کے لیے قطعی آمادہ نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ ابھی کچھ دن اور اس صورت حال کو برداشت کروں گا تاکہ استاد کی امیدوں پر بھی پانی نہ پھیرے اور میں بھی کچھ عرصہ انتخار میں سکون سے گزار لوں۔

استاد کا خیال تھا کہ ہم لوگوں پر حملہ کرانے میں سمبزوانوں کا ہاتھ ہے۔ اور وہ میری قوت کے کرشموں کی داستانیں سن کر مجھ سے خوفزدہ ہو گئے ہیں۔ اور میری ہلاکت کے درپے ہیں۔ وہ بہت غصے میں تھا اور اس نے کہا کہ وہ صبح نارس کے پاس جانے کا اور اس سے اس بارے میں باز پرس کرے گا۔ اور اگر نارس اسے مطمئن کرنے میں ناکام رہا تو وہ اس مسئلے کو عدالت میں لے جائے گا۔

لیکن صبح تک مغریس کو ہوش آ گیا اور اس نے استاد کو سمجھایا کہ یہ حرکت سمبزوانوں کی نہیں ہو سکتی بلکہ شاید کچھ اور لوگ ہمارے دشمن بن گئے ہیں

scanned by aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

اس نے بات بنانے کی غرض سے یہ بھی کہا کہ ہو سکتا ہے کہ شہزور کا کوئی دشمن اس کے دیئے وطن میں موجود ہو اور وہ اس کی تلاش میں یہاں تک آن پہنچا ہو۔ خیر ہے کہ مجھے اور مغرلیس دونوں کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ اس حملے میں کس کا ہاتھ ہے۔ جمیع کو ناتوم بھی مغرلیس کی عیادت کرنے آیا اس کی آنکھوں میں لومڑی کی سی چمک اور چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ خاص طور پر مسکرایا۔ وہ پہلی بار مجھے دیکھ کر مسکرایا تھا۔ میں اس کی اس تمسخرانہ مسکراہٹ کا مطلب خوب سمجھتا تھا۔ اس وقت کہنے میں ہم تینوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔

"تمہاری اس مسکراہٹ کا جواب ہمارے اوپر دھاوا بولنے میرے دوست دیں نے آہستہ سے ناتوم سے کہا۔ میں یہ دھاوا ضرور بولوں گا پھر تلوار کے بھاگ جانے کا افسوس ہے۔"

ناتوم مجھے کوئی جواب دینے والا تھا کہ اتنے میں استاد کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ ایک اور معزز شخص تھا جسے میں نہیں پہچانتا تھا۔ مغرلیس نے مسکرا کر اس شخص کو دیکھا۔ اس نے مغرلیس کی خیریت پوچھی اور اس کے بستر پر بیٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"مجھے آج صبح ہی یہ خبر ملی ہے۔ میں نے ایک آدمی کو مارینا لوس کے پاس ایک مرہم بنوانے کے لیے بھیجا تھا۔ مارینا لوس نے اسے بتایا کہ فرشتہ رحمت کو کسی نے مغرلیس کو زخمی کر دیا ہے اور وہ اس کے علاج کے لیے گیا تھا۔ یقین کرو مغرلیس مجھے اس بات سے سخت تکلیف پہنچی اور میں نے اسکندر کو بتا دیا ہے کہ اس ذلیل حرکت سے ہمارے کسی آدمی کا کوئی تعلق نہیں۔ ہم لوگ بہادر ہیں اور بہادروں کی طرح جیتنے کا ہارتے ہیں۔ بزدلوں کی طرح رات کی تاریکی میں چھپ کر دشمن پر حملے نہیں کرتے۔"

"مجھے تو سے یہی امید تھی تارس۔" استاد اسکندر نے جواب دیا۔ "اب مجھے معلوم ہوا کہ عبادت کے لیے آنے والا شخص سرسبز کلب کا نگراں اور مالک تارس تھا۔

چالاک تارس کی نظر مجھ پر پڑی اور وہ بڑے غور سے میری سنہری رنگت اور سنہری بالوں کو دیکھنے لگا۔ "یہ کوئی نئی وبا آئی ہے اسکندر؟" اس نے استاد سے پوچھا۔ استاد نے حتی المقدور اختصار سے کام لیتے ہوئے میرے بارے میں اسے بتایا۔

"دیکھنے میں تو یہ اتنا قوی ہیکل نظر نہیں آتا کہ ناتوم جیسے جوان کو شکست دے سکے۔" تارس نے کہا۔ "خیر ناتوم اور اشرام کا مقابلہ ہو لینے دو۔ پھر اس کے جوہر بھی آزما لیے جائیں گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ تھوڑی دیر بیٹھ کر رخصت ہو گیا۔ باقی لوگ بھی چلے گئے اور کمرے میں میں اور مغرلیس تنہا رہ گئے۔

"مجھے اس بات پر سخت حیرت ہے کہ تم نے پیدل اور بغیر کسی ہتھیار کے ان چار مسلح گھوڑ سواروں پر کس طرح قابو پایا کہ وہ تمہیں کوئی بھی نقصان پہنچائے بغیر بھاگ گئے۔ پر مجھے ہو گئے؟" مغرلیس نے تنہائی ہوتے ہی مجھ سے پوچھا۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ اتنے سوں کے آدمی تھے اور تمہیں بھی قتل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ لیکن وہ تمہارا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔ آخر کیوں؟ کیا تم تیز مسلح تھے؟"

"مجھے اس بات کا سخت افسوس ہے مغرلیس کہ تمہیں میری وجہ سے اس مصیبت کا شکار ہونا پڑا۔ اگر تم جانتے تو پھر زندگی بھر اس بات کا خیال رہتا۔ تمہیں زندہ دیکھ کر سب سے زیادہ خوشی تو مجھی کو ہوئی ہے۔" میں نے اس کے اصل سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"مگر یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔" مغرلیس نے کہا۔ "میں تو یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ لوگ بھاگے کیوں؟ کیا چار مسلح گھوڑ سوار ایک بے ہتھیار غیر مسلح شخص پر قابو پانے کے لیے کافی نہیں تھے؟ یہ بڑی عجیب صورت حال ہے۔"

"تم اس جگہ پر زیادہ مت بڑھو اور اپنے دماغ پر زور نہ ڈالو۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

میں وہاں سے اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس کے بعد میں باہر نکلا۔ چھوٹے بیٹا میں زیادہ تر مغرلیس کے پاس رہتا تھا اور اس کا دل بہلانے کا فرض تیری سے بھر دیا تھا۔ اب وہ تیزی سے چل پھر رہا تھا۔ مارینا لوس کا ایک لائق شاگرد اس کی مرہم پٹی کرنے آیا تھا۔ اس نے اور مغرلیس نے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ مقابلے کے وقت تک ہم لوگ زیادہ تر کلب کے اندر ہی رہیں گے تاکہ کوئی نئی افتاد نہ آ جائے۔ میں نے مغرلیس کو بتایا تھا کہ میں ہماری افتاد کا بڑی خوشی سے منتظر ہوں گا۔ مقابلے کے بعد اگر استاد نے مجھ پر جو اعتماد کیا ہے اور جو امید وہ رکھتا ہے وہ مجروح نہ ہوں۔

تب اگر تم کلب کی چار دیواری میں بند رہ کر کتا گیا تھا۔ لیکن میں اسے خود بتانی چاہتا ہے اپنے اوپر مسلط کر دہ سمجھ کر قابو رہا ہوں۔ بات جیسے ہے کہ جب انسان کو اپنی قوت پر بھروسہ ہو تو اسے یہ یقین حاصل ہو کہ وہ جب چاہے، جو چاہے کر سکتا ہے تو پھر اسے خود بہ خود چھوٹی موٹی پابندیاں لگانے میں بھی ایک خاص قسم کا مزہ آتا ہے۔ اور میں ان دنوں اسی مزے کے دور سے گزر رہا تھا۔ تم تینوں اور اس کے آدمی یقیناً میری نگرانی میں ہوں گے، وہ کلب کی حدود کے اندر گھس کر مجھ پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ اسکندریہ کا شہر ہے۔ یہاں شہر میں ہوتا تھا۔

ناتوم کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ ادھر جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق اشرام بھی پورے طور پر تیار تھا۔ میں جیسے جیسے مقابلے کے دن قریب آتا جا رہا تھا، جوش و خروش میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ لوگوں کو مجھے معلوم ہوا کہ سارا اسکندریہ اس مقابلے کا بے چینی سے منتظر ہے۔ اس ناتوم پر بڑی سخت محنت کر رہا تھا اور گھنٹوں اسے نئے نئے داؤ پیچ سکھاتا تھا۔ ناتوم خود بھی زور دست بازیاں کر رہا تھا۔ میرے ہاتھوں کھانے کے بعد اب اس کا غرور خاک میں مل گیا تھا اور وہ کافی

ہو گیا تھا۔

بالآخر مقابلے کا دن آن پہنچا۔ مقابلہ سہ پہر کے وقت ہونا تھا اور اس دن صبح سے ہی کلب میں بڑی گہما گہمی اور ہل چل تھی۔ استاد نے اپنے ہاتھ سے بعض خصوصی ادویات تیار کر کے ناتوم کو کھلائی تھیں۔ خاص طور سے تیار کردہ روغنوں سے اس کے جسم پر مالش کی گئی تھی۔ کئی کئی پہلوانوں نے اس کے بدن کو اچھی طرح ملا تھا۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود میں دیکھ رہا تھا کہ ناتوم کے چہرے پر وہ اطمینان اور اعتماد نہیں ہے جو اس وقت موجود تھا جب وہ مجھ سے مقابلے کے لیے آیا تھا۔

مقابلہ شہر کے وسط میں واقع اسٹیڈیم میں ہونا قرار پایا تھا۔ سورج جب پیڑ دے سے زیادہ سفر طے کر چکا تو ہمارا قافلہ رتھوں میں بیٹھ کر اسٹیڈیم کی طرف روانہ ہوا۔ عجیب منظر تھا۔ شہر کی آدھی سے زیادہ دکانیں بند تھیں اور بازاروں میں بہت کم چہل پہل تھی۔ شہر کے بیشتر لوگ پہلے ہی اسٹیڈیم میں پہنچ چکے تھے۔ شہر خالی لگ رہا تھا۔ جب ہم لوگوں کا قافلہ اسٹیڈیم پر پہنچا تو ہمیں دور تک انسان ہی انسان نظر آئے۔ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ پروفیسر کراٹنغر کے لوگ ان چیزوں کے بہت زیادہ شوقین تھے۔ آج سرسبز کلب اور طوفان کلب کے نامی گرامی پہلوانوں کے درمیان زور آزمائی ہونے والا تھا۔ ہم لوگ اندر جا کر مخصوص نشستوں پر بیٹھ گئے۔ میں، استاد، مغرلیس اور ناتوم ایک ساتھ تھے، اور ناتوم ہم لوگوں کے ساتھ تھا۔ ادھر سے تارس اور اس کے ساتھی اشرام کو لے کر آئے، اور تب میں نے پہلی مرتبہ اشرام کو دیکھا۔ اس کا جسم اگرچہ ناتوم کے مقابلے میں زیادہ بھاری نہیں تھا لیکن مجھے اس میں چستی اور مستعدی ناتوم سے زیادہ محسوس ہوئی۔ تاہم یہ کہنا مشکل تھا کیونکہ جسمانی اعتبار سے دونوں ایک دوسرے کے تقریباً ہم پلہ تھے۔ منصفوں کے فرائض انجام دینے کے لیے ایک باقاعدہ کمیٹی تشکیل دی گئی تھی جس میں ایسے تجربہ کار اور رسیدہ پہلوان شامل تھے جن کی تیز جانبداری کا دونوں فریقوں کو اعتراف تھا۔

بالآخر مقابلہ شروع ہونے کا وقت آ گیا۔ دونوں پہلوان اکھاڑے میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ گئے۔ اکھاڑے میں آنے سے پہلے استاد نے ناتوم کو چپکے چپکے کچھ آخری ہدایات دیں۔ ادھر تارس بھی اشرام کے کانوں میں کھسر پھسر کر رہا تھا۔ پھر دونوں پہلوانوں نے ایک دوسرے کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ پہلے ہلے میں اشرام ناتوم کو گھیرتا ہوا اکھاڑے کے دوسرے کنارے تک لے گیا۔ میں نے دیکھا کہ استاد کا چہرہ فق ہو گیا۔ سرسبز والوں کی جماعت کی جانب سے نعرہ بازیاں تھیں کا غلغلہ بلند ہوا۔ ان کے حمایتیوں نے تالیاں بجائیں۔ طوفان والے دم بخود بیٹھے تھے۔ لیکن یہ صرف چند لمحوں کی بات تھی۔ اس کے بعد ناتوم نے اشرام کو دھکیل کر اپنے سے دور کر دیا اور دونوں دوبارہ اکھاڑے کے وسط میں آ گئے۔ ناتوم نے پیش قدمی کر کے اشرام کی گردن کو بری طرح ہاتھوں میں جکڑ لیا۔ اشرام جیسے بے بس ہو کر رہ گیا۔ تالیاں بجانے اور نعرے لگانے کی طوفان والوں کی باری تھی۔

عرصہ کافی دیر تک مقابلہ جاری رہا۔ دونوں میں سے کوئی دوسرے کو مغلوب نہیں کر پا رہا تھا۔ دونوں کے جسم پسینے میں شرابور ہو کر چمکنے لگے تھے۔ دونوں ایک دوسرے پر مختلف داؤ آزما رہے تھے۔ اور پھر اچانک بالکل اچانک اشرام نے ایک داؤ لگا کر ناتوم کو چاروں شانے چت گرا دیا۔ اور خود اس کے سینے پر بیٹھ گیا۔ ناتوم نے اسے اپنے اوپر سے ہٹانے کی سر توڑ کوشش کی۔ لیکن اشرام کسی بھاری پتھر کی طرح اس کے سینے پر جم کر رہ گیا تھا۔ وہ ذرا دیر تک اسی طرح ناتوم کے سینے پر سوار رہا۔ میں نے استاد کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پر تاریکی پھیل رہی تھی۔ مغرلیس خاموش تھا۔ ارلون حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

منصفوں نے اشرام کو حکم دیا کہ وہ ناتوم کے سینے پر سے اتر آئے۔ کشتی کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اشرام جیت گیا تھا!

اسٹیڈیم میں جیسے غدر برپا ہو گیا۔ سرسبز کلب کے حمایتیوں نے اپنے پرجوش نعروں سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ تارس اور اس کے ساتھیوں کی مسرت کا ٹھکانہ نہ تھا۔ انہوں نے ایک طویل عرصے کے بعد یہ اعزاز حاصل کر لیا تھا۔ اشرام جھک جھک کر لوگوں سے داد وصول کر رہا تھا۔ ناتوم گردن جھکائے ہوئے استاد کے پاس واپس آ گیا تھا۔ آج مجھے وہ بالکل ٹوٹا ہوا نظر آ رہا تھا۔ مجھے اس سے دلی ہمدردی محسوس ہوئی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کامیابی نے سرسبز والوں کے دماغ بالکل ہی خراب کر دیئے۔ تارس نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ اگر طوفان والوں کے پاس کوئی اور پہلوان موجود ہے تو وہ بھی اشرام سے مقابلہ کر کے اپنی حسرت نکال لے۔ میں استاد کے پوچھے بغیر ہی خود کھڑا ہو گیا اور میں نے چلا کر تارس سے کہا کہ مجھے اس کا چیلنج قبول ہے۔

لیکن منصفین کی جماعت نے اس کی اجازت نہیں دی۔ انہوں نے اعتراض کیا کہ اشرام تھکا ہوا ہے اور ایک تازہ دم پہلوان سے اس کا فوری مقابلہ انصاف کے تقاضوں کے منافی ہو گا۔ بالآخر دونوں کلبوں کے سرپرستوں اور منصفین کی باہمی مشاورت یہ طے پایا کہ آج سے ٹھیک ایک ہفتے کے بعد اسی اسٹیڈیم میں اور اسی جگہ شہزور اور اشرام کا مقابلہ ہو گا۔ اس مقابلے کے اعلان کے بعد سے استاد کے مردہ چہرے پر زندگی کے کچھ آثار نظر آنے لگے۔ مجمع آہستہ آہستہ منتشر ہو رہا تھا۔ تارس اور اشرام نے خاص طور پر آ کر مجھ سے ملاقات کی۔ ان دونوں کا رویہ مہذب اور دوستانہ تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ لوگ رخصت ہو گئے۔ ہم لوگ بھی گھر واپس آ گئے۔ ناتوم ہمارے ساتھ نہیں آیا تھا۔ وہ نہ جانے کہاں نکل گیا تھا۔

میں اس صورت حال سے خاصا مطمئن تھا۔ مجھے یقین تھا کہ صرف ایک ہفتے کی بات اور ہے۔ اور اس کے بعد میں استاد کا قرض ادا کر چکا ہوں گا اور آزاد ہوں گا۔

تاروز سے اس دن کی ملاقات کے بعد پھر دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ البتہ اس کا معتمد غلام ایک دو دفعہ میری اور مغرلیس کی خیریت

aazzamm@yahoo.com

دریافت کرنے مزہ آیا تھا۔ اس کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ ارتیموس کو اپنے آدمیوں کی اس نسبت کی ناکامی کا بڑا افسوس تھا اور اس نے ان لوگوں کو ان کی بزدلی کی سخت سزا دی تھی۔ بہرحال ایک ہفتے کے بعد میں ارتیموس سے نمٹنے کے لیے بھی تیار تھا۔ بہت زمانے سے کوئی عورت میری زندگی میں داخل نہیں ہوئی تھی اور میں سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ تاورنہ کو لے کر یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں اور کچھ دن سکون کے ساتھ اس کی رفاقت میں گزاروں۔ سچ تو یہ ہے پروفیسر کہ ایتھنز کی یہ بے باک دل نشین رفاقت مجھے بے حد پسند آئی تھی اور میں نے اسے اپنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس دوران استاد نے مجھ پر بہت زور دیا کہ میں تھوڑی بہت تربیت حاصل کروں اور کم از کم صبح کے وقت تھوڑی بہت ورزش ضرور کر لیا کروں۔ لیکن میں ان چکروں میں نہیں پڑنا چاہتا تھا کیونکہ باہر سے میرے لیے ان باتوں کی بھلا کیا اہمیت ہو سکتی تھی؟ چنانچہ میں نے صاف انکار کر دیا اور استاد سے کہہ دیا کہ میں اشرم سے نمٹنے کے لیے بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں اور اسے یقین دلاتا ہوں کہ میں اسے شکست دے دوں گا لیکن استاد میری اس بات سے مطمئن نہیں تھا۔ بات یہ تھی کہ میں نے اپنے آپ کو ابھی تک ناقابل تسخیر ثابت نہیں کیا تھا۔ میں نے دوستانہ مقابلے میں سب سے پہلے مغریس کو شکست دی تھی۔ لیکن مغریس تاتوم کے ہاتھوں بھی پہلے شکست کھا چکا تھا اس لیے اس بات کی چنداں اہمیت نہیں تھی۔ اس کے بعد میں نے دوستانہ مقابلے میں تاتوم کو شکست دی۔ لیکن بعد میں تاتوم نے اشرم کے ہاتھوں بھی شکست کھائی۔ اس طرح مجھ سے ہارنے والے پہلوان دوسروں سے بھی ہار چکے تھے۔

استاد اب زیادہ تر وقت مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے ہی رکھتا تھا۔ اس نے مجھے باہر نکلنے کی سختی کے ساتھ ممانعت کر دی تھی۔ مبادا مجھ پر پھر کوئی حملہ کر دے۔ کلب کے وسیع احاطے میں ایک طرف بڑا سا باورچی خانہ تھا جس کا نگران جاسس نامی ایک رومن ہنرمند باورچی تھا۔ استاد آج کل اپنے جاسس کو خصوصی ہدایات دے کر میرے لیے طرح طرح کے مقوی اور صحت بخش کھانے تیار کروا رہا تھا۔ ان کھانوں پر بہت زیادہ لاگت آتی تھی اور یہ سب میرے لیے تیار کیے جاتے تھے۔ کوئی دوسرا ان میں حصہ نہیں بٹا سکتا تھا۔ میں نے استاد کو کئی بار منع کیا کہ مجھے ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں لیکن وہ نہیں مانا۔

رات کا وقت تھا اور میں اور مغریس کلب کے وسیع احاطے کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے آپس کی باتیں کر رہے تھے۔ مغریس مجھے اپنے بچپن کے حالات سنا رہا تھا کہ کس طرح اس کے باپ نے اس کی ماں کے مرنے کے بعد دوسری شادی کر لی۔ وہ وہ سوتیلی ماں کے بڑے سلوک سے دل برداشتہ ہو کر گھر سے بھاگ آیا اور ایتھنز کے ایک چھوٹے سے کلب میں پہلوانوں کی خدمت کرنے لگا۔ اور آہستہ آہستہ خود بھی ایک دن نامور پہلوان بن گیا۔

ہم لوگ بالکل تاریکی میں بیٹھے ہوئے تھے اور بہت آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ جہاں ہم بیٹھے ہوئے تھے وہاں سے باورچی خانہ زیادہ دور نہیں تھا۔ ہم درختوں کے اس جھنڈ کے نیچے سے جہاں ہم تقریباً چھپے بیٹھے تھے باورچی خانے کے کھلے دروازے سے مدھم روشنی میں جاسس کو اپنے کام میں مصروف دیکھ سکتے تھے۔ رات کا کھانا سب لوگ کھا چکے تھے اور اب کل کے کھانے کی تیاریوں میں لگا ہوا تھا۔

اچانک میں نے تاتوم کو محتاط انداز میں ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے باورچی خانے کی سمت بڑھتے دیکھا۔ اس نے دروازے پر پہنچ کر آہستہ سے جاسس کو آواز دی اور جاسس اسے دیکھتے ہی باورچی خانے سے باہر آ گیا۔ دونوں خاموشی سے چلتے ہوئے اندھیرے میں اسی سمت بڑھ رہے تھے جدھر میں اور مغریس بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم دونوں نے اپنی سانسیں تک روک لی تھیں۔

"یہ تو شیشہ!" تاتوم نے سرگوشی میں جاسس سے کہا۔ "بڑی مشکل سے میں اسے حاصل کر پایا ہوں۔ یہ ایسا زہر ہے جو انسان کو چند منٹ سے زیادہ کی مہلت نہیں دیتا۔ لیکن مرنے کے بعد تو اس کا جسم نیلا پڑ جاتا ہے اور اس پر کوئی ایسی علامات ظاہر ہوتی ہیں جن سے کوئی طبیب یہ سمجھ سکے کہ موت زہر کی خوراک کی وجہ سے ہوئی ہے۔ تمہارا کام اس لیے اور بھی آسان ہو جائے گا کہ شہزادہ کے لیے الگ کھانا پکایا جا رہا ہے جس میں سے کسی اور کو کھانے کی اجازت نہیں۔ بس کل یہ کام ہو جانا چاہیے۔" پھر اس نے اپنی جیب سے کوئی اور چیز نکالی جو یقیناً سونے کے سکے یا اسی قسم کی کوئی چیز تھی اور اسے جاسس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ "یہ کام مکمل ہو جانے کے بعد تمہیں اس سے کہیں زیادہ ملے گا۔ ارتیموس کوئی غریب آدمی نہیں ہے۔"

تو گویا یہ قصہ تھا۔ تاتوم بیک وقت میرے دشمن کا کردار بھی ادا کر رہا تھا اور ارتیموس کے ایجنٹ کا بھی۔ دونوں کا مفاد اسی میں تھا کہ مجھے کسی طرح ختم کر دیا جائے۔ ارتیموس کو تاورنہ اپنے ہاتھوں سے نکلتی نظر آ رہی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ مجھے پسند کرنے کے بعد تاورنہ کا ارتیموس کے ساتھ کیسا رویہ تھا۔ یقیناً اس کا رویہ حوصلہ شکن ہوگا۔ تبھی تو ارتیموس میری جان کا ناگو ہو گیا تھا۔ اس نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کروایا، لیکن ناکام رہا۔ اب تاتوم کو استعمال کر کے مجھے زہر دلوانا چاہتا تھا۔ اور وہ گویا تاتوم، تو وہ شکست خوردگی، انتقام جوئی اور حسد کی آگ میں جل رہا تھا۔ اس کے سیاہ جذبوں نے اسے اتنا اندھا کر دیا تھا کہ وہ خود اپنے کلب کی عزت کو مٹی میں ملانے پر تل گیا تھا۔ وہ ہر قیمت پر میرا خاتمہ کر دینا چاہتا تھا۔ کیونکہ اگر میں اس مقابلے میں اشرم کو شکست دے دیتا تو پھر اس کو اور زیادہ وقت کا سامنا کرنا پڑتا۔ یقیناً اس نے میری ہلاکت کے لیے ارتیموس سے بھاری رقم وصول کی ہوگی۔

تاتوم شیشی اور رقم جاسس کے حوالے کر کے وہاں سے چپکے سے کھسک گیا۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی ہم کو نہیں دیکھ سکا۔ جاسس دوبارہ باورچی خانے میں مصروف ہو گیا۔ اس دوران مغریس بالکل خاموش رہا تھا۔ ان دونوں کے

چلے جانے کے بعد اس نے مجھے اشارہ کیا اور ہم خاموشی سے درختوں کے جھنڈ کے نیچے سے نکل کر اوپر اپنے کمرے میں آ گئے۔

"ان میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تاتوم اس حد تک گر سکتا ہے۔" مغریس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑتے ہوئے کہا۔ "اس نے تو غداری اور فریب کاری کی انتہا کر دی ہے۔ وہ تو شکر ہے کہ یہ بات اتفاقاً ہم لوگوں کے علم میں آ گئی۔ ورنہ اس بدقسمتی نے تو تمہارا کام تمام کر ہی دیا تھا۔" میں دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔ مغریس بے چارے کو کیا معلوم کہ تاتوم جیسے کتنے سنگدلوں اور ہزاروں لوگوں نے مقام، حسد، نفرت اور لالچ کے جذبات سے مغلوب ہو کر مجھے زہر دینے کی کوششیں کی ہیں اور میں زہر کی اس ساری مقدار کو کتنے اطمینان سے اپنے پیٹ میں اتار چکا ہوں۔

"تم اس بات سے فکرمند مت ہو۔ مجھے ہلاک کر دینا اتنا آسان نہیں ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "اور ہاں، دیکھو کسی سے، استاد سے بھی اس بات کا ذکر نہ کرنا۔ کل کھانے کے وقت میں تمہیں ایک تماشہ دکھاؤں گا۔"

دوسرے دن دوپہر کے کھانے کے وقت میں، استاد، ارتیموس، مغریس سب ہی میز پر موجود تھے۔ میرے لیے الگ برتنوں میں مخصوص کھانا موجود تھا۔ تاتوم آج بڑے اچھے موڈ میں نظر آ رہا تھا اور مسکرا مسکرا کر استاد سے کہہ رہا تھا کہ اسے یقین ہے کہ شہزادہ اشرم کو ہرا کر کلب کی عزت بچا لے گا۔ مقابلے میں اب صرف تین دن باقی رہ گئے تھے۔ استاد اس بات پر محبت آمیز خفگی کا اظہار کر رہا تھا کہ میں اس کی بات نہیں مانتا، کام کرتا ہوں اور نہ اکھاڑے میں جا کر زور کرتا ہوں۔

سب کھانا میز پر لگا دیا گیا تو قبل اس کے کہ کوئی شروع کرتا میں نے استاد سے کہا۔ "ذرا جاسس کو بلوانا۔" استاد نے ایک ملازم کو حکم دیا اور وہ اسے بلا لائے۔

جاسس نے آتے ہی کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم روز اپنے ہاتھوں سے یہ جو مرغن اور عمدہ غذا تیار کرتے ہو آج میرے سامنے خود اس میں سے تھوڑا سا لے کر کھاؤ۔ تمہیں ان نعمتوں سے محروم نہیں رکھ سکتا کیونکہ تم اپنے ہاتھ سے انہیں تیار کرتے ہو۔"

اس کے علاوہ سب لوگ حیرت سے مجھے دیکھنے لگے۔ تاتوم مسکرا رہا تھا اور جاسس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔

"اے حکم کی تعمیل کرو۔" میں نے اچانک گرج کر جاسس سے کہا۔ "ورنہ تمہارا سر اڑا دوں گا۔"

"نہیں کیا ہو گیا ہے شہزادہ؟" استاد نے گھبرا کر کہا۔ "آخر بات کیا ہے؟"

"میں جاسس سے پوچھ رہا ہوں استاد۔" میں نے کہا۔ "اسے حکم دو کہ اس کھانے کو پہلے خود کھا لے۔"

"ابھی آیا۔" تاتوم نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر جانے لگا۔

"ٹھہرو تاتوم۔" میں نے کڑک کر اس سے کہا۔ "آج تمہارا حساب بھی بیباق ہونا ہے۔ تم اتنی آسانی سے یہاں سے نہیں جا سکتے۔" تاتوم ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔

اچانک جاسس میرے قدموں میں گر گیا۔ وہ بری طرح رونے لگا۔ "میں مجبور تھا۔ میں مجبور تھا۔ مجھے تاتوم نے بہت بڑی رقم کی پیشکش کی تھی۔ اگر میں اس کی بات نہ مانتا تو وہ مجھے بھی ہلاک کروا دیتا۔ اس نے مجھے اس کی دھمکی دی تھی۔"

"آخر قصہ کیا ہے؟" استاد نے دھاڑ کر کہا۔ تاتوم نے پھر باہر نکلنے کی کوشش کی لیکن میں نے لپک کر اسے گردن سے پکڑ لیا اور کرسی پر بٹھا دیا۔ "اگر تم یہاں سے چلے تو میں تمہارا بھرتہ بنا دوں گا۔" میں نے کہا۔

"قصہ یہ ہے استاد کہ اس کھانے میں زہر ملا ہوا ہے۔" میں نے کہا۔ "اگر تمہیں یقین نہ ہو تو تاتوم اور جاسس سے کہو کہ اس میں سے ایک ایک نوالہ کھا کر دکھائیں۔ ابھی پتہ چل جائے گا۔ تاتوم اپنی شکست کا انتقام لینے کے لیے مجھے ہلاک کر دینا چاہتا تھا اور اس نے جاسس کے ساتھ مل کر میرے کھانے میں زہر ملوا دیا ہے۔"

"کیا یہ سچ ہے تاتوم؟" استاد اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ تاتوم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی زبان گنگ ہو گئی تھی۔ اچانک استاد کا بوڑھا ہاتھ، جس میں اب بھی بہت طاقت تھی، پوری قوت کے ساتھ تاتوم کے منہ پر پڑا اور وہ کرسی سے گر پڑا۔ اس کے منہ سے خون جاری ہو گیا۔ "ذلیل غلام، تو نے میری مہمانوں اور ضیافت کا یہ صلہ دیا ہے۔ میں تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا احسان فراموش آستین کے سانپ۔" استاد نے گرے ہوئے تاتوم کی کمر پر ایک بھرپور لات جمائی اور وہ چیختا چلاتا چلا گیا۔

"اور تو ملک حرام کی اولاد۔" استاد نے جاسس کو گریبان سے پکڑتے ہوئے کہا۔ "تیری یہ مجال کہ جس تھالی میں کھائے اسی میں چھید کرے۔" جاسس استاد کے ایک جوان دار تھپڑ سے پھوٹ پھوٹ کر بچوں کی طرح رونے لگا۔ "جو سارا کھانا تجھے کھانا پڑے گا۔ ابھی اور اسی وقت۔" استاد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھانے کے برتنوں کی طرف گھسیٹتے ہوئے کہا۔ "میں تجھے کتے کی موت مرتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

جاسس نے آگے بڑھ کر استاد کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "میں کا قصور نہیں ہے استاد۔" اس نے استاد سے کہا۔ "یہ کہتے ہیں کہ تاتوم نے اسے جان سے مار دینے کی دھمکی دی تھی۔ اس لیے اپنی جان بچانے کے لیے ایسا کیا۔ اس لیے تم اس کی جان مت لو۔ بس اتنا کرو کہ اسے یہاں سے نکال دو۔"

میرے اور مغریس کے کھانے کھانے سے استاد جاسس اور تاتوم کی جان بخشی کرنے پر راضی ہو گیا۔ اور اس کا اصرار تھا کہ ابھی ان دونوں کو زندہ جلائے اور یہ زہریلا کھانا ان کی سازش کے ثبوت کے طور پر حاکم شہر کے پاس بھجوا دیا جائے۔ استاد نے جاسس کو معاف کر دیا تھا۔ لیکن وہ تاتوم کو کسی طرح

aazzamm@yahoo.com

مقابلہ کرنے پر تیار نہیں تھا کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ اگر وہ زندہ رہا تو آئندہ بھی جادے خلاف سازشیں کرے گا۔ لیکن ناتوم کینہ ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی بزدل بھی نکلا۔ وہ استاد کے قدموں میں گر پڑا اور گڑگڑا کر معافی مانگنے لگا۔ اس کے یہاں تک کہا کہ وہ آج ہی انتھز سے کہیں دور چلا جائے گا۔ اور کبھی زندگی بھر ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔

دل چسپ بات یہ تھی پروفیسر کہ اس سارے قصے میں ایمیوس اور تارونہ کا کوئی حوالہ تو ہم نے دیا اور نہ ہی ناتوم یا جاسس نے۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں ناتوم گھبراہٹ کے عالم میں یہ نہ کہہ دے کہ اسے ایمیوس نے میری طرف پر مامور کیا تھا۔ لیکن ناتوم بڑا چالاک اور مکار آدمی تھا۔ اس نے ایمیوس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ وہ اپنی مشکلات میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ناتوم اور جاسس کو فوراً سزا دیا گیا۔ استاد نے احتیاطاً جاسس کا پکایا ہوا سارا کھانا ضائع کروا دیا اور باہر سے کھانا منگوایا۔

مجھے انتھز میں آئے ہوئے ابھی ڈیڑھ ماہ اور چند دن کا عرصہ ہی گزرا تھا اور اس مختصر سی مدت میں مجھ پر دو مرتبہ قاتلانہ حملے ہو چکے تھے۔ استاد میری طرف سے بہت پریشان ہو گیا۔ میرے باہر نکلنے پر سختی سے پابندی کے علاوہ کلب کے اندر بھی خصوصی حفاظتی اقدامات کیے گئے۔ مسلح پہریداروں کی ایک جمعیت صدر دروازے پر متعین کر دی گئی۔ مغریس کو حکم دیا گیا کہ وہ ایک منٹ کے لیے بھی مجھے تنہا نہ چھوڑے۔ جاسس کی جگہ نیا باورچی مقرر کر دیا گیا تھا اور اس کے لیے یہ لازمی تھا کہ جب میرے لیے کھانا لگائے تو پہلے ہر برتن میں سے ایک ایک لقمہ خود کھائے۔ استاد ایک مرتبہ چوٹ کھا جانے کے بعد دوبارہ کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

چند ہی دنوں کے بعد میرے اور اشرام کے درمیان مقابلے کی گھڑی آ پہنچی۔ گزشتہ ہفتے کے دوران شہر بھر میں اس مقابلے کی خوب پبلسٹی کی گئی تھی اور اس بار لوگوں کی دلچسپی پہلے سے بھی زیادہ تھی۔ اشرام ناتوم کو ہرا چکا تھا اور انتھز کے لوگ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ ایک دیہاتی پہلوان کے ساتھ اس کے مقابلے کا کیا انجام ہوتا ہے۔

اس دن اسٹیڈیم پہلے سے بھی زیادہ بھرا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا شہر اس مقابلے کو دیکھنے کے لیے امڈ پڑا ہے۔ مغریس نے مجھے بتایا کہ شہر کے اعلیٰ حکام، امراء و رؤسا کی بھی ایک بڑی تعداد اسٹیڈیم میں موجود ہے۔ اور پھر اچانک میری نظر ہمنوا پر پڑی۔ وہ بھی مقابلہ دیکھنے والوں میں موجود تھا۔ تارونہ اس کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی اور بے حد حسین لگ رہی تھی۔ ہم دونوں کی نظریں ایک لمحے کے لیے چار ہوئیں اور اس لمحے کے دوران کی آنکھوں نے سب کچھ کہہ دیا اور میں نے سب کچھ سمجھ لیا۔ اس کی آنکھوں میں محبت کا طوفان امڈا ہوا تھا۔ وہ مسلسل کنکھیوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

مقابلے کے آغاز کا وقت آ گیا۔ اشرام نرسی شیر کی طرح سینہ نکالے ہوئے اکھاڑے میں اترا۔ وہ بار بار اپنے بازوؤں کی مچھلیوں پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ اس کا قد ناتوم سے بھی ایک آدھ انچ اونچا ہی تھا۔ جسم بھی کسی طرح ناتوم سے کم نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں اس کے مقابلے میں بالکل سبک، بلکہ پھلکا اور کم تر نظر آ رہا تھا۔ سوائے اس کے کہ میرا جسم بے حد خوبصورت اور سڈول تھا۔ جب ہم دونوں اکھاڑے میں اترے تو چاروں طرف گہرا سناٹا طاری ہو گیا۔

ناتوم کے ساتھ میرا مقابلہ طوفان کلب کے اندر ہوا تھا اور اسے دیکھنے والوں کی تعداد کم تھی۔ لیکن آج کا مقابلہ ایک چیلنج مقابلہ تھا جو شہر کے وسط میں واقع کھلے اسٹیڈیم میں منعقد ہو رہا تھا اور جسے دیکھنے کے سارا شہر ٹوٹ پڑا تھا۔ چنانچہ میں تماشائیوں کو زیادہ سے زیادہ محظوظ ہونے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ میں نے طے کیا کہ میں اس مقابلے کو ایک دل چسپ شکل اختیار کرنے دوں گا۔ تاکہ تماشائی اچھی طرح لطف اندوز ہو سکیں۔

حسب توقع اشرام نے حملہ کرنے میں پہل کی۔ وہ شیر کی طرح دہاڑتا ہوا میری طرف لپکا۔ لیکن میں تیزی سے ایک طرف کو سرک گیا۔ اشرام کے بھی ہوشیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود کو گرنے سے محفوظ رکھا اور میں اس سے دور کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اشرام دوبارہ گرجتا ہوا میری طرف جھپٹا۔ میں اس بار بھی اسے جھکائی دے گیا۔ اس طرح میں اسے تھوڑی دیر تک دوڑاتا رہا۔ تماشائی بار بار تالیاں بجا رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ میں اس طرح اشرام کو تھکا دوں گا۔ میں نے ایک نظر استاد کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار تھے۔ شاید میری اس حرکت کو کمزوری پر محمول کر رہا تھا۔ چنانچہ اس دفعہ جب اشرام آندھی کی طرح میری طرف بڑھا تو میں اپنی جگہ سے صرف اتنا پیچھے ہٹا کہ کہیں اس زوردار تصادم سے اشرام کے بدن کی ہڈیاں نہ ٹوٹ جائیں۔ قبل اس کے کہ اشرام مجھ سے ٹکراتا، میں نے پیچھے ہٹتے ہوئے اپنے ایک ہاتھ سے اس کے داہنے ہاتھ کی کلائی پکڑ لی۔ اشرام نے زور سے جھٹکا دینے کی کوشش کی لیکن میرا ہاتھ جیسے فولاد کا بنا ہوا تھا۔ اس نے بہتا ہاتھ چھڑانے کے لیے بہت زور لگایا لیکن وہ ناکام رہا۔ تنگ آ کر اس نے اپنے خالی ہاتھ سے میری کلائی پر زور دے مارا اور زور سے ہنہنایا۔ پھر اس نے بے تحاشہ مجھے لاتیں مارنی شروع کر دیں۔ کچھ لوگ ہنس رہے تھے، کچھ شور مچا رہے تھے، کچھ حیرت سے منہ پھاڑے یہ عجیب و غریب مقابلہ دیکھ رہے تھے۔ جس میں ایک کمزور سا دبلا پتلا اور قوی الجثہ پہلوان بچوں کی طرح لاتیں چلا رہا تھا۔ اشرام نے بھی کافی دیر سے اچھل کر میرے پیٹ پر لات ماری اور ایک بار پھر وہ زور سے کراہ اٹھا۔ اس کی چیخ کافی دور تک سنی گئی۔ میں نے مجمع کی طرف دیکھا۔ استاد کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے گہری ناراضگی کا اظہار ہو رہا تھا۔ میرے کانوں میں دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ سرسبز والوں کی جیت میں خاموشی طاری تھی۔

پھر میں نے اچانک اشرام کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ بھاگتا ہوا پیچھے چلا

[illegible] حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ اس بار وہ آگے آیا تو میں نے [illegible] پنڈلی پکڑ لی اور اسے اوپر اٹھا لیا۔ اس طرح اس کی ایک ٹانگ [illegible] بدن کا سارا بوجھ دوسری ٹانگ پر آ گیا۔ میں نے اسے گرنے [illegible] بازوؤں سے کمر روک لیا۔ اس کے دونوں ہاتھ آزاد تھے۔ اس نے [illegible] میری گرفت سے چھڑانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ دونوں ہاتھ [illegible] میں ڈال دیے اور کمر کر میرا گلا دبانے کی کوشش کی۔ وہ بہت [illegible] زور لگا رہا تھا۔ لیکن میرے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ [illegible] اپنے خالی ہاتھ سے اس کے کان پر ایک ہلکی سی چپت لگائی۔ [illegible] بہت سے لوگ قہقہے لگانے لگے۔ اب میں نے اشرام کی پنڈلی کو [illegible] اکھاڑے میں چلنا شروع کر دیا۔ اشرام مجبور تھا کہ وہ ایک [illegible] ہوا میرے ساتھ ساتھ چلے کیونکہ اس کی پنڈلی میرے ایک [illegible] گرفت سے کسی طرح آزاد نہیں ہو پا رہی تھی اور تب اکھاڑے [illegible] دل چسپ، اس قدر مضحکہ خیز اور عجیب و غریب منظر لوگوں [illegible] کے سامنے تھا کہ اہل انتھز نے اپنی زندگی میں ایسا منظر نہیں دیکھا [illegible] دونوں ٹانگوں پر چل رہا تھا اور اشرام اپنی ایک ٹانگ پر میرے [illegible] ساتھ رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے مجھے بری طرح مار رہا تھا [illegible] کا گوشت نوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اپنے سر سے مجھے ٹکریں [illegible] میں میرے ساتھ ساتھ چلنے پر مجبور تھا کیونکہ اس کی حرکت [illegible] کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اچانک مجمع میں ہر طرف سے قہقہے پھوٹنے [illegible] دیکھتے ہی دیکھتے سارا اسٹیڈیم زعفران زار بن گیا۔ تالیوں کی گونج نے [illegible] سنبھالا لیا۔ اشرام کی جھنجلاہٹ اور جھلاہٹ اس حد تک بڑھ [illegible] بے قابو ہو کر میرے بازو پر کاٹنے کی کوشش کی۔

[illegible] نے ایک نظر اپنے اطراف پر ڈالی۔ تارونہ خوشی سے دیوانی ہو کر [illegible] رہی تھی۔ اور آنسوؤں اپنی بھنویں سکیڑے حیرت سے یہ منظر [illegible] تارس اور اس کے ساتھی ہمہ تن حس و حرکت بیٹھے [illegible] معززین اور اراکین اچھل اچھل کر تالیاں بجا رہے تھے۔ استاد [illegible] نظروں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ میں نے اشرام کو [illegible] [illegible] چکر لگوائے اور پھر اس کی ٹانگ چھوڑ دی۔ ٹانگ کے آزاد [illegible] اشرام پھر پیچھے کی طرف بھاگا۔ لیکن اس مرتبہ اس نے حملہ کرنے [illegible] نہیں کی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اس کی ہمت ٹوٹ گئی ہے۔ میں [illegible] تماشے کو جلد ہی ختم کر دینا چاہتا تھا کیونکہ میں نے اہل انتھز [illegible] کے لیے کافی دیر تک اپنے آپ کو مصروف رکھا تھا۔

[illegible] بار اشرام بہت محتاط طریقے سے میری جانب بڑھا اور میں [illegible] لیکن اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ میرے قریب آنے [illegible] سمجھ سکا تھا۔ چنانچہ میں نے خود پیش قدمی کر کے اسے گرفت میں پکڑ لیا [illegible] ہاتھوں سے تھام کر سر سے اونچا اٹھا لیا۔ تماشہ کا وہ حصہ جیسے [illegible] ہو گئی۔ لوگوں کے نعرہ ہائے تحسین نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ بہت سے لوگ اپنی نشستوں پر اچھل اچھل کر داد دینے لگے۔ اشرام نے اس بار کوئی جدوجہد نہیں کی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے اپنے آپ کو مقدر کے حوالے کر دیا ہے۔ اسے اپنی شکست تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے اسے بڑے اکھاڑے میں کئی چکر دیے اور پھر آہستہ سے اتار کر نیچے کھڑا کر لیا۔ اس کی گردن جھک گئی۔ اس نے اب پھر حملہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ مقابلے کا فیصلہ ہو چکا تھا!

استاد کی آنکھوں سے خوشی کے مارے آنسو رواں تھے۔ اس نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا اور خون کی طرح پیار کرنے لگا۔ طوفان والوں کی مسرتوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ صرف ایک ہفتے تک اپنے اعزاز سے محروم رہے تھے اور پھر میری بدولت یہ اعزاز انہیں دوبارہ حاصل ہو گیا تھا۔ سرسبز والوں میں صرف ماتم ہو رہا تھا۔ وہ اس اعلیٰ اعزاز کو محض ایک ہفتے تک ہی اپنے پاس رکھ سکے تھے۔ ایک خاص بات یہ تھی کہ اس مجمع میں مجھے ناتوم کہیں نظر نہیں آیا۔ میرے لیے یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ وہ حسب وعدہ انتھز چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا ہے۔ کیونکہ میں اس کی مکارانہ فطرت کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ ایمیوس کی مدد سے انتھز میں ہی کہیں روپوش ہو گیا ہے اور موقع ملتے ہی پھر مجھے نقصان پہنچانے کی متعدد کوشش کرے گا۔ اور اب تو میں نے اشرام سے مقابلہ بھی جیت لیا تھا۔ ناتوم تو حسد اور غصے کی آگ میں جل کر بھسم ہو رہا ہوگا۔

اشرام کے ساتھ مقابلہ جیتنے کے بعد مجھے انتھز کی زندگی کا ایک نیا رخ دیکھنے کا موقع ملا۔ جس سے میں اب تک ناواقف تھا۔ کئی راتوں تک مجھے کسی نہ کسی امیر و وزیر یا اعلیٰ سرکاری افسر کے گھر ہونے والی پرتکلف دعوت میں مدعو کیا جاتا رہا۔ انتھز کے سب سے بڑے اور نادر تفریح پہلوان کی میزبانی ایک اعزاز کی بات سمجھی جاتی تھی۔ اور میں نے ان دعوتوں میں کیا کچھ نہیں دیکھا۔ پانی کی طرح بہتی ہوئی شراب، مرغن اور لذیذ کھانوں کے انبار، موسیقی کی تیز اور مدھر دھنیں، ناچتے مجاریاں، بے باکیاں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انتھز کے ہفتہ بھر کی عیاشی کے علاوہ اور کچھ باقی نہیں رہ گیا ہے۔ ہر طرف نفس کا دور دورہ تھا۔

انتھز کی شبینہ زندگی کا اپنا ایک روپ تھا اور مجھے متواتر کئی راتوں تک یہ روپ دیکھنے کا موقع ملا۔ میرے لیے بدن تمام لوگوں کے لیے اور خاص طور سے عورتوں کے لیے سخت حیرت اور دل چسپی کا باعث بنا ہوا تھا۔ میری بے پناہ قوت کی دھوم پورے شہر میں مچی ہوئی تھی۔ اہل انتھز نے اس وقت تک ایسا مظاہرہ نہیں دیکھا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ میں نے اکھاڑے میں اشرام کے ساتھ میرے سے کوئی مقابلہ ہی نہیں کیا ہے، بلکہ محض چوہے بلی کا کھیل کھیلا ہے اور جب میرا دل اس کھیل سے بھر گیا تو میں نے اسے پٹخ دیا۔ کثیر لوگ مجھ سے یہ دریافت کرتے تھے کہ میں کون کون سی ورزشیں کرتا ہوں، کون کون سی غذائیں استعمال کرتا ہوں۔ بعض لوگوں نے تو میرے سامنے ہی اپنے اس خیال کا اظہار کیا کہ مجھے کسی

aazzamm@yahoo.com

خاص ایسی جڑی بوٹی کا علم ہے جو جسم کو بے پناہ توانائی بخشتی ہے اور میں اس کے بارے میں کسی کو بتانا نہیں چاہتا۔ بعض کا خیال تھا کہ کچھ پر کسی دیوی یا دیوتا کی نظر کرم ہے۔ غرضیکہ لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے جن میں سے زیادہ تر کے جواب میں مسکرا کر خاموش ہو جاتا۔ اہل اتھنز نے ابھی تک میری قوت کے بہت ہی معمولی اور بوتی سے مظاہرے دیکھے تھے اور ابھی تو انہیں بہت کچھ دیکھنا باقی تھا۔ جس کا اس وقت تک مجھے خود بھی علم نہیں تھا۔

اسی دوران مجھے تارونہ کا پیغام ملا کہ وہ میری منتظر ہے۔ میں نے جواب میں کہلوا دیا کہ میں جلد ہی اس سے ملوں گا۔

تقریباً ایک ہفتے تک میخانوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ میں استاد کو اپنے اور تارونہ کے بارے میں سب کچھ بتا دوں اور اس سے کب چھوٹنے کی اجازت لے لوں۔ میں نے اس کی عزت کو محفوظ کر کے اپنا کام ختم کر دیا تھا۔ تارونہ میری منتظر تھی اور میں بھی اس کے لیے بے چین تھا۔ چنانچہ میں اس رات کو مغربیوں کو ساتھ لے کر استاد کے پاس پہنچا اور اسے طعام خانے میں تارونہ اور تینوس سے ملاقات کے واقعے سے لے کر اب تک کی ساری باتیں پوری تفصیل سے بتا دیں۔ میں نے اسے یہ بھی بتا دیا کہ میں تارونہ کو اپنانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ چاہے اس کے لیے مجھے تینوس تو کیا پورے اتھنز سے ہی کیوں نہ ٹکرانا پڑے۔ میں نے اسے اس معاملے میں ماتوم کے کردار سے بھی آگاہ کر دیا۔ میں نے استاد سے کہا کہ اب وہ مجھے اپنے قلب سے جانے کی اجازت دے دے کیونکہ میں تارونہ کے حصول کی جنگ تنہا لڑنا چاہتا تھا اور اس کے لیے کوئی مشکلات پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا۔

استاد بڑے غور سے میری باتیں سنتا رہا۔ تو تو بڑا ہی بدحواس نکلا! اس نے میری پریشان ہونے کی بھلائی کتنا اچھا انداز میں میرے سر پر ہاتھ رکھ کر ہمدردی کی جیت دیتے ہوئے کہا۔ میرے بچے تو نے یہ کیوں سمجھ لیا کہ تو اس معاملے میں تیری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ تو مجھے اس سے پہلے بھی یہ بتا چکا ہے کہ تینوس گورنر کا بھائی ہے تو بھولتا ہے میری بھی شہنشاہ سے قریبی رشتہ داری ہے۔ اور پھر اس معاملے کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ تارونہ اور تینوس کی شادی نہیں ہوئی۔ وہ محض اس کی منگیتر ہے جسے وہ برباد کر چکا ہے۔ اگر تارونہ مجھے پسند کرتی ہے اور اس بات تک کہ میں نے تینوس کی کوئی کوئی ساری ذمہ داریاں کر لے تو پھر کوئی قانونی طور پر تینوس کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ تارونہ کو مجبور کرے۔ اتھنز کا قانون تارونہ کو تینوس سے بچا سکتا ہے۔ اب رہا تیرا سوال کہ تارونہ کو اپنانے کے لیے تینوس سے ٹکرانا پڑے گا تو میں تیرے ساتھ ہوں۔ میں تینوس کو سمجھا دوں گا کہ وہ تارونہ کو مجبور نہ کرے۔ اگر وہ نہ مانا تو میں اس کے خلاف شہنشاہ سے فریاد کروں گا۔ اور اگر وہ پھر بھی نہ مانا تو میں اس کے خلاف اعلان جنگ کر دوں گا۔ تو اس کی فکر نہ کر۔ میں تیرے ساتھ ہوں۔

"میں کسی سے بھی مقابلے کے لیے تیار ہوں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

"اچھا تو ذرا صبر کر۔ پہلے سے کوئی فساد مت کھڑا کر۔ میں کل تینوس سے خود اس معاملے کے بارے میں بات کروں گا۔ اگر کوئی حل نہ نکلا تو میں گورنر کے پاس جاؤں گا۔ جو میری بڑی عزت کرتا ہے اور میری بات تو وہ سنے گا۔ اگر گورنر اس معاملے کو انصاف کے تقاضوں کے مطابق طے کرنے میں ناکام رہا تو پھر میں شہنشاہ کی خدمت میں حاضری دوں گا۔"

استاد اتنا کہہ کر اٹھ گیا۔ اسے اس اہم معاملے میں مجھے تنہا چھوڑ دینے کا مشورہ دے کر۔

"بہت بہت شکریہ استاد۔" میں نے ممنونیت کے ساتھ اس کے ساتھ جواب دیا۔ "میں بھی تیرے بغیر اپنی جنگ تنہا لڑنا چاہتا ہوں۔ اور دوسروں کو اپنی خاطر کسی پریشانی میں ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ اب تو یہی کہوں گا کہ تم مجھے تنہا اس معاملے سے نمٹ لینے دو۔"

"ہرگز نہیں۔" استاد نے سختی کے ساتھ جواب دیا۔ "تو میرا بیٹا ہے۔ ایک ہے۔ تو ہماری عزت ہے۔ تو ہمارا وقار ہے۔ بھلا ہم تجھے تنہا کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ لیکن ایک بات یہ بتا کہ کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ تارونہ اب تینوس کی منگیتر ہے اور اگر میں اس بارے میں پوچھا جائے تو میں کیا جواب تیرے حسب منشا ہوگا؟"

"میرا خیال ہے استاد کہ تم خود بھی اس سے مل کر اس کے حالات اور اس فیصلے کے بارے میں معلوم کر لو۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" استاد نے جواب دیا۔ "کل میں پہلے تارونہ سے ملوں گا پھر تینوس سے۔ پھر گورنر سے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ تو خوف زدہ ہوئے بغیر یہ معاملہ طے ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

دوسرے دن استاد نے تارونہ سے ملاقات کر کے اس سے میرے تمام باتوں کی تصدیق کر لی۔ اس کے بعد وہ تینوس سے ملنے چلا گیا۔ کئی گھنٹے کے بعد جب استاد واپس آیا تو چہرے سے وہ خوش نظر آ رہا تھا۔ میں نے سمجھ لیا کہ شاید تینوس نے اسے اپنی بات سنا دی ہے۔

استاد نے مجھے بتایا کہ اس نے تینوس سے تفصیلی ملاقات کی ہے۔ تینوس نے بتایا کہ اسے اس بات کا علم ہے کہ تارونہ اور تینوس کی شادی نہیں ہوئی۔ تینوس نے تارونہ کو اس سے علیحدہ ہو جانا چاہا تھا۔ تینوس نے تارونہ کو اپنے وقار کا مسئلہ بنا لیا ہے۔ وہ اس کا کہنا ہے کہ اس سے صرف نکاح کے بل پر ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اسے تارونہ کی کوئی قسم کی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تینوس اس بات سے لاعلم ہے کہ تارونہ نے میرے ساتھ قانونی عمل کیا تھا۔ لیکن اس کا کہنا ہے کہ ماتوم کی منصوبہ بندی تارونہ نے کی تھی اور اس کے عوض تینوس سے جان

بچانی تھی۔ لیکن اب تینوس کھلم کھلا مقابلے کی بات کرتا ہے۔

"پھر تو پریشانی کی کوئی بات نہیں رہ جاتی استاد۔" میں نے جوش میں بھر کر کہا۔ "تو تینوس ہی اس کا فیصلہ کرے گی۔"

"تم نہیں سمجھتے شہزادے۔" استاد نے فکرمندی کے ساتھ کہا۔ "میں نے تینوس کے سامنے جسمانی زور آزمائی کے مقابلے کی تجویز رکھی تھی، جسے اس نے فوراً مسترد کر دیا۔ کیونکہ وہ تمہاری جسمانی قوت کا اندازہ کر چکا ہے۔ اس نے میرے سامنے تلوار شمشیر زنی کے مقابلے کی تجویز رکھی ہے۔ کیونکہ اتھنز تو کیا یونان بھر میں دور دور تک اس کے پائے کا کوئی شمشیر زن موجود نہیں ہے۔ اس کی تلوار کی کاٹ سے سدھ مقابل کو پناہ ملنی مشکل ہے۔ میں نے بہت اصرار کیا کہ وہ رقم واپس لے کر تارونہ کو چھوڑ دے۔ میں نے اسے دوگنی رقم تک کی پیشکش کی جس کے جواب میں اس نے کہا کہ وہ چوگنی رقم دینے کے لیے تیار ہے اگر تارونہ کا خیال چھوڑ دے۔ بہرحال ہم دونوں نے دوستانہ ماحول میں گفتگو کی اور آخری فیصلے کے لیے اس کے بھائی گورنر کے پاس گئے۔ میں نے ساری بات سننے کے بعد یہی کہا کہ اگر تینوس رقم واپس لینا نہیں چاہتا اور اس نے اپنے وقار کا مسئلہ بنایا ہے تو پھر اس معاملے کا تصفیہ شمشیر زنی کے مقابلے میں ہونا چاہیے۔ اور وہ بالکل انداز صرف یہ ہو سکتا ہے کہ تینوس کی خواہش کے مطابق اس سے مقابلہ کرے اور اپنی رقم واپس لے کر کے تارونہ کو جیت لے۔ میں نے زور آزمائی کے مقابلے کی تجویز رکھی تھی۔ اس لیے تینوس نے شمشیر زنی کا انتخاب کیا۔ میں اس معاملے میں مجبور تھا۔ کیونکہ اب کا حق تینوس کو حاصل تھا۔ تینوس تلوار کے ساتھ جان لیوا کھیل کو خوفناک مقابلے کی شکل دینا چاہتا تھا۔ تینوس کا مطلب یہ ہے کہ تجھے قتل کر دے اور فریق کو قتل کر دینے کا حق رکھتا ہے۔ تو اسے قتل بھی کر سکتا ہے لیکن گورنر نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ یہ زخمی ہو جانے والا شخص شکست خوردہ تصور کیا جائے گا۔ لیکن قتل نہیں کیا جائے گا۔ استاد اتنا کہنے کے بعد رک گیا۔

"میں شمشیر زنی کے مقابلے کے لیے بالکل تیار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "یہ بات اتنی آسان نہیں ہے شہزادے۔" استاد نے سوچتے ہوئے کہا۔ "تلوار کے بنے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شکتیں کی جاتی ہیں۔ طاقت کا سمندر موجزن ہے لیکن شمشیر زنی ایک بالکل الگ فن ہے۔ جسمانی طاقت سے اتنا زیادہ نہیں ہوتا۔ جتنا مہارت اور چابکدستی سے۔ یہ ضروری نہیں کہ ایک کامیاب پہلوان ایک کامیاب شمشیر زن ہو۔ معمولی سی چوک ایک ذرا سی غلطی اس کی گردن اڑا سکتی ہے۔ معلوم تم نے کبھی تلوار چلائی ہے یا نہیں۔ اس لیے میں نے اچھا خاصا آخری جواب نہیں دیا ہے۔ بہرحال اس نے تمہارے نام اپنا چیلنج دیا ہے اور بہادروں کی طرح اس مقابلے کی دعوت دی ہے۔ اس کا جواب دینا ہے۔ ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ میں مقابلے کی تاریخ کو کچھ دنوں اور اس عرصے میں تمہیں رات دن شمشیر زنی کی مشق کرا دوں تاکہ تم کچھ نہ کچھ تو اس کے مقابلے میں ٹھہر سکو۔"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے استاد۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "تم کل ہی اسے اطلاع دے دو کہ میں نے اس کے چیلنج کو قبول کر لیا ہے اور وہ جب چاہے اپنے دل کی حسرت نکال لے۔ میں اب زیادہ عرصے تک تارونہ سے دشمنی نہیں رہنا چاہتا۔"

استاد نے مجھے بہت سمجھایا کہ میں جلد بازی سے کام نہ لوں اور اس کے بارے میں اچھی طرح سوچ لوں لیکن میں اپنی بات پر اڑ گیا اور میں نے اسے دوسرے دن زبردستی تینوس کے پاس بھیج دیا۔ استاد نے واپس آ کر بتایا کہ مقابلے کی تاریخ آج سے ٹھیک دس دن بعد کی طے ہوئی ہے اور مقابلہ خفیہ طور پر گورنر کے گھر میں منعقد ہوگا۔ اس کے بارے میں کسی کو بھی اطلاع نہیں دی جائے گی کیونکہ گورنر اور تینوس دونوں یہ نہیں چاہتے کہ اس معاملے کی تشہیر ہو اور ایک رقاصہ کے سلسلے میں ان کی ذات لوگوں کے درمیان بحث کا موضوع بنے۔ اگر میں نے تینوس کو شکست دے دی تو وہ ایک بہادر اور معزز آدمی کی طرح تارونہ سے دستبردار ہو جائے گا اور کوئی رقم طلب نہیں کرے گا۔ اور اگر اس نے مجھے مغلوب کر لیا تو مجھے بھی ایک بہادر اور قول کے پکے آدمی کی طرح تارونہ کا خیال دل سے نکال دینا پڑے گا۔ اور اگر تارونہ خود بھی میرے پاس آنا چاہے تو مجھے اس کو ایسا کرنے سے روک دینا ہوگا۔ استاد نے مجھے بتایا کہ اس نے یہ ساری باتیں طے کر لی ہیں۔

اس دوران ایک بار تارونہ سے بھی ملاقات ہوگئی۔ وہ اپنے خیمے میں بیٹھ کر کلب میں مجھ سے ملنے آئی اور اس نے بتایا کہ وہ رات دن دیوتا اس سے دعائیں کرتی رہی ہے کہ مجھے اس مقابلے میں فتح حاصل ہو۔ تینوس نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ ایک ہی وار میں مجھ جیسے دہقانی کا سر کاٹ کر پھینک سکتا ہے۔ تارونہ کافی فکرمند نظر آ رہی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر میں اس مقابلے میں ہار گیا تو پھر وہ زندہ نہیں رہ سکے گی کیونکہ ایک مرتبہ پھر تینوس کو چھوڑنے کے بعد اب اسے حاصل کیے بغیر اس کی زندگی بیکار تھی۔ تارونہ نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم دونوں کسی کی نظروں میں آئے بغیر نامعلوم جگہ پر چلے جائیں۔ لیکن میں نے اسے سمجھایا کہ وہ بزدلی اور بے وفائی کی بات نہ کرے۔ میں مقابلہ جیت جاؤں گا۔ میری پرعزم اور پرتیقن باتوں نے اس کی ڈھارس بندھائی۔

اس دن کی مدت دیکھتے ہی دیکھتے گزر گئی۔ ہمارے کلب میں سب سے

aazzamm@yahoo.com

استاد کے لو غریس کے علاوہ کسی اور کو اس خطیر مقابلے کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ گورنر سے استاد کو مجھ کے ساتھ ہدایت کی تھی کہ کسی سے اس بات کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ استاد میری شمشیر زنی سے بالکل مطمئن نہیں تھا اور آخری دن اس نے مجھ سے کہا: "اگر تو اس مقابلے میں جیت گیا تو میں اسے دیوتاؤں کی طرف سے ظاہر ہونے والا ایک معجزہ ہی سمجھوں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ارکیوس جیسے شخص کے مقابلے میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر تو ہار گیا اور تارودنہ تجھے نہ مل سکی تو تجھے مردوں کی طرح اپنے دل پر تھام بنا ہوگا اور تارودنہ کا خیال ہمیشہ کے لیے دل سے نکال دینا ہوگا۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا اور استاد دوسرے میری شکل دیکھنے لگا۔

میں اور استاد خاموشی سے کلب سے روانہ ہوئے۔ لو غریس ہمارے ساتھ نہیں تھا کیونکہ گورنر کی ہدایت کے مطابق صرف ہم دونوں کو ہی آنا تھا۔ چلتے وقت لو غریس نے بتایا کہ وہ بڑے سفر میں جا رہا ہے جہاں وہ میرے لیے دعائیں کرے گا۔

گورنر کا مکان ایک نہایت عالی شان محل تھا لیکن میں اس قسم کے نہ جانے کتنے محل دیکھ چکا تھا اس لیے میں ذرا بھی متاثر نہ ہوا۔ ہم باوردی محافظوں کی معیت میں مسلسل کمروں سے گزرتے رہے۔ نہ جانے کتنے کمروں سے گزر کر ہم ایک اندرونی کمرے میں پہنچے جس کی دیواروں پر سینکڑوں طرح کی تلواریں اور خنجر سجے ہوئے تھے۔ صندوق اور صوفے اور قیمتی کرسیوں پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک ارکیوس تھا اور دوسرا یقیناً اس کا بھائی گورنر۔

دونوں آدمیوں نے کھڑے ہو کر استاد کا استقبال کیا۔ ارکیوس نے مجھ سے بھی مسکرا کر ہاتھ ملایا۔ میں اندازہ کر سکتا تھا کہ ہمارا مقابلہ دیکھ کر بہت محظوظ ہوا تھا۔ اس نے کہا: "اس کا مقدر خراب دوست تھا۔"

"شکریہ معزز ارکیوس۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا یہ وہ بہادر ہے جس نے سرکیوس کلب والوں کے شہرہ آفاق پہلوان انتیوس کو کاٹ دیا تھا؟" گورنر نے مجھے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں جناب عالی۔" استاد نے سر ہلایا اور میری طرف دیکھا۔ میں نے جھک کر گورنر کو تعظیم دی۔

"صرف یہ ہی نہیں جناب۔" گورنر نے خوشامد سے کہا۔

"یہ اس کے قریب آنے والے ہر شخص کو کاٹ دیتا ہے۔" گورنر نے مجھ سے کہا۔ "تمہاری آنکھیں کہہ رہی ہیں۔ مجھے دیکھ کر اور کہنے لگا کہ تمہاری جلد کی رنگت سنہری ہے اور بال بھی سنہرے ہیں۔ تمہارا جسم لگ رہا ہے کسی عقاب کا نہیں دیکھا۔ تم واقعی حیرت انگیز ہو۔ تمہاری بہادری کی داستانیں سنتے رہے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب معزز اسکندر نے مجھے بتایا کہ آج اس کے معمول کے خوابوں کو جو اس وقت میرے بھائی معزز ارکیوس کے ساتھ وابستہ ہے تو میں نے یہی مناسب سمجھا کہ اس معاملے کا تصفیہ بہادروں کی طرح کیا جائے۔ میں اور میرا بھائی دونوں بہادروں کی قدر کرتے ہیں۔ اگر تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو میں قسم کی جسارت کرتا تو میں اس شخص کا پتہ بھائی کے آہنی غضب سے بچا نہ سکتا۔ کیونکہ یہ براہ راست اس کے وقار پر حملہ ہے۔ معزز اسکندر نے میدان میں پڑ کر اس معاملے کو سلجھانے کی بہت کوشش کی اور حالات کو خراب ہونے سے بچایا ہے۔ جس کے لیے میں اس کا شکر گزار ہوں۔ اور ممکن ہے کہ اس کا یہ فیصلہ ایک اچھے پہلوان سے محروم ہو جاتا۔ میں گورنر کے ان الفاظ میں چھپے ہوئے غرور اور جانبداری کو صاف محسوس کر رہا تھا۔ اب تمہیں میرے بھائی سے شمشیر زنی کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ اس نے کہا: "تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو ہلاک نہیں کرے گا۔ صرف زخم دینے والے کو شکست خوردہ تسلیم کیا جائے گا اور وہ اپنے دشمن سے خاموشی سے دستبردار ہو جائے گا۔ یہی اس مسئلے کا حل ہے اور اس معاملے کے بارے میں ایک لفظ بھی اس کمرے سے باہر نہیں جانا چاہیے۔ دیوار پر لٹکی ہوئی تلواروں میں سے کوئی ایک تلوار اپنے لیے چن لو تمہیں اختیار کی پوری آزادی ہے۔ ہر اور معزز اسکندر اس مقابلے کے منصف ہیں۔"

میں نے ایک درمیانہ درجہ کی تلوار کو کافی سبک محسوس کیا۔ دو تلوریں میرے اتاری اور اسے نیام سے باہر نکال لیا۔ ارکیوس بھی اپنی تلوار سے اٹھا۔ اس نے ایک تلوار سنبھال لی جو میری تلوار سے کچھ زیادہ لمبی تھی۔ ہم دونوں تلواریں سونت کر ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ میں نے ارکیوس کو پہلے وار کرنے کا موقع دیا۔ اس کا وار میں نے پھرتی سے اپنی تلوار پر روکا۔ اس نے تابڑ توڑ کئی حملے کیے۔ وہ کئی بار اس کی تلوار میرے جسم سے ٹکرائی لیکن ظاہر ہے کہ کوئی زخم نہیں آیا۔ دونوں منصفین شاید یہ بات محسوس بھی نہ کر سکے کہ ارکیوس کی تلوار نے میرے جسم کو چھوا ہے کیونکہ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ تلوار جسم سے ٹکرائے اور جسم پر کوئی زخم نہ آئے۔ البتہ ارکیوس نے شاید اس بات کو محسوس کیا ہو کیونکہ مجھے اس کے چہرے پر الجھن کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ وہ یقیناً ایک لاجواب شمشیر زن تھا۔ اس کی تلوار بجلی کی طرح چمک رہی تھی۔ اس کے پاس جنگ کی ایک عجیب و غریب خصوصیت یہ تھی کہ اس کا مقابل اس کے ہاتھ کے لیے کو دیکھ کر یہ سمجھتا تھا کہ وار دائیں شانے پر ہوگا لیکن وہ اچانک بائیں پہلو پر ہوتا۔ مقابل اگر یہ سمجھتا کہ تلوار اس کے سر کی طرف آ رہی ہے تو تلوار سیدھی اس کے پیٹ کی جانب پہنچ جاتی۔ ارکیوس مقابل کو غلط فہمی میں ڈالنے کا ماہر تھا۔ چنانچہ اس کے وار کو روکنے میں مجھ سے کئی بار غلطیاں ہوئیں۔ کئی بار اس کی تلوار میرے جسم سے مس ہو گئی کیونکہ میں اس کی طرح کوئی ماہر شمشیر زن نہیں تھا اور میرے لیے اس سے بھلا فرق بھی کیا پڑتا تھا۔ ارکیوس اتنی تیزی سے حملہ کر رہا تھا کہ میں دل ہی دل میں عش عش کر اٹھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پروفیسر کی نے اپنی طرف توجہ دی تو میں بھی اچھا شمشیر زن کہی دیکھے ہوں گے اگر میری طرح کوئی اور اس جگہ ہوتا تو شاید اب تک اس کا جسم کئی ٹکڑوں میں منقسم ہو جاتا۔ میں نے مقابلے کو طول پکڑنے دیا اور جان بوجھ کر ارکیوس پر کوئی وار نہیں کیا۔ مجھے محتاط بھی رہنا تھا کیونکہ میری ذرا سی غلطی سے ارکیوس شدید زخمی ہو سکتا تھا بلکہ مر بھی سکتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ مقابلے کا فیصلہ کرنے کے لیے میرا صرف ایک ہی وار کافی ہوگا۔ اور جب بہت دیر گزر گئی تو میں نے اس کو فیصلہ کیا۔ میں اس لمحے جب ارکیوس کی تلوار میری کمر سے مس ہوئی تھی میں نے جان بوجھ کر موقع دیا تھا۔ ویسے ہی میں نے ایک بہت [illegible] پھول کی طرح ہلکا ہاتھ اس کے دائیں شانے پر مارا۔ اس [illegible] ایک کراہ کی آواز نکلی اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ [illegible] کرسیوں پر سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جلدی سے ارکیوس کے [illegible] ارکیوس نے جلدی سے جھک کر دوبارہ تلوار اٹھانی چاہی، لیکن [illegible] نے اسے روک دیا۔ بس ارکیوس۔ انصاف کے تقاضوں کے مطابق [illegible] گورنر کے مکان سے رخصت ہوئے۔ میں تارودنہ کو جلد از جلد اس [illegible] کی اطلاع دینا چاہتا تھا لیکن میں نے محسوس کیا کہ استاد میری [illegible] سے کوئی خاص خوش نہیں ہے۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری [illegible] نے میری فتح پر بھی کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ میں اس کے اس بدلتے [illegible] پر سخت حیران تھا اور یہی سوچ رہا تھا کہ آخر ایسی کونسی بات [illegible] ہے جس نے استاد کو الجھن میں ڈال دیا ہے۔ کیا میں نے کوئی [illegible] کی ہے؟ کیا وہ ارکیوس کے آخری الفاظ میں چھپی ہوئی دھمکی سے [illegible] ہے؟ کیا اسے گورنر کی جانب سے کسی انتقامی کارروائی کا اندیشہ ہے؟

استاد سارے راستے بالکل خاموش رہا۔ جب ہم لوگ کلب کی عمارت [illegible] تو لو غریس بے چینی کے ساتھ ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ وہ ہمیں دیکھتے [illegible] ہوا آیا لیکن استاد کے سنجیدہ اور فکر مند چہرے کو دیکھ کر ایک دم ٹھٹک گیا۔ میں خود بھی اس صورت حال سے خاصا پریشان تھا چنانچہ [illegible] اس حالت میں دیکھ کر لو غریس کا منہ لٹک گیا، وہ یہی سمجھا کہ میں مقابلہ ہار گیا ہوں۔

دونوں عملوں کے ساتھ استاد کے خاص کمرے میں داخل ہوئے۔ استاد نے لو غریس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "لو غریس، تم تھوڑی دیر کے لیے [illegible] میں شہزادے سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

[illegible] صرف اتنا بتا دو کہ مقابلے کا کیا انجام ہوا۔" لو غریس نے بیقراری کے [illegible] سے پوچھا۔

"ہمارے یہ مقابلہ جیت گیا ہے۔" استاد نے سنجیدگی کے ساتھ جواب [illegible] چہرے پر خوشی کے کوئی آثار نہیں تھے لیکن لو غریس استاد کی [illegible] دوبارہ تلوار اٹھا لی۔ ارکیوس کا زخم زیادہ گہرا نہیں تھا۔ [illegible] مجھے بڑی عجیب و غریب اور مشتبہ نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس [illegible] نے قریب آنے کا اشارہ کیا اور پھر استاد سے مخاطب ہو کر کہنے لگا [illegible] شہزادہ ہمارا نہیں تو میں اپنا ایک شکست دے سکتا ہوں۔"

استاد نے تعجب سے گورنر کی طرف دیکھا اور کہا: "آپ اپنا ہر شک [illegible] سنیے میں جناب عالی۔"

"سنہری نوجوان۔" گورنر نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا: "ذرا اپنا بالائی [illegible] اتارو۔"

میں نے گورنر کے حکم کی تعمیل کی اور کمر سے اوپر کا لباس اتار دیا۔ گورنر میرے قریب آیا۔ اس نے میرے سینے، بازو اور کمر کو دونوں ہاتھوں سے ٹٹول ٹٹول کر اچھی طرح دیکھا۔

"تم لباس پہن سکتے ہو نوجوان۔" گورنر نے کہا: "میں معافی چاہتا ہوں معزز اسکندر۔ دراصل میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس نوجوان نے اپنے بالائی لباس کے نیچے، تمہارے علم میں لائے بغیر، کوئی زرہ بکتر تو نہیں پہن رکھی ہے کیونکہ میں نے کئی بار محسوس کیا کہ ارکیوس کی تلوار اس کے بدن سے مس ہوئی لیکن اسے کوئی زخم نہیں آیا۔ اب میں مطمئن ہوں۔ مقابلہ بالکل ایمانداری سے ہوا ہے اور ارکیوس مغلوب ہو گیا ہے۔"

"بات یہ ہے جناب عالی کہ تیزی سے چلتی ہوئی تلوار کی جنبش پر نظر رکھنا بعض اوقات بہت دشوار ہوتا ہے۔" استاد نے سنبھل کر جواب دیا۔ "معزز والا کی فہم و فراست اور بصارت و بصیرت ہر قسم کے شبہ سے بالاتر ہے لیکن عین ممکن ہے کہ صاحب عالی وقار کی نظر ارکیوس کی تلوار کی بعض برق صفت جنبشوں کو بروقت مناسب طور پر اپنی گرفت میں نہ لے سکی ہو۔" میں حیران تھا کہ استاد اس قدر فصیح و بلیغ زبان بھی بول سکتا ہے۔ یوں لگتا تھا گویا اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں۔

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو معزز اسکندر۔" گورنر نے جواب دیا: "بہرحال، مقابلے کا فیصلہ ہو چکا ہے اور معاہدے کے مطابق ارکیوس تارودنہ سے دست بردار ہوتا ہے۔ شہزادہ میں تمہیں اس کی مبارک باد دیتا ہوں۔"

"میں جناب عالی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔" میں نے کہا: "آپ نے میرے حال پر چشم کرم فرمایا ہے اس کے لیے اظہار ممنونیت کرنے کی غرض سے میرے پاس الفاظ کی کمی ہو گئی ہے۔" میں استاد کے انداز میں لچھے دار گفتگو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ارکیوس نے آگے بڑھ کر میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔ اس کا شانہ خون سے تر بتر ہو رہا تھا لیکن اسے شاید اس کی کوئی خاص فکر نہیں تھی۔ "اس وقت تم نے مجھ سے یہ مقابلہ جیت لیا ہے۔ اور میں خود بھی حیران ہوں کہ کس طرح جیت لیا ہے۔ میں اپنے قول کے مطابق تارودنہ سے دست بردار ہوتا ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ میرے اور تمہارے درمیان آخری مقابلہ نہیں ہے۔"

زبانی یہ بات سنتے ہی جیسے خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔ وہ بے تحاشہ اچھل اچھل کر ناچنے لگا اور ناچتے ناچتے کمرے سے باہر نکل گیا۔

• لو غریس کے کمرے سے باہر نکل جانے کے بعد استاد نے اندر سے دروازہ بند کر لیا اور پھر مجھ سے مخاطب ہو کر دھیمے لہجے میں بولا: "شہزادہ میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو اور کس مقصد کے تحت ہمارے درمیان آئے ہو۔ لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ تم وہ نہیں ہو جو تم نظر آتے ہو۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے اچھی طرح دیکھا کہ ارکیوس کی تلوار کم از کم تین بار تمہارے جسم سے مس ہوئی کہ اگر تمہاری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو خون کی دھاریں بہنے لگتیں لیکن

aazzamm@yahoo.com

تمہارے جسم پر خراش تک نہیں آئی۔ گورنر نے بھی یہ بات محسوس کر لی تھی، مگر چونکہ اس کی بینائی کمزور ہے اس لیے میں نے اسے اپنی لچھے دار باتوں سے یقین دلایا کہ اس کے دیکھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ اتینوس کے لیے اس بات کو محسوس کرنا مشکل تھا کیونکہ برق رفتاری کے ساتھ تلوار چلانے والا شخص اس بات کو یکسانی نہیں دیکھ سکتا کہ تلوار کہاں لگی لیکن میں پورے غور کے ساتھ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ میری ساری عمر انہیں کاموں میں گزری ہے اور میری آنکھوں نے دھوکا کھانا نہیں سیکھا ہے۔ اس سے پہلے تم نے اشرام کو جس طرح مقابلے میں شکست دی تھی۔ وہ بھی ایک حیرت ناک بات تھی۔ تم نے اشرام جیسے بھاری بھرکم اور تنومند آدمی کو بچوں کی طرح ہلا کر رکھ دیا۔ اس سے بھی پہلے تم ناتوم کے مقابلے میں پتھر کا ستون بن کر کھڑے ہو گئے اور وہ ہزار کوشش کے باوجود تمہیں اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں سکا۔ اس وقت میں نے اپنے خوش مسرت میں شاید بعض باتوں پر پورے طور سے غور نہیں کیا تھا۔ لیکن اب جب میں غور کرتا ہوں تو ہر چیز مجھے واضح نظر آتی ہے۔ اور وہ یہ کہ تم کوئی غیر معمولی انسان ہو۔ ہو سکتا ہے کہ تم کوئی بھٹکی ہوئی آسمانی روح ہو جو کرۂ ارض میں داخل ہو گئی ہو۔ ہو سکتا ہے تم کسی دیوتا کا انسانی روپ ہو جو کسی خاص مصلحت کے سبب یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں کسی دیوی یا دیوتا کی خصوصی اور طفیلیہ تائید حاصل ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں کسی درویش یا فقیر نے کوئی ایسا منتر بتا دیا ہو جس نے تمہیں اس قدر عجیب و غریب قوتیں بخش دی ہیں۔ مجھے اس وقت تمہاری اس جرأت پر حیرت ہوئی تھی، جب تم تمہارا تینوس دنیا سے ایتھنز کے اقتدار سے تارودنہ کی ملاقات کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ لیکن اب مجھے اس بات پر زیادہ حیرت نہیں ہے۔ شاید تم ایسا کر گزرتے، خواہ اس کا انجام کچھ بھی ہوتا۔ مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو؟ بتاؤ مجھے بتاؤ ——— مجھے اپنی اصلیت بتاؤ۔ میرا ذہن سخت پریشان ہے۔ میں نے اپنی ساری زندگی میں تم جیسا انسان نہیں دیکھا۔"

میں عجیب مشکل میں پڑ گیا۔ حقارت رفیعہ استاد ایک دانا اور بہت شخص تھا اور اس سے اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کو زیادہ عرصے تک چھپائے رکھنا میرے لیے ناممکن تھا۔ لیکن میں اسے اپنے بارے میں کیا بتاؤں؟ میں کافی دیر تک خاموشی سے سوچتا رہا، پھر میں نے مضبوط سے کر اور رک رک کر کہنا شروع کیا "استاد! پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نہ کوئی دیوتا ہوں اور نہ کسی دیوی دیوتا سے میرا کوئی تعلق ہے۔ میں تم لوگوں جیسا ایک انسان ہوں لیکن قدرت نے مجھے اپنی غیر معمولی قوتیں عطا کی ہیں جن سے عام انسان محروم ہیں لیکن میں پھر بھی کہوں گا کہ میں تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں، میرے دل میں بھی خوشی اور غم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ میرے سینے میں بھی خواہشات انگڑائیاں لیتی ہیں اور محبت اور نفرت کے جذبے میرے دل میں بھی پیدا ہوتے ہیں۔ میں آج تمہارے ساتھ ہوں لیکن ہمیشہ نہیں رہوں گا۔ مگر اتنا تمہارے دل کو جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں، تم مجھ پر

پورا اعتماد کر سکتے ہو۔ میں تمہیں میں سے ایک ہوں۔" میں نے حتی الوسع استاد کو مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ اسے پورا اطمینان سوال کا جواب نہیں مل سکا تھا۔

"تمہاری شخصیت پُراسرار اور موحور ہے، اور میں شاید اپنے تمام علم اور تجربے کے باوجود اس کی تہہ تک نہ پہنچ سکوں۔ اس کی وجہ یہ ہے تم خود اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنا چاہتے ہو۔ بہرحال میں تمہیں اس سلسلے میں مجبور نہیں کر سکتا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ اب میں تم سے ایک درخواست کرتا ہوں، اور وہ یہ کہ آئندہ چار ماہ کے بعد مختلف کھیلوں اور فنون حرب کے قومی مقابلے منعقد ہونے والے ہیں جن میں ایتھنز کے علاوہ باہر سے آئے ہوئے نامی گرامی لوگ بھی حصہ لیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم طوفان کلب کی طرف سے ان مقابلوں میں حصہ لو اور اہل ایتھنز پر ثابت کر دو کہ طوفان کلب ناقابل تسخیر ہے۔ صرف ان مقابلوں کے انعقاد تک میں تمہیں کلب کا پابند کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد تمہاری مرضی ہے۔ اگر تم چاہو تو بڑے شوق سے ساری عمر یہاں گزار سکتے ہو اور اگر نہ رہنا چاہو تو جہاں چاہو، جا سکتے ہو۔ میں تمہیں نہیں روکوں گا۔"

مجھے استاد کی یہ پیشکش کافی دلچسپ معلوم ہوئی۔ ویسے تو میرا ارادہ تارودنہ کو لے کر یہاں سے کہیں دور نکل جاؤں لیکن پھر میں نے سوچا کہ ایک ہنگامہ اور سہی۔ تہذیب و تمدن نے اس گہوارے میں ہی مجھے مقابلوں کا منظر ابھی تک نہیں دیکھا تھا اور نہ اس قسم کے مقابلوں میں شرکت کی تمنا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ آئندہ مزید چار ماہ اس شہر میں گزاروں گا اور استاد کی خواہش کے مطابق طوفان کلب کی جانب سے مقابلوں میں حصہ لوں گا۔ چنانچہ میں نے استاد سے کہا کہ مجھے اس کی تجویز منظور ہے۔ البتہ میں ورزش کرنے اور مشق کرنے کی پابندی سے مستثنیٰ قرار دے دے۔ استاد نے کہا کہ اس کے خیال میں مجھے ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ دوسرے دن فیصلے سے بہت خوش ہوئے۔ میں اس کے چہرے کی کھوئی ہوئی بشاشت واپس لوٹ آئی۔ اب استاد کی زیادہ فکر نہیں رہی تھی کہ میں کون ہوں۔

استاد سے رخصت ہو کر میں سیدھا تارودنہ کے گھر پہنچا۔ وہ کھڑکی میں ہمہ تن انتظار تھی۔ میرے پہنچنے سے پہلے اس کے گھر کا دروازہ کھل چکا تھا۔ مجھے صحیح و سالم دیکھ کر ہی وہ سمجھ گئی کہ مقابلے کا انعقاد ہو چکا ہے۔ وہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی "ٹھیزوس ——— ٹھیزوس ——— کیا تم جیت گئے ہو؟" وہ پھولی ہوئی سانس کے درمیان بولی۔

"ہاں تارودنہ۔" میں نے جواب دیا۔ "میں جیت گیا ہوں اور اب تم میری ہو۔ تمہیں مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔"

"اوہ ٹھیزوس ——— " وہ وفور جذبات میں مبتلا ہو کر بولی۔ "دیوتاؤں نے میری سن لی ہے۔ میں نے کئی راتیں عبادت میں گزاری ہیں۔ اب کل میں دیوتاؤں کے حضور نذرانے پیش کروں گی۔ مجھے تسلی ہو گئی۔ اب زندگی میں کوئی

لیں۔ مقابلہ دیکھنے والوں میں شہنشاہ تالاش اور ملکہ اسطونیہ خود بھی موجود ہوں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کے سامنے طوفان کلب کا نام سب سے اونچا ہو۔"

"ایسا ہی ہو گا استاد۔" میں نے جواب دیا۔

تارودنہ سے میری شادی کو دس دن ہو گئے تھے اور ہم دونوں بے حد خوشگوار و پُرمسرت زندگی گزار رہے تھے۔ سالانہ قومی مقابلوں کے انعقاد میں صرف ایک ماہ کی مدت باقی رہ گئی تھی۔ استاد اس بار مجھے ایک ناقابل تسخیر پہلوان اور ایک ناقابل شکست شمشیر زن کی حیثیت سے پیش کر کے سارے ایتھنز کو حیرت زدہ کر دینا چاہتا تھا۔ میرا اس سے وعدہ تھا کہ میں اس کی خواہش کو ضرور پورا کروں گا۔

وہ ایک بیحد خوشگوار اور سہانی سہ پہر تھی۔ میں اور تارودنہ حسب معمول اپنے دو گھوڑوں والے خوبصورت رتھ میں بیٹھ کر سیر کرنے نکل گئے۔ میں خود رتھ ہانک رہا تھا۔ ہم دونوں شہر سے نکل کر مضافات میں آ گئے اور ایک جگہ درختوں کے حسین جھنڈ کے نیچے بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ میں تارودنہ کو یہ بتا رہا تھا کہ قومی مقابلوں کے بعد ہم لوگ ایتھنز کی ہنگامہ خیز زندگی سے دور کسی چھوٹے سے گاؤں میں چلے جائیں گے اور وہاں ایک خوبصورت سا گھر بنا کر رہیں گے۔ تارودنہ کے پاس اتنی دولت تھی کہ ہم دونوں کو زندگی بھر کچھ کام کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر ہمارے بچے ہوتے تو بھی اس دولت سے بڑی پُرسکون عمر گزار سکتے تھے۔

ہم دونوں اپنی محبت بھری سرگوشیوں میں اس قدر گم تھے کہ ہم نے ان لوگوں کے قدموں کی آہٹ نہیں سنی جنہوں نے چپکے چپکے آ کر ہمیں گھیرے میں لے لیا تھا۔ ہمیں ہوش اس وقت آیا جب ہمارے کانوں میں اتینوس کی نفرت بھری آواز گونجی "آج ہم دونوں بچ کر نہیں جا سکتے۔ میں نے بالآخر اپنی ذلت کا انتقام لے ہی لیا۔"

میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ تارودنہ خوفزدہ ہو کر مجھ سے لپٹ گئی۔ اتینوس اور ناتوم ننگی تلواریں سونتے ہمارے سامنے کھڑے تھے۔ ایک آدمی ہمارے دائیں طرف تھا اور دوسرا بائیں طرف تھا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دو آدمی ہمارے پیچھے کھڑے تھے۔ اتینوس اور ناتوم کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں لیکن باقی چاروں آدمیوں کے ہاتھوں میں بھاری بھاری گرز تھے جن کی ایک ہی ضرب بڑے سے بڑے سورما کو آناً فاناً ہلاک کر دینے کے لیے کافی تھی۔

"ناتوم، تم تو ایتھنز سے چلے گئے تھے؟" میں نے ناتوم سے پوچھا جو اپنی تلوار کو بیقراری سے ہلا رہا تھا۔

"ناتوم کہیں نہیں گیا تھا۔" ناتوم کے بجائے اتینوس نے جواب دیا۔ "وہ میرے مکان میں چھپا ہوا تھا۔ تو نے یہ کیوں سمجھ لیا تھا کہ مجھے ذلیل کرنے کے بعد تو زندہ رہے گا؟ اتینوس کے مقابلے میں آنے والے کے لیے زمین تنگ ہو جاتی ہے بدبخت۔"

"لیکن تم مقابلہ ہار چکے ہو اور تمہیں اپنے وعدے کی پابندی کرنی چاہیے۔" میں نے کہا۔ "تم نے اپنے بھائی گورنر کے سامنے تارودنہ سے اپنی باعزت دستبرداری

جب سورج ڈھلنے لگا اور شام کے سائے لمبے ہونے لگے میں چلنے کی تیاری کرنے لگا تارودنہ نے نشیلی آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "شہزادہ! تمہیں یہاں سے جانے کی ضرورت نہیں۔ یہ گھر اس کی ساری دولت، سب کچھ تمہارا ہے کیونکہ میں تمہاری ہوں۔ میں تمہیں کبھی چھوڑوں گی۔" میں نے جواب دیا۔

میری اور تارودنہ کی شادی ہو گئی اور ہم لوگ عیش کی زندگی گزارنے لگے۔ میں دن بھر گھر پر رہتا۔ استاد، معلم اور تارودنہ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ گفتگو کرتا۔ یہاں میری دلچسپی کی بہت سی چیزیں موجود تھیں۔ نئے نئے لوگوں سے ملتا۔ مختلف فنون حرب کے بارے میں بہت مباحثے ہوتے، دوستانہ مقابلے ہوتے۔ طرح طرح کے فنون کی مشقیں ہوتیں۔ میں ان ساری سرگرمیوں سے لطف اندوز ہوتا۔ ایتھنز کے مردوں کی زندگی کا یہ رُخ بڑا دلچسپ تھا۔ سورج ڈوبنے سے پہلے ہی میں گھر پہنچ جاتا جہاں تارودنہ سولہ سنگھار کیے میری منتظر ہوتی۔ تارودنہ کے خوبصورت دو گھوڑوں والے رتھ میں بیٹھ کر سیر کو نکل جاتے۔ تارودنہ کے یہاں تقریبات کرتے رہتے۔ کبھی کبھی ضیافتوں میں مدعو کیا جاتا۔ معززین شہر کو اپنے گھر ضیافت میں مدعو کرتے جن میں کلب کے سارے دوست ضرور شریک ہوتے۔ میں ایتھنز کی اعلیٰ سوسائٹی میں شامل ہو گیا تھا۔ میں نے ایک خاص سماجی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ تارودنہ کے ساتھ اور مسرت کے ساتھ گزر رہی تھی۔ تارودنہ بہت خوش تھی۔ اس کو زندگی میں پہلی بار یہ معلوم ہوا ہے کہ مرد کی محبت کیا چیز ہے۔ اس نے رقص کرنا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ ویسے وہ رقص ضرور کرتی تھی لیکن زندگی کی تنہائیوں میں میرے سامنے اس کا رقص اب صرف میرے لیے تھا۔ بازار کی جنس نہیں تھا۔

کئی مقابلوں کے دن قریب آ رہے تھے اور استاد اور اس کے شاگردوں کی دلچسپیات میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ استاد نے مختلف مقابلوں کے لیے کئی لوگوں کو چنا تھا۔ لیکن کشتی اور شمشیر زنی کے لیے اس نے مجھے منتخب کیا تھا۔ میں نے اس سے کہا "استاد، تم جس مقابلے کے لیے چاہو، میں حصہ لے سکتے ہو۔"

"تم گھوڑ دوڑ میں حصہ لینا پسند کرو گے؟" استاد نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"تم گھوڑ سواری کے مقابلے میں؟" استاد نے پوچھا۔

"میں صرف ایسے مقابلوں میں حصہ لینا پسند کروں گا استاد، جن کا تعلق انسان کی اپنی جسمانی طاقت اور توانائی سے ہو، خواہ ان میں کتنا ہی زیادہ خطرہ کیوں نہ موجود ہو۔"

"تو پھر مقابلے کے دن میں تمہاری طرف سے سارے پہلوانوں اور شمشیر زنوں کو شکست دوں گا۔" وہ بار بار کہتا اور اپنے دل کی حسرت نکال

aazzamm@yahoo.com

کا اعلان کیا تھا۔"

"اس کی باتوں میں نہ آنا معزز اتینوس!" ناتوم نے سانپ کی طرح پھنکار کر کہا۔ "اس سے اچھا موقع پھر کبھی نہیں ملے گا۔ آج یہ دس دن ہو گئے ان لوگوں کے پیچھے لگے ہوئے۔ آج ہی تو انہیں تنہائی اور ویرانے میں گھیرنے کا موقع ملا ہے۔"

"تو اپنی ناپاک زبان بند رکھ مغرور!" میں نے غصے کے عالم میں ناتوم سے کہا۔ "تو بزدل اور کمینہ ہونے کے ساتھ ساتھ غدار اور احسان فراموش بھی ہے۔ میں نے اور مغویہ نے استاد سے سفارش کر کے تیری جان بچائی تھی ورنہ تو کب کا موت کی نیند سو چکا ہوتا!"

"اور تو یہ چاہتا ہے کہ تیرے اس احسان کے حوالے میں میں اتینوس سے سفارش کر کے تیری جان بخشی کروا دوں؟" ناتوم نے ایک بھیانک قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "ایسا نہیں ہوگا سنہرے بھیڑیے۔ تو نے مجھے اور معزز اتینوس کو جو صدمات پہنچائے ہیں آج ان کا حساب لیا جائے گا۔ اس وقت کوئی بھی تیری مدد کو نہیں آ سکتا۔ ہمارے آدمیوں کے گرز تم دونوں کے جسموں کا قیمہ بنا دیں گے جسے ہم قریبی جھیل میں پھینک کر مچھلیوں کی ضیافت کا اہتمام کریں گے۔"

"شہزور کی جان بخش دو اتینوس!" تارونہ کے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں شہزور کو چھوڑ کر پھر تمہارے پاس واپس آ جاؤں گی۔ میں زندگی بھر شہزور کی صورت نہیں دیکھوں گی بشرطیکہ تم اس کی زندگی نہ چھینو۔"

"اس کا وقت گزر گیا ہے تارونہ!" اتینوس نے خشک لہجے میں کہا۔ "تو نے خود ہی اپنے لیے اور شہزور کے لیے موت کا راستہ منتخب کیا ہے۔ کیا تجھے نہیں معلوم کہ اتینوس کی رفیقہ بننے کے بعد کسی دوسرے مرد کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی جرم ہے؟ تو نے میری غیرت کو للکارا۔ اب اس کا انجام تیرے سامنے ہے!"

دراصل پروفیسر کے سامنے مسئلہ یہ تھا کہ میں کسی طرح تارونہ کی جان بچاؤں۔ وہ پانچ تھے اور اگر وہ پانچ سو یا پانچ ہزار بھی ہوتے تو بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے، اور مجھے ان کی کوئی فکر نہ ہوتی، لیکن اصل مسئلہ تارونہ کی جان بچانا تھا۔ وہ لوگ میرے ساتھ تارونہ کے بھی خون کے پیاسے تھے۔

میں نے تارونہ سے کہا کہ وہ مجھے مضبوطی سے پکڑے اور ادھر ادھر نہ ہلے۔ تارونہ کی وجہ سے میں صرف دفاعی جنگ لڑنے پر مجبور تھا۔

"حملہ کرو اور ان کی کھوپڑیوں کو ریزہ ریزہ کر دو!" اتینوس نے گزربرداروں کو حکم دیا۔

دو گزربردار یکے بعد دیگرے ایک بھیانک آواز کے ساتھ میرے سر سے ٹکرائے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر گر گئے۔ اور اسی اثنا میں دو گزر میرے سینے سے لپٹی ہوئی تارونہ کے سر پر لپکے جنہیں میں نے فوراً اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیا اور چھین کر بہت دور اچھال دیا۔ میرے سر پر گرزوں کے ٹوٹ جانے کے انوکھے حیرت ناک اور ناقابل یقین واقعے نے ان سب لوگوں کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ اس اچانک اور عجیب و غریب بات سے وہ کسی حد تک خوف بھی نظر آنے لگے تھے۔ دو گزر ٹوٹ چکے تھے اور دو دور پھینکے جا چکے تھے۔ آدمی غیر مسلح ہو گئے تھے۔ اب صرف ناتوم اور اتینوس تلواروں اور خنجروں سے مسلح تھے۔ ابھی میں یہ فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے کہ اتینوس نے بجلی سی تیزی کے ساتھ اپنا خنجر دور سے پھینک کر تارونہ کی پشت پر مارا۔ یہ کام اس نے اسقدر حیرت انگیز تیزی کے ساتھ انجام دیا کہ خنجر کو روک نہ سکا اور میری نظر خنجر پر اسی وقت پڑی جب وہ دستے تک تارونہ کی پشت میں گھس گیا تھا۔ تارونہ نے ایک چیخ ماری اور میرے سینے کے گرد اس کی گرفت ایک دم ڈھیلی ہو گئی۔ وہ کسی کٹے ہوئے درخت کی طرح نیچے گر پڑی۔

اور پروفیسر! پھر تو میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ انہیں لوگوں نے مغویہ کو زخمی کیا تھا اور اب تارونہ کی جان لے لی۔ تارونہ کو اس بات کی سزا مل گئی کہ اس نے مجھ سے محبت کی تھی۔ میں نے تارونہ کے تڑپتے جسم پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جس سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ اور پھر میں نے بجلی کی طرح ایک ناتوم اور اتینوس، دونوں کو یک وقت ان کی گردنوں سے پکڑ لیا۔ میں نے خون کے مارے پھر گئیں لیکن اس بار انہیں معاف کرنے کا سوال ہی نہیں ہوتا تھا۔ میں نے ان دونوں کی کھوپڑیوں کو آپس میں اتنے زور سے ٹکرایا کہ ان کے بھیجے پاش پاش ہو گئے۔ میں نے ایک جھٹکے سے ان کے بے جان جسموں کو مختلف سمتوں میں پھینکا اور پھر ان چار گزربرداروں کی طرف متوجہ ہوا جو بے پناہ حیرت انگیز واقعات نے ان کے حواس گم کر دیئے تھے۔ مجھے آگے بڑھتا ہوا دیکھ کر انہوں نے مقابلے کے بجائے فرار کی راہ اختیار کرنی چاہی لیکن میں ان میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے تیزی سے لپک کر ان میں سے دو کو ٹانگ سے پکڑا اور زور سے ایک قریبی پتھریلی چٹان سے دے پٹکا۔ باقی دو نے بھاگنے میں عافیت اختیار کی لیکن اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میں نے کسی جنگلی گھوڑے کی طرح دوڑ کر پہلے ایک کو اور پھر دوسرے کو پکڑا اور اپنے ایک گھونسے سے ان کا خاتمہ کر دیا۔

میں لاشوں کے ہجوم میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرے اردگرد تارونہ کی لاش، ناتوم اور اتینوس کی لاشیں اور دو گزربرداروں کی لاشیں، باقی دو گزربرداروں کی لاشیں کچھ دور پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے تارونہ کے جسم کو ہاتھ لگا کر دیکھا۔ وہ مر چکی تھی۔ "کاش اس نادان لڑکی نے مجھ سے کی ہوئی قسم نہ توڑی ہوتی!" میں نے سوچا۔ مجھے اس کی موت کا بے حد غم تھا۔ اس سے زیادہ مجھے اس بات کا تھا کہ میں ناقابل تسخیر ہونے کے باوجود اس کی جان نہ بچا سکا۔ اتینوس نے غیر معمولی پھرتی اور مستعدی کا مظاہرہ کیا تھا۔ میں اتینوس اور ناتوم کے مڑے تڑے اور مسخ شدہ جسموں کو دیکھنے لگا۔ انا، خود غرضی، ہوس، حسد اور جھوٹے وقار کے مارے ہوئے یہ لوگ اس حال میں بے بس، کتنے مجبور نظر آ رہے تھے! اور میں سوچنے لگا کہ کتنے حقیر اور

بے بس تھے یہ لوگ، اپنی اپنی انا کے جھوٹے خول میں مقید اور اپنی ہی انا کی غلامی میں۔ انہوں نے کس طرح زندگی کی اعلیٰ قدروں کو پامال کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا نتیجہ انہیں موت کی صورت میں بھگتنا پڑا۔ میں نے ان چھ کی چھ لاشوں کو ایک جگہ جمع کیا اور پھر انہیں بڑے بڑے پتھروں سے باندھ کر جھیل میں لے جا کر دبا دیا جہاں وہ گہرائیوں میں ڈوب گئیں۔ ان فانی انسانوں کا تو نام و نشان بھی مٹ چکا تھا!

اس کے بعد میں نے تارونہ کی لاش کو نہایت احتیاط کے ساتھ رتھ میں رکھا اور بالکل پل پڑا۔ میرا دل اس شہر سے، یہاں کے دغاباز لوگوں سے اچاٹ ہو چکا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اب جلد از جلد یہاں سے چلا جاؤں اور کسی دوسرے شہر میں جا بسوں۔ لیکن پھر میں نے سوچا کہ مجھے قوی مقابلوں کے انعقاد تک رکنا چاہیے۔ اس لیے استاد سے اس وقت تک رکنے کا وعدہ کر چکا تھا۔

میں سیدھا کلب پہنچا اور میں نے استاد اور مغویہ کو تنہائی میں بلا کر انہیں ساری بات بتا دی۔ افسوس، غصے اور صدمے کے مارے وہ بڑا مغویہ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ مجھے ان لوگوں کو تسلی دینی پڑی۔ استاد نے مجھے مشورہ دیا کہ اب، جبکہ ناتوم اور اتینوس مع اپنے ساتھیوں کے ہلاک ہو چکے ہیں اس واقعے کا کوئی اور چشم دید گواہ موجود نہیں ہے تو مجھے اس کی تشہیر نہیں کرنی چاہیے۔ میں نے تارونہ کے قتل کا انتقام لے لیا ہے اور اس لیے اس معاملے کو یہیں ختم کر دینا چاہیے۔ چنانچہ تارونہ کے بارے میں یہ مشہور کر دیا گیا کہ وہ سانپ کے کاٹنے سے ہلاک ہو گئی ہے، اور اس کی لاش کو خوشبو سے دفن کر دیا گیا۔ کفن دفن کا سارا انتظام استاد نے اپنے خاص آدمیوں کے ذریعے کروایا۔ اتینوس، ناتوم اور ان کے ساتھیوں کی لاشوں کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

تارونہ کی موت کے بعد میں زیادہ تر وقت کلب میں گزارنے لگا۔ رات کو تارونہ کے گھر ہی میں سوتا۔ اس گھر کی ایک ایک چیز سے تارونہ کی یادیں وابستہ تھیں۔ قوی مقابلوں کی تاریخ قریب آ رہی تھی اور اس علاقے کے سارے شہر میں سرگرمیوں اور جوش و خروش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

مقابلوں میں صرف دو ہفتے باقی رہ گئے تھے کہ میری ملاقات شہزاد سے ہوئی۔ وہ ایک اعلیٰ پائے کی گلوکارہ تھی۔ اس کے فن کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ شہزاد بمشکل پندرہ سولہ سال کی لڑکی تھی لیکن بلا کی حسین تھی۔ خوبصورت تھی لیکن وہ خوبصورتی اتنی حسین تھی کہ اس کی آواز تھی۔ میری اس سے ملاقات کلب میں ہوئی جو سرسبز کلب کے نگراں تارس کے گھر میں ہوئی تھی۔ تارس نے مجھے شہزاد سے متعارف کرایا۔ اور شہزاد نے میرا ہاتھ پکڑ کر ایک گرمجوشی سے ہلایا۔ مجھے شہزاد کی ذات میں غیر معمولی دلچسپی میرے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ پروفیسر! میں اتنی زندگی میں نہ جانے کتنی مرتبہ اس قسم کے مراحل سے گزر چکا تھا۔

ورسری رات کو جب میں شہزاد کے گھر پہنچا تو وہ سراپا انتظار تھی۔ نہ جانے کیوں اسے دیکھ کر مجھے لعنیہ یاد آ گئی۔ وہ بھی شہزاد کی ہم عمر تھی، اور اسی کی طرح حسین۔ شہزاد نے میرا ہاتھ پکڑا اور سیدھی اپنی خواب گاہ میں لے گئی اور پھر

"شہزور!" اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "مجھے یہاں سے لے چلو۔ ہم دونوں اس شہر سے کہیں دور بہت دور نکل جائیں اور ساری عمر ایک دوسرے کے ساتھ گزار دیں۔"

"میں ابھی یہی خیال ہے۔ ہم تھوڑے دن بعد اس شہر سے کہیں اور چلے جائیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

"نہیں شہزور! تھوڑے دن بعد نہیں۔ بس چند روز میں۔ کل چلو۔ میرے پاس دولت کی کمی نہیں۔ ہم کہیں بھی چل کر آرام و سکون سے زندگی گزاریں گے۔" اس نے کہا۔

"ابھی نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "مقابلوں کے بعد ــــ ابھی تو تجھے استاد کے احسانات کا بدلہ چکانا ہے۔"

"چھوڑو شہزور!" اس نے میرے رخساروں کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "تم ان مقابلوں میں حصہ لے کر کیا کرو گے؟ تم نے کافی شہرت اور ناموری حاصل کر لی ہے اور وہی تمہارے لیے کافی ہے۔ ان مقابلوں کا خیال چھوڑو اور میرے ساتھ کہیں اور چلے چلو۔"

مجھے اس کے اصرار پر کافی عجب ہوا۔ وہ مجھے مقابلوں میں حصہ لینے سے روک رہی تھی۔ اچانک ایک خیال بجلی کی طرح میرے دماغ میں کوند گیا۔ میں دل ہی دل میں مسکرایا اور اس سے کہنے لگا۔

"تارس نے اس کے علاوہ اور کیا کیا ہدایتیں دی ہیں؟"

میرے اس اچانک سوال پر وہ بالکل سٹپٹا گئی اور حیرت سے میری شکل دیکھنے لگی۔ "تمہیں ــــ تمہیں کس نے بتایا ــــ تمہیں کیسے معلوم ــــ" اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ وہ سخت حیران نظر آ رہی تھی۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے شہزاد۔" میں نے پیار سے کہا۔ "تمہیں جو کچھ معلوم ہے وہ سچ سچ بتا دو، ہم دونوں کی بھلائی اسی میں ہے۔"

"شاید میں تمہارے سوال کے پیش نظر تمہیں سب کچھ بتا دوں۔ شہزور! اس لیے کہ میں تم سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔ تمہیں دھوکہ نہیں دے سکتی۔ تم سے قربت حاصل ہونے کے بعد میری نظروں میں ساری دنیا ہیچ ہے۔ میں مر جاؤں گی مگر تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچنے دوں گی۔ سفوف تارس نے مجھے ایک بھدی رقم دے کر اس کام پر مامور کیا کہ میں اپنے حسن کے جال کے ذریعے تمہیں مقابلوں میں حصہ لینے سے روکنے کی کوشش کروں اور اصرار کروں کہ تم میرے ساتھ یہاں سے کہیں اور چلے چلو لیکن تارس کو خود بھی اس بات کا یقین نہیں تھا کہ یہ کوشش کامیاب ہو سکے گی۔ چنانچہ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ ناکامی کی صورت میں وہ مجھے ایک سفوف دے گا جو میں کسی مشروب میں ملا کر تمہیں پلا دوں۔ جبکہ تارس نے بتایا، یہ سفوف انسان کو ہلاک نہیں کرتا۔

aazzamm@yahoo.com

لیکن اس کے قویٰ کو بیحد مضمحل کر دیتا ہے اور اس کی توانائی میں بہت کمی آ جاتی ہے۔ تارس کو اگلے مقابلوں میں اپنے کلب کی عزت خاک میں ملتی نظر آ رہی ہے اور وہ اسے بچانے کے لیے سب کچھ کر گزرنے کو تیار ہے۔"

تو یہ بات تھی۔ پروفیسر شرنجانہ کو جان بوجھ کر میرے پیچھے لگایا گیا تھا اور یہ حسین جاسوسہ ایک بار میرے قریب آ جانے کے بعد مجھے دھوکہ دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ میں نے شرنجانہ سے کہا کہ وہ فی الحال تارس سے اس بارے میں کوئی گفتگو نہ کرے، میں کل اسے بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے۔

میں نے استاد کو ساری بات بتا دی۔ اس نے تاسف کے ساتھ گردن ہلاتے ہوئے کہا: "مجھے تارس جیسے جہاندیدہ اور ثقہ آدمی سے اس گھٹیا حرکت کی امید نہیں تھی۔ خیر، اب تم یہ بتاؤ کہ کیا کیا جائے؟"

"تارس نے میں دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے، اور ہم بھی اسے جواباً دھوکہ دیں گے۔" میں نے کہا۔ "میں شرنجانہ کو ساتھ لے کر شہر اور نکل جاؤں گا۔ تم اس اثنا میں یہ مشہور کر دینا کہ شہزور، شرنجانہ کے ساتھ ایتھنز سے رخصت ہو گیا ہے اور وہ مقابلوں میں حصہ نہیں لے گا اور پھر مقابلوں سے صرف ایک دن پہلے میں یہاں موجود ہوں گا۔"

"واہ واہ!" استاد نے چہک کر کہا۔ "لیکن وہ پھر فوراً ہی طلوع ہو گیا۔ شہزور میری اور میرے کلب کی عزت تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ کہیں پیچھے کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔"

"کوئی گڑبڑ نہیں ہو گی استاد۔ مجھ پر بھروسہ رکھو۔" میں نے جواب دیا۔ "میں آج ہی شرنجانہ سے کہوں گا کہ وہ تارس کو یہ بتا دے کہ میں اس کے ساتھ ایتھنز سے چلے جانے کے لیے تیار ہو گیا ہوں اور مقابلوں میں حصہ نہیں لوں گا۔"

شرنجانہ نے مجھے بتایا کہ تارس نے اس سے بہت ہی خوش ہوا اور اس نے شرنجانہ سے وعدہ کیا ہے کہ مقابلوں سے فارغ ہونے کے بعد وہ اسے مزید دولت دے گا۔ تارس نے ایتھنز سے کوئی سو میل کے فاصلے پر ایک خوبصورت گاؤں میں ایک مکان کا بندوبست کر دیا ہے جہاں ہم دونوں رہیں گے۔

میں اور شرنجانہ ایتھنز سے روانہ ہو گئے۔ استاد اور مشکل کے علاوہ کسی اور کو یہ بات نہیں معلوم تھی کہ ہم واپس بھی آنا ہے۔

وہ گھنے جنگل اور شہر کے درمیان گھرا ہوا ایک خوبصورت اور چھوٹا سا گاؤں تھا جہاں ہر طرف قدرت کی رعنائیاں بکھری ہوئی تھیں۔ واقعی تارس نے ہمارے لیے بہت عمدہ جگہ منتخب کیا تھا۔ قدرتی مناظر سے آراستہ یہ اسقدر خوبصورت تھا کہ پرانے زمانے کے بعد انسان کا کہیں اور جانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ میں اور شرنجانہ ایک چھوٹے سے مکان میں رہنے لگے جس میں ہماری ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ ہم دن بھر سبزہ زاروں اور جنگلوں میں سیر کرتے۔ حسین اور عجیب و غریب پرندوں کے نغمے سنتے۔ جھیل کے صاف و شفاف نیلگوں پانی میں نہاتے اور رات کو ایک دوسرے میں جذب ہو کر محو خواب ہو جاتے۔ شرنجانہ پر اب مجھے پورا اعتماد تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے دھوکہ دینے کی کوشش نہیں کرے گی۔ چنانچہ میں نے اسے بتایا کہ مقابلوں سے دو دن پہلے میں ایتھنز کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔ ایک دن مجھے ایتھنز پہنچنے کے لیے کافی تھا۔

"مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ تم پلٹ کر آ جاؤ گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں جانتی ہوں کہ تم اپنے استاد کو دھوکہ نہیں دے سکتے تھے۔ اسے تم پر بے پناہ بھروسہ ہے۔ تم اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ بہرحال اس بات کا مجھے شہزور تارس کو کچھ بتانا تھا کہ کہیں تم عین موقع پر واپس نہ آ جاؤ، اور اس کے لیے اس نے مجھے خاص ہدایات دی تھیں۔ اور وہ یہ کہ اگر تم مقابلوں سے پہلے ایتھنز واپس کے ارادے کا اظہار کرو تو میں فوراً ہرلوزن کو مطلع کر دوں۔ تو اسی کا ڈر ہے۔ وہ کہتا ہے اور میرے خیال میں تارس کا کوئی خاص آدمی ہے۔ اس کا گھر ہمارے گھر سے زیادہ دور نہیں ہے۔ میں نے ہرلوزن کو دیکھا تھا وہ ایک تنومند اور پہلوان نما آدمی ہے اور اکثر مجھے اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھا ماش کرتا ہوا نظر آتا تھا۔"

"پھر؟" میں نے پوچھا۔ "ہرلوزن کیا کرے گا؟"

"اس کے بارے میں مجھے نہیں معلوم۔" شرنجانہ نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "تم اپنا کام کرو اور ہرلوزن کو مطمئن رکھو۔ دو دن میں مقابلوں سے ٹھیک دو دن پہلے ایک صابر رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر ایتھنز روانہ ہو جاؤں گا۔ میری روانگی کے بعد تم میری واپسی تک اسی مکان میں رہنا۔ میں مقابلوں سے فارغ ہوتے ہی سیدھا ادھر آؤں گا۔"

"لیکن ہرلوزن کہیں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچائے؟" شرنجانہ نے فکرمندی کے ساتھ پوچھا۔

"تم اس کی فکر مت کرو۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

مقابلوں سے دو دن پہلے میں ایک خوبصورت گھوڑے پر سوار ہو کر ایتھنز کے لیے روانہ ہو گیا۔ شرنجانہ نے اپنے ساتھ لایا تھا۔ علی الصباح روانہ ہو گیا۔ میری ہدایت کے مطابق شرنجانہ نے ہرلوزن کو بستر پر گرم کی اطلاع دے دی تھی۔ شرنجانہ گاؤں سے باہر دور تک مجھے رخصت کرنے آئی۔ جدائی کے وقت اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"شہزور، نہ جانے مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں تمہیں آخری بار دیکھ رہی ہوں۔ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ اب دوبارہ کبھی ہماری ملاقات ہو سکے گی۔"

"بے وقوف مت بنو۔" میں نے پیار سے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ "میں واپس آؤں گا۔ لیکن پتہ نہیں مجھے کیا معلوم تھا کہ شرنجانہ جو کچھ کہہ رہی ہے وہ بالکل سچ ہے۔ جیسا کہ بعد کے واقعات سے ثابت ہوا، یہ واقعی میری اس سے آخری ملاقات تھی۔

میں دوپہر تک آرام سے سفر کرتا رہا۔ میرا گھوڑا بہت اعلیٰ نسل کا اور تیز رفتار تھا اور مجھے امید تھی کہ میں رات گئے تک ایتھنز پہنچ جاؤں گا۔ ایک رات اور ایک دن کا وقت میرے پاس ہو گا جسے میں کرام اور تفریح میں گزار سکتا ہوں۔ استاد کو بھی مجھے دیکھ کر اطمینان ہو جائے گا۔

اب مجھے ایک تنگ سرنگ نما راستے سے گزرنا تھا۔ راستہ ایک طرف اونچے پہاڑی ٹیلے تھے اور دوسری طرف گھنے درخت اور خاردار جھاڑیاں۔ ان کے بیچ میں سے ایک پتلا سا راستہ گیا تھا۔ جس میں ایک وقت میں دو سے زیادہ گھوڑے

نہ جا سکتے تھے۔ اچانک سامنے سے ایک گھوڑ سوار نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بھاری اور نکیلا نیزہ تھا جس کی انی میری طرف اٹھی ہوئی تھی۔ وہ ہرلوزن کے بھیجے ہوئے کئی سواروں میں سے تھا جو مجھ میں بے یقینی کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔ میں نے کانشانہ کر کے پوری قوت کے ساتھ نیزہ پھینکا۔ ہرلوزن کا نیزہ اتنا بھاری تھا کہ اگر کوئی اور شخص میری جگہ ہوتا تو وہ اس کی پسلیوں کو توڑتا ہوا پیچھے کی طرف سے باہر نکل جاتا لیکن نیزہ ایک دھماکے کے ساتھ میرے سینے سے ٹکرایا اور ٹوٹ کر نیچے گر گیا۔ اس اثنا میں پیچھے سے ایک دوسرے سوار نے پوری قوت سے میری طرف نیزہ پھینکا، لیکن میں نے اسے اپنے قریب آتے ہی ہاتھ بڑھایا اور واپس اسی شخص کی طرف پھینکا۔ نیزہ اس کی پسلیوں کو توڑتا ہوا نکل گیا اور وہ ایک کراہ کے ساتھ نیچے گر پڑا۔ ہرلوزن خالی ہاتھ ہو گیا تھا اور یہ صورتحال دیکھ کر سخت پریشان ہو گیا تھا۔ اس کے باقی آدمیوں نے جو پہلے چار تھے اور اب تین رہ گئے تھے، تلواروں کے ساتھ میری طرف پیش قدمی کرنے کی نیم دلانہ کوشش کی۔ نیزہ ٹوٹتے دیکھ کر وہ خاصے خوفزدہ ہو گئے تھے۔ میں نے ان سے ایک کی تلوار چھین کر تینوں کا قصہ پاک کر دیا۔ ہرلوزن نے اپنا گھوڑا موڑ کر بھاگ جانے کی کوشش کی لیکن میں نے لپک کر اسے گھوڑے پر سے اٹھا لیا۔ وہ بھوسے کی طرح میرے ہاتھ میں آ گیا۔

میں نے ایک ہاتھ سے ہرلوزن کو سنبھالا اور دوسرے ہاتھ سے خالی گھوڑے کی باگیں کھینچیں۔ پھر میں نے ہرلوزن کو اسی کے گھوڑے کی پشت پر بٹھایا اور اچھی طرح باندھ دیا۔ اس کے بعد میں نے ہرلوزن کے گھوڑے کی باگیں پکڑیں اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آگے روانہ ہو گیا۔ دوسرا گھوڑا میرے ساتھ ساتھ تھا جس کی پشت پر ہرلوزن بندھا ہوا تھا۔

میں جب ایتھنز میں داخل ہوا تو کافی رات ہو گئی تھی۔ ہر طرف اندھیرا تھا اور مجھے اس بات کا کوئی پتہ نہیں دیکھ سکا کہ میرے ساتھ والے گھوڑے پر ایک آدمی بندھا ہوا ہے۔ میں سیدھا سرسبز کلب پہنچا۔ کلب کا صدر دروازہ بند تھا اور مسلح سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ اندر سے لوگوں کے شور و غل کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ظاہر ہے کہ مقابلے میں صرف ایک دن باقی تھا اس لیے کلب میں تیاریاں زور و شور پر ہوں گی۔ میں نے دربان سے کہا کہ وہ ایک منٹ کے لیے تارس کو بلا لائے۔ دربان تارس کو بلانے چلا گیا اور دوسرا غور سے گھوڑے پر بندھی ہوئی اس آدمی کی گٹھڑی کو دیکھنے لگا۔ فوراً ہی میں تارس باہر آ گیا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرے پر حیرانی خطا ہو گئے ——— "تم ——— شہزور ——— تم پھر آ گئے؟" اس کے لہجے میں گہرے استعجاب کے علاوہ بے یقینی کی بھی کیفیت پائی جاتی تھی۔ گویا وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔

"ہاں تارس، میں پھر آ گیا ہوں۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "اور تمہارے لیے ایک تحفہ بھی لایا ہوں۔" میں نے گھوڑے کی باگیں اسے پکڑاتے ہوئے کہا۔

"یہ ——— یہ کیا ہے؟" تارس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ گھوڑے پر بندھی ہوئی گٹھڑی نیم تاریکی میں صاف نہیں نظر آ رہی تھی۔

"اسے سنبھال کر رکھنا ہو سکتا ہے پھر کبھی تمہیں اس کی ضرورت پڑے۔" میں نے کہا، اور اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر گھوڑا موڑ کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

طوفان کلب میں زندگی کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ سارے احاطے میں بڑی بڑی مشعلیں جلا کر دن کی سی روشنی پیدا کر دی گئی تھی۔ اور اس روشنی میں لوگ مختلف قسم کی تیاریوں اور مشقوں میں مصروف تھے۔ استاد مجھے دیکھتے ہی مجھ پر دیوانہ وار مجھ سے لپٹ گیا۔

"تم آ گئے شہزور۔" اس نے وفورِ جذبات سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔ اب میری عزت محفوظ ہو گئی ہے۔"

"ہاں استاد، میں آ گیا ہوں، اور اپنے ساتھ تارس کے لیے تحفہ بھی لایا ہوں۔" میں نے اسے پیچھے دیکھا۔ "میں سرسبز کلب سے ہوتا ہوا آ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟" استاد نے چونک کر پوچھا۔ "تم سرسبز کلب گئے تھے؟ مگر کیوں؟"

تب میں نے استاد کو ساری بات بتا دی۔

"میں ہرلوزن کو جانتا ہوں۔" استاد نے کہا۔ "آج سے کئی سال پہلے وہ سرسبز کلب سے وابستہ تھا اور ایتھنز کا ناقابلِ شکست پہلوان سمجھا جاتا تھا۔ پہلوانی کے علاوہ شمشیر زنی اور نیزہ بازی میں بھی بہت کم لوگ اس کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ لیکن پھر نئے نئے لوگ آتے گئے اور ہرلوزن کئی معرکوں میں شکست کھا جانے کے بعد ایتھنز سے چلا گیا۔ اس کے بعد سے آج پہلی مرتبہ میں اس کے بارے میں سن رہا ہوں۔ بہرحال تم نے یہ بڑا اچھا کیا کہ ہرلوزن کو ہلاک نہیں کیا بلکہ اسے زندہ حالت میں تارس کے حوالے کر کے یہاں چلے آئے۔ اب اگر تارس میں ذرا سی بھی شرم ہو تو اسے چاہیے کہ جلو بھر پانی میں ڈوب کر مر جائے۔"

"اسے جلو بھر پانی میں ڈوب کر مرنے کے لیے پرسوں تک کی مہلت اور دے دو استاد۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

دو سال میں نے کلب کے اندر ہی گزارا۔ میرے تمام ساتھی اور کلب کے ممبر دوبارہ مجھے اپنے درمیان میں دیکھ کر بہت خوش تھے اور اب انہیں یقین آ گیا تھا کہ طوفان کلب ان مقابلوں میں سب سے زیادہ اعزازات حاصل کرے گا۔

اور پھر مقابلوں کے انعقاد کا دن آ پہنچا۔ ایتھنز والوں کے لیے جیسے عید کا دن تھا۔ ہزاروں لوگ آس پاس کے علاقوں سے ان مقابلوں کو دیکھنے کے لیے آ رہے تھے۔ شہر میں ہر طرف جشن کا سماں تھا۔ ہر دوست گہما گہمی تھی۔ شہر کے وسط میں واقع وسیع و عریض اسٹیڈیم لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ شہنشاہ تالاش اور ملکہ اسطوفینہ ان مقابلوں کو دیکھنے کے لیے بنفسِ نفیس موجود تھے۔ تمام بڑے بڑے امراء، رؤساء، وزراء اور عمائدینِ شہر اپنے اپنے غلاموں کی ٹولیوں کے ساتھ موجود تھے۔ رنگ برنگے ملبوسوں اور زرق برق گھوڑوں کا ہجوم تھا جو دور تک پھیلا ہوا تھا۔

پروفیسر میں نے ایتھنز کو اس سے پہلے، بہت پہلے، شاید سینکڑوں سال پہلے بھی دیکھا تھا، اور اس کے بعد بھی کئی مرتبہ دیکھا، لیکن جو کچھ میں نے اس بار دیکھا وہ اس سے پہلے دیکھا اور اس کے بعد، اور جو کچھ میں نے دیکھا اس نے میرے دل میں شدید کراہیت پیدا کر دی۔ اہل ایتھنز عجیب و غریب قسم کے لوگ تھے۔ ان کے کھیلوں کے مقابلے دیکھنے کا مجھے پہلی بار موقع ملا تھا اور مجھے نہیں معلوم تھا

scanned by aazzamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

کہ یہ لوگ مقابلوں اور کھیل تماشوں میں ڈوب کر انسانیت اور اخلاق کو اس طرح فراموش کر دیتے ہیں کہ صرف درندگی اور حیوانیت باقی رہ جاتی ہے۔

غلاموں کے درمیان کشتی اور شمشیر زنی کے مقابلے ہو رہے تھے۔ غلام بہ مقابلہ غلام آتا اپنے اپنے غلاموں کی ہمت کے قصے سناتے تھے جو غلام ہار جاتا جیتنے والے غلام کے لیے لازمی ہوتا کہ اسے دیں، اسی طرح قتل کر دے ——— اگر وہ ایسا نہیں کرتا تھا تو ڈیوٹی پر موجود سپاہی مفتوح اور فاتح دونوں کو قتل کر دیتے تھے۔ لوگوں کی نظروں کو گھسیٹ کر ایک طرف ڈال دیا جاتا تھا۔ غلاموں کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ حیوانوں کی طرح لڑیں۔ ایک دوسرے کو ایذا پہنچائیں اور جو غلام ایسا کرنے میں ہچکچاتا تھا اسے کوڑے مارے جاتے تھے۔ جیسے دیکھتے ہی دیکھتے غلاموں کی لاشوں کا ڈھیر لگ گیا۔ ان میں بہت سے فاتح غلام بھی تھے جنہوں نے اپنے مفتوح کو قتل کرنے سے انکار کر دیا تھا اور نتیجۃً انہیں سپاہیوں نے ہلاک کر ڈالا تھا۔ لوگ ان سفاکوں کو دیکھ کر خوشی سے دیوانہ وار چلاتے اور تالیاں بجاتے۔ ایسا لگتا تھا کہ ان کی انسانی روحوں نے ان کے جسموں کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور وہ بھیڑیے بن گئے ہیں۔ اسٹیڈیم میں انسانی جان کی کوئی قیمت نہیں تھی۔ انسانی خون کی ارزانی ہی ارزانی تھی۔

اور پھر ایک عجیب و غریب مقابلہ پیش کیا گیا۔ یہ مقابلہ شیروں اور شتر مرغوں کے درمیان تھا۔ شتر مرغ کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اگر خطرے میں گھر جائے تو گھوڑے کی طرح لات مارتا ہے اور اس کی لات ایک اچھے خاصے مضبوط جانور کی کھوپڑی توڑ دینے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ لوہے کے بڑے بڑے اور بھاری پنجروں میں خونخوار شیر بند تھے۔ ایک پنجرے میں ایک بھاری بھرکم شتر مرغ کو چھوڑ دیا گیا۔ شیر غرایا۔ شتر مرغ سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔ شیر بھاگ کر آگے بڑھا اور شتر مرغ نے اچھل کر اس کے منہ پر زور سے لات ماری۔ شیر گھبرا کر پیچھے ہٹا اور اگلے لمحے میں اس نے شتر مرغ کے چیتھڑے کر ڈالے۔ مجمع بے قابو ہو کر چیخ رہا تھا، تالیاں بجا رہا تھا۔ اور پھر میں نے اس سے بھی زیادہ خوفناک اور دلدوز منظر دیکھا۔ ایک غلام کو دونوں ہاتھوں میں تلواریں دے کر شیر کے پنجرے میں چھوڑ دیا گیا۔ البا تھنز نے اپنی تفریح طبع کے لیے کیا کیا طریقے ایجاد کیے تھے! غلام خوفزدہ سہمے پنجرے میں دوڑ جانے کے لیے جدوجہد کرتا رہا، لیکن اسے زبردستی اندر دھکیل دیا گیا۔ شیر اس پر حملہ آور ہوا۔ غلام نے تلواروں کی مدد سے اپنی جان بچانے کی کوشش کی لیکن شیر نے اسے حملہ کرنے کا موقع نہیں دیا۔ مجمع ایک بار پھر شور مچانے لگا۔

اس قسم کے بیہودہ مناظر دیکھ کر میرا جی متلانے لگا اور بے ساختہ وہاں سے چلے جانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ لیکن ابھی مجھے اپنا کردار ادا کرنا تھا۔ اس لیے میں خاموشی سے بیٹھا یہ سب کچھ دیکھتا رہا اور دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔ پھر رتھوں کی دوڑ شروع ہوئی جس میں بہت سے رتھ حصہ لے رہے تھے۔ تیز رفتاری کے باعث کئی رتھ راستے میں الٹ گئے۔ ان کے پہیے اڑ گئے۔ گھوڑوں اور انسانوں کے جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے لیکن فوراً ہی اس "کوڑے کباڑے" کو راستے سے ہٹا دیا گیا۔ دیکھنے والوں کی پیشانی پر بل تک نہیں آیا۔ رتھوں کی دوڑ کا راستہ خون میں ڈوب گیا تھا لیکن وحشیانہ دوڑ برابر جاری تھی۔ واہ رے لوگ۔

مختلف قسم کے کھیل تماشوں اور مقابلوں کا سلسلہ تادیر جاری رہا۔ سخت اکتا گیا تھا کہ اچانک اعلان کے مطابق ایک شمشیر زن میدان میں اتر آیا۔ اس نے تمام شمشیر زنوں کو مقابلے کی دعوت دی۔ اس کی دعوت کے جواب میں سرسبز کلب کا ایک شمشیر زن مقابلے میں آ گیا اور تلواروں کی بجلیاں چمکنے لگیں۔ وہ اتنی تیزی سے چل رہی تھیں کہ ان پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔ اچانک سرسبز کلب کے شمشیر زن کی تلوار نے پہلے شمشیر زن کی گردن کو کاٹ کر دور پھینک دیا۔ خون کے فوارے بہنے لگے اور سرسبز کلب کے شمشیر زن کا لباس بھی سرخ ہو گیا۔

سرسبز کلب کے شمشیر زن نے تین اور شمشیر زنوں کو ہلاک کیا اور ان کی لاشیں اسٹیج پر سے ہٹا دی گئیں۔ اب وہ ایک ناقابل شکست ہیرو کی طرح کھڑا ہوا سب کو للکار رہا تھا۔ کوئی اور اس کے مقابلے کے لیے آگے نہیں بڑھا تو اس نے مجھے اشارہ کیا اور ایک تلوار میرے ہاتھ میں تھما دی۔ یعنی ظاہر ہوا۔ مجمع میں پھر جوش و خروش کی لہر دوڑ گئی۔

سرسبز کلب کے شمشیر زن کے ساتھ میرا مقابلہ کافی دیر تک جاری رہا۔ دراصل وہ اسقدر ماہر تھا کہ میری تلوار کو اپنے جسم تک پہنچنے ہی نہیں دیتا تھا اور اپنی غیر معمولی جسمانی طاقت کا مظاہرہ کر کے اس پر غالب نہیں آنا چاہتا تھا۔ اس کی تلوار کی بجلیاں کئی مرتبہ میرے جسم پر گریں لیکن مجھے زخمی کیے بغیر غائب ہو گئیں۔ بالآخر میں نے اس کو اور صحیح نشانے سے اس کی کلائی پر ایک وار کیا۔ اس کی کلائی شدید زخمی ہو گئی اور تلوار اس کی گرفت سے چھوٹ کر نیچے گر پڑی۔ مجمع میں شور مچ گیا۔ شکست خوردہ شمشیر زن، جس نے مجھ سے پہلے تین انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا، خوفزدہ نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میری شکل میں اسے موت نظر آ رہی تھی۔ طوفان کلب والوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔

لیکن میں اسے قتل کرنے کے بجائے واپس اپنی نشست پر آنے لگا تو سپاہیوں نے مجھے روک لیا۔ "مفتوح کو قتل کر دو۔" مجھے حکم دیا گیا۔ "قتل کرو، قتل کرو" ہر طرف سے صدائیں آنے لگیں۔ لیکن میں نے سپاہیوں کو دھکا دے کر راستہ سے ہٹایا اور واپس آنے لگا۔

فوراً ہی کئی مسلحین دوڑتے ہوئے آئے اور انہوں نے مجھے روک کر کہا۔ "تمہیں اسے قتل کرنا ہوگا۔" انہوں نے زور دے کر کہا۔

"مگر کیوں؟ میری اس سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ وہ مقابلہ ہار گیا ہے اور اتنا کافی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"جو لوگ اس سے ہار گئے تھے ان کی بھی اس سے کوئی دشمنی نہیں تھی لیکن اس نے ان سب کو قتل کیا۔ شمشیر زنی کے مقابلے کا یہی اصول ہے۔ تمہیں ہرانا ہے تو اسے قتل کرنا ہوگا۔"

"میں ایسا کرنے سے انکار کرتا ہوں۔" میں نے سخت لہجے میں جواب دیا۔ "تم مجھے بلاوجہ قتل کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔"

"مفتوح کی جان بخشی کا حق صرف شہنشاہ کو ہے۔ تم اس بارے میں

فیصلہ نہیں کر سکتے۔"

"ٹھیک ہے، مجھے شہنشاہ کے حضور میں لے چلو۔" میں نے کہا۔

مسلحین مجھے دونوں طرف سے پکڑ کر شہنشاہ تالاش کے حضور میں لے گئے۔ جو اپنی ملکہ اسطونیہ کے ساتھ ایک طلائی صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد درباری عمائدین سلطنت کا ہجوم تھا۔ گورنر بھی موجود تھا جس سے میں ایک بار پہلے مل چکا تھا۔ ملکہ اسطونیہ میرے سنہری بدن کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ مسلحین نے شہنشاہ کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ وہ سخت برہمی کے انداز میں ساری باتیں سنتا رہا۔

"تجھے مفتوح کو قتل کرنا پڑے گا، ورنہ پھر خود بھی قتل ہونے کے لیے تیار ہو جا۔" اس نے غصے میں کہا۔ "مقابلے کے اصول بدلے نہیں جا سکتے۔"

"کیا ابھی تو کسی اور مقابلے میں بھی حصہ لینے کا ارادہ رکھتا ہے؟" ملکہ اسطونیہ نے اپنی نرم اور شیریں آواز میں مجھ سے پوچھا۔

"جی ہاں ملکہ عالیہ ——— میں کشتی کے مقابلے میں حصہ لوں گا۔" میں نے ادب سے گردن جھکا کر جواب دیا۔

"شہنشاہ والی مرتبت!" ملکہ نے شہنشاہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کنیز کی رائے میں آپ کشتی کے مقابلے کے انجام تک اس قیدی کے فیصلے کو ملتوی کر دیں۔ اس نوجوان کے علاوہ مفتوح شمشیر زن کو بھی حراست میں لے لیا جائے۔ طوفان دونوں کے مقدمے کا فیصلہ کشتی کے مقابلوں کے اختتام کے بعد کیا جائے۔"

"ہمیں اپنی حسین ملکہ کی دانائی پر واقعی فخر ہے۔" شہنشاہ نے مسکرا کر کہا۔ "ملکہ کے حکم کی تعمیل کی جائے۔ اس سنہری نوجوان اور مفتوح شمشیر زن کو زیر حراست سمجھا جائے۔"

میں اپنی نشست پر واپس آ گیا اور دو مسلح سپاہی مجھے گھیرے میں لیے ہوئے تھے۔ استاد سخت پریشان ہو رہا تھا۔ میں نے اسے ساری بات بتائی تو وہ کچھ مطمئن ہوا۔

بالآخر کشتی کے مقابلوں کا وقت آیا۔ کئی پہلوانوں میں آپس میں مقابلے ہوتے رہے۔ بڑے چٹخنی میں اگر زمین جھوٹی رہیں، ہاتھ پیر توڑے جاتے رہے بالآخر گوشت کا ایک نہایت بھاری بھرکم اور ہیبت ناک تودہ، جو کسی دوسرے شہر سے آیا تھا، میدان میں نمودار ہوا۔ لوگ اسے دیکھ کر دیوانہ وار تالیاں بجانے لگے۔ مجمع کے شور و غل نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ گوشت کا تودہ اسٹیج کے وسط میں کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے للکار کر مقابلے کی دعوت دی۔ اب تک جتنے پہلوانوں کے درمیان کشتیاں ہوئی تھیں۔ ان میں جیتنے والے بھی شدید طور پر مجروح تھے اور اگر وہ مجروح نہ بھی ہوتے تو بھی ان میں سے کوئی اس لائق نہیں تھا کہ اس پہاڑ سے ٹکر لینے کی جرأت کر سکے۔ اس کا ایک ہی گھونسہ ان لوگوں کی کھوپڑیاں توڑ دینے کے لیے کافی تھا۔ کوئی شخص بھی گوشت کے تودے کے مقابلے کے لیے آمادہ نہ تھا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر استاد کا اشارہ پا کر میں اسٹیج کی طرف بڑھا۔ وہ مجھے دیکھ کر ہنسنے لگا اور یوں لگا جیسے گوشت کے تودے میں زلزلہ آ گیا ہو۔ "تو مجھ سے مقابلہ کرے گا!" اس نے تمسخر آمیز انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا زندگی سے تنگ آ گیا ہے؟ ابھی تیرے مرنے کے دن نہیں ہیں۔"

میں نے اس کی لن ترانیوں کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے اس کے سامنے کھڑا ہو کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ مجمع میری اس جسارت پر دم بخود تھا۔ غالباً استاد، مغویسا اور چند دوسرے لوگوں کے علاوہ کسی کو اس بات کا یقین نہیں تھا کہ میں گوشت کے اس پہاڑ سے ٹکرا کر زندہ بچوں گا۔ میں نے ایک نظر نمائش بنوں پر ڈالی، ہر شخص ہماری جانب متوجہ تھا۔

پھر گوشت کے تودے میں اچانک زوردار حرکت ہوئی اور اس نے اپنا بھرپور گھونسہ میرے سر پر مارا۔ بڑے زور کے دھماکے کی آواز ہوئی اور گوشت کا تودہ کراہ کر اپنا ہاتھ جھٹکنے لگا۔ دوسری مرتبہ اس نے تیزی سے پیچھے ہٹتے ہوئے اچھل کر ایک زوردار لات میرے سینے پر رسید کی لیکن وہ اپنی ٹانگ پکڑ کر بیٹھ گیا۔ شدید تکلیف کی وجہ سے اس کا چہرہ مسخ ہو رہا تھا۔ شاید اس کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ میں نے اس کے بال پکڑ کر اسے اوپر اٹھانا چاہا تو وہ بری طرح گڑگڑانے لگا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے مجھے پیچھے ڈھکیلنے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے اسے اٹھا کر سیدھا کھڑا کر دیا۔ مگر وہ کسی ذبح کیے ہوئے بیل کی طرح ڈگمگا رہا تھا۔ وہ دوبارہ گر پڑا۔ اس کی ایک ٹانگ بے کار ہو گئی تھی۔ اور وہ اس کے بھاری جسم کا بوجھ نہیں سہار پا رہی تھی۔ میں اپنی کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر فاتحانہ انداز میں اس کے پاس کھڑا ہو گیا۔ مجمع نے تحسین و آفرین کے نعروں سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ میں نے موٹے پہلوان پر ایک وار بھی نہیں کیا تھا اور وہ محض میرے جسم سے ٹکرا کر اپنی ہڈیاں تڑوا بیٹھا تھا۔ طوفان کے اعزازات میں ایک اور تالیاں اضافہ ہو چکا تھا۔ پھر کئی لوگ آئے اور بمشکل موٹے پہلوان کو سہارا دے کر لے گئے۔

اچانک ایک عجیب و غریب واقعہ رونما ہوا۔ ایک شیہ کا پنجرہ نہ جانے کس طرح کھلا رہ گیا تھا اور وہ موقع پاتے ہی دھاڑتا ہوا باہر نکل آیا۔ وہ وقت مقتے میں بھرا ہوا تھا۔ پنجرے سے باہر نکلتے ہی وہ سیدھا اس طرف لپکا جہاں شہنشاہ اور ملکہ اپنے مصاحبین اور دیگر زعما کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ غیر معمولی سرعت سے اس طرف بڑھ رہا تھا جدھر پانچ محافظ تلواریں سونتے ہوئے شیر کی طرف لپکے لیکن اس نے ایک پنجے میں دو محافظوں کو ڈھیر کر دیا۔ ان کی آنتیں باہر نکل آئیں۔ باقی محافظ بھاگ نکلے۔ اچانک شہنشاہ اور ملکہ گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ عمائدین شہر بھی کھڑے ہو گئے۔ مجمع میں بھگدڑ مچ گئی۔ تلوار بازوں کا ایک دستہ تیزی سے پیچھے سے بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔ ان کے ساتھ نیزہ بردار بھی تھے۔ لیکن میرا اندازہ تھا کہ جب تک یہ دستہ شیر کے پاس پہنچے گا، اس وقت تک شیر شہنشاہ اور ملکہ کے پاس پہنچ چکا ہوگا۔ میں نے بجلی کی سی

Scanned by aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

تیزی کے ساتھ چھلانگ لگائی اور شیر کو راستے میں ہی روک کر اس کی گردن میں ہاتھ ڈال دیا۔ دوسرے ہاتھ سے میں نے اس کے دونوں پنجے پکڑ لیے۔ مجمع میں جیسے حشر برپا ہو گیا۔ لوگ بری طرح چیخ رہے تھے۔ سب کو یقین تھا کہ شیر میری تکا بوٹی کر کے پھینک دے گا لیکن لوگوں کی حیران نظروں نے دیکھا کہ شیر کی لاش نیچے پڑی ہے اور میں فتح مندانہ انداز میں اس کے جسم پر پیر رکھے کھڑا ہوں۔ مجھے ہلکی سی خراش تک نہ آئی تھی۔

اس عرصے میں تلوار بازوں اور نیزہ بازوں کا دستہ ہمارے قریب آ چکا تھا۔ وہ لوگ حیرت اور بے یقینی کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ "تم نے اسے ہلاک کر دیا؟" ایک تلوار باز نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "مگر تمہارے جسم پر کوئی زخم تک نہیں آیا۔"

"میں نے اسے زخم لگانے کا موقع نہیں دیا۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

شہنشاہ کے حکم پر مجھے دوبارہ اس کے اور ملکہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔ "تیری جرأت اور بہادری کا یہ واقعہ دیکھنے والوں کے لیے بیتا، لیکن سننے والوں کے لیے ناقابلِ یقین ہے نوجوان۔" شہنشاہ نے کہا۔ "تو نے اس درندے کو جس انداز میں ہلاک کیا ہے، اس کی مثال ایتھنز کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ یقیناً دیوتا تجھ پر مہربان ہیں۔"

"تو حیرت انگیز حد تک بہادر جوان تو ملکہ نے میرے جسم کو تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کمال تو یہ ہے کہ شیر سے لڑتے وقت تیرے جسم پر ایک نشان بھی نہ ڈال سکا۔"

"میں عزت افزائی کے لیے معزز شہنشاہ اور ان کی لائق تعظیم ملکہ کا شکر گزار ہوں عالی جاہ۔" میں نے اپنے استاد کے انداز میں تعاظمی کرتے ہوئے کہا۔ دراصل میں صرف اپنے استاد کی توقیر بڑھانا چاہتا تھا اور نہ ہی ان عالی جاہ والی جاہ قسم کے لوگوں سے بھلا کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔

شہنشاہ نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا اور جب اسے معلوم ہوا کہ میں طوفان کلب سے تعلق رکھتا ہوں جس کا سربراہ استاد اشکند ہے، تو اس نے استاد کو بلوا بھیجا۔ استاد جب آیا تو اس کے چہرے سے خوشی چھپائے نہیں چھپتی تھی۔ اس نے شہنشاہ اور ملکہ کو تعظیم دی اور ان دونوں نے استاد کو مبارکباد دی کہ اس کے کلب میں ایسا غیر معمولی بہادر انسان موجود ہے۔ ایک مزے کی بات یہ ہوئی پروفیسر کہ اس ہنگامے میں سب لوگ یہ بات بھول گئے کہ میں سرسبز والوں کے شہزادہ زیان کے ساتھ زیر حراست تھا اور ہمارے درمیان قطعے کا فیصلہ کشتی کے مقابلوں کے اختتام پر ہونے والا تھا۔ شہنشاہ نے استاد کو حکم دیا کہ وہ دوسرے دن مجھے لے کر دربار میں حاضر ہو جہاں مجھے مناسب انعامات سے نوازا جائے گا۔ میں نے محسوس کیا کہ ملکہ کی نگاہیں برابر میرے جسم کا طواف کر رہی ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ شہنشاہ کے گرد موجود لوگوں میں سے ایک شخص مجھے ناپسندیدگی اور شبے کی نظروں سے دیکھ رہا ہے جیسا کہ بعد میں استاد نے مجھے بتایا، اس شخص کا نام طالیموس تھا اور وہ شہنشاہ کے خصوصی مقربین میں سے ایک تھا۔

استاد کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ طوفان کلب نے مقابلوں میں شاندار کامیابیاں حاصل کی تھیں اور پورے ایتھنز میں اسی کا نام گونج رہا تھا۔ میں نے شیر کو ہلاک کر کے جو کارنامہ انجام دیا تھا اس کی دھوم سارے شہر میں تھی، اور میرے نام کے ساتھ طوفان کلب اور استاد کا نام آنا تو جیسے ضروری تھا ہی۔ استاد کے لیے یہ بڑی عزت کی بات تھی کہ شہنشاہ نے خود ہم لوگوں کو دربار میں طلب کیا تھا جہاں وہ مجھے انعام دینا چاہتا تھا۔ میں نے استاد سے کہا کہ اب میرا سارا کام ختم ہو چکا ہے، اور میں واپس شہر سرسبز کے لیے چلا جانا چاہتا ہوں جہاں میں اپنے آئندہ پروگرام کے بارے میں سوچوں گا۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے درباروں اور انعام و اکرام سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور وہ میری طرف سے یہ انعامات خود حاصل کر سکتا ہے، لیکن استاد بضد ہو گیا کہ میں چند روز اور قیام کروں، اور کل دربار میں ضرور حاضری دوں اور شہنشاہ اسے حکم عدولی پر محمول کرے گا اور استاد کی حیثیت متاثر ہو گی۔

میں ایک بار پھر استاد کے کہنے پر رک گیا اور دوسرے دن استاد کے ساتھ دربار میں پہنچا۔ ایتھنز کے دربار کی شان و شوکت واقعی قابلِ دید تھی۔ لیکن مجھے اس سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ میں تو جلد از جلد یہ کام ختم کر کے یہاں سے بھاگ نکلنا چاہتا تھا۔ میری اور استاد کی دربار میں مناسب طور پر پذیرائی کی گئی، لیکن طالیموس کی نظروں میں میرے لیے بدستور ناپسندیدگی کے تاثرات تھے۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے شہنشاہ سے کہا۔ "حضور والا، مجھے یہ شخص کوئی خطرناک قسم کا جادوگر معلوم ہوتا ہے۔ کل اس نے جس طرح شیر کو ہلاک کیا، وہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ آپ یہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ اس کے جسم اور بالوں کی رنگت سنہری ہے۔ کیا آپ نے کبھی کوئی سنہرا انسان دیکھا ہے؟ میرے خیال میں یہ شخص کسی خطرناک ارادے سے ایتھنز میں داخل ہوا ہے اور میری ناچیز رائے میں اسے اس وقت تک قید میں رکھیں جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس شخص کی اصلیت کیا ہے۔"

استاد، طالیموس کی باتیں سن کر سخت پریشان ہوا، وہ تو مجھے لے کر یہاں انعام کے لیے آیا تھا، اور یہاں میری گرفتاری کے مشورے ہو رہے تھے۔ ابھی استاد نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ شہنشاہ نے طالیموس سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "اس کی اصلیت کس طرح معلوم کی جا سکتی ہے؟"

"اسے بڑے دیوتا کے مقدس مندر میں دیوتا کے بت کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیا جائے۔ اگر یہ جادوگر ہے تو خود بخود جل کر بھسم ہو جائے گا کیونکہ دیوتا کے بت کے سامنے کوئی جادوگر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر یہ جادوگر نہیں ہے تو زندہ واپس آ جائے گا۔" طالیموس نے کینہ بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تیری تجویز معقول ہے طالیموس۔" شہنشاہ نے جواب دیا۔ "اور یہ بھی تو ہی کرے گا۔ آج رات تو اسے دیوتا کے مندر میں لے جائے گا اور کل کے لیے یہ شخص محل کے قید خانے میں رہے گا۔"

استاد کی زبان گنگ ہو گئی لیکن میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں یقین دلایا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ طالیموس کے پہلو ایک قید خانے میں جو محل کے اندر ہی موجود تھا، میں بند کر دیا گیا۔ میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور خاموش رہا۔

رات کو طالیموس اپنی منحوس صورت لیے ہوئے مسلح سپاہیوں کے دستے کے ساتھ قید خانے میں آیا اور مجھے نکال کر لے چلا۔ مسلح سپاہی میرے ساتھ تھے۔ ہم لوگ بڑے دیوتا کے مندر کے قریب پہنچے اور پھر اندر داخل ہو گئے۔ طالیموس آگے آگے تھا اور میں اس سے پیچھے، اور میرے پیچھے سپاہیوں کی ایک بھاری جمعیت۔ کئی دالانوں اور کمروں سے گزرتے ہوئے ایک بڑے سے کمرے میں پہنچ گئے جس کے ایک کنارے ایک بہت بڑا قد آدم مجسمہ تھا جس کے قدموں میں ایک زبردست الاؤ روشن تھا۔ اس وقت مجھے اس الاؤ کو رسم کا ایک حصہ ہی سمجھا، لیکن اس کی اصل وجہ بعد میں معلوم ہوئی۔ کمرے میں آنے کے بعد طالیموس نے تمام مسلح سپاہیوں کو باہر بھیج دیا۔ دروازہ اندر سے بند کر دیا اور صرف تین چھوٹے افسروں کو جو بڑے طاقتور اور قوتِ کشش کے مالک تھے، ساتھ رہنے دیا۔ اس کے مجھے الاؤ کے قریب لانے کا حکم دیا۔ جیسے ہی الاؤ کے نزدیک پہنچا، اچانک ان چاروں نے مجھے پورے زور سے الاؤ میں دھکیل دیا۔ میں چونکہ اس کے لیے تیار نہیں تھا، مجھے اس قسم کی کسی بات کی توقع تھی۔ اس لیے میں توازن برقرار نہ رکھ سکا اور سیدھا الاؤ میں جا گرا۔ "یہ ارتیموس کے تمل کا ہدیہ ہے بدنصیب۔" انہوں نے مجھ سے کہا۔ "میں ارتیموس کا دوست تھا، اور جب وہ تجھے اور ہمیں دینے کے لیے نکلا تھا تو مجھے بتا کر گیا تھا لیکن اس کے بعد سے وہ واپس نہ آیا۔ اس کے ساتھیوں کا، سب کو جیسے زمین نگل گئی، اور پھر تو ساحل کے مردہ جسم کو یہ کہہ کر دفن کروا دیا کہ وہ سانپ کے کاٹنے سے ہو گئی ہے، اور اس بات سے میرا شبہ یقین میں بدل گیا کہ ارتیموس کے ساتھی لڑائی میں تیرے ہاتھ سے مارے گئے اور تیرا وہ بھی ہلاک ہو گیا۔ میں نکلا میں نوکب سے تیری تاک میں تھا۔ آج میرا موقع لگا ہے اور شہنشاہ کے حضور میں تیری راکھ پیش کروں گا۔"

طالیموس بول رہا تھا اور اسے یقین تھا کہ اب میری چیخیں بلند ہوں گی اور میرے جسم کے سارے کپڑے جل گئے اور میں آگ میں ایک نئی زندگی اور نئی توانائی حاصل کر کے باہر الاؤ میں لیٹ گیا تھا اور پنجے شعلوں کے سبب طالیموس اور اس کے ساتھیوں کو کچھ نظر نہ آیا۔ شاید وہ چیخنے سے پہلے ہی بیہوش ہو گیا۔ طالیموس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"اب تک وہ مر چکا ہو گا۔" اس کے ایک ساتھی نے کہا۔ "اب یہیں چلنا چاہیے ہم شہنشاہ کو بتا دیں گے کہ آگ نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔"

"ابھی ذرا رو یہ اور ٹھہرو۔" طالیموس نے کہا۔ "اسے پوری طرح جل جانے دو۔"

اور میں کافی دیر تک مسلسل آتش کرنے کے بعد اچانک ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ میری نس نس میں ایک نئی زندگی، نئی توانائی دوڑ رہی تھی۔ مجھے الاؤ سے زندہ سلامت باہر نکلتا دیکھ کر وہ چاروں پتھر کے بت بن گئے۔ حیرت کے مارے ان کے منہ سے کوئی آواز ہی نہیں نکلی۔ وہ خوفزدہ ہو کر مجھے دیکھ رہے تھے۔ میرا جسم پالش کیے ہوئے سونے کی مانند اس طرح چمک رہا تھا کہ اس پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔

طالیموس نے سب سے پہلے بھاگنے کے لیے قدم اٹھایا لیکن میں نے ڈانٹ کر اسے روک دیا۔ وہ بے حس و حرکت کھڑا ہو گیا، گویا اس کے جسم میں جان ہی نہ رہی ہو۔ اس کے تینوں ساتھی زرد پتوں کی طرح کانپ رہے تھے۔ دہشت نے ان کے حواس مختل کر دیے تھے۔ میں نے چپکے کر طالیموس کو پکڑ لیا اور ان تینوں چھوٹے افسروں سے کہا کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش کی تو وہ اس کی زندگی کا آخری لمحہ ہو گا۔ میں نے جانبک طالیموس کو الاؤ میں اچھال دیں۔ طالیموس کی چیخیں صرف چند لمحوں کے لیے بلند ہوئیں اور پھر صرف الاؤ میں نکلیاں چٹخنے کی آوازیں آتی رہیں۔ تینوں چھوٹے افسر بے حس و حرکت تصویرِ حیرت بنے کھڑے تھے۔

"کیا تم لوگ زندہ رہنا چاہتے ہو؟" میں نے ان سے سوال کیا۔

وہ تینوں میرے قدموں میں گر پڑے اور گڑگڑا کر اپنی زندگی کی بھیک مانگنے لگے۔

"اچھا تو سنو۔" میں نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم لوگ مجھے شہنشاہ کے پاس لے چلو گے اور وہاں چل کر یہ کہو گے کہ طالیموس مجھے آگ میں جھونکنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے اپنے جسم کا توازن بگڑ گیا اور وہ اچانک الاؤ میں گر پڑا۔ اس کے علاوہ تمہیں اور کچھ نہیں کہنا ہے۔"

وہ تینوں خوشی خوشی اس بات کے لیے راضی ہو گئے۔ جان کے خوف نے انہیں جھوٹ بولنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں نے ان میں سے ایک کا بازو اتروا لیا اور اس سے اپنے جسم کو ڈھانپا۔ ہم لوگ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئے۔

دوسرے دن صبح دربار میں استاد بھی موجود تھا۔ تینوں چھوٹے افسروں نے مجھے شہنشاہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے وہی بات دہرائی جو میں نے ان کو بتائی تھی۔ شہنشاہ کو سخت تعجب ہوا۔ لیکن اسطونیہ، جو اس کے برابر بیٹھی تھی، کہنے لگی۔ "عالی جاہ میرا خیال ہے کہ دیوتاؤں نے طالیموس کو سزا دی ہے۔ اس نے ایک جوئی، بہادر اور حوصلہ مند انسان پر جھوٹا الزام لگا کر اس کی توہین کی

aazzamm@yahoo.com

تھی۔ دیوتاؤں نے یہ بات سخت ناپسند کی اور اس کو حکم دیا کہ وہ طالیموس کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔" ملکہ میٹھی میٹھی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"میں اپنی دانش مند ملکہ کی فہم و فراست کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔" شہنشاہ نے کہا "یہ ثابت ہو چکا ہے کہ شہزور جادوگر نہیں ہے بلکہ دیوتاؤں نے اس پر مہربانیاں کی ہیں اور اسے زبردست جسمانی قوت عطا کی ہے۔ وہ ایتھنز کے لیے ایک قابلِ فخر انسان ہے۔ میں اس کو اور اس کے استاد اسکندر کو عزت و انعام کا مستحق سمجھتا ہوں۔"

اور پھر شہنشاہ کی طرف سے میں بہت سے قیمتی انعامات عطا کیے گئے۔ میرے لیے الگ انعامات تھے۔ استاد کے لیے الگ اور ہمارے کلب کے لیے الگ۔ جب ہم لوگ دربار سے رخصت ہوئے تو انعامات سے لدے پھندے تھے۔ لوگ ہمیں رشک بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ استاد کو وہی خوشی تھی۔ ایک تو اس بات کی خوشی کہ میں طالیموس کے چنگل سے بچ گیا اور دوسرے اس عزت و احترام کی خوشی تھی جو ہمیں دربار کی جانب سے حاصل ہوا تھا۔

کلب میں پہنچ کر استاد نے مجھ سے طالیموس کے بارے میں حقیقت دریافت کی۔ اور میں ایک بار پھر مصلحت کی بنا پر حقیقت کی پردہ پوشی کے لیے مجبور تھا۔ میں نے استاد کو بتایا کہ اصل بات وہی ہے جو میں نے افسروں نے شہنشاہ کے سامنے بیان کی ہے۔ طالیموس مجھے واقعی الاؤ میں دھکیلنا چاہتا تھا لیکن میں تیزی سے ایک طرف ہو گیا اور وہ اپنی جونک میں آگ میں گر کر جل گیا۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ طالیموس کو تم سے کیا دشمنی تھی؟" استاد نے پوچھا۔ "تم دونوں تو ایک دوسرے سے واقف بھی نہیں تھے۔"

"وہ شہنشاہ کے مقربین میں سے تھا۔" میں نے اصل بات کو چھپاتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ میری قوت سے خوفزدہ ہو گیا ہو اور اس نے یہ سمجھا ہو کہ کہیں میں شہنشاہ کے زیادہ قریب نہ آ جاؤں۔ اور آئندہ چل کر اس کی راہ میں دشواریاں نہ پیدا کر دوں۔ اس لیے وہ مجھے شروع سے ہی اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہو۔"

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔" استاد نے جواب دیا۔ "لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے شیطانی ذہن نے پورا منصوبہ سوچ سمجھ کر بنایا تھا۔ اور تم بروقت سنبھل کر الگ نہ ہٹ جاتے تو اس وقت تک تمہاری راکھ کا بھی پتہ نہ چلتا۔ اور شہنشاہ کو یہی یقین دلایا جاتا کہ تم جادوگر تھے اور دیوتاؤں نے تمہیں جلا ڈالا۔"

میں دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ استاد کے فرشتوں کو بھی اس بات کی خبر نہیں تھی کہ طالیموس مجھے الاؤ میں گرانے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اپنی دانست میں اس نے مجھے جلا کر بھسم کر ڈالا تھا۔ لیکن میں پھر بھی زندہ سلامت تھا۔ بھلا میں استاد کو یہ کیسے بتا سکتا تھا کہ میں تو مثلِ آتش کر کے آیا ہوں۔

اس روز سارا دن طوفان کلب میں شہر کے معززین و عمائدین کی آمد کا سلسلہ جاری رہا جو مجھے اور استاد کو جاری کامیابیوں کی مبارک باد دینے آ رہے تھے۔ استاد نے آنے والے مہمانوں کی پُرتکلف خاطر تواضع کا اہتمام کیا تھا۔ استاد کے بعد پورے کلب میں جو شخص سب سے زیادہ خوش تھا وہ غریب تھا۔ ویسے اس نے بھی نیزہ بازی کے مقابلے میں فتح حاصل کی تھی اور طوفان کلب کے امتیازات میں ایک کا اضافہ کیا تھا۔ سارا دن لوگوں کی مبارک بادیں وصول کرتے گزر گیا اور رات کو استاد نے نہایت پُرتکلف کھانے کا بندوبست کیا۔

اب استاد کے سارے قرضے چکا دیئے تھے اور اب مجھ پر اس کا کوئی اخلاقی دعویٰ باقی نہیں رہا تھا۔ چنانچہ میں نے استاد کو بتایا کہ میں ایک دن اور قیام کرنے کے بعد اس سے آگے دن گاؤں روانہ ہو جاؤں گا جہاں شہزاد میرے انتظار میں بے چین ہو گی۔ مجھے یقین تھا کہ اس کا ایک ایک لمحہ بڑی مشکل سے گزر رہا ہو گا۔ خود میں بھی اس کے لیے بے چین تھا اور جلد از جلد اس کے پاس پہنچ کر کچھ دن آرام اور سکون کی زندگی گزارنا چاہتا تھا۔

استاد میری بات سن کر افسردہ ہو گیا لیکن اس نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ اس نے کہا کہ اس کی خواہش تو یہ تھی کہ میں مستقلاً یہاں قیام کرتا اور اس کلب کو ہی اپنا گھر سمجھتا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے کام کو جاری رکھوں اور اس کلب کا نظم و نسق سنبھال لوں۔ لیکن میں نے بڑی نرمی سے استاد کی پیشکش مسترد کر دی اور اس سے کہا میں اس قسم کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے موزوں نہیں ہوں۔ میں نے وہ تمام انعامات جو شہنشاہ کی جانب سے مجھے ملے تھے، استاد کے حوالے کرنے چاہے، لیکن اس نے انہیں لینے سے سختی کے ساتھ انکار کر دیا۔

مجھے اب ایتھنز میں صرف ایک دن اور رکنا تھا اور اس سے اگلے دن علی الصباح روانہ ہو جانا تھا۔ لیکن روانگی سے پہلے والے دن صبح کو جب میں ناشتہ کرنے کے بعد ایتھنز کی آخری بار سیر کرنے کی غرض سے کلب سے باہر نکلا تو میں نے صدر دروازے کے قریب ایک شخص کو کھڑا ہوا پایا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی میری طرف بڑھا۔ "آپ کے لیے ایک ضروری پیغام ہے۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔

"تم کون ہو اور تم نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ میں باہر صرف نکلوں گا۔ تم اندر کیوں نہیں آ گئے؟"

"میں تھوڑی دیر اور انتظار کرتا۔ اس کے بعد اندر آ کر آپ سے تنہائی میں ملاقات کرتا۔ یہی ملکہ کا حکم ہے۔ ان کا پیغام آپ تک بالکل تنہائی میں دیا جائے۔" اس شخص نے دھیمی آواز میں کہا۔

"تمہاری ملکہ؟" میں نے پوچھا "کون ہے تمہاری ملکہ اور مجھ سے کیا چاہتی ہے؟"

"میری ملکہ کا نام ملکہ اسطوفینہ ہے اور وہ شہنشاہ تالاش کی بیوی ہے۔" اس شخص نے مرعوب کن لیکن دھیمے لہجے میں کہا۔ "ملکہ نے آپ کے لیے یہ پیغام دیا ہے کہ آپ آج سورج ڈھلنے کے ایک ساعت کے بعد شاہی محل کے مغربی کنارے والے چھوٹے دروازے پر آ جائیں۔ دروازہ آپ کو کھلا ملے گا۔ اس میں سے گزر کر آپ سیدھے چلے جائیں تو باغ کے پچھلے اور سنسان حصے

پہنچ جائیں گے جہاں ایک کمرے والی ایک چھوٹی سی عمارت ہے۔ ملکہ وہیں آپ کی منتظر ہوں گی۔ ملکہ کا حکم ہے کہ یہ بات کسی اور کو نہ معلوم ہونے پائے۔"

"لیکن ملکہ اسطوفینہ مجھ سے کیا چاہتی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "شہنشاہ ایتھنز کی بیوی مجھ سے تنہائی میں اس قدر رازداری کے ساتھ ملاقات کرنا چاہتی ہے۔"

"اس کا جواب تو ملکہ عالیہ آپ کو خود ہی دے سکتی ہیں۔" اس شخص نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "میرا کام تو آپ کو ملکہ کا پیغام پہنچانا تھا۔ سو میں نے پہنچا دیا۔ میں ملکہ کا معتمد خصوصی ہوں اور میرا نام راسل ہے۔ اجازت دیجئے۔" اتنا کہہ کر وہ شخص چل دیا۔

میں اس ملاقات کا مقصد کچھ کچھ سمجھ رہا تھا لیکن مجھے یقین نہیں تھا کہ جو میں سوچ رہا ہوں وہ درست ہے۔ ملکہ ایک سن رسیدہ اور ڈھلی ہوئی عمر کی عورت تھی۔ میں اس سے شکل ہی توقع کر سکتا تھا کہ وہ مجھ سے ہمدردی کی سوداگر کی ہو گی۔ ہو سکتا ہے وہ کسی اور سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتی ہو۔ میں نے یونان کے قدیم الشال ہونے پیش کیے تھے اور ایتھنز میں ہر طرف ان کی گرم بازاری تھی۔ ہو سکتا ہے وہ کسی امیر یا وزیر کو مجھ کا نے گلوانا چاہتی ہو۔ میں اس ملاقات کے لیے آمادہ نہیں تھا کیونکہ میں اب جلد از جلد یہاں سے پہنچ جانا چاہتا تھا۔ نہ معلوم ملکہ میرے ذمے کیا کام لگا دے۔ میں مجھے کتنے دن اور لگ جائیں۔ میں نے سوچا کہ بہتر یہی ہے کہ ملکہ کو انتظار کر کے سیدھے گاؤں کا رخ کروں۔ لیکن پھر میں نے سوچا کہ شاید ملاقات کے نتیجے میں کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جس سے استاد اور کلب کو آئندہ چل کر کوئی فائدہ پہنچنے کی امید ہو۔ چنانچہ میں نے دل کو خوش کر کے خفیہ ملاقات کرنا قبول کر لیا۔ میں نے کلب میں واپس آ کر سب کو اس کی ساری بات بتا دی اور اس کی ہدایت کی کہ وہ استاد سے اس کے بارے میں ذکر نہ کرے۔ مغرب نے بھی مجھے یہی مشورہ دیا کہ ملکہ سے مل لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

محل کے مغربی دروازے پر مکمل تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس طرف کوئی انتظام نہیں تھا کیونکہ یہ دروازہ ہر وقت بند رہتا تھا اور صرف ایسی صورت حال میں کھولا جاتا تھا جس کے کلب سے روانہ ہوتے وقت راسل نے بتا دیا تھا کہ میں ملکہ کے حکم کے مطابق اس سے ملنے جا رہا ہوں۔ میں دروازے پر پہنچا اور میں نے اسے ہلکا سا دھکا دیا تو وہ کھل گیا۔ میں اندر داخل ہوا۔ باغ میں پیچھے کی آخری تاریخیں تھیں اور ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ میرے بائیں طرف بہت دور روشنیاں نظر آ رہی تھیں جہاں یقیناً پہرے دار موجود ہوں گے۔ میں سیدھا چلتا ہوا باغ کے سنسان اور ویران گوشے میں آ گیا جہاں اندھیرے میں سفید رنگ کی ایک بالکل چھوٹی سی عمارت نظر آ رہی تھی۔ میں نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھل گیا۔ میں محتاط انداز میں اندر داخل ہو گیا۔

"تم آ گئے سنہری جسم والے حسین شہزادے۔" میرے کانوں میں ملکہ اسطوفینہ کی نرم و شیریں آواز گونجی۔ وہ سامنے ایک کرچ پر دراز تھی۔

"میں آپ کے حکم کے مطابق حاضر ہوں ملکہ عالیہ۔" میں نے زمین پر نظریں گاڑے ہوئے جواب دیا۔ "دانش مندی کا تقاضہ یہ ہے کہ مجھے کام بتا کر آپ فوراً رخصت کر دیں کیونکہ اس طرح آپ کی عزت و وقار کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ لاحق ہے۔ اس تنہائی اور ویرانے میں آپ کا ٹھہرنا مناسب نہیں۔"

"ان رسمی باتوں کو چھوڑو شہزور۔" ملکہ نے کہا۔

"ملکہ عالیہ، آپ ایتھنز کے شاہ ذی وقار کی بیوی ہیں۔ آپ ایتھنز کی آبرو ہیں۔ کوئی ایسا قدم مت اٹھائیے جو آپ کے منصب اور شان کے منافی ہو۔ میں آپ کے قابل نہیں ہوں۔ آپ ایک شادی شدہ اور معزز ترین خاتون ہیں۔" میں نے کہا۔ "مجھے جانے کی اجازت دیجئے۔" اور میں وہاں سے چلنے لگا لیکن اسطوفینہ نے میرا راستہ روک لیا۔ "تم اس طرح نہیں جا سکتے شہزور۔" اس کی آواز میں جھنجھلاہٹ تھی۔ "تمہیں اپنی قسمت پر ناز کرنا چاہیے۔ یونان کی ملکہ تمہیں دعوت دے رہی ہے۔"

"مجھے اس دعوت کے قبول کرنے سے معذور سمجھا جائے ملکہ عالی مرتبت۔" میں نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ میں شہر خانہ کے راستے میں سوچ رہا تھا۔

"تم میری توہین کر رہے ہو نوجوان۔ اور اس سلطنت کی سرزمین پر کوئی شخص زندہ نہیں رہ سکتا جس نے میری توہین کی ہو۔" ملکہ نے غصے سے کہا۔

"آپ خود اپنی توہین پر آمادہ ہیں ملکہ عالیہ۔" میں نے کہا۔

"کیا تم نے اس عمارت سے کچھ فاصلے پر جھاڑیوں کی اونچی اونچی باڑ دیکھی ہے؟" ملکہ نے عجیب و غریب سوال کیا۔

"جی ہاں، میں نے دیکھی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اس دور تک پھیلی ہوئی باڑ کے پیچھے درختوں کے گھنے جھنڈ موجود ہیں جو میری ایک چیخ کے جواب میں چند منٹ کے اندر اندر یہاں آ سکتے ہیں کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تم پر ایتھنز کی ملکہ پر تنہائی میں جو جارحانہ حملہ کرنے کا الزام عائد کیا جائے اور تم عبرت ناک موت سے ہم کنار ہو؟" اس نے پوچھا۔

"آپ کا مطالبہ پورا کرنے کے بجائے میں موت کو ترجیح دوں گا۔" میں نے اکتا کر جواب دیا۔

غصے اور تذلیل کے احساس سے ملکہ کا سارا جسم کانپنے لگا۔ اس کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔ "میں ——— میں تمہیں آخری موقع دیتی ہوں احمق۔ اب بھی سوچ لو۔"

"میں مجبور ہوں ملکہ عالیہ۔" میں نے جواب دیا۔

اور پھر ملکہ کا شاہی غرور اس کے جذبۂ عشق پر غالب آ گیا۔ وہ اچانک ہی

Scanned by Ugur@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

حلق پھاڑ پھاڑ کر چلانے لگی "بچاؤ ——— بچاؤ ——— دوڑو ——— دوڑو ———"

اور اس کے ساتھ ہی دور سے بھاگتے ہوئے قدموں کی آہٹیں سنائی دینے لگیں۔ پہرے دار بار بار پھاٹک کراتے رہے تھے میں فرار ہونے کی کوشش کر سکتا تھا لیکن میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا میں خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دینا چاہتا تھا میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ ملکہ کی سازشوں اور ظلم و بربریت سے بھرے ہوئے اس شہر کے محلوں اور ان کے حواریوں کو ایسا سبق دوں گا جسے وہ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔

بھاگتے ہوئے مسلح پہریدار عمارت کے کمرے میں داخل ہو گئے جہاں ملکہ مظلومیت کی تصویر بنی بری طرح آہ و بکا کر رہی تھی "اسے گرفتار کر لو" ملکہ نے چیخ کر کہا "میں یہاں تنہائی میں سیر کرنے آئی تھی کہ یہ میری خلوت میں زبردستی گھس گیا۔ یہ مجھے بے عزت کرنا چاہتا تھا"

پہرے داروں کی تعداد ایک درجن سے کم نہیں تھی اگر وہ ہزاروں کی تعداد میں بھی ہوتے تو میرا کیا بگاڑ سکتے تھے لیکن میں نے مزاحمت ترک کرنے کا فیصلہ کر لیا سپاہیوں نے آناً فاناً مجھے رسیوں میں جکڑ لیا۔

میں نے بغیر کسی مزاحمت کے خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا اور سپاہیوں نے آناً فاناً مجھے رسیوں میں جکڑ لیا۔

مجھے ایتھنز کی اس یقاش اور مکار ملکہ کی اس احمقانہ حرکت پر سخت غصہ تھا۔ اس نے میرے ساتھ واقعی بڑا ظلم کیا تھا۔ میری شرافت اور نیکی کے بدلے وہ میری جان کے درپے ہو گئی تھی اور اب اس نے میری زندگی کو ختم کروانے کا پورا بندوبست کر دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ مجھے میری حکم عدولی اور گستاخی کی پوری پوری سزا دلوائے بغیر نہ چھوڑے گی اور ظاہر ہے کہ اس نے جو الزام میرے اوپر لگایا تھا اس کی سزا موت کے علاوہ اور کیا ہو سکتی تھی۔ کسی شخص میں اتنی جرأت ہو سکتی تھی کہ شہنشاہوں کے شہنشاہ کا لاش کی ملکہ اسطوفینہ کی جانب بری نظر سے دیکھے؟ اور ایسی جرأت کرنے والا شخص بھلا کیونکر زندہ رہ سکتا تھا۔ ادھر میں نے بھی سوچ لیا تھا کہ ملکہ اسطوفینہ کو اس کی مکاری اور دغا بازی کی سزا دیے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ میں اسے ایسا سبق سکھاؤں گا کہ وہ اسے اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک یاد رکھے گی۔ اور جب تک وہ زندہ رہے گی کبھی کسی بے گناہ مرد پر ایسے گھٹیا اور جھوٹے الزامات لگانے کی جرأت نہیں کرے گی۔ چنانچہ اپنے اس فیصلے کے تحت میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور سپاہیوں کو اپنی من مانی کرنے کی کھلی چھوٹ دے دی۔

"ارے یہ تو شہزور ہے" ایک سپاہی نے مشعل میرے قریب لا کر مجھے دیکھتے ہوئے غور سے کہا۔

"ہاں یہ شہزور ہے" واقعی دوسرے نے مجھے دیکھتے ہوئے جواب دیا "یہ اتنی رات گئے یہاں کیا کر رہا ہے" اور یہ محل میں بغیر اجازت کے گھسا کیسے؟"

"اسے پہاڑی والے قید خانے میں لے جا کر قید کر دو" ملکہ اسطوفینہ نے چیخ کر سپاہیوں کو حکم دیا "یہ چوروں کی طرح شاہی محل میں گھسا ہے اور اس نے مجھے تنہا پا کر میری عصمت پر حملہ کرنا چاہا"

"تمہاری عزت؟" میں نے تلخی سے کہا "ملکہ اسطوفینہ کیا واقعی تمہاری بھی کوئی عزت ہے؟"

"خاموش گستاخ!" ایک سپاہی نے میرے منہ پر زور دار ہاتھ مارتے ہوئے کہا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اپنا ہاتھ پکڑ کر درد سے کراہنے لگا۔ ملکہ اسطوفینہ حیرت سے دیکھنے لگی۔

"تم نے اپنی شجاعت و جرأت کی قوتوں کا بڑا گھٹیا استعمال کی کوشش کی ہے شہزور" دوسرے سپاہی نے میرے جسم کے گرد رسیوں کی گرفت کو مضبوط کرتے ہوئے کہا "شہنشاہ نے تمہیں عزت بخشی تھی اور تمہیں گراں قدر انعام و اکرام سے نوازا تھا لیکن افسوس کہ تم نے ان اعزازات کی قدر نہیں کی۔ اب موت تمہارا مقدر ہے اور تم اسی کے مستحق بھی ہو۔ لیکن مجھے ذاتی طور پر اس کا افسوس ہو گا کہ میں اس طرح ایتھنز اپنے ایک بہادر سے محروم ہو جائے گا"

"یہ موت کی آرزو کرے گا اور موت اس سے بھاگے گی" ملکہ اسطوفینہ نے نفرت سے دانت پیس کر کہا "میں اسے اتنی آسانی سے نہیں مرنے دوں گی۔ اس نے میری بے عزتی کرنے کی کوشش کی ہے میں اس کے جسم کے روئیں روئیں سے اپنا انتقام لوں گی۔ یہ میرا قیدی ہے اور میں ہی اس کی قسمت کا فیصلہ کروں گی"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے اسطوفینہ" میں نے سکون سے جواب دیا "میں ہمیشہ اپنے مقدر کا فیصلہ خود ہی کرتا ہوں"

"اسے فی الحال پہاڑی والے قید خانے میں لے جاؤ" ملکہ اسطوفینہ نے میری بات کو سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا "اور وہاں لے جا کر اسے بند کر دو۔ اور خبردار اس واقعے کی اطلاع اس وقت تک کسی کو نہ ہو جب تک کہ میں خود اس کا حکم نہ دوں۔ خود شہنشاہ کو بھی ابھی اس کے بارے میں بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں خود انہیں مناسب وقت پر اس واقعے سے آگاہ کروں گی۔ فی الحال اسے کیڈاس کی تحویل میں دے دو اور اسے میری طرف سے ہدایت کر دو کہ اس کے بارے میں کسی سے ذکر نہ کرے"

سپاہیوں نے فرمانبرداری کے ساتھ اپنی گرفت میں جکڑا ہوا میرے رسیوں میں بندھے ہوئے جسم کو کھینچتے ہوئے ایک طرف چل دیے۔

ہم لوگ محل کے اسی پچھلے دروازے سے باہر نکلے جس دروازے سے میں کچھ دیر پہلے داخل ہوا تھا۔ لیکن اب کی اور اب کی صورت حال میں بڑا فرق تھا۔ اس وقت میں آزاد تھا خود پر اور اپنی مرضی سے محل میں داخل ہوا تھا اور اب میں ظاہراً ملکہ اور اس کے سپاہیوں کی مرضی سے اس جگہ سے جا رہا تھا۔ محل کے دروازے کے باہر گھپ اندھیرا اور گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ دور دور تک کسی جاندار کی شکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے تاریکی میں سپاہیوں کے ہیولوں کو گننے کی کوشش کی۔ وہ تعداد میں دس تھے اور انہوں نے چاروں طرف سے مجھے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔

ہم لوگوں کا پیدل سفر نہ جانے کتنی دیر تک جاری رہا۔ اندھیرے میں سمت اور مقام کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ تاہم اتنا اندازہ تو میں لگا ہی سکتا تھا کہ ہم لوگ شہری حدود سے بہت آگے نکل آئے ہیں اور اب جس علاقے سے گزر رہے ہیں وہاں دور دور تک کوئی آبادی نہیں ہے اور ادھر ادھر چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اور ٹیلے ہیں۔

آخر کافی دیر تک چلنے کے بعد نیم تاریکی میں ڈوبی ہوئی پتھروں کی ایک مہیب عمارت کے دھندلے دھندلے نقوش میری نگاہوں کے سامنے ابھرنے لگے۔ یہ عمارت پہاڑیوں کے درمیان میں اس طرح سے بنی ہوئی تھی کہ باہر سے دیکھنے میں بالکل ہی نظر نہیں آتی تھی۔ ہم لوگوں کا قافلہ ایک بڑی سی چٹان کے سامنے سے گزر کر مڑا کسی چٹان کے پیچھے پہنچ گیا۔ یہاں لکڑی کا ایک بہت بڑا اور بھاری بھرکم صدر دروازہ ہمارے سامنے تھا جس کے آگے دو مسلح محافظ ٹہل رہے تھے۔ دروازے پر ایک چربی کی مشعل جل رہی تھی جس کی مدھم روشنی میں محافظوں کی شکلیں بڑی پراسرار اور ڈراؤنی سی لگ رہی تھیں۔

"کون ہے؟" دونوں پہریداروں میں سے ایک کی آواز بلند ہوئی اور اس نے فوراً نیام میں سے اپنی تلوار باہر نکال لی۔ دوسرے محافظ نے آگے بڑھ کر دیوار میں لگی ہوئی مشعل کو نکال کر ہاتھ میں لے لیا اور ہماری طرف بڑھا۔

"ارکیڈاس کہاں ہے؟" ہمارے قافلے کے سردار نے محافظ کے سوال کا نظر انداز کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"ارکیڈاس ابھی ذرا دیر پہلے اپنے گھر گیا ہے" محافظ نے جواب دیا "تم کون ہو اور یہ کس قیدی کو یہاں لائے ہو؟"

"ہم شاہی محل کے محافظ ہیں" ہمارے قافلے کے سردار نے جواب دیا "تم جلدی سے ارکیڈاس کو بلواؤ۔ ہم ملکہ اسطوفینہ کے قیدی کو اس کے حوالے کرنے میں ہیں"

"ملکہ اسطوفینہ کے قیدی کو؟" اس شخص نے کہا "اور پھر اپنے ساتھی سے کہا کہ وہ ارکیڈاس کو بلا لائے۔

ارکیڈاس یقیناً کہیں بالکل ہی قریب رہتا تھا کیونکہ ایک لمحہ بعد ہی وہ اس محافظ کے ساتھ آ گیا۔ میں نے نیم تاریکی میں ارکیڈاس کا جائزہ لیا۔ وہ ایک بے حد خوبصورت اور صحت مند جسم کا مالک تھا اور اس کا انداز بتا رہا تھا اس کی شکل سے کافی رعب ٹپک رہا تھا۔

"اچھا تو یہ تم ہو گرمیز" اس نے ہمارے قافلے کے سردار کو پہچان کر اس سے مخاطب ہو کر کہا "کیا قصہ ہے؟"

"قصہ یہ ہے میرے دوست کہ اس وقت ایتھنز کا نامی گرامی مجرم اور ملکہ اسطوفینہ کے قیدی کی حیثیت سے ہمارے ساتھ ہے۔ ملکہ عالیہ نے حکم دیا ہے کہ تمہاری تحویل میں دے دیا جائے اور تم اس کو قید خانے میں لے جاؤ۔ اور اس بدنصیب کے مقدر کا فیصلہ ملکہ عالیہ خود کریں گی اور تمہارے لیے ان کا حکم ہے کہ اس واقعے کے بارے میں کسی کو کچھ بھی نہ

بتایا جائے"

"ملکہ عالیہ کا حکم سر آنکھوں پر" ارکیڈاس نے جواب دیا اور اپنے لباس کی جیب میں سے چابیوں کا ایک بھاری سا گچھا نکالا۔ اس نے ایک چابی تلاش کر کے تالے میں لگائی۔ میں نے غور سے دیکھا وہ لوہے کا ایک بہت بڑا اور وزنی تالا تھا جو لکڑی کے دیو پیکر دروازوں کے مضبوط آہنی کنڈوں میں لگا ہوا تھا۔ ارکیڈاس نے چابی لگا کر تالا کھولا اور دروازے کو آگے کی طرف دھکا دیا۔ دروازہ ایک زبردست چرچراہٹ کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔ گرمیز اور ارکیڈاس نے چار سپاہیوں کو اندر جانے کا حکم دیا اور باقی سے باہر ٹھہرنے کے لیے کہا۔ ایک سپاہی نے جلتی ہوئی مشعل ہاتھ میں لے لی۔ ہم لوگ ایک طویل ڈیوڑھی طے کر کے ایک اور بھاری دروازے کے سامنے پہنچ گئے۔ اس میں بھی ایک وزنی تالا لگا ہوا تھا۔ ارکیڈاس نے ایک چابی سے وہ تالا کھولا اور ہم لوگ ایک بڑے سے کمرے میں داخل ہو گئے جس کے ایک کنارے پر سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں۔ میرا جسم ابھی تک بری طرح رسیوں میں جکڑا ہوا تھا اور دو محافظ میرے دائیں بائیں چل رہے تھے جبکہ ایک پیچھے سے مجھے ٹھوکے دے رہا تھا۔ ہم لوگ طویل سیڑھیاں اتر کر ایک تہ خانے میں داخل ہو گئے۔ یہ ایک چھوٹا سا تہ خانہ تھا لیکن یہاں بھی لکڑی کا ایک بھاری دروازہ تھا جس میں ایک تالا لگا ہوا تھا۔ ارکیڈاس نے یہ تیسرا تالا بھی چابی کی مدد سے کھولا اور اب ہمارے سامنے ایک اور مختصر سا کمرہ تھا جس کی چھت اندھیرا ہونے کے باوجود بہت اونچی نظر آ رہی تھی۔ اس کمرے میں داخل ہوتے ہی مجھے سخت تعفن کا احساس ہوا۔ کمرے میں جگہ جگہ گھاس پھوس کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور موٹے موٹے چوہے ادھر سے ادھر دوڑ لگا رہے تھے۔ نیم تاریکی میں ان کی آنکھیں بڑے خوفناک اور پراسرار انداز میں چمک رہی تھیں۔ دور ایک گوشے میں گھاس پھوس کے ایک ڈھیر پر ایک انسانی جسم پڑا ہوا نظر آ رہا تھا۔ قدموں کی آہٹ اور روشنی کے باعث انسانی جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تھوس" ارکیڈاس نے انسانی جسم سے مخاطب ہو کر کہا "تم نے تمہاری تنہائی دور کرنے کا سامان کر دیا ہے۔ آج تمہارے ساتھ اس کوٹھڑی میں ایک نئے قیدی کا اضافہ ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ تم اس کی صحبت سے اس وقت تک لطف اندوز ہو گے جب تک کہ اس کے مقدر کا فیصلہ نہیں ہو جاتا" اور اس کے ساتھ ہی ارکیڈاس نے حکم دیا کہ میرے جسم کی رسیاں کھول دی جائیں اور جیسے ہی سپاہیوں نے میری رسیاں کھولنی شروع کیں ویسے ہی ارکیڈاس نے اپنی کمر سے لگی ہوئی تلوار نیام سے کھینچ کر نکال لی۔ مگر سرمد باقی محافظوں نے بھی اپنی اپنی تلواریں نیام سے باہر نکال لیں۔ میں نے اس صورت حال پر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ بھلا ان بونوں کے یہ کھونے میرا کیا بگاڑ سکتے تھے اور اپنی دانست میں ہر قسم کی صورت حال سے نمٹنے کی تیاریاں کر رہے تھے اور اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں میں رسیوں سے آزاد

aazzamm@yahoo.com

ہونے کے بعد فرار ہونے کی کوشش نہ کروں۔ انہوں نے اپنی تلوریں سونت لی تھیں لیکن ان بے چاروں کو اس بات کی کیا خبر تھی کہ ساری دنیا کی تلواریں بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ہیں۔

"دور کونے میں چلے جاؤ۔" میری رسیاں کھل جانے کے بعد ارکیداس نے اپنی تلوار کی نوک کو میرے سینے میں چبھوتے ہوئے کہا۔

میں خاموشی اور فرمانبرداری کے ساتھ دور کونے میں اس طرف چلا گیا جہاں گھاس پھوس کے ڈھیر میں وہ انسانی جسم بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بعد ارکیداس، گومر اور ان کے ساتھی احتیاط کے ساتھ کمرے کے باہر نکلے۔ بھاری دروازہ ایک چرچراہٹ کے ساتھ بند ہو گیا اور باہر سے تالا لگانے کی آواز سنائی دی۔ ان لوگوں کے ساتھ ہی مشعل بھی باہر چلی گئی اور کمرے میں قبر کی سی تاریکی چھا گئی۔ ایسی دبیز تاریکی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا گویا ساری فضا میں کسی نے بھیانک سیاہیاں انڈیل دی ہیں۔ اندھیرا ہوتے ہی کمرے میں موٹے موٹے خوخوار چوہوں کی بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ وہ آزادی کے ساتھ ادھر اُدھر گھوم رہے تھے۔ دو ایک چوہے میرے جسم پر بھی چڑھ آئے لیکن میں نے انہیں جھونٹی کی طرح مسل کر پھینک دیا۔ میرے ہاتھ گندے ہو گئے اور مجھے سخت گھن آنے لگی۔

"میرا نام افلوس ہے۔" گھور اندھیرے میں میرے قریب سے ایک مردانہ آواز بلند ہوئی۔ "تمہارا نام کیا ہے اور تمہیں کس جرم میں یہاں لایا گیا ہے؟"

"ایتھنز کے لوگ مجھے شہر بدر کہتے ہیں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "اور میں یہاں اس لیے لایا گیا ہوں کہ میں نے ایتھنز کی بوڑھی اور قیاش ملکہ کی نفسانی خواہش کی تکمیل سے انکار کر دیا تھا۔ ملکہ اسطوفینہ نے غصے اور انتقامی جذبات سے مغلوب ہو کر مجھے یہاں پھنکوا دیا۔ اسطوفینہ کہتی ہے کہ اب وہ میرے مقدر کا فیصلہ خود کرے گی۔"

"وہ تو تم بھی اسطوفینہ کے زہر کے ڈسے ہوئے ہو۔" گھاس پھوس کے ڈھیر میں سے آواز آئی۔ "یہ تم مجھے تفصیل سے بتانا پسند کرو گے کہ اسطوفینہ نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟"

میں نے مختصراً اسے اسطوفینہ کے بلاوے، اپنے محل میں جانے، اسطوفینہ کی دعوت سے انکار اور اپنی گرفتاری کے بارے میں تبادلہ افلوس خاموشی سے میری باتیں سنتا رہا اور پھر مجھے اس کی آواز سنائی دی۔ "اس وقت یہاں گھور اندھیرے ہے اور اس اندھیرے میں میں تمہاری شکل نہیں دیکھ سکتا لیکن ایک بات یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں اور وہ یہ کہ تم بہت خوبصورت اور صحت مند جوان ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسطوفینہ نے تمہیں منتخب کیا تھا۔ پھر حال تم اگر اس کی دعوت قبول بھی کر لیتے تو بھی تمہارا انجام اس سے مختلف نہ ہوتا جو اب ہونے والا ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"مطلب یہ کہ دوسری صبح سورج نکلنے سے پہلے اس شخص کو ہلاک کیا جاتا ہے۔ یہ کام وہی پہریدار انجام دیتے ہیں جو باڑے کے پیچھے موجود تھے ہیں اور ملکہ کے خاص آدمی ہیں اور جن کا سردار گومر ہے جو تمہیں یہاں لے کر آیا تھا۔ یہ سپاہی سرکاری خزانے سے تنخواہ پانے کے علاوہ ملکہ سے بھی الگ تنخواہ پاتے ہیں۔ جو گویا رازداری کی قیمت ہے۔ بدنصیب نوجوان کو سورج نکلنے سے پہلے ہلاک کر دینے کے بعد اس کی لاش کو وہیں باغ میں دفن کرنے کے بعد مٹی برابر کر دی جاتی ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ جیسے ہی کوئی نوجوان چوری چھپے ملکہ کے بلاوے پر اس کی خلوت میں داخل ہوتا ہے، ویسے ہی باغ کے ایک ویران گوشے میں اس کی قبر کھودنے کی تیاریاں شروع کر دی جاتی ہیں۔ ایک جیتے جاگتے صحت مند اور زندگی سے بھرپور شخص کی قبر جس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں ہوتی کہ وہ اگلے دن کا سورج نہیں دیکھ سکے گا۔" افلوس نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"لیکن کیا شاہ تالاش تو اپنی ملکہ کی ان بداعمالیوں کی کوئی خبر نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کس کی مجال ہے جو شاہ تالاش کے سامنے اس بارے میں زبان کھولنے کی جرأت کر سکے۔" افلوس نے کہا۔ "ویسے بھی ملکہ بڑی چالاکی اور عیاری سے کام لیتی ہے اور اس کے خاص خاص آدمیوں کے علاوہ اور کسی کو یہ بات معلوم نہیں ہے اور ان لوگوں کو اس نے جان کے عوض خرید رکھا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی ملکہ کے راز کو افشا کرنے کے بارے میں سوچ نہیں سکتا۔"

"لیکن مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ تمہیں یہ ساری باتیں اتنی تفصیل کے ساتھ کیسے معلوم ہو گئیں؟" میں نے پوچھا۔

"یہ ایک لمبی اور دردناک کہانی ہے۔" افلوس نے جواب دیا۔

"صبح ہونے پر میں تمہیں اپنی داستانِ غم سناؤں گا۔"

"ابھی کیوں نہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"ابھی اس لیے نہیں کہ مجھے اندھیرے میں بات کرنے سے سخت الجھن ہوتی ہے۔ جب تک میں اپنے مخاطب کا چہرہ نہ دیکھوں میں زیادہ بات کرنا پسند نہیں کرتا۔" اس نے جواب دیا۔

میں اس کی اس عجیب و غریب منطق پر حیران رہ گیا لیکن اس کی مرضی تھی۔ میں خاموش ہو گیا۔ سارے کمرے میں چوہوں کی بھاگ دوڑ بری طرح جاری تھی اور اندھیرے میں جگہ جگہ ان کی چمکتی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ لیکن اب وہ میری طرف نہیں بڑھ رہے تھے۔ بار بار طرح طرح کی سرسراہٹوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کمرے میں چوہوں کے علاوہ دیگر حشرات الارض بھی موجود ہیں۔

"کیا اس کمرے میں بہت زیادہ چوہے ہیں؟" میں نے افلوس سے پوچھا۔

"ہاں۔" ان کی خاصی بڑی تعداد موجود ہے اور ان کے کئی خاندان

یہاں آباد ہیں۔" اس نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ "بات یہ ہے کہ جب میں پہلے پہل یہاں آیا تھا تو ان چوہوں کے ہاتھوں سخت پریشان ہوا تھا۔ وہ رات کو میرے اوپر چڑھ آتے اور کئی مرتبہ انہوں نے مجھے بری بھی کھایا۔ میرے پاس کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جس سے میں ان کو مار سکتا یا بھگا سکتا۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ اس کوٹھڑی میں گھاس پھوس کا بنا ذخیرہ لایا گیا جس میں اتفاق سے ایک موٹی اور لمبی سی لکڑی بھی ساتھ میں آ گئی۔ میں نے اسے ہاتھ میں لے کر دیکھا۔ یہ بڑی مضبوط لکڑی کا تقریباً چار فٹ لمبا ٹکڑا تھا۔ اس لکڑی نے غلیظ چوہوں کو بھگانے میں میری بڑی مدد کی۔ میں نے اس کے ذریعے راتوں کو کئی چوہوں کو مار مار کر ہلاک کیا اور اس کے بعد اپنے لیٹنے کے لیے ایک گوشہ صاف کر لیا۔ اب چوہے اس گوشے کا رخ نہیں کرتے، کیونکہ وہ لکڑی سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ البتہ باقی سارے کمرے میں وہ دندناتے پھرتے ہیں اور خوب موٹے ہو رہے ہیں۔"

"لیکن ان چوہوں کو یہاں کھانے کو کیا ملتا ہے؟ اور اگر انہیں کچھ کھانے کو نہیں ملتا تو پھر وہ یہاں زندہ کس طرح ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"اف میرے دوست میں تمہیں کیا بتاؤں کہ اس غلیظ تہ خانے میں انسان کو کس کس طرح آزار پہنچایا جاتا ہے۔" اس نے کہا۔ "ان چوہوں کی باقاعدہ پرورش کی جاتی ہے اور انہیں بھی روزانہ اسی طرح کھانا دیا جاتا ہے جس طرح قیدی کو دیا جاتا ہے۔ نہ جانے کہاں سے کھانے کی کوئی جنس جمع کی جاتی ہے جس میں سڑی گلی اشیا بھی شامل ہوتی ہیں۔ غالباً یہ وہ اشیا ہوتی ہیں جو لوگ اپنے گھروں کے باہر پھینک دیتے ہیں اور پھر اس سارے ملغوبے کو چوہوں اور دیگر حشرات الارض کی ضیافت کا اہتمام کرنے کی غرض سے اس تہ خانے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ چوہوں اور دیگر بڑے کیڑوں کو جب پیٹ بھر کر کھانے کو مل جاتا ہے، اس لیے انہیں باہر کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی افزائش نسل بھی ہوتی رہتی ہے اور تعداد میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ تاہم اس لکڑی کے مل جانے سے اتنا ضرور ہے کہ اب میری راتیں ذرا آرام سے گزر جاتی ہیں، ورنہ پہلے تو میں ساری ساری رات جاگ کر ان وحشی چوہوں سے جنگ کرتا رہتا تھا اور میری تمام تر مستعدی کے باوجود وہ مجھے اٹھ لینے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔"

"کس قدر انسانیت سوز ماحول ہے اس تہ خانے کا۔" میں نے سرد لہجے کے ساتھ کہا۔ "کیا کسی انسان کے لیے اتنی ہی سزا کافی نہیں ہے کہ اسے اس تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند کر دیا جائے؟ ہاں غالباً اول اس پر بھی نہیں ٹھہرتا۔"

"اب یہ چوہے تمہیں بھی پریشان کریں گے۔" افلوس نے کہا۔ "کیا کرو کہ یہ لکڑی لے لو۔ میں آج رات لکڑی کے بغیر ہی گزارہ کر لوں گا۔ کل اس کے بارے میں کچھ سوچیں گے۔"

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "ابھی تک کسی چوہے نے مجھ پر حملہ نہیں کیا ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ مجھ پر حملہ نہیں کریں گے۔"

"کیوں؟" افلوس نے پوچھا۔ "کیا تم گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان نہیں ہو؟ کیا تمہارا جسم مٹی اور پتھر سے بنایا گیا ہے؟"

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "اور فوراً ہی میرے ذہن نے ایک معقول عذر سوچ لیا۔ "بات یہ ہے میرے دوست کہ ایک بار میں سخت بیمار پڑ گیا تھا اور کئی نامی گرامی طبیبوں نے میرا علاج کیا تھا۔ ان طبیبوں کی زبانی ہی مجھے یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ میرے بدن کے گوشت میں ایک خاص قسم کی مہک ہے جو حشرات الارض کے لیے سخت ناپسندیدہ ہے۔ اسی لیے کوئی چھوٹا موٹا جانور یا کیڑا مکوڑا میرے جسم کو نہیں چھوتا۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے بدن کے گوشت کی یہ خصوصیت آج میرے لیے اس اندھیرے تہ خانے میں ایک بہت بڑا سہارا بن گئی ہے۔"

"حیرت ہے۔" افلوس نے جواب دیا۔ "میں نے آج تک اس قسم کی کوئی بات نہیں سنی۔"

تھوڑی دیر ہم لوگ اسی طرح ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے، اور پھر تھوڑی دیر بعد افلوس خراٹے لینے لگا۔ میری آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ میں ابھی تک فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ اب میں نے سوچا کہ تھوڑی دیر آرام کر لوں۔ میں اندھیرے میں ہی ٹٹول کر گھاس پھوس کے ڈھیر پر لیٹ گیا۔ میری پشت کا دباؤ پڑتے ہی اچانک بڑے زور سے "پیں" کی آواز بلند ہوئی۔ میں نے جلدی سے اپنی پشت زمین پر سے ہٹا لی اور اس جگہ کو ٹٹول کر دیکھا۔ وہاں ایک موٹا تازہ چوہا مرا پڑا تھا۔ اس کا جسم بے حرکت ہو گیا تھا، مگر اس میں گرمی موجود تھی۔ میں نے چوہے کے بھاری جسم کو انگلیوں سے پکڑ کر دوسرے کونے میں اچھال دیا اور خود آرام سے لیٹ گیا۔ چاروں طرف گہرا موت کا سا سناٹا طاری تھا اور سناٹے میں چوہوں اور دیگر حشرات الارض کی سرسراہٹ ایک اچھے مضبوط دل گردے والے آدمی کو بھی خوفزدہ کرنے کے لیے کافی تھی لیکن ظاہر ہے کہ میں ان تمام چیزوں سے لاتعلق تھا۔ میں سوچنے لگا کہ آج شام سے لے کر اب تک حالات میں کتنی زبردست تبدیلی رونما ہو چکی ہے۔ شام تک میں ایتھنز کا ہیرو تھا اور اس وقت ایک ویران اور تنگ و تاریک تہ خانے میں پڑا ہوا ہوں۔ جب میں کلب سے روانہ ہوا تھا تو صرف مغریس کو معلوم تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ اب جب میں ساری رات واپس نہیں جاؤں گا تو شاید مغریس کو اتنی زیادہ تشویش نہ ہو۔ کیونکہ ممکن ہے وہ یہی سمجھ کر میں ملکہ اسطوفینہ کی خلوتوں کا مہمان ہوں۔ لیکن جب کل دن میں بھی میں واپس نہیں پہنچوں گا تو استاد کو میری تلاش ہو گی اور مغریس مجبور ہو گا کہ استاد کو میرے بارے میں بتا دے۔ میری گمشدگی استاد کے لیے واقعی پریشان کن ہو گی۔ ہو سکتا ہے اسے اپنے کسی آدمی کے ذریعے میری گرفتاری کی اطلاع مل جائے، کیونکہ اس کا شمار بھی ایتھنز کے بارسوخ لوگوں میں ہوتا ہے اور

scanned by azamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

اس کی پہنچ دور دور تک ہے۔ میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ ملکہ اسطوفینہ کو اس کے کیے کی سزا دینے کے بعد میں اس غدار اور بے رحم شہر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلا جاؤں گا جہاں ہر ہر قدم پر سازشیں اور فتنے میرے انتظار میں تھے۔

انہیں خیالات میں غلطاں و پیچاں میری آنکھ لگ گئی اور میں نہ جانے کتنی دیر تک سوتا رہا۔ جب میری آنکھ کھلی تو اس غار نما تہ خانے میں اجالا پھیلا ہوا تھا۔ سب سے پہلے میری نظر جس چیز پر پڑی وہ ایک بڑا سا چوکور سوراخ تھا جو چھت میں نظر آ رہا تھا اور اسی سوراخ سے سورج کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ تہ خانے کی چھت بہت اونچی تھی اور اس کی دیواریں پتھر کی تھیں۔ اسے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اسے پتھروں میں سے کاٹ کر بنایا گیا ہے۔ اس کی چھت اس قدر اونچی تھی کہ کم از کم کافی بلند دو منزلہ مکان کے برابر تھی۔ نیچے موجود کوئی شخص کسی طرح بھی چھت کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ چھت کے عین درمیان میں ایک تقریباً چار فٹ لمبا اور اتنا ہی چوڑا بڑا سا شگاف تھا۔ یہ اس تہ خانے کا واحد روشن دان تھا جو مجھے رات میں نظر نہیں آیا تھا۔ اسی روشن دان میں سے ہوا اور روشنی میسر آتی تھی۔ تہ خانے میں اس دروازے کے علاوہ اور کوئی دوسرا دروازہ موجود نہیں تھا جس میں سے گزر کر رات کو ہم لوگ اندر داخل ہوئے تھے اور جسے باہر سے مقفل کر دیا گیا تھا۔ اس دروازے میں اندر سے کوئی کنڈی نہیں تھی۔ دن کی روشنی میں میں نے دیکھا کہ یہ لکڑی کا بہت موٹا اور بھاری بھرکم دروازہ تھا اور بہت اونچا تھا۔ کوئی قیدی اسے توڑنے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

میرے سامنے گھاس پھوس کے ایک بڑے سے ڈھیر پر ایک انسان پڑا تھا جو غالباً قبل تاریخ کے انسانوں کی طرح وحشی نظر آ رہا تھا۔ اس شخص کے سر اور داڑھی کے بال اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ اس کا چہرہ ان میں چھپ کر رہ گیا تھا۔ میل کچیل میں اٹے ہوئے بال درختوں کی خشک جٹاؤں کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ اس کے ہاتھوں اور پیروں کے ناخن درندوں کی طرح بڑھے ہوئے تھے اور سارا جسم میل کی تہوں سے سیاہ ہو رہا تھا۔ اس کے بدن پر کمر کے گرد صرف ایک بوسیدہ سا چیتھڑا لٹک رہا تھا۔ اس کے علاوہ اس کا پورا بدن ننگا تھا۔ میں اس عجیب الخلقت شے کو جسے انسان کہتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی تھی، بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ابھی تک سویا پڑا تھا۔

میں نے کمرے میں ادھر ادھر نظر ڈالی۔ جگہ جگہ پتھروں کے درمیان موجود شگافوں میں چوہوں اور چھپکلیوں کے مسکن تھے۔ ایک اُدھ چوہا اب بھی ادھر سے اُدھر دوڑ لگا رہا تھا۔ کمرے کے وسط میں غلیظ اور سڑی ہوئی اشیائے خوردنی کا ایک چھوٹا سا ڈھیر پڑا ہوا تھا جس میں سے سخت تعفن اٹھ رہا تھا۔ یقیناً یہ چوہوں اور چھپکلیوں کی غذا تھی جسے اوپر روشندان سے پھینکا گیا ہوگا۔ پورے کمرے میں سخت بدبو پھیلی ہوئی تھی، لیکن میں رات بھر کے قیام کے بعد اس بدبو کا عادی ہو گیا تھا۔ اقلوس کے پاس ضروریات سے فارغ ہونے کے لیے کوئی اور جگہ نہیں تھی اور وہ اسی کوٹھڑی کے ایک گوشے کو بیت الخلا کے طور پر استعمال کرتا رہا تھا۔ اس گوشے میں غلاظت کا ایک ڈھیر پڑا ہوا تھا جس میں کیڑے مکوڑے بجبجا رہے تھے۔ میرا جی متلانے لگا اور میں نے جلدی سے ادھر سے نظریں ہٹا لیں۔ ایک طرف ایک بڑا سا کھلے منہ کا برتن رکھا ہوا تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ اس برتن کو ڈھانکنے کا کوئی بندوبست نہیں تھا اور اقلوس کے علاوہ چوہے اور دوسرے حشرات الارض بھی یقیناً اس سے مساوی طور پر مستفید ہوتے ہوں گے۔ یہ غیر انسانی حالت دیکھ کر میرا دل لرز اٹھا اور مجھے اس انسان سے جو زمانہ قبل تاریخ کے وحشی کی طرح میرے سامنے گھاس پر پڑا ہوا تھا، سخت ہمدردی محسوس ہوئی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ شخص کون ہے، اس کا کیا قصور ہے اور اسے کیوں اس تہ خانے میں ڈالا گیا ہے، لیکن وہ جو کوئی بھی تھا، یقیناً اس سلوک کا مستحق نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اپنے معاملات کو نمٹانے کے بعد میں اسے اس اذیت ناک زندگی سے ضرور نجات دلواؤں گا۔ اس زندگی سے تو موت بدرجہا بہتر تھی۔

میں نے اقلوس کو بیدار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ نہ جانے وہ کتنے دنوں بعد سویا ہوگا۔ ہو سکتا ہے اسے تنہائی کی وجہ سے نیند نہ آتی ہو اور آج میری موجودگی کے سبب تھوڑا بہت اطمینان حاصل ہو جانے کے بعد وہ سکون سے سو گیا ہو۔ بہرحال میں اکیلا لیٹا ہوا بلند اور سیاہ چھت کو گھورتا رہا جس کے بیچوں بیچ سفید رنگ کا روشن غلاف جگمگا رہا تھا۔ اور بالکل سناٹا تھا اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس شگاف سے آسمان کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نظر آ رہا تھا جو اس وقت بالکل صاف تھا۔ سیاہ پتھروں کے پس منظر میں ہلکے نیلگوں رنگ کے آسمان کا یہ ٹکڑا بڑا بھلا معلوم ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اقلوس بیدار ہو گیا۔ اس اثنا میں تہ خانے میں اور زیادہ روشنی پھیل گئی تھی۔ اقلوس نے غور سے مجھے دیکھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "تم؟" وہ حیرت سے بولا۔ "تمہاری تخلیق کیا جانے سے کی گئی ہے؟ یہ سونے جیسا بدن تمہیں کہاں سے مل گیا؟ تم حیرت انگیز ہو۔ واقعی حیرت انگیز۔ میں نے اپنی سادی زندگی میں تمہارے جیسا انسان نہیں دیکھا۔" اور پھر وہ مسکرا کر بولا۔ "تمہارے سامنے میں تو میں ملکہ اسطوفینہ کو معاف کرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔ تمہیں دیکھ کر بھلا کون پسندیدگی کا اظہار کیے بغیر رہ سکتا ہے؟" پھر اس کے سفید بالوں بھرے چہرے پر گہری اداسی پھیل گئی اور وہ خاموش ہو گیا۔

"خاموش کیوں ہو گئے اقلوس؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"مجھے اپنا برنام یاد آ گیا۔ اپنا حسین اور نوجوان بیٹا برنام۔" اقلوس

بھرائے لہجے میں بولا۔ "وہ یقیناً تمہارے جتنا حسین تو نہیں تھا، لیکن پوری ہزاروں میں ایک تھا۔ وہ میری واحد اولاد تھا۔"

"کیا ہوا تمہارے برنام کو؟" میں نے اقلوس سے پوچھا۔

"وہ بھی ان بیسیوں نوجوانوں کی طرح ملکہ اسطوفینہ کی بھینٹ چڑھ گیا۔" اور میں بھی ملکہ کی بے شقاوت قلبی کے سبب زندگی کے دردناک عذاب جھیل رہا ہوں۔" اقلوس نے جواب دیا۔ "میں مرنا چاہتا ہوں لیکن مجھے موت بھی نہیں آتی۔ اس تہ خانے میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کے ذریعے میں خودکشی کر سکوں، سوائے اس کے کہ اس کی موت کے پتھریلی دیواروں سے اپنا سر ٹکرا کر خود کو ہلاک کر لوں۔ سو اس کی بھی کئی بار کوشش کر چکا ہوں۔ تین مرتبہ زخمی ہو گیا، سر پھٹ گیا، چوہوں نے زخموں میں کاٹا اور میں موت سے زیادہ اذیت ناک زندگی گزارنے پر مجبور رہا۔ اب تو میں نے خودکشی کی کوشش بھی ترک کر دی ہے اور اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔ تمہارے آنے سے مجھے امید بندھی ہے کہ میری مشکل آسان ہو جائے گی۔ تم خود مرنے سے میری مشکل آسان کر دو گے۔"

"وہ کس طرح؟" میں نے پوچھا۔

"وہ اس طرح کہ تم کو یقیناً موت کی سزا ہوگی۔ اس کے علاوہ تمہارے مقدر میں اور کچھ نہیں لکھا ہے۔ لیکن تم مرنے سے پہلے اگر مجھے مار دو تو مجھ پر تمہارا یہ احسان عظیم ہوگا۔ میری روح ہمیشہ ہمیشہ ابدالآباد تک تمہاری ممنون و منت رہے گی۔" اس نے دکھ بھری آواز میں کہا۔

"وہ تو بعد کی بات ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن تم نے رات کو وعدہ کیا تھا کہ مجھے اپنے بارے میں بتاؤ گے۔"

"یہ ایک درد انگیز داستان ہے۔ لیکن اگر تم اس کے سننے پر مصر ہو تو میں تمہیں مختصراً بتائے دیتا ہوں۔" اس نے کہا۔ "میرا نام اقلوس ہے اور میں شاہی دربار کا خوشنویس ہوں۔ آج بھی شہنشاہ تالاش اور اس کے سارے درباری میرے نام سے بخوبی واقف ہیں۔ لیکن ان لوگوں میں میں ایک گمشدہ شخص ہوں جو آج سے چار سال پہلے اچانک گم ہو گیا اور کہیں سرکھپ گیا۔

"ہاں یہ آج سے تقریباً چار سال پہلے کی بات ہے۔ میرا ایک ہی بیٹا تھا برنام۔ خوبصورت اور صحت مند۔ اس کی ماں کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا اور میں نے اسے ماں کی محبت بھی دی تھی اور باپ کی شفقت بھی۔ وہ فنون لطیفہ میں بھی طاق تھا۔ پھر ایک دن اس کی بدنصیبی کہ وہ ملکہ اسطوفینہ کی نظر اس پر پڑ گئی اور ملکہ نے اسے اپنے لیے پسند کر لیا۔ اس نے اپنے ایک خصوصی خادم کو بھیج کر چپکے سے اسے بلوا لیا اور اسے صبح ہونے سے قبل ہی قتل کروا کے باغ کے ایک ویران گوشے میں دفن کروا دیا۔ اس سارے واقعے کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا اور میں برنام کی گمشدگی سے سخت پریشان ہو گیا۔ میں چونکہ شاہی خوشنویس تھا اور شہنشاہ تالاش میرے کام سے بہت خوش تھا، اس لیے اس نے میرے حال پر خصوصی توجہ کی اور شاہی ہرکاروں کے ذریعے میرے بیٹے کو ہر طرف تلاش کروایا، لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ میں نے خود بھی اس کی تلاش میں ملک کا کونا کونا چھان مارا، لیکن اس کے بارے میں مجھے کوئی اطلاع نہیں مل سکی۔ چھ ماہ تک در در کی خاک چھاننے کے بعد میں ناکام اور نامراد واپس انطغزا آ گیا۔ اپنی مایوسی کے ایک ہفتے کے بعد مجھے اپنے رشتے کے ایک بھتیجے کا پیغام ملا کہ وہ سخت بیمار ہے اور فوری طور پر مجھ سے ملنے کا خواہشمند ہے۔ میرا یہ بھتیجا ملکہ اسطوفینہ کے خصوصی دستے میں ملازم تھا۔ میں اس سے ملنے کے لیے اس کے گھر پہنچا۔ اس کا نام نورال تھا۔ نورال کی حالت دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ اس کا جسم ہڈیوں کا ڈھانچا بن گیا تھا اور وہ کوئی دم کا مہمان معلوم ہوتا تھا۔ نورال صرف میرا بھتیجا ہی نہیں، ملکہ کا ہرکارہ بھی تھا اور میں نے اسے خطاطی کی تعلیم دی تھی، لیکن وہ خطاط بننے کے بجائے ملکہ کے خصوصی دستے میں شامل ہو گیا تھا۔ نورال نے مجھے دیکھ کر ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا کہ وہ مجھے بہت اہم بات بتانا چاہتا ہے۔ پھر اس نے مجھے تفصیل سے ملکہ کی سیاہ کاریوں کے بارے میں بتایا اور باغ کے اس گوشے کا محل وقوع بھی سمجھایا جہاں ان بدنصیب نوجوانوں کی لاشیں دفن کی جاتی ہیں۔ پھر اس کے بعد اس نے ڈرتے ڈرتے اور نہایت مناسب الفاظ کا انتخاب کرتے ہوئے مجھے یہ خبر سنائی کہ میرا بیٹا برنام بھی ملکہ کے اس مکروہ مشغلے کا شکار ہو گیا ہے اور آج سے چھ ماہ پہلے اسے ہلاک کر کے اس کی لاش کو بھی باغ کے اسی مخصوص کونے میں دفن کر دیا گیا ہے۔ نورال نے مجھے ایک انگوٹھی دی جس پر شاہی مہر ثبت تھی۔ اس نے بتایا کہ برنام اور اسطوفینہ نے رات کو اپنی انگوٹھیاں بدلی ہوں گی اور ملکہ نے اس یقین کے تحت کہ صبح کو برنام کی ہلاکت کے بعد وہ اپنی انگوٹھی واپس لے لے گی، اسے اس کی انگلی میں ہی چھوڑ دیا ہوگا۔ صبح کے وقت ملکہ کو شاید یہ بات یاد نہیں رہی اور دفن کے وقت وہ انگوٹھی برنام کی انگلی میں موجود تھی جسے نورال نے موقع پا کر اس کی انگلی میں سے نکال لیا اور اپنے پاس چھپا لیا۔ ملکہ کو بعد میں اس انگوٹھی کا خیال آیا ہوگا، لیکن شاید اس نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی اور بات رفت گزشت ہو گئی۔ ملکہ نے یہی سمجھا ہوگا کہ وہ انگوٹھی برنام کے ساتھ ہی دفن ہو گئی۔ نورال نے وہ انگوٹھی میرے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ برنام کو دفن کرنے والوں میں وہ خود بھی شامل تھا، لیکن اگر وہ اس وقت مجھے یہ بات بتا دیتا تو اسے زندہ رہنا نصیب نہ ہوتا اور ملکہ اسے فوراً قتل کروا دیتی۔ اپنی جان کے خوف سے اس نے اپنی زبان بند رکھی، لیکن اب جبکہ اس کا آخری وقت قریب آ گیا تھا اور اسے یقین تھا کہ اب وہ نہیں بچے گا، اس نے ساری باتیں مجھے بتا دیں اور ملکہ کی مہر شدہ انگوٹھی بھی میرے سپرد کر دی۔

aazzamm@yahoo.com

"برنام کی ہلاکت کی خبر سن کر مجھے اس قدر صدمہ پہنچا کہ اس کا اندازہ میرے لیے الفاظ میں ناممکن ہے۔ برنام میری زندگی کا واحد سرمایہ تھا، اور صرف اسی کی خاطر میں نے دوسری شادی نہیں کی تھی اور دنیا کے سارے عیش و آرام کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اب جبکہ برنام نہیں رہا تھا تو دنیا میں میرے لیے کچھ نہیں رہا تھا۔ میں نے نورال کا شکریہ ادا کیا اور خزن کے آنسو روتا ہوا اپنے گھر واپس آ گیا۔

"میں جوں جوں اس اندوہ ناک واقعے کے بارے میں سوچتا جاتا تھا، ویسے ویسے ملکہ اسطوفینہ کے گھناؤنے کردار سے میری نفرت میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ وہ شاہ تالاش کی محبوب ملکہ تھی اور میں ایک غریب معمولی خطاط۔ ایک اشارے پر جس کی گردن اڑائی جا سکتی تھی۔ تاہم میں نے تہیہ کر لیا کہ میں ملکہ کو اتنی آسانی سے نہیں چھوڑوں گا۔ ورنہ شاہ تالاش کو ساری بات بتا کر ملکہ کی انگوٹھی بطور ثبوت پیش کروں گا اور اس جگہ کی نشاندہی بھی کروں گا جہاں نوجوانوں کی لاشیں دفن کی جاتی ہیں۔ لیکن یہ کام میں اس وقت تک نہیں کر سکتا تھا جب تک کہ نورال زندہ تھا۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اس کی زندگی میں میں یہ راز فاش نہیں کروں گا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد مجھے آزادی ہوگی۔

"اس واقعے کے چند دن بعد نورال کا انتقال ہو گیا اور اب میرے لیے عمل کا وقت آ گیا تھا لیکن یہاں مجھ سے ایک فاش غلطی ہوئی جس کا خمیازہ میں اب تک بھگت رہا ہوں۔ میں نے شاہ تالاش کو سب کچھ بتانے سے پہلے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کی غرض سے ملکہ اسطوفینہ سے ملنے کا فیصلہ کیا۔ میں چاہتا تھا کہ ملکہ کو خوب جی بھر کر برا بھلا کہوں اور اسے لعنت ملامت کروں، وہ رسوائی اور ذلت کے خوف سے میری خوشامد کرے، میرے پاؤں پر جوتے اور اس طرح میری آتش انتقام کسی حد تک سرد ہو سکے۔ کیونکہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ شاہ تالاش میری شکایت پر ملکہ کے خلاف تحقیقات کا حکم دے گا یا میری گردن مارنے کا حکم جاری کرے گا۔

"میں نے ایک خصوصی درخواست کے ذریعے زمانے کتنے پاپڑ بیلنے کے بعد ملکہ سے تنہائی میں ملاقات کی۔ میں نے اسے بتایا کہ ایک بزرگ کی دعا سے میں نے اپنی روح میں ایک ایسی قوت پیدا کر لی ہے کہ مرنے کے بعد میں کسی بھی شخص کے خواب میں آ کر اسے اپنی زندگی میں پیش آنے والے ان واقعات سے آگاہ کر سکتا ہوں جو دوسرے لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ میں نے اسے یہ بھی بتایا کہ میں نے یہ قوت اپنے بیٹے برنام کو بھی منتقل کر دی تھی۔ جو پچھلے دنوں مجھے خواب میں نظر آیا اور اس نے مجھے اپنے قتل کی پوری تفصیلات بتائیں۔ اس نے اس جگہ کی نشاندہی بھی کر دی جہاں اسے دفن کیا گیا ہے اور اس انگوٹھی کا بھی ذکر کیا جو مرتے وقت اس کی انگلی میں موجود تھی۔ میں نے ملکہ کو بتایا کہ برنام کی روح نے وہ انگوٹھی مجھے دے دی ہے اور اب وہ میرے قبضے میں ہے اور میں اسے کل

ایک معصوم انسان کی داستان جسے جلاد کے نام سے پکارتی تھی

جلاد

ایم۔ اے راحت

/100 روپے

ناشر

گلفرنیس پبلی کیشنز لاہور

منی آرڈر یا ڈرافٹ اس پتہ پر ارسال

اسٹاکسٹ

طیبہ بکسٹال پبلشرز اینڈ بک سیلرز

خالد ایجوکیشنل سنٹر ہم اردو بازار لاہور

PP 248285 120090

صبح شاہ تالاش کی خدمت میں پیش کر کے انصاف طلب کروں گا۔

"ملکہ ایک ضعیف الاعتقاد عورت ہے وہ میری اس کہانی سے سخت پریشان ہو گئی اور اس نے مجھے ایک بہت بڑی رقم پیش کرتے ہوئے وہ انگوٹھی مجھ سے واپس طلب کرنی چاہی۔ میں نے اس سے انکار کر دیا۔ ملکہ رقم میں اضافہ کرتی گئی، یہاں تک کہ ایک ناقابل یقین حد تک بھاری رقم دینے کو تیار ہو گئی لیکن میں اس کی ہر پیشکش ٹھکرا کر واپس چلا آیا۔ ممکن ہے کہ ملکہ نے یہ سوچا ہو کہ مجھے یہ ساری تفصیلات نورال کے ذریعے معلوم ہوئی ہوں گی جس کا چند روز پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ لیکن ایک بات پھر بھی یقینی تھی اور وہ یہ کہ میرے قبضے میں انگوٹھی بہرحال موجود تھی۔ اگر ملکہ میری بات پر یقین نہیں کرتی تھی تو بھی اس بات پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی کہ ممکن نورال کے ذریعے اس کی انگوٹھی مجھ تک پہنچ گئی ہو، جو اس کے جرائم کے خلاف ایک ٹھوس ثبوت کی حیثیت رکھتی تھی۔

"میں نے طے کر لیا تھا کہ اگلے دن صبح کو دربار میں جا کر شاہ تالاش کے حضور عرضی گزاروں گا۔ گھر آ کر میں نے تمام واقعات ایک عرضی کی صورت میں تحریر کیا اور اسے ایک رفاقے میں بند کر کے رکھ دیا کہ صبح اسے شاہ تالاش کے سامنے پیش کر کے اس سے درخواست کروں گا کہ تنہائی میں اس کا مطالعہ کرے۔ میں نے

میں لکھ دیا تھا کہ انگوٹھی میرے قبضے میں موجود ہے اور جس وقت شہنشاہ حکم فرمائیں گے، ان کی خدمت میں پیش کر دی جائے گی۔

"لیکن میری زندگی میں وہ صبح کبھی نہیں آئی۔ رات کو ملکہ کے خصوصی محافظ دستے کے لوگوں نے میرے گھر پر چھاپا مارا اور مجھے پکڑ کر لے گئے۔ انہوں نے شاہ تالاش کے نام تحریر کردہ میری عرضی بھی اپنے قبضے میں کر لی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے انگوٹھی کی تلاش میں گھر کا کونا کونا چھان مارا۔ لیکن انگوٹھی ان کے ہاتھ نہ آئی، دراصل بات یہ تھی کہ میں نے پہلے ہی دن انگوٹھی کو ایک ایسی جگہ چھپا دیا تھا جہاں سے اسے میرے علاوہ اور کوئی تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ میرے گھر میں ایک بڑا سا پرنالہ لگا ہوا تھا جس کے موٹے تنے میں کئی ایسے سوراخ تھے جو کافی گہرے تھے۔ ان میں سے ایک سوراخ میں جو کافی بلندی پر تھا، چڑیوں کے ایک جوڑے نے اپنا گھونسلا بنایا ہوا تھا۔ میں نے انگوٹھی کو کپڑے کی ایک چھوٹی سی تھیلی میں سیا اور پھر چڑیوں کے گھونسلے کو آہستگی سے اٹھا کر تھیلی سوراخ کے اندر ڈال دی اور گھونسلا واپس اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ اب کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ گھونسلے کے نیچے انگوٹھی موجود ہو گی۔

"انگوٹھی کی تلاش میں ناکامی کے بعد ملکہ کے سپاہی مجھے پکڑ کر اس قید خانے میں لے آئے اور مجھے یہاں بند کر دیا۔ دوسرے دن ملکہ اسطوفینہ خود مجھ سے ملنے کے لیے آئی اور اس نے اپنی پیشکش دہراتے ہوئے کہا کہ اگر میں انگوٹھی واپس کر دوں اور زندگی بھر اپنی زبان بند رکھنے کا وعدہ کروں تو مجھے اس قید سے رہائی مل سکتی ہے۔ اس نے مجھے تین دن کی مہلت دیتے ہوئے خبردار کیا کہ چوتھے دن مجھے ہلاک کروا دیا جائے گا۔ اس وقت نہ جانے میرے دماغ میں یہ بات کہاں سے آ گئی کہ میں نے ملکہ سے یہ کہہ دیا کہ اگر اس نے مجھے ہلاک کروا دیا تو میں اپنی مخصوص روحانی قوت کے ذریعے مرنے کے بعد شاہ تالاش کے خواب میں آ کر اسے سارے واقعات سے آگاہ کر دوں گا اور میری روح کو کہ انگوٹھی بھی شہنشاہ کے حوالے کر دے گی۔ ملکہ نے میری اس بات کا خود یقین کیا ہو یا نہ کیا ہو، لیکن وہ خوف زدہ ضرور ہو گئی۔ مجھے اس اللہ کا اندازہ نہیں ہوا کہ تین دن گزرنے کے بعد بھی مجھے قتل نہیں کیا گیا۔ ایک ہفتہ گزر گیا، اور ملکہ دوبارہ میرے پاس آئی اور مجھ سے انگوٹھی طلب کی۔ میرے انکار پر وہ کہنے لگی کہ اگرچہ وہ مجھے ہلاک نہیں کروائے گی لیکن مجھے ایسی اذیت سے دوچار کرے گی کہ میں مرنے کی خواہش کروں گا اور زندگی پر موت کو ترجیح دوں گا۔ اس نے اپنا کہا کر دکھایا۔ اس قید خانے میں، میں جس طرح زندگی کے دن گزار رہا ہوں وہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو۔ آج اس بات کو تقریباً ساڑھے تین سال ہو چکے ہیں۔ میں نے باہر کی دنیا کی شکل نہیں دیکھی اور میں وحشی حیوانوں کی طرح زندگی گزار رہا ہوں۔ لیکن میں کسی حد تک خوش ہوں کہ میں نے اس خبیث ملکہ کے غرور کو توڑا ہے اور وہ خود کو میرے سامنے بے بس پاتی ہے۔ وہ سال میں کم از کم تین چار مرتبہ میرے پاس ضرور آتی ہے اور انگوٹھی کا مجھ سے مطالبہ کرتی ہے کہ میں انگوٹھی کا پتا بتا دوں۔ لیکن ہر بار مایوس ہو کر واپس چلی جاتی ہے۔ پچھلی بار آج سے چند ماہ پہلے وہ یہاں آئی تھی اور بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ اسکندریہ سے آتے ہوئے ایک بہت بڑے عامل اور روحانیات کے ماہر کے ذریعے اس نے میری روحانی قوت کو سلب کر لیا ہے اور اس عامل نے اسے یقین دلا دیا ہے کہ اب میں مرنے کے بعد کسی کو خواب میں نظر نہیں آ سکتا۔ ملکہ نے مجھ سے کہا کہ اب اسے مجھ سے یا انگوٹھی سے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی ہے اور آئندہ وہ یہاں نہیں آئے گی لیکن میرے قتل کا حکم بھی صادر نہیں کرے گی، تاکہ میں اس طرح عذاب ناک زندگی کی اذیتیں جھیلتے جھیلتے ایک دن خود ہی مر جاؤں۔"

"کیا شاہ تالاش اور دوسرے سرغنے، اجنبی، کو ملکہ کے اس خصوصی قید خانے کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے؟" میں نے اقلوس سے پوچھا۔

"انہیں یقیناً علم ہے۔ لیکن بالکل دوسرے انداز میں۔ انہیں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ ملکہ کی نافرمانی کرنے والے غلاموں اور دیگر ملازموں کے لیے ایک خصوصی قید خانہ ہے اور اس میں ان لوگوں کو قید کیا جاتا ہے جن کی گستاخیوں پر ملکہ ناراض ہوتی ہے۔ اس قید خانے کا پورا انتظام اکیلا اس کے ہاتھ میں ہے جو ملکہ کا خاص آدمی ہے اور صرف ملکہ کے سامنے ہی جواب دہ ہے۔ اگر کوئی اس کو ملکہ سے بھاری رقم ملتی ہے تو وہ یہاں کے معاملات میں کسی کو مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ حتیٰ کہ شاہ تالاش بھی ملکہ کی مرضی کے خلاف یہاں کے امور میں مداخلت نہیں کرتا۔ ویسے بھی اس کی مصروفیات کا دائرہ اتنا زیادہ وسیع ہے کہ اسے ملکہ اسطوفینہ کے خصوصی قید خانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"تمہاری داستان بڑی المناک ہے اقلوس!" میں نے اس سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے پوچھا۔ "لیکن یہ بتاؤ کہ اب تمہاری خواہش کیا ہے؟"

"میری صرف ایک ہی خواہش ہے اور میں اس کا اظہار تم سے کر چکا ہوں۔ تمہاری بڑی مہربانی ہو گی اگر تم مجھے قید حیات سے نجات دلا دو۔"

"قید حیات سے نجات پانا کوئی اتنی مشکل بات نہیں ہے اقلوس!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن کیا تم اسطوفینہ کو اس کے کرتوتوں کی سزا دیے بغیر مرجانا پسند کرو گے؟"

"میرے پاس اس کے علاوہ اور چارہ بھی کیا ہے؟" اس نے حسرت ناک لہجے میں کہا۔ "میری ایک ذرا سی جذباتی غلطی سے سارا کام بگڑ گیا۔ اگر میں سیدھا شاہ تالاش کے پاس چلا جاتا تو ممکن ہے کہ آج حالات مختلف ہوتے۔"

"حالات اب بھی مختلف ہو سکتے ہیں اقلوس! مایوس ہونے کی ضرورت

aazzamm@yahoo.com

نہیں۔" میں نے مطمئن لہجے میں کہا۔

اقلوس بے یقینی کے عالم میں غور سے میری شکل دیکھنے لگا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو شہزور؟" اس نے پوچھا۔ "اگر تمہارے ذہن میں یہاں سے فرار ہونے کا کوئی احمقانہ منصوبہ موجود ہے تو اسے بھول جاؤ۔ یہاں سے فرار ہونے کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ یہ دروازہ صرف اس وقت کھلتا تھا جب ملکہ اسطونیہ مجھ سے ملنے آتی تھی اور اس سے کافی فاصلے پر اس کے پیچھے ننگی تلواریں لیے ہوئے محافظوں کا ایک دستہ ہوتا تھا۔ اب نہ تو ملکہ اسطونیہ یہاں آئے گی اور نہ یہ دروازہ کھلے گا۔ ہاں شاید اس وقت یہ دروازہ ضرور کھلے جب وہ لوگ تمہیں موت کی سزا دینے کے لیے اندر آئیں۔"

"مجھے دروازہ کھلنے کی کوئی فکر نہیں ہے۔" میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "اگر اس سے بھی بھاری دروازہ ہو تو میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ میرا وعدہ ہے کہ میں تمہیں اس تہ خانے سے زندہ نکال کر لے جاؤں گا۔"

"ہاہا ہاہا۔" اقلوس بڑے زور سے ہنسا۔ "شاید موت کے قدموں کی چاپ نے تمہارے دماغ کو ماؤف کر دیا ہے۔ بہرحال، خواب دیکھنے میں کوئی ہرج نہیں۔"

"تم اسے خواب سمجھ رہے ہو اور میں نے کہا۔ فی الحال میں تم سے اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتا کہ میں اس کام کو کس طرح انجام دوں گا۔ بس چند دن انتظار کرو اور آئندہ ہم اس موضوع کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کریں گے۔"

اقلوس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ غالباً اسے میری دماغی صحت پر شبہ ہو گیا تھا۔ اس لیے اس نے گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

اب کافی دن چڑھ آیا تھا۔ اچانک بہت اوپر، جہاں چھت میں ایک بڑا سا شگاف پڑا ہوا تھا، کسی کے زور سے پکارنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے اور اقلوس نے ایک ساتھ چھت کی طرف دیکھا۔ ایک بڑی سی ٹوکری رسی کے ذریعے نیچے لٹکائی جا رہی تھی جو آہستہ آہستہ ہماری طرف آ رہی تھی۔

"کھانا آ رہا ہے۔" اقلوس نے جواب دیا۔ "یہاں دن میں دو دفعہ کھانا ملتا ہے۔ ایک بار دوپہر سے پہلے اور دوسری بار سورج غروب ہونے سے پہلے۔ لیکن یہ وہ کھانا ہوتا ہے جو اچھے خاصے انسان تو درکنار شاید کتے بھی نہ کھاتے ہوں۔ تم ابھی خود دیکھ لینا۔ لیکن کیا کیا جائے، پیٹ بری بلا ہے۔"

ذرا دیر میں ٹوکری نیچے آ گئی اور اقلوس نے ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑ لیا اور اس میں رکھا ہوا کھانا باہر نکال لیا۔ کھانا درختوں کے بڑے پتوں پر رکھا ہوا تھا اور واقعی اقلوس نے ٹھیک کہا تھا۔ کتوں کو بھی اس سے بہتر کھانا دیا جاتا ہوگا۔

"آج کھانے کی مقدار زیادہ ہے۔" اقلوس نے کہا۔ "انہوں نے تمہاری موجودگی کو فراموش نہیں کیا۔"

کھانا لینے کے بعد اقلوس نے ٹوکری کو ایک جھٹکا دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اب ٹوکری اٹھائی جائے۔ اس کے ساتھ ہی ٹوکری اوپر کی طرف بلند ہونے لگی۔

"آؤ شہزور کھانے میں شریک ہو جاؤ۔" اقلوس نے مجھ سے کہا۔

"نہیں، مجھے بھوک نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تمہاری مرضی۔" اقلوس نے جواب دیا۔ "لیکن اگر تمہیں یہاں چند روز مزید رہنا پڑا تو پھر تم یہی کھانا کھانے پر مجبور ہو گے۔ میری زندگی میں بھی جب پہلے پہل یہاں آیا تھا تو میں نے کئی وقت تک کھانا نہیں کھایا تھا، لیکن جب بھوک سے میرا بدن بالکل نڈھال ہو گیا تو میں یہ چیزوں کی غذا کھانے پر مجبور ہو گیا۔"

"ممکن ہے کچھ عرصے یہاں رہنے کی صورت میں میں بھی عادی ہو جاؤں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "فی الحال تو مجھے بھوک نہیں ہے۔"

اقلوس خاموشی سے کھانا کھاتا رہا اور میں اسے دیکھتا رہا۔ اس تہ خانے کی زندگی نے اس سے انسانوں کی طرح کھانا کھانے کے آداب بھی چھین لیے تھے۔ وہ بالکل وحشیانہ انداز میں کھانا کھا رہا تھا۔ مجھے اس پر بڑا ترس آیا۔

دو دن بغیر کسی خاص واقعے کے گزر گئے اور ظاہر ہے کہ اس عرصے میں مجھے باہر کی کوئی خبر نہیں ملی۔ قید خانے کے اس کمرے اور باہر کی دنیا سے محض ایک رسی اور ٹوکری تک محدود تھا۔ صرف اہم اور مقررہ اوقات پر ٹوکری کے ذریعے کھانا آتا رہا اور اقلوس کے بے حد اصرار پر اس میں سے تھوڑا بہت میں بھی کھانے لگا۔ اس دوران کئی بار گلی سڑی اشیا کا سلوبو جو ہمل اور دیگر حشرات الارض کے لیے اوپر سے پھینکا گیا۔ انسان کو آزار پہنچانے کا کتنا عجیب و غریب طریقہ تھا!

تیسرے دن صبح کے کچھ دیر بعد ہمیں کمرے کے بھاری بھرکم دروازے کے پیچھے کچھ آوازیں سنائی دیں۔ میں اور اقلوس دونوں چوکنے ہو گئے۔

"شاید کوئی آ رہا ہے۔" اقلوس نے مجھ سے کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی دروازے پر کھڑ پڑ ہونے لگی اور چند لمحوں کے بعد دروازہ ایک زبردست چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا۔ دروازے کا صرف ایک ہی پٹ کھولا گیا تھا۔ مجھے ارکیداس کی شکل نظر آئی۔ وہ ننگی تلوار سونتے ہوئے کھڑا تھا۔ اس نے مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ میں دروازے کے قریب پہنچا تو ارکیداس کے پیچھے ملکہ اسطونیہ کھڑی تھی اور اس کے پیچھے دوسرے کمرے کے دروازے کے قریب ننگی تلواریں لیے ہوئے محافظوں کا ایک پورا دستہ موجود تھا۔ ارکیداس نے میرے لیے راستہ چھوڑ دیا اور ملکہ کے اشارے پر دروازے سے ہٹ کر دوسرے کمرے کے دروازے کے پاس مسلح محافظوں کے قریب جا کر کھڑا ہو

گیا۔ کمرے میں میں اور ملکہ اسطونیہ تنہا تھے۔

"مغرور انسان۔" ملکہ نے بولنے سے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "یہ میرا خیال ہے کہ اس بدبودار اور غلیظ کوٹھڑی میں چوہوں اور چھپکلیوں کے ساتھ دو دن گزارنے کے بعد تیرا دماغ درست ہو گیا ہوگا۔ تو نے اپنی خوش نصیبی سمجھ کر مجھے تیرے حلق پر ترس آ گیا اور میں نے تجھے اس عقوبت خانے سے نجات دلانے کے لیے یہاں آئی ہوں۔ لیکن تیری رہائی اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ تو آج کی رات محل میں گزارے گا اور اس کے بعد اس شہر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلا جائے گا۔" میں ملکہ کی آنکھوں سے جھانکتی ہوئی مکاری کا بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس کے سازشی ذہن میں یہ منصوبہ ہے کہ میں ایک رات محل میں گزاروں اور صبح ہونے پر مردہ پائے جاؤں۔ پھر وہ ارکیداس کو میری لاش کو ٹھکانے لگوا دے۔

"میں اس عنایت کے لیے ملکہ عالیہ کا شکر گزار ہوں۔" میں نے طنزیہ انداز میں جواب دیا۔ "لیکن اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کی نشاندہی بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ

لیے ملکہ کی [illegible] مفاہمت کے بجائے اس بدبودار اور غلیظ کوٹھڑی میں چوہوں اور چھپکلیوں کے ساتھ رہنا قبول ہے۔"

ملکہ کو مجھ سے شاید اس قدر سخت توہین آمیز اور عجیب و غریب جواب کی توقع نہیں تھی۔ وہ یقیناً یہ سوچ کر آئی ہوگی کہ میں اس کے پیروں پر گر پڑوں گا۔ اس سے رحم کی بھیک مانگوں گا۔ جان بخشی کی التجا کروں گا اور اس کی ہر خواہش کی بے چون و چرا تعمیل کروں گا۔

مارے غصے کے ملکہ کی زبان گنگ ہو گئی۔ اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ وہ شعلہ بار نگاہوں سے مجھے گھور رہی تھی۔

"مجھے پتا چل گیا ہے کہ ملکہ عالیہ اپنے عاشقوں کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہیں اور اپنا مطلب نکال لینے کے بعد ان کا کیا حشر کرتی ہیں۔" میں نے مزید کہا۔

"اوہ، میں اس پاگل بوڑھے کو تو بھول ہی گئی تھی۔ حیرت ہے کہ وہ ابھی تک زندہ ہے۔" ملکہ نے دانت پیس کر کہا۔ "وہ ایک دیوانہ اور خبطی شخص ہے اور اس نے میری انگوٹھی چرائی تھی جسے وہ واپس لینا چاہتا تھا اور اس کے بارے میں طرح طرح کی داستانیں سناتا ہے۔ بہرحال، تو سن لے شہزور کہ تو نے میری توہین کر کے بالآخر اپنی موت کے سامان مہیا کر لیے ہیں۔"

"میں مرنے کے لیے تیار ہوں۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔

"تو پھر یہ بھی سن لے کہ تیری موت اتنی آسان نہیں ہوگی جیسی تو نے سمجھ رکھا ہے۔ میں آج ہی شہنشاہ کو تیرے بارے میں اطلاع دے دوں گی اور انہیں بتاؤں گی تو نے میری عزت پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی جس کی پاداش میں میں نے تجھے گرفتار کروا کے قید کروا دیا ہے اور پھر تیری سزا بھی میں ہی تجویز کروں گی۔ جانتا ہے میں تجھے کس طرح ہلاک کرواؤں گی؟" ملکہ نے نفرت سے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"مجھے یہ جاننے کی ضرورت نہیں اسطونیہ۔" میں نے اسے ایک عام عورت کی طرح مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تو ایک ظالم اور قابل نفرت انسان ہے اور میرے دل میں تیرے لیے کوئی جگہ نہیں۔ تو کس طرح کی بھی دھمکی یا لالچ سے مجھے قابو میں نہیں کر سکتی۔"

"تیری یہ مجال کہ مجھ سے اس طرح گفتگو کرے ذلیل کیڑے!" ملکہ نے فیظ و غضب کے عالم میں کانپتے ہوئے کہا۔ "اب اچھی طرح سن لے کہ تیرا انجام کیا ہوگا۔ میں تیرے ہاتھ پیر بندھوا کر تجھے چار گھوڑوں والے رتھ کے پیچھے بندھوا دوں گی اور پھر اس رتھ کو پوری تیز رفتاری کے ساتھ سخت اور پتھریلی زمین پر دوڑایا جائے گا۔ اس طرح یہ سنہرا بدن، جس پر تو اس قدر فخر اور غرور کرتا ہے، چیتھڑوں کی طرح بکھر کر خاک میں مل جائے گا۔ اس وقت تجھے اپنے کیے ہوئے ان الفاظ کی قیمت کا اندازہ ہوگا۔ مگر تب بہت دیر ہو چکی ہوگی بدنصیب، کوئی تجھے نہیں بچا سکے گا۔ حتیٰ کہ اگر میں خود بھی چاہوں تو تجھے اس عذاب ناک موت سے نہیں بچا سکوں گی جو اس وقت تیرا مقدر بن چکی ہوگی۔"

"تو اپنے دل کی حسرت نکال لے اسطونیہ۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "کیا ایک انسان کو ہلاک کرنے کے لیے ایک گھوڑے والا رتھ کافی نہیں ہے جو تو مجھے چار گھوڑوں والے رتھ سے باندھنا چاہتی ہے۔ بہرحال تیری مرضی۔ میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔"

ملکہ کی آنکھوں میں حیرت اور پریشانی کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ میں اتنی سخت اور عذاب ناک سزا سننے کے بعد بھی مطمئن تھا اور رتی برابر بھی خوفزدہ نہیں تھا۔ ملکہ کی سمجھ میں یقیناً یہ بات نہیں آ رہی ہوگی کہ میں ایک عذاب ناک موت کو اتنی آسانی سے گلے لگانے کے لیے کیوں تیار ہوں۔

"تو پھر اپنے انجام کے لیے تیار رہ سیہ بخت انسان۔" ملکہ نے چلتے ہوئے کہا۔ "جلد ہی تجھے موت کا پیغام مل جائے گا۔"

ملکہ دروازے کی طرف بڑھی اور ارکیداس ننگی تلوار لیے ہوئے میری طرف بڑھا۔ لیکن میں نے اسے کوئی حکم دینے کا موقع نہیں دیا۔ میں خاموشی سے مڑا اور اپنی کوٹھڑی کے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ ارکیداس نے میرے پیچھے بھاری دروازہ بند کیا اور میں نے تالا لگانے کی آواز سنی۔

"میں دروازے کے پیچھے چھپا ہوا تھا اور تمہاری اور اسطونیہ کی گفتگو سن رہا تھا۔" اقلوس نے دروازہ بند ہونے کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کس قسم کے انسان ہو۔ تم نے اس آسانی سے موت کو گلے لگانے کا فیصلہ کر لیا؟"

"تمہارے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے تھا؟" میں نے پوچھا۔

"تمہیں ملکہ کی اس پیشکش کو قبول کر لینا اور اس سنگ و تاریک

aazzamm@yahoo.com
Scanned by Nuzhat Saeed

aazzamm@yahoo.com

عقوبت خانے سے نکل جانا چاہیے تھا۔ ایک بار یہاں سے نکل جانے کے بعد تم ملکہ کے چنگل سے فرار ہونے کی کوشش کر سکتے تھے، اور کون جانے تمہاری یہ کوشش کامیاب بھی ہو سکتی تھی۔" اقلوس نے کہا۔

"میری کوشش ناکام نہیں ہوتی میرے دوست۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔ اقلوس خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا۔

ایک دن اور گزر گیا۔ اس سے اگلے دن دروازے کے باہر پھر آہٹیں سنائی دیں۔ میں اور اقلوس دونوں دروازے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ بھاری بھرکم دروازہ ایک بار پھر زبردست چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا، ایک بار پھر اریکداس کی شکل نظر آئی۔ میں نے اشارے سے مجھے اپنی طرف بلایا۔ میرے کمرے سے باہر آنے کے بعد اریکداس نے باہر سے تالا لگا دیا۔ ایک عجیب بات میں نے یہ محسوس کی کہ اس بار اریکداس کے ہاتھ میں حسب معمول شمع معمور نہیں تھی۔ وہ بالکل خالی ہاتھ تھا۔ میں اریکداس کے پاس آیا اور اریکداس مجھے دوسرے کمرے میں لے گیا۔ جہاں سے ہم دونوں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والے کمرے میں آ گئے۔ اس کمرے میں آتے ہی میری نظر دو آدمیوں پر پڑی جنہوں نے چادروں سے اپنے چہروں کو چھپایا ہوا تھا۔ مجھے اور اریکداس کو دیکھ کر ان دونوں نے اپنے چہرے کھول دیے۔

میرے سامنے استاد اور مغریس کھڑے تھے۔

مغریس دوڑ کر مجھ سے لپٹ گیا اور بچوں کی طرح سسکیاں لینے لگا۔ میں نے شفقت آمیز انداز میں اس کا شانہ تھپتھپایا۔ استاد خاموش کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا۔ اریکداس ہم لوگوں کو اسی طرح چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

"شہزور! مجھے تم سے اس قدر غلط حرکت کی امید نہیں تھی۔" استاد نے مجھ سے شکایتی لہجے میں کہا۔

"مجھے اس بات پر فخر ہے استاد کہ میں نے کوئی غلط حرکت نہیں کی۔ ملکہ نے جو کچھ کہا ہے، وہ سب جھوٹ ہے۔"

"مگر ملکہ کے الزامات کی روشنی میں تمہارے خلاف فیصلہ دیا جا چکا ہے۔ تمہیں چار گھوڑوں والے رتھوں..." استاد کی آواز بھرا گئی۔

"مجھے معلوم ہے استاد۔" میں نے سکون کے ساتھ جواب دیا۔ اور پھر مختصر الفاظ میں اپنی پوری داستان استاد کو سنا دی اور جو کچھ اقلوس اور اس کے بیٹے کے ساتھ پیش آیا تھا، وہ بھی اسے بتا دیا۔ میں نے اسے تہ خانے میں ملکہ کی آمد کے بارے میں بھی بتایا۔

استاد اور مغریس آنکھیں پھاڑے میری باتیں سنتے رہے۔ تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی۔ پھر استاد بولا: "اریکداس میرا شاگرد رہ چکا ہے اور میری بڑی عزت کرتا ہے۔ کل شاہی دربار سے تمہارے بارے میں اعلان کیا گیا کہ تم نے ملکہ پر مجرمانہ حملہ کرنے کی کوشش کی اور اسی کے ساتھ تمہاری سزا کا بھی اعلان کر دیا گیا۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تمہیں ملکہ کے خصوصی قید خانے میں بند کر دیا گیا ہے۔ یہ خبریں سن کر میرے ہوش و حواس پر بجلی گر گئی۔ میرا سب کچھ لٹ گیا۔ تم ہماری عزت تھے، ہماری آن بان تھے، ہمارا سب کچھ تھے۔ میں نے سوچا کہ آخری وقت میں تم سے ملاقات کی کوئی سبیل نکالوں۔ مگر یہ بات بالکل ناممکن نظر آتی تھی۔ لیکن تب مغریس نے مجھے یاد دلایا کہ ملکہ کے خصوصی قید خانے کا نگراں اریکداس ہے۔ ہم دونوں کل رات کو اریکداس کے گھر آئے۔ پہلے تو وہ بہت خوفزدہ ہوا۔ لیکن جب ہم نے اسے یقین دلایا کہ اس ملاقات کے بارے میں کسی کو علم نہیں ہوگا اور یہ کہ تم ہمارے خاص الخاص آدمی ہو اور اسے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرو گے تو وہ بمشکل راضی ہوا۔ ہماری یہ ملاقات بہت مختصر ہے شہزور! اگر تمہاری کوئی خواہش ہو تو بتاؤ، ہمارے بس میں ہوا تو ہم اسے پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔" استاد پر رقت طاری ہو گئی۔ "میں جانتا ہوں کہ جو کچھ تم نے کہا ہے، وہ سچ ہونا چاہیے۔ کیونکہ تم نے تمہیں کبھی جھوٹ بولتے نہیں سنا، لیکن سوال یہ ہے کہ ہم ملکہ کے بیان اور اس کے الزامات کی تردید کس طرح کر سکتے ہیں؟ ہمارے پاس تمہیں بے گناہ ثابت کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔" استاد بآواز روانے لگا۔

میں نے استاد کی ڈھارس بندھائی اور اس سے پوچھا "مجھے یہاں سے باہر بھیجنے کی سزا کس دن اور کس جگہ دی جائے گی؟"

"آج سے ٹھیک ایک ہفتے کے بعد اسی کھلے ہوئے اسٹیڈیم میں جس میں تم نے کشتی اور شمشیر زنی کے مقابلے جیتے تھے۔" استاد نے جواب دیا۔

"اور تماشا دیکھنے والوں میں کون کون شامل ہوں گے؟" میں نے پوچھا۔

"بادشاہ، ملکہ، ان کے درباری، تمام امراء و رؤسائے شہر اور اس کے علاوہ تمام لوگ۔" استاد نے جواب دیا۔ "ایتھنز کے لوگ اس قسم کے موقعوں پر بھاری تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ اس بار مجمع بہت زیادہ ہوگا کیونکہ اہل ایتھنز کے لیے تم ایک جانی پہچانی شخصیت ہو اور وہ تمہیں ایک ہیرو کے روپ میں دیکھ چکے ہیں۔"

"میری تم سے گزارش یہ ہے استاد کہ تم اس تماشے میں ضرور آنا اور اپنے کلب کے جتنے زیادہ لوگوں کو ساتھ لا سکتے ہو، لانا۔ اس کے علاوہ تم کوشش کرنا کہ سرسبز والوں کے آدمی بھی اس موقع پر موجود ہوں۔ اور جتنے زیادہ سے زیادہ لوگ موجود ہوں۔ اتنا ہی اچھا ہے۔"

"تم کرنا کیا چاہتے ہو؟" استاد نے پوچھا۔

"میں ایتھنز کے امراء و رؤسا اور عام لوگوں کے سامنے ملکہ اسطونیہ کی انسان دشمن حرکتوں کو بے نقاب کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اس سے کیا فائدہ ہوگا؟" استاد نے افسوس کے عالم میں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "بھلا ملکہ کے مقابلے میں تمہاری بات کا کون یقین کرے گا؟"

"مجھے اپنی بات منوانے کا فن آتا ہے استاد۔" میں نے مسکرا کر استاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور تم اس بات سے بخوبی واقف بھی ہو۔"

استاد چونک کر میری طرف دیکھنے لگا۔ مجھے اس عرصے میں پہلی بار اس کی آنکھوں میں خوشی کی ایک لہر سی دوڑتی ہوئی نظر آئی۔ "ہاں، شہزور۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں کچھ کچھ جانتا ہوں۔ اور کچھ کچھ نہیں جانتا۔ مگر میری دلی تمنا ہے کہ تم زندہ رہو اور یہ لوگ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔"

"میرا ایک کام کرو استاد۔" میں نے استاد کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "شرنغانہ گاؤں میں اکیلی پریشان ہو رہی ہوگی۔ میں اس سے دن میں واپسی کا وعدہ کر کے آیا تھا اور آج تقریباً ایک ہفتہ گزر گیا ہے۔ کسی کو بھیج کر اسے بلوا لو۔ مگر خیال رہے کہ اسے ابھی میرے بارے میں کچھ نہ بتانا۔"

"میں آج ہی مغریس کو بھیج دوں گا۔" استاد نے کہا۔

اس اثنا میں اریکداس واپس آ گیا اور استاد سے کہنے لگا۔ "اب تمہیں جانا چاہیے معزز استاد، یہ جگہ تم جیسے لوگوں کے زیادہ ٹھہرنے کے لیے مناسب نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی آ جائے اور ہم سب مصیبت میں گرفتار ہو جائیں۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ اریکداس کہ تم نے میری خاطر اتنا بڑا خطرہ مول لیا۔ میں ہمیشہ تمہارا احسان مند رہوں گا۔"

"شکریے کی ضرورت نہیں ہے استاد۔" اریکداس نے کہا۔ "مجھے خوشی ہے کہ میں کبھی تمہارے کام آ سکا۔"

میں دوبارہ سیڑھیاں اتر کر واپس اپنے کمرے میں آ گیا اور اریکداس نے باہر سے تالا لگا دیا۔ اقلوس بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس بار وہ دروازے سے کان لگا کر باتیں نہیں سن سکا تھا، کیونکہ ہم لوگ اوپر والے کمرے میں تھے اور نیچے والے کمرے میں اریکداس نے تالا لگا دیا تھا اس لیے اقلوس اوپر بھی نہیں آ سکتا تھا۔

"کون آیا تھا؟" اس نے مجھے دیکھتے ہی دوڑ کر پوچھا۔ "کیا ملکہ نے پھر تمہارے لیے کوئی پیغام بھیجا ہے؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میرے اوپر لگائے گئے الزامات کی سزا کا اعلان کیا جا چکا ہے اور آج سے ٹھیک ایک ہفتے بعد اس سزا پر عمل ہوگا۔"

"تمہیں یہ بات کس نے بتائی؟" اقلوس نے پوچھا۔

میں نے مختصراً اپنے استاد اور مغریس کی آمد اور ان سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔

"مجھے یہ بری خبر سن کر بہت افسوس ہوا۔" اقلوس نے غمزدہ آواز میں کہا۔ "اتنے دنوں کے بعد میں نے ایک انسان کی شکل دیکھی تھی، اور اب وہ بھی مجھ سے بچھڑنے والا ہے۔ میرے اوپر احسان کرو شہزور، اور یہاں سے نکلنے کے لیے رخصت ہونے سے پہلے اپنے ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ دو۔"

"تم نے پہلے بھی مجھ سے یہ بات کہی تھی اور میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ میں تمہیں یہاں سے زندہ نکال کر لے جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن خود تمہاری ہلاکت کے سامان کیے جا رہے ہیں میرے دوست۔ تم مجھے کس طرح یہاں سے رہائی دلا سکو گے؟" اس نے کہا۔

"یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو اور اس بارے میں زیادہ پریشان مت ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"یقین کرو، میری بالکل سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے ذہن میں کیا منصوبہ ہے۔ کیا باہر تمہارے آدمی موجود ہیں جو تمہیں اس جگہ سے فرار میں مدد دیں گے؟" اقلوس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے سختی سے جواب دیا۔ "اس شہر میں اگرچہ میرے دوستوں اور مداحوں کی تعداد کم نہیں، لیکن مجھے یہاں سے فرار کرانے کے بارے میں تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"تو کیا تم اکیلے بغیر کسی باہر کی مدد کے یہاں سے فرار ہونے کے بارے میں سوچ رہے ہو؟" اقلوس نے پوچھا۔

"تم نے شاید میری بات غور سے نہیں سنی اقلوس۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔ "میں نے تم سے یہ کب کہا ہے کہ میں یہاں سے راہ فرار اختیار کروں گا؟ نہیں میں یہاں سے فرار نہیں ہوں گا بلکہ وہ لوگ خود مجھے یہاں سے آ کر لے جائیں گے... آج سے ٹھیک ایک ہفتے کے بعد وہ مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے، لیکن وہ مجھے ہلاک نہیں کر سکیں گے اور میں دوبارہ یہاں واپس آ کر تمہیں اس قید خانے سے رہائی دلواؤں گا۔"

"تم نہ جانے کیا کہنا چاہتے ہو شہزور۔" اس نے الجھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری ایک بات بھی میری سمجھ میں نہیں آتی۔ میں یہ پوچھتا..."

"تم اب کچھ مت پوچھو۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اور آئندہ ایک ہفتے کے دوران ہمارے درمیان اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں ہوگی۔ جو کچھ ہوگا تمہارے سامنے آ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" اقلوس نے جواب دیا۔ "مجھے خود بھی اس موضوع سے الجھن ہوتی ہے۔"

اگلے سات دن کے دوران کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ سوائے اس کے کہ چوہوں اور کیڑوں مکوڑوں کے لیے پھینکی جانے والی غلاظت میں تقریباً دوگنا اضافہ ہو گیا۔ کمرے کے پتھریلے فرش پر جگہ جگہ سڑی گلی اشیا کے ڈھیر لگ گئے اور تعفن میں مزید اضافہ ہو گیا۔ میں دن میں کئی کئی بار گھاس پھوس کی مدد سے فرش کو صاف کرتا تھا اور غلاظت کو ایک کونے میں جمع کر دیتا تھا۔ رات کو جب سے اسے پھر سارے فرش پر پھیلا دیتے تھے۔ ہمارے لیے کھایا جانے والا کھانا اور بھی زیادہ خراب اور بدمزہ کر دیا گیا تھا۔ اقلوس ان حالات سے سخت پریشان ہو رہا تھا۔ لیکن میں اس کی ڈھارس بندھاتا تھا اور اسے یقین دلاتا تھا کہ مصیبت کے دن زیادہ نہیں ہیں۔

Scanned by AzamZ@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

آٹھویں دن سورج نکلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد دروازے کے باہر آدمیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ "وہ آگئے ہیں" میں نے اقلوس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "اب وہ تجھے مقتل کی طرف لے جائیں گے۔ لیکن تم پریشان مت ہونا میں واپس آؤں گا۔"

یکایک اقلوس مجھ سے بری طرح لپٹ گیا اور بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ "شہزور!" اس نے ہچکیوں کے دوران کہا، "دیوتاؤں کے لیے میرے ساتھ مذاق مت کرو۔ میرے اوپر رحم کرو جانے سے پہلے اپنے ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ کر مجھے ہلاک کر دو۔ تم تو مرنے کے لیے ہی جا رہے ہو۔ تمہیں میرے قتل کی سزا کوئی نہیں دے گا۔ میں دیوتاؤں کو گواہ بنا کر اپنا خون تم پر معاف کرتا ہوں۔ مجھے ہلاک کر دو شہزور۔ مجھے ہلاک کر دو۔"

"پاگل مت بنو!" میں نے اسے اپنے ساتھ سے علیحدہ کرتے ہوئے کہا "میں تمہارا قاتل نہیں بلکہ تمہارا نجات دہندہ بنوں گا۔"

اس اثنا میں دروازہ کھل گیا اور میں نے ارکیداس کی شکل دیکھی۔ اس کے ہاتھ میں اس وقت ننگی تلوار موجود تھی، لیکن اس کے چہرے پر میں حزن و ملال کے آثار صاف طور پر دیکھ سکتا تھا۔ لیکن ہے اس کے دل میں میرے لیے اس بنا پر ہمدردی کا کوئی جذبہ پیدا ہو گیا ہو کہ میں بھی اسی استاد کا شاگرد تھا جس کا وہ خود شاگرد رہ چکا تھا۔ ارکیداس نے مجھے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا، اور میں اقلوس پر الوداعی نظر ڈالتا ہوا اس کی طرف بڑھ گیا۔ مسلح سپاہیوں کا ایک دستہ جن کے ہاتھوں ننگی تلواریں تھیں، بیرونی کمرے کی سیڑھیوں کو روکے ہوئے کھڑا تھا۔

ارکیداس نے میرے کمرے کا دروازہ بند کیا۔ اقلوس دروازے کے پاس کھڑا حسرت بھری نظروں سے مجھے دیکھتا رہا۔ ارکیداس نے دروازہ بند کر کے اس میں باہر سے تالا لگا دیا اور اس کے ساتھ ہی چند سپاہی آگے بڑھے جن کے ہاتھوں میں موٹی موٹی رسیاں تھیں۔ اتنی موٹی رسیاں جو شاید ہاتھی بھی نہ توڑ سکے۔ انہوں نے جلدی جلدی مجھے ان رسیوں میں جکڑنا شروع کر دیا۔ میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ اور اپنے آپ کو خاموشی سے ان کے حوالے کر دیا۔

سپاہیوں نے میرے دونوں ہاتھوں کو پشت پر لے جا کر خوب اچھی طرح جکڑ دیا۔ میرے سینے اور کمر سے بھی ان گنت رسیاں باندھ دی گئیں جن کے چار سرے اس طرح نکالے گئے کہ ہر سرا ایک ایک سپاہی پکڑ سکے۔ ارکیداس خاموشی کے ساتھ یہ منظر دیکھتا رہا۔ مجھے رسیوں سے باندھنے کے بعد یہ قافلہ سیڑھیوں کے راستے اوپر آیا اور ارکیداس نے تہ خانے کو جانے والے دروازے میں تالا لگایا۔ اب اقلوس ایک بار پھر اپنی تنہائیوں کے آزار میں مبتلا ہو گیا تھا۔

ہم لوگ قید خانے کی عمارت سے باہر نکل کر صدر دروازے پر پہنچے اور میں نے دن کی روشنی میں پہلی مرتبہ اس کی عمارت کو دیکھا۔ عجیب ہیبت ناک قسم کی عمارت تھی جو بھاری بھاری چٹانوں اور پہاڑیوں کو کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ اس کی طویل چار دیواری کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اس میں بھی بہت سے کمرے ہوں گے، لیکن اس میں داخل ہونے کا صرف ایک ہی دروازہ تھا۔ عمارت کا پچھلا حصہ زیادہ بلندی پر تھا جبکہ سامنے والا حصہ قدرے نیچے تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مجھے اپنے عقوبت خانے کی چھت اس قدر اونچی معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ عمارت کے پچھلے کا فرش یکساں سطح کا تھا اور عقوبت خانہ تہ خانے میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ عمارت کے سامنے کے رخ پر کئی مکانات بنے ہوئے تھے۔ یہ یقیناً اس قید خانے کے عملے کے مکانات ہوں گے اور انہیں میں سے کسی مکان میں ارکیداس بھی رہتا ہوگا۔

صدر دروازے کے سامنے مسلح گھوڑ سواروں کا ایک پورا دستہ کھڑا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک شخص اپنے لباس اور وضع قطع سے اس دستے کا سردار معلوم ہوتا تھا۔

"یہ لو بھائی ساقلوم!" ارکیداس نے سردار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "یہ قیدی صحیح و سالم اور بحفاظت تمہارے حوالے ہے۔ اب تم جانو اور تمہارا کام۔"

"شکریہ ارکیداس!" ساقلوم نے بھاری آواز میں جواب دیا اور اپنے دستے کے گھوڑ سواروں کو اشارہ کیا۔ دو گھوڑ سوار میرے دائیں اور بائیں طرف آگئے اور انہوں نے سپاہیوں کے ہاتھ سے رسیوں کے سرے لے کر خود تھام لیے۔ دو پیدل سپاہی میرے آگے اور پیچھے آگئے اور ان میں سے ہر ایک نے رسی کا ایک ایک سرا پکڑ لیا، اور اس طرح جلاد یہ قافلہ شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

پہاڑی والے قید خانے سے وسط شہر تک کا راستہ کافی طویل تھا جو میں نے دو سپاہیوں کے ساتھ پیدل، اور باقی محافظوں نے گھوڑوں پر طے کیا۔ راستے بھر بچے بڑوں کے گروہ وسط شہر کی طرف جاتے ہوئے دکھائی دیے۔ راستے میں ملنے والے لوگ بھی اس منظر کو حیرت اور دلچسپی کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ جب میں پہاڑی والے قید خانے سے روانہ ہوا تھا تو میرے ساتھ صرف مسلح سپاہی تھے لیکن اب بہت بڑا مجمع ہمارے دائیں بائیں اور پیچھے چل رہا تھا جو ہمیں آگے بڑھتے جاتے۔ اس جلوس میں اور زیادہ لوگ شامل ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ وسط شہر میں واقع اسٹیڈیم تک پہنچتے پہنچتے ایک بہت بڑا ہجوم ہو گیا۔ مسلح گھوڑ سوار لوگوں کو میرے قریب آنے سے روک رہے تھے۔ بہت سے لوگ مجھے بآواز بلند گالیاں دے رہے تھے۔ کئی لوگوں نے مجھ پر پتھر پھینکے اور بعض نے سڑی گلی چیزیں میری جانب اچھالیں۔

"خوب!" اچانک پروفیسر فاورلولا نے کہا اس زمانے میں بھی ناپسندیدگی کے اظہار کے لیے سڑی گلی چیزیں اچھالنے کا رواج تھا۔ ہمارے دور میں اس کام کے لیے زیادہ تر گندے انڈے اور سڑے ہوئے ٹماٹر استعمال ہوتے ہیں۔"

"بات یہ ہے کہ اس زمانے میں انڈوں کی اتنی فراوانی نہیں تھی جتنی کہ تمہارے دور میں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "البتہ سڑے ہوئے ٹماٹروں کی کمی نہیں تھی۔"

"بہرحال اپنی داستان جاری رکھو۔" پروفیسر نے کہا۔ "دیکھنا یہ ہے کہ تم نے ملکہ اسطوفینہ کا کیا حشر کیا۔"

لوگوں کے ہجوم کی معیت میں، میں وسط شہر میں واقع اسٹیڈیم میں پہنچا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں پہلے سے خلقت کا زبردست ہجوم تھا۔ لوگ نہ جانے کب سے وہاں آ کر جمع ہو گئے تھے اور ان کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ اتنے کثیر کے اذیت پسند اور تنوع نواز لوگوں کے لیے اس سے زیادہ دلچسپ منظر اور کون سا ہو سکتا تھا کہ ایک انسان کو چار گھوڑوں والے رتھ کے پیچھے باندھ کر دوڑا دیا جائے۔

محافظ گھوڑ سوار ہجوم میں سے راستہ بناتے ہوئے مجھے اسٹیڈیم کے اندر کھلے ہوئے وسیع میدان میں لے آئے، جہاں ایک طرف ایک ملکا رتھ کھڑا ہوا تھا جس میں چار نہایت خوبصورت اور توانا گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ یہ رتھ گویا میرے لیے "آلۂ قتل" تھا۔ رتھ کے قریب ہی دو موٹے تازے اور تندرست کوچوان کھڑے ہوئے تھے جن کے ہاتھ میں لمبے لمبے چابک تھے۔ وہ دونوں گھوڑوں کو دانہ کھلا رہے تھے۔

جیسے ہی مجھے میدان کے اندر لایا گیا، ہجوم نے جو گول اسٹیڈیم کے میدان کے چاروں طرف لوہے کے جنگلوں کے اس پار ایک وسیع دائرے کی صورت میں کھڑا ہوا تھا، جیسے ہی مجھے دیکھا ویسے ہی ایک شور مچ گیا۔ طرح طرح کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں جن کا مفہوم مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہی فضا میں تحلیل ہو جاتا تھا، لیکن ایک بات واضح تھی، اور وہ یہ کہ آوازیں دوستانہ اور ہمدردانہ نہیں تھیں۔

اسٹیڈیم کے اندر ایک طرف کوسائبان کے نیچے شہنشاہ، ملکہ اور امراء و رؤسا اور معززین شہر کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ شہنشاہ، ملکہ اور ان کے درباریوں کی نشستیں ابھی خالی تھیں۔ پچھلی نشستوں پر مجھے استاد اور مغربیس بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ مغربیس نے مجھے دیکھ کر ہاتھ ہلایا، لیکن استاد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جلدی سے نیچے کر دیا۔ استاد سے کچھ فاصلے پر مغربیس کا سر برہنہ بھی بیٹھا ہوا تھا، اور میں کافی دور سے بھی اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی خوشی کو محسوس کر سکتا تھا۔

میرے آنے کے بعد رتھ کو معزز مہمانوں کے سائبان کے قریب پکے راستے پر لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سے میرے خیال کے مطابق رتھ کا سفر شروع ہونا تھا۔ اس جگہ کو واضح طور پر شہنشاہ اور دیگر نشستوں کے قریب رکھا گیا تھا تاکہ وہ اس منظر کو بخوبی دیکھ سکیں اور جی بھر کر لطف اندوز ہو سکیں۔ مسلح گھوڑ سوار مجھے لیے ہوئے رتھ کے پاس پہنچے اور انہوں نے مجھے رتھ کے پیچھے کھڑا کر دیا۔

فوراً ہی دو سپاہی لوہے کی بھاری بھاری اور لمبی زنجیریں لے کر آ گئے۔ ان زنجیروں کو میری کمر سے اچھی طرح باندھ کر ان کے کنڈوں کو اوزاروں کی مدد سے اس طرح آپس میں پھنسا دیا گیا کہ جھٹکا لگنے یا زور پڑنے کی صورت میں وہ کھل نہ سکیں۔ میرے ہاتھ بازو، شانے اور سینہ پہلے ہی مضبوط رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ صرف میری ٹانگیں آزاد تھیں۔ میری کمر میں زنجیر کو اچھی طرح باندھ دینے کے بعد بھاری اور موٹی زنجیر کے دوسرے سرے کو رتھ کے پچھلے حصے میں لگے ہوئے مضبوط اور ٹھوس لوہے کے ساتھ اچھی طرح باندھ دیا گیا۔ سپاہی اپنا کام ختم کر کے الگ کھڑے ہو گئے تو ساقلوم نے، جو ان مسلح گھوڑ سواروں کا افسر تھا، زنجیر کے بندھنوں کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ اس نے میری کمر کے گرد زنجیروں کو بھی جانچا اور رتھ میں بندھے ہوئے زنجیر کے دوسرے سرے کو بھی اچھی طرح دیکھا اور پھر مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔ لیکن میرے سلسلے میں شاید خصوصی انتظامات کیے گئے تھے کیونکہ چند ہی منٹ میں ایک سپاہی ایک اور بھاری بھرکم زنجیر لے کر آیا جو پہلے والی زنجیر سے زیادہ موٹی تھی اور میرے قریب کھڑے ہوئے ساقلوم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ "ملکۂ عالیہ کا حکم ہے کہ چونکہ یہ مجرم بہت زیادہ جسمانی قوت کا حامل ہے، اس لیے ایک کے بجائے دو زنجیروں سے رتھ کے ساتھ باندھا جائے۔"

ساقلوم نے اس شخص کے ہاتھ سے وہ زنجیر لے لی اور ہاتھ میں اسے تولنے لگا۔ اس نے تعریفی انداز میں گردن ہلائی اور بولا۔ "ملکۂ عالیہ کا حکم سر آنکھوں پر۔" پھر اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے دوسری زنجیر بھی میری کمر کے گرد باندھ کر اس کا دوسرا سرا رتھ کے مضبوط ڈھانچے کے ساتھ باندھ دیا۔ مجمع میں اس قدر شور و غل ہو رہا تھا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی، اور میں ان لوگوں کے ان تمام کرتبوں کو دیکھ کر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ "ملکہ اسطوفینہ آج میں تم سے سارا حساب چکا دوں گا، اپنا حساب بھی، بوڑھے اقلوس کا حساب بھی اور ان تمام بے گناہ نوجوانوں کا حساب بھی جن کی لاشیں تمہارے محل کے باغ کے ویران گوشے میں دفن ہیں۔" میں نے دل ہی دل میں کہا۔

اچانک "ہٹو بچو" کی تیز آوازیں سنائی دینے لگیں۔ مسلح سپاہی ادھر سے ادھر بھاگنے لگے۔ شاہ تالاش اور ملکہ اسطوفینہ اپنی نشستوں کی جانب آ رہے تھے اور ان کے پیچھے پیچھے امراء و رؤسا کی ایک بڑی تعداد تھی۔ شاہ تالاش کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی اور ملکہ اسطوفینہ اس کے پہلو میں بڑے ناز کے ساتھ نپے تلے قدموں کے ساتھ آ رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے اسطوفینہ سے میری آنکھیں چار ہوئیں اور میں نے اس کے چہرے پر طنز و تضحیک سے بھری ہوئی مسکراہٹ دیکھی۔ میں نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

شہنشاہ اور ملکہ باوقار انداز میں چلتے ہوئے اپنی نشستوں پر آ کر بیٹھ گئے۔ ان کے بیٹھنے کے بعد باقی درباری بھی حسب مراتب

aazzamm@yahoo.com

بی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ مجمع ایک دم خاموش ہو گیا تھا۔ ہر طرف ایک عجیب سا سکوت طاری ہو گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگ سانس روکے شہنشاہ کے حکم کے منتظر ہیں۔

میں نے شہنشاہ اور ملکہ کی طرف اشارہ کیا اور بے خوفی کے ساتھ باری باری ان کی آنکھوں میں جھانکا۔ نہ جانے میری آنکھوں میں کیا تاثرات تھے کہ شہنشاہ نے جلدی سے اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ اس کے بوڑھے رخسار پر پڑی ہوئی گہری لکیروں اور زیادہ گہری نظر آنے لگیں۔ ملکہ کی مسکراہٹ اچانک غائب ہو گئی اور پہلی بار مجھے اس کی آنکھوں میں پریشانی اور خوف کی جھلک نظر آئی۔ غالباً میرے پُراطمینان اور بے خوف انداز نے اسے نہ صرف متحیر بلکہ خوف زدہ بھی کر دیا تھا۔

میں نے ملکہ اور شہنشاہ کے چہروں کی طرف سے نظریں ہٹا کر مجمع کا جائزہ لیا۔ لوگ دم بخود ہو گئے تھے۔ آنے والے منظر کی دل چسپی نے گویا انہیں پہلے سے مسحور کر دیا تھا۔ ایک ساتھ ہزار بانگیں میرے بدن پر جمی ہوئی تھیں۔ اس وقت وسیع میدان میں رتھ کے پیچھے کھڑا ہوا میں ان تمام لوگوں کی نگاہوں کا واحد مرکز تھا جو اس وقت اسٹیڈیم میں موجود تھے۔

دونوں کوچوانوں نے جھک کر شہنشاہ اور ملکہ کو تعظیم دی اور پھر اپنے اپنے چابک ہاتھوں میں تھامے ہوئے مؤدب کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں درباریوں میں سے ایک شخص نے جسے میں پہلے بھی دربار میں دیکھ چکا تھا اور جو اعلیٰ عہدہ دار تھا، اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر کوچوانوں کو حکم دیا کہ وہ رتھ میں سوار ہو جائیں۔ دونوں کوچوان رتھ پر چڑھ گئے۔ پھر اسی شخص نے تمام سپاہیوں اور مسلح محافظوں کو میدان سے باہر نکل جانے کا حکم دیا۔ اس کے حکم کی فوراً تعمیل کر دی گئی۔ اب میدان میں رتھ مع اپنے کوچوانوں کے تنہا رہ گیا تھا۔

اب اس شخص نے جسے میرے بیان کے مطابق اس وقت کا وزیر عاظم یا وزیر انصاف ہونا چاہیے، شہنشاہ کی طرف دیکھا اور اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ کر بولا "اب صرف آپ کے حکم کی دیر ہے شہنشاہ۔"

شاہ تالاش نے اپنا ایک ہاتھ اٹھایا اور جیسے پوری فضا ساکت ہو گئی۔ جیسے سارے دنیا نے سانس لینا بند کر دیا۔ میں نے اپنے پیروں کو مضبوطی کے ساتھ زمین پر جما دیا۔

تقریباً ایک منٹ تک شاہ تالاش اپنے ہاتھ کو اٹھائے رہا۔ میں کوچوانوں کے چہرے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لیکن یقیناً ان کی نظریں شاہ تالاش کے ہاتھ پر لگی ہوئی ہوں گی۔ میں بھی شاہ تالاش کے ہاتھ پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ آج اہل اینخز کو ایک ایسا تماشا دکھاؤں گا جو ان کی اذیت پسند آنکھوں نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو گا۔ وہ نہ آئندہ کبھی دیکھ سکیں گی۔ میں ان کی دل چسپی کے لیے بہت کچھ سامان مہیا کرنا چاہتا تھا۔

اچانک شاہ تالاش نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ نیچے گرا دیا اور اس کے ساتھ ہی چابکوں کی "شاں شاں" کی آواز خاموش فضا میں گونج گئی۔ میں نے اپنے جسم کو تان کر سیدھا کر لیا۔ رتھ ادھر اُدھر ہچکولے کھا رہا تھا۔ لیکن اپنی جگہ سے ایک انچ بھی آگے نہ چل سکا۔ چابکوں کی تیز آواز کے ساتھ گھوڑوں کے زور زور سے ہنہنانے اور زمین پر ٹاپیں مارنے کی آوازیں گونجنے لگیں۔ رتھ اپنی جگہ پر ویسے ہی کھڑا ہوا تھا۔ دونوں کوچوان رتھ سے نیچے اترے۔ انہوں نے رتھ کے پہیوں کا غور سے جائزہ لیا۔ اس کے دھروں اور دیگر چیزوں کو اچھی طرح دیکھا۔ میرے قریب آ کر میرا اور میری ٹانگوں کا جائزہ لیا۔ ان کے چہروں سے سخت پریشانی ظاہر تھی۔ میں نے شاہ اور ملکہ کی طرف دیکھا۔ تالاش غور سے گھوڑوں کو دیکھ رہا تھا اور ملکہ مجھے دیکھ رہی تھی۔ اب ملکہ نے کی میری باری تھی۔ ملکہ نے جلدی سے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

کوچوان رتھ کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد دوبارہ اپنی جگہ پر چلے گئے۔ فضا میں ایک بار پھر چابک کے شرّاٹے کی آواز گونجی اور پھر اس آواز میں ہم آہنگ ہوتا گیا کہ کوچوان گھوڑوں کو چابک مار رہے تھے، گھوڑے بری طرح ہنہنا رہے تھے اور زمین پر ٹاپیں مار رہے تھے۔ اچانک آگے والے گھوڑے اپنی اگلی ٹانگوں پر کھڑے ہو گئے اور بری طرح ہننے لگے۔ رتھ ادھر اُدھر ڈولنے لگا لیکن وہ اپنی جگہ سے چاول بھر بھی آگے نہیں سرک پایا تھا۔

"یہ کیا مذاق ہے؟" اچانک شاہ تالاش غصے میں چلایا۔ دونوں کوچوان گھبرا کر اپنی نشستوں سے نیچے اتر آئے اور شہنشاہ کے قدموں میں گر پڑے۔

"حضور نہ معلوم کیا بات ہے، گھوڑے کسی طرح آگے نہیں بڑھ رہے ہیں۔ ہم نے آپ کے سامنے ہی ان پر کتنے چابک برسائے لیکن وہ آگے نہیں بڑھ رہے ہیں۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا۔" ایک کوچوان نے کہا۔

"شاید تم لوگوں سے اب یہ کام نہیں ہو سکتا۔" شاہ تالاش نے غضب ناک ہو کر کہا۔ "دمارین! اس کام کی افسر کو دیکھ کر کہا تو دوسرے کوچوانوں کا فوراً بندوبست کرو۔ اور تم لوگ یہیں ٹھہرو۔" اس نے دونوں کوچوانوں سے کہا۔ جو بری طرح کانپ رہے تھے۔

مجمع میں جیسے ایک ہلچل سی مچ گئی تھی۔ لوگوں کی سرگوشیاں جیسے تو ایک بھنبھناہٹ میں تبدیل ہو گئیں اور پھر ان کی آوازیں تیز ہو گئیں۔ اگرچہ ان آوازوں کا مفہوم واضح نہیں تھا تاہم بعض جملے واضح سنے جا سکتے تھے۔ "رتھ نہیں چل رہا ہے۔" کسی نے کہا۔ "دوسرے کوچوان بلوائے گئے ہیں۔" ایک اور آواز آئی۔

چند منٹ کے اندر اندر دوسرے کوچوان آ گئے۔ وہ دونوں بھی سپاہی تھے اور جیسے پُرغرور انداز میں تن کر چلتے ہوئے آ رہے تھے

ہوں نے رتھ کے قریب آ کر شہنشاہ اور ملکہ کو تعظیم دی اور پھر چابک سنبھال کر رتھ میں کود گئے۔

فضا ایک بار پھر چابکوں کے شرّاٹوں سے گونج اٹھی۔ دونوں نئے کوچوان بری طرح گھوڑوں کو مار رہے تھے اور میں ان کی حماقت پر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ گھوڑے پھر غضب ناک ہو کر اپنی اگلی ٹانگوں پر کھڑے ہو گئے تھے اور اپنی گردنیں اوپر کر کے زور زور سے ہنہنانے تھے۔ اچانک میں نے محسوس کیا کہ سارے ماحول پر تحیر کے ساتھ ساتھ سراسیمگی اور خوف کا غلبہ ہو گیا ہے۔ ابھی تک میرا رخ رتھ کی طرف تھا۔ میں نے اپنا رخ تبدیل کر لیا اور رتھ کی طرف اپنی پشت کر لی۔ اس بخیر کا ایک اور بل میری کمر کے گرد لپٹ گیا۔ میں نے شاہ تالاش، اسطونیفہ کا رنگ فق ہو رہا تھا اور تالاش کا منہ کھلا ہوا تھا۔

میں نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ پھر دوسرا۔ پھر تیسرا اور مجمع میں ایک ہنگامہ جیسے تحیر اور خوف میں ڈوبی ہوئی چیخوں کا طوفان پھٹ پڑا۔ وہ شور مچل رہا تھا۔ چاروں گھوڑے پیچھے کی طرف گھوٹ رہے تھے۔ انہوں نے خوف اور دہشت کے عالم میں اپنی اگلی دو زبردست ٹانگیں فضا میں اٹھا رکھی تھیں اور آگے بڑھنے کی جدوجہد میں ناکام ہو کر پیچھے کو گھسٹتے چلے جا رہے تھے۔ دونوں کوچوان گھبرا کر رتھ سے نیچے کود پڑے اور سراسیمگی اور خوف کے عالم میں اس ناقابلِ یقین منظر کو دیکھنے لگے۔

ملکہ اسطونیفہ کے چہرے پر جیسے موت کی زردی کھنڈ گئی۔ شاہ تالاش کی آنکھوں کی پتلیاں پھیل کر اوپر چڑھ گئیں۔ معزز مہمانوں کی نشستوں پر ایک عجیب سی ہلچل مچ گئی۔ کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

میں نے اسی طرح بخیر سے بندھے ہوئے رتھ کو گھسیٹتے ہوئے ایک موڑ کاٹا اور سیدھا شاہ تالاش اور ملکہ اسطونیفہ کی طرف بڑھا۔ جو سب سے اگلی صف میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رتھ میرے پیچھے آ رہا تھا۔ شور مچاتے ہوئے خوف زدہ گھوڑوں نے چیخ چیخ کر قیامت سر پر اٹھا رکھی تھی۔ مجھے معزز مہمانوں کی صف کی طرف بڑھتے دیکھ کر شاہ کے کئی دباریوں نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی۔ خود شاہ تالاش اور ملکہ اسطونیفہ بھی اپنی نشستوں پر سے اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن دل چسپ بات یہ تھی کہ کوئی بھی سپاہی ان کے نزدیک نہیں آیا۔

"ٹھہر جاؤ!" میں نے کڑک کر حکم دیا۔ میری آواز میں بجلی کا سا کڑکا تھا جو میدان میں دور دور تک سنا گیا۔ "کوئی شخص اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرے۔ شاہ تالاش بیٹھ جاؤ۔ اور تم بھی بیٹھ جاؤ ملکہ اسطونیفہ۔"

تمام لوگوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ سب نے بے چون و چرا میرے حکم کی تعمیل کی اور خاموشی سے اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ میں نے شاہ تالاش اور ملکہ اسطونیفہ کے عین سامنے جا کر اپنی پشت سے منسلک ہونے ہاتھوں کو ایک جھٹکا دیا۔ رسی ٹوٹنے کی آواز بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی زنجیر بھی ٹوٹ گئی۔ پشت کے پیچھے میرے دونوں ہاتھ آزاد ہو گئے تھے۔ میں نے اپنے بازوؤں کو دونوں جانب پھیلایا، اور بازوؤں سے بندھی ہوئی رسیاں اور زنجیریں ٹوٹ ٹوٹ کر نیچے گر گئیں۔ اب میرے دونوں بازو مکمل طور پر آزاد تھے۔ میں نے ایک ہاتھ سے اپنی کمر کے گرد کسی ہوئی زنجیر کو ایک جھٹکا دیا۔ زنجیر ٹوٹ گئی۔ رتھ کا میرے جسم سے رابطہ ٹوٹ گیا اور ٹھیک اسی لمحے خوفزدہ گھوڑے دہشت ناک نعرے میں آگے بھاگتے چلے گئے۔ اب انہیں آگے بڑھنے سے کوئی چیز نہیں روک رہی تھی۔ گھوڑوں نے بہت دور جا کر دم لیا۔ مجمع میں جیسے قیامت برپا تھی۔ جو آگے تھے وہ اور آگے آنے کی کوشش کر رہے تھے جو پیچھے تھے وہ آگے والوں کو دھکیل کر آگے آنا چاہتے تھے۔ ہر طرف ایک ہنگامہ برپا تھا۔ میں نے ایک نظر استاد کی طرف ڈالی۔ وہ اور مغربیں دونوں مسکرا رہے تھے۔

میں دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر ایک شاہانہ وقار کے ساتھ چلتا ہوا شاہ تالاش اور ملکہ اسطونیفہ کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

"تو تمہاری ملکہ نے مجھ پر مجرمانہ حملے کا الزام لگایا ہے؟" میں نے گرجدار آواز میں شاہ تالاش سے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "ملکہ کا یہی کہنا ہے۔"

"کیا تم نے اس الزام کی تحقیق کے لیے کچھ کیا؟" میں نے پوچھا۔

"لیکن ملکہ۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"ملکہ اپنے ذاتی مفادات کے لیے جھوٹ بھی بول سکتی ہے اور جھوٹ بول رہی ہے۔" میں نے کڑک کر اتنے زور سے کہا کہ میری آواز سارے میدان میں دور دور تک گونجتی چلی گئی۔ "ملکہ نے میرے اوپر جھوٹا الزام لگایا ہے۔ اس نے خود مجھے گناہ کی دعوت دی تھی لیکن جب میں نے اس کی دعوت کو مسترد کر دیا تو وہ میری جان کی دشمن بن گئی۔ اس نے یہ ڈھونگ رچایا کہ میں نے اس کی عزت پر حملہ کیا ہے اور مجھے قید کروا دیا۔ اور اب وہ مجھے ہلاک کروانا چاہتی تھی۔"

"ٹھہرو۔" شاہ تالاش نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "کیا یہ سچ ہے؟ کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ مگر تم جھوٹ کیسے بول سکتے ہو۔ تم اس دنیا کے انسان نہیں ہو۔ تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم کوئی غیر معمولی ہستی ہو۔ تم یقیناً کسی دیوتا کا روپ ہو شہزادہ۔ ہمیں معاف کر دو۔ ہم نے تمہاری توہین کرنے کی کوشش کی۔" اور ان الفاظ کے ساتھ ہی شاہ تالاش اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور میری طرف بڑھنے لگا۔

"بیٹھ جاؤ تالاش۔" میں نے اسے حکم دیا اور وہ فوراً دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ "میں نے تمہیں اسطونیفہ کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے وہ حرف بحرف سچ ہے۔ لیکن بات صرف اتنی نہیں ہے۔ ابھی تمہیں اور بھی کئی کڑوے سچ سننے پڑیں گے۔ اپنے کانوں اور دماغ کو اس کے لیے تیار رکھو۔ تم شہنشاہ ہو کر بھی اتنی بات نہیں جان

Scanned by aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

سکے کہ تمہاری ملکہ تمہارے پیچھے کیا کیا گل کھلاتی رہی ہے۔ میں تمہیں سب بتاؤں گا لیکن تھوڑی دیر بعد۔ میں ایک جگہ جا رہا ہوں اور تقریباً ایک گھنٹے کے بعد دوبارہ واپس آؤں گا۔ میں جو کچھ بھی ہوں، تم سب لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ جب تک میں واپس نہ آ جاؤں، ہر شخص اپنی نشست پر اسی طرح بیٹھا رہے۔ اگر کسی نے میری حکم عدولی کی کوشش کی تو میں اس پورے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا، تمہاری ساری فوجوں کو تہ تیغ کر دوں گا اور تمہاری سلطنت کو ملیامیٹ کر دوں گا۔" میں نے چنگھاڑ کر کہا۔ اور پھر میں نے آگے بڑھ کر دماریس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ وہ کسی تنکے کی طرح اڑتا ہوا میری طرف چلا آیا۔ "تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا دماریس۔"

"لیکن کہاں؟" دماریس کا جوان اور صحت مند جسم کسی زرد پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔

"جہاں بھی میں لے چلوں۔" میں نے کہا۔ "لیکن تم ڈرو مت۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ ہم ابھی تھوڑی دیر میں واپس آ جائیں گے۔ تمام لوگ اپنی جگہوں پر بیٹھے رہیں۔" میں نے خاموش تماشائیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "خاص طور پر ملکہ اسطوفینہ اپنی جگہ سے ہی نہ ہلے۔" میں نے چیخ کر کہا۔

میں دماریس کا ہاتھ پکڑے ہوئے رتھ کی طرف بڑھا جو ہم سے کافی دور کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے رتھ میں سوار کرایا اور خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ میں نے گھوڑوں کو اشارہ کیا اور وہ ہوا سے باتیں کرنے لگے۔ وہی گھوڑے جو ابھی کچھ دیر پہلے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کر رہے تھے۔ اب گویا فضاؤں میں اڑتے چلے جا رہے تھے۔

"تھراشاہ تاناش کے دربار میں کیا منصب ہے دماریس؟" میں نے پوچھا۔

"میں وزیر داخلہ ہوں معزز شہزور۔" دماریس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"ہم ملکہ کے پہاڑی قید خانے کی طرف جا رہے ہیں۔" میں نے کہا۔ "وہاں سے ہمیں ایک قیدی کو لانا ہے۔"

"کون سا قیدی؟" دماریس نے حیران ہو کر پوچھا۔ "میری اطلاع کے مطابق اس قید خانے میں تمہارے علاوہ اور کوئی قیدی نہیں تھا۔"

"کیا ارکیداس تمہارا ماتحت ہے؟" میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"وزیر داخلہ ہونے کے لحاظ سے مجھے اس پر مکمل فوقیت حاصل ہے اور میں اسے کوئی بھی حکم دے سکتا ہوں لیکن ضروری ہے کہ یہ حکم ملکہ کے حکم سے متصادم نہ ہو۔" اس نے کہا۔

"اور اگر تمہارا حکم ملکہ کے حکم سے متصادم ہو تو پھر؟" میں نے پوچھا۔

"تو اس صورت میں ارکیداس میرے نہیں، بلکہ ملکہ کے حکم کی تعمیل کرے گا۔" دماریس نے جواب دیا۔

"تم ارکیداس کو یہ بتانا کہ یہ ملکہ کا ہی حکم ہے۔"

تھوڑی دیر بعد ہم پہاڑی والے قید خانے کے پاس پہنچ گئے۔ دروازے پر حسب معمول دو سپاہی پہرا دے رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت کے مارے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ مزید حیران کن بات یہ تھی کہ وزیر داخلہ دماریس میرے ساتھ تھا۔ دماریس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ارکیداس کو بلایا جائے۔ ارکیداس فوراً ہی آ گیا۔

"قید خانے کے دروازے کھولو اور اقلوس کو رہا کرو۔ ہم اسے لینے آئے ہیں۔" میں نے ارکیداس سے کہا۔ جسے مجھ کو اس حال میں دیکھ کر اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"اقلوس ملکہ عالیہ اسطوفینہ کا قیدی ہے اور صرف ان ہی کے حکم سے اس کی رہائی عمل میں آ سکتی ہے۔" ارکیداس نے محتاط لہجے میں جواب دیا۔

"یہ ملکہ عالیہ کا حکم بھی ہے اور شہنشاہ تاناش کا بھی۔" دماریس نے پُرعزم لہجے میں ارکیداس سے کہا۔

"میں معزز وزیر داخلہ سے معذرت چاہتا ہوں۔" ارکیداس نے کہا۔ "جب تک معزز دماریس ملکہ اور شہنشاہ کے اس حکم کے ثبوت میں کوئی تحریر پیش نہیں کریں گے، میں ارشاد کی تعمیل نہیں کر سکوں گا کیونکہ میں ملکہ عالیہ کے اس ذاتی قید خانے کا نگراں ہوں اور جواب صرف ملکہ کے سامنے جواب دہ ہوں۔"

"ثبوت؟" دماریس زور سے چلایا۔ "بیوقوف آدمی! تمہارے لیے اتنا ثبوت کافی نہیں ہے کہ مملکت کا وزیر داخلہ خود یہاں موجود ہے اور اپنی زبان سے تمہیں ملکہ اور شہنشاہ کا حکم سنا رہا تھا؟"

"لیکن معزز وزیر داخلہ ایک ایسے شخص کے ساتھ یہاں تشریف لائے ہیں جو صبح تک سزائے موت کا قیدی تھا اور جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے خصوصی دستے کے سربراہ ساقلوم کے حوالے کیا تھا۔ اب میں اس شخص کو آزاد اور زندہ دیکھ کر حیران ہوں کہ ملکہ کی عزت پر ہاتھ ڈالنے والا شخص موت کے منہ سے کس طرح بچ نکلا۔ مجھے اس سارے معاملے میں سازش کی بُو معلوم ہوتی ہے۔ نہیں میں اقلوس کو آپ لوگوں کے حوالے نہیں کر سکتا۔" ارکیداس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"سنو ارکیداس۔" دماریس نے کہا۔ "ملکہ عالیہ شہنشاہ اور تمام معزز رؤسائے مملکت اس وقت شہر کے وسط میں اسٹیڈیم میں بیٹھے ہوئے میری واپسی کے منتظر ہیں۔ ان سب کی اور خاص طور پر ملکہ کی سلامتی کے لیے ضروری ہے کہ اقلوس کو جلد از جلد وہاں پہنچا دیا جائے۔ میں وزیر داخلہ کی حیثیت سے اور شہنشاہ اور ملکہ کی جانب سے تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اقلوس کو قید خانے سے نکال کر ہمارے حوالے کر دو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو ہم واپس جا کر ملکہ عالیہ اور شہنشاہ سے تمہاری حکم عدولی کی شکایت کریں گے اور اس کے بعد اپنے انجام کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں کیا کروں۔" ارکیداس

نے حیرت پریشان ہو کر کہا۔ "پھر وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "اچھا ایک شرط پر میں اقلوس کو آپ کے حوالے کر سکتا ہوں۔"

"وہ کیا؟ جلدی بتاؤ۔" دماریس نے کہا۔

"وہ یہ کہ اقلوس کے ساتھ میں بھی آپ کے ہمراہ چلوں گا تاکہ اپنے ہاتھوں سے ملکہ عالیہ کے قیدی کو ان کے سامنے پہنچا دوں۔"

دماریس نے جواب طلب نظروں سے میری طرف دیکھا۔ "ٹھیک ہے، میں نے کہا۔ "تم ہمارے ساتھ چل سکتے ہو ارکیداس۔"

"آپ لوگ یہیں ٹھہریں۔" ارکیداس نے کہا۔ اور اپنی جیب سے بانس کا گچھا نکال کر دروازے کا تالا کھولنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب ارکیداس واپس آیا، تو اقلوس اس کے ساتھ تھا۔ دماریس اس کی ہیئت کذائی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ "کون ہے یہ شخص؟" اس نے مجھ سے پوچھا۔ "اور اس قید خانے میں کب سے بند ہے؟"

"تمہیں سب کچھ بتا دیا جائے گا دماریس۔" میں نے کہا۔ اور اقلوس کو ساتھ لے کر رتھ میں سوار کرانے لگا۔ اقلوس نے سورج کی تیز روشنی سے بچنے کے لیے اپنی آنکھوں کو ہاتھوں سے چھپا رکھا تھا۔ وہ آج سات سال تین سال کے بعد سورج کی چمک دیکھ رہا تھا۔

"تم آ گئے شہزور۔" اس نے وفورِ جذبات سے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "مجھے معاف کر دینا میرے دوست، مجھے ہرگز بھی یقین نہیں تھا کہ تم واپس آؤ گے۔ میں نے تمہیں دیوانہ سمجھا تھا۔ تمہاری باتیں سن کر مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ موت کے خوف نے تمہاری عقل ضبط کر دی ہے۔ درحقیقت تباہی نکلنے لگے ہو۔ لیکن تم واقعی اپنے قول کے سچے نکلے۔ مگر یہ بتاؤ کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ ارکیداس کہتا ہے کہ تمہاری رہائی ملکہ کے حکم پر عمل میں لائی گئی ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟"

"تمہیں بھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔" میں نے دماریس کے ساتھ رتھ میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس اثنا میں ارکیداس بھی دروازے کو تالا لگا کر رتھ میں سوار ہو گیا۔

"اقلوس مجھے اپنے گھر کا راستہ بتاؤ۔" میں نے اس سے کہا۔ "پہلے ہم تمہارے گھر چلیں گے اور تم وہاں سے وہ انگوٹھی لو گے جسے تم نے بڑی حفاظت سے چھپا کر رکھا ہے۔"

"کس کا گھر اور کیسی انگوٹھی؟" ارکیداس زور سے چلایا۔ "یہ سب کچھ کیا کہہ رہا ہے؟ تم لوگوں کا منصوبہ کیا ہے؟ آخر ہم جا کہاں رہے ہیں؟"

"خاموش بیٹھے رہو ارکیداس۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "پہلے ہم اقلوس کے گھر جائیں گے اور اس کے بعد اسٹیڈیم میں چلیں گے جہاں سب لوگ ہمارے منتظر ہیں۔"

اقلوس نہ جانے کیا کیا بڑبڑاتا رہا لیکن میں نے اس کی باتوں پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ میں اس کی ذہنی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ یقیناً وہ سخت الجھن کا شکار تھا اور اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ خود کو بالکل بے بس پا رہا تھا۔

رتھ شہر کے اندر داخل ہو گیا۔ اب شہر کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ سڑکوں پر ہر طرف فوجی ہی فوجی نظر آ رہے تھے جو خاموشی سے کھڑے ہوئے تھے۔ ہمارا رتھ جن راستوں سے گزرا، ہر طرف مسلح فوجی سپاہیوں کے دونوں طرف کھڑے ہوئے نظر آئے۔ لیکن انہوں نے ہم سے کوئی تعرض نہیں کیا اور خاموشی سے اپنی جگہوں پر کھڑے ہوئے ہمارے رتھ کو گزرتے دیکھتے رہے۔ وسطِ شہر سے کچھ پہلے ایک تنگ سی گلی کے کنارے اقلوس نے رتھ رکوایا اور ہم سب لوگ اس میں سے اترے۔ ارکیداس اپنی تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھے اقلوس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا اور پیچھے برابر مشتبہ نظروں سے گھور رہا تھا۔ گلی کے اندر داخل ہو کر اقلوس ایک خستہ حال مکان کے سامنے رک گیا۔ "یہ ہے میرا گھر۔" اس نے مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ جس کی کئی دیواریں گر چکی تھیں۔ دروازہ ٹوٹا ہوا تھا اور دیوار سے ویرانی برس رہی تھی۔ ہم لوگ ٹوٹے ہوئے دروازے سے اس کھنڈر نما مکان میں داخل ہوئے جس کے وسیع صحن کے تقریباً وسط میں ایک بڑا سا درخت سایہ کیے کھڑا تھا۔ اقلوس دیوانہ وار درخت کی طرف بڑھا اور اس نے چند لمحے غور کرنے کے بعد اس کے تنے کے ایک سوراخ کو ہاتھ لگایا جس پر بہت سے سوکھے ہوئے تنکے جمع تھے۔ چڑیاں ایک عرصہ ہوا اپنا گھونسلا چھوڑ کر جا چکی تھیں۔ اقلوس نے تنکوں کو نکال کر پھینکا اور سوراخ میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولنے لگا۔

"مل گئی۔" وہ فرطِ مسرت سے چلایا اور اس نے اپنا ہاتھ باہر نکال لیا۔ اس کے ہاتھ میں کپڑے کی ایک چھوٹی سی بوسیدہ تھیلی تھی جس میں جگہ جگہ سوراخ ہو گئے تھے۔ اس نے تھیلی کو پھاڑ دیا اور اس میں سے ایک جگمگاتی انگوٹھی نکل آئی۔ اقلوس نے انگوٹھی میرے ہاتھ میں دے دی اور میں نے اسے جیب میں رکھ لیا۔

"لباس کے نام پر میری کمر کے گرد ایک چیتھڑا لٹکا ہوا ہے۔" اقلوس نے کہا۔ "کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ میں اندر سے کوئی لباس لے لوں؟"

"اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "تمہیں شہنشاہ کے سامنے اسی حلیے میں جانا چاہیے جس طرح تم قید خانے میں تھے۔"

دماریس حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ ارکیداس کے چہرے سے اب خوف جھلک رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ کسی بڑی بھیانک سازش کا نشانہ بن گیا ہے۔ تاہم اب وہ خود کو مجبور محسوس کر رہا تھا۔

ہم سب لوگ دوبارہ رتھ میں بیٹھ گئے اور رتھ تیزی کے ساتھ اسٹیڈیم کی طرف روانہ ہو گیا۔ دور سے ہی لوگوں کا مجمع نظر آ رہا تھا جو پہلے کی نسبت اب بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔ غالباً وہ لوگ بھی جو کسی وجہ سے اپنے گھروں میں رہ گئے تھے ان حیرت ناک واقعات کی اطلاع پا کر اسٹیڈیم میں جمع ہو گئے تھے۔ جگہ جگہ مسلح فوجی نظر آ رہے تھے۔ اسٹیڈیم کے قریب لوگوں کا اجتماع بہت بڑا تھا لیکن وہ خاموش کھڑے ہوئے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ رتھ اسٹیڈیم کے دروازے میں داخل ہوا اور تیزی سے چلتا ہوا معزز مہمانوں کی صفوں کے پاس پہنچ گیا تو ہم

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

اپنی اپنی نشستوں پر بدستور بیٹھے ہوئے تھے۔ کوئی ایک شخص بھی اٹھ کر نہیں گیا تھا۔ شاہ تالاش اور ملکہ اسطوفینہ بھی اپنی جگہوں پر موجود تھے۔

میں نے رتھ گورو کا اور اس میں سے سہارا دے کر اقلوس کو اتارا۔ ملکہ اسطوفینہ کی نظر جیسے ہی اقلوس پر پڑی، اس کا چہرہ سفید ہو گیا اور بھانک اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر جانے کی کوشش کی، لیکن میری ایک ہی ڈانٹ نے اسے دوبارہ بیٹھ جانے پر مجبور کر دیا۔ ایک دفعہ اس نے ناقابل یقین نظروں سے مجھے دیکھا۔

"کیا تم اس شخص کو پہچانتے ہو شاہ تالاش؟" میں نے اقلوس کو اس کے سامنے کرتے ہوئے پوچھا۔

شہنشاہ ذرا دیر تک اس عجیب الخلقت شخص کو غور سے دیکھتا رہا، پھر اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔ "میں اس شخص کو نہیں جانتا۔"

"کیا تمہیں اقلوس یاد ہے؟" میں نے شہنشاہ سے پوچھا۔ "جو آج سے کئی سال پہلے تمہارے دربار میں خوشنویس تھا؟"

"اقلوس؟" شہنشاہ نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "ہاں مجھے اقلوس یاد ہے۔ وہ دربار میں خوشنویس تھا، لیکن پھر اس کا بیٹا کہیں غائب ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کی بہت تلاش کی لیکن وہ کہیں نہیں ملا۔ اور پھر اس کے چند ماہ بعد اقلوس بھی کہیں غائب ہو گیا۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ وہ کہیں چلا گیا یا شاید مر کھپ گیا ہے۔ یہ آج سے کئی سال پہلے کی بات ہے۔"

"اقلوس مرا نہیں بلکہ زندہ ہے اور تمہارے سامنے موجود ہے۔" میں نے اقلوس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شہنشاہ سے کہا۔ "اور اس کا بیٹا کہیں غائب نہیں ہوا تھا بلکہ تمہاری ملکہ نے اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے بعد اسے ہلاک کر کے شاہی محل کے باغ کے ایک کونے میں دفن کروا دیا ہے۔ اور صرف اسی کو نہیں، نہ جانے کتنے نوجوانوں کو تمہاری یہ جہنمی ملکہ اسی طرح ہلاک کروا چکی ہے۔ اقلوس کو اپنے بیٹے کی ہلاکت کا پتا چل گیا تھا اور اس نے ملکہ کو بتا دیا تھا کہ وہ شہنشاہ سے اس کی شکایت کرنے جا رہا ہے، جس پر ملکہ نے اسے قید کروا دیا، اور آج سات تین سال بعد میں نے اسے قید سے رہائی دلوائی ہے۔ اقلوس مع ثبوت کے تمہارے سامنے موجود ہے۔ اس کی دکھ بھری داستان اسی کی زبانی سنو اور پھر خود اپنی سیاہ کار ملکہ کے بارے میں فیصلہ کرو۔"

میں نے اقلوس سے کہا کہ وہ سارے واقعات تفصیل کے ساتھ شہنشاہ کے گوش گزار کرے۔

وحشت زدہ اقلوس نے، جو اس سارے تماشے سے سخت پریشان تھا اور اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا، میرے کہنے پر انگوٹھی اور آہوں کے درمیان اپنی داستانِ غم شہنشاہ تالاش کے روبرو بیان کی اور نورال کی باتوں کا بھی حوالہ دیا جس نے مرنے سے پہلے ملکہ کی سیاہ کاریوں کے بارے میں مکمل اطلاع اسے دی تھی اور اس کے بیٹے کے قتل کی خبر بھی سنائی تھی۔ اس کے بعد اقلوس نے مجھ سے لے کر ملکہ کی انگوٹھی شہنشاہ کے سامنے ثبوت کے طور پر پیش کی۔

شاہ تالاش کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ اس نے نفرت بھری نظروں سے اسطوفینہ کی طرف دیکھا۔ اسطوفینہ کا جسم بری طرح کانپ رہا تھا اور اس نے اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ رکھا تھا۔

شاہ تالاش چند لمحوں تک بالکل خاموش بیٹھا رہا۔ گویا اس کی قوت گویائی سلب ہو گئی ہو۔ اس کے بعد اس نے بھانک اپنی تلوار کھینچ اور پلک جھپکتے میں اسطوفینہ کا سر اڑا دیا۔ اسطوفینہ کا سر کٹ کر دور جا گرا اور خون کے چھینٹے آس پاس بیٹھے ہوئے امرا کے علاوہ میرے اور اقلوس کے جسموں پر بھی پڑے۔ ملکہ کا بیجان بدن کرسی سے لڑھک کر ایک طرف کو گر گیا۔ مہمانوں کی صفوں میں شہر ورد شاہ تالاش نے بھی ہوئی آواز میں کہا۔ "میرے لیے یہ کس قدر شرم اور افسوس کی بات ہے کہ میری ملکہ اس بے دردی کے ساتھ بے گناہ انسانوں کا خون بہاتی رہی اور مجھے اس کے بارے میں کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ شہنشاہ ہونے کی حیثیت سے رعایا کی جان کے تحفظ کی ذمہ داری میری ہے اور مجھ سے اس معاملے میں جو کوتاہی ہوئی ہے اس کا فوری طور پر تدارک یہی ہو سکتا ہے کہ میں اس عورت کو موت کے گھاٹ اتار دوں جس نے اتنے لوگوں کو دکھ پہنچایا ہے۔"

شاہ تالاش چند لمحوں کے لیے رکا اور اس نے اسطوفینہ کے خاک و خون میں لتھڑے ہوئے بے سر کے بدن کو دیکھا جو زمین پر پڑا ہوا تھا۔

"لیکن شاید اتنا کافی نہیں ہے شہر ورد۔" شاہ تالاش نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ "میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو اور شاید کوئی بھی اس بات کو نہیں جانتا، سوائے تمہارے۔ لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ تم ہم میں سے نہیں ہو۔ تم یا تو خود دیوتا ہو یا جو انسان کا روپ دھار کر ہمیں ہمارے گناہوں کا احساس دلانے اور مزید گناہوں سے ہمیں باز رکھنے کے لیے زمین پر آیا ہے یا کسی دیوتا نے تمہیں اپنی قوتیں بخش کر اس کام پر مامور کیا ہے۔ تم ایک مقدس ہستی ہو۔ تم ان تمام انسانوں سے بلند تر ہو جو روئے زمین پر کہیں بھی موجود ہیں۔ اس لیے میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ آج سے یہ تخت و تاج تم سنبھالو کیونکہ میری نظر میں تم اس منصب کے اہل ہو۔ تم طاقتوروں کے ظلم و ستم کا دفاع کر سکتے ہو اور ناانصافیوں کا ازالہ کر سکتے ہو۔ اسطوفینہ اور میری جگہ سنبھالو۔ میں اپنی بقیہ عمر عبادت و ریاضت میں اور اپنے گناہوں سے توبہ کرنے میں گزار دینا چاہتا ہوں۔ ہاں، البتہ تم سے ایک درخواست ہے۔ اگر مناسب سمجھو تو ہم لوگوں کو اپنی اصلیت سے آگاہ کر دو۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی شاہ تالاش اپنی کرسی پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میری اصلیت اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ میں تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔" میں نے شاہ تالاش کے شانے پر ہاتھ رکھ کر

اسے اس کی کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے تخت و تاج کی نہ کوئی تمنا ہے اور نہ ان چیزوں سے مجھے کوئی دلچسپی ہے۔ میں مظلوموں اور بے گناہوں کے کام آتا ہوں۔ اور شاید قدرت نے میری تخلیق اسی غرض سے کی ہے کہ میں ظالم، جابر، مغرور اور متکبر انسانوں کو ان کی اوقات میں رکھوں۔ اسطوفینہ نے جو کچھ کیا، اس میں تمہارا زیادہ قصور نہیں، قصور اسطوفینہ کا ہے اور اسے اپنے قصور کی سزا مل چکی ہے۔ تمہارے لیے محض یہ احساس کر لینا ہی کافی ہے کہ تم سے کوتاہی ہوئی اور تم نے بروقت ان باتوں کا پتا نہیں چلایا، جس کی وجہ سے بہت سی انسانی جانیں ضائع ہو گئیں۔"

تمام امرا و رؤسا اور معززین شہر تصویرِ حیرت بنے اس سارے منظر کو دیکھ رہے تھے اور ہماری گفتگو سن رہے تھے۔

"میں تمہیں اپنے محل میں چلنے اور وہیں قیام کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔" شاہ تالاش نے مجھ سے کہا۔ "تم جب تک چاہو وہاں رہو۔ تمہاری میزبانی میرے لیے زندگی کا سب سے بڑا اعزاز ہو گی۔"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے محلوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔ تمہارے شہر میں میرا قیام چند روز سے زیادہ نہیں، اور یہ چند روز میں اپنے استاد اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔ مجھے دوبارہ اپنے درمیان میں پا کر بہت خوش ہوں گے۔"

دراصل میرا ارادہ یہ تھا کہ ایتھنز میں چند روز قیام کر لینے کے بعد شرنجانہ کو ساتھ لے کر گاؤں نکل جاؤں، اور کچھ عرصہ شرنجانہ کے ساتھ گاؤں میں گزاروں۔ میں نے شاہ تالاش کے سامنے جان بوجھ کر شرنجانہ کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔

"جیسی تمہاری مرضی شہر ورد۔" شاہ تالاش نے تھکے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "اور ہاں، میری تم سے درخواست ہے اور ہم تمام دانشگاہ میں جن گستاخیوں کے مرتکب ہوئے ہیں، ہمیں ان کے ازالے کا موقع دو۔ میں تمہارے اعزاز میں ایک ضیافت دینا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ تم مجھے مایوس نہیں کرو گے۔"

"مجھے تمہاری ضیافت میں شرکت کر کے خوشی ہو گی شاہ تالاش۔" میں نے جواب دیا۔ "اور ہاں، میری تم سے درخواست ہے کہ اقلوس کو اس کے سابقہ منصب پر بحال کر دو۔ اس کا بیٹا مارا جا چکا ہے، اور خدا ہر کو اس نقصان کی تلافی تو کوئی بھی نہیں کر سکتا، لیکن اس کے علاوہ تم جو کچھ بھی اس کے لیے کر سکتے ہو تمہیں کرنا چاہیے۔"

"میں اقلوس کو نہ صرف اس کے سابقہ منصب پر بحال کر دوں گا، بلکہ اسے اتنا مال و دولت دوں گا کہ پھر اسے زندگی میں کسی اور چیز کی خواہش نہیں رہے گی۔ اس نے قید خانے میں جتنی مصیبتیں جھیلی ہیں، ان کا ازالہ ضرور کروں گا۔" شاہ تالاش نے جواب دیا۔ "کل رات شاہی محل میں تمہارے اعزاز میں ضیافت ہو گی جس میں طوفان کلب کے سربراہ استاد اسکندر اور دوسرے لوگوں کو بھی شرکت کی دعوت دی جائے گی۔"

شاہ تالاش اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی تمام معزز مہمان بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ استاد اسکندر، مغریس اور دوسرے لوگوں نے مجھے گھیر لیا۔ استاد کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے اور مغریس کی آنکھوں میں حیرتوں کے سمندر موجزن تھے۔

ہم لوگ کلب میں واپس آ گئے، لیکن یہ واپسی اتنی آسان نہ تھی۔ راستے میں جگہ جگہ لوگوں کے زبردست ہجوم اکٹھا تھے جو قریب سے میری ایک جھلک دیکھنے کے متمنی تھے۔ اب کوئی بھی شخص مجھ پر پتھر یا گملے نہیں پھینک رہا تھا بلکہ ہر طرف میری غیر معمولی اور حیران کن صلاحیتوں کے چرچے تھے۔ اسٹیڈیم سے کلب تک آدھے گھنٹے کا راستہ ہم لوگ بڑی مشکل سے تین گھنٹے میں طے کر پائے۔ کلب کے دروازے پر طاقت کا ایک ازدحام جمع تھا جو مجھے قریب سے دیکھنے کے لیے بے تاب تھا۔ مغریس اور دوسرے لوگوں نے بڑی مشکل سے میرے لیے راستہ بنایا۔ میرے اندر داخل ہونے کے بعد کلب کے صدر دروازے کو اندر سے بند کر دیا گیا اور کئی پہرے دار تعینات کر دیے گئے۔

میں ایک بار پھر خود کو اپنے لوگوں کے درمیان پا کر بے حد مسرت محسوس کر رہا تھا۔ استاد جیسے مجھ پر فدا ہوا جا رہا تھا۔ طوفان کلب میں استاد وہ واحد شخص تھا جو کسی حد تک میرے ناقابل تسخیر ہونے کے راز سے واقف تھا اور اسی وجہ سے اسے میرے اس عجیب و غریب اور ناقابل یقین کارنامے پر اتنی حیرت نہیں تھی کہ میں نے چار گھوڑوں والے رتھ کو کس طرح اپنی طرف گھسیٹ لیا، لیکن مغریس اور دوسرے لوگوں کے لیے یہ ایک نہایت حیران کن واقعہ تھا اور وہ لوگ مجھے عجیب عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

میں نے اطمینان سے بیٹھنے کے بعد استاد سے سب سے پہلا سوال شرنجانہ کے بارے میں کیا۔ استاد نے شرنجانہ کے بارے میں کچھ بتانے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی۔ میں نے اپنا سوال پھر دہرایا۔ جواب میں استاد نے کہا۔ "میں نے مغریس کو اسی دن گاؤں روانہ کر دیا تھا، لیکن وہ کوئی اچھی خبر نہیں لایا۔"

"میں ہر بری خبر سننے کے لیے تیار ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مجھے صاف صاف بتاؤ کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے؟"

"شرنجانہ کے پڑوسیوں نے مغریس کو بتایا کہ آج سے چند روز پہلے شرنجانہ اپنے گھر میں مردہ پائی گئی۔ اسے کسی نے گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا تھا، اور جس دن شرنجانہ کی موت واقع ہوئی، اسی دن ملکہ اسطوفینہ کے سپاہیوں کے دستے کے چند سپاہیوں کو گاؤں میں دیکھا گیا تھا۔ ان سپاہیوں نے گاؤں والوں کو یہ بتایا تھا کہ وہ وہاں شکار کھیلنے گئے ہیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ شرنجانہ کے قتل کی ذمہ داری بھی ملکہ اسطوفینہ پر ہے۔" میں نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ "اس عورت نے اپنے ذاتی تعیش کی خاطر کتنے انسانوں کی جان لی ہے۔ اسے یقیناً اپنے جاسوسوں کے ذریعے میرے اور شرنجانہ کے مراسم کے بارے میں معلوم ہو گیا ہو گا۔"

aazzamm@yahoo.com

اور اس نے حسد اور رقابت کے جذبے سے مغلوب ہو کر اپنے آدمیوں کے ذریعے شرنجانہ کو قتل کروا دیا۔ اس کے لیے یقیناً یہ بات ناقابلِ برداشت ہوگی کہ شرنجانہ کو میرا قرب حاصل رہے۔"

"بالکل یہی ہوا ہوگا۔" استاد نے میری بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن اب صبر کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ شرنجانہ مر چکی ہے اور اب کوئی اسے زندہ نہیں کر سکتا۔ شرنجانہ کی اصل قاتل اسطوفینہ بھی اپنے گناہوں کی سزا پا چکی ہے۔"

"ہاں، مجھے صبر ہی کرنا ہوگا۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ لیکن درحقیقت مجھے شرنجانہ کی موت کا بہت صدمہ تھا۔ وہ ابھی بالکل نوجوان تھی اور اس نے دنیا میں ابھی دیکھا ہی کیا تھا۔ وہ بیچاری میری وجہ سے ماری گئی۔ ایتھنز میں اپنے قیام کے دوران میں اب تک دو نوجوان اور بے گناہ عورتوں کی ہلاکت کا سبب بن چکا تھا، اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ اب جب تک میں یہاں موجود ہوں، کسی عورت کو اپنے قریب آنے کا موقع نہیں دوں گا۔ میں شرنجانہ کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کا خواہشمند تھا، لیکن ظالموں نے مجھے اس کا موقع ہی نہیں دیا۔

قصہ مختصر یہ کہ پروفیسر سارے شہر میں میرے نام کی دھوم مچ گئی۔ ہر طرف میرا ہی چرچا تھا۔ ہر زبان پر میرا ہی ذکر تھا۔ ہر محفل میں میں ہی موضوعِ گفتگو تھا۔ دوسرے دن شام کو شاہی سواری مجھے لینے آئی اور میں استاد اور مغریس کے ساتھ شاہ تالاش کی پرتکلف اور شاندار ضیافت میں شریک ہوا۔ جہاں سارے شہر کے امرا اور رؤسا موجود تھے۔ اسی دعوت میں میں نے اقلوس کو دیکھا۔ میں تو اسے پہچان بھی نہ سکا تھا۔ لیکن جب اس نے قریب آ کر مجھ سے گفتگو کی تب میں نے اسے پہچانا۔ اب میرے سامنے ایک نیم برہنہ، نیم وحشی عجیب الخلقت ہستی کے بجائے ایک مہذب اور شائستہ انسان کھڑا ہوا تھا جس کے جسم پر معقول لباس تھا، جس کے بال اور ناخن قاعدے سے کٹے ہوئے تھے اور جسم صاف ستھرا تھا۔ میں اقلوس کو اس بدلی ہوئی حالت میں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اقلوس میرا بہت ممنون تھا۔ میرا شکریہ ادا کرتے کرتے اس کی زبان نہیں تھکتی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ میں نے اسے نئی زندگی دی ہے، ورنہ کچھ دنوں قید و بند کی صعوبتیں مزید برداشت کرنے کے بعد وہ مر جاتا، اس کی لاش کو خاموشی سے کہیں دفنا دیا جاتا اور اس ظلم کے بارے میں کسی کو اطلاع بھی نہ ملتی۔

بہرحال شاہی ضیافت میں بڑا جشن اور ہنگامہ رہا۔ طبقۂ اشرفیہ سے تعلق رکھنے والی بہت سی حسین اور نوجوان خواتین نے مجھ سے بے تکلف ہونے اور میری قربت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے انہیں خوبصورتی سے ٹال دیا۔

شاہ تالاش نے، جو ایک دن پہلے مجھے اپنے تاج و تخت کی پیشکش کر چکا تھا، اب دوبارہ مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں اس کی مملکت کا وزیرِ اعظم بننا قبول کر لوں۔ شاہ تالاش کی اس تجویز کی استدعا انگلنڈ نے بھی حمایت کی، لیکن میں نے ان لوگوں کو صاف منع کر دیا اور یہ کہا کہ مجھے کسی عہدے یا منصب کی کوئی تمنا نہیں ہے۔

اس کے بعد میں نے طوفان کلب میں مزید چند دن گزارے، لیکن اب یہاں کا ماحول بدل گیا تھا۔ میں جو پہلے یہاں کے لوگوں کا بے تکلف ساتھی تھا، اب ان کے لیے اجنبی بن گیا تھا۔ استاد کی شفقت، ڈانٹ ڈپٹ اور جھڑکیوں کی جگہ ایک محتاط رویے نے لے لی تھی۔ اور استاد کا رویہ میری جانب اب ایسا تھا گویا وہ میرا استاد نہیں، بلکہ میں اس کا استاد ہوں۔ مغریس اور دوسرے ساتھیوں کی بے تکلفی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو چکی تھی۔ وہ میری جانب عزت و احترام کا انداز اختیار کیے ہوئے تھے۔ اب وہ میرے قریب آنے کے بجائے میری موجودگی میں شاید ایک قسم کی بے چینی محسوس کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے اپنا جیسا ایک انسان سمجھنا چھوڑ دیا تھا۔ میرے اور ان کے درمیان ایک دیوار حائل ہو گئی تھی۔ بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی مجھے کوئی دیوتا یا دیوتا کا اوتار سمجھنے لگے تھے۔ استاد نے میرے سپرد کوئی کام بھی نہیں کیا۔ میں دن بھر خالی رہتا، جبکہ دوسرے لوگ اپنے روز مرہ کے معمولات میں مصروف رہتے۔ جلد ہی اس ماحول سے میرا دل اکتا گیا۔ جب تک میری محنتی قوتوں کا بھرپور مظاہرہ نہیں ہوا تھا، سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا۔ لیکن ایک بار ان قوتوں کا مظاہرہ ہو جانے کے بعد اب میرے لیے یہ ناممکن تھا کہ کوئی کام کر سکوں۔ میں بھی ان ہی جیسا ایک انسان ہوں، مجھے یاد تھا کہ استاد نے مجھ سے ایک بار یہ بات کہی تھی کہ وہ چاہتا ہے کہ مجھے اس کلب کا نگران بنا دے اور اس کے مرنے کے بعد میں اس کلب کو سنبھالوں، لیکن اب ایک بار بھی استاد کی زبان پر یہ الفاظ نہیں آئے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے کلب کا نگران کسی انسان کو ہی بنا سکتا تھا، اور میں اب ان انسانوں کی نظر میں انسان کے علاوہ کوئی اور چیز تھا۔

اجنبیت اور بیگانگی کے اس ماحول میں میں ایک ہفتے سے زیادہ نہیں رہ سکا۔ میں ایک عضوِ معطل کی طرح زندگی گزار رہا تھا۔ صبح سے شام تک کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا تھا اور جس سے اس کے اپنے ساتھی خوف زدہ رہتے تھے۔ بالکل وہی صورتِ حال تھی جو اس سے پہلے سارڈ میں تھی۔

آخر ایک رات کو، جبکہ کلب میں سارے لوگ محو خواب تھے، میں خاموشی سے اٹھا اور اپنے کمرے سے باہر نکل آیا۔ میں دبے پاؤں چلتا ہوا استاد کے کمرے میں داخل ہوا اور ایک نظر اس کے پرسکون، پُرشفقت چہرے پر ڈالی۔ استاد نے مجھے بہت کچھ دیا تھا، وہ مجھے بہت محبت کرتا تھا، میں چاہتا تھا کہ جانے سے پہلے اس کی عنایات کے لیے اس کا شکریہ ادا کر دوں۔ لیکن مجھے معلوم تھا کہ اگر میں نے اس سے جانے کی اجازت طلب کی تو وہ مجھے بخوشی ہرگز اجازت نہیں دے گا اور دوسرے لوگ بھی مجھے روکنے کی کوشش کریں گے۔ لہٰذا میں

مناسب سمجھا کہ میں رات کے سناٹے میں خاموشی سے یہاں سے چلا جاؤں۔ میں نے اہلِ ایتھنز کو ظلم اور ناانصافی کے خلاف ایک ایسا سبق دے دیا جسے انہوں نے یقیناً ایک طویل عرصے تک یاد رکھا ہوگا۔

رات کی تاریکی میں، میں دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ سڑک پر دو موٹر میں نے کلب کی وسیع و عریض عمارت پر ایک الوداعی نظر ڈالی۔ اندھیرے میں ڈوبی تھی جہاں میں ایک مشتبہ شخص کی حیثیت سے داخل ہوا تھا، میرا ایک مالشیے کی حیثیت سے ہوا تھا، اور اب میں اس شہر کے سب سے بڑے ولی کی حیثیت سے اس جگہ سے رخصت ہو رہا تھا۔

رات تقریباً آدھی گزر چکی تھی جب میں نے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ سارا شہر محوِ خواب تھا۔ کہیں کہیں گلیوں میں چوکیداروں کی جاگتے رہنے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ میں حتی المقدور چوکیداروں کی نظروں سے بچتا ہوا شہر کے باہر جا رہا تھا۔ رات کے سناٹے میں آوارہ کتوں کے غول شور مچاتے پھر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر ان کے شور میں اضافہ ہو جاتا، لیکن انہوں نے میرے قریب آنے یا مجھ پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کی۔ میں خاموشی اور اطمینان سے اپنا سفر طے کرتا رہا۔ میرا رخ اس گاؤں کی طرف تھا جہاں میں نے شرنجانہ کے ساتھ چند گزارے تھے۔ میں اس مکان کو آخری بار دیکھ لینا چاہتا تھا جس میں میری زندگی کی بہت سی خوشگوار یادیں وابستہ تھیں۔

چلتے چلتے ساری رات بیت گئی اور دور افق پر سپیدۂ سحر نمودار ہوا۔ منزل ابھی دور تھی، منزل اب زیادہ دور نہیں تھی۔

صبح ہوتے ہوتے میں اس گاؤں میں داخل ہو گیا اور سیدھا اس مکان پر پہنچا جہاں میں کچھ دن شرنجانہ کے ساتھ رہا تھا۔

مکان کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں اس کے اندر داخل ہو گیا۔ صحن میں چند بچے بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ اس میں کوئی متنفس موجود نہیں تھا۔

میں [illegible] تک ان ساری چیزوں کو دیکھتا رہا جو اس کمرے میں موجود تھیں۔ بے جان و جامد اشیا جن کی اپنی کوئی اہمیت نہیں تھی، لیکن ان میں اس وقت زندگی کی لہر دوڑتی نظر آتی تھی جب وہ کسی انسان کے تصرف میں آ جاتی تھیں۔

میں زیادہ دیر تک اس مکان میں نہیں رک سکا۔ مجھے شرنجانہ کی موت کا انتقام کسی سے نہیں لینا تھا، کیونکہ اول تو مجھے یہ بات نہیں معلوم تھی کہ کس شخص کے ہاتھوں نے شرنجانہ کا گلا گھونٹا ہے، اور اگر یہ معلوم ہو جاتا تو اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ شرنجانہ کی اصل قاتل تو اسطوفینہ تھی اور وہ اب اس دنیا میں موجود نہیں تھی۔ اسے اپنے گناہوں کی سزا مل چکی تھی۔

میں چند منٹ کے بعد اپنی یادوں کے اس حسین گہوارے سے باہر نکل آیا۔ ابھی بہت سویرا تھا اور رات کا دھندلکا باقی تھا۔ کچھ لوگ ادھر اُدھر چل پھر رہے تھے، لیکن زیادہ چہل پہل نظر نہیں آ رہی تھی اور اسی لیے شاید مجھے کسی نے دیکھا بھی نہیں۔ بہرحال میرے لیے اب یہ بات بے معنی تھی کہ کسی نے مجھے دیکھا یا نہیں دیکھا۔ میں نے منزل متعین کیے بغیر ایک سمت میں قدم بڑھانا شروع کر دیے اور جلد ہی گاؤں کو پیچھے چھوڑ دیا۔

جس وقت سورج کی روشنی پوری طرح پھیل گئی، اس وقت تک میں گاؤں سے بہت دور نکل چکا تھا۔ ایتھنز اس سے کہیں پیچھے رہ گیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ صبح کو جب استاد، مغریس اور دوسرے لوگ بیدار ہوتے ہوں گے اور انہوں نے مجھے وہاں موجود نہیں پایا ہوگا تو انہیں سخت اچنبھا ہوا ہوگا اور انہوں نے میری تلاش شروع کر دی ہوگی، لیکن اب وہ میری گرد کو بھی نہ پا سکیں گے۔

آبادیاں پیچھے رہ گئیں اور ناہموار ٹیلوں، اونچی نیچی زمین اور چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ سورج اب تیزی سے چمک رہا تھا اور اس میں کافی تمازت محسوس ہو رہی تھی۔ میں، جو کہ کھانے پینے کی انسانی ضروریات سے بے نیاز تھا۔ اسی طرح چلتا رہا۔ بڑا ویران اور غیر آباد علاقہ تھا جہاں سے میں گزر رہا تھا۔ شام ہونے کو آئی، لیکن خودرو جھاڑیوں اور ناہموار ٹیلوں کا سلسلہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ میں چلتا رہا۔ چلتا رہا۔ جہاں تک رات کا اندھیرا چار سو پھیل گیا، اب میں نے آرام کرنے کی ٹھانی اور ایک جھاڑی کے قریب زمین کو سنگریزوں اور خشک پتوں سے صاف کر کے میں نے وہاں رات بسر کی۔

صبح کو میں نے پھر اپنا سفر شروع کر دیا۔ اس دفعہ میں ایک طویل سفر کرنا چاہتا تھا اور بالکل نئی دنیاؤں کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ جہاں میں نئے تجربات اور نئے حوادث سے دوچار ہونے کا موقع حاصل کر سکوں۔

چنانچہ پروفیسر! اس دفعہ میرا سفر مہینوں جاری رہا۔ میں خشکی کے علاوہ کئی آبی راستوں سے بھی گزرا۔ راستے میں کئی جگہ مجھے آبادیاں اور بستیاں ملیں۔ میں نے ان میں سے ایک آدھ میں چند روز قیام بھی کیا، ایک آوارہ گرد مسافر کی حیثیت سے، لیکن میں ایک آدھ روز سے زیادہ کہیں نہیں رکا اور مسلسل حرکت کرتا رہا۔ میں یونان کی زمین سے باہر نکل چکا تھا، لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ اب میں کس ملک کی سرزمین پر سفر کر رہا ہوں، لیکن اتنا احساس مجھے ضرور تھا کہ میں یورپ کے علاقے سے نکل کر ایشیا کی حدود میں داخل ہو چکا ہوں، شاید میں ترکی میں تھا یا شاید ایران میں یا شاید عراق میں۔ بہرحال اس وقت ان ممالک کی وہ سرحدیں اہمیت نہیں رکھتی تھیں جو کہ آج ہیں، اور نہ ہی ان کی وہ شکل تھی جو کہ تمہارے دور میں ہے۔ مجھے ایشیا میں اپنے داخل ہونے کا اندازہ اس طرح ہوا کہ لوگوں کے چہرے بدل گئے تھے۔ مغربی خدوخال کی جگہ مشرقی نقوش نے لے لی تھی۔ لباس بھی بدل گئے تھے۔ زبانیں بھی بدل گئی تھیں۔ مجھے

Scanned by aazzamm@yahoo.com
Uploaded by Iqbal Kalmati
Iqbalkalmati.blogspot.com

aazzamm@yahoo.com

مسلسل سفر میں رہنے کے سبب اندازہ نہیں ہو سکا کہ میں کس کس ملک سے گزرتا ہوا کس ملک میں داخل ہو گیا ہوں، کیونکہ میں زیادہ تر ایسے راستوں سے سفر کرتا تھا جہاں انسانی آبادیاں موجود نہ ہوں۔ اور کئی کئی مہینے تک میں کسی انسان کی شکل نہیں دیکھتا تھا۔

وہ ایک خوشگوار اور سہانی صبح تھی جب میں ایک ہرے بھرے اور گھنے جنگل میں داخل ہوا۔ موسم سرما کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ بہار کی آمد تھی، درخت کی خشک ٹہنیوں پر نئی کونپلیں تیزی سے پھوٹ رہی تھیں۔ شگوفے مسکرانے لگے تھے اور چڑیوں کی چہچہاہٹ میں سرخوشی و سرمستی کا عالم تھا۔ خود مجھ پر بھی ایک بے خودی کی کیفیت طاری تھی۔ میں درختوں کی گھنی شاخوں اور بے تحاشا پھیلی ہوئی بیلوں میں سے راستہ بناتا ہوا میلوں اندر چلا گیا۔ بے حد گھنا اور وسیع و عریض جنگل تھا۔

میں نے گھنے درختوں اور گہرے سبز رنگ کی بیلوں سے گھرے ہوئے خشک پانی کے ایک چشمے کو دیکھا، اور بے ساختہ اس میں کود پڑا۔ کافی دیر تک میں چشمے میں نہاتا رہا اور میں نے مدتوں کے بعد ٹھنڈا پانی جی بھر کر پیا۔ جب میں چشمے سے پانی پی کر اور نہا کر باہر نکلا تو چشمے کے کنارے ہی ایک طرف اگی ہوئی نرم نرم گھاس پر لیٹ گیا۔ گھاس سے تھوڑی دور کے فاصلے پر کچی اور نم زمین تھی۔ اچانک میں نے اس نم زمین میں ایک ایسی چیز دیکھی جس نے مجھے سخت حیرت میں مبتلا کر دیا۔ یہ واضح طور پر انسانی قدموں کے نشانات تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں خود اس نم زمین سے گزر کر چشمے تک نہیں گیا تھا، بلکہ میں گھاس پر چلتا ہوا گیا تھا۔ اس لیے یہ نشانات میرے اپنے قدموں کے نہیں ہو سکتے تھے، اور اس بات کا مطلب یہ تھا کہ اس جگہ کوئی انسان موجود ہے!

اس گھنے جنگل میں، میلوں اندر، جہاں دن کے وقت بھی ہلکا ہلکا اندھیرا چھایا رہتا تھا، انسان کا وجود کہاں سے آگیا، اور اس تنہائی اور ویرانے میں کوئی انسان کیا کر رہا ہے؟ میرے ذہن میں اچانک ہی یہ سوال پیدا ہوا، اور میں نے فوراً ہی اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی۔ ہو سکتا ہے وہ کوئی عابد و زاہد ہو، کوئی تارک الدنیا شخص، جو اس ویرانے میں اپنے تزکیۂ نفس کے لیے بیٹھا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص یہاں کسی خفیہ عمل میں مصروف ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی مفرور مجرم ہو اور سزا کے خوف سے بھاگ کر جنگل میں چھپ گیا ہو۔ بہرحال، میرے لیے گہری دل چسپی کا سامان پیدا ہو چکا تھا اور انسانی قدموں کے ان نشانات نے میرے اندر زبردست تجسس پیدا کر دیا تھا۔

میں نے چشمے کے آس پاس اور دور دور تک نظریں دوڑائیں، مجھے انسانی جھلک نہیں دکھائی دی۔ قدموں کے نشانوں کو غور سے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ تازہ نشانات ہیں۔ میں نے نشانوں کو اور زیادہ غور سے دیکھا۔ یہ کافی بڑے بڑے پیروں کے نشانات تھے، جن سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ جس شخص کے قدموں کے یہ نشانات ہیں، وہ کوئی بھاری بھرکم اور تنومند آدمی ہے۔

میں کافی دیر تک گھاس پر لیٹا رہا۔ ٹھنڈی ہوا کے فرحت بخش جھونکوں اور ماحول کی طراحت نے مجھے نیند کی حسین دنیا میں پہنچا دیا اور جب میری آنکھ کھلی تو شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ یقیناً سورج کے غروب ہونے میں ابھی کافی دیر باقی تھی، لیکن درختوں کی گھنی چھاؤں تلے غروب آفتاب سے پہلے ہی اندھیرا ہو گیا تھا۔ جنگل میں اس وقت دور دور تک ایک عجیب پُراسرار سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ اس سناٹے کو توڑتی ہوئی کسی وقت کسی پرندے کی تیز آواز فضا میں گونج اٹھتی، جو اب میں جنگل کے کسی اور دور دراز گوشے سے ایک اور آواز پیدا ہوتی۔ چند گھنٹوں تک آوازوں کا تبادلہ ہوتا رہتا اور اس کے بعد پھر سناٹا طاری ہو جاتا۔

میں آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا اور میں نے قدموں کے نشانات پر دوبارہ نظر ڈالی۔ کسی نئے نشان کا اضافہ نہیں ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ شخص دوبارہ چشمے کی طرف نہیں آیا تھا۔ مجھے اس بات پر حیرت تھی کہ رات ہونے سے قبل وہ شخص دوبارہ اس چشمے کے پاس آئے، لیکن درختوں کے نیچے گہرا اندھیرا پھیل گیا اور وہ نہیں آیا۔ اب غروب آفتاب کا وقت آگیا تھا۔ چڑیاں بسیرا لینے کی تیاریاں کر رہی تھیں اور ان کی چہکار سے سارا جنگل گونج رہا تھا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا، میرے سر کے اوپر ہزارہا اقسام کے فرغ بہ نوع ساز بج رہے ہوں، جن کی مختلف آوازیں آپس میں گڈمڈ ہو کر ایک عجیب و غریب موسیقی کی شکل اختیار کر گئی ہوں۔

میں تھوڑی دیر کے بعد چشمے کے کنارے ایک پتھر پر جا بیٹھ گیا اور میں نے اپنے پاؤں پانی میں لٹکا دیے۔ شام ہونے کے ساتھ ہی پانی بہت ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ اب چڑیوں نے چہچہانا شروع کر دیا تھا اور وہ اپنے اپنے گھونسلوں میں جا کر دبک گئی تھیں۔ میرے سر پر کوئی ایک بے حد فرحت بخش خنکی کا احساس ہو رہا تھا اور میں اپنی بے پناہ اور لامتناہی یادوں کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک مجھے ایک عجیب سی آواز سنائی دی۔ بات یہ ہے پروفیسر کہ میں نے بے شمار جنگلوں میں راتیں اور دن گزارے تھے جو طرح طرح کے جانوروں اور درندوں اور کیڑوں مکوڑوں سے بھرے ہوئے تھے اور میں ان سب کی آوازوں سے بخوبی شناخت کر سکتا تھا، لیکن جو آواز میں سن رہا تھا، وہ کسی جانور کی آواز نہیں تھی۔ میں نے اپنے کان پوری طرح آواز پر لگا دیے۔ آواز کہیں بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اور اس میں ہلکا ہلکا تار چڑھاؤ تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے دور کہیں ناقوس پھونکا جا رہا ہو۔ کیا یہاں قریب کوئی بستی ہے اور وہاں کے لوگ اپنی شام کی عبادت میں مصروف ہیں؟ میں نے سوچا۔ میں نے اپنے کانوں کو پورا متوجہ کرتے ہوئے آواز کی سمت کا تعین کیا اور اس کے بعد اسی

سمت میں آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن ابھی میں نے دو قدم ہی آگے بڑھائے تھے کہ آواز ختم ہو گئی۔ وہ جس طرح اچانک ابھری تھی، اسی طرح اچانک غائب ہو گئی۔ میری تعیین کردہ سمت غائب ہو گئی اور میں نے آگے بڑھنے کا فیصلہ ترک کر دیا۔ میں نے سوچا کہ میں یہیں رک کر انتظار کروں گا کیونکہ صبح کو تو کوئی نہ کوئی مزدور آئے گا۔

مجھے معلوم نہیں پروفیسر کہ تمہیں کبھی گھنے جنگل میں رات گزارنے کا موقع ملا ہے کہ نہیں۔ لیکن میری زندگی میں ایسے بے شمار مواقع آئے ہیں اور میں پوری طرح ان سے لطف اندوز ہوا ہوں۔ خاص طور پر کسی چشمے یا تالاب کے کنارے رات کے جنگل کا منظر قابل دید ہوتا ہے۔ جنگل کے جانوروں کی اصل سرگرمیاں رات کو ہی شروع ہوتی ہیں۔ شکاری درندے شکار کی تلاش میں نکلتے ہیں اور ہر طرح کے جانور اپنی اپنی غذا کے حصول کی جدوجہد میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ رات کو مختلف اقسام کے جانور باری باری چشمے یا تالاب کے کنارے پانی پینے آتے ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ تھوڑی دیر میں یہاں جانوروں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ میں انہیں خوف زدہ نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے میں ایک قریبی درخت پر چڑھ گیا جو کافی بلند تھا، چڑھ گیا اور میں نے اپنے آپ کو اس کی شاخوں اور پتوں میں اچھی طرح چھپا لیا۔ قمری مہینے کی درمیانی تاریخیں تھیں اور سیاہ آسمان پر روشن چاند سونے کے ایک خوبصورت گولے کی طرح جگمگا رہا تھا۔ مجھے نیچے کا منظر بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔ جانوروں کے غول کے غول باری باری پانی پینے آتے رہے اور میں دم بخود انہیں دیکھتا رہا۔ وہ پُراسرار آواز مجھے دوبارہ نہیں سنائی دی۔ ساری رات گزر گئی۔ میں نے دیکھا کہ اس گھنے جنگل میں جانوروں کے علاوہ شیر، چیتے اور بھیڑیے جیسے درندے بھی موجود ہیں اور ان کے کئی غول پانی پینے کے لیے آتے۔ اس سے میں نے نتیجہ نکالا کہ اس جنگل میں جو کوئی انسان موجود ہے، اسے اپنے تحفظ کا بہت زیادہ انتظام رکھنا پڑتا ہوگا اور وہ غالباً کسی سخت مجبوری کی بنا پر اس جنگل میں چھپا ہوا ہے۔

رات دھیرے دھیرے سرکتی رہی۔ صبح کاذب کا وقت ہوا تو سردی بڑھ گئی اور میں سورج نکلنے کے بعد کافی دیر تک سوتا رہا۔ آنکھ کھلنے پر درخت سے نیچے اترا۔ میں نے چشمے کے سرد اور فرحت بخش پانی میں کافی دیر تک غسل کیا، اور جب غسل سے فارغ ہو کر تازہ دم ہو کر باہر نکلا تو مجھے وہ پُراسرار آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ میں نے فوراً سمت کا تعین کیا اور تیزی سے اس طرف چل پڑا۔ چلنے سے پہلے میں نے چشمے کے کنارے کی زمین کا اچھی طرح جائزہ لیا، لیکن مجھے انسانی قدموں کے نشانات کے علاوہ کوئی نئے نشانات نظر نہیں آئے۔ اس کا مطلب تھا کہ میرے سونے کے دوران بھی کوئی شخص ادھر نہیں آیا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ شخص پانی کے پاس کیوں نہیں آیا، اور وہ پانی پیے بغیر کیا کر رہا ہے۔ پھر اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ ہو سکتا ہے اس نے دور سے مجھے یہاں دیکھ لیا ہو اور اب وہ اس طرف آنے سے گریزاں ہو۔ آس پاس کہیں پانی کا کوئی اور چشمہ بھی موجود ہو اور وہ شخص اپنی ضروریات اس سے پوری کر رہا ہو۔

آواز جس طرح اچانک شروع ہوئی تھی، اسی طرح اچانک بند ہو گئی۔ لیکن میں نے کافی دیر تک سمت کا تعین کر لیا تھا، اور میں اس طرف روانہ ہو گیا۔

میں اپنی متعین کردہ سمت میں بہت دور تک چلا گیا، لیکن مجھے نہ تو کوئی انسان نظر آیا اور نہ کوئی ایسی نشانی جس سے کسی انسان کے وجود کا ثبوت مل سکے۔

مجھے گھومتے گھومتے دوپہر ہو گئی۔ جنگل اور زیادہ گھنا ہو گیا تھا۔ جھاڑیوں اور بیلوں کی تعداد میں اضافہ معلوم ہوتا تھا اور درختوں کا درمیانی فاصلہ بہت کم تھا۔ میں چاروں طرف احتیاط سے نظریں دوڑاتا ہوا چلا جا رہا تھا، اچانک کسی درخت سے ایک پتا ہوا پھل ٹھیک میرے سر کے اوپر آ کر گرا۔ فطری طور پر میری نظر فوراً اوپر درخت کی طرف اٹھ گئی۔ مجھے ایسا لگا گویا اوپر کافی بلندی پر پتوں کے درمیان لکڑی کے تختے چھپے ہوئے ہوں۔ اتنے میں ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا۔ ڈالیاں ہلیں اور میں نے واضح طور پر دیکھ لیا کہ اوپر لکڑی کے تختے موجود ہیں۔ بڑی عجیب سی بات تھی!

میں نے فوراً اس درخت پر چڑھنا شروع کر دیا اور بالآخر میں نے تختوں کا راز پا لیا۔ وہ درخت بالکل پاس پاس تھے اور ان کے بڑے بڑے ٹہنوں پر جو تقریباً سیدھے تھے، ایک لکڑی کی چھوٹی سی جھونپڑی بنی ہوئی تھی جو ٹہنیوں اور پتوں میں اس طرح چھپی ہوئی تھی کہ نیچے سے نظر ہی نہیں آتی تھی۔ غور سے دیکھنے پر صرف فرش کے تختوں کی ایک جھلک دکھائی دیتی تھی۔ مجھے اس جنگل میں یہ معلق جھونپڑی دیکھ کر بے حد حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ کسی نے بڑی ہنرمندی کے ساتھ تختوں کو ترتیب دے کر یہ جھونپڑی تیار کی تھی۔ میں جھونپڑی کے قریب پہنچا۔ اس میں باقاعدہ ایک دروازہ لگا ہوا تھا جو اس وقت باہر سے بند تھا۔ میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ جھونپڑی کی چھت کافی بڑی تھی اور دروازہ بھی بہت چھوٹا تھا۔ انسان بالکل جھک کر اس میں داخل ہو سکتا تھا۔ میں تقریباً دوہرا ہو کر جھونپڑی کے چھوٹے سے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جھونپڑی اندر سے کافی کشادہ اور نہایت صاف ستھری تھی۔ ایک بار جو جھونپڑی کے اندر داخل ہو جانے کے بعد یہ احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ جھونپڑی درختوں پر قائم اور فضا میں معلق ہے۔ جھونپڑی کے ایک جانب گھاس پھوس سے بنا ہوا نرم بستر موجود تھا جسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اسے باقاعدہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک طرف کرنے میں بڑا سا مٹی کا برتن رکھا تھا۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا، اس میں پانی تھا اور ساتھ ہی کسی دھات کا بنا ہوا ایک گلاس بھی موجود تھا۔ ایک طرف دو لمبی لمبی

aazzamm@yahoo.com

گلہریاں بھی بڑے بڑے خنجر اور چھوٹے موٹے چاقو بھی رکھے ہوئے تھے جو کوئی بھی شخص یہاں رہ رہا تھا، وہ پورے اطمینان اور تیاری کے ساتھ رہ رہا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ ایک طویل عرصے تک یہاں قیام کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

میں نے تھوڑی دیر تک ٹھہر کر جھونپڑی کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ بلاشبہ یہ جھونپڑی اندر سے اتنی بڑی تھی کہ اس میں کم از کم چار آدمی بڑے اطمینان سے رہ سکتے تھے۔ اسے واقعی بڑی محنت اور عمدگی کے ساتھ بنایا گیا تھا۔ تاہم یہ بات ظاہر تھی کہ اس میں رہنے والا فی الحال کوئی ایک ہی شخص تھا، کیونکہ بستر ایک ہی تھا۔

میں اندر سے جھونپڑی کا معائنہ کرنے کے بعد اس میں سے باہر آیا اور درخت سے نیچے اتر آیا۔ میں نے جھونپڑی کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ تاہم یہاں کے رہنے والے کو میری آمد کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔ اب مجھے اطمینان ہو گیا کہ باقر خریمی نے اس آدمی کا پتا دریافت کر لیا ہے جس کے قدموں کے نشانات میں نے چشمے کے پاس دیکھے تھے لیکن پُراسرار آواز کا راز ابھی باقی تھا۔ ہو سکتا ہے اس آواز کا تعلق اسی انسان سے ہو۔ میں نے سوچا۔ اب اس کا پتا چلانا میرے لیے چنداں دشوار نہ تھا۔

میں درخت سے نیچے اتر کر آس پاس کے علاقے کا جائزہ لینے لگا۔ میں جھونپڑی والے درخت کے محل وقوع کو بھی اچھی طرح اپنے ذہن میں بٹھا لیا تھا۔ جنگل کا یہ حصہ بہت گھنا تھا اور دور دور تک پھیلے کے لیے میلوں تک کے گھنے جنگل کو پار کرنا ضروری تھا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس علاقے کو جھونپڑی بنانے کے لیے خاص طور پر منتخب کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہاں کسی انسان کے آنے کا کوئی امکان نہیں پیدا ہوتا تھا۔

میں کافی دیر تک ادھر ادھر کی سیر کرتا رہا اور جھونپڑی والے درخت سے کافی دور نکل آیا۔ میں گھنی جھاڑیوں کی اوٹ میں تھا کہ اچانک مجھے اپنے سے کچھ فاصلے پر کسی کے قدموں کی سی آواز سنائی دی۔ میں نے جلدی سے جھک کر آواز کی طرف دیکھا۔ سیاہ رنگ کا ایک بہت بڑا اور بدہیئت ریچھ تیزی سے کسی پر جھپٹنے کی کوشش کر رہا تھا اور اپنے بھاری بھرکم اور بے ڈول بدن کو جھلاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی نظریں ریچھ کے شکار کو تلاش بھی نہ کر پائی تھیں کہ اچانک وہی گرج دار آواز سنائی دی۔ اب کی بار یہ آواز بالکل ہی قریب سے آئی تھی اور بڑے زور سے گونج رہی تھی۔ میں نے آواز کی سمت غور سے دیکھا۔ پیڑوں کے ایک جھنڈ کے پیچھے ایک انسان کھڑا تھا!

میں اس انسان کے پورے جسم کو نہیں دیکھ پا رہا تھا کیونکہ وہ چٹان کی اوٹ میں تھا۔ میں صرف اس کی گردن سے اوپر کے حصے کو دیکھ سکتا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں ایک بڑا سا شکنجہ پکڑ رکھا تھا جسے وہ اپنے منہ سے لگائے ہوئے پھیپھڑوں کی پوری قوت کے ساتھ بجا رہا تھا۔ اس کوشش میں اس کی گردن کی رگیں بری طرح تن گئی تھیں۔ گال پھول کر کپا ہو گئے تھے اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ شکنجے سے مسلسل تیز آواز نکل رہی تھی۔ ریچھ اس کی آواز سے خوف زدہ ہو گیا۔ وہ وہیں رک گیا اور چندھیائی ہوئی نظروں سے آدمی کو دیکھنے لگا۔ چند ثانیوں کے بعد وہ پلٹا اور جھومتا ہوا گھنی جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔

ریچھ کے بھاگ جانے کے ساتھ ہی اس شخص نے شکنجے کو منہ سے ہٹا لیا اور اس میں سے نکلنے والی آواز بند ہو گئی۔ اس شخص نے وہیں کھڑے کھڑے ایک ہاتھ سے اپنے ماتھے کا پسینہ پونچھا اور پھر وہ عین میری نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ اسے دیکھ کر مجھے جھرجھری سی آ گئی۔

اس شخص کے جسم پر لباس کا تار بھی نہ تھا۔ وہ بالکل ننگا تھا۔ اس کے سر اور داڑھی کے بال اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ اس کا اصل چہرہ ہی غائب ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ کے ناخن جانوروں کی طرح بہت لمبے لمبے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے انہیں کئی برس سے کاٹا نہ گیا ہو۔ اس کا جسم صحت مند اور سڈول تھا۔ چوڑی چوڑی چھاتی، ناف کی داڑھی اور کمر کے لمبے لمبے بال دھوپ میں چمک رہے تھے۔ اس کے بال سیاہ تھے۔ جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کوئی بوڑھا آدمی نہیں ہے۔ اس کا جسم بھی چست اور صحت مند تھا۔ اس کی کمر کے گرد گھاس کی بٹی ہوئی ایک موٹی رسی بندھی ہوئی تھی اور اس نے شکنجے کو ایک پتلی سی رسی کے ذریعے اس موٹی سی رسی سے باندھ رکھا تھا۔ شکنجے کو اس نے دوبارہ کمر کے گرد لٹکا لیا۔ پھر نیچے جھک کر کوئی چیز اٹھا لی۔ یہ تازہ شکار کیے ہوئے خرگوش تھے۔ بے اس کی کمر کی رسی سے بندھے ہوئے کئی ایک خنجر بھی نظر آئے۔ اب میں نے اس انسان کو بھی تلاش کر لیا تھا اور پُراسرار آواز کا راز بھی بالکل منکشف ہو گیا تھا۔ میں خاموشی سے اس شخص کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینے لگا۔ دونوں خرگوشوں کو ہاتھ میں اٹھائے ہوئے وہ واپس جھونپڑی کی جانب چلنے لگا جدھر اس کی جھونپڑی واقع تھی۔ میں ایک خاص فاصلے سے نہایت احتیاط کے ساتھ اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ جھونپڑی والے درختوں کے پاس پہنچ گیا۔ یہاں اس نے ایک جھاڑی کے پاس سے بہت سی سوکھی ہوئی لکڑیاں اٹھائیں۔ میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہاں سوکھی ہوئی لکڑیوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ اور اس کے ساتھ بہت سے پتھر بھی ڈھیر لگا ہوا ہے۔ اس نے ان میں سے دو پتھر اٹھا لیے اور پھر ایک چھوٹے سے گڑھے کے عین نیچے بیٹھ کر انہیں رگڑنے لگا۔ جلد ہی پتھروں سے چنگاریاں پیدا ہوئیں اور خشک لکڑی نے آگ پکڑ لی۔ اس شخص نے اطمینان سے ایک خنجر کے ذریعے خرگوشوں کی کھال اتاری۔ ان کے پیٹ چاک کر کے آلائش صاف کی اور پھر انہیں اطمینان سے آگ پر بھننے لگا۔ اس اب تک مجھے نہیں دیکھا تھا اور وہ بڑے اطمینان کے ساتھ اپنے کام میں منہمک تھا۔ میں جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اس کے کچھ اور قریب آیا اور میں نے غور سے اس کی شخصیت کا جائزہ لیا۔ وہ زیادہ سے زیادہ

بیس سال کی عمر کا آدمی تھا۔ اس کا جسم صحت مند اور قد کافی لمبا تھا۔ اس کی شخصیت میں کافی کشش تھی۔ اپنے خدوخال سے وہ مشرقی نظر آتا تھا۔

میں نے سوچا کہ اب میرے لیے زیادہ دیر اپنے آپ کو اس کی نظروں سے چھپائے رکھنا مناسب نہیں ہے۔ میرا جذبۂ تجسس پوری طرح بیدار تھا اور میں یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ وہ کون ہے اور اس طرح تاریک جنگل میں تنہا کیا کر رہا ہے۔

میں جھاڑیوں اور بیلوں کی آڑ سے نکل کر اچانک اس کے سامنے آ گیا۔ جیسے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی، اس کے منہ سے حیرت اور خوف کی ملی جلی ہوئی ایک چیخ نکلی اور اس کا ہاتھ بے ساختہ کمر کے گرد بندھی رسی کی طرف گئے ہوئے خنجروں کی طرف گیا۔ دوسرے لمحے چمکتا ہوا خنجر اس کے ہاتھ میں تھا لیکن اس کی نظریں میرے چہرے پر جمی تھیں اور خوف کے سائے پھیلے ہوئے تھے۔

"اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے مسکرا کر ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میں تم دیکھ رہے ہو کہ میں بالکل غیر مسلح ہوں اور ابھی تک تمہاری نظروں سے چھپا ہوا تھا، جبکہ تم میری نظروں سے چھپے ہوئے تھے۔ اگر میں تمہیں نقصان پہنچانا چاہتا تو پہلے ہی پہنچا سکتا تھا۔"

میں نے جو زبان بولی تھی، وہ میرے اندازے کے مطابق مشرقی بحر الکاہل کے علاقوں میں بولی جانے والی بہت سی زبانوں میں سے ایک تھی۔ مجھے یقین تھا کہ یہ اجنبی میری زبان کو سمجھ لے گا، لیکن اس شخص نے میری بات کو بخوبی سمجھ لیا۔ اس نے مجھ پر خنجر سے حملہ تو نہیں کیا لیکن اس نے خنجر چھوڑا بھی نہیں اور کڑے تیوروں سے مجھے گھورتا رہا۔

"تم کون ہو اور اس جنگل میں کیا کر رہے ہو؟" اس نے مجھ سے سوال کیا۔

"بالکل یہی سوال میں تم سے کرنے والا تھا۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "مجھے حیرت ہے کہ تم اتنے طویل عرصے سے خونی درندوں کے درمیان اس جنگل میں کیا کر رہے ہو؟"

"مجھے عرصے سے؟" اس نے جلدی سے گڑبڑا کر کہا۔ "تمہیں کیا معلوم ہے میں کتنے عرصے سے اس جنگل میں ہوں؟" اس نے مشتبہ نظروں سے مجھے گھورا۔

"مجھے قطعی طور سے تو یہ بات نہیں معلوم کہ تم کتنے عرصے سے اس جنگل میں ہو لیکن میں تمہارے قیام کی مدت کا تعین اس بات سے کر سکتا ہوں کہ تمہارے بدن کا لباس نہ جانے کب کا تار تار ہو چکا ہے اور تم نے خود کو جانوروں کے تکلف سے آزاد کر لیا ہے۔"

میرے ان الفاظ سے اسے اچانک اپنی برہنگی کا احساس ہوا اور وہ عجیب سا ہو گیا۔ لیکن اس کے پاس کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جسے وہ اپنے جسم کے لیے استعمال کر سکتا۔ میں نے اپنے لباس کا بڑا حصہ اتار پھینکا۔ اس نے جلدی سے اسے پکڑ لیا اور اپنی کمر کے گرد لپیٹ لیا۔

"تمہارا تعلق کہاں کے ساتھ ہے؟" میں نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے یاد نہیں کہ میں نے تمہیں وہاں کبھی دیکھا ہو۔"

"لاتاق کیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔ "میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"لاتاق کے بارے میں تو میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔" اس نے کہا۔ "پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور بغیر کسی ہتھیار کے اس بھیانک جنگل میں اتنی آزادی کے ساتھ کیسے گھوم رہے ہو؟"

"دراصل میں ایک سیلانی آدمی ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے نئی نئی جگہیں دیکھنے اور دور دراز کے دشوار گزار علاقوں کی سیر کرنے کا شوق ہے۔ اس شوق کے سبب مجھے کہیں قرار نہیں ہے اور میں تقریباً ہر موسم میں رہتا ہوں۔ بھٹکتا بھٹکتا میں اس جنگل میں نکلا۔ اب یہاں سے نکل کر کہیں اور چلا جاؤں گا۔ وہاں سے کہیں اور پھر کہیں اور۔۔۔"

"عجیب آدمی ہو۔" اس نے کہا۔ "تم ویسے تمہارا وطن کون سا ہے؟"

"ساری دنیا میرا وطن ہے۔" میں نے گول مول سا جواب دیا۔

میرے اس جواب پر وہ جھنجھلا گیا۔ "ساری دنیا کسی کا وطن نہیں ہوتی۔ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی وطن ہوتا ہے جہاں وہ پیدا ہوتا ہے اور پلتا بڑھتا ہے، جس کی دھرتی سے اسے خصوصی پیار ہوتا ہے اور جہاں اس کے عزیز و اقارب رہتے ہیں۔"

"جہاں تک عزیز و اقارب کا تعلق ہے تو میرا اس دنیا میں کوئی نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "اور اگر وطن کے بارے میں جاننے کے لیے اتنے ہی بضد ہو تو یوں سمجھ لو کہ میں یونان کا رہنے والا ہوں۔"

"تم یونان کے رہنے والے ہو؟" اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔ "اور تم اتنے دور دراز کا سفر کر کے فارس کے علاقے میں آئے ہو اور وہ بھی بغیر کسی سواری کے۔ کیا تمہارے پاس گھوڑا ہے؟"

"نہیں میرے پاس کوئی گھوڑا نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"میں نے یہ سارا سفر پیدل طے کیا ہے۔"

"یونان ہمارے علاقے سے بہت دور ہے۔ ہم نے اس ملک کے بارے میں بہت سی کہانیاں اور داستانیں سن رکھی ہیں۔ لیکن میرے آباؤ اجداد میں سے کوئی کبھی یونان نہیں گیا۔ ہاں ہمارے علاقے سے اکثر تجارتی قافلے یونان جاتے رہتے تھے اور یونان کے تجارتی قافلے بھی ہمارے ہاں آتے تھے۔ مگر تم نے ہماری زبان کس طرح سیکھی؟"

"مجھے ایک بار ایک تجارتی قافلے کے ساتھ سفر کرنے کا اتفاق ہوا تھا، جس میں ایک شخص اس علاقے کا بھی شامل تھا۔ میں نے اس سے فارس کی زبان سیکھی۔ اب تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ؟"

"کیوں نہ ہم پہلے اس تازہ بھنے ہوئے گوشت سے لطف اندوز ہوں۔"

aazzamm@yahoo.com

جو رکھے رکھے ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ اب جبکہ مجھے یقین ہو چکا ہے کہ تمہارا تعلق تاتاق سے نہیں ہے تو مجھے تمہیں اپنے بارے میں بتانے سے کوئی عذر نہیں ہو گا۔"

خرگوش کا بھنا ہوا گوشت بہت لذیذ تھا اور مقدار میں بھی کافی تھا کیونکہ دونوں خرگوش کافی بڑے بڑے تھے۔ ہم دونوں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ اس شخص کا خوف اب بالکل دور ہو چکا تھا اور وہ بڑی بے تکلفی کے ساتھ مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے میرے بارے میں بہت کچھ معلوم کرنا چاہا، لیکن میرے پاس اسے سمجھانے کے لیے کچھ نہیں تھا چنانچہ میں نے ادھر ادھر کی باتیں کر کے اسے بہلا دیا۔ جب ہم دونوں کھانے سے فارغ ہو چکے تو اس نے اپنی داستان کا آغاز کیا۔

"میرا نام گاوت ہے۔" اس نے کہا۔ "اور میں لاتاق کا رہنے والا ہوں۔ لاتاق اس جنگل کے دوسرے سرے سے کافی آگے پہاڑوں میں گھری ہوئی ایک نہایت حسین اور زرخیز وادی کا نام ہے اور اس وادی میں جو بستی آباد ہے، وہ بھی لاتاق کے نام سے ہی موسوم ہے۔ یہ ایک کافی بڑی بستی ہے اور یہاں کے لوگ بہت خوشحال ہیں۔ پیداوار خوب ہوتی ہے اور سبزے کی بہتات کی وجہ سے مویشیوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ اس وادی کی بھیڑیں دور دور تک مشہور ہیں اور ان کا اون نہایت عمدہ ہوتا ہے جو عمدہ داموں دور دور تک فروخت ہوتا ہے اور اون خریدنے والے سوداگر بڑی دور دور سے یہاں آتے ہیں۔

"میرا باپ اس بستی کا سردار تھا۔ وہ ایک بہت نیک دل اور فیاض آدمی تھا اور بستی کے لوگ اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ میرے باپ کی دو بیویاں تھیں اور وہ دونوں آپس میں جڑواں بہنیں تھیں۔ ان کی شکلیں تقریباً ایک جیسی تھیں۔ میری ماں کا نام لویرا تھا اور میری خالہ اور سوتیلی ماں کا نام شاویرا تھا۔ میرا نیک دل باپ اپنی دونوں بیویوں سے بہت محبت کرتا تھا۔

"میں اپنے باپ کی پہلی اولاد تھا اور جس وقت میں پیدا ہوا تھا میرے باپ نے اس خوشی میں خزانے کے منہ کھول دیے۔ کئی دن تک پوری بستی والوں کو کھانا کھلایا گیا اور بستی کے سارے گھروں میں چولہے جلانے کی نوبت نہ آئی۔ چولہے صرف میرے باپ کی وسیع و عریض حویلی میں جل رہے تھے جہاں دن رات دن کھانا پکانے میں مصروف رہتے تھے۔ بستی کے لوگوں نے بھی اس موقع پر زبردست خوشی و مسرت کا اظہار کیا اور تقریباً ایک ہفتے تک بستی میں جشن کا سماں رہا۔ میری ماں بہت خوش تھی۔ اس وقت میں جو باتیں تمہیں بتا رہا ہوں، وہ مجھے اپنی ماں، باپ اور دوسرے لوگوں نے بتائی ہیں۔

"میری پیدائش کے ٹھیک تین ماہ بعد میری خالہ اور سوتیلی ماں شاویرا کے ہاں بھی ایک بیٹا پیدا ہوا۔ میرے باپ نے اس موقع پر بھی زبردست مسرت کا اظہار کیا اور خوشی کے شادیانے بجوائے لیکن وہ سب کچھ نہیں ہوا جو میری پیدائش پر ہوا تھا۔ شاویرا کو یہ بات سخت ناپسند آئی۔ دراصل میری ماں ایک نہایت شریف النفس اور خوش مزاج عورت تھی اور اس نے کبھی بھی اپنی بہن کا برا نہیں چاہا لیکن شاویرا بالکل دوسرے قسم کی عورت تھی۔ حسد اور رقابت کا مادہ اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اسے ابتدا سے اس بات کا غم تھا کہ اس کے ماں بننے سے پہلے اس کی بہن ماں بن گئی اور وہ بھی ایک بیٹے کی ماں بن کر اس کے گھر بھی پیدا ہوا لیکن بعد میں جبکہ میں اس دنیا میں آ چکا تھا۔

"چنانچہ شاویرا ابتدا ہی سے مجھے ناپسند کرنے لگی۔ درحقیقت اس نے مجھ سے ہمیشہ نفرت کی۔ اس نفرت کا سب سے بڑا سبب تھا کہ بڑا بیٹا ہونے کے باعث اپنے باپ کے بعد بستی کی سرداری میرا حق تھا۔ یہ ایک طے شدہ اصول تھا جس کی کوئی خلاف ورزی نہیں کر سکتا تھا۔ میرا باپ اگر چاہتا بھی تو یہ چاہتا کہ میرے بجائے میرے چھوٹے بھائی گرلش کو اپنا جانشین مقرر کر دے تو وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ طریقوں کے بنے ہوئے قواعد و ضوابط کو وہ نہیں توڑ سکتا تھا۔

"ایک دن جب بات یہ تھی تو جیسے جیسے میں اور میرا بھائی بڑے ہوتے گئے، یہ صاف نظر آتا گیا کہ ہم دونوں کی شکلیں نفسیاً بالکل ایک جیسی ہیں۔ ہماری عادتیں بھی جڑواں بہنیں تھیں اور ہمارا مزاج ایک تھا۔ اس لیے یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی۔ ہم دونوں بھائیوں کی شکلوں میں اتنی یکسانیت تھی کہ لوگوں کو ہمیں پہچاننے میں دشواری پیش آتی تھی۔ تاہم ہم دونوں میں ایک واضح فرق تھا اور وہ یہ کہ میری پشت پر پیدائشی طور پر ایک ستارے کا نشان بنا ہوا ہے۔ قدرت نے اپنی پشت مجھے دکھاتے ہوئے کہا۔ جہاں دونوں شانوں کے بیچ میں ایک ستارے کا سا نشان بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔

"بستی کے دانشمندوں اور نجومیوں نے اس نشان کو میری خوش بختی کی علامت قرار دیا تھا اور میرے باپ کو یقین دلایا تھا کہ میں بہت اچھی اور کامیاب زندگی گزاروں گا۔ اب میں سوچتا ہوں کہ ان لوگوں کے اندازے کتنے غلط تھے!

"بہرحال، میری سوتیلی ماں اور گرلش خالہ یہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ میرے باپ کے بعد سرداری مجھے حاصل ہو۔ وہ اس کا اپنا بیٹا حکومت کی کرسی پر رہے۔ وہ اپنے بیٹے کو سردار بنانا چاہتی تھی، لیکن میری راہ میں یہ ممکن نہیں تھا اور وہ اس بات سے اچھی طرح واقف تھی۔

"جیسے جیسے ہم دونوں بھائیوں کی عمریں بڑھتی گئیں، ویسے ویسے شاویرا کی تشویش میں اضافہ ہوتا گیا اور میری ماں سے اس کے تعلقات خراب ہوتے گئے۔ وہ جان بوجھ کر میری ماں سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑا کرنے لگی اور طرح طرح سے اسے تنگ کرنے کی کوشش کرتی۔ لیکن میری ماں بڑے صبر و تحمل والی سمجھدار عورت تھی۔ اسے بڑی علم تھا کہ شاویرا حسد اور رقابت کے علاوہ احساس محرومی اور احساس کمتری کا شکار ہے۔ اس لیے وہ بالعموم شاویرا کی باتوں کو نظر انداز کر جاتی تھی۔ شاویرا گرلش کو بھی ہم دونوں ماں بیٹوں سے

دور رکھنا سکھا رہی تھی۔

"دیکھتے ہی دیکھتے دس سال کا عرصہ گزر گیا۔ اس عرصے میں میری ماں نے دو خوبصورت لڑکیوں کو جنم دیا۔ جن کی پیدائش پر کسی خاص خوشی کا اظہار نہیں کیا گیا۔ لیکن شاویرا کے ہاں اس کے بعد کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔ گرلش اس کی واحد اولاد تھا۔

"انہیں دنوں ہماری بستی میں ایک عجیب و غریب بیماری پھیل گئی جس کی لپیٹ میں آ کر بستی کے بہت سے لوگ مر گئے۔ اس بیماری میں مریض کو جانکاہ تیز بخار آ جاتا تھا اور اس کے ساتھ ہی قے ہونے لگتی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ختم ہو جاتا تھا۔ بستی کے حکیم اور سیانے بڑی تیزی سے اس بیماری کا توڑ دریافت کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے اور انہیں کسی حد تک کافی کامیابی بھی حاصل ہو چکی تھی۔ میری سوتیلی ماں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ ممکن ہے کہ وہ مجھے اور میری ماں کو بہت پہلے ہی مروا دیتی، لیکن شاید وہ ایسا کرنے کی جرأت اس وجہ سے نہ کر سکی کہ میرے زندہ کے ناش ہونے کا خطرہ تھا۔ اس صورت میں میرا باپ اسے زندہ نہ چھوڑتا کیونکہ وہ مجھ سے اور میری ماں سے بے حد محبت کرتا تھا اور میری تعلیم اور پرورش و پرداخت کا خاص خیال رکھتا تھا۔ لیکن اب جبکہ بستی میں بیماری پھیلی ہوئی تھی، اس نے ہم سب لوگوں کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا۔

"گھر کے اندر میری پرورش و پرداخت ایک معمر خاتون کے سپرد تھی جس کا نام شیرانہ تھا۔ میں اسے اپنی ماں شیرانہ کہتا تھا۔ وہ مجھ سے بے انتہا محبت کرتی تھی۔ ہمارے گھر میں دستور تھا کہ دن کا کھانا سارے گھر والے ایک ساتھ کھاتے تھے۔ اس موقع پر میرا باپ بھی موجود ہوتا تھا۔ اس کی دونوں بیویاں اور اولادیں بھی موجود ہوتی تھیں۔ رات کا کھانا میرا باپ باہر مردانے میں اپنے شریک اور دوستوں کے ساتھ کھاتا تھا۔ میری ماں، میں اور میری دونوں چھوٹی بہنیں ایک ساتھ کھانا کھاتے تھے اور شاویرا اور گرلش حویلی کے دوسرے حصے میں الگ کھانا کھاتے تھے۔

"اس رات حسب معمول میں، میری ماں اور میری دونوں بہنیں کھانا کھانے کے لیے بیٹھے۔ موسم بدل رہا تھا۔ گرمیاں رخصت ہو رہی تھیں اور موسم سرما کی آمد آمد تھی۔ ابھی میں نے نوالہ اٹھایا بھی نہیں تھا کہ اچانک مجھے بڑے زور کی چھینک آ گئی اور اس کے بعد متواتر کئی چھینکیں آتی چلی گئیں۔ مجھ پر نزلے کا ہلکا سا اثر ہو گیا تھا۔ میری ناک اور آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔ میری ماں نے کھانا چھوڑ کر مجھے اٹھا لیا لیکن تاں شیرانہ نے اسے روک لیا اور مجھے ساتھ لے کر غسل خانے چلی گئی اور جلدی سے میرے لیے پانی گرم کر کے لائی جس سے میں نے ہاتھ منہ دھویا۔ اس عرصے میں میری ماں اور چھوٹی بہنیں کھانا کھاتی رہیں۔ میری ماں نے مجھے بھی کھانے کے لیے بلایا لیکن میں نے کہا کہ میں تھوڑی دیر بعد کھاؤں گا کیونکہ اس وقت میرا کچھ کھانے کو بالکل جی نہیں چاہ رہا تھا۔ میں اپنے بستر پر جا کر خاموشی سے لیٹ گیا۔ لیکن ایک عجیب بات یہ ہوئی، جس کی اہمیت کا اس وقت مجھے قطعاً احساس نہیں ہوا کہ باورچن نے کئی دفعہ خود مجھ سے آ کر اصرار کیا کہ میں کھانا کھا لوں میں جھنجھلا بھی گیا کہ وہ میرے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہے، کیونکہ آج تک اس نے مجھ سے کبھی کھانے کے لیے اصرار نہیں کیا تھا۔ مجھے کھانا کھلانا میری ماں کا یا تاں شیرانہ کا کام تھا۔ مجبور ہو کر باورچن کھانا اٹھا لے گئی۔

"اور اس کے تھوڑی دیر بعد میری ماں اور چھوٹی دونوں بہنوں کو پے در پے قے ہونا شروع ہوئی۔ میرے باپ کو فوراً خبر کر دی گئی اور وہ بھاگتا ہوا آیا۔ فوراً طبیبوں اور سیانوں کو بلوانے کے لیے آدمی دوڑائے گئے، لیکن وہ تینوں جانبر نہ ہو سکیں اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے دم توڑ دیا۔ سب نے یہ سمجھا کہ وہ متعدی بیماری کا شکار ہو کر مر گئی ہیں۔ میرے باپ نے اپنے سر کے بال نوچ ڈالے اس نے اپنا سینہ کوٹا اور بچوں کی طرح گریہ و زاری کرنے لگا۔ میری حالت بہت خراب تھی۔ شدت غم سے میرا کلیجا پھٹا جا رہا تھا۔ میرے باپ کو تو اپنے حال کی ہی خبر نہیں تھی۔ اس موقع پر تاں شیرانہ وہ واحد ہستی تھی جس نے مجھے تسلی اور سہارا دینے کی کوشش کی۔ میری خالہ شاویرا بھی ظاہراً طور پر اس ماتم میں برابر کی شریک تھی۔

"دوسرے دن صبح کو میری ماں اور دونوں چھوٹی بہنوں کی تجہیز و تکفین عمل میں لائی گئی اور اس کے بعد ہماری حویلی ایک گہری اداسی میں ڈوب گئی۔ میرا باپ اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔ خالہ شاویرا اور گرلش اپنے کمرے میں چلے گئے۔ اس موقع پر تاں شیرانہ نے مجھے ایک ایسی بات بتائی جس نے میرے ننھے سے دل کو دہلا کر رکھ دیا۔ تاں شیرانہ نے بتایا کہ اس نے چھپ کر خالہ شاویرا اور باورچن کی گفتگو سنی ہے جس سے معلوم ہوا ہے کہ خالہ شاویرا نے باورچن کی مدد سے مجھے، میری ماں اور میری بہنوں کو ہلاک کر ڈالنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ یہ محض ایک اتفاق تھا کہ میں نے عین وقت پر کھانا نہیں کھایا اور میری جان بچ گئی، جبکہ میری ماں اور بہنیں ہلاک ہو گئیں۔ تاں شیرانہ نے مجھے سختی کے ساتھ ہدایت دی کہ میں اس کے علاوہ کسی بھی شخص کی دی ہوئی چیز کو ہرگز نہ کھاؤں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ اس وقت میرے باپ کو یہ بات بتانا نہیں چاہتی کیونکہ وہ نہیں جانتی کہ میرا باپ اس بات پر یقین کرے گا یا نہیں اور اگر میرے باپ نے اس کی بات کا یقین نہیں کیا تو اس کے لیے سخت مشکلات پیدا ہو جائیں گی اور شاویرا اس کی بھی جان کی دشمن ہو جائے گی۔

"میں نے تاں شیرانہ کی باتوں کو گرہ میں باندھ لیا۔ میں اس وقت دس سال کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ لیکن میرے اور میری ماں کے خلاف جو گھناؤنی سازش کی گئی تھی، اس کی اطلاع نے میری دنیا بدل ڈالی اور میں چند لمحوں کے اندر اندر ذہنی عمر کے کئی سال پھلانگتا چلا

Scanned by Waqar Azeem

aazzamm@yahoo.com

گیا۔ اماں شیرانہ نے مجھے یہ بھی بتا دیا تھا کہ خالہ شاویرا میری جان کی دشمن کیوں بن گئی ہے۔

"میری ماں کے انتقال کے چند روز بعد جب میرے باپ کی حالت کچھ سنبھلی تو اماں شیرانہ نے میرے باپ سے کہا کہ مجھے مکمل طور پر اس کے حوالے کر دیا جائے۔ وہ پورے طور سے میرا خیال رکھے گی اور مجھے کبھی ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دے گی۔ میں نے اماں شیرانہ کی پہلے سے دی ہوئی ہدایت کے مطابق اپنے باپ سے کہا کہ میں اماں شیرانہ کے ساتھ ہی رہنا چاہتا ہوں۔ میرا باپ اماں شیرانہ کی بہت عزت کرتا تھا اور اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ مجھے کتنا چاہتی ہے چنانچہ اس کی اجازت سے مجھے اماں شیرانہ کی تحویل میں دے دیا گیا۔ میری خالہ شاویرا نے اس کی سخت مخالفت کی اور میرے باپ سے یہ کہا کہ میری پرورش و پرداخت وہ اپنی نگرانی میں کرنا چاہتی ہے لیکن میرا باپ اپنے فیصلے پر قائم رہا اور خالہ شاویرا کا منصوبہ کامیاب نہ ہو سکا۔

"میں اور میرا بھائی گراٹس اب تیس سال کے ہو چکے تھے۔ گراٹس مجھ سے سخت نفرت کرتا تھا۔ اس کی ماں نے اسے علیحدگی بھی دی تھی لیکن میں نے اس سے کبھی نفرت نہیں کی بلکہ اس کمزور کو اس کی غلط تربیت اور احساس کمتری کا نتیجہ سمجھ کر نظر انداز کرتا گیا۔ خالہ شاویرا کی مجھ سے نفرت کی کوئی ٹھوس وجہ نہیں تھی لیکن اب اس کا کوئی داؤ مجھ پر چلنا مشکل تھا کیونکہ میں جوان ہو چکا تھا اور بستی کے سارے لوگ مجھ سے محبت کرتے تھے۔ میں ہمیشہ ان کے دکھ درد میں شریک رہتا تھا اور ان کے کام آتا تھا جبکہ اس کے برخلاف میرے ہم شکل بھائی گراٹس سے لوگوں کو ہمیشہ شکایتیں رہتی تھیں۔ بستی کی لڑکیوں کے ساتھ اس کی چھیڑ چھاڑ کے واقعات عام تھے۔ میرا باپ اب کافی بوڑھا ہو چکا تھا۔ وہ گراٹس کو سمجھانے کی بہت کوشش کرتا۔ لیکن گراٹس اس کی باتوں پر کوئی توجہ ہی نہیں دیتا تھا۔ میرے باپ نے کئی بار مجھ سے بھی کہا کہ میں گراٹس کو سمجھاؤں لیکن میں نے اسے بتایا کہ وہ مجھ سے سخت نفرت کرتا ہے اور میری کوئی بات نہیں سنے گا۔

"اچانک میرا باپ بہت بیمار پڑ گیا اور یوں لگا جیسے اس کے آخری دن قریب آ گئے ہیں۔ میں نے ایک شام کو مجھے گراٹس اور خالہ شاویرا کو اپنے پاس بلایا۔ اس وقت میرے باپ کے چند ناطہ بھی وہاں موجود تھے۔ ان سب لوگوں کی موجودگی میں میرے باپ نے کہا کہ اب وہ اپنی بیماری کے سبب تخت نشینی سے دست بردار ہونا چاہتا ہے اور بستی کی سرداری میرے سپرد کر دینا چاہتا ہے۔ اس نے اپنے ناطہین کو ہدایت دی کہ اس بات کا اعلان کر دیں کہ آج سے ٹھیک ایک ہفتے بعد میری تخت نشینی ہو گی۔ سب نے میرے باپ کی رائے سے اتفاق کیا اور مجھے مبارک باد دی۔ خالہ شاویرا نے بھی مجھے مبارک باد دی لیکن میں اس کی آنکھوں میں بھڑکتی ہوئی نفرت کو دیکھ کر لرز گیا۔ خالہ شاویرا کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ اس کے ذہن میں کوئی خطرناک منصوبہ مرا جا رہا ہے۔ گراٹس نے مجھے مبارکباد دینے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ اس کے چہرے پر سخت بیزاری کے آثار تھے۔ میں نے اپنے چچا باپ کے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگایا اور انہیں بوسہ دیا۔ اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کی درازی عمر کے لیے دعا کی۔ میرا باپ مجھ سے بہت خوش ہوا۔

"اپنے باپ کے پاس سے واپس آ کر میں سیدھا اماں شیرانہ کے پاس پہنچا اور اسے یہ خبر سنائی۔ وہ اس خبر سے خوش ہوئی لیکن اس نے مجھے ہوشیار رہنے کی تلقین کی۔ اس نے اس خیال کا اظہار کیا کہ شاویرا اس معاملے کو اتنی آسانی سے ختم نہیں ہونے دے گی اور کوئی نہ کوئی خطرناک حرکت ضرور کرے گی۔ اور جیسا کہ بعد کے حالات سے ثابت ہوا، اماں شیرانہ کا اندازہ بالکل درست تھا۔

"اگلے دن کو میرے باپ نے مجھے دوبارہ بلایا اور تنہا اس کے پاس گراٹس اور وہ اس کے اس فیصلے پر ناخوش تھے۔ وہ خود سرداری کا متمنی تھا۔ اس نے دھمکی دی ہے کہ اگر اس کی بات نہ مانی گئی تو وہ کہیں چلا جائے گا۔ میرے باپ نے اس سے کہا کہ اس کا فیصلہ اٹل ہے۔

"اس واقعے کے دوسرے دن کا ذکر ہے کہ میرے ہم شکل بھائی گراٹس نے مجھے شام کے وقت جھیل کے کنارے چل کر تیر کی مشق کرنے اور مرغابیوں کے شکار کا مقابلہ کرنے کی دعوت دی۔ اس میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ گراٹس مجھے کمتر ثابت کرنے کے مقابلوں کی دعوت دیا کرتا تھا کیونکہ اس کی یہ کوشش رہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح کسی مقابلے میں وہ مجھے نیچا دکھا سکے۔ یہ مقابلے کم زیادہ تر مقابلے میں جیت لیتا تھا لیکن کمتر لوگ بھی ہوتا تھا۔ گراٹس کو مجھ سے زیادہ تر مقابلے میں حاصل ہوتی تھی۔ اس کی موقع پرستی کی خوشی قابل دید ہوتی تھی۔ اس کی اس خوشی میں بھی میرے لیے نفرت کا عنصر شامل ہوتا تھا۔

"میں اور گراٹس جب جھیل کے کنارے پہنچے تو سورج غروب ہونے والا تھا اور ہر طرف دھندلکا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں نے گراٹس سے کہا کہ مرغابیوں کے شکار کے لیے یہ وقت مناسب نہیں ہے۔ لیکن اس نے ایک عجیب سے ناماتوں سے لہجے میں جواب دیا کہ اس سے زیادہ بہتر وقت اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور ابھی گراٹس کے منہ سے یہ بے الفاظ ادا نہیں ہوئے تھے کہ اچانک جھیلے کے پیچھے سے کئی مسلح آدمی نکل آئے اور انہوں نے دھاوا بول کر مجھے پکڑ لیا۔ میں کمزور تھا اور وہ کئی تھے۔ مجھے کنارے پر لا کر پٹخ دیا گیا۔ دور دور تک کوئی آدمی موجود نہیں تھا۔ اب گراٹس کی سازش میری سمجھ میں آ گئی۔ لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہ لوگ مجھے پکڑ کر ایک بڑے جھیلے کی اوٹ میں لے گئے جہاں انہوں نے میرا لباس

اتار دیا۔ گراٹس نے بھی اپنا لباس اتارا اور میرا لباس پہن لیا۔ ان لوگوں نے مجھے گراٹس کا لباس پہنا دیا۔ میرا لباس پہن لینے کے بعد گراٹس نے ان لوگوں کو دیکھ کر مکاری سے مسکرایا اور کہنے لگا۔ "اب میں گاوت ہوں۔ اس بستی کا ہونے والا سردار۔ اور تم میں سے کوئی بھی شخص مجھے دیکھنے کے بعد اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ میں گاوت ہوں۔ اس بستی کا ہونے والا سردار۔ اور تم میں سے کوئی گراٹس ہونے پر اپنے باپ سے رو گا کہ کہیں چلا گیا ہے کیونکہ اس کے باپ نے اس کے بجائے اس کے بھائی گاوت کو سرداری عطا کی ہے جبکہ دونوں کی عمروں میں محض تین ماہ کا فرق ہے۔ ایسا فرق نہیں جس کی بنیاد پر گاوت کو گراٹس پر فوقیت دی جائے۔ بہرحال اب تم کچھ دنوں تک قید خانے میں رہو گے کیونکہ تمہارا یہاں رہنا مناسب نہ ہو گا۔ لیکن عنقریب تمہاری زندگی کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔"

ان لوگوں نے مجھے ایک خفیہ قید خانے میں لا کر بند کر دیا۔ یہ قید خانہ پہاڑی کے دامن میں لوگوں کی نظروں سے چھپا ہوا تھا۔ یہ سزا تھا جسے کسی زمانے میں اندر ہی اندر چٹانوں سے تراش کر بنایا گیا تھا۔ یہ شاید کسی کے تہہ خانے کی جگہ تھی۔ یہ غار اندر سے کسی کمرے کی طرح تھا اور اس میں باقاعدہ لکڑی کا ایک دروازہ بھی لگا ہوا تھا جس کو ان لوگوں نے باہر سے بند کر دیا تھا۔ مجھے تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔

"میں دو دن تک بھوکا پیاسا اسی طرح غار کے اندر بند رہا۔ اس نے کر میری خبر بھی نہ لی۔ یہ غار بستی سے اتنی دور تھا کہ میرے چلانے کی گونج کے علاوہ اور کوئی آواز بھی نہیں سنائی دیتی تھی۔ کئی مرتبہ زور زور سے غار کے اندر چلایا۔ میں نے دروازہ پیٹ کر اپنے ہاتھ بھی زخمی کر لیے۔ لیکن کسی نے میری آواز نہیں سنی اور میری مدد کو نہیں آیا۔

"تیسرا دن گزرنے کے بعد تقریباً آدھی رات کو مجھے غار کے باہر کچھ عجیب سی انسانی قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔ پھر دروازہ کھول دیا گیا اور پھر دروازہ کھل گیا۔ سب سے آگے ایک مشعل لیے ہوئے اماں شیرانہ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ دو آدمی تھے اور میں انہیں پہچانتا تھا۔ ایک اماں شیرانہ کا بیٹا وارک تھا۔ دوسرا شخص ان لوگوں میں سے ایک تھا جنہوں نے مجھے دھوکے سے گرفتار کیا تھا۔ اماں شیرانہ نے مجھے زندہ دیکھ کر اطمینان اور مسرت کی سانس لی۔

"اماں شیرانہ نے مجھے بتایا کہ چونکہ اسے شاویرا کی طرف سے خطرہ محسوس ہوتا تھا اس لیے اس نے اپنے بیٹے وارک کے ایک خاص دوست خارم کو ایک سچے پیچھے منصوبے کے تحت گراٹس کے مخصوص خصوصی میں شامل کروا دیا تھا اور خارم نے گراٹس کا اعتماد کر کے راز حاصل کر لیا تھا کہ گراٹس کی کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ اس بات کا علم اماں شیرانہ، اس کے بیٹے وارک اور خود خارم کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا۔ حتیٰ کہ مجھے بھی نہیں۔ خارم کو میری گرفتاری کے منصوبے کا علم محض چند گھنٹے پہلے ہوا تھا کیونکہ اس دن صبح سے اس کی طبیعت خراب تھی اور وہ گھر سے نہیں نکلا تھا۔ گراٹس خود اس کے گھر آیا اور اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ اس لیے خارم کو اس کا موقع نہیں مل سکا کہ وہ وارک یا اماں شیرانہ کو پہلے سے مطلع کر دیتا۔ حالانکہ میری گرفتاری کے فوراً بعد ان لوگوں کو اس بات کا علم ہو گیا تھا لیکن فوری طور پر کوئی کارروائی ممکن نہیں تھی کیونکہ گراٹس کے آدمی برابر چکر لگا رہے تھے۔ اماں نے انہیں ہدایت دی تھی کہ اگر کوئی گڑبڑ محسوس کریں تو جتنے دامن ہیں بند کر دیں۔ میری بھی جان کو خطرہ تھا۔

"اماں شیرانہ نے مجھے یہ بھی بتایا کہ گراٹس نے بستی کے باہر سے بہت سے لوگوں کو بلا کر بھاری تنخواہیں دے کر ایک چھوٹی سی فوج تیار کر لی ہے جس کے سپاہی صرف گراٹس کے وفادار ہیں۔ مجھے بند کرنے کا کام بھی انہیں سپاہیوں سے لیا جائے گا اور تخت نشینی کے اعلان کے فوراً بعد گراٹس مجھے قتل کروا دے گا۔ اگر ساری بستی میں یہ بات مشہور کر دی ہے کہ گاوت کی تخت نشینی کی خبر سے گراٹس کو بہت صدمہ پہنچا ہے اور وہ بستی کو چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہے اور اس کی تلاش میں چاروں طرف آدمی دوڑا دیے گئے ہیں۔ اس کی ماں شاویرا اس کی گمشدگی سے بہت پریشان ہے اور اس نے گریہ و زاری کا خوب ناٹک رچایا ہوا ہے۔ ادھر گراٹس، گاوت کا روپ دھار کر اپنی تخت نشینی کی تیاریوں میں مصروف ہے۔

"ہم لوگ اس غار سے باہر نکل آئے۔ ابھی محض چند قدم ہی آگے بڑھے ہوں گے کہ دور سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی جو تیزی سے اس طرف بڑھ رہی تھی۔ اماں شیرانہ نے جلدی سے مشعل بجھا دی اور ہم چاروں بڑی تیزی سے غار سے باہر نکل کر اندھیرے میں ایک طرف کو چل پڑے۔ اماں شیرانہ نے سرگوشیوں میں کہا کہ وہ اور وارک ایک ساتھ چھپتے چھپاتے بستی کی طرف نکل جائیں گے اور خارم کو ہدایت دی کہ وہ مجھے اپنے ساتھ رکھے۔ گھوڑ سوار تیزی سے ہمارے پاس سے نکلتے چلے گئے اور ہم لوگ رات کی گہری تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں سے فرار ہو گئے۔ خارم مجھے ایک بوڑھے لکڑہارے کی جھونپڑی میں لے کر آیا۔ اس نے مجھے لکڑیوں کے ایک بڑے سے ڈھیر کے پیچھے چھپا دیا اور خود وہاں سے چلا گیا۔ لکڑہارے کی یہ جھونپڑی اس وقت خالی تھی کیونکہ خارم کی اطلاع کے مطابق بوڑھا لکڑہارا آج رات اپنی بیٹی کا مہمان تھا۔ میں ساری رات اس جھونپڑی میں چھپا رہا۔ رات ختم ہونے سے ذرا دیر پہلے خارم میرے پاس آیا اور اس نے اطلاع دی کہ کل شام کو میرے والد کا انتقال ہو گیا اور گراٹس نے، جو گاوت بنا ہوا تھا، میری تلاش میں اپنے خونخوار سپاہیوں کو چھوڑ دیا ہے اور انہیں حکم دیا ہے کہ مجھے

Scanned by aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

دیکھتے ہی قتل کر دیں۔ اس لیے اماں شیرانہ نے مشورہ دیا ہے کہ میں اپنی جان بچاؤں اور یہاں سے نکل جاؤں۔ شاید اور گرائش میرے خون کے پیاسے ہیں۔

"خارم اپنے ساتھ میرے لیے دو سرا لباس لایا تھا اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں تھیں جن میں خاصی تعداد میں ہتھیار شامل تھے۔ خارم نے بتایا کہ اماں شیرانہ کی ہدایت کے مطابق وہ میرے ساتھ رہے گا اور میری حفاظت کرے گا۔ اماں شیرانہ کو امید تھی کہ وہ جلد ہی بستی کے دوسرے معتمد لوگوں سے مل کر حالات کو ٹھیک کر لے گی، لیکن اس وقت سب سے بڑا مسئلہ میری جان بچانے کا تھا۔

میں اور خارم ڈھلتی رات کی سیاہی میں بوڑھے لکڑہارے کے جھونپڑے سے نکلے اور چھپتے چھپاتے بستی سے بہت دور نکل آئے جب صبح کا اجالا پھیلا تو ہم نے اپنے آپ کو ایک گھنے جنگل کے سامنے پایا۔ ہمارے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا کہ گھنے جنگل میں داخل ہو جائیں اور وہاں کچھ عرصے تک روپوش رہیں۔ اس کے بعد خارم کسی مناسب موقع سے بستی میں داخل ہو اور اماں شیرانہ سے ملاقات کر کے صورتِ حال معلوم کرے۔ ہم دونوں ابھی جنگل میں داخل ہوئے ہی تھے کہ دور سے ہمیں بستی کی سمت سے گھوڑ سوار آتے ہوئے نظر آئے۔ ہم دونوں جلدی سے ایک درخت پر چڑھ گئے اور اس کی ٹہنیوں میں چھپ گئے۔ گھوڑ سوار تیزی سے ہمارے نیچے سے نکلتے چلے گئے۔ ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے نیزے تھے تاکہ اگر ان کا شکار بھاگنے کی کوشش کرے تو اسے دور سے نیزہ پھینک کر ہلاک کر دیں۔

"پھر ہوا یوں میرے دوست کہ ہم دونوں جنگل میں آگے ہی آگے چلتے گئے اور یہاں تک کہ اس جگہ آ گئے جہاں پر اس وقت ہم دونوں موجود ہیں۔ میں نے اور خارم نے مل کر دو درختوں کی بڑی بڑی شاخوں پر یہ جھونپڑی بنائی۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ ہمیں کب تک یہاں رہنا ہوگا۔ اس لیے خارم ضرورت کی بہت ساری چیزیں اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ انہیں چیزوں میں یہ سنگھ بھی شامل تھا جسے تم اس وقت میرے ہاتھ میں دیکھ رہے ہو۔ سنگھ کی تیز آواز سے جنگلی درندے ڈر کر بھاگ جاتے ہیں۔

"ہمیں جنگل میں اس جگہ رہتے ہوئے تقریباً ایک ہفتہ گزرا ہوگا کہ ایک دن اچانک خارم کو ایک زہریلے سانپ نے کاٹ لیا اور وہ چل بسا۔ اور میں جنگلی درندوں کے درمیان اس ویرانے میں تنہا رہ گیا۔ بچپن میں ماں اور بہنوں کی المناک موت، پھر باپ کی وفات، خالہ اور بھائی کی سازشوں اور پھر خارم کی ناوقت اور جنت ناک موت نے میرے دل کو اس فانی دنیا سے اچاٹ کر دیا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ جب تک میری زندگی ہے۔ میں اس ویرانے میں دن گزاروں گا اور ایک دن خاموشی سے یہیں مر جاؤں گا۔ میرے دل میں تاج و تخت، سلطنت، سرداری اور دولت کی کوئی طمع باقی نہیں رہی تھی۔ میں ایک تارک الدنیا شخص ہوں، اور آج ایک طویل عرصے کے بعد میں نے ایک انسان کی شکل دیکھی ہے۔ اگر مجھے ہر سال بدلنے والے موسموں کے حساب سے دیکھا جائے تو میں اس ویرانے میں عمر عزیز کے آٹھ سال گزار چکا ہوں، اور مجھے حیرت ہے کہ میں اب تک کیسے زندہ ہوں۔"

"آٹھ سال!" میں نے گاوت کی طویل داستان سننے کے بعد حیرت سے کہا۔ "کیا اس طویل عرصے کے دوران کبھی تمہارے دل میں خواہش پیدا نہیں ہوئی کہ تم ایک بار اپنی بستی میں اپنے لوگوں میں واپس جاؤ؟"

"شروع کے چند سال کے دوران یہ خواہش ایک آدھ بار میرے دل میں پیدا ہوئی تھی۔" گاوت نے جواب دیا۔ "اور ایک بار تو میں بستی کی سمت کا تعین کر کے جنگل میں کافی آگے تک بھی چلا گیا تھا، لیکن پھر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور واپس چلا آیا۔ اس لیے میں یہ نہیں جانتا کہ اب لاتاق میں میرا کون بیٹھا ہے سوائے اماں شیرانہ کے اور معلوم نہیں کہ وہ بھی زندہ ہوگی یا مر کھپ گئی ہوگی۔ ہو سکتا ہے خارم اور خارم کی اچانک گمشدگی کے بعد میرے بھائی گرائش کو موقع مل گیا ہو کہ میری جان بچانے میں اماں شیرانہ کا ہاتھ ہے اور اس نے اسے مروا ڈالا ہو۔ میرا بھائی میرے خون کا پیاسا بیٹھا ہے۔ مجھے دیکھتے ہی قتل کروا دے گا۔ اس صورت میں میں لاتاق جا کر کیا کروں گا۔" گاوت کی آواز شدتِ جذبات سے بھرا گئی۔

"تم لاتاق جاؤ گے۔ ضرور جاؤ گے۔" میں نے پرجوش لہجے میں کہا۔ "لیکن ایک مفرور قیدی کی حیثیت سے نہیں، بلکہ بستی کے حکمران اور سردار کی حیثیت سے۔"

"عرصہ ہوا کہ میں نے یہ خواب دیکھنا چھوڑ دیا ہے اور میری نظر میں ساری دنیا ہیچ ہے۔" گاوت نے افسردگی کے ساتھ جواب دیا۔ پھر وہ اچانک بولا۔ "میں نے تمہیں اپنی اتنی لمبی چوڑی داستان سنا دی لیکن تم نے تمہارا نام تک نہ پوچھا۔ میں معافی چاہتا ہوں۔ دراصل آج تقریباً آٹھ سال کے بعد میں نے کسی انسان سے گفتگو کی ہے اور میں گفتگو کے آداب بھی فراموش کر چکا ہوں۔"

ابھی گاوت اپنی بات بھی ختم نہیں کر پایا تھا کہ ایک طرف سے خوک خوک کی تیز آوازیں آنے لگیں، ایک چھرا ہوا نوجوان بے حد قوی جنگلی سؤر اپنی تھوتھنی کو آگے کیے ہوئے ایک طرف سے بڑی تیزی کے ساتھ ہماری سمت بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔ گاوت نے فوراً سنگھ اپنے منہ سے لگا لیا اور زور زور سے اسے پھونکنے لگا، لیکن میں نے سنگھ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" وہ بری طرح چیخا۔ "جلدی سے ایک طرف ہو جاؤ۔ سؤر تیزی کے ساتھ ہو نہیں سکتا۔ وہ کچھ دور آگے جا کر مڑے گا۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا ہاتھ پکڑ کر سؤر کے

راستے سے ہٹانے کی کوشش کی، لیکن میں اسے ایک طرف ڈھکیل کر سؤر کے راستے میں کھڑا ہو گیا اور عین اسی وقت سؤر میرے بالکل قریب آ گیا۔

"جلدی سے ایک طرف ہٹو۔ یہ بہت خطرناک جانور ہے۔" گاوت پوری قوت سے چلایا لیکن اس کے بعد وہ کچھ نہیں بولا کیونکہ حیرت نے اس کی زبان کو گنگ کر دیا تھا۔ ہماری بھرکم سؤر تیزی سے چھلانگ مارتا ہوا آیا اور میں نے تھوڑا سا آگے جھک کر اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے کر دیے۔ سؤر پوری قوت کے ساتھ میرے ہاتھوں سے ٹکرایا اور اس کے منہ سے ایک بھیانک آواز نکلی۔ وہ زمین پر گر گیا۔ میں نے زور سے اس کے ایک لات رسید کی اور اس کا منوں وزنی جسم گیند کی طرح فضا میں اچھلا اور ایک قریبی چٹان پر گر کر خون میں نہا گیا۔

بے یقینی اور حیرت کے مارے گاوت کی آنکھیں جیسے ابلی پڑ رہی تھیں۔ "تم... تم کون ہو میرے دوست؟ تمہارے اندر تو انسانی کایا نہیں کہاں سے آ گئی؟ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا اور یہ سؤر اتنی قوت کے ساتھ مجھ سے ٹکراتا تو میرے جسم کی کوئی ہڈی سلامت نہیں رہتی۔ تمہارے اندر اتنی قوت کہاں سے آ گئی کہ تم نے اسے کسی چوہے کی طرح اچھال دیا؟"

"یہ کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے۔" میں نے بات ٹالنے کی غرض سے کہا۔ "ہاں تو تم میرا نام پوچھ رہے تھے۔ دراصل میرا کوئی نام نہیں۔ تم اپنی مرضی سے میرا کوئی نام رکھ دو۔"

"عجیب آدمی ہو۔ کبھی کہتے ہو میرا کوئی وطن نہیں، کبھی کہتے ہو میرا کوئی نام نہیں۔ آخر نام کے بغیر کسی انسان کی شناخت کیسے ہو سکتی ہے؟" گاوت نے کہا۔

"چلو تم ہی میری کوئی شناخت مقرر کر لو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم میرا جو بھی نام رکھ دو گے، مجھے منظور ہوگا۔"

"میرے دادا کا نام شادل تھا۔" گاوت نے کہا۔ "اور لوگ بتاتے ہیں کہ وہ غیر معمولی طور پر بہادر اور قوی تھا۔ شاید تمہاری طرح۔ جب میں نوجوان تھا تو اکثر سوچتا تھا کہ جب میری شادی ہوگی اور میرا پہلا بیٹا پیدا ہوگا تو میں اس کا نام اپنے دادا کے نام پر شادل رکھوں گا۔ میرا یہ خواب تو پورا نہ ہو سکا، لیکن اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو میں تمہیں شادل کے نام سے پکاروں؟"

"ضرور۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے تمہارا دیا ہوا نام پسند ہے۔"

تو پروفیسر اس طرح میں شادل بن گیا۔ شہزور پیچھے رہ گیا۔ اس سے بھی پیچھے رہ گیا۔ اور میرے ہزاروں نامور ناموں کی طرح یہ نام بھی ماضی کے تہاں خانوں میں دفن ہو گئے اور اب میں ایک نئی شخصیت اختیار کر کے شادل بن چکا تھا۔

"تم اس جنگل میں کب تک قیام کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" گاوت نے مجھ سے پوچھا۔ "یقیناً یہ تمہاری منزل تو نہیں ہے؟"

"میری کوئی منزل نہیں، اور ہر جگہ میری منزل ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اب جبکہ تم مجھے مل گئے ہو تو اس وقت تک میں تمہارے ساتھ رہوں گا جب تک کہ تمہیں لاتاق کی سرداری واپس نہ دلوا دوں۔ مجھے تم سے دلی ہمدردی ہے اور تمہاری مدد کر کے مجھے بے انتہا خوشی ہوگی۔"

"میں یہ مانتا ہوں کہ تم واقعی بہت بہادر ہو، اور ابھی ابھی تم نے میرے سامنے نئی بہادری کا ایک عمدہ مظاہرہ بھی کیا ہے، لیکن میرے دوست، کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اور تم، ہم دونوں آدمی گرائش اور اس کی فوجوں کا مقابلہ کر لیں گے اور انہیں مغلوب کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے؟" گاوت نے پوچھا۔

"میں نے نا ابتدا اور مایوس ہونا نہیں سیکھا۔" میرے دوست۔" میں نے کہا۔ "خیر اس بات کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ لاتاق میں یہ بات کتنے لوگوں کو معلوم ہے کہ گاوت کی پشت پر پیدائشی طور پر ایک ستارے کا نشان موجود ہے؟"

"بستی کی بیشتر آبادی اس بات سے واقف ہے، کیونکہ میری پیدائش کے بعد نجومیوں اور سیانوں نے اس نشان کی اہمیت پر بہت زور دیا تھا اور ساری بستی والوں کو یہ خوش خبری سنائی گئی تھی کہ میرے گھر پیدا ہونے والا بیٹا بڑا خوش نصیب ثابت ہوگا۔ خوش نصیب! ہنہ۔" گاوت نے تلخ سا منہ بنایا۔

"ٹھیک ہے گاوت۔" میں نے جواب دیا۔ "ابھی چند روز تک تو میں تمہارے ساتھ اسی جگہ قیام کروں گا اور اس عجیب و غریب زندگی سے لطف اندوز ہوں گا جو تم گزار رہے ہو۔ اس کے بعد میں اور تم، دونوں لاتاق چلیں گے اور وہاں چل کر حالات کا جائزہ لیں گے۔ تم اگر اپنے موجودہ حلیے میں لاتاق میں داخل ہو گے تو کوئی شخص بھی تمہیں پہچان نہیں سکے گا۔ حتیٰ کہ اگر تمہاری اماں شیرانہ بھی ابھی تک زندہ ہوگی تو تمہیں نہیں پہچان سکے گی۔ ایک بار لاتاق میں داخل ہو جانے کے بعد میں اور تم کوئی منصوبہ بنائیں گے۔"

"میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ مجھے اب ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے اور نہ میں کسی منصب کا خواہاں ہوں البتہ تم اگر لاتاق کی سیر کرنے کے لیے وہاں جانا چاہتے ہو تو میں تمہیں ضرور لے چلوں گا۔ ویسے واقعی لاتاق ہے واقعی دیکھنے کی چیز۔ تمہیں وہاں کی سیر کرانے کے بعد میں واپس اپنے گوشۂ تنہائی میں لوٹ آؤں گا۔"

چنانچہ پروفیسر میں تقریباً سات آٹھ دن تک گاوت کے ساتھ اس جنگل میں رہا۔ معلق جھونپڑی میں راتیں گزارنے کا میری زندگی میں یہ پہلا تجربہ تھا اور میں اس تجربے سے بہت لطف اندوز ہوا۔ رات کو جب خوب تیز ہوا چلتی اور درختوں کی موٹی موٹی شاخیں آہستہ آہستہ ہلتیں تو ان کے اندر قائم جھونپڑی بھی

aazzamm@yahoo.com

ہونے ہونے لگنے لگتی اور ایسا معلوم ہوتا گویا ہم لوگ جھولے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ گاوت اور خارگ نے یہ جھونپڑی اتنی عمدگی سے بنائی تھی کہ ایک بار اس کا دروازہ بند ہو جانے کے بعد کسی سانپ تک کے اندر داخل ہونے کی گنجائش نہیں تھی۔ جھونپڑی میں رات گزارنے والے ہر طرح سے محفوظ تھے۔ تختوں کے بیچ بیچ میں تھوڑی تھوڑی سی باریک جھریاں بنائی گئی تھیں جن سے تازہ ہوا اندر آتی تھی۔ ان دنوں کے دوران ہم شکار کا تازہ گوشت کھاتے رہے اور اب مجھے معلوم ہوا کہ اس جھونپڑی کے قریب ہی ٹھنڈے پانی کا ایک اور چشمہ بھی موجود ہے۔ یہی وجہ تھی کہ گاوت مجھے پہلے والے چشمے پر دوبارہ نہیں لایا تھا۔

بالآخر ایک دن علی الصباح ہم لوگ جنگل سے روانہ ہو گئے۔ گاوت نے بستی لاتاق کی سمت کا تعین کیا اور ہم اس طرف روانہ ہو گئے۔ ہمارا سفر تقریباً ایک ہفتے تک جاری رہا اور تب کہیں جا کر جنگل کے گھنے پن میں کمی آنی شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ جنگل بالکل ختم ہو گیا اور چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں، ٹیلوں اور کھلے میدان کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ گاوت نے مجھے بتایا کہ اگر ہم دن بھر سفر کریں تو اس طویل میدان کو پار کر لیں گے اور اس کے بعد لاتاق کی بستی ہمارے نظروں کے سامنے ہوگی۔

وہ تعداد میں تین تھے اور شاید کسی فاتح فوج کے سپاہی تھے یا لٹیرے تھے۔ وہ تینوں سفید براق گھوڑوں پر سوار تھے۔ تمام ہتھیاروں سے لیس۔ ان کے پاس گٹھڑیوں میں بندھا ہوا بہت سا سامان بھی موجود تھا۔ وہ اچانک ہی ہمارے سامنے آ گئے اور انہوں نے ہمیں گھیرے میں لے لیا۔ تینوں نے تلواریں سونت لی تھیں۔

"تم لوگ کون ہو اور اس ویرانے میں کیا کر رہے ہو؟" ان میں سے ایک نے کڑک کر پوچھا۔

"ہم آوارہ گرد مسافر ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "بستی بستی قریہ قریہ گھومتے پھرتے ہیں، یہی ہمارا مشغلہ ہے اور یہی ہماری زندگی ہے۔"

"لیکن ہم ایسی زندگی کے قائل نہیں ہیں۔" اس شخص نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھوں سے شقاوت ٹپک رہی تھی۔ "میرا خیال ہے کہ تم لوگ ضرور کوئی جاسوس اور بہروپیے ہو۔ بہرحال میں تمہیں زندہ چھوڑ کر کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔" اور اس نے اچانک اپنی تلوار میرے سر پر مار دی۔ دوسرے لمحے میں میں نے اپنی تلوار کے اسے گھوڑے سے گھسیٹ کر اس کے دوسرے ساتھی کی طرف اچھال دیا۔ ان دونوں کی تلواریں ایک دوسرے کے جسم میں گھس گئیں۔ اتنے میں گاوت نے اپنی تلوار کھینچ لی تھی۔ تیسرا آدمی گھوڑا پیچھے کر کے گاوت پر حملہ آور ہوا لیکن گاوت پھرتی سے وار بچا گیا۔ میں نے اس تیسرے آدمی کو گھوڑے سے گھسیٹ کر اس کا قصہ پاک کر دیا۔ گاوت تصویرِ حیرت بنا مجھے دیکھ رہا تھا۔

"چلو جلدی کرو۔" میں نے گاوت کی حیرت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "ہم دونوں کے جسموں پر پورے لباس نہیں ہیں اور قدرت نے ہمیں یہ ایک اچھا موقع فراہم کر دیا ہے۔ ان کے لباس اتار کر پہن لو۔ ان کے گھوڑوں پر قبضہ کر لو۔"

ہم دونوں نے ان کے لباس پہن لیے اور سامان کی گٹھڑیوں کو کھول کر دیکھا۔ ان میں زادِ راہ بھرے ہوئے تھے۔ ہم یہ سامان چیزیں سنبھال کر گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور لاتاق کی طرف روانہ ہو گئے۔ اب ہم گھوڑوں پر سوار ہونے کی وجہ سے جلد ہی لاتاق پہنچنے والے تھے۔

دوپہر کے کچھ دیر بعد دور سے ایک پہاڑی سلسلہ نظر آنے لگا۔ "اسی وادی کا نام وادیٔ لاتاق ہے۔" گاوت نے کہا۔ "اور اسی میں لاتاق کی بستی آباد ہے۔"

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ہم اس پہاڑی سلسلے کے قریب پہنچ گئے اور ایک کشادہ درے سے اندر داخل ہوئے۔ سامنے ایک بہت وسیع و عریض وادی تھی۔ چاروں طرف بلند پہاڑ سر اٹھائے کھڑے تھے اور بیچ میں بستی تھی۔

"اب ہم وادیٔ لاتاق میں داخل ہو گئے ہیں۔" گاوت نے کہا۔ اس کی آواز فرطِ جذبات سے کانپ رہی تھی۔ "آٹھ سال بعد پورے آٹھ سال کے بعد میری نگاہیں اس جگہ کو پہچانے بغیر نہ رہ سکیں۔ دیکھ رہی ہیں شادی، اگر تم نہ ملتے تو شاید میں زندگی میں کبھی اس منظر کو دوبارہ نہ دیکھتا۔"

"اور یقین کرو کہ اب تمہیں یہاں سے جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔" میں نے کہا۔

ہم لوگ آگے بڑھتے گئے۔ اب ہم بستی کے کافی قریب ہو گئے تھے۔ اچانک ہماری نظر ایک چھوٹے سے پہاڑی ٹیلے پر پڑی۔ اس پر ایک بوڑھا شخص، جو پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس تھا، بیٹھا ہوا بھوتوں کی طرح ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی ہم اس کے قریب پہنچے وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور دیوانوں کے انداز میں باتیں کرنے لگا۔ "چلے جاؤ، چلے جاؤ، اجنبی مسافرو، یہ جگہ تمہارے لائق نہیں ہے۔ یہ موت کی وادی ہے۔ یہ موت کی بستی ہے۔ اگر تم چاہتے ہو تو یہاں سے بھاگ جاؤ۔ فوراً۔"

میں اور گاوت ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

"شاید یہ کوئی مخبوط الحواس شخص ہے۔" میں نے گاوت سے کہا۔

"پاگل ہیں نہیں، پاگل تم لوگ ہو جو جان بوجھ کر موت کے منہ میں گھس رہے ہو۔" بوڑھے نے کہا اور ہمیں گھورنے لگا۔

اس نیم دیوانے بوڑھے کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا اور میں اس بوڑھے کے الفاظ پر غور کر رہا تھا۔ وہ بہت خوفزدہ نظر آتا تھا اور ہمیں بھی خوفزدہ کرنا چاہتا تھا۔ آخر اس میں ایسی کون سی بات تھی جس کی بنا پر وہ اسے موت کی وادی قرار دے رہا تھا اور ہمیں وہاں سے بھاگ جانے کا مشورہ دے رہا تھا۔

"اگر میں غلطی نہیں کر رہا ہوں تو تم اندلشک ہو۔" اچانک گاوت نے بوڑھے سے سوال کیا۔

بوڑھا اچانک شدید حیرانی کے عالم میں اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "تم... میرا نام کیسے جانتے ہو؟ تم اس بستی میں بالکل اجنبی ہو۔ میں نے اس سے پہلے تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔"

"کیا تمہاری خالہ زاد بہن شیرانہ ابھی زندہ ہے؟" گاوت نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے نئے سوالات پوچھ ڈالے۔

"مقدس آگ کی قسم۔" بوڑھے نے کانپتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں کسی دوسری دنیا کی مخلوق معلوم ہوتے ہو۔ تمہارا یہ ساتھی سونے کا بنا ہوا ہے۔ اس کے جسم کا رنگ سونے کی طرح چمک دار ہے اور اس کے بال سونے کے تاروں کے بھجوں کی مانند نظر آ رہے ہیں۔ میں نے زندگی میں اس جیسا انسان نہیں دیکھا اور تم ہو کہ مجھ سے میرے اور میرے خاندان والوں کے بارے میں اس طرح سوالات پوچھ رہے ہو کہ جیسے تم میں سے ہر ایک کو جانتے ہو۔ آخر تم ہو کون؟"

"میں تمہیں بھی جانتا ہوں اور تمہارے خاندان والوں کو بھی۔" گاوت نے کہا۔ "تم مجھے اماں شیرانہ کے بارے میں بتاؤ کہ وہ کیسی ہے؟"

"اماں شیرانہ؟" بوڑھے نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ "تم نے اسے کیسے جانا؟ جلدی بتاؤ کیا قصہ ہے اور تم لوگ کون ہو۔"

گاوت نے چاروں طرف نظر ڈالی۔ دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ اپنا اطمینان کر لینے کے بعد اس نے اندلشک سے آہستہ سے کہا۔ "میں گاوت ہوں۔"

"نہیں بکتے ہو۔" بوڑھا برافروختگی کے ساتھ چلایا۔ "شکر کرو کہ یہاں اس وقت کوئی اور موجود نہیں ہے جو تمہاری یہ بات سن سکتا۔ ورنہ یہ الفاظ زبان سے نکالنے کے بعد کوئی تمہاری جان کی ضمانت نہیں دے سکتا تھا۔ تمہیں نہیں معلوم، گاوت اس بستی کا سردار ہے اور اس وقت اپنے محل میں آرام کر رہا ہوگا۔"

"وہ گاوت نہیں ہے اندلشک۔" گاوت نے جواب دیا۔ "وہ خارگ ہے۔"

"خارگ؟" گاوت کا جڑواں بھائی۔" بوڑھے کے لہجے میں اب حیرت کے ساتھ وہ بے یقینی کا عنصر بھی شامل تھا جو گاوت کے ولی عہد نامزد ہونے کے بعد خارگ غائب ہو گیا تھا اور اس کے بعد سے آج تک اس کی کوئی خبر نہیں ملی۔ گاوت نے اس کی بہت تلاش کروائی لیکن اس کا کہیں پتا نہیں چلا۔ شاید وہ کہیں مر کھپ گیا۔"

"موجودہ حکمران گاوت نہیں، خارگ ہے۔" گاوت نے کہا۔ "وہ جھوٹا ہے اور اس نے گاوت کا روپ دھارا ہے۔ اصلی گاوت میں ہوں، اندلشک۔ کیا تمہیں اماں شیرانہ نے میری اسیری اور فرار کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا؟"

"نہیں۔" اندلشک نے جواب دیا۔ "میں ان باتوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا کیونکہ گاوت کی تخت نشینی کے بعد سے آج تک میری شیرانہ سے ملاقات نہیں ہوئی، بلکہ کسی کی بھی شیرانہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"مگر کیوں؟" گاوت نے پوچھا۔ "اماں شیرانہ کہاں ہے؟"

"گاوت نے اسے محل کے ایک دور دراز گوشے میں ایک چھوٹی سی چار دیواری میں مقید کر رکھا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ شیرانہ اچانک کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو گئی ہے جس کی بنا پر اس کا دوسرے انسانوں سے الگ رہنا خود اس کے لیے اور دوسرے انسانوں کے لیے ضروری ہے۔ اس دن کے بعد سے آج تک کسی نے شیرانہ کو نہیں دیکھا۔ البتہ محل کے ملازموں سے یہ بات معلوم ہوتی رہتی ہے کہ وہ زندہ ہے اور چار دیواری میں مقید ہے۔ ایک ملازم روزانہ اسے تین وقت کھانا پہنچا دیتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ شیرانہ کو اپنے بیٹے کی موت کے بارے میں بھی علم نہیں ہے۔ شاید آج تک وہ اس بات سے ناواقف ہے کہ اس کا اکلوتا بیٹا مارا جا چکا ہے۔" اندلشک نے کہا۔

"کیا اماں شیرانہ کا بیٹا بھی مارا گیا؟" گاوت نے تاسف آمیز لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔" اندلشک نے جواب دیا۔ "گاوت کی تخت نشینی کے چند روز بعد کسی نے اسے بلا کر کے اس کی لاش کو پہاڑ کے ایک غار میں ڈال دیا تھا۔ تقریباً ایک ہفتے کے بعد ایک چرواہے کو جو اپنی بھیڑیں چراتے ہوئے دور تک نکل گیا تھا، اس کی لاش نظر آئی جس کا بڑا حصہ جنگلی جانور کھا چکے تھے۔ چرواہے نے اس کے لباس کے بچے کھچے ٹکڑوں کی مدد سے اس کی لاش کو پہچانا۔ مگر تم مجھ سے ہی سارے سوالات پوچھے جا رہے ہو؟ اپنی اصلیت کے بارے میں کچھ نہیں بتاتے۔ سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟ اس بستی سے تمہارا کیا تعلق ہے اور تم یہاں کے لوگوں کے بارے میں کس طرح جانتے ہو؟"

"ایک بات بتاؤ اندلشک۔" گاوت نے اس سے پوچھا۔ "تمہیں یقیناً یہ بات معلوم ہوگی کہ گاوت اور خارگ اگرچہ دونوں جڑواں بھائی تھے لیکن اس کے باوجود ان میں ایک بہت بڑا فرق موجود تھا۔"

"ہاں مجھے معلوم ہے گاوت۔" اندلشک نے جواب دیا۔ "وہ دونوں میرے سامنے کے پیدا ہوئے ہیں۔ اور صرف مجھے ہی کیا اس وقت موجود بستی کے سارے ہی لوگوں کو یہ بات معلوم تھی کہ گاوت کی پشت پر

Scanned by UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

پیدائشی طور پر ستارے کا ایک نشان موجود ہے جبکہ گرائس کی پشت پر ایسا کوئی نشان موجود نہیں ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔" گاورت نے جواب دیا۔ "تو پھر یہ دیکھو!" اس کے ساتھ ہی گاورت نے اپنے جسم کا بالائی لباس اتار کر اپنی برہنہ پشت اندلشک کے سامنے کر دی۔

اندلشک نے بڑے غور سے اس کی پشت پر موجود ستارے کے نشان کو دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کی زبان جیسے گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔

گاورت نے لباس دوبارہ نیچے کر لیا اور اندلشک کی طرف دیکھا۔ اندلشک کا جسم فرطِ جذبات سے کانپ رہا تھا۔ وہ گاورت کے قدموں میں گر پڑا اور اپنی آنکھوں کو اس کے پیروں سے ملتے ہوئے ریتاباؤ انداز میں کہنے لگا۔ "ہاں، تم گاورت ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم یقیناً گاورت ہو۔ اور تمہارے نام سے جو حکومت کر رہا ہے وہ نقلی گاورت ہے۔ وہ گرائس ہے۔"

گاورت نے اسے اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور دونوں ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ گئے۔

"تبھی تو ساری بستی والے اس بات سے حیران و پریشان ہیں کہ آخر گاورت کو کیا ہو گیا ہے۔ جب تک وہ حکمران نہیں بنا تھا، اس وقت وہ ایک نیک، رحم دل، لوگوں سے محبت کرنے والا اور انہی عزت کرنے والا آدمی تھا۔ لیکن اپنے باپ کے مرنے پر تخت نشین ہوتے ہی اس کے انداز بالکل بدل گئے۔ وہ بالکل تند خو، ظالم اور سفاک بن گیا اور اس نے لوگوں پر بے انتہا مظالم ڈھانے شروع کر دیے۔ وہ سب لوگ جو اس سے محبت کرتے تھے، اس سے نفرت کرنے لگے۔ اب یہ راز کھلا کہ وہ سرے سے گاورت ہے ہی نہیں۔ وہ تو گرائس ہے جسے لوگ ہمیشہ ناپسند کرتے تھے اور جو سدا کا ظالم اور خونخوار ہے۔"

"اب بستی والوں کو اس کے ظلم سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔" میں نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

اندلشک نے مجھے غور سے دیکھا اور گاورت کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "یہ کون شخص ہے! تم نے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟"

"یہ میرا دوست شادل ہے اور بے انتہا بہادر اور جری ہے۔ صرف اس کے اصرار پر میں نے بستی کا رخ کیا ہے، ورنہ میں تو یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اب زندگی بھر میرے قدم اس بستی میں داخل نہیں ہوں گے۔" گاورت نے جواب دیا۔

"میں نہیں کہہ سکتا کہ تمہارا یہاں آنا ٹھیک ہے یا نہیں۔" اندلشک نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "تم سے تفصیلی گفتگو بعد میں ہو گی۔ سب سے پہلا مسئلہ تو تمہیں یہاں کے لوگوں اور بالخصوص گرائس کے سپاہیوں کی نظروں سے بچانا ہے۔ تم دونوں جوان اور صحت مند ہو اور یہ ولی تم جیسے جوانوں کے لیے موت کا پیغام ہے۔ مقدر اگر شکر ادا کرو کہ یہاں داخل ہونے کے بعد تمہاری ملاقات سب سے پہلے مجھ سے ہوئی اور ابھی تک کسی کی تم پر نظر نہیں پڑی۔ اس یہاں سے فوراً چلو۔"

بوڑھا اندلشک بستی کے اندر جانے کے بجائے ہمیں ساتھ لیا پہاڑیوں کی طرف چل پڑا۔ اور ایک لمبا چکر کاٹ کر ہم ایک ایسے غار کے پاس پہنچ گئے جو پہاڑیوں کے کافی اندر واقع تھا۔ یہ ایک کشادہ اور صاف ستھرا غار تھا اور ہم دونوں کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس میں باقاعدہ ایک بستر بھی موجود تھا۔

اندلشک ہماری حیرت کو بھانپ گیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "آج سے کچھ عرصے سے پہلے یہ غار تاریک راتوں کو میرا مسکن تھا۔ میں نے ایک خاص مقصد کے لیے اسے صاف کیا تھا اور راتوں کو یہاں قیام کرتا تھا۔"

"وہ مقصد کیا تھا اندلشک؟ ہمیں نہیں بتاؤ گے؟" گاورت نے اس سے سوال کیا۔

"بستی کی ایک بوڑھی عورت نے، جس کے بارے میں بہت سے لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ وہ جادوگرنی ہے، مجھے ایک عمل بتایا تھا۔ یہ عمل رات کی تاریکی میں تنہائی میں کیا جاتا تھا۔ اس ضعیفہ کا کہنا تھا کہ اس عمل سے گرائس کی موت واقع ہو جائے گی یا کم از کم وہ شدید طور پر زخمی ہو جائے گا۔ لیکن افسوس ایسا نہیں ہوا۔ ہو سکتا ہے مجھ سے عمل میں کوئی کوتاہی ہو گئی ہو یا سرے سے یہ عمل بے کار ہو۔ بہرحال جو کچھ بھی ہوا نتیجہ کچھ برآمد نہ ہوا۔"

"تم گرائس کی موت کے کیوں خواہاں ہو؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"اب تم دونوں اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔" اندلشک نے کہا۔ "میں تمہیں شروع سے ساری بات بتاؤں گا۔"

ہم دونوں اس ٹھنڈے غار میں اطمینان سے بستر پر بیٹھ گئے اور پھر اندلشک نے ہمیں تفصیل سے بستی کے حالات کے بارے میں بتایا۔

"جب سے گرائس نے، جسے سارے لوگ گاورت سمجھتے ہیں، اقتدار سنبھالا ہے، اس دن سے اس بستی پر نحوستوں کے سائے منڈلا رہے ہیں۔" اندلشک نے کہنا شروع کیا۔ "گرائس نہایت ظالم اور خوفناک حکمران ہے اور اس نے اس بستی کو جہنم بنا دیا ہے۔ اس نے ریاست ضرب کر کے ایک مضبوط اور مسلح فوج تیار کی ہے جس کی طاقت کے آگے بستی کا کوئی باشندہ دم نہیں مار سکتا۔ اس فوج سے سارے لوگ سخت خوفزدہ ہیں۔ گرائس کی اس فوج کی ایک نمایاں خصوصیت ہے کہ یہ بستی کے لوگوں کو مستقل لوٹتے رہنے کے علاوہ بستی کے باہر بھی دُور دُور تک سرگرمِ عمل رہتی ہے۔ مسافروں پر حملہ کر کے ان کے

وقت کے گھاٹ اتارتی ہے اور اس کا مال و متاع چھین لیتی ہے۔ اس کے علاوہ تجارتی قافلے برابر لوٹتی رہتی ہے۔ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے اور گھوڑے اور مال و اسباب پر قبضہ کر لیتی ہے۔ اس نے ڈاکوؤں کی ایک جمعیت ہے جسے گرائس نے من مانی کارروائیاں کرنے کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے اور صرف یہی خونخوار فوج اس کے اقتدار کا ستون ہے۔ ورنہ جہاں تک وادی کے لوگوں کا تعلق ہے، بچہ بچہ اس سے نفرت کرتا ہے۔ آس پاس کی بستیوں اور آبادیوں والے بھی گرائس اور اس کی فوج کے اس طرزِ عمل سے سخت پریشان ہیں۔ آج سے چار سال پہلے شمالیہ کی لسنی والوں نے ایک بڑی فوج کے ساتھ ہماری وادی پر حملہ کیا۔ کیونکہ وہ گرائس کے فوجیوں کے ہاتھوں سخت تنگ تھے جو آئے دن آتے اور کسی کے لوگوں کو لوٹتے رہتے تھے اور شب خون مار کر ڈاکے ڈالتے رہتے تھے۔ شمالیہ کے حکمران رابو کم نے پہلے تو اپنی بستی کے دانش مندوں کا ایک وفد گرائس کے پاس بھیجا اور اس سے شریفانہ طور پر درخواست کی کہ وہ اپنے فوجی لٹیروں کی حرکتوں کا سدِباب کرے لیکن گرائس نے وفد میں شامل تمام لوگوں کو قتل کرا دیا۔ صرف ایک شخص کو باقی چھوڑا اور مقتولوں کے سر اس کے حوالے کر کے اسے واپس شمالیہ بھیج دیا تاکہ وہ وہاں جا کر یہ بتا سکے کہ وفد کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد رابو کم نے اپنی فوج کے ساتھ ہماری وادی پر چڑھائی کر دی۔ لیکن گرائس کی خونخوار اور دہشتی فوج نے شمالیہ سے فوجیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ رابو کم مارا گیا۔ گرائس اور اس کے فوجیوں نے جی بھر کر شمالیہ کو لوٹا ہی نہیں، انھوں نے شمالیہ کے آس پاس کی کئی اور چھوٹی چھوٹی بستیوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ لیکن گرائس نے اپنی ایک خاص حکمتِ عملی مقرر کر رکھی ہے۔ اس نے مقبوضہ علاقوں میں سے کسی ایک کو اپنی حکومت میں شامل نہیں کیا، بلکہ انھیں اپنا باج گزار بنا کر حکومت کا نظم و نسق ان کے لوگوں کے سپرد کر دیا چنانچہ اس نے رابو کم کے بیٹے قلندو کو شمالیہ کا حکمران بنا دیا۔ قلندو جنگ میں زخمی ہوا تھا لیکن مرا نہیں تھا۔ اب آس پاس کی تمام ریاستیں گرائس کو خراج ادا کرتی ہیں اور وہاں کی حکومتوں کے سربراہ مقامی لوگ ہی ہیں۔ گرائس کے خزانے میں زبردست اضافہ ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس نے اپنی فوج کو زیادہ مستحکم کر لیا۔ آس پاس کی تمام ریاستوں میں گرائس کے فوجی متعین ہیں جو وہاں کے حاکموں کے سامنے نہیں بلکہ صرف گرائس کے سامنے جوابدہ ہیں اور اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ کہیں کوئی بغاوت نہ ہونے پائے۔"

"گرائس نہایت درجہ عیاش اور بدکار ہے اور نہ صرف اس بستی کی، بلکہ آس پاس کی تمام بستیوں کی کوئی نوجوان اور حسین عورت اس کے شر سے محفوظ نہیں ہے۔ وہ ان عورتوں کو باقاعدہ طور پر اپنی بیوی بنا کر نہیں رکھتا، بلکہ چند روز کے بعد انھیں محل سے نکال دیتا ہے اور وہ بے آبرو ہو کر اِدھر اُدھر دھکے کھاتی پھرتی ہیں۔ کتنی ہی عورتوں نے شرم اور مایوسی کے عالم میں خودکشی کر لی۔ اب حالت یہ ہے کہ بستی کے لوگ اپنی نوجوان بیٹیوں کو گھروں سے باہر نہیں نکلنے دیتے کہ کہیں گرائس کے کسی کارندے کی نظر نہ پڑ جائے۔ گرائس کے جاسوس مرد اور عورتیں گھر گھر نوجوان لڑکیوں کا سراغ لگاتے پھرتے ہیں اور جو لڑکیاں ابھی سنِ بلوغ کو نہیں پہنچیں ان کے بڑے ہونے کا انتظار کیا جاتا ہے۔ آس پاس کی بستیوں میں بھی کوئی نوجوان عورت محفوظ نہیں ہے۔"

اندلشک ذرا دیر خاموش ہو گیا۔ پھر بولا۔ "یہ تو تھا تصویر کا ایک رُخ۔ اب میں تمہیں اس سے بھی زیادہ خوفناک بات بتاتا ہوں۔ گرائس کی بیوی شرخونہ اس سے بھی خطرناک عورت ہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ چڑیل ہے اور اسے جادو آتا ہے۔ وہ گرائس کی سرگرمیوں میں دخل نہیں ہوتی اور گرائس اس کی سرگرمیوں میں دخل نہیں ہوتا۔ عام خیال یہ ہے کہ گرائس اس سے خوفزدہ ہے۔ شرخونہ ہر مہینے میں ایک نوجوان کا انتخاب کرتی ہے۔ یہ انتخاب خالصتہً اس کا اپنا ہوتا ہے۔ وہ گھوڑا دوڑاتی ہوئی وحشیوں کی طرح ساری بستی نکل کر آس پاس کی بستیوں کا چکر لگاتی ہے، وہ جس گھر میں چاہتی ہے گھس جاتی ہے اور اپنی مرضی اور پسند کے نوجوان کو پکڑ کر لاتی ہے۔ اس کے ساتھ مسلح سپاہیوں کی ایک جمعیت ہوتی ہے۔ شرخونہ اس نوجوان کو اپنے ساتھ لے جاتی ہے اور پھر ٹھیک ایک ماہ بعد اس نوجوان کی لاش محل کے پچھواڑے اس عالم میں دستیاب ہوتی ہے کہ اس کا سینہ چیرا جا چکا ہوتا ہے اور اس میں سے دل غائب ہوتا ہے۔ پورے ایک ماہ تک وہ شخص شرخونہ کا قیدی ہوتا ہے اور کسی کو نہیں معلوم کہ وہ اس دوران اس کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے۔ کیونکہ اسے ایک خاص کمرے میں مقید کر دیا جاتا ہے جس میں کوئی کھڑکی موجود نہیں ہے اور دروازے پر بھاری سا تالا لگا رہتا ہے جس کی چابی صرف شرخونہ کے پاس ہوتی ہے۔ محل کے کسی بھی ملازم کو اس طرف جانے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک بار غلطی سے ایک کنیز ادھر چلی گئی تھی، شرخونہ نے اپنے ہاتھ سے اس کا سر کاٹ دیا۔ اس لیے کسی کو بھی یہ بات نہیں معلوم کہ شرخونہ ایک ماہ تک اس نوجوان کے ساتھ کیا کرتی ہے اور پھر اسے کیوں ہلاک کر دیتی ہے اور اس کا دل کہاں چلا جاتا ہے۔ لوگ عام طور پر یہی سمجھتے ہیں کہ شرخونہ کوئی ڈائن یا چڑیل ہے اور وہ مردوں کے دل نکال کر کھا جاتی ہے۔ بستی کے بہت سے نوجوان مردوں نے اس صورتِ حال سے خوفزدہ ہو کر یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی، لیکن گرائس کے فوجی تعاقب کر کے انھیں دوبارہ پکڑ لائے اور پھر بستی کے سارے لوگوں کو جمع کر کے ان کے سامنے ان نوجوانوں کی پشت کو کوڑوں سے اُدھیڑ کر

Scanned by aazzamm@yahoo.com
Zuber Fanz

aazzamm@yahoo.com

رکھ دیا گیا تاکہ دوسرے عبرت پکڑیں۔ سو یہ ہیں اس بستی کے حالات جو میں نے مختصراً تمھیں بتائے۔ بھلا تم دو افراد ظلم و تشدد کی ان شیطانی قوتوں کا کس طرح مقابلہ کر سکو گے؟ میں اس علاقے تو تمھیں کامیابی سے لے آیا ہوں اور ابھی تک کسی نے تمھیں نہیں دیکھا ہے۔ لیکن یہاں تمھارا مستقل رہنا ٹھیک نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ کبھی کوئی بھولا بھٹکا چرواہا یا کسی گمشدہ بھیڑ کی تلاش میں ادھر آنکلے اور تم پر اس کی نظر پڑ جائے۔ اس صورت میں تم شرخونہ کے عذاب کا نشانہ بھی بن سکتے ہو کیونکہ بستی کے اندر یا بستی کے باہر سے کسی بھی الزام میں گرفتار ہونے والے شخص کا شرخونہ ضرور معاینہ کرتی ہے۔ بستی میں داخل ہونے والے اجنبیوں کے لیے حکم ہے کہ سب سے پہلے انھیں شرخونہ کے حضور میں پیش کیا جائے۔ لیکن مدتیں گزریں کہ اجنبیوں نے اس بستی کا رخ کرنا چھوڑ دیا ہے۔ گراٹس اور شرخونہ کی حرکتوں کی خونیں داستانیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں اس لیے کوئی بھی اجنبی شخص اس بستی کی طرف نہیں آتا۔ دو سال پہلے ایک شامت کا مارا نوجوان اور حسین سوداگر راستہ بھول کر ادھر آنکلا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا باپ بھی تھا اور دونوں کے پاس اچھا خاصا مال تجارت تھا۔ وہ اتفاق سے اپنے کافلے سے بچھڑ گئے تھے اور اس خونیں بستی کی طرف آنکلے۔ سوداگر کا مال و اسباب تو گراٹس کے فوجیوں کے قبضہ میں گیا اور خود سوداگر شرخونہ کے قبضہ میں۔ اس کے بوڑھے باپ کو ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے بعد سے تم دونوں پہلے اجنبی ہو جو اس بستی میں داخل ہوئے ہو۔"

ہم دونوں اس بستی کے عجیب و غریب حالات سن کر سخت حیران ہوئے۔ اور پروفیسر مجھے خاص طور سے شرخونہ سے بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی۔ میں خوش ہو گیا کہ اب یہاں کچھ وقت ہنگامہ آرائی میں گزرے گا اور دلچسپ واقعات جنم لیں گے۔ میں اگر چاہتا۔ تو چند منٹ کے اندر اندر سارا کھیل ختم کر کے گادت کو وہاں کا حکمران بنا سکتا تھا لیکن اس طرح ایک تو میری شخصیت کا راز فوراً ہی کھل جاتا تو دوسرے گادت خیرات میں ملی ہوئی اس حکومت سے کبھی مطمئن نہ ہوتا۔ میں یہاں عام انسانوں کی طرح کچھ وقت گزارنا چاہتا تھا۔ مجھ پر یہ راز ظاہر نہیں کرنے۔ مجھے یہ سرسبز و شاداب اور حسین وادی بہت پسند آئی تھی، اور مجھے یقین تھا کہ یہاں کے لوگ بہت خوب صورت ہوں گے کیونکہ گادت اور اندریشک دونوں ہی خوب صورت تھے۔ میں یہاں کی خوب صورت عورتوں کو دیکھنا اور ان سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا کیونکہ ایک طویل مدت سے میں نے عورت کی شکل نہیں دیکھی تھی مجھے یقین تھا کہ یہاں کوئی نہ کوئی عورت ضرور میری زندگی میں داخل ہو گی۔

"تمھاری بستی کے حالات خاصے دہشت ناک اور عجیب و غریب ہیں۔" میں نے اندریشک سے کہا۔ "لیکن میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ یہاں آئندہ وہ نہ ہو گا جو اب تک ہوتا آیا ہے۔ گراٹس اور شرخونہ، دونوں کو ان کے گناہوں اور مظالم کی سزا ملے گی اور یہاں کی حکومت اس کے اصل حق دار یعنی گادت کے سپرد کی جائے گی۔"

"یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔" اندریشک نے کہا۔ "یہ مانا کہ اصلی گادت کی پہچان سے بستی سے زیادہ تر لوگ واقف ہیں لیکن ہمیں اتنا موقع ہی کون دے گا کہ ہم لوگوں کے سامنے یہ بات ثابت کر سکیں کہ اصلی گادت کون ہے اور نقلی گادت کون۔ اور پھر بالفرض اگر ہم کسی طرح بستی کے لوگوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب بھی ہو گئے تو بستی والے ہماری کیا مدد کر سکیں گے؟ گراٹس کی خوفناک اور خونخوار فوج کے سامنے سر اٹھانے کی ان میں ہمت نہیں ہے۔ وہ سب کے سب بے موت مارے جائیں گے۔"

"ایسا نہیں ہو گا اندریشک۔" میں نے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔ "ہم ایک عمدہ حکمت عملی تیار کریں گے اور یقین رکھو کہ گراٹس کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور اسے اور اس کی وحشی فوج کو سزا ضرور ملے گی۔"

اندریشک نے بے یقینی کے ساتھ مجھے دیکھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اسے میری باتیں دیوانے کا خواب معلوم ہو رہی تھیں۔

"خیر اس کے بارے میں بعد میں سوچیں گے۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔ پھر وہ گادت سے مخاطب ہو کر بولا۔ "میں نے یہاں کے حالات تمھیں بتا دیے ہیں۔ اب تم بتاؤ کہ اب تک تم کہاں رہے اور تمھارے ساتھ کیا واقعات پیش آئے۔"

گادت نے پوری تفصیل کے ساتھ اپنی وہی داستان اندریشک کو سنا دی جو اس سے پہلے وہ مجھے سنا چکا تھا۔ البتہ اس میں اس نے مجھ سے ملاقات کے واقعات کا اضافہ کر دیا۔

اندریشک اپنی پوری دل جمعی کے ساتھ داستان غم سنتا رہا اور میں اس عرصے میں کچھ اور ہی سوچتا رہا۔ جب گادت نے اپنی داستان ختم کر لی تو اندریشک نے اس سے کہا۔ "ہر چند کہ حکومت کے حق دار تم ہی ہو اور بستی کے تمام دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی تم سے بہت محبت کرتا ہوں، لیکن میں تمھیں کسی دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ ابھی تک تمھارے بارے میں کسی کو یہ بات نہیں معلوم ہے کہ تم زندہ ہو۔ اس لیے مناسب یہی ہو گا کہ تم اپنے اس دوست کے ساتھ یہاں سے کسی اور طرف نکل جاؤ۔ میں جو ہو سکے گا تمھاری مدد کروں گا۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ تم اس خیال کو دماغ سے نکال دو کہ تم گراٹس پر غلبہ حاصل کر سکتے ہو۔ مجھے چونکہ تمھاری جان عزیز ہے اس لیے میں تمھیں یہ مشورہ دے رہا ہوں۔"

گادت کے کوئی جواب دینے سے پہلے میں نے اندریشک سے پوچھا۔ "یہ بتاؤ کہ شرخونہ اب نئے مرد کی تلاش میں کب نکلنے والی ہے؟ جو مرد اس وقت اس کے قبضے میں ہے اس کی موت میں کتنے روز باقی ہیں؟"

"کتنے بھی روز باقی نہیں ہیں۔" اندریشک نے جواب دیا۔ "کل

[illegible] کی رات کل کے پچھلے پہر ملے گی۔ اور کل کا دن بستی کے نوجوانوں [illegible] مخصوص دن ہے۔ کل صبح ہی سے شرخونہ اپنی تلاش شروع [illegible] گی۔ اور تھوڑی دیر میں اپنی پسند کے آدمی کو ڈھونڈ نکالے گی [illegible] میں کوئی اس کی پسند کا آدمی نہیں مل سکا تو وہ اپنے فوجیوں [illegible] اس پاس کی دوسری بستیوں کا رخ کرے گی۔ اسے کل شام [illegible] میں اپنی مرضی اور پسند کا آدمی تلاش کر لینا ہے۔"

"ایک بات بتاؤ اندریشک۔" میں نے پوچھا۔ "کیا تمھارے لیے [illegible] ہے کہ تم ایک ماہ تک گادت کو کسی اور جگہ چھپا کر رکھو جہاں [illegible] کی حفاظت رہے اور کسی کو بھی اس کے بارے میں کچھ علم نہ ہو سکے [illegible] ایک ماہ کے لیے ایسا بندوبست کر سکتے ہو؟"

"ایک ماہ کی بات ہی کیا ہے، میں گادت کو ایک سال تک [illegible] رکھ سکتا ہوں۔" بوڑھے اندریشک نے جواب دیا۔ "میرا مکان [illegible] گادت کو بھی طرح معلوم ہے۔ بستی سے دور الگ تھلگ ایک [illegible] پہاڑی کے دامن میں ہے۔ اس مکان میں ایک بڑا سا [illegible] شامل ہے جو کسی کمرے کی طرح کشادہ ہے۔ اس غار [illegible] اتنا چھوٹا ہے کہ انسان صرف بیٹھ کر اس میں داخل ہو سکتا [illegible] اس دروازے پر پتھر رکھ دیے جاتے ہیں تو دیکھنے والے [illegible] بھی نہیں گزرتا کہ ان پتھروں کے پیچھے کوئی غار ہے۔ وہ صاف [illegible] کا ایک حصہ نظر آتے ہیں۔ میرے گھر کے اس پوشیدہ کمرے [illegible] میں کسی کو بھی معلوم نہیں۔ اگر کوئی شخص اس کمرے میں [illegible] چھپا رہے تو کسی کو نہیں پتہ چل سکے گا۔ لیکن تم کرنا کیا چاہتے [illegible]" اندریشک نے مشتبہ انداز میں مجھ سے پوچھا۔ گادت بھی جواب [illegible] نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"میں سب سے پہلے شرخونہ کا راز معلوم کرنا چاہتا ہوں اور اس کی [illegible] اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے کہ میں خود گادت کو ایک ماہ کے لیے [illegible] کے حوالے میں دے دوں۔ اور دیکھو کہ اس دوران اور اس کے بعد [illegible] کیا سلوک کرتی ہے اور اس ایک ماہ کی مدت کے دوران [illegible] گادت کو خاموشی کے ساتھ کہیں چھپا رہنا چاہیے۔"

"کیا تم پاگل ہو گئے ہو یا زندگی سے عاجز ہو گئے ہو؟" اندریشک [illegible] سے بولا۔ "میں نے تمھیں شرخونہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے [illegible] کے باوجود تم اس پہاڑی سے یہ توقع رکھتے ہو کہ وہ تمھیں زندہ [illegible] دے گی؟"

"میں ہرگز اس سے یہ توقع نہیں رکھتا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن یقین رکھو کہ وہ اپنی کوششوں کے باوجود مجھے ہلاک نہیں کر سکے گی۔ اگر وہ کوئی چڑیل یا ڈائن ہے تو میں ایسے منتر جانتا [illegible] کے پڑھنے سے مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔" میں نے [illegible] ہوئے کہا۔

"یہ واقعی؟" بوڑھے اندریشک کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ "کیا تمھیں سچ مچ ایسا کوئی منتر آتا ہے جو شرخونہ کو شکست دے دے؟ اگر ایسا ہے تو پھر میں تمھیں نہیں روکوں گا۔ ویسے بھی تم مجھے کوئی غیر معمولی انسان نظر آتے ہو۔ بہرحال تم بالکل اطمینان رکھو تمھاری غیر حاضری میں گادت کا بال بھی بیکا نہیں ہو گا۔"

"مگر میں تمھیں اس کی اجازت نہیں دوں گا میرے دوست۔" گادت نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "تم میری خاطر پہلے ہی اپنا بہت وقت ضائع کر چکے ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے لیے اندریشک کا دیا مشورہ صحیح ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ میں تمھاری عنایات کے لیے تمھارا بہت شکر گزار ہوں، لیکن اپنی خاطر تمھیں ہلاکت میں نہیں ڈال سکتا۔"

"میں ہلاکت کا شکار نہیں ہوں گا پیارے دوست۔" میں نے پُریقین لہجے میں گادت سے کہا۔ "میں جتنے یقین کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ کل صبح سورج نکلے گا، اتنے ہی یقین کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ میں ایک ماہ بعد زندہ سلامت واپس آ کر تم سے ملاقات کروں گا۔"

اندریشک تو میری بات پہلے ہی مان چکا تھا لیکن گادت کو راضی کرنے میں مجھے بڑی مشکل پیش آئی۔ وہ کسی طرح مجھے شرخونہ کے حوالے کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ آخر بڑی مشکل سے میں اسے راضی کرنے میں کامیاب ہوا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم پر نظر پڑتے ہی شرخونہ تمھیں اپنے مقصد کے لیے منتخب کر لے گی۔" اندریشک نے کہا۔ "اس کی آنکھوں نے آج تک تم سے زیادہ حسین اور طرح دار آدمی نہیں دیکھا ہو گا۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ وہ مجھے منتخب کر لے۔" میں نے جواب دیا۔

ہم لوگ شام تک اس غار میں مقیم آپس میں باتیں کرتے رہے۔ طے یہ ہوا کہ اندھیرا گہرا ہو جانے کے بعد ہم تینوں غار سے باہر نکل کر اندریشک کے گھر جائیں گے۔ میں اندریشک کا گھر دیکھ کر اور تھوڑی دیر وہاں رک کر واپس چلا جاؤں گا اور رات ہی کو بستی کی حدود سے باہر نکل جاؤں گا۔ گادت، اندریشک کے گھر میں چھپا رہے گا۔ میں رات بستی کے باہر گزاروں گا اور علی الصبح بستی میں ایک اجنبی مسافر کی حیثیت سے داخل ہو جاؤں گا۔ میری کوشش ہو گی کہ فوجیوں سے جلد از جلد میرا آمنا سامنا ہو جائے۔ اور صبح سے ٹھیک اکتیس رات کو میں دوبارہ اندریشک کے گھر میں واپس آ جاؤں گا اور پھر ہم آئندہ کا منصوبہ ترتیب دیں گے۔

رات گہری ہو گئی اور چاروں طرف دبیز تاریکی پھیل گئی تو ہم تینوں غار سے باہر نکلے اور اندریشک کی قیادت میں بستی کی طرف بڑھے۔ اندریشک نے بتایا کہ ایک طویل مدت سے بستی میں سرِ شام ہی سے سناٹا پھیل جاتا ہے اور لوگ اپنے اپنے گھروں کے دروازے

aazzamm@yahoo.com

بند کر کے بیٹھ جاتے ہیں کیونکہ ہر طرف خوف و ہراس کی فضا طاری ہے۔ اندلشک کا کہنا بالکل صحیح تھا۔ ہم لوگ بستی میں داخل ہوئے تو مجھے ایسا لگا گویا ہم کسی قبرستان سے گزر رہے ہیں۔ تمام گھروں کے دروازے بند تھے۔ گلیاں اور کوچے سنسان پڑے تھے۔ صرف کسی کسی مکان کے روشندان یا کھڑکی میں سے ٹمٹماتی ہوئی روشنی کی جھلک نظر آ رہی تھی اور زیادہ تر مکان مکمل تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ گلیوں میں آوارہ کتوں کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ بستی سے کافی دور، اندھیرے میں ایک وسیع اور بلند عمارت کا دھندلا دھندلا سا ہیولہ نظر آ رہا تھا۔ گاوت نے مجھے بتایا کہ یہ محل ہے۔ وہ محل جہاں اس نے اپنے بچپن اور جوانی کے دن گزارے تھے اور جہاں اس وقت گراش اور شرخونہ کا راج تھا۔

ہم لوگ بستی کے کنارے کنارے گزرتے ہوئے کافی دور نکل گئے۔ اب ہم ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں کھڑے تھے۔ یہاں سے محل بہت دور تھا اور بستی بھی کافی پیچھے رہ گئی تھی۔ پہاڑی کے دامن میں ایک واحد مکان نظر آ رہا تھا۔ مکان باہر سے دیکھنے میں خاصا بڑا لگتا تھا۔ اندلشک نے لکڑی کے بھاری بھرکم اور مضبوط دروازے پر تین بار ایک مخصوص انداز میں دستک دی۔ دروازے کے پیچھے ایک آہٹ ہوئی اور پھر کسی نسوانی آواز نے پوچھا، "کون ہے؟"

"میں ہوں بیٹی، دروازہ کھول دے۔" اندلشک نے سرگوشی میں کہا۔

دروازہ کھل گیا اور ہم تینوں جلدی جلدی اندر داخل ہو گئے۔ اندلشک نے فوراً اندر سے دروازے کی کنڈی چڑھا دی۔ میں نے دیکھا کہ ایک پندرہ سولہ سال کی لڑکی، جو کسی آسمانی حور کی طرح حسین اور طرح دار نظر آ رہی تھی، ایک ہاتھ میں چراغ لیے کھڑی تھی اور ہم لوگوں کے اجنبی چہروں کو حیرت سے تک رہی تھی۔

"یہ میری بیٹی توگراش ہے۔" اندلشک نے ہم لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور بیٹی توگراش، یہ دونوں ہمارے مہمان ہیں۔ نہایت معزز مہمان۔"

"میں مہمانوں کو خوش آمدید کہتی ہوں۔" توگراش نے کہا اور مجھے یوں لگا جیسے فضا میں سرمدی نغمے بکھر گئے ہوں۔

"بابا! تم آج کہاں چلے گئے تھے؟ سارا دن ہو گیا اور اتنی رات گزر گئی اور تم اب آئے ہو؟ میرا تو ڈر کے مارے برا حال تھا۔ تم نے صبح بتایا بھی نہیں تھا کہ تم دیر سے آؤ گے۔"

"ہاں بیٹی۔" اندلشک نے کہا، "مگر میں نے جان بوجھ کر دیر نہیں لگائی۔ ان معزز مہمانوں سے اچانک اور غیر متوقع طور پر ملاقات ہو گئی اور اس وجہ سے مجھے دیر ہو گئی۔"

"اس تاخیر کے ہم ذمہ دار ہیں توگراش۔" میں نے اندلشک کی بیٹی سے مخاطب ہو کر کہا، "جو پہلی نظر ہی میں مجھے اچھی لگی تھی۔ تمہارے بابا کا اس میں کوئی قصور نہیں۔"

توگراش نے چراغ کی مدھم روشنی میں مجھے غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی اور آنکھوں کی اندرونی جذبے کے تحت چمکنے لگیں۔ "تمہیں کیا چاند کی کرنوں سے تراش کر بنایا گیا ہے؟" اس نے خوش دلی کے ساتھ کہا، "میں نے تمہاری جیسی رنگت کا انسان آج تک نہیں دیکھا۔ تم کسی دوسری دنیا سے آئے ہو؟"

"میں نہ چاند کی کرنوں کا بنا ہوا ہوں اور نہ کسی دوسری دنیا سے آیا ہوں۔" میں نے توگراش کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں ڈال کر ہنستے ہوئے کہا، "میں بھی تم لوگوں کی طرح کا ایک انسان ہوں، ایک عام اور معمولی سا انسان۔"

اندلشک کی ہدایت پر توگراش نے جلدی جلدی کھانا تیار کیا اور ہم تینوں بیٹھ کر کھانے لگے۔ توگراش اندر باورچی خانے میں چلی گئی۔

"جب بھی میری نظر توگراش پر پڑتی ہے، میرا دماغ گھومنے لگتا ہے۔" بوڑھے اندلشک نے سنجیدہ انداز میں کہا، "نہ جانے کرام کے جاسوسوں کو میری بیٹی کے بارے میں علم ہو جائے اور وہ توگراش کو اغوا کر لیں اور میری بیٹی اس بھیڑیے کی ہوس کی بھینٹ چڑھ جائے۔ اس فکر میں مجھے اکثر رات رات بھر نیند نہیں آتی اور دن بھر میں آوارہ گرد کی طرح ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہوں۔ میں توگراش کو گھر سے باہر نہیں نکلنے دیتا۔ اور میں نے سارے میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ میری بیٹی شدید بیمار ہے اور وہ اپاہج ہو گئی ہے، تاکہ گراش کے جاسوسوں کی توجہ میرے گھر کی جانب نہ ہو۔ لیکن کون جانے کہ کب کیا ہو جائے۔"

"تمہیں اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے اندلشک۔" میں نے اس سے کہا، "ایک ماہ صرف ایک ماہ کی بات ہے اور اس کے بعد سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔ اس کے بعد تمہاری بیٹی کی طرف اٹھنے والی آنکھ پھوڑ دی جائے گی۔"

"کاش ایسا ہو سکے۔" اندلشک نے حیرت ناک لہجے میں کہا، "کاش میری بوڑھی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہونے سے پہلے یہ منظر بھی دیکھ سکیں۔"

کھانا کھانے کے بعد اندلشک نے توگراش کو بلا کر کچھ سمجھایا۔ کچھ سمجھا دیا کہ گھر میں اجنبیوں کی آمد کے بارے میں کسی سے ہرگز کچھ نہ بتائے۔ توگراش کو یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ ایک مہمان تھوڑی دیر بعد چلا جائے گا اور دوسرا غار والے کمرے میں قیام کرے گا اور یہ کہ وہ غار کا دروازہ پتھروں سے بند کرنے کے بعد اس پر کپڑے پھیلا دے تاکہ کسی کو ذرا سا بھی شبہ نہ ہو کہ اس کی چٹان کے پیچھے کوئی خلا ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد میں نے اندلشک اور گاوت سے اجازت لی اور انہیں اس بار بھی یقین دلایا کہ اگلی رات کو میں یہاں ضرور موجود ہوں گا۔ وہ سب مجھے رخصت کرنے کے لیے دروازے تک آئے۔ ان میں توگراش بھی شامل تھی۔

"کیا تم پھر واپس آؤ گے سونے کے آدمی؟" اس نے اپنی کھنکتی آواز میں سوال کیا۔

"ہاں ضرور واپس آؤں گا۔" میں نے توگراش کے معصوم چہرے کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"میں تمہارا انتظار کروں گی۔" اس نے بھولپن کے ساتھ کہا۔ اور میں باہر آ گیا۔ دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا۔

باہر تاریکی اور خاموشی کچھ اور زیادہ گہری ہو گئی تھی اور دور دور تک آوارہ کتوں کے اور کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ میں خاموشی سے بستی کا سفر طے کرتا رہا۔ میں ابھی بستی کی حدود کے اندر ہی تھا کہ مجھے چند سائے ایک طرف سے اپنی جانب بڑھتے نظر آئے۔ میں اس وقت کسی قسم کا ہنگامہ نہیں چاہتا تھا ورنہ میرا منصوبہ خطرے میں پڑ جاتا۔ اس لیے میں جلدی سے ایک بھاری درخت کے تنے کے پیچھے چلا گیا۔ وہ سائے میرے قریب سے گزر گئے۔ وہ چار گھوڑ سوار تھے اور لباس سے فوجی نظر آتے تھے۔ ان کے گھوڑوں کی پشت پر بڑی بڑی گٹھڑیاں لدی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ غالباً وہ کہیں سے لوٹ کا سامان لے کر آ رہے تھے۔ وہ میرے پاس سے گزرتے چلے گئے اور انہیں میری موجودگی کی خبر نہیں ہوئی۔ جب وہ کافی آگے نکل گئے تو میں بھی درخت کے پیچھے سے نکل آیا۔ ان لوگوں کا رخ محل کی طرف تھا اور میں بستی سے باہر جا رہا تھا۔ اس کے بعد کا راستہ اطمینان سے طے ہوا اور بقیہ رات میں نے بستی کے باہر ایک چھوٹے سے ٹیلے کے کنارے گزاری۔

دوسرے دن صبح کو میں طلوع آفتاب کے وقت بستی میں داخل ہوا اور سیدھا اندر چلتا چلا گیا۔ اب میں بستی کی بڑی سڑک پر چل رہا تھا جس کے دونوں طرف بازار تھا۔ جس میں چہل پہل نظر آ رہی تھی لیکن میں نے کسی بھی چہرے پر بشاشت اور مسرت کی کیفیت نہیں دیکھی۔ سب لوگ پریشان اور مصیبت زدہ نظر آ رہے تھے۔ بظاہر لگتا تھا کہ زیادہ زبردستی کاروبار میں مصروف ہوں۔ میں نے اس سرے سے اس سرے تک بازار کا ایک چکر لگایا۔ میں جس طرف سے بھی گزرتا لوگ مجھے حیرت کے ساتھ دیکھتے اور دیکھتے رہ جاتے لیکن کسی شخص نے بھی مجھ سے بات کرنے کی یا کوئی سوال پوچھنے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ مجھے دیکھ کر وہ آپس میں سرگوشیاں کرتے گزر رہے تھے۔ میں ان کے لیے ایک عجوبہ تھا لیکن وہ میرے قریب آتے ہوئے ڈر رہے تھے۔ بہت سے مکانوں کی کھلی ہوئی کھڑکیوں اور دروازوں میں سے مردوں اور عورتوں نے مجھے دیکھا۔ لیکن ان کے چہروں پر بھی خوف کے سائے لرز رہے تھے۔

میں ابھی اس سرگشت میں مصروف ہی تھا کہ اچانک محل کی طرف سے گرد کا ایک بادل اٹھتا دکھائی دیا۔ تمام لوگوں کی نظریں اس طرف اٹھ گئیں اور ان کے چہروں پر پھیلے ہوئے خوف کے سائے

اور زیادہ گہرے ہو گئے۔ مکانوں کی کھڑکیاں اور دروازے جلدی جلدی بند ہونے لگے۔ جو لوگ سڑک پر تھے وہ جلدی جلدی آس پاس کی دکانوں یا مکانوں میں داخل ہو گئے اور چند منٹ بعد مجھے احساس ہوا کہ میں بالکل اکیلا سڑک پر چل رہا ہوں۔

گرد کا بادل تیزی سے نزدیک آ رہا تھا یہاں تک کہ آنے والوں کی شکلیں نظر آنے لگیں۔ سب سے آگے جیت لباس میں ملبوس ایک عورت ایک بالکل سیاہ گھوڑے پر سوار تھی، اور اس کے پیچھے مسلح سپاہیوں کا ایک پورا جتھا تھا۔ قریب آ جانے پر میں نے اس عورت کو غور سے دیکھا۔ وہ مضبوط تن و توش کی عورت تھی اور اس کا بدن قدرے فربہی کی طرف مائل تھا۔ وہ بے حد خوب صورت اور دل کش خدوخال کی مالک تھی اور اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ ایک وحشیانہ اور سفاکانہ چمک۔ میں دل ہی دل میں مسکرا اٹھا۔

گھوڑ سوار عورت میرے قریب آ کر رک گئی اور حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگی۔ وہ بے یقینی کے عالم میں بار بار اپنا چابک ہلا رہی تھی۔ اس کا مسلح جتھا بھی اس کے پیچھے رک گیا۔ سپاہی بھی حیرانی سے مجھے دیکھنے لگے۔

"تو کون ہے؟" عورت نے بھاری آواز میں مجھ سے پوچھا۔ اس کی آواز بھی اس کے جسم کی طرح نزاکت سے عاری تھی۔

"میں ایک اجنبی مسافر ہوں۔" میں نے سکینی کے ساتھ جواب دیا۔

"یہاں اس بستی میں کس سے ملنے آیا ہے؟" عورت نے پوچھا۔

"میں یہاں کسی کو نہیں جانتا اور نہ ہی یہ جانتا ہوں کہ یہ کونسی بستی ہے۔ دراصل میں راستہ بھول گیا ہوں۔ میں اپنے قافلے کے ساتھ جا رہا تھا کہ بچھڑ گیا۔ کئی دن تک ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد آج صبح اچانک اس بستی میں آ گیا۔ مجھے یہاں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ کیا معزز خاتون اپنا تعارف کرانا پسند کریں گی؟" میں نے کہا۔

"ضرور۔" اس نے جواب دیا، "میرا نام شرخونہ ہے اور میں یہاں کے حکمران گاوت کی بیوی ہوں۔ تیرا نام کیا ہے؟"

"میرے دوست مجھے شادل کہتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"اس بستی میں داخل ہونے کے بعد تیری کسی سے ملاقات ہوئی؟" شرخونہ نے پوچھا۔

"کسی سے بھی نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "شاید یہاں کے لوگ اجنبیوں اور مسافروں کو پسند نہیں کرتے، کیونکہ کسی نے میری طرف توجہ نہیں دی۔"

"کس نے تجھے اس بستی کے اور یہاں کے رسم و رواج کے

scanned by azam@urdutech.com

aazzamm@yahoo.com

بارے میں نہیں بتایا؟" شرخونہ نے دوبارہ پوچھا۔ میں اس کا مقصد اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ دراصل وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ میں اس کے بارے میں اس کے عزائم اور اس کی خوفیہ حرکتوں کے بارے میں کچھ جانتا ہوں یا نہیں تاکہ اس کے مطابق وہ میری جانب اپنے رویہ کا تعین کر سکے۔ اگر کسی سختی کے بغیر ہی میں اس کے جھانسے میں آجاؤں تو اس کے لیے اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور میں تو جان بوجھ کر اسے یہ بات کا موقع فراہم کر رہا تھا۔

"میں نے کہا نا کہ اس بستی میں داخل ہونے کے بعد ابھی تک یہاں کے کسی باشندے سے میری ملاقات یا بات چیت نہیں ہوئی ہے" میں نے معصومیت سے جواب دیا۔

شرخونہ کے ہونٹوں پر ایک پُراسرار مسکراہٹ دوڑ گئی۔ میں اس کے لیے بالکل نرم چارہ ثابت ہو رہا تھا۔

"اچھا ایسا کر سنہرے بدن والے اجنبی کہ میرے ساتھ میرے محل میں چل" شرخونہ نے کہا "اس بستی کے لوگ کوئی خاص مہمان نواز نہیں ہیں اور یہاں تجھے کوئی ایک وقت کی روٹی بھی بمشکل ہی کھلا سکے گا تو میرے ساتھ چل اور میرے محل میں قیام کر۔ میں تیز رفتار گھوڑ سوار دل کو بھیج کر تیرے گمشدہ قافلے کا سراغ لگوانے کی کوشش کروں گی۔ اس اثنا میں تو میرے ذاتی مہمان کی حیثیت سے میرے محل میں قیام کرے گا۔"

"میں معزز شرخونہ کی اس عنایت کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں" میں نے جواب دیا "لیکن کیا مجھ جیسے ایک اجنبی مسافر کے لیے سردار کے محل میں ٹھیرنا مناسب ہوگا؟"

"تو اپنے آپ کو معمولی کہتا ہے؟" شرخونہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کیا تجھے اس بات کا احساس ہے کہ تیری شخصیت کتنی دلآویز اور پرکشش ہے؟ تجھے اپنا مہمان بنانا کسی کے لیے بھی خوشی کا باعث ہو سکتا ہے۔"

"میں آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں محترم شرخونہ" میں نے ادب سے کہا۔

شرخونہ نے ایک فوجی کو اشارہ کیا۔ وہ آگے آیا تو شرخونہ نے اسے حکم دیا کہ وہ اپنے گھوڑے سے اتر جائے۔ فوجی گھوڑے سے اتر پڑا اور شرخونہ نے مجھ سے گھوڑے پر سوار ہونے کو کہا۔ میں گھوڑے کی پشت پر بیٹھ گیا اور ہم واپس محل کی طرف روانہ ہو گئے۔ شرخونہ کو میرے ساتھ کوئی سختی کرنے کی ضرورت درپیش نہیں آئی میں خود اس کا قیدی بننے کا متمنی تھا تاہم میں نے صاف طور پر محسوس کیا کہ شرخونہ کے سپاہی ہم دونوں کو چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہیں۔ شاید یہ ان کی احتیاط کا تقاضہ تھا۔

میں نے چلتے چلتے یوں ہی پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ بہت سے دروازوں اور کھڑکیوں میں سے انسانی چہرے جھانک جھانک کر مجھے دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں میرے لیے ہمدردی تھی۔ تاسف تھا۔ ان سب کو یقین تھا کہ میری زندگی کا صرف ایک مہینہ باقی رہ گیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد ہم لوگ محل کے بڑے پھاٹک پر پہنچ گئے جہاں پر کئی مسلح محافظ موجود تھے۔ محافظوں نے جھک جھک کر شرخونہ کو تعظیم دی اور پھاٹک کھول دیا۔ ہمارا چھوٹا سا قافلہ محل کے اندر داخل ہو گیا۔ پرویز میں نے اپنی زندگی میں ہزار ہا اعلیٰ سے اعلیٰ شاندار محل دیکھے ہیں۔ یہ محل ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھا۔ تم ایک بڑی اور کشادہ حویلی کہہ سکتے ہو جس کی تعمیر میں زیادہ تر پہاڑوں کے پتھر استعمال کیے گئے تھے۔ طرز تعمیر میں نفاست اور خوش اسلوبی کی کمی صاف محسوس ہوتی تھی۔ کچھ بہرحال ان چیزوں سے کچھ سروکار نہیں تھا میں تو شرخونہ کا راز معلوم کرنا چاہتا تھا۔

ہم لوگ محل کے ایک کشادہ دالان سے گزرتے ہوئے جو کئی چھوٹے چھوٹے کمروں کے دوسرے کونے کے قریب واقع تھا ایک وسیع باغ تھا جسے جھاڑیوں کی ایک طویل اور اونچی باڑھ نے ذریعہ باقی محل سے الگ تھلگ کر دیا تھا۔ شرخونہ کے ساتھ آنے والے سپاہی باڑھ کے قریب رک گئے۔ غالباً اس سے آگے جانے کی انہیں اجازت نہیں تھی۔ ہم دونوں اپنے گھوڑوں سے اتر گئے۔ شرخونہ نے لیے ہوئے باغ میں داخل ہوئی اور ایک چھوٹی سی مگر خوبصورت عمارت کی طرف بڑھنے لگی جس کی طویل سیڑھیاں سامنے نظر آ رہی تھیں۔ سیڑھیاں چڑھ کر ہم ایک وسیع دالان میں پہنچے جس کے اندر ایک کمرہ تھا۔ اب ہم کافی بلندی پر آ گئے تھے کمرے کے مضبوط اور چوڑے دروازے پر ایک بھاری سا تالا لگا ہوا تھا۔

شرخونہ نے اپنی جیب میں سے چابیوں کا ایک گچھا نکالا اور ایک چابی لگا کر بھاری دروازے کا تالا کھول دیا۔ ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔ یہ ایک بڑا سا کمرہ تھا جو بالکل خالی تھا اور سامنے ہی ایک دروازہ نظر آ رہا تھا۔ اس میں بھی ایک تالا لگا ہوا تھا۔ شرخونہ نے اس تالے کو کھولا اور ہم دونوں ایک اندرونی کمرے میں داخل ہو گئے جو ہر قسم کے ضروری ساز و سامان سے آراستہ تھا۔ کمرے کے ایک طرف ایک بڑا سا چھپر کھٹ پڑا ہوا تھا جس پر ایک عالیشان ستھرا بستر بچھا ہوا تھا۔ چھپر کھٹ کے برابر ایک بڑی سی مسند رکھی ہوئی تھی جس کے گرد دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ کمرے میں ایک طرف کو ایک بڑی سی الماری تھی جو دیوار کے اندر بنی ہوئی تھی۔ اس الماری میں بھی ایک تالا لگا ہوا تھا اور الماری کے سامنے فرش پر ایک چھوٹا سا قالین دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ میں کمرے کی ایک ایک چیز کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ کمرے میں ایک کھڑکی تھی۔ میں نے اس کے قریب جا کر اسے کھول کر نیچے جھانکا۔ کھڑکی کے نیچے فرش تک کا فاصلہ کم از کم چالیس فٹ ہوگا۔ ہم کو اس کمرے تک پہنچنے کے لیے سیڑھیوں کا ایک بے حد طویل سلسلہ طے کرنا پڑا تھا اس لیے مجھے

اس اور کھڑکی کے درمیان اتنا زیادہ فاصلہ دیکھ کر کوئی تعجب نہیں ہوا۔ کھڑکی کے نیچے دیوار بالکل سیدھی چلی گئی تھی اور اس میں کوئی پیر ٹکانے کی جگہ نہیں تھی۔ نیچے فرش سخت اور کھردرے پتھروں کا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کھڑکی کے عین نیچے کے فرش کو خاص طور سے پتھر ملا بنایا گیا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ اس جگہ میں مقید کوئی شخص اگر کھڑکی کے راستے فرار ہونے کی کوشش کرے تو یقیناً اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ میں نے ایک بار پھر اس کمرے کو باہر غور سے دیکھا۔ یہ محل کا پچھواڑہ تھا گویا ہلاک کرنے والے نوجوانوں کی لاشیں اس کھڑکی کے راستے نیچے پھینکی جاتی ہیں۔ میں نے دل میں سوچا۔

میں کمرے اور کھڑکی کا جائزہ لینے میں مصروف تھا اور شرخونہ میرا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔ اس نے کمرے میں اندر سے دروازہ بند کر دیا تھا اور تیز نظروں سے مجھے گھور رہی تھی۔

"آپ نے کمرے کے دروازے میں تالا کیوں لگا دیا ہے۔ خاتون؟" میں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"کیا تو واقعی اس کی وجہ نہیں جانتا؟" شرخونہ نے اپنی سرخ آنکھوں سے مجھے دیکھا۔

"آپ نے بتایا ہی نہیں تو میں کیسے جانوں گا؟" میں نے بے طاقت بن کر کہا۔

"تو لے، میں تجھے وجہ بتاتی ہوں" اور اس کے ساتھ ہی شرخونہ نے بھوکی شیرنی کی طرح مجھ پر چھلانگ لگا دی۔

اس کے بدن میں بلا کی طاقت تھی وہ بالکل فولاد کی طرح مضبوط تھی۔ اور چند ہی لمحوں میں مجھے یقین ہو گیا کہ طاقت سے طاقتور مرد بھی جسمانی مقابلے میں اس پر غالب نہیں آ سکتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی وہ تنہا ان بدنصیب نوجوانوں پر حاوی رہتی تھی۔

میں اپنے دل میں یہ بات پہلے ہی طے کر چکا تھا کہ ابھی فوری طور پر اپنی صلاحیتوں کا اس پر ہرگز انکشاف نہیں ہونے دوں گا تاکہ میں اس کا راز نہ معلوم کر سکوں۔ چنانچہ میں نے اسے غالب آنے کا اور حاوی ہونے کا پورا موقع دیا اور ایسا ظاہر کیا گویا میں جسمانی طاقت میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

تھوڑی دیر بعد میں نے اس سے پوچھا۔

"تو کیا مجھے اس لیے یہاں لے کر آئی تھی؟ کیا مجھے مہمان بنانے کا یہی مقصد تھا؟"

"اور اگر کسی طرح تیرے شوہر گاوت کو اس کی اطلاع ہو گئی تو کیا وہ مجھے اور تجھے، دونوں کو موت کے گھاٹ نہیں اتار دے گا؟"

"اس بستی میں اتنی ہمت کہ میرے خلاف کوئی قدم اٹھا سکے؟" شرخونہ نے سینہ تان کر کہا "وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتا۔ میں اس سے سخت نفرت کرتی ہوں اور وہ مجھ سے سخت خوف کھاتا ہے۔"

"ان باتوں کی وجہ؟" میں نے پوچھا

"گاوت سمجھتا ہے کہ میں جادوگرنی ہوں، اور اس لیے وہ مجھ سے بہت ڈرتا ہے۔ اور اس کا یہ سمجھنا کچھ غلط بھی نہیں ہے میں بہت سے منتر اور عمل جانتی ہوں اور ان کی مدد سے میں نے اپنے آپ کو مردوں سے زیادہ مضبوط اور طاقتور بنا لیا ہے اور کوئی بڑے سے بڑا پہلوان بھی مجھ سے جیت نہیں سکتا۔ میں سدا جوان رہنے کا عمل بھی جانتی ہوں اور یہ عمل میں برابر کرتی رہتی ہوں۔ جب تک میرا یہ عمل جاری رہے گا، میں کبھی بوڑھی نہیں ہوں گی۔ لیکن اس کے لیے شرط یہی ہے کہ میں یہ عمل برابر کرتی رہوں۔ میں ابھی ایک بات بتا دیتی ہوں کہ میں ایک مرد کو ایک ماہ سے زیادہ اپنا مہمان نہیں رکھتی۔ ایک ماہ بعد میں اسے اپنے پاس سے رخصت کر دیتی ہوں اور پھر اپنے لیے کوئی دوسرا آدمی تلاش کر لیتی ہوں۔ وہ یہ بات صاف گول کر گئی کہ وہ ان لوگوں کو قتل کر دیتی ہے۔ "تجھے بھی ایک ماہ بعد مجھ سے جدا ہونا پڑے گا"

"جب آدمی کو تو رخصت کر دیتی ہے، تو کیا وہ دوبارہ تجھ سے ملنے کی خواہش نہیں کرتا؟" میں نے پوچھا "اگر وہ تیرے پاس سے نہ جانا چاہے تو؟"

"سوال اس کی خواہش کا نہیں بلکہ میری ضرورت کا ہے" اس نے گول مول سا جواب دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں تیرے لیے کھانا لینے جا رہی ہوں" اس نے کہا "محل کے اس حصے میں میں نے کسی ملازم کو آنے کی اجازت نہیں دی ہے اور میں اس کمرے میں تالا لگائے رکھتی ہوں اس لیے مجھے ڈرنے یا فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں، ادھر کوئی نہیں آئے گا۔ تو کھانا کھا کر آرام کرنا۔ اب تجھ سے ملاقات رات میں ہوگی۔"

شرخونہ چلی گئی اور دروازے میں باہر سے تالا لگا گئی۔ تھوڑی دیر بعد میں نے تالا کھلنے کی آواز سنی۔ شرخونہ میرے لیے کھانا لائی تھی کھانا رکھ کر وہ واپس چلی گئی اور دروازہ باہر سے بند کر گئی۔ میں نے اطمینان سے کھانا کھایا اور لمبی تان کر سو گیا۔

رات کو شرخونہ دوبارہ آئی۔ اس نے کمرے میں چراغ روشن کیا۔ پھر اس نے کمرے میں موجود الماری کا تالا کھولا۔ اور اس میں سے کسی محلول سے بھرا ہوا ایک بڑا سا برتن نکالا جس میں سے ناگوار سی بو آ رہی تھی۔

وہ قالین پر دوزانو ہو کر بیٹھ گئی جو الماری کے سامنے فرش پر بچھا ہوا تھا۔ اس نے کمرے کے دروازے میں اندر سے تالا لگا لیا تھا اور چابی اپنے پاس رکھ لی تھی۔ محلول کے برتن

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

کر جس میں ایک چمچا بھی پڑا ہوا تھا' اپنے سامنے رکھ کر وہ ایک عجیب سی زبان میں کچھ اول فول بکنے لگی۔ جیسا کہ تم جانتے ہو پروفیسر میں تو دنیا کی ہر زبان سمجھ لیتا ہوں۔ لیکن شرخونہ جو الفاظ ادا کر رہی تھی وہ کسی بھی زبان کے الفاظ نہ تھے۔ وہ حروف اور آوازوں کے مہمل اور بے معنی مجموعے تھے۔ میں اس کی اس حرکت کو بڑے غور اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ چمچے سے تھوڑا تھوڑا محلول پیتی جاتی اور پھر جاپ شروع کر دیتی۔ اس نے اپنے لمبے بالوں کو کھول کر دونوں شانوں پر بکھیر لیا تھا اور بار بار دیوانہ وار اپنے سر کو جھٹک رہی تھی۔ عجیب پُراسرار منظر میری نظروں کے سامنے تھا۔ اس نے کئی زاویوں سے پوزیشن بدلی اور نہ معلوم کیا کیا الاپتی رہی۔ پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے محلول کا برتن اور چمچا الماری میں رکھا اور الماری بند کرتے ہی مجھ پر چھلانگ لگا دی۔

اس کے منہ سے محلول کی عجیب سی بو آ رہی تھی۔ کافی کوشش کے باوجود میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ کیا چیز تھی۔

انتیس راتیں اسی عالم میں گزر گئیں۔ شرخونہ دن بھر اور رات بھر مجھے کمرے میں بند رکھتی۔ میں نے کئی بار دبے لفظوں میں اس سے اس بات پر احتجاج کیا، لیکن وہ یہی کہہ کر ٹال گئی کہ میری حفاظت کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے۔ شرخونہ چوبیس گھنٹے میں تین بار میرے پاس آتی تھی۔ ایک تو صبح کا ناشتا لے کر، پھر دوپہر کا کھانا لے کر اور اس کے بعد رات کا کھانا لے کر۔ ناشتا اور دوپہر کا کھانا دینے کے بعد وہ فوراً چلی جاتی، لیکن رات کو جب آتی تو مجھے کھانا دینے کے بعد حسبِ معمول اپنے بے ہودہ منتر کے جاپ میں مصروف ہو جاتی اور غلیظ مشروب نکال کر پی جاتی۔ میں اسے غور سے دیکھتا رہتا۔

انتیس راتوں تک یہ سلسلہ جاری رہا اور اس دوران مجھے شرخونہ کی زبان سے بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ اس نے میرے سامنے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس کے شوہر اور بستی کے جگر اس گاؤں کے علاوہ بستی کے دوسرے لوگ بھی اس سے سخت خوفزدہ رہتے ہیں اور اسے جادوگرنی سمجھتے ہیں۔ اسے خود بھی بستی کے لوگوں سے اور اپنے شوہر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ تو بس سدا جوان رہنے کی خواہش مند ہے اور اس کے لیے اسے اپنے منتر کو مستقل جاری رکھنے کی ضرورت ہے

اس عرصے کے دوران مجھے اندیشک یا گاؤت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ تاہم مجھے یقین تھا کہ وہ لوگ خیریت سے ہوں گے کیونکہ شرخونہ مجھے روزانہ کی اہم خبریں ضرور سنایا کرتی تھی جو بستی میں پیش آنے والے چھوٹے موٹے واقعات پر مشتمل ہوتی تھیں۔

آج میری قید کی تیسویں رات تھی اور آج ہی کچھ پُراسرار شرخونہ کے راز کا آخری حصہ منکشف ہونے والا تھا۔ آج رات کا کھانا لے کر شرخونہ ذرا جلدی آ گئی۔ آج کھانا کے خوان کے ساتھ ایک پیالہ کسی سرخ رنگ کے مشروب کا بھی تھا۔

"سنہرے بدن والے اجنبی" اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "آج کی رات ہماری ملاقات کی آخری رات ہے اور کل صبح میں تمھیں یہاں سے رخصت کر دوں گی۔ میں تمھیں ایک گھوڑا دوں گی اور ایک آدمی کو تمھارے ہمراہ کر دوں گی جو آس پاس کے سارے علاقے سے اچھی طرح واقف ہے۔ وہ تمھیں تمھاری منزل کا پتا بتا دے گا۔ تمھیں یاد ہو گا کہ میں نے تم کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ میں ایک ماہ سے زیادہ کسی مرد کو مہمان نہیں رکھتی۔"

"ہاں حسین شرخونہ مجھے یاد ہے" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "لیکن سچ پوچھو تو اب یہاں سے جانے کے لیے میں بالکل نہیں چاہتا۔ تم نے مجھے زندگی سے آشنا کیا ہے اس کے بعد اب میں کہیں خوش نہیں رہ سکتا۔ میں ساری عمر تمھارے ساتھ اسی کمرے کے قید خانے میں گزارنے کے لیے تیار ہوں۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا اجنبی مسافر" شرخونہ نے جواب دیا۔ "یہ ٹھیک ہے کہ تم مجھے بے حد پسند ہو اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تمھارا جیسا آدمی مجھے روئے زمین پر کہیں نہیں مل سکے گا، لیکن اس کے باوجود میں مجبور ہوں۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں تمھیں زندگی بھر اپنے ساتھ رکھتی، لیکن اس صورت میں میرا منتر بے اثر ہو جائے گا اور میری ساری محنت رائیگاں چلی جائے گی۔ تمھیں صبح کو یہاں سے رخصت ہونا ہی پڑے گا اجنبی۔"

"جیسی تمھاری مرضی" میں نے خود پر ملال کی کیفیت طاری کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "گویا آج ہماری محبتوں کی آخری رات ہے؟"

"ہاں اجنبی" اس نے جواب دیا۔ "اور میں چاہتی ہوں کہ میں اور تم دونوں مل کر اس کو یادگار بنا دیں۔ اس لیے میں تمھارے لیے یہ ایک مشروب لائی ہوں۔ تم کھانا کھا لو اور اس کے بعد یہ مشروب پی لینا۔ میں اس اثنا میں اپنا جاپ مکمل کر لوں گی۔ یہ مشروب تمھارے رگ و پے میں توانائیوں کی ایسی لہریں دوڑا دے گا جن کا تمھیں اس سے پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا ہو گا۔" میں سمجھ گیا کہ اس مشروب میں یا تو کوئی دیر سے اثر کرنے والا زہر ہے یا دیر سے اثر کرنے والی بے ہوشی کی دوا ہے۔ بہرحال میرے لیے اس سے کیا فرق پڑتا تھا پروفیسر! میں نے کھانا شروع کر دیا اور شرخونہ اپنے واہیات عمل میں مصروف ہو گئی۔ کھانا ختم کرنے کے بعد میں نے وہ مشروب پی لیا۔ اس کا ذائقہ سخت خراب تھا۔

"اب تم کو بڑی خوشگوار نیند آ جائے گی" شرخونہ نے کہا۔ اس کی آنکھوں میں ایک پُراسرار شیطانی چمک نظر آ رہی تھی۔ "اس مشروب کا اثر یہ ہے کہ کچھ دیر بعد یہ انسان کو گہری نیند سلا دیتا ہے۔ تم رات بھر آرام کرو گے اور صبح کو یہاں سے روانہ ہو جاؤ گے۔"

میں اس کی چالاکی اور مکاری کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا اور اسے اپنا کام کرنے کا پورا موقع دینا چاہتا تھا چنانچہ جلد ہی میں نے آنکھیں بند کر لیں اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ گویا میں بے خبر سو رہا ہوں۔ شرخونہ تھوڑی دیر تک بستر پر لیٹی رہی، پھر میں نے اس کے آہستہ سے اٹھنے کی آواز سنی۔ میں نے آہستہ سے آنکھ کھول کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی الماری کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے الماری کا پٹ کھول کر اس میں سے ایک چمک دار خنجر نکالا۔ یہ کافی بڑا خنجر تھا اور اس کا ایک ہی وار انسان کو ہلاک کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس کے بعد اس نے خنجر کو اس محلول میں اچھی طرح تر کیا جسے وہ منتر کے جاپ کے دوران پیتی تھی۔ خنجر میں سے مشروب کے قطرے ٹپک ٹپک کر قالین پر گر رہے تھے۔ اس کے بعد اس نے الماری میں سے ایک دوسرا برتن نکالا جو اندر سے خالی تھا۔ اور اب وہ بلی کی طرح دبے پاؤں میری جانب بڑھنے لگی تھی۔

میں نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ میرے بالکل قریب آ کر رک گئی ہے۔ یکایک اس نے اوٹ پٹانگ اور بے معنی الفاظ کا ورد شروع کر دیا۔ میں خاموشی سے پڑا ہوا لمبے لمبے سانس لیتا رہا۔ ذرا دیر بعد وہ خاموش ہو گئی۔ میں دم سادھے پڑا رہا۔

"تیری جان لینے کا مجھے افسوس ہے، اور زندگی بھر رہے گا" وہ منہ ہی منہ میں آہستہ آہستہ بڑبڑانے لگی اور میں غور سے اس کے الفاظ کو سننے لگا۔ "میں دنیا میں اپنی ذات کے علاوہ کسی اور سے محبت نہیں کر سکتی، تجھ سے بھی نہیں سنہری بدن والے اجنبی۔ اپنی بقا کے لیے اپنی جوانی کو قائم و دائم رکھنے کے لیے میں تجھے بھی ٹھکانے لگانے پر مجبور ہوں۔ مجھے تیرے دل کی ضرورت ہے جس کے گوشت کو میں کھاؤں گی۔ اور تیرے سینے سے بہنے والے خون سے محلول تیار کروں گی۔ اب میرے پاس محلول ختم ہو گیا ہے۔ مجھے تیرے خون کی ضرورت ہے۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا سنہری اجنبی۔"

اور ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کا خنجر بڑی زور سے میرے سینے سے ٹکرایا اور اس کی نوک کا دباؤ مجھے اپنے پسلیوں میں محسوس ہوا اور ساتھ ہی خنجر پھسل کر گر پڑا۔ میں نے لپک کر شرخونہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اٹھ بیٹھا۔ حیرت اور خوف کے مارے اس کی چیخ نکل گئی۔

"تم... تم... بے ہوش نہیں ہوئے؟" اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں اٹک اٹک کر کہا۔

"نہیں شرخونہ" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "مجھے بیہوش ہونے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"کوئی بات نہیں سنہری نوجوان" شرخونہ نے بھاری آواز میں کہا۔ "میں تمھیں بے ہوش کیے بغیر بھی تم پر قابو پا سکتی ہوں۔" اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کے لیے زور لگایا اور میں نے ایسا ظاہر کرتے ہوئے گویا میں اس سے زیادہ طاقتور نہیں ہوں، اس کی کلائی پر اپنی گرفت ڈھیلی کر دی۔ شرخونہ نے لپک کر گرا ہوا خنجر اٹھا لیا۔ اس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔

ایک سفاک اور بے رحم قاتلہ کے روپ میں میری جان کے درپے تھی۔ وہ میرا کلیجا چیر کر میرا دل چبانا چاہتی تھی اور میرے خون سے پیالا بھر لینا چاہتی تھی۔

ایک وحشیانہ آواز لگاتے ہوئے وہ دوبارہ مجھ پر پوری قوت کے ساتھ حملہ آور ہوئی اور اس کا خنجر ایک بار پھر میرے سینے سے ٹکرایا۔ اس بار میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر چھوڑا نہیں۔ وہ مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی، بل کھا رہی تھی۔ اور زور آزمائی کر رہی تھی اپنے جسم کی پوری قوت لگا کر اپنا ہاتھ چھڑانا چاہتی تھی۔ لیکن اس کا ہاتھ تو جیسے فولادی حلقے میں جکڑا ہوا تھا۔ تھوڑی جدوجہد کے بعد اس کا سانس پھول گیا۔ وہ حیرت سے مجھے گھورنے لگی۔

میں نے خنجر اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ظالم اور وحشی عورت" میں نے نفرت سے کہا۔ "تو اب تک نہ جانے کتنے نوجوانوں کو اپنی ہوس کی سینٹ چڑھا چکی ہے اور ان کے دل نکال کر کھا چکی ہے۔ تو واقعی ایک خطرناک ڈائن اور چڑیل ہے اور تیرا زندہ رہنا اس بستی والوں کے لیے ایک بہت بڑا عذاب ہے۔ جب تک تو زندہ رہے گی، اسی طرح نوجوانوں کو ہلاک کر کے ان کے کلیجے چباتی رہے گی۔ میں اس بستی والوں کا دوست ہوں، اور انھیں اس لعنت سے نجات دلانا میرا فرض ہے۔" اور ان الفاظ کے ساتھ ہی میں نے اس کا خنجر لے کر دستے تک اس کے سینے میں اتار دیا۔ اس کے حلق سے ایک بھیانک کراہ نکلی۔ تھوڑی دیر تک اس کا بدن تڑپتا رہا اور پھر ساکت ہو گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ پروفیسر مجھے اس عورت کے قتل کا ذرا بھی افسوس نہیں تھا۔ وہ ایک بلا تھی، قاتلہ تھی، جب تک وہ زندہ رہتی ہر ماہ ایک نوجوان کی زندگی کا چراغ گل ہوتا رہتا۔ اسے ہلاک کر کے میں نے بہت سے انسانوں کی جانیں بچائی تھیں۔

کمرے میں ہر طرف خون ہی خون پھیل گیا تھا۔ میں نے کمرے کی واحد کھڑکی کھول دی اور شرخونہ کے مردہ جسم کو اٹھا کر اس میں سے نیچے گرا دیا۔ سخت پتھروں پر اس کے بھاری جسم کے گرنے سے ایک دھماکے کی آواز پیدا ہوئی اور پھر چاروں طرف خاموشی چھا گئی۔ اس کے ذرا دیر بعد میں نے بھی کھڑکی سے چھلانگ لگا دی

scanned by aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

میں شرخونہ کے مردہ بدن کے قریب ہی گرا اور فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ اب میں محل کی چہار دیواری کے باہر تھا۔ چاروں طرف تاریکی تھی اور سناٹا تھا۔ دور آسمان پر ستارے جگمگا رہے تھے۔ میرے رفیق میرے دیرینہ دوست اور ہمدم۔ میں نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔ انھوں نے میری مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا۔ میں آگے بڑھ گیا۔

اب مجھے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کرنا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اس محل سے اس طرح نکل جاؤں کہ پہرے داروں کی مجھ پر نظر نہ پڑے اور کوئی فتنہ کھڑا نہ ہو جائے۔ میں اپنے وعدے کے مطابق اندلیشک اور گاوت کے پاس پہنچنا چاہتا تھا اور انہیں یقین دلا دینا چاہتا تھا کہ میں زندہ ہوں اور پھر وہاں کوئی اور بھی تو تھا جو میرا انتظار کر رہا ہوگا۔ چلتے وقت اس نے کہا تھا "میں تمہارا انتظار کروں گی۔" تو گراش کا حسین اور معصوم چہرہ میری نظروں کے سامنے گھوم گیا اور دل ہی دل میں مسکرا اٹھا۔

جس جگہ میں کود اتھا وہ جگہ محل کا پچھواڑہ تھی۔ محل کے پچھواڑے حسب معمول مہینے کے اختتام پر ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔ لیکن یہ لاش کسی نوجوان کی نہیں تھی۔ شرخونہ کی لاش تھی۔ میں خاموشی اور احتیاط کے ساتھ قدم اٹھاتا ہوا محل کی چہار دیواری سے دور ہونے لگا اور تھوڑی دیر میں میں نے محل کو بہت پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ اب میں بستی کے قریب آگیا تھا۔ میں بستی کے کنارے کنارے چلتا ہوا اس پہاڑی تک پہنچ جانا چاہتا تھا جس کے دامن میں اندلیشک کا گھر تھا۔

ابھی میں بستی سے کچھ ہی دور تھا کہ اچانک نیم تاریکی میں سامنے سے پانچ گھوڑے سوار آنکلے۔ وہ اس طرح سامنے آگئے تھے کہ میں کوشش کے باوجود خود کو ان کی نظروں سے نہ بچا سکا۔

"کون ہے تو؟" ان میں سے ایک نے ڈپٹ کر پوچھا۔ اور میرا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ باقی چاروں بھی رک گئے۔ میں اب ان سے بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔

"میں پوچھتا ہوں تو کون ہے اور اتنی رات گئے یہاں کیا کر رہا ہے؟" اس شخص نے مجھے خاموش پا کر دوبارہ ڈانٹا۔

"میں مسافر ہوں اور راستہ بھول گیا ہوں۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔

اس اثنا میں پیچھے کھڑے ہوئے سپاہیوں میں سے ایک گھوڑا بڑھا کر میرے بالکل قریب آگیا اور غور سے میری شکل دیکھنے لگا۔

"ارے، یہ تو ہے، تو یہاں کیسے آگیا؟ تو زندہ کیسے بچ نکلا؟" اس شخص نے حیرت سے کہا۔

"کیا تم اسے جانتے ہو؟" پہلے والے آدمی نے اس سے پوچھا۔

"ہاں میں اسے پہچانتا ہوں۔" دوسرے نے مضطرب لہجے میں کہا۔ "میں اس دن شرخونہ کے ساتھ تھا جب یہ صبح ہی صبح شرخونہ کو بستی کے بڑے بازار میں ملا تھا اور اس نے اپنے آپ کو ایک اجنبی مسافر بتایا تھا اس کے بعد شرخونہ اسے اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ آج اس بات کو پورا ایک دن گزر گیا ہے اور مجھے کل صبح شرخونہ کے ساتھ پھر مہم پر نکلنا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ شخص یہاں زندہ کس طرح آگیا؟" اس نے معنی خیز انداز میں اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ شرخونہ کی قید سے کسی طرح فرار ہو کر آگیا ہے۔" پہلے والے آدمی نے کہا۔

"میں اسے بہت اچھی طرح پہچانتا ہوں۔" دوسرا آدمی جلدی سے بولا۔ "اس کے سنہری جسم اور سنہری بالوں کو تو میں بھول ہی نہیں سکتا۔ ضرور یہ شرخونہ کی قید سے نکل بھاگا ہے۔ اسے گرفتار کرو۔ شرخونہ ہمارے اس کارنامے سے بہت خوش ہوگی اور ہمیں بڑا انعام ملے گا۔"

"تم لوگ انعام کے لالچ میں پڑ کر اپنی جانیں گنوانے کے بجائے اگر اپنے گھر کا راستہ لو تو اچھا ہے۔" میں نے پہلی بار زبان کھولی۔

"ہم لوگ اپنے گھر کا راستہ ضرور لیں گے۔" پہلے والے آدمی نے کہا۔ "لیکن پہلے تجھے قید خانے کا راستہ دکھا دیں گے۔" اور اس کے ساتھی وہ گھوڑے سے نیچے اتر پڑا۔ اس کے باقی چاروں ساتھی بھی فوراً اپنے اپنے گھوڑوں پر سے نیچے کود پڑے اور دو آدمیوں نے آگے بڑھ کر مجھے بازوؤں سے پکڑنا چاہا۔

"ہمیں اسے زندہ گرفتار کرنا ہے۔" پہلے والے آدمی نے ان دونوں سے کہا۔ "خیال رہے اسے ہلاک کرنا ہے۔ یہ کام شرخونہ خود بھی انجام دے گی۔"

میں نے ایک جھٹکے سے ان دونوں آدمیوں کو دور پھینک دیا اور وہ سب کے سب میری اس حرکت پر حیرت زدہ رہ گئے۔

"آدمی جان دار معلوم ہوتا ہے۔" دوسرے آدمی نے کہا اور پھر وہ پانچوں مختلف سمتوں سے میری طرف بڑھنے لگے۔ یکبارگی وہ سب مجھ پر ٹوٹ پڑے اور مجھے بے قابو کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ میں اول اول سے جان چھڑا کر وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا اور ان میں سے کسی کو ہلاک کرنے کا میرا ارادہ نہیں تھا۔ میں نے ایک جھٹکے سے انہیں اپنے جسم سے الگ کیا اور لپک کر ان میں سے ایک کے گھوڑے پر سوار ہونے کی کوشش کی لیکن ایک سپاہی نے اچانک تلوار نکالی۔ اس نے میرے بازو پر وار کرنا چاہا۔ لیکن میں نے اچانک تلوار چھین لی۔ اتنے میں دوسرے نے خنجر نکال لیا اور میرے پاؤں پر مارا۔ اب وہ ہتھیاروں کے استعمال سے مجھے بے بس کر کے اپنے قابو میں لے لینا چاہتے تھے۔ میں نے گھوڑے پر سوار ہونے کا ارادہ ترک کر دیا اور دوبارہ ان کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ اتفاق سے میرا ہاتھ ان میں سے ایک کی کھوپڑی پر زور زور سے پڑ گیا اور وہ ایک بھیانک کراہ کے ساتھ زمین پر گر گیا۔ اس کے سر کے ٹکڑے ہو گئے۔

وہ چاروں اپنے ساتھی کا یہ حشر دیکھ کر غصے سے پاگل ہو گئے۔ ان سب نے اپنی اپنی تلواریں سونت لیں اور چاروں طرف سے مجھ پر یلغار کر دی۔ ان کی تلواریں میرے جسم سے ٹکرا رہی تھیں اور ان سے کھٹ کھٹ کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ لیکن میرے جسم پر زخم کا نشان تک نہ تھا۔ میں نے دو چار

ہاتھوں میں ان میں سے تین کو ٹھکانے لگا دیا اور چوتھے کی طرف بڑھا۔ یہ چاروں میں سے زندہ بچنے والا وہ واحد شخص تھا۔ لیکن اب وہ بے حد خوفزدہ تھا۔ میرے گھونسے کا شکار ہونے سے پہلے وہ بجلی کی سی تیزی سے پلٹ کر گھوڑے پر بیٹھا اور بھاگنے لگا۔ میں فوراً دوسرے گھوڑے کی پشت پر سوار ہوا اور اس کے پیچھے لپکا۔ وہ تیزی سے دائیں طرف کو مڑ کر درختوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔ میں تقریباً ایک گھنٹے تک اسے تلاش کرتا رہا لیکن وہ نہیں ملا۔ تنگ آکر میں نے اس کی تلاش چھوڑ دی۔ اور واپس مڑ گیا۔ کیا جہاں ان چاروں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں تینوں گھوڑے وہاں سے بھاگ گئے تھے۔ میں نے اس گھوڑے کو بھی چھوڑ دیا جس پر میں سوار تھا۔ پیدل ہی اپنی منزل کی طرف دوبارہ روانہ ہو گیا۔

تقریباً آدھی رات ہو چکی تھی جب میں اس پہاڑی کے دامن میں پہنچا۔ جہاں اندلیشک کا گھر تھا۔ میں نے چاروں طرف نظریں دوڑا کر اچھی طرح اطمینان کر لیا کہ کوئی مجھے دیکھ نہیں رہا ہے۔ دور دور تک کسی انسان کا پتا نہیں تھا۔ ہر طرف نیم تاریکی تھی اور گہرا سناٹا طاری تھا۔

میں نے بہت ہولے سے اندلیشک کے دروازے پر دستک دی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ میری اس آہستہ اور پہلی ہی دستک پر کسی نے دروازہ کھول دیا۔ اندلیشک ایک ہاتھ میں چراغ لیے میرے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے پیچھے تو گراش تھی مجھے دیکھتے ہی دونوں کے چہرے کھل اٹھے۔ دروازہ آگیا اور اندلیشک نے دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔

"تم آگئے شاداں؟" اندلیشک نے فرطِ مسرت سے بے قابو ہو کر مجھے لپٹتے ہوئے کہا۔ "سچ پوچھو تو مجھے ذرہ برابر بھی امید نہیں تھی کہ تم واپس آسکو گے۔ شرخونہ کے ساتھ جانے والا کوئی بھی نوجوان کبھی زندہ واپس نہیں آیا۔ مجھے حیرت ہے کہ تم کس طرح بچ نکلے۔"

"میں تمہیں خوش آمدید کہتی ہوں شاداں۔" تو گراش نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھیں فرطِ مسرت سے چمک رہی تھیں اور معصوم اور حسین چہرہ ماہتاب کی طرح دمک رہا تھا۔ میں اسے دیکھ کر مسحور ہو گیا۔ میں نے شکریہ کے ساتھ اس کا شکریہ ادا کیا۔

اس اثنا میں گاوت بھی آگیا جو غار کے اندر چھپا ہوا تھا جب اسے معلوم ہو گیا کہ آنے والا میں ہوں تو وہ اپنی کمین گاہ سے نکل آیا اور دوڑ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔

"تمہیں زندہ دیکھ کر میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ تم کوئی غیر معمولی انسان ہو۔" گاوت نے کہا۔ "تمہاری واپسی کسی معجزے سے کم نہیں۔"

میں جواب میں صرف مسکرا کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد تو گراش سونے کے لیے چلی گئی اور میں نے اندلیشک اور گاوت کے ساتھ بیٹھ کر انہیں اپنی تفصیلی داستان سنانی شروع کر دی۔ وہ دونوں سخت حیرت زدہ ہوئے اور خوفزدہ بھی۔ میں ابھی شرخونہ کی ہلاکت تک ہی پہنچا تھا کہ اندلیشک بیچ میں بول پڑا۔

"اب یہ بات سمجھ میں آئی کہ مرنے والے نوجوانوں کا دل کہاں غائب ہو جاتا تھا اور ان کی ہلاکت کا اصل سبب کیا تھا۔" اندلیشک نے کہا۔

"وہ پاگل عورت سدا جوان رہنے کے خبط میں مبتلا تھی اور انسانوں کو مار مار کر کھائے جا رہی تھی۔ میں نے اس فتنے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے۔" میں نے کہا۔

"مگر اس کے نشہ اور شراب کا تم پر اثر کیوں نہیں ہوا؟" اندلیشک نے اچانک پوچھا۔

"میرا جسم ہر قسم کے زہر کا عادی ہے۔" میں نے بات بناتے ہوئے کہا۔ "مجھ پر کوئی نشہ اور شراب یا زہر اثر نہیں کرتا۔" اندلیشک نے بے یقینی کے ساتھ مجھے گھورا لیکن کچھ کہا نہیں۔

اس کے بعد میں نے اپنی داستان کا وہ حصہ سنایا جس کا تعلق پانچ سپاہیوں کے ساتھ میری مڈبھیڑ تھا۔ جب اندلیشک اور گاوت کو یہ معلوم ہوا کہ میں نے بغیر کسی ہتھیار کی مدد سے پانچ میں سے چار سپاہیوں کو ہلاک کر دیا اور پانچواں بھاگ نکلا، تو ان کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"ناممکن۔ بالکل ناممکن!" اندلیشک آپ ہی آپ بڑبڑایا۔ "کہاں ایک اور کہاں پانچ! تم ضرور کوئی پُراسرار آدمی ہو۔ تمہیں مقدس آگ کی خوشنودی حاصل ہے۔ تم غیر معمولی ہو۔"

"میں غیر معمولی اس حد تک ہوں کہ میرا جسم بہت مضبوط ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے شروع سے اپنے جسم پر بہت توجہ دی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے۔"

اندلیشک نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میں سمجھ گیا کہ میرے بارے میں اس کے دل میں بہت سے سوالات پیدا ہو رہے ہیں اور وہ میری حقیقت کو جاننے کی کوشش کر رہا ہے۔

"تو یوں کہو کہ تم آج رات پانچ سپاہیوں کو اپنے پیچھے چھوڑ کر آئے ہو؟" گاوت نے کہا۔

"مجبوری تھی۔" میں نے جواب دیا۔ "اس کے علاوہ اور کیا بھی کیا جا سکتا تھا؟"

"اور اب یہ سمجھ لو کہ کل صبح بستی بستی میں ایک قیامت برپا ہو جائے گی۔" بوڑھے اندلیشک نے تشویشناک لہجے میں کہا۔ "گراش کی بیوی شرخونہ کی اپنے محل کے اندر ہلاکت اور گراش کے چار فوجیوں کا عین بستی کے اندر مارا جانا کوئی معمولی واقعات نہیں ہیں۔ یہ سچ ہے کہ گراش شرخونہ کی ہلاکت پر دل ہی دل میں خوش ہوگا کہ اسے اس کے عذاب سے نجات مل گئی۔ لیکن وہ قاتل کو تلاش کر کے اسے سزا دینے کی پوری پوری کوشش کرے گا اور پھر اپنے فوجیوں کی ہلاکت پر تو وہ خاموش بیٹھ ہی نہیں سکتا۔ بستی میں کسی جان نہیں ہے کہ گراش کے کسی سپاہی کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔ کجا یہ کہ اس کے چار فوجی ایک ساتھ قتل ہو جائیں۔ وہ قاتل کی تلاش میں بستی کے ایک ایک گھر کو کھنگال ڈالے گا۔ غصے کے مارے وہ دیوانہ ہو جائے گا۔ ہمیں ان حالات میں سخت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

"تو ٹھیک کہتے ہو اندلشک" گاوت نے جواب دیا "ہمیں حالات کا بغور جائزہ لینا ہوگا اور اس کے بعد ہم آئندہ کی حکمت عملی طے کریں گے۔"

اس کے بعد گاوت اور اندلشک مجھے دیر تک مجھ پر تبلیغ رہے کہ میری عدم موجودگی میں وہ کتنے خوفزدہ رہے اور کس طرح ہر آہٹ پر ان دونوں کے دل دھڑکنے لگتے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ وہ ایک ایک دن گن گن کر کاٹ رہے تھے اور آج کے دن کے بے چینی کے منتظر تھے۔ انھیں محض موہوم سی امید تھی کہ میں واپس آؤں گا۔ اور وہ سورج ڈھلنے کے بعد سے ہی میرا انتظار کر رہے تھے۔ کافی دیر تک باتیں کرتے رہنے کے بعد ہم لوگ سو گئے۔

علی الصبح تو گراش نے ہم لوگوں کو ناشتا دیا۔ ناشتا کے بعد میں اور گاوت غار میں چھپے اور بوڑھا اندلشک تھوڑی دیر بعد باہر نکل گیا تاکہ یہ معلوم کر سکے کہ بستی میں کیا صورت حال ہے۔ وہ چلتے چلتے تو گراش کو ہدایت کر گیا کہ اس کی مخصوص دستک کے علاوہ کسی اور کی دستک پر ہرگز دروازہ نہ کھولے۔ تو گراش اپنے باپ کی دستک کو اچھی طرح پہچانتی تھی۔

میں اور گاوت غار میں تنہا بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

گاوت کو شرخونہ کے معاملے سے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ بار بار مجھ سے اس کے بارے میں مختلف سوالات پوچھتا رہا۔ یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ کوئی عورت اتنے زیادہ مضبوط تن و توش کی مالک ہو سکتی ہے کہ اچھے اچھے نوجوانوں کو زیر کر لے۔ وہ اس بات پر بہت خوش تھا کہ میں نے شرخونہ کو اپنے اوپر غالب نہیں آنے دیا اور بالآخر اس کا خاتمہ کر دیا۔ میں نے اسے یقین دلایا جس طرح میں نے ایک بلا یعنی شرخونہ کا خاتمہ کر دیا ہے، اسی طرح میں دوسری بلا یعنی گرانش کا بھی خاتمہ کر دوں گا۔

کوئی گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد اندلشک واپس آیا۔ اس نے ہم لوگوں کو غار سے باہر نہیں نکلنے دیا بلکہ خود غار کے اندر آ گیا اور تو گراش کو بھی وہیں بلا لیا۔ اس نے جلدی جلدی ہم لوگوں کو بتایا کہ بستی میں سخت ہنگامہ ہے۔ اطلاعات کے مطابق گرانش اپنی بیوی کے قتل اور چار سپاہیوں کی ہلاکت پر سخت برافروختہ ہے۔ پوری بستی میں یہ خبر گشت کر رہی ہے کہ ایک سنہری بدن والا اجنبی شرخونہ کو قتل کر کے فرار ہو رہا تھا کہ پانچ سپاہیوں نے رات کو اسے روک لیا۔ اس نے ان میں سے چار سپاہیوں کو ہلاک کر دیا اور ایک سپاہی بھاگ نکلا جس نے علی الصبح گرانش کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ گرانش کو شرخونہ کی موت کی خبر اس سے پہلے ہی مل چکی تھی، کیونکہ محل کے بیرونی پہرے داروں نے اپنے گشت کے دوران اس کی لاش دریافت کر لی تھی۔ اس سپاہی کے بیان کی روشنی میں یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ شرخونہ کا قاتل وہی سنہرے بدن والا اجنبی تھا جس کی رات کو سپاہیوں سے مڈبھیڑ ہوئی تھی اور مارے جانے والے سپاہیوں میں سے ایک نے اسے پہچان کر اس بات کی تصدیق کر دی تھی کہ ایک ماہ پہلے شرخونہ اس شخص کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔

"اب صورت حال یہ ہے کہ پوری بستی میں ایک قیامت برپا ہے۔" اندلشک نے کہا۔ "گرانش کے حکم پر اس کے فوجی ایک ایک گھر میں گھس کر تلاشی لے رہے ہیں کیونکہ شبہ یہ ہے کہ وہ شخص ابھی بستی سے باہر نہیں گیا اور یہیں کہیں چھپا ہوا ہے۔ گرانش کا حکم ہے کہ وہ شخص جس گھر سے بھی برآمد ہو اس گھر کے ہر فرد کو فوراً قتل کر دیا جائے اور اس شخص کو گرفتار کر کے اس کے حضور پیش کیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ تھوڑی دیر میں تلاشی لینے والے ہمارے گھر تک پہنچ جائیں گے۔"

"ہم دونوں اسی غار کے اندر رہیں گے اور تمھیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔" میں نے اندلشک سے کہا۔ "اگر بالفرض ان لوگوں نے مجھے دیکھ بھی لیا تو یقین رکھنا کہ تمھاری اور تمھاری بیٹی کی جان پر کوئی آفت نہیں آئے گی۔ تم دونوں کی سلامتی کا میں ذمہ دار ہوں۔"

"بیٹی تو گراش۔" اندلشک نے اپنی بیٹی سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تو اپنے کمرے میں جا کر چارپائی پر اس طرح لیٹ جا جیسے تو بہت بیمار ہے اور خدانخواستہ کسی حالت میں اٹھنے کی کوشش نہ کرنا۔ اور اگر تجھے اٹھنا ہی پڑ جائے تو ایک پیر سے لنگڑاتی ہوئی چلنا تاکہ گرانش کے سپاہی تجھے اپاہج سمجھیں۔"

اندلشک اپنی بیٹی کو گاوت اور گراش کی داستان مختصر طور پر سنا چکا تھا اور اسے یہ بات بتا چکا تھا کہ موجودہ حکمراں اصلی گاوت ہے اور اصلی گاوت اس کے گھر میں موجود ہے۔ تو گراش بہت سمجھدار اور ذہین لڑکی تھی۔ وہ سارے معاملے کو بخوبی سمجھ رہی تھی۔ اس نے اپنے باپ کی ہدایت پر عمل کیا اور غار سے باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد اندلشک بھی ہم دونوں کو ہوشیار رہنے کی تلقین کرتے ہوئے غار سے باہر نکل گیا۔ اس نے پتھروں سے غار کا دروازہ اچھی طرح بند کیا اور اس پر کچھ گیلے کپڑے سوکھنے کے لیے ڈال دیے۔ میں اور گاوت ایک بار پھر غار میں اکیلے رہ گئے۔ اندلشک نے اپنے گھر کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔

تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ اچانک کوئی زور زور سے گھر کا دروازہ پیٹنے لگا۔ میں نے اور گاوت نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"کون ہے؟" میں نے اندلشک کی خوفزدہ آواز سنی۔

"دروازہ کھولو۔" باہر سے بھاری آواز سنائی دی۔ "ہم سرکاری سپاہی ہیں اور تمھارے گھر کی تلاشی لینے آئے ہیں۔"

میں نے دروازہ کھلنے اور اس کے ساتھ ہی بہت سے قدموں کے گھر کے اندر داخل ہونے کی آواز سنی۔ ان کے قدموں کی بھاری چاپ چاروں طرف پھیل رہی تھی۔

"تمھارے ساتھ اس گھر میں اور کون رہتا ہے؟" ایک آواز نے سوال کیا۔

"اس گھر میں میرے علاوہ میری ایک اپاہج دریچہ بیٹی رہتی ہے۔" اندلشک نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"پورے گھر کی اچھی طرح تلاشی لو۔" ایک آواز نے حکم دیا اور ساتھ ہی بھاری قدموں کی چاپ گھر کے مختلف حصوں کی جانب منتقل ہو گئی۔

"تم نے کسی سنہری بدن والے اجنبی کو تو نہیں دیکھا؟" ایک آواز نے سوال کیا۔

"نہیں۔" اندلشک نے جواب دیا۔ "میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی۔ اس کے بعد قدموں کی چاپ میں تیزی محسوس ہوئی اور کسی شخص نے کہا۔ "ہم نے اچھی طرح سے تلاشی لی ہے۔ اس گھر میں اس بوڑھے کے علاوہ صرف ایک لڑکی ہے۔ ایک ہمیں طرح دار اور نوجوان لڑکی۔"

"وہ میری بیٹی ہے۔" اندلشک نے جلدی سے کہا۔ "وہ بیمار اور اپاہج ہے۔"

"چلو تمھاری بیٹی کو میں خود دیکھنا چاہتا ہوں۔" پہلی آواز نے کہا۔

اس کے ساتھ ہی قدموں کی چاپ دور ہوتی چلی گئی۔ اب وہ سب کے سب کمرے میں گھس گئے ہوں گے۔ گفتگو اب بھی جاری تھی لیکن اب ان کی آواز اتنی دور سے ہم تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ ذرا دیر بعد آوازیں قریب آنے لگیں۔

"اس وقت ہم جلدی میں ہیں۔" پہلی آواز نے کہا۔ "اور ہمارے لیے یہ سوچنا بے کار ہے کہ سنہری بدن والے قاتل کو گرفتار کرنا ہے۔ اس کے بعد ہم تم سے تمھاری بیٹی کی علالت کے بارے میں اچھی طرح پوچھیں گے۔ اور اگر ثابت ہوا کہ تم نے جھوٹ بول کر ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے تو پھر تمھاری خیر نہیں۔"

قدموں کی چاپ دروازے کی طرف بڑھی اور دروازہ بند کرنے کی آواز سنی دی۔ اندلشک نے غار کے پاس آ کر اس کے منہ پر پتھر ہٹا دیے۔ اندلشک کا چہرہ پسینے میں تر ہو رہا تھا۔

"شکر ہے کہ وہ لوگ چلے گئے اور ان کا دھیان ان پتھروں کی طرف نہیں گیا۔" اندلشک نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "لیکن اب یہ ایک نئی مصیبت کھڑی ہو گئی ہے۔ انھوں نے تو گراش کو دیکھ لیا ہے۔ اگرچہ اس نے اپنی اداکاری کی لیکن میرا خیال ہے کہ ان لوگوں کو شبہ ہو گیا ہے اور وہ دوبارہ ضرور آئیں گے۔ اے خدا اگر میری بیٹی کو گراش کے شر سے محفوظ رکھنا۔"

"وہ یقیناً گراش کے شر سے محفوظ رہے گی۔" میں نے کہا۔ "میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ اس کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکے گا۔"

"کاش ایسا ہو۔ کاش ایسا ہو۔" اندلشک نے کہا۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد اندلشک پھر باہر چلا گیا۔ ہم سب کو اس بات کا اطمینان تھا کہ ایک بار تلاشی لینے کے بعد گراش کے سپاہی اب دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔ چنانچہ میں اور گاوت غار سے نکل آئے۔ تو گراش نے گھر کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

"کیا تم نے سچ مچ شرخونہ کو قتل کر دیا ہے؟" تو گراش نے اپنی لانبی لانبی پلکیں جھپکاتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

"ہاں تو گراش۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ ایک ظالم اور خطرناک عورت تھی اور اس کا مارا جانا ضروری تھا ورنہ وہ نہ جانے کتنے انسانوں کو ہلاک کر دیتی۔"

"لیکن تم نے ایک ماہ کا عرصہ بھی اس کے ساتھ گزارا۔" تو گراش کی آنکھوں میں میرے لیے ملامت اور سرزنش کی جھلک موجود تھی۔

"مجھے ایسا مجبوراً کرنا پڑا تو گراش۔" میں نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ "اس کے ساتھ رہے بغیر تو میں اس کا راز معلوم کر سکتا تھا اور نہ ہی اس کے خلاف کوئی کارروائی کر سکتا تھا۔"

"لیکن اب تم کیا کرو گے؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔ "اگر انھوں نے تمھیں پکڑ لیا تو؟" اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے لہرانے لگے۔

"تو کچھ نہیں ہوگا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "بستی کا سردار تو میرا دوست ہے۔"

"کیا؟" تو گراش نے حیرت سے کہا۔ "گرانش تمھارا دوست ہے؟"

"گرانش میرا دوست نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "میرا دوست گاوت ہے جو اس وقت میرے ساتھ بیٹھا ہوا ہے اور جو اس بستی کا اصل سردار ہے اور بہت جلد سرداری اسے ملنے والی ہے۔"

"تم سوا برین جاؤ گے؟" تو گراش نے مسکرا کر گاوت سے پوچھا۔ "کیا واقعی تم گرانش کی جگہ لے لو گے؟"

"اس کا انحصار حالات پر ہے۔" گاوت نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

سہ پہر تک اندلشک واپس آ گیا۔ اس نے بتایا کہ گرانش کے سپاہیوں نے پوری بستی کے ایک ایک گھر کو چھان مارا۔ بستی کے آس پاس کے تمام غاروں کو بھی کھنگال ڈالا لیکن سنہرے بدن والے قاتل کا کوئی نشان نہیں ملا۔ سپاہیوں نے کئی لوگوں کو سخت اذیتیں دیں اور ان سے ضرور قاتل کے بارے میں پوچھا لیکن کوئی کچھ نہ بتا سکا۔ اب عام خیال یہ ہے کہ وہ شخص راتوں رات بستی کی حدود سے باہر نکل گیا ہے۔ تیز رفتار سواروں کی کئی جماعتیں دور و نزدیک کے علاقوں میں بھیجی جا چکی ہیں اور اب تلاش کا کام بستی کے باہر جاری ہے۔ بستی کے اندر تلاش کا کام ختم ہو گیا ہے۔ اندلشک نے یہ بھی بتایا کہ شرخونہ کی لاش کو دفن کر دیا گیا ہے اور اس کے علاوہ ان چاروں ہلاک شدہ سپاہیوں کی لاشیں بھی دفن کر دی گئی ہیں۔ شرخونہ کی تجہیز و تکفین میں گرانش خود شامل تھا اور وہ سخت غصے کے عالم میں تھا۔ اس نے معمولی معمولی باتوں پر کئی آدمیوں کو کوڑے مار مار کر لہولہان کر دیا۔ بستی کے تمام لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر اتفاق سے انھیں وہ سنہری بدن والا اجنبی کہیں نظر آ جائے تو اسے فوراً پکڑ کر فوجیوں کے حوالے کر دیں اور اگر وہ مزاحمت کرے تو بلا تامل اسے قتل کر ڈالیں۔ اندلشک کی زبانی یہ ساری تفصیلات سن کر میں اور گاوت بے ساختہ مسکرانے لگے۔ میری تلاش ہر طرف جاری تھی اور میں بستی کے ہی ایک مکان میں آرام کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن اندلشک کے چہرے سے کافی پریشانی عیاں تھی۔ وہ خاصا فکرمند نظر آ رہا تھا۔

"اب تمھارا اگلا قدم کیا ہوگا؟" اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"میں گاوت کو اس حسین چھیل اور سرسبز شاداب وادی کا نظارہ دکھانا چاہتا ہوں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "اب جبکہ میں اس کی بیوی کے شر سے اس بستی کے لوگوں کو نجات دلا چکا ہوں، تو جلد ہی انھیں گرانش کے ظلم سے

Scanned by aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

پنجے سے بھی آزاد کرا دوں گا۔"

"شرخونہ کو تم نے اکیلے میں مارا، لیکن گراش کی بات اور ہے۔" اندیشک نے مجھ سے کہا۔ "اتنا تو میں جان گیا ہوں کہ تم غیر معمولی طور پر بہادر ہو اور تم نے تنہا پانچ مسلح سپاہیوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا، لیکن گراش کی خونخوار فوج کے سامنے تم کیا کرو گے؟ اس قبیلے کی تعداد بہت زیادہ ہے اور بڑے بے رحم اور جلاد صفت لوگ ہیں۔"

"اس بستی کے لوگوں کو جب یہ معلوم ہوگا کہ گاوت کے پردے میں گراش ان پر حکومت کر رہا ہے اور اصلی گاوت زندہ ہے اور ان کے درمیان موجود ہے تو زیادہ گراش کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے اٹھ کھڑے نہیں ہوں گے؟" میں نے پوچھا۔

"اگر تمہارے منصوبے کا سارا دارومدار بستی والوں کے تعاون پر ہے تو بہتر ہے کہ تم اس منصوبے کو ترک کر دو۔ گراش کے نظام نے ان لوگوں کی روحوں تک کو کچل کر رکھ دیا ہے اور ان سے کسی بہادری کے کارنامے کی توقع رکھنا فضول ہے۔" اندیشک نے مایوسی کے ساتھ کہا۔

"لیکن کیا یہ چیز ان لوگوں کے لیے حوصلہ افزائی کا باعث نہیں ہوگی کہ گراش کی بیوی شرخونہ جسے سب لوگ جادوگرنی اور چڑیل سمجھتے تھے، ماری جا چکی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"شاید۔" اندیشک نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "میں اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن ایک بات میں یقین سے کہہ سکتا ہوں اور وہ یہ کہ بستی کے تمام لوگ دلی دلی میں شرخونہ کی موت پر بہت خوش ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ خوف نے ان کی زبانوں پر مہر لگا رکھی ہے اور وہ اپنے جذبات کا کھلم کھلا اظہار نہیں کر سکتے۔ بہرحال، اگر تم لوگ میری مانو تو ابھی بھی وقت ہے۔ تمہیں کسی نے یہاں نہیں دیکھا ہے۔ تم لوگ واپس چلے جاؤ، ورنہ گراش کے ظالم سپاہیوں کے ہاتھوں تمہارا جانے کیا حشر ہو۔"

میں اندیشک کے دل کی بات کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ وہ چالاک بوڑھا دراصل میری شخصیت کے راز کے بارے میں جاننا چاہتا تھا اور بار بار اس قسم کی باتیں اس لیے کر رہا تھا کہ میں جوش میں آ کر اس کے سامنے اپنے پورے منصوبے کا انکشاف کر دوں۔ لیکن سچ تو یہ ہے پروفیسر کہ اس وقت تک میرے ذہن میں کوئی منصوبہ تیار ہی نہیں ہوا تھا۔ مجھے خود معلوم نہیں تھا کہ میرا اگلا قدم کیا ہوگا اور میں کس طرح اپنی مہم کا آغاز کروں گا۔ ابھی تک میں اس بارے میں کوئی آخری فیصلہ نہیں کر سکا تھا۔ چنانچہ میں نے اندیشک کی بات کے جواب میں کہا۔ "واپسی تو ضرور ہوگی، لیکن ہم دونوں کی نہیں، بلکہ صرف میری۔ میں حق دار کو اس کا حق دلا کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

بوڑھے اندیشک نے ایک بار پھر مجھے مشتبہ نظروں سے دیکھا اور میں خاموش ہو گیا۔

اور پھر ہوا یوں کہ مجھے خود کوئی منصوبہ بنانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ حالات کے تحت خود بخود میری مہم کا آغاز ہو گیا۔

شرخونہ کی ہلاکت کو ایک ہفتہ گزر چکا تھا، اور اندیشک کی اطلاعات کے مطابق اس دوران دُور نزدیک کی تمام بستیوں، سراؤں اور آبادیوں کو اچھی طرح کھنگالا جا چکا تھا۔ لیکن سنہری بدن والا قاتل وہاں ہوتا تو ملتا۔ تنگ آ کر تلاش کا کام ترک کر دیا گیا تھا اور فرض کر لیا گیا تھا کہ وہ شخص گھنے جنگلوں میں روپوش ہو گیا ہے۔

شام کا وقت تھا اور میں اور گاوت ابھی کھانے سے فارغ ہوئے تھے۔ ہم دونوں دن کا زیادہ تر وقت غار کے اندر ہی گزارتے تھے۔ اس وقت ہم دونوں غار کے اندر تھے اور اندیشک ہمارے ساتھ تھا۔ تو گراش باورچی خانے میں مصروف تھی۔ اچانک مکان کا دروازہ زور زور سے پیٹا جانے لگا۔ اندیشک کا چہرہ فق ہو گیا۔ شرخونہ کی ہلاکت کے بعد جب میں واپس آیا تھا تو اندیشک نے کئی ہتھیار لا کر غار میں رکھ دیے تھے۔ یہ ان ہتھیاروں کے علاوہ تھے جو گاوت اپنے ساتھ لایا تھا۔ گاوت نے لپک کر ایک تلوار اٹھا لی۔ میں نے اٹھ کے اشارے سے اسے روکا اور سرگوشی میں کہا۔ "جب تک میں نہ کہوں، کوئی قدم نہ اٹھانا۔" پھر میں نے اندیشک سے کہا۔ "غار کا منہ پتھروں سے بند کر دو اور دروازہ کھول دو۔ میں یہاں بالکل تنہا بیٹھا ہوں۔ اور ہاں تو گراش سے کہہ دو کہ وہ بیمار ہو جائے۔"

اندیشک نے میری ہدایت پر عمل کیا اور دروازہ کھول دیا۔ بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔

"تمہاری بیٹی کہاں ہے؟ اسے ہمارے سامنے لاؤ۔" کسی نے حکمانہ لہجے میں کہا۔

"وہ بیمار اور بے ہوش ہے اور بستر پر پڑی ہے۔" اندیشک کی رُندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم جھوٹ بولتے ہو بوڑھے گدھ۔" غصہ بھری آواز میں کہا گیا۔ "تم نے اس کی بیماری کا ڈھونگ رچایا ہے۔ چلو ہمیں اس کے کمرے میں لے چلو۔ اگر وہ بیمار ہے تو بھی ہم اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ کیونکہ وہ اتنا خوبصورت ہے۔ سردار کے پاس کئی اعلیٰ درجے کے طبیب موجود ہیں۔ وہ اس کا علاج کروا دے گا۔"

قدموں کی آوازیں اندر جاتی محسوس ہوئیں اور مکان کے دروازے کے قریب خاموشی چھا گئی۔

"منو۔" میں نے سرگوشی میں گاوت سے کہا۔ "تم باہر نکلنے کی ہرگز کوشش نہ کرنا۔" اس کے ساتھ ہی میں غار کے منہ پر سے پتھر ہٹا کر باہر نکل آیا۔ میں نے جلدی سے پتھر کو دوبارہ اسی جگہ لگا دیا۔ میں نے ایک ہاتھ میں تلوار پکڑ رکھی تھی۔ دروازے کے قریب کوئی نہیں تھا۔ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازے کی کنڈی لگا دی اور پھر دیوار کی آڑ لیتا ہوا آہستہ آہستہ تو گراش کے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ تعداد میں سات تھے اور سب کے سب ہتھیاروں سے لیس۔ بوڑھا اندیشک خوف سے لرزتا ہوا ان کے آگے آگے چل رہا تھا۔ ان میں سے ایک نے اپنے خنجر کی نوک اس کی پشت سے لگا رکھی تھی۔

وہ لوگ تو گراش کے کمرے میں داخل ہو گئے اور میں دروازے کی آڑ میں سے اندر کا منظر دیکھنے لگا۔ تو گراش پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی اور

[illegible] نے خوف اور دہشت کے عالم میں اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔

[illegible] ہو جاؤ کی اور سرکاری چھوڑ دے۔" آگے والا آدمی زور سے [illegible] اور اس کے ساتھ ہی اس نے تو گراش کی ران میں زور سے چٹکی لی تو گراش [illegible] اور پھر اس پلنگ سے تڑپ کر کھڑی ہو گئی وہ یہ بات بھول گئی کہ اسے [illegible] ظاہر کرنا تھا۔

"ہاہا! وہ شخص وحشیانہ انداز میں ہنسا۔ "تو کہتا تھا کہ تیری بیٹی [illegible] ہے۔ اب وہ ہمارے سامنے دونوں ٹانگوں پر کس طرح کھڑی ہے؟"

"[illegible] پر رحم کرو۔" اچانک اندیشک اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر گراش کو [illegible] "میرا داماد سمارا ہے۔ اسے مجھ سے مت چھینو۔"

[illegible] ہے اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے کہ تیری بیٹی سردار کے [illegible] بے وقوف بوڑھے۔" اس شخص نے کہا، اور پھر تو گراش کا [illegible] ہنستے ہوئے بولا۔ "چل لڑکی۔ گاوت کو تیری ہی جیسی نازک اندام [illegible] تھی۔"

تو گراش کی چیخیں نکل گئیں۔ بوڑھا اندیشک اس فوجی افسر کے قدموں [illegible] لیکن اس نے ٹھوکر مار کر اسے اپنے سے دور کر دیا۔ تو گراش نے [illegible] شروع کر دی اور فوجی سردار نے اس کے منہ پر ایک زوردار [illegible] دیا وہ بلبلا کر رونے لگی۔ فوجی اسے گھسیٹتا ہوا پلٹا اور اس کے [illegible] کے بقیہ ساتھی بھی پلٹ پڑے۔ وہ سب کے سب دروازے [illegible] اور پھر سب کے سب جیسے اپنی اپنی جگہ پر منجمد ہو کر رہ گئے۔ [illegible] سے کود کے کھڑا تھا اور میرے ہاتھ میں ننگی تلوار چمک رہی تھی۔

"تو۔ تو۔ کون ہے؟" اچانک فوجی سردار گرجا۔ لیکن دوسرے [illegible] کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"وہ۔ یہ تو ہے؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "میری بدن والا [illegible] تلاش میں ہم ایک ہفتے تک مارے مارے پھرتے رہے۔ تو [illegible] ہوا تھا۔ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہوئی۔ اب ہم لوگ سردار سے [illegible] انعام کے مستحق ہوں گے۔" پھر وہ اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر [illegible] نہ جانے پائے۔ اسے زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کرو۔ ہم نے تو [illegible] کا کام سرانجام دے لیا ہے۔"

[illegible] افسوس ہے کہ اس کارنامے کی اطلاع تم اپنے سردار کو نہیں [illegible] میں نے کہا۔ اس کے ساتھ ہی میری تلوار بجلی کی طرح چمکی اور [illegible] فوجی افسر کا سر کمرے کے فرش پر پڑا ہوا تھا اور اس کا نیچے گرا [illegible] طرح پھڑک رہا تھا۔

[illegible] ننگی تلواریں ایک ساتھ مجھ پر حملہ آور ہوئیں۔ میں دروازے کو روکے [illegible] طرح کھڑا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی کمرے سے باہر نہیں جا سکتا تھا [illegible] سے ٹکرائیں اور مجھے کوئی زخم لگائے بغیر ادھر ادھر پھسل [illegible] ظاہر ایسا کیا گویا میں نے یہ سارے وار اپنی تلوار پر روکے [illegible] تو گراش غور سے یہ منظر دیکھ رہے تھے اور میں نہیں [illegible] کے سامنے میری فوق البشر صلاحیتوں کا انکشاف ہو۔ اس لیے میں نے ان لوگوں کو ہلاک کرنے میں جلدی نہیں کی۔ ان کے افسر کو ختم کرنے کے بعد میں اگلے چند منٹوں میں ایک آدمی کو اور ٹھکانے لگا رہا۔ اب وہ پانچ رہ گئے اور جوش میں بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک میں ان کے حملوں کو اپنی تلوار پر روکتا رہا اور پھر میں نے ایک مناسب موقع دیکھ کر ان میں سے ایک اور کی گردن اڑا دی۔ سات میں سے تین مارے جا چکے تھے اور صرف چار باقی بچے تھے۔ ایک اور میری تلوار کی زد میں آ گیا اور مارا گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ باقی تین اب خوف اور دہشت کا شکار ہو چکے ہیں۔ ان کے حملوں کی شدت میں کمی آ گئی تھی۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح مجھے دروازے سے ہٹا دیں تاکہ انھیں باہر نکل کر بھاگ جانے کا موقع مل جائے۔ لیکن میں نے اس کمرے کو ان کا مقتل بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی اب بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔ میں دروازے کے بیچوں بیچ کسی چٹان کی طرح کھڑا بڑھ رہا تھا۔ میں نے ان کی آرزو پوری نہیں ہونے دی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ سب ہلاک ہو گئے۔

"تم نے نہایت عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔" اندیشک نے میرے قریب آ کر میرے شانے پر اپنا کانپتا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تم واقعی بے مثال دلیری کے حامل ہو۔ میں نے آج تک تم جیسا لڑنے والا انسان نہیں دیکھا۔" میں اس کے جواب میں صرف مسکرا کر رہ گیا۔

گھر کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ میں نے اندیشک سے کہا کہ وہ دروازہ کھول کر دیکھے کہ باہر کوئی اور تو موجود نہیں ہے۔ اندیشک نے دروازے میں سے جھانکنے کے بعد مجھے یہ بتایا کہ باہر تین گھوڑے اور ایک گھوڑا گاڑی کھڑی ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ان میں سے تین آدمی گھوڑوں پر اور چار آدمی گھوڑا گاڑی پر سوار ہو کر آئے تھے۔ اور ان کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ تو گراش کو گاڑی میں بٹھا کر اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ میں نے اندیشک سے کہا کہ وہ باہر جا کر دیکھے کہ گاڑی کے اندر کوئی اور آدمی تو موجود نہیں ہے اور اگر اس میں کوئی اور شخص موجود ہو تو اس سے صرف یہ کہہ دے کہ وہ اپنے ساتھیوں کا انتظار کرے۔ اندیشک باہر نکل گیا اور چند منٹ کے بعد اس نے واپس آ کر بتایا کہ گاڑی خالی ہے۔

میں نے غار کا دروازہ کھول کر گاوت کو باہر نکالا۔ وہ اندر بیٹھے بیٹھے ساری گفتگو سن رہا تھا۔

"اب عمل کا وقت آ گیا ہے۔" میں نے گاوت سے کہا۔ "ان ساتوں آدمیوں کے مارے جانے کی خبر زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہ سکتی۔ ہمیں فوراً کچھ کرنا ہوگا۔" پھر میں نے اندیشک سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "کیا تم مجھے محل کے اس حصے کی نشاندہی کر سکتے ہو جس میں ماں شیرازہ کو قید کیا گیا ہے؟"

"مجھے اس کا تھوڑا بہت اندازہ ہے۔" اندیشک نے جواب دیا۔ "اور اس نے مجھے محل کے اس حصے کا محل وقوع سمجھا دیا۔

"اندھیرا ہونے میں زیادہ دیر نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "ابھی کافی دیر ان سپاہیوں کے بارے میں کسی کو تشویش نہیں ہوگی۔ لیکن زیادہ وقت گزرنے پر ان کی تلاش کا سلسلہ جاری ہو جائے گا اور ان کی تلاش میں نکلنے والے

emailed by aazzamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

دوسرے سپاہی سب سے پہلے اسی جگہ آئیں گے اس لیے اندھیرا ہونے کے فوراً بعد ہم یہ جگہ چھوڑ دیں گے۔ ہم سب لوگ اسی پہاڑی غار میں جا کر چھپ جائیں گے جو بستی کے باہر واقع ہے اور جہاں ہم نے بستی میں داخل ہونے کے فوراً بعد پناہ لی تھی۔ تم لوگوں کو اس غار تک حفاظت کے ساتھ پہنچانے کے بعد شاید اماں شیرانہ کو قید سے چھڑا لاؤں گا اور وہ بھی ہمارے ساتھ اسی غار میں آجائے گی۔ اس کے بعد بستی کے لوگوں کو بتائیں گے کہ یہاں گاوت کے بھیس میں گرائش حکومت کر رہا ہے۔ کل صبح ہمارا گرائش کی فوجوں سے مقابلہ ہوگا۔"

"گرائش کی فوجوں سے کون مقابلہ کرے گا؟" اندیشک نے حسبِ معمول چبھتا ہوا سوال کیا۔

"بستی کے لوگ مقابلہ کریں گے۔" میں نے جواب دیا۔ "اور ان کے ساتھ میں ہوں گا، گاوت ہوگا اور تم ہو گے۔"

بوڑھا مجھے بے یقینی کے ساتھ دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ "نہ جانے تم کیا کرنا چاہتے ہو، پتا نہیں تم کون ہو۔" میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

اندھیرے ہوتے ہی ہم چاروں گھر سے باہر نکل آئے۔ سورج کو ڈوبے ہوئے ابھی خاصی دیر ہوگئی تھی اور تاریکی کی چادر چادر نے ساری فضا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ میں نے باہر نکلنے کے بعد مکان کے دروازے کو بند کر دیا۔ باہر کھڑے ہوئے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑے پر میں بیٹھا اور دوسرے پر میں نے گاوت کو بٹھایا اور تیسرے گھوڑے کی لگام تھام لی۔ اندیشک نے کہا کہ وہ تو گرائش کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ جائے۔ اس کے بعد وہاں سے ہم لوگ تیزی سے بھاگ نکلے۔ منزلِ مقصود پر پہنچ جانے کے بعد میں نے سارے گھوڑوں کو گاڑی سمیت واپس بستی کی طرف ہانک دیا۔ ہم سب لوگ پہاڑی غار کے اندر چلے گئے۔

"اب میں اماں شیرانہ کی خبر لینے جا رہا ہوں۔" میں نے کہا اور وہاں سے رخصت ہوگیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس وقت اس غار کی طرف کسی کے بھی آنے کا کوئی امکان موجود نہیں ہے۔

میں گرائش کے محل میں پچھواڑے کی طرف داخل ہوا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں سے کچھ دن پہلے میں کود کر باہر آیا تھا۔ اس بار میں نے محل کی اونچی چہار دیواری میں ایک جگہ سے زور سے لات مار کر کچھ پتھر گرائے اور وہاں خلا بن گیا۔ میں اس سوراخ کے ذریعے اندر داخل ہوا اور ٹھیک اس طرف بڑھنے لگا جدھر اماں شیرانہ کو موجود ہونا چاہیے تھا۔ میں کافی محتاط انداز میں آگے بڑھ رہا تھا لیکن اس کے باوجود نیم تاریکی میں مسلح پہریدار جانے کدھر سے نکل کر عین میرے سامنے آگیا اور مجھے حیرت سے دیکھنے لگا۔ لیکن میں نے اسے کچھ بولنے کا موقع دینے سے پہلے ہی ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔ وہ میرے ہی جیسے جسم اور قد و قامت کا آدمی تھا۔ میں نے مزید الجھنوں سے بچنے کے لیے جلدی جلدی اس کا لباس اتارا اور خود اپنا لباس اتار کر اس کا لباس پہن لیا اور اس کے ہتھیار اپنے بدن پر سجا لیے۔ اب میں محل کا پہریدار معلوم ہو رہا تھا اور میرے لیے نقل و حرکت میں آسانی پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ بغیر کسی دقت کے میں محل کے اس حصے کی طرف جا نکلا جہاں اماں شیرانہ قید تھی۔ یہ چھوٹی سی عمارت تھی جس کے گرد ایک مختصر سا احاطہ تھا جس کے دروازے میں باہر سے ایک بھاری قفل پڑا ہوا تھا۔ میں نے قفل کو ہاتھ لگایا تو دوسرے لمحے اس کے ٹکڑے ہو گئے۔ میں نے کنڈی کھول کر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگیا۔ احتیاطاً میں نے دروازہ بند کر دیا۔ احاطے میں داخل ہوا اس میں موجود واحد کمرے کی طرف بڑھا۔ یہ ایک بڑا کمرہ تھا لیکن اس میں باہر سے قفل لگا ہوا تھا۔ میں نے اس کا قفل بھی توڑ کر دروازہ کھول دیا۔ گھپ اندھیرا تھا اور ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔

"اس وقت کون آیا ہے؟" ایک بوڑھی عورت کی نحیف آواز سنائی دی۔

"کیا تم شیرانہ ہو؟" میں نے سرگوشی میں پوچھا۔

"ہاں میں شیرانہ ہوں۔" لرزتی ہوئی آواز نے کہا۔

"باہر نکل آؤ۔ میں تمہیں آزاد کرانے آیا ہوں۔" میں نے کہا۔

ایک بوڑھا سایہ کمرے سے برآمد ہوا۔ نیم تاریکی میں میں نے اس کی شکل دیکھی۔ وہ ایک دبلی پتلی اور زرد زرد بوڑھی عورت تھی اور حیرت سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"مگر تم کون ہو نوجوان؟" اس نے پوچھا۔ "کیا سردار نے تمہیں یہ حکم دے دیا ہے؟" وہ میرے لباس کی وجہ سے مجھے محل کا کوئی پہریدار سمجھ رہی تھی۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں گاوت کا دوست ہوں اور تمہیں رہا کرانے آیا ہوں۔ ہمیں یہاں سے چھپ کر نکلنا ہوگا۔"

"تم گاوت کے دوست ہو؟" اس کی آواز ہیجان کے عالم میں کانپنے لگی۔ "کیا گاوت زندہ ہے؟"

"ہاں وہ زندہ ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اور ہم اس کے پاس جا رہے ہیں۔"

"چلو چلو، جلدی چلو۔" بوڑھی عورت پر سراسیمگی کی کیفیت طاری ہوگئی۔

ہم لوگ چھپتے چھپاتے محل سے باہر نکل آئے۔ ابھی ہمیں بہت دور طے کرنا تھا لیکن شیرانہ اتنی دیر میں تھک گئی تھی۔ اس کا سانس پھول رہا تھا۔ طویل عرصے تک قید میں رہنے کے باعث اسے چلنے کی عادت نہیں رہی تھی۔ وہ مجھے بہت منع کرتی رہی۔ لیکن میں نے اسے اٹھا کر اپنے شانے پر سجا لیا اور بستی کے باہر واقع غار کی طرف روانہ ہوگیا۔

شیرانہ گاوت کو دیکھتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ گاوت کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کا دریا بہہ نکلا۔

"تمہارے اور خادم کے فرار ہونے کے بعد گرائش کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ اس فرار میں میرا اور میرے بیٹے کا ہاتھ ہے۔ اس نے مکاری سے کام لیتے ہوئے میرے بیٹے کو اس طرح ہلاک کروا دیا کہ آج تک اس کے قاتل کا کوئی سراغ نہیں مل سکا اور مجھے قید میں ڈلوا دیا۔"

"لیکن اگر گرائش چاہتا تو تمہیں بھی ہلاک کروا سکتا تھا۔" گاوت نے کہا۔ "اس نے تمہیں زندہ کیوں رکھا؟"

"شاید تم یہ بات بھول گئے کہ گرائش نے بچپن میں میرا دودھ پیا ہے اور میں اس کی ماں کی طرح ہوں۔ اس وجہ سے اس نے مجھے ہلاک نہیں کیا۔" شیرانہ کے استفسار پر گاوت نے اپنی داستان مختصر الفاظ میں اس کو بتا دی۔

"میں بستی کے ایک ایک دروازے پر جا کر دستک دوں گی اور لوگوں کو بتاؤں گی کہ گرائش جھوٹا ہے۔ وہ گاوت نہیں ہے۔ اصلی گاوت تخت سے فرود ہے۔" شیرانہ نے جوش کے عالم میں کہا۔

"اور ہم یہ کام فوراً ہی شروع کر دیں گے۔" میں نے کہا۔ "اندیشک بھی ہمارے ساتھ ہوگا اور ہم بستی کے چیدہ چیدہ لوگوں کو آج رات ہی اس حقیقت سے آگاہ کر دیں گے اور انہیں یہ بھی بتا دیں گے کہ وہ کل صبح جنگ کے لیے تیار رہیں۔ کل ہمیں گرائش سے حساب چکانا ہے۔"

میں، شیرانہ اور اندیشک رات کی گہری تاریکی میں بستی کی طرف روانہ ہوئے۔ اندیشک نے ان لوگوں کی ایک فہرست مرتب کر لی تھی جن سے ہمیں رابطہ قائم کرنا تھا۔ ان لوگوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی۔ یہ بستی کے بااثر اور بااعتماد لوگ تھے اور ہمیں توقع تھی کہ وہ ہماری بات خود ہی دوسروں تک پہنچا دیں گے۔

سب سے پہلے ہم نے جس شخص کا دروازہ کھٹکھٹایا وہ ایک عالم خانہ تھا۔ وہ ایک ضعیف شخص تھا اور اپنے علم و دانش کی وجہ سے قرب و نزدیک کی بستیوں میں شہرت تھی۔ وہ ہم لوگوں کو دیکھ کر سخت حیران ہوا اور اس سے بھی زیادہ حیرانی اسے اس وقت ہوئی جب اندیشک اور شیرانہ، دونوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ گاوت کے پردے میں دراصل گرائش حکومت کر رہا ہے اور اصل گاوت بستی میں آچکا ہے اور روپوش ہے۔ عالم نے وعدہ کیا کہ وہ صبح ہوتے ہی یہ خبر اپنے اپنے خاص لوگوں کے ذریعے ساری بستی میں پھیلا دے گا۔ اس نے اسے یہ بھی بتا دیا کہ ہم مقابلے کے لیے بالکل تیار ہیں اور ہمیں لوگوں کی مدد کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد ہم مختلف لوگوں کے پاس گئے جن میں کئی بڑے بڑے کاریگر، ہنرمند اور اہلِ دانش شامل تھے۔ ان سب لوگوں نے اندیشک اور شیرانہ کی زبانی اصل بات سننے کے بعد سخت حیرت اور مسرت کا اظہار کیا۔ انہوں نے بتایا کہ لوگ گرائش سے سخت نفرت کرتے ہیں اور اگر انہیں کسی طرف سے اشارہ ملے تو وہ فوراً بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ ان سبھوں نے وعدہ کیا کہ صبح ہوتے ہی ساری بستی میں اس خبر کی تشہیر کر دیں گے۔

ہم تینوں مطمئن اور خوش واپس آئے۔ اندیشک نے اس یقین کا اظہار کیا کہ صبح بستی کے سارے لوگوں کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ ان پر گاوت کا بھیس بدلا گرائش حکومت کر رہا ہے اور گاوت گرائش سے مقابلہ کرنے اپنا حق لینے کے لیے بستی میں آچکا ہے۔

وہ رات ہم سب لوگوں نے اس غار میں گزاری۔

صبح ہونے کے تھوڑی دیر بعد جب خاصا دن چڑھ آیا اور ہم لوگوں کو یقین ہوگیا کہ بستی کے بیشتر لوگوں تک یہ بات پہنچ چکی ہوگی، میں گاوت اور اندیشک کے ساتھ بستی کی طرف روانہ ہوا۔ شیرانہ اور تو گرائش کو ہم لوگوں نے غار میں چھوڑا۔ ہم تینوں پوری طرح مسلح تھے۔

جیسے ہی ہم بستی میں داخل ہوئے ہم نے یہاں کے حالات کو پہلے کے مقابلے میں مختلف پایا۔ لوگ جگہ جگہ ٹولیوں میں کھڑے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ان کے چہروں پر اب تردد اور پژمردگی کی جگہ رونق اور بشاشت نظر آ رہی تھی۔ آنکھوں سے اضمحلال کے بجائے جوش عیاں تھا۔ ہم تینوں کو دیکھ کر لوگوں کے جوش و خروش میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا۔ اصلی گاوت لوگوں کے سامنے موجود تھا۔ وہ اسے دیکھ کر خوشی سے دیوانے ہوئے جا رہے تھے۔ بہت سے لوگوں نے میرے بارے میں دریافت کیا اور اندیشک نے انہیں بتایا کہ میں گاوت کا دوست ہوں اور ایک غیر معمولی طور پر بہادر انسان ہوں۔

ہم تینوں محل کی طرف روانہ ہوئے اور ہمارے پیچھے لوگوں کا ایک جمِ غفیر تھا۔ بستی کے تقریباً سارے ہی مرد اس زبردست ہجوم میں شامل ہو گئے تھے۔ جو ہمارے پیچھے آ رہا تھا۔ ہم جس طرف سے بھی گزرے، ہمارے ساتھ لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا۔ تقریباً ہر شخص مسلح تھا۔ لوگ گرائش کے مظالم سے اس قدر تنگ آچکے تھے کہ اب وہ اس کے اقتدار کو ختم کرنے پر تل گئے تھے۔ انہیں صرف قیادت کی ضرورت تھی اور اب وہ ضرورت پوری ہوگئی تھی۔

گرائش کو غالباً اس بات کی اطلاع پہلے ہی مل گئی کیونکہ ہم لوگ ابھی محل سے دور تھے کہ محل کے اطراف پھیلے ہوئے فوجی کیمپوں سے مسلح سپاہی نکلنا شروع ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے محل کے سامنے اپنی صفیں قائم کر لیں۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرائش کی فوج خاصی تربیت یافتہ اور منظم ہے۔ ادھر فوجی اپنی صف بندی کر رہے تھے ادھر ہمارے پیچھے آنے والا ہجوم بے ترتیبی سے انتشار کے عالم میں تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس عالم میں فوج نے ہجوم پر حملہ کر دیا تو میں اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود بہت بڑی تعداد کو مرنے سے نہیں بچا سکوں گا۔ اس لیے میں نے ہاتھ کے اشارے سے ہجوم کو محل سے کچھ فاصلے پر روک دیا، اور انہیں ہدایت دی کہ وہ باقاعدہ محاذِ جنگ کی طرح اپنے اندر نظم و ضبط پیدا کریں۔ میری ہدایت پر ان لوگوں نے بھی اپنی صفیں قائم کر لیں۔

اچانک محل کا بڑا پھاٹک کھلا اور اس میں سے ایک میلا شاندار گھوڑے پر سوار ایک شخص برآمد ہوا۔ مجھے بالکل ایسا لگا گویا میں گاوت کو گھوڑے پر بیٹھا دیکھ رہا ہوں۔ اس شخص کے آگے پیچھے درجنوں لحیم شحیم اور بھاری بھرکم آدمی تھے۔ کچھ گھوڑوں پر سوار تھے اور کچھ پیدل تھے لیکن سب کے سب بہت زیادہ توانا اور تندرست تھے۔ گرائش نے اپنے ذاتی محافظوں کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیا تھا۔

گرائش اور اس کے ساتھیوں کا قافلہ محل کے بڑے پھاٹک کے سامنے رک گیا۔ میں نے اندیشک سے پیچھے رہنے کے لیے کہا اور خود گاوت

Scanned by aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

کو ساتھ لے کر آگے بڑھا۔ گرائس کی نظر جب گادت پر پڑی تو وہ گھوڑے سے گرتے گرتے بچا۔ غالباً اسے ابھی تک یہ اطلاع نہیں مل سکی تھی کہ گادت زندہ ہے اور بستی میں موجود ہے۔

"تم کون ہو؟" اس نے گادت کی طرف انگلی اٹھا کر خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"مجھے پہچاننے کی کوشش کرو گرائس، میں گادت ہوں، اصل گادت۔ تمہارا بھائی اور اس علاقے کا اصل حکمران۔"

"اس علاقے کا حکمران میں ہوں۔" گرائس نے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "اگر کسی اور کو حکمرانی کا شوق ہے تو وہ میری لاش پر سے گزر کر ہی اپنا یہ شوق پورا کر سکتا ہے۔"

"سنو گرائس، گادت نے نرمی سے کہا۔ "میں اور تم ایک ہی باپ کی اولاد ہیں اور وہ ہم دونوں کے لیے یکساں طور پر عزت و احترام کا مستحق تھا۔ تمہیں اس کے حکم کی پابندی کو اپنے لیے وسیلۂ خوشنودی سمجھنا چاہیے۔ اس نے اپنی زندگی میں ہی مجھے اپنا جانشین مقرر کیا تھا اور میرا حق بھی تھا، کیونکہ میں تم سے بڑا ہوں۔ اور تم ان ساری باتوں سے بخوبی واقف ہو۔ لیکن تم نے میرے خلاف سازش کی اور مجھے یہاں سے فرار ہونا پڑا۔ اب میں دوبارہ یہاں آگیا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنے باپ کی روح کو سکون پہنچاؤ اور خاموشی سے سرداری کا منصب میرے حوالے کر دو۔ میں تم سے جنگ نہیں کرنا چاہتا، اور نہ ہی بستی والوں کا خون بہتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں تمہاری غلطیوں کی کوئی سزا نہیں ملے گی۔ میں تمہاری جان کی سلامتی کا ذمہ لیتا ہوں۔"

گادت کی اس تقریر کا گرائس پر کوئی اثر نہیں ہوا، اور اس نے تند لہجے میں کہا۔ "مجھے اگر اپنی حکمرانی قائم رکھنے کے لیے اس بستی کے ایک ایک فرد کو بھی قتل کر دینا پڑے تو میں اس کے لیے تیار ہوں۔ میں دوسری جگہوں سے انسانوں کو لا کر یہاں آباد کر لوں گا، لیکن کسی حالت میں بھی اپنے تخت حکمرانی سے دست بردار نہیں ہوں گا۔ ہاں میں تمہیں اتنی رعایت ضرور دے سکتا ہوں کہ تمہیں یہاں سے چلے جانے کی اجازت دے دوں، لیکن تمہارے ساتھ جو یہ سنہری بدن والا قاتل کھڑا ہوا ہے، اس کی موت مقدر ہو چکی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میری بیوی کو خون کرنے والا یہی شخص ہے۔ اور میرے چار سپاہیوں کو اور کل شام میرے سات سپاہیوں کی ہلاکت کا ذمہ دار بھی یہی اجنبی ہے۔ یہ یہاں سے کسی صورت بچ کر نہیں جا سکتا۔ میرے سات سپاہیوں کو اندھیرے کے مکان پر مار گیا ہے۔ میں اندھیرے کو بھی معاف کر دوں گا بشرطیکہ وہ اپنی بیٹی گرائس کو میرے حوالے کر دے۔"

"بس اے مغرور اور پاگل انسان۔" میں اندھیرے اور گادت سے کافی آگے بڑھ آیا اور میں نے گفتگو میں دخل دیتے ہوئے گرائس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میں تیرے سامنے اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے تیری بدکار

گناہ گار اور خونخوار بیوی کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے بڑی مسرت محسوس کی ہے۔ کیونکہ وہ انسانوں کے خون کی پیاسی تھی۔ میں اس بات کا بھی اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے تیری نابکار فوج کے گیارہ سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ اور یہ بھی بتا دوں کہ شہزادہ کو بھی میں نے تیری قید سے آزاد کرا لیا ہے۔ تیرے لیے اب اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں کہ گادت کی پیش کش کو قبول کر لے اور اپنی جان بچا کر یہاں سے دفان ہو جا۔"

"مردود۔" اچانک ایک بھاری بھرکم آواز بلند ہوئی۔ "مجھے اجازت دو کہ اس سنہری احمق کی زبان ہمیشہ کے لیے بند کر دوں۔"

"نہیں شوگلام۔" گرائس نے کہا۔ "یہ تمہارے شایانِ شان نہیں ہے کہ تم اس تندرست آدمی کے خون سے اپنے ہاتھ کو آلودہ کرو۔ تم تک پہنچنے کے لیے اسے ابھی کئی مراحل سے گزرنا ہوگا۔ میرے خیال میں اس کے لیے تو گادت ہی کافی ہے۔" گرائس نے اپنے محافظوں میں سے ایک شخص کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "گادت کو بڑھو اور اس بدزبان کی زبان ہمیشہ کے لیے بند کر دو۔"

"جو حکم سردار۔" گادت نے کہا۔ وہ ایک مضبوط بدن اور کارآزمدہ آدمی تھا اور اس کا سینہ بہت چوڑا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے بجلی کی طرح اچھل کر میرے اوپر اچانک آگرا۔ اور ہم دونوں زمین پر آرہے۔ میں اس دھکے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بہرحال اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ گادت نے اپنے دونوں ہاتھوں سے میرا گلا دبانے کی کوشش شروع کر دی۔ میں نے اپنے گلے کو اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کی۔ اسے طاقت آزمائی کا پورا پورا موقع دیا۔ اس نے پوری طاقت صرف کر دی، اور پھر وہ بری طرح ہانپنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے خون جھانک رہا تھا۔ اسے میرا گلا دبوچے کا بنا ہوا لگ رہا تھا۔ سارے لوگ اس جدوجہد کو دیکھ رہے تھے، اور جب میں نے دیکھا کہ گادت کی حالت غیر ہو رہی ہے تو میں نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے اوپر سے اتارا۔ پھر اس کے بازو کو پکڑے پکڑے اسے زور سے گھما کر گرائس کے محافظوں کی طرف اچھال دیا۔ گادت کی ہڈیوں کے کڑکڑانے کی آواز دور تک سنی گئی۔ اس کا مردہ جسم ایک گھوڑے کے قدموں کے پاس آگرا اور گھوڑا ہنہنا کر پیچھے ہٹ گیا۔ گرائس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ اس کے خصوصی محافظوں کے ہاتھ اپنی اپنی تلواروں کے دستوں پر جم گئے۔ میں کمر پر دونوں ہاتھ رکھے کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔

"یہ خاصا طاقتور معلوم ہوتا ہے۔" گرائس نے اپنے محافظوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کاوش، جاؤ اور اسے بتاؤ کہ اصل طاقت کیا ہوتی ہے۔"

گرائس کا اشارہ پاتے ہی ایک لحیم شحیم شخص جو وزن اور قد میں مجھ سے ڈیوڑھا ہوگا، گھوڑے سے اتر کر میری طرف لپکا۔ وہ کسی بھینسے کی طرح پھنکاریں کرتا ہوا مجھ پر حملہ آور ہوا۔ لیکن میں نے اسے زیادہ قسمت آزمائی کا موقع نہیں دیا اور اس کے سر پر ایک ہلکا سا ہاتھ مار کر اسے تیدِ حیات سے نجات دلا دی۔ اس کی کھوپڑی ریزہ ریزہ ہو کر ٹوٹ گئی اور اس کا بھاری بھرکم بدن خاک و خون میں لوٹنے لگا۔

"شوگلام!" اچانک گرائس اپنے حلق کی پوری قوت سے دھاڑا۔ "اس کمینے کو بھی ہلاک کر دیا، اس کا خون پی لے شوگلام۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔"

گرائس کے کہنے کی دیر تھی کہ گوشت پوست کا ایک پہاڑ حیرت انگیز پھرتی سے میری جانب بڑھا۔ بلا مبالغہ شوگلام کا جسم مجھ سے بھی بڑا تھا، اس کا قد بھی بہت لمبا تھا۔ وہ انسان کی بجائے کوئی دیو معلوم ہوتا تھا۔ وہ خوفناک آوازیں نکالتا ہوا میری طرف بڑھا۔ مجھ سے کچھ فاصلے پر ہی تھا کہ اس نے ناقابلِ یقین سرعت سے ہوا میں اچھل کر میرے سینے پر پوری قوت سے اپنی لات رسید کی۔ میں صورتِ حال کے لیے تیار تھا۔ اس کی لات کے میرے سینے سے ایک بہت ہی زوردار دھماکے کی آواز پیدا ہوئی۔ میں پیچھے کھڑے ہوئے اندھیرے اور گادت کے منہ سے چیخیں نکل گئیں، لیکن دوسرے ہی لمحے وہاں موجود ہزاروں آنکھوں نے ایک ناقابلِ یقین منظر دیکھا۔ میں کسی سنگی ستون کی طرح اپنی جگہ کھڑا تھا اور شوگلام کی بھاری بھرکم ٹانگ میرے ہاتھ میں تھی۔ وہ اپنے توازن سے محروم ہو کر نیچے لٹک گیا تھا اور وہ کھڑا ہونے کی ناکام کوشش کر رہا تھا لیکن میرے جھٹکے کے سبب بار بار نیچے گر جاتا تھا۔ شوگلام کے دونوں ہاتھ آزاد تھے۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے مجھے پکڑنے کی کوشش کی اور میں نے اسے موقع دیا۔ اس نے اپنے دونوں موٹے موٹے ہاتھوں سے میری گردن دبوچ لی اور مجھے گرانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے ذرا سی دیر اسے یہ تماشا کرنے دیا اور پھر اپنی کمر کو اس کی گرفت سے آزاد کر کے اسے چرخی کی طرح گھمانا شروع کر دیا۔ دیکھنے والوں کی چیخیں نکل گئیں۔ شوگلام کا منوں وزنی بدن میرے ہاتھوں میں کسی بڑے سے پتھر کی طرح گھوم رہا تھا اور پھڑپھڑا رہا تھا۔ شوگلام کی زبان سے چیخیں نکل رہی تھیں، ہر شخص کو نظر آ رہا تھا کہ شوگلام کی زندگی میں چند ہی لمحے باقی ہیں۔

"شوگلام کو ہلاک کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ بہرحال گرائس کے منہ پر ہی کسی جانب سے ایک تیر سنسناتا ہوا آیا اور میرے شوگلام کے پیٹ میں پیوست ہو گیا۔ خون کا دریا بہنے لگا اور شوگلام کو زمین پر ڈال دیا۔ اسی اثنا میں ایک دوسرا تیر سنسناتا ہوا آیا اور میں نے اسے ہوا ہی میں پکڑ لیا۔

"اسے چاروں طرف سے گھیر کر مار دو۔" گرائس نے ایک سپاہی کو حکم دیا۔ "اس کی ہلاکت کے بعد ہی باغیوں سے نمٹا جائے گا۔"

"کسی گھوڑا سوار آناً فاناً میں میرے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ سپاہی صورت تیزی سے بستی کے لوگوں کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے انہیں روک دیا اور وہ واپس اپنی جگہ پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ اس اثنا میں میرے قریب آ چکے تھے۔ میں نے ایک کمان میں سے ایک کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور فوراً ہی اس کو گھوڑے سے گرا دیا۔ دراصل پرویز میں اپنی قوت کا بھرپور مظاہرہ کرنے سے گریز کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے اس سپاہی کی تلوار کے ساتھ ہی اس کی ڈھال پر بھی قبضہ کر لیا تاکہ دیکھنے والوں کو یہ تاثر دے سکوں کہ میں دشمنوں کے وار ڈھال پر روک رہا ہوں۔ اور اس کے ساتھ ہی میں اس سپاہی کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس ساری کارروائی میں مجھے بمشکل چند سیکنڈ کا وقت لگا ہوگا۔ اس اثنا میں باقی سواروں کے حملوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ان کی تلواریں بجلی کی طرح لپک رہی تھیں اور میں بظاہر کر رہا تھا گویا ان کے وار میں اپنی ڈھال پر روک رہا ہوں۔ اسی کے ساتھ ہر لمحے ایک سر کٹ کر نیچے گر رہا تھا۔ میں نے سروں کی کھیتی اتنی تیزی سے کاٹنی شروع کر دی کہ دیکھتے ہی دیکھتے پندرہ منٹ کے عرصے میں صرف پانچ سوار زندہ رہ گئے اور پچیس کو میں نے ٹھکانے لگا دیا۔ میری نظر گرائس پر پڑی جو بڑے غور سے اس عجیب و غریب منظر کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا جس میں صرف ایک آدمی کے ہاتھوں اس کے پچیس سپاہی مارے جا چکے تھے۔ گرائس کے چہرے پر خوف کے آثار پیدا ہونے لگے۔ پانچ میں سے ایک سپاہی اور مارا گیا اور اس کے ساتھ ہی گرائس نے اپنے دوسرے فوجی دستے کو اشارہ کیا کہ وہ مجھ پر حملہ کر دے لیکن میں نے اس کا موقع نہیں آنے دیا۔ میں نے بجلی کی طرح اپنا گھوڑا گرا کر لیا اور ان دو میں سے گرائس کے سر پر جا پہنچا۔ پھر میں نے اسے کسی پھوٹے پتے کی طرح گھوڑے پر سے اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھا لیا۔ اس کا پورا جسم کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ گرائس کو میرے قبضے میں دیکھ کر اس کے سپاہیوں کی پیش قدمی رک گئی۔ اب وہ مجھ پر حملہ نہیں کر سکتے تھے!

"اگر کسی نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو گرائس کی لاش خاک و خون میں تڑپتی نظر آئے گی۔" میں نے چلا کر کہا اور اسی کے ساتھ میں نے اپنی تلوار گرائس کی گردن کی پشت پر رکھ دی۔ "گرائس۔" میں نے کہا۔ "تمہیں شکست ہو چکی ہے، اپنے سپاہیوں کو بلاوجہ ہلاک مت کروا۔ تمہارے جان کی ضمانت دی جا چکی ہے۔ حکومت سے دستبرداری کا اعلان کرو اور گادت کو علاقے کا حکمران تسلیم کر لو۔ میں تمہیں آخری موقع دیتا ہوں۔ اگر تم نہیں مانتے تو میں تمہیں قتل کر ڈالوں گا۔"

"میں مانتا ہوں! میں مانتا ہوں۔" گرائس نے کسی خوفزدہ بکری کی طرح ممیاتے ہوئے کہا۔ "میری جان بخش دو۔ میں گادت کے حق میں حکومت سے دستبردار ہوتا ہوں۔"

"سنا تم نے؟" میں نے گرائس کے لشکریوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تمہارے سردار نے شکست تسلیم کر لی ہے۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص گادت کے ساتھ وفاداری کا اعلان کرے جو اس علاقے کا اصل حکمران ہے اور گرائس کا بڑا بھائی ہے۔ اپنے اپنے ہتھیار نیچے رکھ دو اور نئے سردار سے وفاداری کا اعلان کرو۔"

گرائس کے فوجی سخت حیران و پریشان تھے۔ کسی بڑی لڑائی کے

aazzamm@yahoo.com

بغیر ہی جنگ کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ تاہم ان کے پاس میری بات ماننے کے علاوہ اور چارہ بھی کیا تھا۔ چنانچہ ان سب نے بے چوں و چرا میرے حکم کی تعمیل کی۔ بستی کے لوگ خوشی کے مارے دیوانہ وار رقص کرنے لگے اور گاوت کے گرد ایک میلہ لگ گیا۔ میں نے گرائس کو گھوڑے سے اتارا۔ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ اسے ساتھ لیے ہوئے میں گاوت کے پاس پہنچا۔ لوگوں نے ہمارے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ گاوت اور اندیشک ساتھ ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ اندیشک نے نفرت سے گرائس کو دیکھا۔

گاوت کی حکمرانی کا رسمی اعلان ہو جانے کے بعد ہم لوگ محل کے اندر داخل ہوئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ساری وفاداریاں بدل گئی تھیں اور وہ گاوت کے آگے پیچھے پھر رہے تھے۔ میں نے اندیشک سے پوچھا کہ اب گرائس کیساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

"اسے اس کمرے کی طرف لے چلو جہاں اس نے شیرانہ کو قید میں رکھا ہوا تھا۔" اندیشک نے کہا۔ "فی الحال ہم اسے وہیں بند کر دیں گے۔"

ہم دونوں گرائس کو ساتھ لے کر اس طرف روانہ ہوئے۔ ملازمین کی ایک جمعیت ہمارے پیچھے پیچھے چل پڑی لیکن اندیشک نے ان سب کو روک دیا۔ اس نے گاوت کو ہمارے ساتھ آنے سے منع کر دیا صرف میں اور وہ گرائس کو لے کر اس طرف روانہ ہوئے۔ گرائس کی حالت قدموں سے بدتر ہو رہی تھی۔ اسے چلنے میں سہارے کی ضرورت تھی۔

اور پھر اندیشک نے ایک نہایت ناپسندیدہ حرکت کی۔ جیسے ہی ہم اس عمارت میں داخل ہوئے جہاں پہلے شیرانہ قید تھی ویسے ہی اس نے سرعت کے ساتھ اپنا خنجر نکال کر گرائس کے پیٹ میں بھونک دیا۔ گرائس آہ کر کے زمین پر گر پڑا اور لوٹنے لگا۔ عمارت میں بالکل سناٹا تھا اور ہم دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا شخص اس واقعے کو دیکھنے والا موجود نہیں تھا۔

"یہ تم نے کیا کیا اندیشک؟" میں نے ناگواری کیساتھ کہا۔

"اس کے جرائم کے مقابلے میں یہ سزا بھی بہت کم ہے۔" اندیشک نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔

"لیکن میں اور گاوت، دونوں اسے جان کی امان دے چکے تھے۔" میں نے کہا۔

"مجھے معلوم ہے۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "لیکن اس کا زندہ رہنا سخت خطرناک تھا۔ کسی وقت بھی ہم لوگوں کے لیے پریشانی کا باعث بن سکتا تھا۔"

"تاہم مجھے تمہاری یہ حرکت پسند نہیں آئی۔" میں نے کہا۔ "انسان کو اپنی زبان کا پاس رکھنا چاہیے۔"

"تم موٹے اور بدکار آدمی سے کیے ہوئے وعدے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔" اس نے ڈھٹائی سے کہا۔

میں خاموش ہو گیا لیکن مجھے اس کی یہ حرکت قطعاً پسند نہیں آئی۔ اس نے ایک ایسے انسان پر ہاتھ اٹھایا تھا جسے میں اس کی جان کے تحفظ کا یقین دلا چکا تھا۔ اس نے گرائس کے مردہ جسم کو گھسیٹ کر اس قبر میں ڈالوا دیا جس میں کل رات تک شیرانہ قید تھی اور دروازے کو باہر سے بند کر دیا۔

"میں تھوڑی دیر بعد اس کے دفنانے کا بندوبست کر دوں گا۔" بوڑھے اندیشک نے مجھ سے کہا۔ "میں نے اسے تنہائی میں لا کر اس لیے مارا ہے کیونکہ میں سارے لوگوں کے سامنے اسے قتل کرنا نہیں چاہتا تھا۔"

"اس وجہ سے کہ سب لوگوں پر تمہاری بدعہدی آشکار ہو جاتی۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم اسے بدعہدی کا نام دے سکتے ہو۔" بوڑھے اندیشک نے کہا۔ "لیکن میں اسے مصلحت سے تعبیر کروں گا۔"

ہم لوگ دوبارہ محل کے وسطی حصے میں واپس آ گئے جہاں بہت سے فوجی سرداروں کے درمیان گھرا ہوا بیٹھا تھا۔ وہ سب کے سب اسے اپنی وفاداریوں کا مکرر یقین دلا رہے تھے۔ گاوت کا چہرہ تمتما ہوا تھا۔ اب اس کے جسم پر شاہی پوشاک تھی۔ وہ بالکل دوسرا آدمی نظر آ رہا تھا اور اسے دیکھنے والا کوئی بھی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی گاوت نہیں ہے۔

میں نے مسکرا کر گاوت کو مبارکباد دی اور اس کے بعد میں ایک گاڑی لے کر اندیشک کے ساتھ اس غار کی طرف روانہ ہوا جہاں شیرانہ اور تو گرائش موجود تھے۔ اب ہم لوگوں کو وہاں جیسے کو اور رات کی تاریکی میں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم کھلم کھلا دن کے وقت بستی سے گزرتے ہوئے ادھر روانہ ہوئے۔ گاڑی میں خود اندیشک میرے برابر بیٹھا ہوا تھا۔ ہم جدھر سے بھی گزرتے لوگ کے خوش اور مطمئن لوگ ہمیں دیکھ دیکھ کر ہاتھ ہلاتے۔ بہت سے لوگوں نے راستے میں گاڑی کو کئی جگہ روکا اور میرے ہاتھ چومے۔ انہوں نے مجھے نجات دہندہ قرار دیا اور مجھے دعاؤں سے نوازا۔ میں نے اندیشک کو اندیشک شاید میری مقبولیت سے زیادہ خوش نہیں تھے۔ بہرحال اس لیے یہ بات بالکل بے معنی تھی۔

جب ہم لوگ اس غار کے نزدیک پہنچے تو شیرانہ اور تو گرائش ہم سے ہماری منتظر تھیں۔ مجھے زندہ دیکھا تو وہ دونوں خوشی سے پاگل ہو گئیں، اور جب میں نے انہیں یہ خبر دی کہ گرائس کو شکست ہو گئی اور گاوت بستی کا نیا حکمران بن گیا ہے تو وہ دونوں خوشی کے مارے رو پڑیں۔ شیرانہ اور اندیشک کی موجودگی میں ہی تو گرائش نے میرے دونوں ہاتھ لے لیے اور وارفتگی کے عالم میں انہیں اپنی آنکھوں سے لگانے لگی۔ "تم نے عزت بچائی ہی نہیں بدن والے اجنبی تم نے میرے بابا کی جان بچائی ہے۔ یقیناً تمہاری ہی مدد سے اصلی گاوت کو نقلی گاوت پر فتح حاصل ہوئی۔ تم عظیم ہو۔ تم ہم سب لوگوں کے لیے نجات دہندہ بن کر آئے ہو۔ تو میرے پاس تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔"

میں نے اس کے دونوں ہاتھوں کو محبت سے تھام لیا۔ شیرانہ ان کو دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اندیشک زبردستی مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

ہم چاروں گاڑی میں بیٹھ کر محل کی طرف روانہ ہوئے۔ اس بار میں نے کہنے پر میں گاڑی میں اس کے ساتھ پیچھے بیٹھا اور اندیشک ساتھ آگے بیٹھے اس دفعہ گاڑی اندیشک ہانک رہا تھا۔

"سنو شادل!" تو گرائش نے سرگوشی میں مجھ سے کہا۔ "میں نے اماں سے بات کی ہے۔ وہ میرے بابا سے بات کرے گی... مگر میں بھی ڈرتی ہوں کہ میں نے تم سے تو کچھ کہا ہی نہیں۔ نہ جانے تم اس کے لیے کیا سوچو گے یا نہیں۔"

میں تو گرائش کا مطلب تقریباً سمجھ چکا تھا۔ تاہم میں نے اس سے پوچھا۔ "کیا بات؟ تم نے شیرانہ سے کیا بات کی ہے؟"

"وہ۔ تم سمجھتے کیوں نہیں؟" اس نے ایک انداز دلربائی کے ساتھ پلکوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "چاند کی دنیا سے آئے ہوئے انسان! دیکھ کر کیا اپنا سب کچھ ہار گئی ہوں۔ تم میری زندگی میں داخل ہوئے ہو تو زندگی اور آخری بھی۔ اب میں تمہارے بغیر زندگی کا تصور نہیں کر سکتی۔ میں نے اماں شیرانہ سے کہا ہے کہ وہ بابا سے اس بارے میں گفتگو کریں۔ تاکہ زندگی بھر کے لیے ایک دوسرے کے ساتھی بن جائیں۔"

میں تو گرائش کے معصومانہ اور پاکیزہ جذبات کے اظہار پر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ مجھے شروع سے ہی اس بات کا اندازہ تھا کہ وہ مجھے پسند کرنے لگی ہے۔ کچھ دن تک سکون اور امن کے ساتھ زندگی کے دن گزارنا تھا۔ تاہم میں جب شہر نجانہ مجھے مل گئی تھی تو اس وقت میں نے یہی سوچا تھا کہ کچھ دن آرام کے ساتھ گزاروں گا اور شہر نجانہ کے ساتھ گاؤں کے ہنگاموں سے دور رہوں گا لیکن میرا وہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا۔ شہر نجانہ اسطوفیز کی خونیں سازشوں کا شکار ہو گئی۔ اب مجھے تو گرائش کی صورت میں شہر نجانہ ہی کی طرح حسین اور طرحدار ہونے کے علاوہ کمسن بھی تھی۔ میں نے اس کے جذبات کی پذیرائی کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ مجھے بے حد خوشی ہو گی!"

تھوڑی دیر بعد ہم لوگ محل میں پہنچ گئے۔ شیرانہ اور تو گرائش دونوں کو ہم نے صبح دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ پورا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ گاوت کے سوب میں تھا اس نے شیرانہ اور تو گرائش کا دلی مسرت کے ساتھ استقبال کرتے ہوئے کہا۔ "سرداری کے حصول میں میری اپنی کوششوں کو کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ سب کچھ ہے وہ شادل کے طفیل ہے۔ اگر یہ سنہری بدن والا بہادر میرے ساتھ نہ ہوتا تو میں تو شاید جنگل میں ہی مر کھپ کر ختم ہو جاتا۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ شادل کو اپنا وزیر اعظم بناؤں گا اور میرے نزدیک یہ سب سے زیادہ بااختیار شخص ہی ہو گا۔"

"نہیں گاوت۔" میں نے سختی کے ساتھ اسے منع کرتے ہوئے کہا۔ "میں اس لیے نہیں دیا تھا کہ مجھے تمہاری حکومت میں کوئی عہدہ درکار ہے۔ میں دوست بن گئے تھے اور میں نے محض حق دوستی ادا کیا ہے۔ جہاں تک وزارت عظمیٰ کا تعلق ہے تو اس منصب کے لیے تم کسی عمر رسیدہ اور تجربہ کار شخص کا انتخاب کرو۔ اور میرے خیال میں تمہیں اس کی تلاش میں زیادہ پریشان ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اندیشک ایک جہاندیدہ اور زیرک انسان ہے اور اس عہدے کے لیے بالکل ٹھیک رہے گا۔"

غالباً گاوت اور اندیشک، دونوں میں سے کسی کو بھی اس بات کی توقع نہیں تھی۔ میں وزارت عظمیٰ کے منصب کو قبول کرنے سے انکار کر کے اس کے لیے اندیشک کا نام پیش کر دوں گا۔ وہ دونوں حیران حیران نظروں سے مجھے دیکھنے لگے۔

"میری دلی خواہش ہے کہ میرے بجائے تم یہ منصب سنبھالو۔" اندیشک نے کہا۔ میں صاف طور پر محسوس کر رہا تھا کہ وہ محض اوپری دل سے یہ بات کہہ رہا ہے۔

"نہیں اندیشک۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ مجھے اس چیز سے معاف رکھو۔ البتہ میں تم سے ایک اور چیز مانگتا ہوں۔ امید ہے۔ انکار نہیں کرو گے۔"

"وہ کیا؟" بیک وقت اندیشک اور گاوت کی زبان سے نکلا۔

"میں تم سے تو گرائش کو مانگتا ہوں۔" میں نے اندیشک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

اندیشک اور گاوت، دونوں حیرت سے مجھے دیکھنے لگے۔ انہیں شاید اس بات کی توقع نہیں تھی۔

"ظاہر ہے کہ میرے لیے انکار کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔" اندیشک نے کہا۔ "لیکن میں اس بارے میں اپنی بیٹی کی رائے ضرور معلوم کرنا چاہوں گا۔"

"یہ اس کی دلی خواہش ہے۔" شیرانہ فوراً بولی۔ "وہ مجھے سب کچھ بتا چکی ہے۔ وہ اس سنہری بدن والے اجنبی کو اپنا شریک حیات بنانا چاہتی ہے۔"

"اس صورت میں میری طرف سے اجازت ہے۔" اندیشک نے کہا۔ "میں تم دونوں کو پیشگی مبارکباد دیتا ہوں۔" گاوت نے خوش ہو کر کہا۔

کچھ دنوں بعد میری اور تو گرائش کی شادی ہو گئی اور ہم دونوں محل کے ہی ایک حصے میں آرام سے رہنے لگے۔ اندیشک اب وزیر اعظم بن چکا تھا اور پورے علاقے میں گاوت کے بعد وہ سب سے زیادہ بااختیار آدمی تھا۔ گاوت نے جلد ہی علاقے کے نظم و نسق میں دور رس تبدیلیاں کیں۔ فوج کو جرائم پیشہ عناصر سے پاک کیا گیا اور فوجیوں کے مظالم کا مکمل طور سے خاتمہ کر دیا گیا۔ بستی کے لوگوں نے سکون کا سانس لیا اور ان کا اعتماد بحال ہوا۔ چہروں پر سے خوف و دہشت کے سائے دور ہوئے اور ان کی جگہ مسرتوں اور شادمانیوں کی تابانی نے لے لی۔ ہر شخص کو اس بات کی اجازت تھی کہ کسی بھی ناانصافی کی صورت میں وہ شاہی محل میں آ کر انصاف طلب کر سکتا تھا۔

میں، تو گرائش کو پا کر بہت خوش تھا اور ہم دونوں نہایت سکون و اطمینان کی زندگی گزار رہے تھے۔ بالکل ویسی ہی زندگی جیسی کہ میں چاہتا

Scanned by aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

تھا۔ شیرازہ اب گاوت کے ساتھ رہ رہی تھی اور بہت خوش تھی۔ وہ گاوت کے لیے کوئی بہت خوبصورت دلہن تلاش کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ میرا زیادہ تر وقت محل کے اندر ہی گزرتا تھا۔ میں نے محل کے اس حصے کو جس میں میرا اور نوگراش کا قیام تھا، طرح طرح کے پیڑوں اور پھولوں سے سجا رکھا تھا۔ گاوت کے لاکھ منع کرنے کے باوجود میں اس حصے میں باغبانی کا سارا کام خود کرتا تھا اور کسی مالی کو نہیں رکھتا تھا۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں مجھے روحانی سرور حاصل ہوتا تھا۔

اور جب کبھی کبھار میں محل سے نکل کر باہر آجاتا تو جیسے چاروں طرف ایک قیامت برپا ہو جاتی۔ لوگ اپنے کام کاج چھوڑ چھوڑ کر میری طرف آجاتے اور مجھے گھیر لیتے۔ وہ میرے ہاتھ چومتے، میرے ساتھ گہری عقیدت اور محبت کا اظہار کرتے اور مجھ سے میرے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ وہ میری غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ دیکھ چکے تھے۔ اور ان کے دل میرے لیے ممنونیت کے گہرے احساس سے لبریز تھے۔ میری شخصیت [illegible] کے لیے جتنی زیادہ پرکشش تھی، اتنی ہی زیادہ پُراسرار بھی تھی۔ میں ان کے لیے ایک معجزہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں بہت ہی کم باہر نکلتا تھا اور محل کے اندر میرے لیے لوگوں سے ملاقات کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ البتہ روزانہ رات کا کھانا میں اور نوگراش گاوت اور اندیشک کے ساتھ کھاتے تھے۔

اندیشک نے اپنا پرانا مکان چھوڑ دیا اور وہ محل میں منتقل ہو گیا تھا۔ شیرازہ پہلے ہی گاوت کے ساتھ رہ رہی تھی چنانچہ رات کا کھانا ہم سب لوگ مل کر کھاتے اور اسی دوران اندیشک اور گاوت کے ساتھ مختلف موضوعات پر میری گفتگو ہوتی۔ میں نے ایک بار گاوت کو حکمرانی کا حق دلا دینے کے بعد اب اور مملکت سے مکمل طور پر کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور کسی معاملے میں کوئی دخل نہیں دیتا تھا۔

تاہم میں نے محسوس کیا کہ اندیشک جو کہ اب میرا مشیر بھی تھا دل سے مجھے پسند نہیں کرتا۔ [illegible] رویہ میں بظاہر کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جو مجھے یہ سوچنے پر مجبور کرتی، لیکن اس کے چہرے کے تاثرات اور اس کی آنکھوں کی چمک اکثر اس کے دلی جذبات کی غماز کرتے محسوس ہوتے تھے۔ جب کبھی میں باہر نکلتا اور اندیشک میرے ساتھ ہوتا تو لوگوں کی دلکشی اور دیوانگی دیکھ اندیشک کچھ بجھ سا جاتا۔ وہ دریہ اٹھونیا، گاوت کے بعد علاقے کا سب سے زیادہ بااختیار اور اہم شخص، لیکن میرے سامنے لوگ اسے اس طرح نظر انداز کر دیتے گویا اس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ خود گاوت کو میری موجودگی میں وہ حیثیت حاصل نہیں ہو پاتی تھی جس کا وہ بجا طور پر مستحق تھا۔ اور شاید یہی بات اندیشک کو کھٹکتی تھی۔ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ اب بستی میں میرا زیادہ دن تک گزارا نہیں ہوگا۔ میں سوچتا رہا تھا کہ نوگراش کو ساتھ لے کر کہیں اور نکل جاؤں۔ [illegible] اندیشک، وگاوت میری وجہ سے بس احساس کمتری کا شکار ہو گئے ہیں۔ [illegible] سے انہیں نجات مل جائے۔

اسی دوران کچھ ایسی باتیں پیدا ہو گئیں جن کی وجہ سے میں [illegible] سے جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

شام کا وقت تھا اور ہم سب لوگ حسب معمول کھانا کھانے میں [illegible] رہے تھے۔ کھانا کھانے کے دوران ہی اچانک اندیشک نے مجھ [illegible] مخاطب ہو کر کہا "شادل یہاں سے قریب ایک خوبصورت اور زرخیز [illegible] ہے جس کا نام زارادم ہے۔ یہ دولت علاقہ ہے۔ یہاں کے دستکار اور [illegible] نہایت عمدہ قالین تیار کرتے ہیں جو دور دور تک مشہور ہیں اور ان [illegible] سے اس علاقے کی دولت میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ علاوہ ازیں [illegible] یہاں پھل بہت عمدہ اور وافر مقدار میں پیدا ہوتے ہیں جو آمدنی کا [illegible] بڑا ذریعہ ہیں۔ زارادم کے لوگوں نے گراش کے زمانے میں بھی کبھی [illegible] اس کی بالادستی تسلیم نہیں کی اور گراش کی فوجوں نے سب [illegible] زارادم پر کبھی حملہ کیا انھیں پسپا ہونا پڑا۔ اب میں نے اور گاوت نے [illegible] کر ہم زارادم پر حملہ کر دیں اور اس زرخیز اور دولت مند علاقے کو اپنی [illegible] کا ایک حصہ بنا لیں اس طرح ہماری سلطنت کے حدود بھی وسیع ہوں گے اور اس کی دولت میں بھی اضافہ ہوگا تھیں اس سلسلے میں [illegible] کرنی ہوگی۔"

میں اندیشک کی یہ بات سن کر حیران رہ گیا۔ کل تک [illegible] کے لیے گراش کو برا بھلا کہا جا رہا تھا۔ آج اندیشک اور گاوت [illegible] وہی حرکتیں کرنا چاہتے تھے۔ انسان کتنی جلدی بدل جاتا ہے [illegible] ہی دن میں سوچا اور ساتھ [illegible] قوی یہ بھی طے کر لیا کہ [illegible] میں ان لوگوں کی کوئی مدد نہیں کروں گا۔ مجھے زارادم کے لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔

"مجھے افسوس ہے اندیشک کہ میں اس معاملے میں تمھاری [illegible] مدد نہیں کر سکتا۔" میں نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔ "اگر تم زارادم والوں سے جنگ کرنا چاہتے ہو تو تمھیں صرف اپنے وسائل پر بھروسا کرنا ہوگا۔ زارادم والوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے اور میں ان کی آزادی کو خلاف [illegible] بدلنے کے کام میں کوئی حصہ نہیں چاہتا۔"

میرے اس صاف انکار پر گاوت تو خاموش رہا لیکن اندیشک [illegible] پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں اور وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "شادل شاید [illegible] بات کو بھول گئے ہو کہ گاوت اس علاقے کا حکمران اور میں [illegible] ہوں۔ ہم دونوں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے اور [illegible] علاقے کے ایک باشندے کی حیثیت سے یہاں کے ارباب اختیار [illegible] خواہشوں کا احترام کرنا چاہیے۔ زارادم والوں سے ہماری کوئی [illegible] نہیں، لیکن ہم اپنے علاقے کی بہتری کی خاطر اسے فتح کرنا چاہتے ہیں [illegible]

"علاقے کی بہتری کی خاطر نہیں، بلکہ سرکاری خزانے میں اضافہ [illegible] کی خاطر۔" میں نے بھی تلخی سے جواب دیا "اور یہ بات یاد رکھو اندیشک [illegible] کہ میں کسی کی خواہشات یا احکامات کا پابند نہیں ہوں۔ مجھے کیا کرنا [illegible] اس بات کا فیصلہ میں ہمیشہ خود ہی کرتا ہوں۔ زارادم کے معاملے [illegible] مجھ سے کسی بھی مدد کی امید نہ رکھنا تم۔" اور ان الفاظ کے ساتھ [illegible]

[illegible] کھڑا ہوا۔ میرے ساتھ ہی نوگراش بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیٹھ جاؤ شادل!" گاوت نے نرمی سے مجھ سے کہا۔ اس کے [illegible] چہرے پر سنجیدگی طاری تھی۔ "ہمیں یہ بتانا چاہتا کہ زارادم [illegible] کا یہ فیصلہ ہم لوگوں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ اس علاقے [illegible] کرنے سے ہمیں بہت دولت حاصل ہوگی۔ میں تم سے وعدہ کرتا [illegible] زارادم سے حاصل کردہ دولت کا ایک تہائی حصہ تمھیں اور [illegible] نوگراش کو دے دیا جائے گا تاکہ تمھاری آئندہ کئی نسلیں [illegible] آزاد ہو جائیں۔ بشرطیکہ تم ہمارا ساتھ دو۔"

میں گاوت کی سادگی پر دل میں مسکراتا اٹھا۔ سادہ لوح حکمران [illegible] کو لالچ دے رہا تھا! کتنی مضحکہ خیز بات تھی!

"مجھے دولت کی کوئی ضرورت نہیں۔" میں نے خشک لہجے میں [illegible] کہا۔ "میرے بازوؤں میں اتنی قوت ہے کہ میں محنت سے محنت [illegible] کر سکتا ہوں اور اپنے اور اپنی بیوی کے لیے روزی کما سکتا ہوں۔ [illegible] دولت تو میں نے محض اس لیے لی تھی کہ ایک غاصب نے تمھارا حق [illegible] چھین لیا تھا اور تم میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اپنا حق واپس لے سکو۔ [illegible] تخت دلانے کے بعد میرا کام ختم ہو گیا ہے۔ میں تمھاری [illegible] برتری اور توسیع پسندی کی مہم میں شریک نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر [illegible] تمھاری حفاظت ہمارے علاقے پر حملہ آور ہو تو اس کا مقابلہ کرنے [illegible] میں مجھے سب سے آگے پاؤ گے۔"

گاوت ایک بار پھر خاموش ہو گیا، لیکن اندیشک کی آنکھوں [illegible] غصے کے مارے شعلے نکلنے لگے۔ مجھے اس بدطینت بوڑھے سے [illegible] نفرت محسوس ہوئی۔ وہ حد درجہ مکار اور احسان فراموش [illegible] ہوا تھا۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں پروفیسر اس شخص کا رویہ [illegible] سے کچھ عجیب و غریب قسم کا تھا۔ اور شاید اس نے دل سے [illegible] بھی پسند نہیں کیا۔ وہ میری جانب سے ہمیشہ شبہ میں مبتلا رہا۔ [illegible] ساتھ نوگراش کی شادی اسے اس لیے کرنی پڑی۔ کیونکہ یہ [illegible] کا فیصلہ تھا اور اندیشک کے پاس مجھے مسترد کرنے کی کوئی [illegible] موجود نہیں تھی۔

میں یہ الفاظ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے ساتھ ہی نوگراش بھی اٹھ [illegible] اور ہم دونوں اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ گاوت یا [illegible] میں سے کسی نے ہمیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔ ان دونوں [illegible] کی صاف گوئی سے دلی صدمہ پہنچا تھا۔ لیکن اس سے کہیں زیادہ [illegible] ان لوگوں کے رویے سے پہنچا تھا۔ وہ مجھے اپنی ہوس ملک [illegible] کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ اور میرے انکار کی بنا پر مجھ سے [illegible] گئے تھے۔ مجھے یہ صاف نظر آ رہا تھا پروفیسر کہ میں نے نوگراش [illegible] ساتھ پُرسکون اور پُرمسرت زندگی گزارنے کا جو خواب یہاں دیکھا تھا [illegible] اب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو پائے گا۔ حالات جو رخ اختیار کر رہے [illegible] ان کے پیش نظر اب یہاں زیادہ عرصہ تک میرا قیام ممکن نہیں نظر آ رہا تھا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے بہت جلد مجھے یہاں سے رخصت ہونا پڑے گا۔ نوگراش اس کے لیے تیار ہوئی تو اسے بھی ساتھ لیتا جاؤں گا، ورنہ تنہا ہی روانہ ہو جاؤں گا —— ہمیشہ کی طرح تنہا ——

میں نے اپنی طویل زندگی میں جن بے شمار لوگوں کو دیکھا اور برتا ہے پروفیسر ان میں ہر قسم کے لوگ شامل تھے۔ دوست بھی، دشمن بھی۔ ایسے لوگ بھی جنھوں نے مجھے سر آنکھوں پر بٹھایا اور کسی دیوتا کی طرح میری پرستش کی اور ایسے لوگ بھی جو مجھے ہلاک کرنے کے درپے رہے اور اس کے نتیجے میں ذلیل و رسوا ہوئے۔ لیکن بہت کم لوگ ایسے تھے جن کی میں نے خلوص دل سے مدد کی ہو اور اس کے جواب میں انھوں نے میری جانب غدارانہ رویہ اختیار کیا ہو۔ بدقسمتی سے اندیشک اسی قسم کے لوگوں میں شامل تھا۔ اور اسی لیے اس کی داستان میری طویل داستانِ حیات کا ایک دلچسپ حصہ ہے۔ میں نے ایک طرح سے اندیشک کو نئی زندگی بخشی تھی۔ اس کی بیٹی میری ہی وجہ سے گراش کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہی۔ اور میری ہی کاوشوں کے طفیل اندیشک جو اس بستی کا ایک بالکل معمولی سا آدمی تھا، وزارتِ عظمیٰ کے منصب جلیلہ پر پہنچا۔ اور وہی اندیشک اب میری جان کے درپے ہو رہا تھا۔ مجھے ہرگز یہ اندازہ نہیں تھا کہ اندیشک اس حد تک کر سکتا ہے لیکن میں نے اپنے کانوں سے سب کچھ سن لیا۔ اور یہ محض ایک اتفاق تھا کہ مجھے گاوت کے ساتھ اس کی گفتگو سننے کا موقع مل گیا۔ یہ اندیشک اور گاوت سے گفتگو کے دوسرے دن کی بات ہے۔ اندیشک اور گاوت دونوں محل کے باغ میں ایک بنچ پر بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے تھے۔ میں عموماً محل کے اس حصے میں کبھی نہیں جاتا تھا۔ لیکن اس دن میں پھولوں کے بعض پودوں کی تلاش میں اُدھر جا نکلا جنھیں میں اپنی قیام گاہ کے سامنے کیاریوں میں لگانا چاہتا تھا۔ اندیشک اور گاوت نے مجھے نہیں دیکھا کیونکہ میں ان کے پیچھے تھا۔ میرے اور ان کے درمیان ایک بڑی سی باڑھ حائل تھی۔

"شادل کا وجود ہمارے لیے ایک ایسا خطرہ ہے جس سے جلد ترین نجات حاصل کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔" اندیشک نے کہا۔ "وہ اس مملکت میں رہتے ہوئے بھی یہاں کے حکمرانوں کی اطاعت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس کا رویہ سراسر گستاخانہ ہے اور وہ سرکشی پر آمادہ ہے۔ اگر اس کا کوئی علاج نہیں کیا گیا تو کل وہ ہمارے اوپر حکم چلائے گا اور پھر شاید ہم مجبور ہوں گے کہ اس کے حکم کی پابندی کریں۔"

"لیکن شادل ہمارا محسن ہے۔" گاوت نے نیم دلی کے ساتھ کہا۔ "میں شادل کے طفیل ہی حکومت ملی ہے۔ اگر وہ خود حکومت کا خواہاں ہوتا تو اسے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ لیکن اس نے گراش سے حکومت چھین کر میرے حوالے کی ہے۔ اب اگر وہ مزید کسی معرکے میں ہمارا ساتھ نہیں دینا چاہتا تو ہمیں اس کی نیت پر شک نہیں کرنا چاہیے۔ وہ ایک بہادر آدمی ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہمارے ساتھ غداری نہیں کرے گا۔"

Downloaded by aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"آدمی کی نیت بدلنے میں دیر نہیں لگتی۔" اندلیشک نے تلخ لہجے میں کہا۔ "کیا تم اس حقیقت سے انکار کر سکتے ہو کہ شادل غیر معمولی طور پر طاقتور انسان ہے اور وہ تنہا ایک اچھی خاصی تعداد کو شکست دے سکتا ہے۔ کل اگر یہ شخص سردی کا دعوے دار بن کر اٹھ کھڑا ہو تو تم اسے کیسے روکو گے؟ پھر تم اس بات سے بھی اچھی طرح واقف ہو کہ بستی کے لوگ اسے پوجنے کی حد تک چاہتے ہیں۔ وہ اگر ایک اشارہ کر دے تو پھر ساری بستی کے لوگ اس کے پیچھے چل پڑیں گے۔ کیا یہ صورت حال تمہارے لیے تشویش کا باعث نہیں۔ بھلا تم اپنی مملکت میں ایک ایسے شخص کا وجود کس طرح گوارا کر سکتے ہو جو تم سے زیادہ طاقت ور اور ہر دل عزیز ہو؟ اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ تم نے اپنے آپ کو اس شخص کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے اور وہ شخص جب چاہے تمہیں حکومت سے بے دخل کر سکتا ہے۔"

اندلیشک کی اس مکارانہ منطق کے آگے گاوت خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر خاموشی طاری رہی پھر گاوت بولا۔ "لیکن ہم شادل سے کس طرح نجات حاصل کر سکتے ہیں؟ ظاہر ہے وہ خود تو یہاں سے جائے گا نہیں۔ ہم اسے کیسے مجبور کر سکتے ہیں؟"

"میں نے یہ کب کہا ہے کہ ہم اسے کہیں جانے کے لیے مجبور کریں؟" بدطینت بوڑھے نے کہا۔ "میرا مقصد تو یہ ہے کہ ہم اس سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا حاصل کر لیں۔"

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ ہم اسے ہلاک کروا دیں؟" گاوت نے پوچھا۔

"اس کے علاوہ ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟" اندلیشک نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

"کیا تم یہ بات بھول گئے ہو کہ وہ تمہاری بیٹی کا شوہر بھی ہے؟" گاوت نے پوچھا۔

"نہیں میں یہ بات بھولا نہیں ہوں۔" اندلیشک نے جواب دیا۔ "لیکن میری بیٹی کے لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ شادل کے خاتمے کے بعد ہم اس کی کہیں اور شادی کر دیں گے۔ اس جیسی حسین اور بلیقہ شعار لڑکی کے لیے اچھے رشتوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ پھر میں سمجھتا ہوں کہ توگرش جیسی حسین اور دلکش لڑکی کو تو سسکتا ہونا چاہیے تھا۔" اندلیشک کے ہونٹوں پر حیارانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے گہری نظروں سے گاوت کی طرف دیکھا۔

گاوت نے اس کی بات کا فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"تمہارے خیال میں ہم شادل سے کس طرح نجات حاصل کر سکتے ہیں؟" گاوت نے پوچھا۔

"یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔" اندلیشک نے ایک خبیثانہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "یہ تو خاہر ہے کہ ہم ہتھیاروں کے ذریعے اس پر قابو نہیں پا سکتے کیونکہ یہ شخص نہ جانے کون سی مٹی کا بنا ہوا ہے کہ تیس تیس آدمیوں کے مقابلے میں بھی تنہا جیتا ہے۔ اسے ہلاک کرنے کے لیے ہمیں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا ہوگا کہ اسے خبر بھی نہ ہو اور ہمارا کام بھی ہو جائے۔ میرے ذہن میں پورا منصوبہ موجود ہے۔ آج سے ٹھیک ایک ہفتے بعد جشن ہونے والا ہے اور جشن کی رات شادل کی زندگی کی آخری رات ہوگی۔ میں ایک خصوصی جام کا بندوبست کروں گا جس میں خوفناک اور ہلاکت خیز زہر شامل ہوگا۔ ایک رقاصہ جس کو یہ ساری بات سمجھا دی جائے گی، یہ خصوصی جام شادل کو پیش کرے گی اور اس کے بعد اس کا قصہ ہمیشہ کے لیے پاک ہو جائے گا۔"

"میرے خیال میں یہ ایک عمدہ منصوبہ ہے۔" گاوت نے کہا۔ میں خاموشی سے وہاں سے چلا آیا۔ اب مجھ میں مزید کچھ سننے کی تاب نہیں تھی۔ اندلیشک کی کمینگی اور گاوت کی خود غرضی اور احسان فراموشی نے میرے دل کو سخت صدمہ پہنچایا تھا۔ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ گاوت جیسا شخص اس حد تک بھی گر سکتا ہے۔ میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ میں ان لوگوں کو اس بات کا موقع نہیں دوں گا کہ وہ اپنے گھٹیا ہتھکنڈوں کو پرآزمائیں اور جشن سے پہلے ہی یہاں سے نکل جاؤں۔ چنانچہ اپنی قیام گاہ پر واپس آنے کے بعد میں نے توگرش کو وہ سب کچھ بتا دیا جو اپنے کانوں سے سنا تھا۔ میں نے اسے یہ بتا دیا کہ میں اگر چاہوں تو ان سب لوگوں کو خوفناک سزا دے سکتا ہوں۔ لیکن میں ایسا کرنا نہیں چاہتا اور میں نے یہاں سے فوری طور پر چلے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ توگرش کو میری زبان سے یہ ساری باتیں سن کر کوئی خاص تعجب نہیں ہوا۔ اس نے پہلی بار مجھے یہ بات بتائی کہ اندلیشک مسلسل اس کے خلاف اس کے کان بھرتا رہتا ہے اور اندلیشک کی دلی خواہش ہے کہ وہ اسے مجھ سے کسی طرح چھڑا کر گاوت کی دلہن بنا دے۔ توگرش نے مجھ سے کہا کہ وہ اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک میرا ساتھ نہیں چھوڑے گی اور جہاں بھی میں جاؤں گا وہ میرے ساتھ جائے گی۔ اس نے کہا کہ وہ میرے لیے ساری دنیا چھوڑ سکتی ہے۔

چنانچہ اسی رات میں اور توگرش صبا رفتار گھوڑوں پر بیٹھ کر خاموشی سے محل سے نکل گئے۔ اس بار مجھے سفر کا خصوصی اہتمام کرنا پڑا تھا کیونکہ میں تنہا نہیں تھا۔ میرے ساتھ توگرش تھی جس کی انسانی احتیاجات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میرے پاس کھانے پینے کی اشیا کا وافر ذخیرہ موجود تھا اور پینے کے پانی کے کئی مشکیزے بھی ساتھ تھے۔ چاندنی رات اور موسم بے حد بخش تھا۔ جلد ہی ہم وادی کے حدود سے بہت آگے نکل

[illegible] اش کے اس سوال کا کوئی خاطر خواہ جواب نہیں دے سکا [illegible] ہماری منزل کہاں ہے۔ میں نے اسے میں بتایا کہ فی الحال ہمیں جہاں [illegible] رہنے کا موقع ملے گا، ہم رہ لیں گے۔

تین دن کے سفر کے دوران میں کوئی آبادی نہیں ملی۔ ابھی [illegible] کے پینے کا کچھ ذخیرہ ہمارے پاس موجود تھا اور ویسے بھی [illegible] کی زیادہ فکر بھی نہیں تھی۔ کیونکہ میں نے راستے میں کافی شکار بھی مار لیا تھا۔ توگرش اس بات پر سخت حیران تھی کہ میں نے تین دن کے دوران صرف ایک وقت تھوڑا سا کھانا کھایا تھا۔ اور پانی تو میں نے ایک گھونٹ بھی نہیں پیا تھا۔ توگرش کے حیرت آمیز [illegible] پر میں نے اسے بتایا کہ میں کئی کئی دن تک بغیر کھائے پیئے رہ سکتا ہوں۔

چوتھے دن اچانک دوپہر کے بعد سے کھیتوں اور باغوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب ہم کسی آبادی کے قریب پہنچ رہے ہیں۔ کچھ دور جانے کے بعد مجھے ایک کھیت میں [illegible] کام کرتے ہوئے نظر آئے۔ ہم دونوں کو دیکھ کر وہ خود [illegible] سے پاس آ گئے۔ ان کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ یہاں سے کچھ [illegible] پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کا سردار کرشاسا نامی ایک شخص ہے۔ یہ سارے کھیت اور باغات اس کی ملکیت ہیں اور [illegible] گاؤں کے لوگ اس کے لیے کام کرتے ہیں۔ جب فصل کٹتی [illegible] تو وہ ساری کی ساری کرشاسا اور اس کے خاندان والوں کی [illegible] ہوتی ہے۔ گاؤں کے کام کرنے والے لوگوں کو اس میں [illegible] حصہ دے دیا جاتا ہے جس سے وہ اور ان کے گھر والے [illegible] بسر کر سکیں۔ ان لوگوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ اگر [illegible] گاؤں میں یا اس کے آس پاس کہیں بھی قیام کرنا چاہتا [illegible] کچھ دن اس کے لیے کرشاسا کی اجازت لینی پڑے گی۔ اور [illegible] کے لیے اسی وقت یہاں رہنے کی اجازت دے گا، جب [illegible] کے لیے کام کرنے پر تیار ہوں گا۔

ظاہر ہے پروفیسر کہ کام میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ میں اگر [illegible] ہوتا تو ممکن ہے اس گاؤں میں ایک منٹ بھی نہ ٹھہرتا اور آگے [illegible] جاتا۔ لیکن توگرش کو ساتھ لیے ہوئے میں ایک غیر معینہ مدت تک [illegible] ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ اس لیے میں نے سوچا کہ میں فی الحال [illegible] گاؤں میں قیام کروں۔ میں نے توگرش کی رائے پوچھی تو اس نے [illegible] چھوڑ دیا۔ میں نے ان آدمیوں سے کرشاسا کے بارے میں [illegible] بتایا کہ وہ مجھے گاؤں میں ہی مل جائے گا۔

میں اور توگرش اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار آگے بڑھ گئے۔ کھیتوں اور باغوں کا سلسلہ ایک چھوٹی سی بستی پر جا کر ختم ہو گیا۔ یہ سو ڈیڑھ سو مکانوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس کے زیادہ تر مکانات چھوٹے چھوٹے اور کچے یا نیم پختہ تھے۔ لیکن سارے مکانوں کے سامنے وسیع زمین پڑی ہوئی تھی۔ گاؤں کے وسط میں ایک بڑا سا دو منزلہ پختہ مکان نظر آ رہا تھا جس کا احاطہ بہت دور تک چلا گیا تھا۔ میں نے اندازے سے سمجھ لیا کہ شاسا کا مکان یہی ہوگا۔ گاؤں کے زیادہ تر لوگ اس وقت اپنے اپنے گھروں سے باہر باغوں اور کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ پھر بھی بہت سے لوگ گاؤں کے اندر موجود تھے جو مختلف کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ ہم دونوں کو دیکھ کر بہت سے لوگ جمع ہو گئے جن میں عورتوں کی بڑی تعداد تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ شاید اس گاؤں میں اجنبی بہت کم آتے ہیں۔

میں نے لوگوں کو بتایا کہ ہم لوگ پردیسی مسافر ہیں اور کرشاسا سے ملنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے گاؤں کے وسط میں موجود دو منزلہ پختہ مکان کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ کرشاسا وہاں ملے گا۔ ہم دونوں اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس وسیع مکان کے صدر دروازے پر پہنچ گئے جو اندر سے بند نہیں تھا۔ ہم دونوں اپنے گھوڑوں سے اترے اور میں نے دروازے پر ہاتھ مارا۔ دروازہ کھل گیا اور ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔ اندر گھستے ہی جو منظر ہم دونوں نے دیکھا وہ بڑا دہشت ناک تھا۔ ایک شخص جس کے بدن پر صرف ایک لنگوٹی تھی۔ لکڑی کی ٹکٹکی پر بندھا ہوا تھا اور اس کے منہ میں بھی کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا تاکہ اس کی چیخیں نہ نکل سکیں۔ ایک بھاری بھرکم جلاد ایک لمبا سا کوڑا ہاتھ میں لیے ہوئے اس کے برابر کھڑا تھا اور اس شخص کی پیٹھ لہولہان ہو رہی تھی۔ نہ جانے اس سے کتنے کوڑے مارے جا چکے تھے۔ سامنے کرسی پر ایک نہایت فربہ اندام اور دراز قد آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا جسم کسی دیو کی طرح بھاری بھرکم تھا۔ اس کے چہرے پر گھنی سیاہ ڈاڑھی تھی جس نے اس کی شکل کو اور بھی ہیبت ناک بنا دیا تھا۔ اس کے پیچھے کرسیوں پر بہت سے دوسرے لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور بہت سے لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ میرے اچانک دروازہ کھول کر اندر آ جانے سے ان سب لوگوں کی نظریں میری طرف اٹھ گئیں۔ توگرش میرے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔

"میں کرشاسا سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں کرشاسا ہوں۔" ہاتھی جیسے جسم میں سے گھر گھراہٹ کی آواز بلند ہوئی۔ "اندر آ جا۔ اس عورت کو ساتھ لے آ اور بتا کہ تو کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔"

میں توگرش کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گیا۔ توگرش کا پورا جسم لرز رہا تھا۔ وہ اس خونخوار ماحول سے سخت ہراساں نظر آ رہی تھی۔ "یہاں سے بھاگ چلو شادل۔" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں میرے کان میں سرگوشی کی۔ میں مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ ہم دونوں اس دیو ہیکل انسان کے سامنے پہنچ گئے۔ "یہ امام شادل ہے اور یہ میری بیوی توگرش ہے۔" میں نے کہا۔ "میں اس گاؤں میں رہنا اور کام کرنا چاہتا ہوں۔"

aazzamm@yahoo.com

"باقی باتیں تو بعد میں ہوں گی۔" گوشت کے تودے میں سے ایک بار پھر گھڑگھڑاہٹ بلند ہوئی۔ "کام چوری کرنے والے کا یہاں جو حشر ہوتا ہے۔ پہلے اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے جلاد کو اشارہ کیا۔ جلاد بھاگتا ہوا پیچھے گیا۔ پھر وہاں سے تیزی سے دوڑتا ہوا رکوڑا اٹھاتا ہوا واپس آیا۔ ایک کڑاکے کی صدا گونجی اور ساتھ ہی ٹکٹکی پر بندھا ہوا شخص بری طرح تڑپا۔ اس کی پیٹھ میں سے خون کی دھار بہنے لگی۔ تو گراش نے جلدی سے میرا بازو تھام لیا اور دیوہیکل کرشاسا نے اپنی تیز نظریں تو گراش کے چہرے پر گاڑ دیں۔

تو گراش کرشاسا کی کڑی اور بے رحمانہ نظروں کی تاب نہ لا سکی اور اس نے گھبرا کر اپنی آنکھیں جھکا لیں۔

"بس کر۔" کرشاسا نے اپنی گرج دار آواز میں جلاد سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "میں اسے مُردہ نہیں، بلکہ زندہ دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ اسے پچھتانے کا وقت مل سکے اور یہ اس بات کی کوشش کرے کہ آئندہ اسے پچھتانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔"

کرشاسا کے حکم پر جلاد نے ٹکٹکی سے بندھے ہوئے آدمی کے ہاتھ پیر کھول دیے۔ وہ کسی بے جان جسم کی طرح نیچے گر پڑا۔ لیکن وہ مُردہ نہیں تھا۔

"اسے اندر لے جاؤ۔" کرشاسا نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کرتالا سے کہو کہ اس کے زخموں پر دوا لگائے۔ اس وقت فصلیں تیار ہونے والی ہیں اور مجھے کام کرنے والے لوگوں کی ضرورت ہے۔"

پھر وہ میری طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "ہاں اب بتا کہ تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے اور اس خوبصورت عورت کو کہاں سے بھگا کر لایا ہے؟"

"میں اس عورت کو کہیں سے بھگا کر نہیں لایا ہوں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "یہ میری بیوی ہے اور اس کا نام تو گراش ہے۔ میرا نام شادل ہے۔ اگر تمہیں میرے بیان کی اصلیت میں کوئی شک ہے تو تم خود اس عورت سے پوچھ سکتے ہو۔"

"خیر چھوڑ اس بات کو، یہ بتا کہ تو آیا کہاں سے ہے اور کیوں آیا ہے؟" کرشاسا نے پوچھا۔

"ہم دونوں لاتاق کی بستی سے آئے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں ایک ہی جگہ رہتے رہتے اکتا گیا تھا اور اب کسی نئی جگہ جانا چاہتا تھا۔"

"تو لاتاق سے آیا ہے۔" کرشاسا نے حیرت سے کہا۔ "تو وہاں کی حکومت کا باغی تو نہیں؟ اگر ایسا ہے تو ہم تجھے پناہ نہیں دیں گے کیونکہ گاوت کی فوجوں کا مقابلہ کرنے کی ہم میں ہمت نہیں ہے۔"

"میرا کسی حکومت سے کوئی تعلق نہیں۔" میں نے گول مول سا جواب دیا۔ "میں تو ایک محنت مشقت کرنے والا آدمی ہوں۔ لاتاق میں بھی میں محنت کرتا تھا اور یہاں بھی محنت کروں گا۔"

"کیا کیا کام کر سکتا ہے؟" کرشاسا نے پوچھا۔

"محنت مشقت والے سارے کام کر سکتا ہوں، خواہ ان کی نوعیت کچھ بھی ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" کرشاسا نے کہا۔ "پھر تو یہاں رہ سکتا ہے۔ فی الحال تو اور تیری عورت کزال کے مکان میں رہو گے۔ اس کا مکان کافی بڑا ہے اور اس بڈھے کی ضروریات سے بہت زیادہ ہے۔ ابھی تو چلا جا۔ کل صبح سے تجھے کام پر لگا دوں گا۔"

کرشاسا نے اپنے ایک آدمی سے کہا کہ مجھے اور میری بیوی کو کزال کے گھر لے جائے اور کرشاسا کی جانب سے اسے حکم دے کہ وہ ہم دونوں کو اپنے گھر میں ٹھیرنے دے۔ میں اور تو گراش اس شخص کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ چھوٹے سے گاؤں میں ہماری آمد کی خبر آناً فاناً چاروں طرف پھیل گئی اور لوگ مجھے اور تو گراش کو دیکھنے کے لیے ادھر اُدھر کھڑے ہو گئے تھے۔

جو آدمی ہمارے ساتھ جا رہا تھا اس نے راستے میں مجھ سے پوچھا۔ "شادل، تمہارے جسم کی رنگت سنہری کیوں ہے؟ تمہارے بال بھی سونے کے تاروں کی طرح ہیں۔ میں نے آج تک سونے کا آدمی نہیں دیکھا۔ لیکن تم واقعی مجھے سونے کے آدمی نظر آتے ہو۔"

میں اس کے سوال کے جواب میں محض مسکرا کر رہ گیا۔

"مجھے تمہاری شخصیت نے بہت متاثر کیا ہے۔" وہ شخص نے دوبارہ کہا۔ "اور اسی لیے میں تم سے دلی ہمدردی محسوس کر رہا ہوں۔ نہ جانے کس نے تمہیں اس جگہ آنے کا مشورہ دیا تھا۔ یہ جگہ تمہارے جیسے لوگوں کے لائق نہیں ہے اور پھر تمہاری بیوی بھی اس قدر خوبصورت ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں نہیں کچھ نہیں۔" وہ شخص فوراً ہی سنبھل گیا۔ "میرا مطلب صرف یہ تھا کہ یہاں کی زندگی بہت سخت ہے۔ زندہ رہنے اور روٹی حاصل کرنے کے لیے سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ نہ جانے تم اتنی محنت کر بھی سکو گے یا نہیں۔"

لیکن میں صاف طور پر سمجھ رہا تھا کہ اس کا مطلب ہرگز وہ نہیں ہے جو وہ کہہ رہا ہے۔ اس کی زبان پر مصلحت اور خوف نے مہر لگا دی تھی۔ بہرحال مجھے اس بات کی کیا فکر تھی؟ اس شخص نے اپنا نام ملاکا بتایا اور یہ کہا کہ وہ کرشاسا کے خاص آدمیوں میں سے ہے اور میں اگر کبھی اپنے آپ کو کسی مشکل میں پاؤں تو اس سے رجوع کروں۔ وہ حتی المقدور میری مدد کرنے میں کوشش کرے گا۔

ہم لوگ آپس میں باتیں کرتے ہوئے کزال کے گھر تک پہنچ گئے۔ کزال ایک بوڑھا آدمی تھا اور ایک بڑے سے نیم پختہ جھونپڑے میں تنہا رہتا تھا۔ اس جھونپڑے میں کافی جگہ تھی اور میں اور تو گراش اس میں آرام سے رہ سکتے تھے۔ ملاکا ہم دونوں کو کزال کے حوالے کر کے اور اسے کرشاسا کا حکم پہنچا کر چلا گیا۔ کزال ہم دونوں کے ساتھ جھونپڑے کے اندر چٹائی کے فرش پر بیٹھ گیا۔

"چاند کی کرنوں سے بنے ہوئے انسان، تم اس آسمانی حور کو لے کر اس وحشت کدے میں کہاں سے آ گئے؟ آج ہی رات کو چپکے سے یہاں سے چلے جاؤ۔ میں کرشاسا سے کہہ دوں گا کہ تم رات کو مع اپنی بیوی کے یہاں سے نکل گئے۔"

"لیکن کیوں؟" میں نے سوال کیا۔ "کیا اس جگہ انسان نہیں رہتے؟ آخر اور بھی تو بہت سے لوگ یہاں رہ رہے ہیں؟"

"رہ رہے ہیں لیکن جانوروں کی طرح۔" کزال نے رنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔ "کرشاسا ایک نہایت ظالم اور خونخوار انسان ہے۔ وہ یہاں کے لوگوں سے جان توڑ مشقت لیتا ہے اور جب سنہری ہوئی فصلیں تیار ہو جاتی ہیں تو وہ سب اس کے قبضے میں چلی جاتی ہیں۔ محنت کرنے والوں کو صرف اس قدر ملتا ہے جو بمشکل ان کے اور ان کے بیوی بچوں کے گزارے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ ذرا ذرا سی غلطیوں پر کرشاسا انسانوں کے جسموں کی کھال ادھڑوا دیتا ہے۔ اسے انسانوں سے ذرا بھی محبت نہیں۔ اور پھر سب سے زیادہ خراب بات یہ ہے کہ گاؤں کی کوئی عورت اس کی زد سے محفوظ نہیں۔ کتنی ہی عورتوں نے شرم سے خودکشی کر لی۔ لیکن کرشاسا پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ تمہاری عورت بھی خطرے میں ہے۔" اس نے تو گراش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بہتر ہو گا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

"مجھے ایک بات بتاؤ کزال۔" میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کرشاسا تو ایک ہی ہے۔ اس کے ساتھ اس کے دس بارہ یا بیس پچیس یا اس سے کچھ زیادہ کارندے ہوں گے لیکن گاؤں میں موجود مردوں کی تعداد کم از کم سو ڈیڑھ سو تو ضرور ہو گی۔ کیا یہ سب کے سب مل کر کرشاسا کے مظالم سے نجات حاصل نہیں کر سکتے؟ اگر سارے لوگ متحد ہو کر اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں تو اسے چیونٹی کی طرح مسل سکتے ہیں۔"

"تم شاید یہ کہنا چاہتے ہو کہ لوگوں کو کرشاسا کے خلاف بغاوت کر دینی چاہیے۔" کزال نے بھنویں سکیڑ کر مجھے گھورا۔

"ہاں، میں بالکل یہی کہنا چاہتا ہوں۔" میں نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"کاش ایسا ہو سکتا!" کزال نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"ایسا ہو گا اور ضرور ہو گا۔" میں نے پُریقین لہجے میں کہا۔ "تم مجھے یہاں سے بھگانے کی کوشش مت کرو۔ میں اس گاؤں کے لوگوں کے لیے رحمت اور آزادی کا پیغام بن کر آیا ہوں۔"

"تمہارا غیر معمولی رنگ روپ تمہارے اس دعوے کی گواہی دیتا نظر آتا ہے۔" کزال نے کہا اور پھر وہ ہم لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنے میں مصروف ہو گیا۔ کھانا کھانے کے بعد اس نے جھونپڑے کے ایک کمرے میں جو خالی پڑا تھا، چٹائی کے آرام دہ بستر لگا دیے اور خود دوسرے کمرے میں جا کر سو گیا۔

تنہائی اور اطمینان کا موقع ملتے ہی تو گراش نے سہمی ہوئی آواز میں مجھ سے کہا۔ "شادل، یہاں سے چپکے سے نکل چلو۔ مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے۔ یہ شخص تو ہم لوگوں کے لیے گاوت اور میرے بابا سے بھی زیادہ خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ نہ جانے ہمارا یہاں کیا حشر ہو۔ میں یہاں بالکل نہیں رہنا چاہتی۔ اف، کرشاسا کی شکل کس قدر خوفناک ہے، کس قدر غلیظ اور مکروہ انسان ہے وہ!"

"تمہیں ذرا برابر بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کرشاسا جیسے غلیظ چہرے کی کیا مجال جو تمہیں ہاتھ بھی لگا سکے۔ تم خود کو بالکل محفوظ سمجھو۔"

"لیکن شادل، جب تم کام پر چلے جاؤ گے اور میں اس گھر میں اکیلی ہوں گی تو اس وقت میں کس طرح خود کو محفوظ سمجھ سکتی ہوں؟ تمہاری عدم موجودگی میں کرشاسا میرے ساتھ کوئی بھی زیادتی کر سکتا ہے۔ اس کے بعد اگر تم اس کے ٹکڑے بھی کر ڈالو گے تو اس کا کیا فائدہ ہو گا؟"

تو گراش کی بات بالکل صحیح تھی۔ میں نے معاملے کے اس پہلو پر تو غور ہی نہیں کیا تھا۔ لیکن فوراً ہی اس کا حل بھی میری سمجھ میں آ گیا۔

"میں جب کام کرنے جاؤں گا تو تم تنہا گھر میں نہیں رہو گی۔" میں نے کہا۔ "تم میرے ساتھ جاؤ گی اور میرے ساتھ ہی واپس آؤ گی۔"

تو گراش میری اس بات سے وقتی طور پر تو خوش ہو گئی لیکن اس کے دل میں جو وحشت سما گئی تھی، اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ تاہم میں نے اسے دلاسا دیا اور ہم دونوں سو گئے۔

رات کو کسی وقت ایک عجیب و غریب شور سے میری آنکھ کھل گئی۔ تو گراش بھی جاگ گئی تھی۔ کمرے میں جو چراغ کب کا بجھ چکا تھا اور ہر طرف گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا، نیند سے بیدار ہونے کے فوری بعد تو ہم دونوں کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ باہر کیا شور ہو رہا ہے۔ چند منٹ بعد ہمیں یہ احساس ہوا کہ باہر ایک زبردست طوفانِ باد و باراں گرج رہا ہے۔ ہواؤں کے جھکڑ طوفانی رفتار سے چل رہے تھے اور بہت تیز بارش ہو رہی تھی۔ رہ رہ کر بادل گرج رہے تھے اور بجلی چمک رہی تھی۔ لیکن کزال کا چھپر

Scanned by aazzamm@yahoo.com (Urdu Bazar)

aazzamm@yahoo.com

اس قدر عمدگی کے ساتھ بنایا گیا تھا کہ اس میں کہیں سے پانی کی ایک بوند بھی اندر نہیں آ رہی تھی۔

"بہت زور کا طوفان آیا ہوا ہے۔" تو گرائش نے مجھ سے کہا۔

"ہاں، بڑی تیز بارش ہو رہی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کزال بھی ضرور بھیگ رہا ہوگا۔"

ابھی میری بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ جھونپڑے کے دروازے کے باہر ایک نہایت ہی خوفناک دھماکے کی آواز سنائی دی جس نے نہ جانے کتنے سننے والوں کے دل دہلا دیے ہوں گے۔

"شادلا، کیا تم جاگ رہے ہو؟" بیرونی کمرے سے کزال کی آواز سنائی دی۔

"ہاں میں جاگ رہا ہوں کزال۔" میں نے جواب دیا۔ "یہ دھماکا کس چیز کا تھا؟"

"اپنے کمرے سے باہر آؤ۔" اس نے کہا۔ "ہم دونوں دروازہ کھول کر دیکھیں گے۔ شاید کوئی مکان گر پڑا ہے۔"

میں اور تو گرائش، دونوں اپنے کمرے سے نکل کر اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے دروازہ کھول کر بیرونی کمرے میں آ گئے جہاں کزال ایک چراغ ہاتھ میں لیے ہوئے کھڑا تھا۔ ہم تینوں دروازے کے پاس آئے اور کزال کے لکڑی کے بھاری بھرکم اور مضبوط دروازے کو جو اندر سے بند تھا کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی پانی کی تیز بوچھار نے ہم لوگوں کو بھگو دیا۔ ہم گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔ دروازہ کھل جانے کے بعد شور کی آواز بھی دوگنی ہو گئی۔ چراغ کی مدھم روشنی میں جھونپڑے کے آگے کسی چیز کا دیو ہیکل انبار جیسا نظر آ رہا تھا۔

اچانک آسمان پر بجلی کی بے قرار لہر تڑپتی ہوئی چمکی۔ ایک لمحے کے لیے ساری فضا تیز روشنی سے منور ہو گئی۔ اس روشنی میں ہم نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا درخت جھونپڑے کے دروازے کے عین سامنے اس طرح گرا ہوا ہے جس سے جھونپڑے کا دروازہ رک گیا ہے۔ جس وقت میں اور تو گرائش جھونپڑے میں آئے تھے، تو شاید ہم نے جھونپڑے کے باہر گرے ہوئے تناور درخت کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ لیکن اب ہماری نظروں کے سامنے وہ درخت زمین پر لیٹا ہوا تھا۔

"اوہ یہ برسوں پرانا رفیق آج مجھ سے جدا ہو گیا۔" کزال نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "یہ درخت میں نے اس وقت لگایا تھا جب میری عمر دس سال کی تھی۔ اب میں ساٹھ برس کا ہوں۔ یہ میرا پچاس سال پرانا رفیق تھا جو آج ساتھ چھوڑ گیا۔"

"اور اگر تمھارا یہ دیرینہ رفیق جھونپڑے کی چھت پر گرتا تو؟" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"تو شاید وہ اپنی زندگی ختم کرنے کے ساتھ میری زندگی کا بھی خاتمہ کر دیتا۔" کزال نے خوش دلی سے جواب دیا۔

"تمھارے جھونپڑے میں اندر پانی بالکل نہیں آتا۔" میں نے کہا۔

"میں اس کی دیکھ بھال پر خصوصی توجہ دیتا ہوں۔" کزال نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "دراصل یہ مکان میرے باپ نے تیار کروایا تھا اور اس نے اس کی تعمیر میں بڑی محنت کی تھی۔ وہ ایک ماہر معمار تھا۔ میرے علاوہ اس کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس نے اس مکان میں اتنی گنجائش رکھی تھی کہ جب میں بڑا ہو جاؤں اور میری شادی ہو جائے تو میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اس میں رہ سکوں۔"

"تمھارے بیوی بچے کہاں ہیں؟" میں نے محتاط انداز میں کزال سے سوال کیا۔

"سب مر گئے۔" اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ "ان دنوں بستی میں اچانک ایک عجیب و غریب بیماری پھوٹ پڑی۔ تقریباً بستی کے زیادہ آبادی اس کا شکار ہو گئی۔ میری بیوی اور دونوں بچیاں بھی اسی میں یہ ان دنوں کی بات ہے جب میری عمر صرف پینتیس سال کی تھی۔ تب سے میرا دل دنیا سے بالکل اچاٹ ہو گیا اور میں نے لوگوں کے بہت زیادہ اصرار کے باوجود دوسری شادی نہیں کی۔ اس گاؤں کے سارے لوگ میری عزت کرتے ہیں اور اپنے نجی معاملات میں مجھ سے مشورہ لیتے ہیں۔ کرشا سا بھی میرا خیال رکھتا ہے اور تھوڑا بہت میرے کھانے پینے کا خیال رکھتا ہے۔ لیکن میں خود ہی اس سے دور دور رہتا ہوں۔ اس کے کسی معاملے میں دخل دینے کی کوشش نہیں کرتا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ میں اسے ظلم اور گناہوں سے نہیں روک سکتا۔ اس معاملے میں میں مجبور ہوں۔"

باہر بارش کی زور دار شور سے جاری تھی۔ اس طوفانی شور میں سونا مشکل تھا۔ ہم تینوں بیرونی کمرے میں بچھے ہوئے بستر پر بیٹھ گئے۔ اور کزال مجھے اپنی گزشتہ زندگی کے پُرلطف اور دلچسپ واقعات سناتا رہا۔ وہ ایک بڑا باتونی شخص تھا لیکن اس کی باتوں میں خلوص تھا، سچائی تھی اور گہری اپنائیت کا احساس تھا۔

رفتہ رفتہ طوفان کی شدت میں کمی آتی گئی۔ ہواؤں کا زور ٹوٹ گیا اور بارش بھی کافی ہلکی ہو گئی۔ ابھی کچھ رات باقی تھی۔ ہم لوگ اپنے اپنے بستروں پر جا کر سو گئے۔

علی الصباح ہماری آنکھ کھلی۔ میں اور تو گرائش بیرونی کمرے میں آ گئے۔ کزال بھی بیدار ہو چکا تھا اور جھونپڑے کا دروازہ کھولے حیرت سے باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ صبح کی روشنی میں میں نے اور تو گرائش نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ کئی فٹ چوڑے تنے والا درخت اس طرح زمین پر گرا ہوا تھا کہ اس کے تنے اور بہت موٹی موٹی شاخوں نے جھونپڑے کا دروازہ بالکل روک دیا تھا۔ اب ہم میں سے کوئی بھی اس وقت

جھونپڑے سے باہر نہیں نکل سکتا تھا جب تک کہ درخت کو وہاں سے ہٹایا یا کلہاڑیوں سے اس کی شاخیں کاٹ کے راستہ نہ بنایا جائے۔ "اب ہمیں لوگوں کے آنے کا انتظار کرنا ہوگا۔" کزال نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔ "میرے اس دیرینہ رفیق نے میرے باہر نکلنے کی راہ روک دی ہے۔ اور جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، میرا مکان بستی کے آخری سرے پر ہے اور باقی مکانوں سے کافی دور ہے۔ تھوڑی دیر بعد ادھر سے گزرے گا اور درخت کو گرے ہوئے دیکھے گا۔ تبھی بہت سے آدمیوں کے لیے بلایا جا سکے گا۔"

"ممکن ہے اس کی ضرورت پیش نہ آئے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "گرے ہوئے درختوں کی شاخوں کو ادھر ادھر ہٹانے لگا۔"

"اس سے کوئی فائدہ نہیں۔" کزال نے میری کوشش کو احمقانہ سمجھتے ہوئے کہا۔ "درخت کے ہٹے بغیر راستہ صاف نہیں ہوگا۔"

لیکن میں نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی اور شاخوں کو ہٹاتا ہوا درخت کے گرے ہوئے تنے کے پاس پہنچ گیا جس کی اونچائی اس کمرے کی میری کمر کے برابر تھی۔ میں نے اپنے دونوں قدموں کو مضبوطی سے زمین میں جمایا اور تھوڑا سا جھک کر دونوں ہاتھ تنے پر رکھ دیے۔

"ہاہا!" کزال کی تیز ہنسی کی آواز سنائی دی۔ "کیا تم اس درخت کو ہلانے کی کوشش کر رہے ہو؟ یا شاید یہ اندازہ لگانا چاہتے ہو کہ ہٹانے کے لیے کتنے آدمیوں کی ضرورت ہوگی۔ تو میں تمھیں بتا دوں کہ کم از کم تم تیس آدمی مل کر اسے اس کی جگہ سے ہٹا سکتے ہو۔"

لیکن شاخوں اور ہزاروں پتوں کے زمین پر گھسٹنے سے عجیب قسم کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور وہ دیو ہیکل درخت اپنی جگہ سے آگے بھاگنے لگا۔ میرے آگے بڑھتے ہوئے قدموں کے ساتھ ساتھ پورا درخت بھی آگے بھاگ رہا تھا۔

کزال بھاگتا ہوا آیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ وہ گھٹنے ٹیکے ہوئے درخت پر ڈالا اور دوسری نظر مجھ پر۔ حیرت کے مارے اس کے منھ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل رہا تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر مسکرا دیا اور میں نے اپنا کام جاری رکھا۔ اب حیران و پریشان کزال میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور ہر ہر زاویے سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ ہم دونوں کے پیچھے تو گرائش چلی آ رہی تھی۔

میں نے درخت کو جھونپڑے کے دروازے سے کافی آگے ہٹا دیا اور دروازے کا راستہ بالکل صاف ہو گیا۔ میں نے درخت کے تنے سے ہاتھ ہٹائے اور تن کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"تم کون ہو شادلا؟" بوڑھے کزال کے منھ سے بمشکل یہ لفظ ادا ہو سکے۔ "تم نے تنہا تیس آدمیوں کا کام کیسے کر لیا؟ تمھارے جسم کے اندر اس قدر بے پناہ قوت کیسے آ گئی؟ تم یقیناً کوئی غیر معمولی انسان ہو۔ یہ کام تمھارے سوا کسی سے نہیں ہو سکتے۔" اس نے گردن ہلائی۔

تو گرائش کو اگرچہ میری بہادری کا علم تھا اور وہ میرے ان کارناموں سے بخوبی واقف تھی جو میں نے لاتاق کی بستی میں انجام دیے تھے لیکن اس نے بھی اپنی آنکھوں سے میری طاقت کا اس قدر شاندار مظاہرہ آج تک نہیں دیکھا تھا۔ وہ بھی حیرت کے ساتھ مجھے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے تمھارے جسم کی رنگت دیکھ کر ہی یہ شبہ ہوا تھا کہ تم کوئی منفرد قسم کے انسان ہو لیکن اب تو میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ تم انسان ہو بھی یا نہیں۔ مجھے بتاؤ شادلا تم کون ہو؟" اس نے مجھے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔

"میں تمھاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں، جیسا کہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

"ہرگز نہیں۔" کزال نے جواب دیا۔ "تم ضرور شادلا کا انسانی روپ ہو اور تمھیں آسمانوں سے بھیجا گیا ہے تاکہ تم اس بستی کے لوگوں کو کرشا سا کے ظلم و تشدد سے نجات دلا سکو۔ تمھارا نام بھی شادلا ہے۔ یقیناً جو شادیلا کی ہی ایک شکل معلوم ہوتا ہے۔"

"شادیلا کون ہے؟" میں نے حیرت سے کزال سے پوچھا۔

"شادیلا عظیم ہے۔" بوڑھے کزال نے عقیدت مندانہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ نیکی، خیر اور امن کا دیوتا ہے اور کردیلا سے اس کی جنگ جاری رہتی ہے۔ کردیلا ظلم و تشدد، بدی اور فتنہ انگیزی کی قوت ہے۔ یہ قوت بھی مختلف انسانوں کی شکل میں جلوہ گر ہوتی ہے اور چاروں طرف بدی کے بیج بوتی ہے۔ ظلم و ستم کے بازار گرم کرتی ہے اور لوگوں کو شدید ایذائیں پہنچاتی رہتی ہے۔ جب کردیلا کے مظالم حد سے بڑھ جاتے ہیں تو پھر شادیلا نمودار ہوتا ہے۔ وہ بھی کسی انسانی پیکر میں نمودار ہوتا ہے اور زبردست قوتوں کا حامل ہوتا ہے۔ کردیلا کی قوت شادیلا کی قوت کے مقابلے میں شکست کھا جاتی ہے اور انسانوں کے درمیان ایک بار پھر نیکی، خیر اور مسرت کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ لیکن کردیلا کبھی خاموش نہیں رہتا۔ وہ چپکے چپکے انسانوں کے دلوں میں اپنا گھر بناتا رہتا ہے اور پھر کسی نہ کسی شخص کی روح کو مکمل طور سے اسیر کر لیتا ہے اور وہ شخص بدی اور ظلم کا پیکر بن کر انسانوں کو آزار پہنچاتا ہے۔ اور پھر جب مظالم حد سے بڑھ جاتے ہیں تو شادیلا ایک بار پھر نمودار ہو جاتا ہے۔ کرشا سا ہمارے لوگوں کے درمیان کردیلا کی علامت ہے۔ ساری بستی کے لوگ اسے اسیس میں کردیلا ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن اس کے اور اس کے گرگوں کی موجودگی میں کبھی یہ لفظ نہیں استعمال کرتے۔ سب لوگوں کو ایک عرصے سے انتظار ہے کہ کبھی نہ کبھی شادیلا کا ظہور ہوگا اور انھیں کردیلا کے ستم سے نجات حاصل ہو جائے گی۔" کزال اپنی بات ختم کر کے مجھے غور سے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں میرے لیے عقیدت کی چمک تھی۔

"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" میں نے بات کو ٹالنے کی غرض سے کہا۔ "میں تو خود کو ایک انسان سمجھتا ہوں، اور بس۔"

"تم ٹھیک سمجھتے ہو عظیم شادلا۔ شادیلا انسان کی اعلیٰ ترین

scanned by @urdu@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

خصوصیات کا حامل ہوتا ہے اور اس کے جسم میں غیر معمولی قوتیں موجود ہوتی ہیں۔ ہماری بستی کا پروہت لوگوں کے سامنے کھلم کھلا اس بات کا اعلان کرتا تھا کہ کرشاسا کے بڑھتے ہوئے ظلم و تشدد کے باعث شادیلا کا ظہور اب قریب ہے۔ کرشاسا نے اسے کئی بار تنبیہ کی کہ وہ لوگوں سے اس قسم کی باتیں نہ کرے، لیکن بوڑھا پروہت کرشاسا کے طرزِ عمل سے بہت بیزار تھا اور اس نے اس کی ایک نہ سنی۔ کرشاسا پروہت سے ڈرتا بھی تھا لیکن وہ اسے اپنی راہ کا پتھر بھی سمجھتا تھا چنانچہ اس نے اسے چپکے سے مروا دیا۔ پروہت کے مرنے کے بعد لوگوں کو اس بات کا پورا یقین ہو گیا کہ اب شادیلا کے ظہور کا وقت آ پہنچا ہے۔" کزال نے سنجیدگی سے کہا۔

تو گراش حیرت آمیز خاموشی کے ساتھ ہم لوگوں کی گفتگو سن رہی تھی۔ اس کے لیے یقیناً یہ انکشاف بڑا دل خوش کن تھا کہ اس کا شوہر نیکی کے دیوتا کا روپ ہے۔

"تم ہمارے لیے قابلِ تعظیم ہو۔" اچانک کزال میرے قدموں میں جھک گیا۔ میں نے جلدی سے اسے اٹھایا اور کہنے لگا۔ "دیکھو کزال، مجھے اس درخت کو گھسیٹتے ہوئے کسی دوسرے شخص نے نہیں دیکھا ہے۔ تم یہ بات اپنی زبان پر نہ لانا ورنہ ساری بستی میں میرا تماشا بن جائے گا اور میں اس بات کو سخت ناپسند کرتا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں، میں جانتا ہوں۔" کزال نے جلدی سے کہا۔ "عظیم شادیلا کی کوئی بات مصلحت سے خالی نہیں ہوگی۔ وہ جس وقت مناسب سمجھے گا، اپنے آپ کو منکشف کرے گا۔ میری زبان خاموش رہے گی، بالکل خاموش رہے گی۔" وہ جلدی جلدی بول رہا تھا۔

تو پروفیسر اس طرح میں بیٹھے بٹھائے کزال کی نظروں میں شادیلا بن گیا جبکہ میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ یہ شادیلا ہے کیا بلا ہے؟

کزال نے جلدی جلدی میرے اور تو گراش کے لیے نہایت عمدہ ناشتے کا بندوبست کیا۔ اور ابھی ہم لوگ ناشتا کر کے فارغ ہی ہوئے تھے کہ کرشاسا کا ایک کارندہ مجھے بلانے کے لیے آ گیا۔ وہ ایک بے حد تنومند اور خرانٹ شکل کا آدمی تھا۔ اس نے اپنا نام ژونیت بتایا۔

"چلو شادل، تمھیں کرشاسا نے بلایا ہے۔" اس نے مجھ سے کہا۔

"وہ چاہتا ہے کہ تم آج ہی سے کام شروع کر دو۔"

"بے شک بے شک۔ میرے کوئی جواب دینے سے پہلے بوڑھے کزال نے معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "شادل جتنی جلدی اپنا کام شروع کر دے اتنا اچھا ہے۔" ژونیت بالکل ہی نہ سمجھ سکا کہ کزال کے الفاظ کا اصل مفہوم کیا ہے۔

میں نے تو گراش سے کہا کہ وہ چلنے کے لیے تیار ہو جائے۔

"لیکن تمھیں تو کام پر جانا ہے۔" ژونیت نے حیرت سے کہا۔ "کرشاسا تمھیں کسی کام پر لگائے گا۔ تم اس عورت کو کہاں ساتھ لیے پھرو گے؟"

"میں جہاں کہیں بھی جاؤں گا میری عورت میرے ساتھ ہو گی۔" میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

"تمھاری مرضی۔" ژونیت نے مجھ سے الجھنے کے بجائے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "لیکن مجھے یقین ہے کہ کرشاسا اس بات کو پسند نہ کرے گا۔"

"میں کرشاسا کو راضی کر لوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ ضرور کرشاسا کو راضی کرے گا۔" اچانک بوڑھا کزال ایک بار پھر بیچ میں بول پڑا۔ اس بار اس کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ تھی۔ "تم نے ان دونوں کو کھانا وغیرہ بھی کھلایا؟" ژونیت نے کزال کی بات کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"ہم لوگوں نے رات کا کھانا بھی اچھی طرح کھایا تھا اور ناشتا بھی کر چکے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

کزال اپنی ضعیف العمری کی وجہ سے کوئی بھاری عورت کا کام نہیں کرتا تھا۔ اس کے سپرد ایک قریبی باغ میں درختوں سے پکے ہوئے پھلوں کو چن کر جمع کرنے کا کام تھا۔

"آج میرا کام بھی خاصا بڑھ گیا ہے۔" اس نے ژونیت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "رات کی طوفانی ہواؤں نے تو سارے باغ کو پھل کو ہوں گے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" ژونیت نے کہا۔ "آج تمھیں [illegible] جلدی بھرنی اور خالی کرنی پڑیں گی۔ لیکن میں بڑی دیر سے ایک بات پر غور کر رہا ہوں اور وہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔"

"وہ کیا؟" کزال نے پوچھا۔

"وہ یہ کہ یہ درخت۔" اس نے گرے ہوئے درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تمھارے مکان کے دروازے کے عین سامنے لگا ہوا تھا۔ لیکن یہ گرنے کے بعد یہاں سے اتنی دور کیسے چلا گیا کہ مکان کے سامنے زمین پر ایسے نشانات بن گیا اس درخت کو گھسیٹ کر لے جایا گیا ہو۔"

"ہوا، میرے دوست ہوا۔" بوڑھے کزال نے [illegible] سے میری طرف دیکھتے ہوئے ژونیت کو جواب دیا۔ "ہوا میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ تم اس معمولی درخت کی بات کر رہے ہو، ہوا تو [illegible] بھاری پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر ڈالتی ہے۔ رات کو جب [illegible] گا تو تیز ہوا کے تھپیڑے اسے وہاں تک لڑھکاتے ہوئے لے گئے ہوں گے۔ ہوا بڑی ظالم چیز ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اپنا رُخ بدل لیتی ہے اور پھر سب کچھ بدل جاتا ہے۔"

کزال کے الفاظ میں چھپی ہوئی گہری معنویت کو میرے اور تو گراش کے علاوہ اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔

"اچھا جاؤ شادل۔" کزال نے مجھ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"رات کے لیے آج شام کا کھانا میں خصوصی طور پر تیار کروں گا۔"

میں اور تو گراش ژونیت کے ساتھ چل پڑے۔ کچے راستوں پر [illegible] کیچڑ ہی کیچڑ تھی۔ جگہ جگہ چھوٹے موٹے درخت گرے پڑے تھے۔ اور [illegible] اور نشیبوں میں پانی بھرا ہوا تھا۔ دو ایک کچے جھونپڑے بھی زمین [illegible] نظر آئے۔ بارش نے کافی تباہی مچائی تھی۔

کرشاسا حسبِ معمول اپنے حواریوں میں گھرا ہوا بیٹھا تھا لیکن [illegible] وقت وہ لوگ گھر کے صحن کے بجائے اندر ایک وسیع کمرے میں نشست [illegible] جمائے ہوئے تھے کیونکہ صحن میں ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ تھی۔

"اسے کیوں ساتھ میں لایا ہے؟" اس نے تو گراش کو میرے ساتھ دیکھتے ہی اپنی ڈراؤنی آواز میں چلا کر کہا۔ تو گراش لرز کر رہ گئی۔

"مجھے اس کو ساتھ رکھنے کی اجازت دو کرشاسا۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "میری طرح یہ بھی اس بستی میں بالکل نئی ہے اور میرے بغیر پریشان ہو گی۔ ویسے اس کی وجہ سے میرے کام پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ یہ خاموش بیٹھی رہے گی۔"

"نئی ہے تو کیا ہوا؟" کرشاسا نے بھیانک انداز میں ایک قہقہہ لگایا۔ "چند دنوں میں یہاں کی ساری باتوں سے واقف ہو جائے گی۔" کرشاسا کی نظریں جیسے تو گراش کے سارے جسم کو چھیدے ڈال رہی تھیں۔ اس کی ہنسی میں اس کے دوسرے ساتھی بھی شریک ہو گئے جن میں ژونیت بھی شامل تھا۔

میں اور تو گراش ژونیت کی رہنمائی میں گھر کے اندر داخل ہو گئے۔ بہت وسیع اور کشادہ مکان تھا۔ ایک جانب کے حصے میں کمروں کی چھتوں پر مٹی ڈالی جا رہی تھی۔ ژونیت نے مجھے کام کرنے والوں کے پرد کر کے کرشاسا کا حکم انھیں سنا دیا۔

"تمھارا کام یہ ہو گا کہ تم ستونوں میں بھر بھر کر باہر سے مٹی لے آؤ۔" معماروں کے نگران نے مجھ سے کہا۔ "اگر تمھاری عورت چاہے تو اس کام میں تمھاری مدد کر سکتی ہے کیونکہ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں اکیلی ہی کافی ہوں۔"

میں نے تو گراش کو ایک محفوظ گوشے میں بٹھا دیا اور خود بڑھیا کو سلام کر کے مٹی لانے باہر چلا گیا۔ میں مٹی لا لا کر دے رہا تھا اور چھتوں پر مٹی کی تہہ بچھائی جا رہی تھی۔ شاید یہ میرا ساتواں یا آٹھواں چکر تھا جب اچانک ایک معمر عورت ایک کمرے کے دروازے میں سے نکل کر آئی اور اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھ سے رُکنے کو کہا۔ میں رک گیا اور وہ عورت میرے قریب آ گئی۔

"تمھیں گبودہ بلا رہی ہے۔ وہ تم سے ملنا چاہتی ہے۔" عورت نے مجھ سے کہا۔

"گبودہ کون؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"گبودہ کرشاسا کی بیویوں میں سے ایک ہے۔" عورت نے جواب دیا۔ "اس نے اور کرشاسا کی دوسری بیویوں نے تمھیں کھڑکی میں سے دیکھا ہے۔"

"کرشاسا کی کتنی بیویاں ہیں؟" میں نے حیرت سے [illegible] کر عورت سے پوچھا۔

"وہ ایک وقت میں پانچ سے زیادہ بیویاں نہیں رکھتا۔" [illegible] نے جواب دیا۔ "جب وہ ان میں سے کسی سے اکتا جاتا ہے تو اسے [illegible] گھر میں سے نکال دیتا ہے اور دوسری بیوی لے آتا ہے۔ ویسے [illegible] دل خوش کرنا تو اس بستی کی ہر ہستی کے لیے اعزاز کی بات ہے۔"

"لیکن گبودہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ تو وہ خود ہی بتائے گی۔" اس نے کہا۔ "تم میرے ساتھ [illegible]"

میں نے مٹی سے بھرا ہوا تسلا زمین پر رکھ کر اپنے دونوں ہاتھ جھٹکے اور اس عورت کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ وہ مجھے اسی کمرے میں لے آئی جس میں سے وہ خود نکل کر آئی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میرے ساتھ آنے والی عورت ہمیں تنہا چھوڑ کر چلی گئی۔

"تم کون سے دیس سے آئے ہو اجنبی مسافر؟" اس عورت نے مجھے میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تمھارا یہ عجیب و غریب رنگ روپ تمھیں عام انسانوں کی صف سے بالکل الگ کر دیتا ہے۔ کیا تمھارے دیس میں سبھی انسان سونے کے ہوتے ہیں؟"

"میں لاتاق کی بستی سے آیا ہوں اور میری بیوی میرے ساتھ ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "جہاں تک میرے رنگ روپ کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ اسے بنانے میں میرا کوئی حصہ نہیں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" اس نے کہا۔ "میں نے ابھی کچھ دیر پہلے تمھیں اپنے کمرے کی کھڑکی سے مٹی لاتے ہوئے دیکھا۔ میں تمھاری رنگت دیکھ کر دنگ رہ گئی اور میں نے چاہا کہ تم سے تمھارے بارے میں پوچھوں۔ میرا نام گبودہ ہے اور میں کرشاسا کی بیوی ہوں۔ کیا تمھاری بیوی بھی تمھاری طرح سونے کی بنی ہوئی ہے؟ اس کا نام کیا ہے اور وہ کہاں ہے؟"

"میری بیوی تمھاری طرح ایک عام عورت ہے۔ اس کا نام تو گراش ہے اور وہ باہر بیٹھی ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لایا ہوں۔"

"کیا وہ بہت حسین ہے؟" اس نے عجیب سا سوال کیا۔

"ظاہر ہے کہ وہ میری بیوی ہے اور میرے لیے تو بہت حسین ہے۔ اسی وجہ سے تو میں ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"میں تمھیں کیسی لگ رہی ہوں؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"تم بے حد حسین ہو۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "اور کرشاسا کم از کم اس حد تک تو خوش نصیب ہے کہ اس کی بیویوں میں تم جیسی خوبصورت عورت شامل ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس کی باقی بیویاں کیسی ہیں؟"

"وہ سب کی سب عمر میں مجھ سے بڑی ہیں اور کوئی بھی مجھ سے زیادہ حسین نہیں ہے۔" گبودہ نے کہا۔ "کرشاسا سب سے زیادہ مجھے ہی چاہتا ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"میں تمہاری ہمت کی داد دیتا ہوں کہ تم کرشاسا جیسے آدمی کو برداشت کر لیتی ہو۔" میں نے کہا۔

وہ میری بات سن کر ایک لمحے کے لیے سکتے میں آگئی اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ مجھے یوں لگا جیسے ہر طرف موتی بکھر گئے ہوں۔

"تم حسین ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین بھی ہو۔" اس نے کہا۔ "اچھا اب تم جاؤ ورنہ تمہاری تلاش شروع ہو جائے گی۔ میں جلد ہی تم سے دوبارہ ملوں گی، لیکن اس گھر میں نہیں کسی اور جگہ۔"

میں نے اس کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے اس کے کمرے سے نکل آیا۔ میں مشکل دو تین منٹ گبردہ کے پاس ٹھہرا ہوں گا، لیکن اس مختصر سے عرصے میں میرے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ اپنے درندہ صفت شوہر کو بالکل پسند نہیں کرتی ہے۔ اگر میں اس وقت شادی شدہ نہ ہوتا اور تو گراش میری بیوی کی صورت میں موجود نہ ہوتی تو میں ضرور گبردہ کے ساتھ راہ و رسم بڑھاتا اور اسے کرشاسا کے پنجے سے نکال لاتا لیکن میرا ایک اصول رہا ہے پروفیسر اور وہ یہ کہ میں نے اپنی کسی بھی بیوی سے کبھی بیوفائی نہیں کی ہے چنانچہ میں نے گبردہ کے خیال کو دل سے نکال دیا۔

دو دن کے بعد مجھے زمین کا ایک بڑا سا ٹکڑا دے دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی زراعت کے لیے بیل بھی فراہم کر دیے گئے۔ میرا اور تو گراش کا قیام کرال کے گھر میں ہی تھا۔ میں نے کھیت میں کام شروع کر دیا۔ گھر میں اب کھانا پکانے کا کام تو گراش نے سنبھال لیا تھا۔ وہ صبح ہی صبح کھانا تیار کر لیتی۔ ہم تینوں ساتھ بیٹھ کر ناشتا کرتے اور پھر کرال اپنے کام پر روانہ ہو جاتا اور میں تو گراش کو ساتھ لے کر کھیت کی طرف چل دیتا۔ دوپہر کا کھانا ہم لوگ اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ مجھے اپنے کام میں بڑا لطف محسوس ہونے لگا تھا۔ میں ایک عام محنت کش کسان کی طرح زمین پر کام کرتا تھا۔ زمین کا سینہ چیر کر اس کے خزانوں کو باہر نکالنے کی جدوجہد میں مصروف تھا۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنا مجھے ہمیشہ پسند رہا ہے۔

کرال نے اس دوران مجھ سے کبھی کوئی خاص بات نہیں کی۔ اس کا رویہ میری جانب بڑا تقدس آمیز تھا۔ وہ اکثر ایک ہی فقرہ بار بار دہرایا کرتا تھا۔ "عزیز شادیلا کو معلوم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے۔" میں مطمئن تھا کہ وہ زیادہ فضول باتیں کر کے مجھے پریشان نہیں کرتا ہے۔

جس وقت میں کھیت میں کام کر رہا تھا، اس وقت تو گراش کھیت کے کنارے اگے ہوئے ایک بڑے سے درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتی اور مجھے مشقت کرتے دیکھتی رہتی۔ میں نے کئی بار اس سے کہا کہ اتفاق کے عمل کی عیش و آرام سے بھرپور زندگی کے مقابلے میں یہ محنت کوش زندگی تو اسے بہت گراں گزرتی ہوگی لیکن اس نے ہر بار یہی جواب دیا کہ وہ میرے ساتھ ہر حال میں خوش ہے اور میری رفاقت کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھتی ہے۔

دوپہر کو جب کھانے کا وقت ہوتا تو آس پاس کے کئی اور کھیتوں سے بھی کام کرنے والے لوگ ہمارے پاس آجاتے اور ہم لوگ مل جل کر کھانا کھاتے۔ ہمارے کام کرنے کے دوران کرشاسا کے کارندے برابر کھیتوں کا چکر لگاتے رہتے اور کام پر نظر رکھتے۔ ان لوگوں کے ہاتھوں میں لمبے لمبے کوڑے ہوتے تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ جن آدمیوں کے کام سے یہ لوگ مطمئن نہیں ہوتے ہیں یا جن سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے ان پر یہ لوگ بے دریغ کوڑے برساتے ہیں لیکن ابھی تک میرے ساتھ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا اور نہ ہی میرے سامنے کسی شخص کو سزا دی گئی تھی۔

مجھے کھیت میں کام کرتے ہوئے چار پانچ دن کا عرصہ گزر گیا۔ اس مدت کے دوران کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ تو گراش حسب معمول میرے ساتھ ہی آتی تھی اور شام کو ہم دونوں ساتھ ہی گھر واپس جاتے تھے۔ ہمارے گھر پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد کرال بھی آپہنچتا تھا۔

دوپہر کا وقت تھا اور میں اور تو گراش کھیت کی مینڈھ پر کنارے بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ آس پاس کے کھیتوں کے کئی اور کسان بھی ہمارے ساتھ شامل تھے۔ اتنے میں کرشاسا کا کارندہ ژونیت ہاتھ میں کوڑا لیے ہوئے ادھر آنکلا اور اس نے کاربت نامی ایک عمر رسیدہ کسان سے، جو ہمارے ساتھ کھانے میں شریک تھا، مخاطب ہو کر تند لہجے میں کہا۔ "تو یہاں گھسا بیٹھا ہے اور میں سارے میں تجھ کو تلاش کرتا پھر رہا ہوں۔ کیا میں تیرے باپ کا نوکر ہوں جو تیری تلاش میں مارا مارا پھروں۔ تو نے اب تک مکئی کے پودوں میں پانی کیوں نہیں ڈالا؟"

"میرا چمڑے کا ڈول پھٹ گیا ہے۔" کاربت نے خوف زدہ لہجے میں جواب دیا۔ "میں کھانا کھانے کے بعد اس کی مرمت کروں گا اور پھر پانی ڈالوں گا۔"

"کیا کہا؟ چمڑے کا ڈول پھٹ گیا ہے؟" ژونیت غضب ناک ہو کر چلایا۔ "ابھی پندرہ دن پہلے ہی تیرا ڈول پھٹ گیا تھا اور تو نے سارا دن پانی سے محروم رہے تھے۔ ضرور تو جان بوجھ کر ڈول کو پھاڑ دیتا ہے تجھے اس حرکت کی سزا ملنی چاہیے تاکہ آئندہ تیرا ڈول ٹھیک رہے۔"

اور ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے زور سے اپنا کوڑا گھمایا۔ کاربت سہما ہوا اپنی جگہ سے پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے کھانا چھوڑ دیا اور وہ بیٹھے بیٹھے پیچھے سرک رہا تھا۔ چند قدم پیچھے سرک کر وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"خبردار جو بھاگنے کی کوشش کی بدنصیب۔" ژونیت زور سے چلایا۔ "وہیں کھڑا رہ۔" اور اس کا کوڑے والا ہاتھ فضا میں بلند ہو گیا۔

کاربت گھبرا کر مزید چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ تو گراش خوف زدہ ہو گئی۔ ہم دونوں کھانا چھوڑ کر اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"خبردار۔" میں نے ژونیت کو ڈپٹ کر کہا۔ "کوڑا مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈول بھی ٹھیک ہو جائے گا اور پودوں کو پانی بھی مل جائے گا۔"

ژونیت کا پہلا تاثر تو یہ تھا کہ حیرت کے مارے اس کا منہ کھلے

رہ گیا۔ وہ توقع بھی نہیں کر سکتا تھا کہ بستی کا ایک عام آدمی، ایک نیم غلام، اس کے کارندے سے اس لب و لہجے میں گفتگو کرنے کی جرأت کرے گا۔ لیکن حیرت کا یہ تاثر محض چند لمحوں تک ہی برقرار رہا اور اس کا چہرہ شدید غیظ و غضب میں تبدیل ہو گیا۔

"تیری یہ مجال کہ میرے ساتھ زبان درازی کرے۔" سنہری کھال والے نے چنگھاڑ کر کہا۔ غصے کے مارے اس کی آواز تھرتھرانے لگی۔ "تیری چمڑی ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔" اور وہ کاربت کو چھوڑ کر میری طرف لپکا۔

میں جلدی سے دو قدم پیچھے ہٹ گیا اور میں نے پرسکون لہجے میں اس سے کہا۔ "زیادہ حماقت کا مظاہرہ مت کرو۔ بے قصور کوئی سزا نہیں ہوتی ہے جس کے باعث تجھے ہم میں سے کسی پر ہاتھ اٹھانا پڑے۔ دور رکھ، اگر تیرا ہاتھ ایک بار اٹھ گیا تو پھر میں تیری سلامتی کی ذمہ داری نہیں لیتا۔"

لیکن ژونیت نے میری تنبیہہ کا کوئی اثر نہیں لیا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ اس نے پوری قوت سے کوڑا گھمایا اور مجھ پر ضرب لگانے کے لیے ہاتھ بڑھا کر کوڑے کو ہوا میں ہی پکڑ لیا اور اسے ہلکا سا جھٹکا دیا۔ ژونیت کے ہاتھ سے چھوٹ کر کوڑا میرے ہاتھ میں آگیا۔ میں نے اسے دور پھینک دیا۔

کوڑا ہاتھ سے چھن جانے کے بعد ژونیت پر جیسے شیطان سوار ہو گیا۔ غصے کے عالم میں اس کے حواس جواب دے گئے۔ اس بستی کے مالک کسی نے اس کے ساتھ یہ سلوک نہ کیا ہوگا۔ کاربت اور چند دوسرے کسان جو ہمارے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، حیرت اور خوف کے عالم میں اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔

"میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں تیرا خون پی جاؤں گا۔" اس کی رنجی چیتے کی طرح چلاتا ہوا وحشیانہ انداز میں میری طرف لپکا۔ اس نے پوری قوت سے اپنا گھونسا میری گردن پر رسید کرنا چاہا۔ اس کا جسم بھاری بھرکم اور توانا آدمی تھا اور میں اس کے مقابلے میں دبلا اور نظر آتا تھا۔ میں نے برق رفتاری سے پیچھے ہٹ کر ژونیت کا وار خالی دیا اور وہ اپنی جھونک میں نیچے گر پڑا۔ میں نے اسے اٹھنے کا موقع دیا۔ وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر گھورنے لگا۔ ژونیت جلدی سے اٹھ بیٹھا اور غراتا ہوا اچھل کر میرے پیٹ پر لات مارنی چاہی۔ میں نے اس کی ٹانگ پکڑ لی اور اسے جھٹکا دے کر دور پھینک دیا۔ میرا اسے ہلاک کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں تو اسے صرف یک سبق دینا چاہتا تھا لیکن اس بدنصیب کی گرتے وقت اس کا سر پوسے کے بل سے ٹکرایا جو وہاں پڑا ہوا تھا اور بیل کی پھالی اس کی کھوپڑی میں گھستی چلی گئی۔ اس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور ہم لوگوں کے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے تڑپ کر دم توڑ دیا۔

کھیت میں موجود سارے کسانوں کے چہرے خوف سے زرد ہو گئے۔ کرشاسا کے ایک اہم کارندے کی ہلاکت کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اس کی سزا میں ان سب لوگوں کو ہلاک کیا جا سکتا تھا۔

"آج تک ایسا نہیں ہوا۔" کاربت نے خوف سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا جس کی حالت سب سے ہی زیادہ خراب تھی۔ "اس گاؤں میں آج تک کوئی بھی شخص کرشاسا کے کسی آدمی پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکا ہے۔ یہ تم نے کیا کر ڈالا شادیلا؟ اب تمہارے ساتھ میں بھی مارا جاؤں گا۔"

"وہ زیادہ سے زیادہ دو تین کوڑے کاربت کو مارتا۔ اور یہ کوئی نئی اور غیر معمولی بات نہیں ہوتی۔" ایک دوسرے کسان نے کہا۔ "ہم لوگ تو کوڑے کھانے کے عادی ہو چکے ہیں۔ اس وقت تم کاربت کو بچا لیتے لیکن ہر وقت اور تمام لوگوں کو تو تم نہیں بچا سکتے تھے۔ اب کرشاسا غصے اور جنون کی حالت میں نہ جانے کس کس کی گردنیں کٹوا دے گا۔"

"میری بات سنو۔" ایک اور کسان بولا۔ "کرشاسا کا کوئی کارندہ اس پاس موجود نہیں ہے۔ ہم لوگوں کے علاوہ اور کوئی شخص اس واقعے کا گواہ نہیں ہے۔ جلدی جلدی ایک طرف ایک گڑھا کھودو اور اسے دفن کر دو۔ کچھ دنوں تک اس کی تلاش جاری رہے گی اور پھر معاملہ ختم ہو جائے گا۔"

"اگر تم لوگ چاہو تو ایسا کر سکتے ہو۔" میں نے سکون کے ساتھ جواب دیا۔ "جہاں تک میرا تعلق ہے تو زندہ میں کرشاسا سے خوف زدہ ہوں اور نہ اس کے انتقام کی مجھے فکر ہے۔ تم لوگ چاہو تو کرشاسا کے پاس جا کر اسے اس واقعے کی اطلاع دے سکتے ہو یا میں خود کرشاسا کے پاس جا کر اسے بتا دوں گا کہ میں نے اس کے ایک بیہودہ آدمی کو ٹھکانے لگایا ہے۔ اور میں تمہیں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ ظالم، خونخوار کرشاسا میرا یا تم میں سے کسی کا بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"ہم اس بات کو بھول جائیں گے۔" کاربت نے جلدی سے کہا۔ "ہم میں سے کسی کو بھی کرشاسا کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آؤ ہم جلدی جلدی گڑھا کھود دیں۔ کہیں کوئی ادھر آنہ نکلے۔"

ان لوگوں نے ایک مناسب سی جگہ کا انتخاب کیا اور سب جلدی جلدی گڑھا کھودنے لگے۔ میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ ژونیت کی لاش کو ہم لوگوں نے گھسیٹ کر ایک قریبی جھاڑی کی اوٹ میں ڈال دیا اور تو گراش سے یہ کہا کہ وہ اس بات کی نگرانی کرتی رہے کہ کوئی اس طرف نہ آنے پائے۔

تقریباً دو ڈھائی فٹ گہری قبر کھودی جا چکی تھی کہ تو گراش نے اطلاع دی کہ گاؤں کی طرف سے کچھ گھوڑ سوار ادھر آرہے ہیں۔ ہم لوگوں نے جلدی سے ژونیت کی لاش کو اس گہرے گڑھے میں ڈال کر اوپر سے مٹی بھر دی اور جلدی جلدی جگہ برابر کر دی۔ گھوڑ سوار تیزی کے ساتھ ہماری ہی طرف آرہے تھے۔ ہم لوگوں نے جلدی جلدی اپنے

scanned by hamza@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

ہاتھ صاف کیے اور اس کھانے کو کھانے سے دوبارہ بیٹھ گئے جسے ہمیں پتے میں چھوڑ دینا پڑا تھا۔ گھوڑ سوار ہمارے پاس آکر رک گئے۔ وہ چاروں کرشاسا کے کارندے تھے اور دھوڑ دھکیلنے والے ہاتھوں کے چکر لگاتے رہتے تھے۔ ان سب کے ہاتھ میں لمبے لمبے کوڑے تھے۔

"ژونیت تو ادھر نہیں آیا؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"نہیں، ہم نے اسے نہیں دیکھا۔" میں نے سکون کے ساتھ جواب دیا۔ باقی لوگوں کے چہرے اس سوال پر فق ہو گئے تھے اور ان میں سے کوئی بھی ہونے کے قابل نہیں تھا۔

"نہ جانے کدھر نکل گیا۔" وہ شخص خود ہی خود بڑبڑایا۔ "کرشاسا اسے بلا رہا ہے اور اس کا کہیں پتا ہی نہیں ہے۔"

"جلدی جلدی کھانا ختم کرو اور اپنے اپنے کام سے لگو۔" ان میں سے ایک نے اپنا کوڑا لہراتے ہوئے کہا۔

"بس ہم اٹھنے ہی والے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور وہ چاروں آگے بڑھ گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد ہم لوگوں نے ژونیت کی قبر پر اور مٹی ڈال کر اسے زمین کی سطح کے برابر کر دیا اور باقی بچی ہوئی مٹی کو دھر دھر پھیلا دیا۔ اب اس بات کا اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اس جگہ کو کھودا گیا ہے۔

اس کے بعد ہم لوگوں نے آپس میں کوئی بات نہیں کی۔ دوسرے کھیتوں سے آتے ہوئے کسان اپنی اپنی جگہ پر واپس چلے گئے۔ کاربت بھی چلا گیا۔ چلتے وقت اس نے دوستانہ گرم جوشی کے ساتھ میرا ہاتھ دبایا۔ خوف اور دہشت کے غلبے کے باوجود اس کی آنکھوں میں ژونیت کی گہری چمک موجود تھی۔ کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد وہی چاروں گھوڑ سوار جو کرشاسا کے کارندوں میں سے تھے ایک بار پھر میرے کھیت کے پاس آئے اور انھوں نے اشارے سے مجھے بلایا۔ میں اپنا کام چھوڑ کر ان کے پاس چلا آیا۔

"ژونیت ادھر آیا تو نہیں؟" اس نے سوال کیا۔

"نہیں۔" میں نے نفی میں گردن ہلا کر جواب دیا۔ "میں نے اسے نہیں دیکھا۔"

دوسرا آدمی تو گرائش کو بڑی تندیدی نظروں سے گھور رہا تھا۔ میں نے بے خوفی کے ساتھ اس کی آنکھوں میں جھانکا اور وہ ایک دم سنبھل گیا، نہ جانے اسے میری آنکھوں میں کیا نظر آیا کہ اس نے دوبارہ تو گرائش کی طرف نہیں دیکھا۔

"اچھا اگر اتفاق سے ژونیت ادھر آنکلے تو اسے فوراً کرشاسا کے پاس بھیج دینا۔ اس سے کہنا کہ کرشاسا بہت دیر سے اس کی تلاش میں ہے۔" اس آدمی نے کہا۔ اور وہ چاروں وہاں سے چلے گئے۔

شام کو کام ختم کر کے میں اور تو گرائش گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

"شادلا کیا تمھیں یقین ہے کہ اگر کرشاسا کو کسی طرح اس بات کا علم ہو جائے کہ تم نے ژونیت کو قتل کر دیا ہے تو تم اس کے عذاب سے خود کو محفوظ رکھ سکو گے؟"

"میں اس خبر کو پوشیدہ رکھنے کے حق میں نہیں تھا۔" میں نے جواب دیا۔ "میں تو خود یہ چاہتا تھا کہ کرشاسا کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ میں نے ژونیت کا کیا حشر کیا ہے۔ لیکن وہ دوسرے لوگ بہت خوف زدہ ہیں اور میں محض ان کی وجہ سے ژونیت کو دفن کرنے کی تجویز سے اتفاق کیا۔"

"لیکن جیسا کہ تم خود دیکھ رہے ہو اب پورے زور و شور سے ژونیت کی تلاش شروع کر دی جائے گی۔ کرشاسا کو فوراً ہی اس کی غیر پیش آگئی ہے۔ اس کے نہ ملنے کی صورت میں ممکن ہے بعض لوگوں پر شبہ کرے اور انھیں بلاوجہ سزا نہیں دے؟" تو گرائش نے کہا۔

"ممکن ہے کہ ایسا ہو۔" میں نے جواب دیا۔ "اس صورت میں میں بھی بے گناہ کو کرشاسا کے ظلم کا شکار نہیں ہونے دوں گا۔"

"کرنال ٹھیک ہی کہتا ہے۔" تو گرائش نے مسکرا کر کہا۔

"کیا ٹھیک کہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہی کہ تم شادلا جو نیکی اور سچائی کے دیوتا۔" تو گرائش نے فخریہ نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

ہمارے گھر پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد کرنال بھی آگیا اور ہم نے ہاتھ منھ دھو کر کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ ہم کھانا ختم کر کے اٹھے تھے کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔ کرنال نے دروازہ کھولا اور کرشاسا کا ایک کارندہ کھڑا تھا۔

"تم لوگوں میں سے کسی نے ژونیت کو تو نہیں دیکھا؟" اس نے سوال کیا۔ "وہ آج دوپہر کے بعد سے نہ جانے کہاں غائب ہو گیا ہے۔ کرشاسا کو اس کی شدید ضرورت ہے اور وہ اس کی غیر حاضری سے سخت ناراض ہے۔"

"میں نے آج صبح اسے دیکھا تھا۔" کرنال نے جواب دیا۔ "وہ باہر میں آیا تھا لیکن زیادہ دیر نہیں رکا۔ اس کے بعد سے میں نے اسے نہیں دیکھا۔"

"اور تم نے؟" کارندے نے مجھ سے سوال کیا۔

"نہیں۔" میں نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "میری آج اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

کارندہ واپس چلا گیا۔ کرنال نے دروازہ بند کر لیا اور پھر [illegible] "آخر کہاں جا سکتا ہے؟"

"وہاں جہاں سے لوٹ کر کوئی نہیں آتا۔" میں نے [illegible] جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" کرنال نے چونک کر پوچھا۔

"مطلب یہ ہے کرنال کہ ژونیت اس وقت میرے کھیت کے [illegible] دفن ہے۔ میں نے اسے ختم کر دیا ہے۔" میں نے کہا۔

"واقعی؟" کرنال نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں کرنال۔" میں نے کہا اور اسے پورا واقعہ سنا دیا۔ کرنال خاموشی سے میری بات سنتا رہا اور پھر بولا۔ "شادلا عظیم ہے۔ اور جب عظیم شادلا حرکت میں آجاتا ہے تو پھر کر دیتا کو روئے زمین پر کہیں پناہ نہیں ملتی۔ کرشاسا کا مقدر ہو چکا ہے۔" میں نے کرنال کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"کیا عظیم شادلا کو یہ بات معلوم ہے کہ کرشاسا کے کسی کارندے [illegible]

[illegible] کی یہاں کیا سزا دے؟" کرنال نے تھوڑی دیر مجھ سے پوچھا۔

[illegible] میں سر ہلا دیا۔

"ایسا کرنے والے کو یہاں زندہ جلا دیا جاتا ہے۔" کرنال نے کہا۔ "آج یہاں پہلے ایک نوجوان نے جس کی حسین بیوی کو کرشاسا کے کارندے کرشاسا کے لیے لے جا رہے تھے اس کے کارندوں پر حملہ کر کے اس کی بیوی کو تو کرشاسا کی خواب گاہ میں پہنچا ہی دیا گیا لیکن اس نوجوان کو تیار کر کے اس میں زندہ پھینک دیا گیا۔ اس سے پہلے بھی یہاں [illegible] واقعات ہو چکے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ یہاں بھی لوگ اکثر سرکشی پر آمادہ ہو جاتے [illegible]" میں نے کہا۔

"ہاں۔" کرنال نے جواب دیا۔ "لیکن چونکہ وہ تنہا ہوتے ہیں اس لیے [illegible] ناکام ہو جاتا ہے۔"

"[illegible] اس بار ایسا نہیں ہوگا۔" میں نے کہا۔

"[illegible] یقین ہے۔" کرنال نے جواب دیا۔

[illegible] ژونیت کی ہلاکت کی خبر چھپی رہ سکی۔ چونکہ میں نے اس کی لاش [illegible] کے میں دفن کیا تھا۔ اس لیے رات کو کوئی مزدور خود بخود [illegible] وہاں پہنچ گیا اور اس نے اپنے تیز پنجوں سے گڑھے کو [illegible] مٹی ابھی نرم تھی اس لیے آسانی سے کھد گئی۔ اس جانور نے [illegible] ژونیت کی لاش کو گڑھے میں سے گھسیٹ کر باہر نکال لیا [illegible] گوشت کھایا۔ دوسرے دن علی الصبح جب کہ کسان ابھی [illegible] پہنچے تھے کرشاسا کے دو کارندے [illegible] کارکے لیے [illegible] جا رہے تھے۔ انھوں نے میرے کھیت میں پڑی ہوئی [illegible] دیکھ لیا۔ وہ لاش کو گھوڑے پر ڈال کر لے گئے۔ کرشاسا [illegible] گئے اور اسے بتایا کہ لاش شادلا کے کھیت میں سے دریافت [illegible]

[illegible] اس سلسلے میں بات کا علم اس وقت ہوا جب صبح [illegible] کرشاسا [illegible] مجھے [illegible] اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے [illegible] ژونیت کی لاش [illegible] کھود کر [illegible] نکال لیا تھا۔ [illegible] کے سامنے [illegible]

[illegible] کو [illegible] سر گوشی [illegible] کیا تھا [illegible] کوئی ایسی غلط بات ہے جہاں تم کچھ [illegible] کرشاسا کو پہچانا [illegible] سکو گے؟ مجھے [illegible] ہے کہ [illegible] کوئی [illegible] سے کوئی نقصان نہ پہنچے۔"

"عظیم شادلا صرف اپنے بارے میں [illegible] [illegible] کے پراعتماد لہجے میں کہا۔ "تو گرائش کی حفاظت [illegible] ہے۔ [illegible] پڑے تو میں برسوں تک اسے اس طرح چھپا [illegible] سکتا ہوں [illegible] بیگانہ ہو کر کرشاسا کے کتے اس کی بو بھی نہ سونگھ سکیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے مختصر لہجے میں جواب دیا۔ "اب میں چلتا ہوں۔"

جب میں کارندے کی معیت میں کرشاسا کے پاس پہنچا تو وہ محل کے [illegible] کے کمرے میں ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔ دس بارہ آدمی خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہروں سے حیرت اور رنج کے آثار ہویدا تھے۔ کرشاسا کا چہرہ فرطِ غیظ سے سیاہ ہو رہا تھا۔

"تجھے معلوم ہو گیا ہوگا کہ تیرے کھیت کی زمین میں سے ژونیت کی لاش برآمد ہوئی ہے۔" کرشاسا نے خونِ ناک بلا کی طرح گرج کر مجھ سے پوچھا۔

"ہاں مجھے معلوم ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تمھیں کچھ معلوم ہے کہ یہ لاش وہاں کس نے دفن کی تھی؟" کرشاسا نے اسی لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"ہاں مجھے معلوم ہے۔" میں نے [illegible] سکون [illegible] کرشاسا [illegible] ایک [illegible] اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر [illegible] دیکھنے لگے۔

"تو یہ کہنا چاہتا ہے کہ [illegible] کرشاسا نے پوچھا۔ "تجھے معلوم ہے [illegible]"

"ہاں مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر بتا کیوں نہیں [illegible] کہ اس کا قاتل کون ہے [illegible]"

"اس کا قاتل میں ہوں۔" [illegible] میرے ہاتھوں ہلاک ہوا ہے [illegible]"

"تو نے ژونیت کو ہلاک [illegible] میں مجھ سے پوچھا۔ "لیکن تو نے [illegible] ژونیت سے [illegible] نے بلاوجہ مجھ پر [illegible] کرنا [illegible] میں اسے ہلاک [illegible] کی کوشش کی کہ وہ مجھ پر ہاتھ اٹھائے [illegible] اٹھا کر پھینک دیا [illegible] وہ مر گیا۔"

"میں پوچھتا ہوں کہ تجھے [illegible] ہاتھ اٹھانے کی ہمت کیسے ہوئی؟" کرشاسا نے گرج کر پوچھا۔ اس کی حیرت ختم ہو چکی تھی اور اس کی جگہ غصے کا طوفان موجیں مار رہا تھا۔

"اس میں جرأت کا کوئی سوال نہیں۔" میں نے کرشاسا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا۔ "اس نے میرے ساتھ زیادتی کی تھی اور میں زیادتی کرنے والوں کو معاف نہیں کرتا۔"

"تو پھر تو اپنے مدگریں انجام کے لیے تیار ہو [illegible] سے بل کھاتے ہوئے کہا۔ "کیا تو یہ چاہتا ہے کہ [illegible] میرے

aazzamm@yahoo.com

تحت ... لیکن تجھے یہاں کے دستور کے مطابق سزا ملے گی۔ تجھے آج دوپہر کے بعد آگ میں زندہ جلا دیا جائے گا۔ تیری زندگی کا آخری سورج طلوع ہو چکا ہے۔"

"آپ جو تو اپنی حسرت پوری کر لو" میں نے کہا۔

"اور اس کے ساتھ ہی میری وہ خواہش بھی پوری ہو جائے گی جو تو گرش کو پہلی بار دیکھتے ہی میرے دل میں پیدا ہوئی تھی۔ کرشاسا نے کہا۔ "تیرے مرنے کے بعد تو گرش کو میں اپنی خواب گاہ کی زینت بناؤں گا۔ اگر تیرا یہ انجام نہ بھی ہوتا تو بھی میں چند دن سے زیادہ صبر نہیں کر سکتا تھا۔

"تو گرش یہاں موجود نہیں ہے" میں نے جواب دیا "وہ کل شام کو تو یہاں سے جا چکی ہے۔"

"جا چکی ہے" کرشاسا نے غضب ناک ہو کر پوچھا "مگر کہاں، اور کیسے؟ اور کیوں؟" اس نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

"تو گرش کی طرف نگاہ اٹھانے کی بھی حماقت نہ کرنا" میں نے سخت زبان استعمال کرتے ہوئے کہا "وہ لاتاق کے وزیر اعظم اندیشک کی بیٹی ہے۔ میں ژونیت کے قتل کے بعد اپنے انجام سے واقف تھا اور اس لیے میں نے اسے کل شام ہی اس کے باپ کے پاس روانہ کر دیا ہے۔"

"کیا ... کرشاسا نے علاوہ باقی سارے لوگ بھی میری بات ... تھے۔ "تو گرش اندیشک کی بیٹی ہے ... لیکن تو یہاں کیا کر رہا ہے؟ کیا لاتاق میں تم ... نہیں تھی؟"

"... بات کو چھوڑو" میں نے اس کے سوال کو ٹالتے ہوئے کہا "... کرشاسا نے چلا کر پوچھا "اس ... کے ساتھ کیا ہوا؟"

"... اور نہ عورت ہے" میں نے جواب دیا "وہ تنہا ... اور اسے راستہ معلوم ہے۔"

"... نے ... جواب دیا "لیکن تو مجھ سے یہ امید نہ رکھ ... کا داماد ہونے کے ناتے میں تیرے ساتھ کوئی رعایت کروں گا۔ ... کے قتل کیا ہے اور اس کے عوض تجھے زندہ آگ میں جلنا ہوگا۔"

"... ڈال دو" کرشاسا نے وہاں موجود لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ ... نے آگے بڑھ کر مجھے پکڑ لیا۔ میں نے ... کوئی مزاحمت نہیں کی۔ ان لوگوں نے میرے ہاتھ ایک ... سے باندھ دیے اور مجھے کرشاسا کے دسیع مکان کے ... جہاں ایک خالی کمرے میں مجھے پہنچا کر انھوں نے دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ غالباً باہر پہرا لگا دیا گیا تھا۔

میں اطمینان سے کمرے میں بچھے ہوئے فرش پر لیٹ گیا۔ باقاعدہ قید خانہ نہیں تھا بلکہ کرشاسا کی وسیع رہائش گاہ کا ہی ایک کمرہ تھا۔ اسی طرف کہیں قریب میں وہ کمرہ بھی واقع تھا جہاں گبودہ نے میری ... ہوئی تھی۔ میں فرش پر لیٹ کر یہ سوچنے لگا کہ نہ جانے کرشاسا نے تو گرش کو کہاں چھپایا ہوگا تاہم مجھے یقین تھا کہ تو گرش بالکل محفوظ ہوگی کیونکہ جیسے ... اعتماد آدمی نے اس کے تحفظ کا ذمہ لیا تھا۔

میں اپنے خیالوں میں گم ہو گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ اب تک گاؤں کے سارے لوگوں کو اس واقعے کی خبر ہو گئی ہوگی۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ ... سے اکثریت کی ہمدردیاں میرے ساتھ ہوں گی لیکن وہ اپنے آپ کو مجبور پاتے ہوں گے۔ گاؤں کے بیچ میں کہیں الاؤ تیار کیا جا رہا ہوگا۔ ... بیچ پوچھو تو مجھے اس خبر سے خاصی خوشی ہوئی تھی کیونکہ ... غسل آتش کو بہت دن گزر گئے تھے۔ ایک عرصے کے بعد مجھے پھر ... موقع مل رہا تھا۔ میں ابھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں میں ... لوگوں کے سامنے اپنی حیرت انگیز قوتوں کا مظاہرہ کر کے ... کرنا چاہتا تھا لیکن کیا کیا جائے حالات نے رخ ہی ایسا ... کہ میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ژونیت کی ہلاکت اتفاقیہ تھی ... اتفاق تھا کہ رات ہی کو اس کی لاش بھی قریہ سے باہر ... کھیت میں میرے پہنچنے سے پہلے ہی کرشاسا کے کارندوں نے ... لی۔ اور اس بستی میں قتل کی سزا میں انسانوں کو زندہ جلا ... میرے لیے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا ... کر دوں۔

انھیں خیالات میں ... کب میری آنکھ ... کتنی دیر تک سوتا رہا ... مجھے ... اس ہوا کو ... ہے اور میرا جسم ... آنے والے کمرے کا دروازہ ... میں نے ... تاریکی پھیل چکی تھی ... "مجھے ... کرشاسا ... تمھارے فرار کا سارا الزام ... دروازے سے ... کا علم میرے علاوہ اور کسی کو نہیں ہوگا ... یہاں سے بحفاظت چلے جاؤ۔"

"اور ... عورت" میں نے ہنستے ہوئے کہا "... ہو کر اگر میں اس کمرے سے جس میں باہر سے تالا لگا ہوا ہے ... کہ یہاں جاؤں تو تمھارا کیا حشر ہوگا؟ ظاہر ہے کہ کرشاسا یہی سمجھے ... مجھے فرار کروانے میں اس مکان کے ہی کسی کسی شخص کا ہاتھ ہے ... اس کے لیے یہ پتا چلا لینا مشکل نہ ہوگا کہ کس نے میری مدد کی ہے ... کے بعد کیا وہ تمھیں زندہ چھوڑے گا؟"

"لیکن میں یہاں موجود نہیں ہوں گی" گبودہ نے اطمینان

... دیا "تمھارے ساتھ میں بھی اسی کمرے میں چھپی رہوں گی جس کا علم ... کے علاوہ کسی اور کو نہیں ہے۔ اس کے بعد رات کی تاریکی میں ہم دونوں ... سے نکل جائیں گے۔ مجھے یہ بات بھی معلوم ہو گئی ہے کہ تو گرش اپنے ... کے پاس واپس چلی گئی ہے۔ میں تمھارے ساتھ رہوں گی شادی ... ب میرے اپنے بس میں نہیں ہے۔ میں تمھارے ... ہے ... ہوں۔"

"تو گرش میری بیوی ہے اور مجھے بے حد عزیز ہے" میں نے ... سے کہا۔ میں اسے یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ تو گرش کہیں نہیں گئی ہے ... یہیں موجود ہے "وہ اپنے باپ کے پاس رہے یا میرے پاس بہرحال ... بیوی رہے گی کیونکہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔"

"ٹھیک ہے" گبودہ نے جلدی سے کہا "میں یہ نہیں کہتی کہ تم ... کو چھوڑ دو۔ ہم دونوں اس کے باپ کے پاس چلے جائیں گے اور ... پنے ساتھ رکھنا۔ میں تو گرش کی خدمت کروں گی اور اس کا دل ... جیت لوں گی۔ تم مجھے جس حال میں رکھو گے، مجھے منظور ہوگا۔ میں تمھارے ... زندہ نہیں رہ سکتی۔"

"لیکن تم یہ بات کیوں بھول جاتی ہو کہ تم کرشاسا کی بیوی ہو؟" ... نے کہا۔

"میں کرشاسا پر لعنت بھیجتی ہوں۔ وہ ایک درندہ صفت انسان ... ہے اور اس میں ایسی کوئی خوبی موجود نہیں ہے جس کی بنا پر اس سے محبت ... جائے۔ اور پھر کرشاسا کی تو اور بھی چار بیویاں ہیں۔ اور ان کے علاوہ ... جب ... جس عورت کو چاہتا ہے اپنی بیوی بنا لیتا ہے" گبودہ نے کہا۔

"اچھا اب تم یہاں سے چلی جاؤ" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا "... ہو کر کوئی یہاں آ جائے اور تم بھی مصیبت کا شکار ہو جاؤ۔"

"میں یہاں سے چلی جاؤں؟" اس نے حیرت سے کہا "اور تم؟ میں تو ... کو فرار کروانے کے لیے یہاں آئی ہوں۔ تمھیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ دروازے ... سے تالا لگا ہوا ہے اور میرا معتمد غلام چابی اپنے ساتھ لیے پہرا دے رہا ... ہے۔ جب میں اندر سے کھٹکھٹاؤں گی تو وہ فوراً دروازہ کھول دے گا۔ بس ... جلدی سے اٹھو اور چلو۔"

"نہیں گبودہ" میں نے سختی سے کہا "میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ ... فرار نہیں ہونا چاہتا۔ میرے ساتھ جو کچھ بھی پیش آنے والا ہے میں ... بھگتنے کے لیے پوری طرح تیار ہوں۔"

"شاید پریشانی اور خوف کے عالم میں تمھارا دماغ چل گیا ہے" گبودہ نے کہا "چلو اٹھو" اور وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گھسیٹنے لگی۔

"تم اپنا وقت ضائع کر رہی ہو گبودہ" میں نے سرد مہری سے کہا "... نے تمھیں بتا دیا ہے کہ میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ تم یہاں سے فوراً چلی جاؤ۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم موت کو گلے لگانے کے لیے تیار ہو" ... نے افسردگی سے پوچھا۔

"تم یوں ہی سمجھ لو" میں نے جواب دیا "میں کسی حال میں بھی یہاں سے نہیں جاؤں گا۔"

"شاید تمھیں مرنے کی شدید آرزو ہے" اس نے کہا "میں نہیں سمجھتی کہ تم کس قسم کے آدمی ہو۔ تم واقعی حیرت انگیز ہو۔ تمھیں معلوم ہے کہ آج سہ پہر کو تمھیں آگ میں زندہ ڈال دیا جائے گا۔ میں تمھیں فرار کا موقع دے رہی ہوں، اور تم پھر بھی انکار کر رہے ہو۔"

"یہاں سے جلدی چلی جاؤ گبودہ" میں نے اس کی ساری باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

پر دھیرے میں اس صورت حال سے سخت گھبرا گیا۔ وہ بے وقوف عورت جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ اپنی دانست میں تو وہ یہی سمجھے ہوئے تھی کہ مجھے مار دیا جائے گا لیکن وہ میرے ساتھ خود بھی مرنے کا خطرہ مول لے رہی تھی۔

"میں نے کہا نا کہ تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو ـــــ جاؤ، جلدی کرو۔"

"اب ہماری ملاقات آسمانوں پر ہوگی" گبودہ نے کہا اور اندر سے دروازے پر دستک دی۔ باہر سے کسی نے فوراً دروازہ کھول دیا۔ گبودہ نے آخری بار حسرت بھری نظروں سے مجھے دیکھا اور بولی "آخری مرتبہ شادل۔ میری بات مان لو۔ اب بھی وقت ہے۔ تمھیں کوئی نہیں پکڑ سکے گا اور ہم اطمینان سے یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"جاؤ گبودہ جاؤ" میں نے اپنا رخ دیوار کی طرف کر لیا۔ گبودہ کمرے سے نکل گئی اور دروازہ بند کرنے اور تالا لگانے کی آواز سنائی دی۔

کافی دیر گزر گئی۔ ابھی تک کوئی نہیں آیا تھا۔ کمرے کے اندر دروازہ بند ہونے کے باعث نیم تاریکی تھی اور اس لیے وقت کا اندازہ لگانا مشکل تھا تاہم میرا اندازہ تھا کہ اب آفتاب نے مغرب کی جانب اپنی واپسی کا سفر شروع کر دیا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد باہر بہت سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ یہ چاپ کمرے کے دروازے پر آ کر رک گئی اور دروازے کا تالا کھلنے کی آواز سنائی دی۔ دروازہ کھول کر چار آدمی اندر داخل ہوئے۔ میں انھیں اچھی طرح پہچانتا تھا۔ یہ وہی چار آدمی تھے جو کرشاسا کے حکم پر مجھے اس کمرے میں لے کر آئے تھے۔ وہ چاروں کے چاروں بے حد تندرست و توانا اور مضبوط جثے کے آدمی تھے۔ ان کے چوڑے چوڑے چہروں سے خون چھلک رہا تھا۔

"اپنے آخری انجام کے لیے تیار ہو جا بدنصیب" ان میں سے سب سے زیادہ موٹے آدمی نے کہا "الاؤ تیار کیا جا چکا ہے اور مقتول ژونیت کی روح الاؤ کے گرد منڈلا رہی ہے۔"

"تمھیں کیسے معلوم کہ ژونیت کی روح الاؤ کے گرد منڈلا رہی ہے؟" میں نے اس سے پوچھا "کیا تم روحوں کو دیکھ سکتے ہو؟"

"نہیں" اس نے جواب دیا "روحوں کو کوئی اس وقت تک نہیں دیکھ سکتا جب تک کہ وہ کسی دوسرے قالب میں ہماری نظروں

Scanned by Aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

...سنتے نہ آئیں لیکن یہ بات سبھی لوگ جانتے ہیں کہ مقتول کی روح ...وقت تک چین نہیں ملتا جب تک اصل قاتل کو سزا نہ مل جائے۔ ...جب اصل قاتل پکڑا جاتا ہے اور اس کے لیے الاؤ تیار کیا جاتا ہے تو مقتول کی روح وہاں آموجود ہوتی ہے اور اس وقت تک وہیں رہتی ہے جب تک کہ قاتل کا جسم جل کر راکھ نہ ہو جائے۔"

"اور اگر مقتول کی روح قاتل کو معاف کر دے تو؟" میں نے پوچھا۔

"تو ــ تو ــــ" وہ شخص گڑبڑا گیا اور اس سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

"تو اس صورت میں اصل قاتل کے جسم کو جلانے سے انکار کر دیتی ہے۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ممکن ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "آج تک ایسا نہیں ہوا۔ اس گاؤں میں آج تک کئی قاتلوں کو آگ میں جلایا گیا ہے اور ان سب کے جسم راکھ بن گئے۔"

"ان کے مقتولوں نے انھیں معاف نہیں کیا ہوگا موٹے مینڈک۔" میں نے کہا۔

وہ شخص میرے اس انداز خطاب پر سخت چراغ پا ہو گیا۔ "اگر الاؤ میں پھینکے جانے والے شخص پر ہاتھ اٹھانا منع نہ ہوتا تو میں تجھے اس بے ہودہ گوئی کا مزا ضرور چکھاتا۔" اس شخص نے میرے بازو کو کس کے پکڑتے ہوئے کہا۔ "تیری یہ مجال کہ مجھے موٹا مینڈک کہے۔"

"اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے؟" میں نے اس کا منھ کھلواتے ہوئے کہا۔ "اگر تم چاہو تو میں تمھیں مینڈک کہے جانے سے بچا بھی سکتا ہوں۔" اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور غصے میں مجھے گھور کر رہ گیا۔ ان چاروں نے مجھے رسیوں سے باندھ دیا۔ میرے دونوں ہاتھ ملا کر پشت کی طرف لے جائے گئے اور انھیں میری کمر کے ساتھ رکھ کر کس کے باندھ دیا گیا۔ اس کے بعد ایک موٹی سی رسی ٹخنوں سے ذرا نیچے دونوں پاؤں کے گرد باندھی گئی اور ایک رسی کمر سے باندھی گئی جس کا دوسرا سرا موٹے آدمی نے اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ اب میرے ہاتھ بالکل ہی حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ میری ٹانگیں آزاد تھیں۔

موٹے آدمی نے جس کے ہاتھ میں رسی کا دوسرا سرا تھا کئی جگہ سے بھٹکے دے دے کر رسی کی مضبوطی کو آزمایا اور پھر وہ مجھے باہر لے چلا۔ دو افراد میرے دائیں بائیں چل رہے تھے اور چوتھا آدمی پیچھے تھا۔ اس طرح ہم ایک اسیر اور چار آزاد انسانوں کا چھوٹا سا قافلہ اس کمرے سے برآمد ہوا جہاں کچھ دیر پہلے میں اور گبوہ کیف و نشاط کی ناقابل بیان کیفیتوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ میں نے اس کمرے پر آخری نظر ڈالی جس کے در و دیوار ہماری خلوتوں کے امین تھے اور اپنے محافظین کے ساتھ باہر نکل آیا۔

مکان میں کئی جگہ لوگ جن میں بہت سی عورتیں بھی شامل تھیں، اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ ہمارے آگے بڑھنے کے ساتھ ہی وہ لوگ ہمارے پیچھے چلنے لگے۔ مکان کے قریب مجھے گبوہ نظر آئی۔ اس کے ... دو عورتیں اور تھیں جو شاید اس کی خدمت گار تھیں۔ ہمارے دروازے سے باہر نکلتے ہی وہ لوگ بھی ہمارے پیچھے آنے والے لوگوں میں شامل ہو گئے۔ میں نے ایک بار پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ چند لمحوں میں میری پرتجسس نگاہوں نے گبوہ کو تلاش کر لیا۔ وہ حزن و ملال کی تصویر بنی ہوئی آہستہ آہستہ ... لوگوں کے ساتھ میرے پیچھے آ رہی تھی۔

ہم لوگ مکان کے دروازے سے باہر نکل آئے اور ایک طرف کو روانہ ہو گئے۔ ہمارا رخ بستی سے باہر کی طرف کو تھا۔ راستے میں جتنے لوگ بھی ملتے گئے وہ ہمارے پیچھے چلنے والے جلوس میں شامل ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ ہمارا یہ قافلہ بستی سے باہر ایک وسیع میدان میں پہنچ گیا۔ ... ایک طرف لکڑیوں کا ایک بڑا الاؤ دہک رہا تھا۔ اس کے شعلے کافی بلند ہو رہے تھے۔ الاؤ کے پاس کافی لوگوں کا مجمع تھا۔ ہم لوگ الاؤ کے پاس پہنچے۔ کرشاسا، اس کے ساتھی اور بہت سے دوسرے لوگ وہاں ہمارے منتظر تھے۔ آگ کی گرمی واضح طور پر محسوس کی جا رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہاں موجود لوگوں میں بوڑھا کزال بھی شامل تھا۔ ایک لمحے کے لیے میری اور اس کی آنکھیں چار ہوئیں۔ وہ ہولے سے مسکرا اٹھا۔ مجھے یقین تھا کہ تو گرانش غیریت سے ہے۔ وہاں موجود تمام لوگوں کے چہرے رنگ و عالم میں ڈوبے ہوئے تھے، سوائے کرشاسا اور اس کے خاص آدمیوں کے۔ وہ لوگ بڑے خوش نظر آ رہے تھے۔ عام لوگ پریشان اور ... ثروتیت ایک ظالم اور بدخو انسان تھا۔ کرشاسا کے دوسرے ساتھی کی طرح اور اس کے مارے جانے کا کسی کو ملال نہیں تھا۔ لیکن ان لوگوں میں سے ایک تھا۔ میں نے چند ہی دنوں کے اندر اندر اپنی محنت کشی کی بدولت سے ان کے دلوں میں جگہ بنا لی تھی اور میری موت یقیناً ان کے لیے باعث ملال تھی۔ ان لوگوں میں کاربت بھی شامل تھا۔ اس کی آنکھوں سے سخت خوف و ہراس ٹپک رہا تھا۔ اسے شاید خدشہ لاحق تھا کہ میں نے قتل کی اس واردات میں اسے بھی ملوث کر دیا ہو گا۔ شاید آخر وقت میں میں گھبرا کر اس کا نام لے دوں۔ میں نے دانستہ طور پر اس کی جانب ایک نظر دیکھ کر دوسری طرف منھ پھیر لیا۔ اس سارے مجمع میں، جو سیکڑوں مردوں اور عورتوں پر مشتمل تھا، صرف ایک شخص ایسا تھا جس کے چہرے پر بلا کا اطمینان اور سکون نظر آ رہا تھا۔ اور وہ تھا بوڑھا کزال۔ اسے یقین تھا کہ مجھے ہلاک نہیں کیا جا سکے گا۔ میں اس کی نظر میں شاید وہ تھا نیکی اور بھلائی کی قوتوں کا دیوتا جو انسانی پیکر میں نمودار ہو گیا تھا اور مجھے کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی تھی۔

"سن شادیلا۔" کرشاسا نے نفرت بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ثروتیت میرے عزیز ترین اور نہایت کارآمد ساتھیوں میں سے ایک تھا۔ تو نے اسے ہلاک کیا ہے اور اس کی ہلاکت کے جرم کا خود ہی اقرار بھی کر لیا ہے۔ لہٰذا ہمارے آباؤ اجداد کے قدیم طریقوں کے ...

... تجھے زندہ آگ میں ... دیا جائے گا۔ اگر تو مرنے سے پہلے کچھ ... ہے تو کہہ دے۔ اگر تجھے اپنے کسی عزیز کے لیے کسی دوست ... کوئی پیغام دینا ہو تو دے دے۔ وہ اسے پہنچا دیا جائے گا۔"

"مجھے کچھ نہیں کہنا ہے۔" میں نے پرسکون انداز میں جواب دیا۔ ... کزال، جو مجھ سے کافی دور تھا، بھیڑ کو چیرتا ہوا قریب آنے ... لگا۔ اس کے ساتھ بستی کے پانچ چھ آدمی اور تھے جو جوان ... تھے۔ وہ سب کے سب میرے اور کرشاسا کے قریب آ گئے۔

"کیا بات ہے؟" کرشاسا نے ناگوار انداز میں ان سے پوچھا۔ "تم میرے سر پر کیوں چڑھے آ رہے ہو؟"

"کوئی بات نہیں کرشاسا۔" کزال نے بے خوفی کے ساتھ جواب ... "بہت دنوں کے بعد یہ منظر دیکھنے کو مل رہا ہے اس لیے ہم اسے قریب ... دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"یہ منظر تو تم جب چاہو دیکھ سکتے ہو۔" کرشاسا نے مزاحیہ انداز ... جواب دیا۔ "تم چاہو تو خود بھی اس کے ہیرو بن سکتے ہو۔"

"نہیں مجھے کوئی ایسی تمنا نہیں ہے۔" کزال نے ہنستے ہوئے ... "بڑھاپے میں میں کسی کو کیا قتل کروں گا جب کہ جوانی میں میں ... کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔"

"ہاتھ اٹھانے کا حق صرف سردار کو ہوتا ہے۔" کرشاسا نے گمبھیر ... "سردار کو سب کا خون معاف ہوتا ہے۔ سردار کو یہ حق حاصل ... ہے۔ وہ بغاوت اور فتنہ انگیزی کرنے والوں کو قتل کر دے۔ اچھا ... پیچھے ہٹ جاؤ۔ کام شروع ہونے والا ہے۔" اس کے ساتھ ... سب کے تھوڑا تھوڑا پیچھے سرک گئے۔

کرشاسا نے ان چار آدمیوں کو جو میری نگرانی پر مامور تھے حکم ... "اسے زمین پر گرا دو۔"

... نے اپنے جسم کو بالکل بے جان اور ڈھیلا چھوڑ دیا۔ انھوں ... مجھے زمین پر لٹا دیا۔ دو آدمیوں نے میری ٹانگیں کس کے ... لیں۔ حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ میں قسم کی مزاحمت نہیں ... تھا۔ میری آنکھیں کرشاسا کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

کرشاسا نے ہاتھ سے کوئی مخصوص اشارہ کیا۔ چار آدمی ایک لمبا ... لیے آگے بڑھے۔ تختہ میرے برابر رکھ دیا گیا اور ان لوگوں نے مجھے ... تختے سے باندھنا شروع کر دیا۔ انھوں نے مجھے سر سے پاؤں تک ... تختے کے ساتھ جکڑ دیا۔ اس طرح کہ میں اپنے جسم کو ذرا سی بھی ... نہ دے سکوں۔ یہ کام ختم کرنے کے بعد وہ پھر کرشاسا کی طرف ... کرشاسا نے دوسرا اشارہ کیا۔

... لوگوں نے مل کر تختے کو اٹھایا جس کے ساتھ میرا جسم بندھا ... شخص نے ایک جھکولے کے ساتھ تختے کو دیکھتے ہوئے الاؤ ... پھینک دیا۔ بہت سے لوگوں کے منھ سے چیخیں نکل گئیں۔

میں تختے سمیت الاؤ میں گرا۔ الاؤ میں گرتے ہی آگ کی جاں بخش حرارت میرے رگ و پے میں سرایت کرنے لگی۔ رسیاں آناً فاناً جل کر راکھ ہو گئیں اور تختہ میرے جسم سے الگ ہو کر الاؤ میں جلنے والی لکڑیوں کا ایک حصہ بن گیا۔ شعلے میرے جسم کے ایک ایک عضو کو چاٹ رہے تھے۔ میرے بدن کا ہر ہر مسام آگ کی دل نواز گرمی کو اپنے اندر جذب کر رہا تھا۔ میں نے لذت و سرور کی عجیب و غریب کیفیت میں ڈوب کر اپنی آنکھیں بند کر لیں اور آگ میں لوٹنے لگا۔ میں بچگانہ انداز میں انگاروں سے اپنے جسم کو مس کر رہا تھا۔ آگ مجھے نئی زندگی بخش رہی تھی۔ مجھ پر نشہ سا طاری تھا۔

میں نے اندازہ لگایا کہ باہر مجمع ابھی منتشر نہیں ہوا ہے، بلکہ سب لوگ ویسے ہی کھڑے ہوئے تھے کیونکہ کسی کے جاتے ہوئے قدموں کی چاپ مجھے نہیں سنائی دے رہی تھی۔ الاؤ کے اندر لکڑیاں چٹخ رہی تھیں۔ ان کی آواز کے علاوہ باقی ہر طرف گہرا سناٹا طاری تھا جس وقت مجھے تختے سمیت آگ میں پھینکا گیا، اس وقت میں نے ایک نظر گبوہ پر ڈالی تھی۔ وہ نصویر یاس بنی ایک طرف کھڑی ہوئی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ یقیناً میرے اس دردناک انجام سے اس کو بہت دکھ پہنچا ہو گا جس چاہت اور جوش و خروش کے ساتھ اس نے مجھے اپنایا تھا، اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ میری کمی کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کرے۔

شاید وہ لوگ گوشت کے جلنے کی بو سونگھنے کے منتظر تھے لیکن جب کافی دیر گزر گئی اور الاؤ میں سے جلتے ہوئے گوشت کی چراند نہیں نکلی تو شاید انھیں تشویش لاحق ہونا شروع ہو گئی ہو گی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ ان کی اس تشویش کو اب ختم کر دوں۔ ویسے بھی اب کافی دیر ہو چکی تھی اور میں حرارت اور توانائی کی بہت بڑی مقدار کو اپنے جسم کے اندر جذب کر چکا تھا۔ مجھے نئی زندگی مل گئی تھی۔ میری نس نس میں نیا خون موجیں مار رہا تھا۔ میں نے اچانک ایک چھلانگ لگائی اور دوسرے لمحے میں الاؤ سے باہر تھا۔

حیرت اور خوف سے بھری ہوئی چیخوں کا ایک سیلاب تھا جو اچانک میرے چاروں طرف سے امنڈ پڑا۔ سیکڑوں لوگ الاؤ کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے کھڑے تھے اور اس ناقابل یقین اور انوکھے واقعے نے انھیں اس قدر ششدر کر دیا کہ وہ جیسے اپنی جگہوں پر جم کر رہ گئے اور ان کے منھ سے عجیب و غریب بے ہنگم آوازیں نکلنے لگیں۔ کرشاسا اور اس کے ساتھی جو الاؤ سے سب سے زیادہ قریب تھے، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگے۔ اور پھر ایک عجیب و غریب بات ہوئی۔

بوڑھے اور ناتواں کزال نے اپنے حلق کی پوری قوت سے آواز بلند کی۔ "شادیلا۔" اس کے ساتھ ہی اس کے پاس کھڑے ہوئے ان لوگوں نے جنھیں وہ ساتھ لے کر آگے آیا تھا، نعرہ بلند کیا۔ "شادیلا۔" اور ان لوگوں نے آناً فاناً اپنی تلواریں کھینچ لیں اور کرشاسا اور اس کے ساتھیوں

aazzamm@yahoo.com

پر حملہ کر دیا۔ کرشاسا اور اس کے ساتھی جو اس حیرت ناک واقعے کے سحر میں ڈوبے ہوئے تھے، اس اچانک اور انتہائی غیر متوقع حملے کے لیے قطعی تیار نہیں تھے۔ چنانچہ کئی کارندے پہلے ہی ریلے میں ہلاک ہو گئے اور ان کی گرز ان کے جسموں سے الگ ہو کر دور جا گریں۔ دو ایک گرز بھی اچھلتی ہوئی اڑاڑ میں جا گریں۔

اس کے ساتھ مجمع میں جیسے ایک نئی اور انوکھی زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ ہر طرف سے گولیاں بلند ہونے لگیں، "شادیلا — شادیلا — شادیلا — کردیلا کو مار دو — کردیلا کو مار دو —" اور سارا مجمع جیسے کسی جنون کا شکار ہو گیا۔ لوگ دیوانہ وار اپنے اپنے ہتھیار سنبھال کر کرشاسا اور ان کے خونی ٹولے پر پل پڑے۔ آناً فاناً کرشاسا کے سارے آدمی مار دیے گئے۔ انھیں ٹھیک سے مزاحمت کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ صرف کرشاسا زندہ بچ گیا تھا۔ اس نے اپنی بھاری بھرکم تلوار سنبھال لی تھی اور اپنے قریب آنے والوں پر حملے کرتا رہا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اپنے نہایت وزنی اور بھاری بھرکم جسم کے باوجود کرشاسا میں بہت پھرتی تھی اور وہ بڑی سبک روی کے ساتھ تلوار چلا رہا تھا۔ اس نے ایک آدمی کا شانہ ٹھنڈا کر دیا۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو منع کر دیا کہ اس پر حملہ نہ کریں۔ سارے لوگ ٹھٹھر گئے۔ ایک شخص نے جلدی سے ایک چادر میری طرف بڑھائی

میں نے چادر اس کے ہاتھ سے لے کر اپنے جسم کے گرد لپیٹی اور پھر تک کرشاسا کی طرف بڑھا۔

کرشاسا نہایت بیوقوف آدمی نکلا۔ مجھے آگ سے زندہ سلامت نکلتے دیکھ کر اسے یہ بات یقیناً سمجھ لینی چاہیے تھی کہ مجھے ہلاک کرنا اس کی قدرت میں نہیں ہے۔ لیکن اس نے وحشیوں کی طرح تلوار سے میرے اوپر حملہ کر دیا اور پے در پے کئی زوردار وار کر ڈالے۔ تلوار میرے جسم سے ٹکرا کر اُچٹ گئی۔ لیکن کرشاسا نہ جانے کس امید پر میرے اوپر برابر وار کرتا رہا۔ میں نے تنگ آ کر اس کا تلوار والا ہاتھ پکڑ لیا اور میں اسے جھٹکا دے کر تلوار اس سے چھینتے ہی والا تھا کہ کسی جانب سے ایک سبک نیزہ ہوا کے جھونکے کی طرح سنسناتا ہوا آیا اور کرشاسا کی پشت میں پیوست ہو گیا۔ کرشاسا ایک بھیانک کراہ کے ساتھ زمین پر گر گیا۔ اور اس کا موٹا تازہ جسم بے آب کی طرح زمین پر تڑپنے لگا۔ نیزہ بری طرح اس کی پشت میں گھسا ہوا تھا۔ کسی بھی شخص نے آگے بڑھ کر نیزہ نکالنے کی کوشش نہیں کی۔ کوئی بھی کرشاسا کی مدد کو نہیں آیا۔ البتہ کرال نے آگے بڑھ کر اپنے بوڑھے ہاتھوں سے اس کی گردن پر ایک بھرپور وار کیا اور اس طرح اسے اس اذیت ناک کیفیت سے ہمیشہ کے لیے نجات دلا دی۔

کرشاسا اور اس کے خونخوار ٹولے کے تمام افراد کی ہلاکت کے بعد مجمع میں جیسے جشن کا سا سماں پیدا ہو گیا۔ لوگ خوشی سے ناچ رہے تھے، اپنے حلق سے بے ہنگم آوازیں نکال رہے تھے اور چیخ رہے تھے۔ بہت سے لوگوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ ہر شخص میرے قریب آ کر مجھے چھو کر دیکھنا چاہتا تھا۔ آگ میں تپ کر نکلنے کے بعد میرا جسم گندھک کی طرح چمک رہا تھا اور میری رنگت اس قدر نکھر گئی تھی کہ دیکھنے والوں کی نگاہیں نہیں ٹھہرتی تھیں۔ کرال اور اس کے نوجوان ساتھیوں نے میرے گرد گھیرا ڈال دیا اور لوگوں کے ہجوم کی یورش سے مجھے بچایا۔

میں نے مسرت سے بھرپور مجمع کی طرف ایک نظر ڈالی۔ میری نظریں کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔ جلد ہی وہ مجھے نظر آ گئی۔ وہ مجھ سے زیادہ دور نہیں تھی۔ اس نے جب مجھے اپنی طرف دیکھتے پایا تو بے ساختہ مسکرا اٹھی۔ اس کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا اور یوں لگتا تھا کہ اس پر پھول کھل اُٹھے ہوں۔

"بستی کے لوگو!" بوڑھے کرال نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کرتے ہوئے زور سے آواز لگائی۔ "خاموش ہو جاؤ اور غور سے میری بات سنو۔" مجمع پر اچانک سکوت طاری ہو گیا۔ بے تحاشا بلند ہونے والی آوازیں ختم ہو گئیں۔ تھرکتے ہوئے قدم رک گئے۔

"سنو دوستو!" کرال کی آواز بلند ہوئی۔ "جیسا کہ ہمیشہ ہوتا آیا ہے، کردیلا کے مسلسل بڑھتے ہوئے مظالم جب اپنی انتہا کو پہنچ گئے تو اس کا سر کچلنے کے لیے آسمانوں سے شادیلا اتر آیا۔ شادیلا جو بستی کی انسان دوستی کی قوت ہے، انسانی پیکر میں ہمارے سامنے آ چکا ہے اور تم نے دیکھا کہ اس نے کردیلا کو کس طرح اس کے گناہوں کی سزا دی ہے۔ وہ آگ میں سے زندہ سلامت نکل کر آ گیا اور اس نے کردیلا کو انسان دشمن حرکتوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ دوستو! مجھے یہ اعزاز فخر حاصل ہے کہ میں نے شادیلا کو اپنے گھر میں رکھا، اسے اپنا مہمان بنایا اور میں نے ہی سب سے پہلے اسے پہچانا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ آگ میں پھینکے جانے کے بعد بھی زندہ سلامت نکل آئے گا اور کرشاسا اور اس کے ساتھیوں کی زندگی آج شام کا سورج ڈوبنے سے پہلے ختم ہو جائے گی۔ اسی لیے میں اپنے ساتھ چند نوجوانوں کو لے آیا تھا۔ کرشاسا اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کرنے کے لیے بالکل تیار کھڑے تھے۔ اور شادیلا کے آگ میں سے زندہ نکلتے ہی وہ ان لوگوں پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اگر میرے دوست کرشاسا کے آدمیوں پر حملہ نہ کرتے تو وہ لوگ بچ جاتے۔ نہیں، شادیلا اکیلا ہی اس کے لیے کافی تھا۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے اور میرے ساتھی دوستوں کو شادیلا کے ساتھ قدم ملا کر حرکت کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ دوستو! آج سے شادیلا اس بستی کا حکمراں ہو گا۔ کردیلا کے وسیع و عریض مکان میں اب شادیلا اور اس کی بیوی نوگراش کا قیام ہو گا۔ میں نے حفاظت سے چھپا رکھا ہے۔ اب تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو سدھارو اور جشن مناؤ۔ شادیلا بھی اب گھر جائے گا۔ کل سارے بستی کے صبح کے وقت شادیلا کے مکان کے سامنے وسیع میدان میں جمع ہو لو۔ وقت شادیلا انھیں ضروری ہدایات دے گا۔ شادیلا عظیم ہے۔"

"شادیلا عظیم ہے، شادیلا عظیم ہے۔" مجمع میں ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔ لوگ گلا پھاڑ پھاڑ کر شادیلا کی عظمت کا اعتراف کر رہے تھے۔ ان کے چہروں پر مسرتوں کے چاند سورج رقص کر رہے تھے۔

"میں عظیم شادیلا سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اب اپنے مکان میں چلے اور سکون و اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر نئے منصوبوں پر غور کرے۔" کرال نے مؤدب انداز میں مجھ سے کہا۔

مجھے ایسا لگ رہا تھا گویا میں کرال کی ہدایات کا پابند ہوں۔ تاہم میں نے اس بوڑھے کی باتوں کا بُرا نہیں مانا۔ کیونکہ وہ فی الحقیقت میرے سراپا عقیدت و احترام بنا ہوا تھا۔ اس کے نوجوان ساتھیوں کے چہرے فاتحانہ مسرت سے دمک رہے تھے۔ مجھے اپنے نرغے میں لیے اور ہم لوگوں کا قافلہ اس مکان کی طرف روانہ ہو گیا جہاں کچھ دیر پہلے میں قید تھا۔

مکان کے بہت سے محافظ ہم لوگوں کے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں موجود تھے اور انھوں نے اپنی اپنی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔ ہمارے وہاں پہنچنے پر انھوں نے ہمیں جھک جھک کر تعظیم دی اور ہمارے لیے مکان کے دروازے کھول دیے۔

"میں اس بستی کا سب سے زیادہ معمر شخص ہوں۔" کرال نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "ہم سب لوگ ایک کمرے میں اطمینان سے بیٹھ گئے تھے۔ مجھے سب سے اونچی نشست پر بٹھایا گیا تھا۔ "جب کرشاسا نے آج سے کئی سال پہلے بوڑھے پروہت کو قتل کروایا تھا تو اس پروہت نے مرنے سے پہلے مجھ سے یہ کہا تھا کہ جب شادیلا کا ظہور ہو گا تو اسے سب سے پہلے پہچاننے والا شخص میں ہی ہوں گا اور شادیلا میرے ہی گھر میں مہمان بن کر آئے گا۔ اس پروہت نے یہ بھی کہا تھا کہ عظیم شادیلا کو ایک مشیر کی ضرورت ہو گی اور ممکن ہے کہ میرے تجربے اور عمر کی بنا پر عظیم شادیلا مجھے اپنی خدمت کے لیے مجھے منتخب کرے۔ پروہت کی پہلی دو باتیں درست ثابت ہوئی ہیں۔ اب اگر عظیم شادیلا مناسب سمجھے تو مجھے اپنا مشیر مقرر کرے ورنہ مجھے حکم دے۔ میں بستی میں سے کئی دانش مندوں اور دانشوروں کو لا کر اس کی خدمت میں پیش کروں گا۔ وہ ان میں سے جس کا چاہے انتخاب کرے۔ عظیم شادیلا اپنے فیصلوں میں آزاد ہے!" اس نے آگے بڑھ کر میرے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

"آج سے تم میرے مشیر ہو۔" میں نے کرال کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ کرال نے ایک بار پھر میرے ہاتھوں کو اپنی آنکھوں سے لگاتے ہوئے شکریہ ادا کیا۔

کرال کے حکم پر کرشاسا کی پانچوں بیویوں کو میری خدمت میں پیش کیا گیا۔ ان میں گبودہ بھی شامل تھی جو خوف و خطر سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"یہ پانچوں کرشاسا کی بیویاں ہیں۔" کرال نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ سب کی سب حسین اور دلکش عورتیں تھیں لیکن گبودہ ان میں سب سے کم عمر اور سب سے زیادہ خوبصورت تھی۔" عظیم شادیلا کو ان کے مقدر کا فیصلہ کرنا ہے۔ اگر عظیم شادیلا چاہے تو انھیں آزاد کر کے دوسری شادیاں کرنے کی اجازت دے سکتا ہے اور اگر چاہے تو انھیں اپنی بیویوں کے طور پر رکھ سکتا ہے کیونکہ یہ مقتول سردار کی بیویاں ہیں اور فاتح سردار کا ان پر حق ہے۔"

"میری طرف سے یہ پانچوں عورتیں آزاد ہیں۔ جب تک ان کا جی چاہے یہ اس مکان میں قیام کریں اور جب چاہیں یہاں سے چلی جائیں۔ میری طرف سے ان پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہ جب بھی چاہیں دوسری شادی کر سکتی ہیں۔" میں نے ان خوفزدہ عورتوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میری اس بات سے ان کے چہرے کھل اُٹھے۔ ان سبھوں نے یہ کہا کہ وہ کچھ دن تک اسی مکان میں قیام کرنا چاہتی ہیں۔ میں نے انھیں اس کی اجازت دے دی۔

کرال مجھ سے اجازت لے کر تھوڑی دیر کے لیے رخصت ہو گیا اور جب وہ واپس آیا تو نوگراش اس کے ساتھ تھی۔ کرال نے اسے بستی میں برپا ہونے والے انقلاب کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ رات میں جب اسے میرے ساتھ تنہائی کا موقع ملا تو اس نے بے تابانہ انداز میں مجھ سے سوال کیا۔ "شادیلا! کیا یہ حقیقت ہے کہ تم جلتی ہوئی آگ کے لاوے میں پھینکے جانے کے بعد اس میں سے زندہ بھی آئے تھے؟ کرال مجھے بتا رہا تھا، لیکن مجھے اس بات کا یقین نہیں آتا۔ یہ تو میں جانتی ہوں کہ تمھارے اندر بے اندازہ طاقت ہے اور تم بہت بہادر ہو لیکن کوئی شخص آگ میں گرنے کے بعد جلنے سے کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے؟"

"کرال نے جو کچھ کہا، وہ سچ ہے!" مجھے نوگراش کے سامنے یہ اعتراف کرنا ہی پڑا، کیونکہ یہ بات اب اس سے چھپائی نہیں جا سکتی تھی۔ ساری بستی کے لوگوں نے اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ میں کس کس کو جھٹلا سکتا تھا!

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم واقعی دیوتا ہو۔" اس نے عقیدت مندانہ انداز میں کہا۔ "کرال ٹھیک کہتا ہے۔ تم عظیم شادیلا ہو۔ نیکی اور مہربانی کے پیکر۔ تم نے اتاق کی بستی کے لوگوں سے گوگرائس جیسے ظالم اور خونخوار حکمراں اور اس کی فتنہ پرور ملکہ نثرخونہ کے شر سے نجات دلائی۔ تم ہی گھوت کو اپنے ساتھ جنگل سے لے کر آئے اور اس کی خاطر تم نے جنگ لڑی۔ یہ گھوت اور میرے بابا کی بدنصیبی تھی کہ ہوس اور خود غرضی نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور وہ تمھیں پہچان نہیں سکے۔ انھوں نے تمھاری قدر نہیں کی اور الٹا تمھاری جان کے درپے آزار ہو گئے۔ تم اگر چاہتے تو ان سب کو چیونٹی کی طرح مسل کر پھینک سکتے تھے، مگر تم نے عالی ظرفی کا ثبوت دیا اور اس جگہ کو چھوڑ کر یہاں چلے آئے۔ میں دنیا کی خوش نصیب ترین عورت ہوں کہ میں دیوتا کی بیوی ہوں۔ مجھے اپنے سے کبھی جدا نہ کرنا میرے دیوتا۔ میرے شادیلا — عظیم شادیلا —" نوگراش میرے سینے سے لگ کر بہت لمبی سانسیں لینے لگی۔

"سنو نوگراش!" میں نے اس کی لمبی لمبی زلفوں سے کھیلتے ہوئے کہا۔ "تمھارے لیے میں کوئی دیوتا نہیں ہوں، ایک محبت کرنے والا آدمی ہوں۔ میں ہمیشہ تم سے اسی طرح محبت کرتا رہوں گا۔ تم مجھے دنیا کی ہر چیز سے

aazzamm@yahoo.com

زیادہ عزیز ہو۔"

دوسری صبح کرشا سا کے گھر کے سامنے، جو اب میرا اور تو گرائش کا گھر تھا، بستی کے سارے لوگ جمع تھے۔ ان میں مرد، عورتیں اور بچے سبھی شامل تھے۔ یہ لوگ میرے لیے طرح طرح کے نذرانے لے کر آئے تھے۔ ان میں بار بھنوں سے لے کر قیمتی زیورات تک شامل تھے۔ میں نے بار بھنوں کے علاوہ اور کوئی بھی نذرانہ نہیں کرنے سے انکار کر دیا اور ان لوگوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دی کہ آئندہ کوئی شخص میرے لیے کسی قسم کا بھی نذرانہ لے کر نہ آئے۔

میں نے اپنے جن نئے فیصلوں کا لوگوں کے سامنے اعلان کیا انھیں سن کر وہ ششدر سے رہ گئے۔ میں نے کہا کہ آج سے ہر شخص خود اس کھیت کا مالک ہے جس میں وہ کام کرتا ہے۔ وہ تمام پیداوار کا بھی مالک ہوگا۔ البتہ اس میں سے ایک مقررہ حصہ نکال کر وہ بستی کے ایک مشترکہ ذخیرے میں جمع کر دے گا۔ اس ذخیرے میں جمع ہونے والے اناج، پھلوں اور میووں کو دوسرے لوگوں کے ہاتھوں فروخت کیا جائے گا اور اس سے جو رقم حاصل ہوگی وہ ساری بستی والوں کا مشترکہ سرمایہ ہوگی۔ اس سے بیمار لوگوں کی مدد کی جائے گی اور دوسرے فلاحی کام انجام دیے جائیں گے۔ میں نے انھیں یہ بھی بتایا کہ میں حسب سابق ایک عام محنت کش کی حیثیت سے ہی کھیت میں کام کرتا رہوں گا جس میں میں اب تک کام کرتا رہا تھا۔ لوگ ان باتوں کو سن کر خوشی سے جھوم اٹھے۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ دل لگا کر محنت کریں اور اپنی بستی کو جنت کا نمونہ بنا دیں۔ ان کی محنت کا پھل اب خود انھی کو ملے گا۔

کرال کو میری یہ بات پسند نہیں آئی کہ میں ایک عام کسان کی حیثیت میں کام کروں گا۔ اس نے دبے لفظوں میں مجھ سے کہا کہ یہ بات ایک سردار کے لیے اور ایک دیوتا کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ خود کام کرے جبکہ اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔ لیکن کرال کھل کر میری مخالفت نہیں کر سکا۔ جب میں نے اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی تو وہ یہی کہہ کر خاموش ہو گیا کہ "عظیم شاہ ایلا خود جانتا ہے کہ اسے کیا کرنا ہے۔"

گبورہ موقع پا کر تنہائی میں مجھ سے ملنے آئی اور اس نے میرے قدموں میں سر رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ میں نے اسے اٹھایا۔

"میں معافی چاہتی ہوں عظیم شاہ ایلا۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔ "مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تو دیوتا ہے۔ عظیم شاہ ایلا ہے۔ میں تو تمھیں ایک حسین اور دلکش شخصیت کا حامل مرد سمجھتی تھی۔"

"لیکن اب میں اپنی غلطی پر پشیمان ہوں۔ مجھے کہاں عظیم شاہ ایلا، جو لامحدود قوتوں کا مالک ہے، جو سبھی اچھائیوں کا پیکر ہے اور کہاں میں ایک معمولی سی گنہگار عورت! مجھے معاف کر دو عظیم شاہ ایلا۔ لیکن مجھے اس کی اجازت دو کہ میں اپنی بقیہ زندگی تمھاری اور تو گرائش کی خدمت کرتے ہوئے گزار دوں۔ میں اسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا انعام سمجھوں گی۔"

"جب تک تو یہاں رہ سکتی ہے گبورہ، تب تک نے نرمی سے اس سے کہا۔ "میری طرف سے تمھارے اوپر کوئی پابندی نہیں ہے۔ جہاں تک معافی کا تعلق ہے تو مجھے یقین ہے کہ اسے اس میں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اور اگر وہ کچھ کہے گی تو میں اسے سمجھا دوں گا۔"

لیکن تو گرائش نے گبورہ کی موجودگی پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ گبورہ ایک خادمہ کی طرح ہم لوگوں کے ساتھ رہنے لگی۔ وہ تو گرائش کے آرام کا خاص خیال رکھتی اور اس کی بہت خدمت کرتی۔ تو گرائش گبورہ سے بہت خوش تھی۔

میں خود بھی بہت مطمئن تھا۔ پروفیسر اور زندگی بڑے پرسکون انداز میں بسر ہو رہی تھی۔ ایک سال کی مدت کے اندر اندر بستی کی حالت بدل گئی تھی۔ کسانوں کی بے لوث اور جان توڑ محنت کے نتیجے میں زمین سونا اگل رہی تھی۔ بستی کے کھلیان ہر قسم کے غلے سے بھرے پڑے تھے۔ پھلوں، سبزیوں اور میووں کی فراوانی تھی۔ مویشیوں کی ریل پیل تھی اور دودھ کی ندیاں بہتی تھیں۔ میں خود بھی عام کسانوں کے ساتھ مل کر محنت کرتا اور صحیح معنوں میں زندگی کا لطف اٹھاتا۔ وہ لوگ مجھ سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ مجھے پوجتے تھے اور پھر بھی مجھے اپنے آپ میں سے ایک سمجھتے تھے۔ ان لوگوں کی پرستش اور عقیدت میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھی کیونکہ ان کے ساتھ میرا تعارف ہی اس حیثیت سے ہوا تھا۔ انھوں نے مجھے ایک دیوتا کی حیثیت سے پہچانا تھا۔

مجھے اور تو گرائش کو اس بستی میں رہتے ہوئے دو سال کی مدت گزر گئی۔ اس مدت کے دوران اب پوری بستی میں کوئی کچا یا نیم پختہ مکان موجود نہیں رہا تھا۔ سارے پرانے جھونپڑے منہدم کر دیے گئے تھے اور ان کی جگہ نئے خوبصورت اور پختہ مکانوں نے لے لی تھی۔ لوگوں کی صحت بہت اچھی نظر آ رہی تھی۔ ان کے جسموں پر اچھے لباس تھے۔ ان کے چہروں سے خوشی ٹپک رہی تھی۔ بستی میں ہر طرف خوشحالی کا دور دورہ تھا۔

بستی کے تمول اور خوشحالی کی خبریں دور دور کے علاقوں تک پھیل گئی تھیں۔ جگہ جگہ سے تاجر اور سوداگر آتے تھے اور اناج، میوے اور دستکاری کی گئی ہوئی حسین و نفیس اشیا یہاں سے خرید کر لے جاتے۔ اس بستی کے فن کار نقاشی کے فن میں طاق تھے۔ وہ دھات کے ظروف اور لکڑی کی اشیا پر نہایت عمدہ نقاشی کرتے تھے۔ ان کے فن کی شہرت اب دور دور تک پھیلتی جا رہی تھی۔

خوشی اور خوشحالی کے یہ دو سال پلک جھپکتے میں گزر گئے۔ ان دو برسوں کے دوران کرال کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ میں نے نوشیرو کو اپنا منشیر مقرر کر دیا۔ جس کا شمار بستی کے منتخب و دانشمند میں ہوتا تھا۔ کرشا سا کی چاروں بیویوں ایک ایک کر کے میرے مکان سے چلی گئیں اور انھوں نے دوسرے مردوں کے ساتھ شادیاں کر لیں۔ لیکن گبورہ ہمارے ساتھ ہی رہتی تھی۔ اس نے نہ تو دوسری شادی کی اور نہ وہ اس گھر سے گئی۔ وہ جب بھی مجھے تنہائی میں ملتی، یہی کہتی کہ وہ اپنے گناہ کا کفارہ ادا کر رہی ہے۔ اور میں اس کی اس بات سے بہت خوش تھا۔ پروفیسر، اس نے میرے اور تو گرائش کے درمیان آنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ شاید

بقیہ عقیدت، احترام اور پرستش کے گہرے جذبے کے باعث وہ اس قسم کی بات سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ میری اور تو گرائش کی خدمت کر کے اسے روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ ویسے وہ زیادہ تر خدمت تو گرائش کی ہی کرتی تھی کیونکہ میں تو سارا دن گھر سے باہر رہتا تھا۔ میں عام کسانوں کی طرح زمین پر کام کیا کرتا تھا لیکن اب تو گرائش کو اس بات کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ میری حفاظت کی غرض سے میرے قریب رہے۔ اب بھلا کسی خطرے کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا! تو گرائش اطمینان سے گھر میں رہتی۔ البتہ دوپہر کا کھانا میرے لیے لے کر وہ خود آتی تھی اور ہم دونوں دوسرے کسانوں اور ان کی عورتوں کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے تھے۔

کھیتوں میں ہل چلا کر ان کی مکمل طور پر صفائی کی جا چکی تھی۔ نئی فصل کی تیاریوں کا وقت آ گیا تھا۔ چند دن کے اندر اندر سارے کھیتوں کی گڑائی ہو گئی اور بیج ڈالنے کا کام شروع ہو گیا۔ سارے لوگوں کو امید تھی کہ گزشتہ سال کی طرح اس سال بھی فصل بہت اچھی ہوگی کیونکہ اس سال پچھلے سال سے زیادہ سخت محنت کی جا رہی تھی۔ نیز سارا کام ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت منظم طور پر کیا جا رہا تھا۔ سارے کھیتوں میں بیج ڈال دیے گئے اور پانی چھوڑ دیا گیا۔ چند روز بعد کھیتوں میں چھوٹے چھوٹے کلے نکل آئے۔ پانی بہت عمدہ تھا اور کھیتوں میں کھاد بھی خوب ڈالی گئی تھی، اس لیے کلے بہت توانا تھے اور تعداد میں بھی بہت زیادہ تھے۔ کلوں کو دیکھ کر کسان بہت خوش تھے۔ بہت ہی کم بیج ضائع ہوئے تھے۔ ننھے پودوں کو تھوڑا تھوڑا پانی مل رہا تھا جو زیادہ تر گاؤں میں کھیتوں کے کنارے کھدے ہوئے کنوؤں سے حاصل ہوتا تھا۔ گاؤں کے قریب ایک چھوٹی سی خوبصورت ندی بھی موجود تھی جس کا پانی آئینے کی طرح صاف و شفاف اور ٹھنڈا تھا۔ اس ندی کے کنارے عورتوں اور مردوں کے نہانے کے لیے الگ الگ گھاٹ بنے ہوئے تھے۔

کوئی دو ہفتے کی مدت میں کھیتوں میں اگے ہوئے کلے اچھے خاصے لمبے ہو گئے اور کھیتوں میں دور دور تک سبزہ ہی سبزہ نظر آنے لگا۔ اب آئندہ ایک دو ہفتے میں بارش شروع ہونے والی تھی اور پھر اس کے بعد یہ ننھے کلے بڑے بڑے پودوں کی شکل اختیار کر لیتے اور ان میں اناج کی بالیاں جھومنے لگتیں۔ کسانوں نے اپنا کام ختم کر دیا تھا۔ صرف کنوؤں سے تھوڑا تھوڑا پانی کھیتوں میں دیا جا رہا تھا۔ اب قدرت کو اپنا کام کرنا تھا۔ بارش ہونے والی تھی۔

تین ہفتے گزر گئے۔ اس مدت کے دوران کسان کھیتوں کو کنوؤں کے ذریعے تھوڑا بہت سیراب کرتے رہے، لیکن بارش کے بغیر فصل نہیں تیار ہو سکتی تھی۔ رات دن سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ در و دیوار تپ رہے تھے، خشک ہوا میں جگہ جگہ سے چیخ رہی تھی اور بارش کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ کھیتوں میں اگے ہوئے ننھے پودے کمزور ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ان کی پتیاں آہستہ آہستہ مرجھانے لگیں اور بارش کے بغیر ان کا مرجھانا یقینی تھا۔ سورج سارا دن آگ کے شعلے کی طرح دہکتا رہتا۔ لوگوں کے جسموں سے پسینے کی دھاریں پھوٹا کرتیں۔ آسمان کسی ویران اور بنجر میدان کی طرح صاف اور بے آب و گیاہ نظر آتا۔ بادلوں کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی اپنی جھلک نہ دکھاتا۔

شروع کے دنوں میں تو بستی کے باشندے اسی انتظار میں رہے کہ صبح یا شام بارش ہونے والی ہے، لیکن جب دن پر دن گزرتے رہے اور آسمان سے بارش کے بجائے سورج کی تیز کرنوں کی شکل میں آتشیں برچھیاں برستی رہیں تو لوگوں کو تشویش لاحق ہونی شروع ہوئی۔ اگر آگے چند روز میں بارش نہ ہوئی تو فصلوں کا تباہ ہو جانا یقینی نظر آ رہا تھا۔ میں خود بھی اس صورت حال سے کافی پریشان ہو گیا تھا۔ مجھے اپنی دو سالہ محنت اور منصوبہ بندی خاک میں ملتی نظر آتی تھی۔

اس دن صبح بستی کے سارے لوگ میرے گھر کے دروازے کے آگے جمع ہو گئے۔ میرے منشیر نوشیرو نے مجھے اطلاع دی کہ لوگ مجھ سے کوئی درخواست کرنا چاہتے ہیں۔ میں گھر سے باہر نکلا۔ بستی کے دو بوڑھے آگے آئے اور انھوں نے میرے سامنے جھک کر کہا: "عظیم شاہ ایلا کا اقبال بلند ہو! ہم تم سے یہ کہنے کے لیے آئے ہیں کہ تم ہماری جانب سے بوتارکو جو ارض کا دیوتا ہے یہ پیغام پہنچا دو کہ اگر اس نے ارض نہیں بھیجی تو ہماری فصلیں تباہ و برباد ہو جائیں گی۔ ہم لوگ بھوکے مر جائیں گے۔ بوتا کو ہماری حالت پر رحم کرے اور جلدی سے بارش بھیج دے۔"

ان کی اس عجیب و غریب درخواست نے مجھے چکر میں ڈال دیا تاہم مجھے ان سے یہ وعدہ کرتے ہی بن پڑا کہ میں بوتا کو ان کا پیغام پہنچا دوں گا اور خود بھی بوتا کرنے کہوں گا کہ وہ جلدی سے بارش بھیج دے۔

لیکن ایک مہینہ پورا گزر گیا اور بوتا کرنے بارش نہیں بھیجی۔ تیز دھوپ اور جھلسا دینے والی گرمی نے سارے ننھے پودوں کو خشک کر دیا۔ کھیتوں میں ان کے سوکھے ہوئے ڈنٹھلوں کے علاوہ اور کچھ باقی نہیں بچا۔ پیاسی زمین کی زبان بالکل سوکھ کر جگہ جگہ سے چٹخ گئی۔ لوگ سارا دن کھیتوں کی منڈیروں پر بیٹھے ہوئے خالی آسمان کو تکا کرتے جہاں بے رحم و آتشیں ستاروں کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ میں خود بھی ان ہی لوگوں میں شامل تھا۔

برسات کا پورا موسم گزر گیا اور آسمان سے پانی کی ایک بوند بھی نہیں گری۔ کنوؤں میں پانی کم ہو گیا۔ چھوٹے چھوٹے تالاب اور جوہڑ خشک ہو گئے۔ ندی میں پانی بہت ہی کم رہ گیا۔ وہ آدھی سے زیادہ سوکھ چکی تھی۔ چراگاہیں ویران ہو گئیں۔ سبزے سے خالی زمین پر بھوکے مویشی ٹکریں مارتے پھرتے تھے۔ لوگوں کے چہروں سے خوشی رخصت ہو چکی تھی۔ اب فضاؤں میں گھنگھرو بجنے اور رقص و سرود کی رنگین محفلیں برپا ہوتیں جو اس بستی کا طرۂ امتیاز تھیں اور جن میں میں خود بھی بڑے ذوق و شوق سے حصہ لیتا تھا۔

میں نے اور نوشیرو نے گاؤں کے سربرآوردہ لوگوں کے ساتھ مل کر غلے کے گوداموں کا جائزہ لیا۔ ابھی ہمارے پاس اتنا غلہ موجود تھا جسے احتیاط کے ساتھ استعمال کیا جاتا تو وہ پوری بستی کے لیے اگلی فصل تک

Scanned by aazzamm@UrduTeam.com

aazzamm@yahoo.com

کے لیے کافی ہو سکتا تھا۔ میں نے نوڑے اور گاؤں کے سربرآوردہ لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر ایک جامع منصوبہ تیار کیا۔ بستی کے سارے گھروں اور ہر گھر کے سارے افراد کی فہرستیں تیار کی گئیں اور ہر گھر کو دیے جانے والے غلے کی مقدار کا تعین کیا گیا۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ غلہ ہر ہفتے دیا جائے گا۔

میں ان انتظامات سے خاصا مطمئن تھا اور مجھے امید تھی کہ غلے کی موجودہ مقدار اگلی فصل تک کے لیے کافی ہو جائے گی۔ لیکن ایک سوال برابر میرے ذہن کو پریشان کیے جا رہا تھا اور وہ یہ کہ اگر اگلے سال بھی بارش نہیں ہوتی تو؟ میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ بستی کے بزرگ کئی بار میرے پاس آئے اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ بوتاکر کو کسی طرح راضی کروں کہ وہ بارش بھیج دے۔ میں نے انھیں ٹالنے کے لیے یہ کہا کہ بوتاکر میرا بابند نہیں ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ جب اس کی مرضی ہو گی تب وہ بارش بھیجے گا۔

آہستہ آہستہ گرمی کی شدت میں کمی ہونے لگی۔ خشک اور جان لیوا موسم گرما کا اختتام قریب آگیا۔ دن چھوٹے ہونے لگے اور راتیں لمبی ہونے لگیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے جاڑے کے موسم نے ہر طرف اپنے جھنڈے گاڑ دیے۔ بستی پر ہر طرف ویرانی برسنے لگی۔ شام ہونے سے پہلے ہی پہلے تمام گھروں کے دروازے بند ہو جاتے اور ہر طرف موت کا سناٹا طاری ہو جاتا۔ مویشیوں کے بولنے کی آوازیں بھی بہت کم سنائی دیتیں کیونکہ گھاس چارے اور پانی کی کمی کے سبب ان کی بڑی تعداد ہلاک ہو چکی تھی۔ بستی کے غلے کے گودام بڑی تیزی سے خالی ہو رہے تھے۔

سردیوں کا موسم بھی بالکل خشک گزرا۔ اس سے پہلے یہاں موسم سرما میں بھی اچھی خاصی بارش ہو جاتی تھی لیکن اس بار آسمان سے ایک بوند بھی نہیں گری۔ البتہ رات کو گرنے والی اوس کے سبب زمین میں خاصی نمی پیدا ہو گئی اور اس کی خشکی ختم ہو گئی۔

کسی نہ کسی طرح بستی والوں نے جاڑے کا موسم گزارا اور موسم بہار کی آمد آمد ہوئی۔ کسان اپنے ہل بیل لے کر ایک بار پھر کھیتوں کی طرف چل پڑے۔ سوکھی ہوئی زمین میں مشکل سے ہل چلا کر اسے صاف کیا گیا۔ جھاڑ جھنکاڑ نکال کر باہر پھینکے گئے اور ایک بار پھر بیج بو دیے گئے۔ کنوؤں کا بچا کھچا پانی کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔

ایک ہفتے کے بعد کھیتوں میں ہرے ہرے پھوٹنے خروج ہو گئے۔ لیکن پچھلے سال کے مقابلے میں ان کی تعداد بھی کم تھی اور وہ زیادہ صحت مند بھی نہیں تھے۔ گاؤں والوں کے دل مایوسی میں ڈوب گئے۔ پچھلی خشک سالی نے زمین کی ساری نمی چوس لی تھی اور اس مرتبہ فصل صرف اسی صورت میں اچھی ہو سکتی تھی جب بہت زیادہ بارشیں ہوں۔ اور کون کہہ سکتا تھا کہ اس سال موسم کا مزاج کیسا رہے گا؟

برسات کا موسم شروع ہو گیا۔ اور دن تیزی سے گزرنے لگے۔ آسمان مسلسل قہر برسا رہا تھا۔ دور دور تک کوئی بادل کا ٹکڑا نظر نہیں آتا تھا۔ مایوسی کے عالم میں لوگوں کے دل بیٹھے جا رہے تھے۔ انھیں ایسا لگ رہا تھا کہ اس سال بھی بارش کا دیوتا ان پر مہربان نہیں ہو گا۔ کھیتوں میں اگنے والے ننھے پودے پانی کے بغیر ایک بار پھر مرجھانا شروع ہو گئے تھے۔

گاؤں کے بزرگوں کا ایک وفد میرے پاس آیا جس کی قیادت ایک بوڑھا کسان کر رہا تھا۔

"عظیم شادیلا کا اقبال بلند ہو۔" اس نے میرے سامنے جھک کر کہا۔ "عظیم شادیلا ہمیں اجازت دو کہ ہم بوتاکر کے حضور خصوصی نذرانہ پیش کریں۔ بوتاکر ہم لوگوں سے ناراض ہو گیا ہے اسی لیے اس نے پچھلے سال بھی بارش نہیں بھیجی اور اس سال بھی وہ بارش بھیجنے پر آمادہ نظر نہیں آتا۔ اس کو منانے کا بس ایک ہی طریقہ ہے، اور وہ یہ کہ اس کے حضور خصوصی قربانی پیش کی جائے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آج سے پندرہ سال پہلے بھی بوتاکر ہم سے اسی طرح ناراض ہو گیا تھا۔ اس نے دو سال تک بارش نہیں بھیجی۔ بستی والے قحط کا شکار ہو گئے۔ سارے مویشی مر گئے۔ لوگ جنگل کے پتے اور جنگلی پھل پھول کھا کھا کر اپنا پیٹ بھر رہے تھے اور تب گاؤں کے بڑے پروہت کے حکم پر بوتاکر کو نذرانہ پیش کیا گیا اور اس کے چند ہی روز کے بعد اس قدر شدید بارش ہوئی کہ ایک ہفتے تک سورج کی شکل ہی نظر نہیں آئی۔"

"تم نے بوتاکر کے حضور کیا نذرانہ پیش کیا تھا؟" میں نے اس بوڑھے سے پوچھا۔

"دو کنواری لڑکیوں کا خون۔" بوڑھے نے اطمینان سے جواب دیا۔ "بوتاکر کو راضی کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے لیے دو ایسی کنواری لڑکیوں کو قربان کر دیا جائے جو ایسے دن پیدا ہوئی ہوں جس دن بارش ہو رہی ہو۔ بوتاکر اس قربانی کو قبول کر لیتا ہے اور بارش بھیج دیتا ہے۔ اس وقت بھی گاؤں میں ایسی دو کنواری لڑکیاں موجود تھیں جو بارش کے دن پیدا ہوئی تھیں۔ ان کے والدین سے بات کر لی ہے اور انھوں نے اس بات کی اجازت دے دی ہے۔ لیکن اب ہمیں تمھاری اجازت درکار ہے کیونکہ اس کے بغیر ہم یہ کام نہیں کر سکتے۔"

"لیکن میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔" میری زبان سے اچانک نکل گیا۔ بوڑھا اور اس کے دوسرے ساتھی حیرت سے میری شکل دیکھنے لگے۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ میں بوتاکر کو راضی کرنے کی ایک بار پھر کوشش کروں گا۔" میں نے سنبھل کر کہا۔ "ہو سکتا ہے وہ میری بات مان جائے اور ان لڑکیوں کی جان لینے کی ضرورت نہ پڑے۔"

"بوتاکر نے پچھلے سال بھی تمھاری بات نہیں مانی تھی۔" بوڑھے نے اضطراری سے کہا۔ "اس سال بھی کوئی امید نہیں ہے کہ وہ تمھاری بات مانے۔ وہ ضرور ہم لوگوں سے ناراض ہو گیا ہے اور اس وقت تک بارش نہیں بھیجے گا جب تک کہ اس کے حضور قربانی پیش نہیں کی جائے گی۔ ہمیں اس کی اجازت دے دو عظیم شادیلا۔"

"میں تمھیں ابھی اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔" میں نے ذرا دیر کے لیے میں کہا۔ "اس گاؤں میں بسنے والے ہر انسان کا خون بہت قیمتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے اس طرح آسانی سے بہا دیا جائے۔"

"لیکن یہ خون بے کار نہیں بہایا جائے گا عظیم شادیلا!" بوڑھا بولا۔ "یہ ایک نیک مقصد کے لیے بہایا جائے گا۔"

"بہرحال تمھیں میری اجازت کے لیے انتظار کرنا پڑے گا۔" میں نے فیصلہ سنا کر وفد کو رخصت کر دیا۔ وہ لوگ مایوس ہو کر چلے گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد میں شدید ذہنی الجھن کا شکار ہو گیا۔ بھلا ممکن تھا کہ میں ایک فضول اور بیہودہ سی رسم کی خاطر گاؤں کے نوجوان اور معصوم لڑکیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کی اجازت دے دیتا۔ لیکن اگر میں ایسا نہ کروں تو پھر کیا کروں؟ بارش لانا میرے اختیار میں نہیں تھا اور اس مرتبہ کی خشک سالی کا مطلب تھا مکمل تباہی۔ اگر میں ان لڑکیوں کی قربانی کی اجازت دے بھی دیتا تو بھی ظاہر ہے کہ بارش کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

رات کو نوڑے میرے پاس آیا۔ وہ خاصا پریشان نظر آ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بستی کے لوگوں نے اس بات کو بالکل پسند نہیں کیا ہے کہ میں نے ان لڑکیوں کی قربانی دینے سے روک دیا ہے۔ ان لوگوں کو یقین ہے کہ قربانی کے بغیر بوتاکر دیوتا کو راضی نہیں کر سکیں گے اور وہ بارش نہیں بھیجے گا۔ وہ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ شادیلا میں خود اتنی قوت نہیں ہے کہ بوتاکر کو بارش بھیجنے پر مجبور کر سکے۔ اور اگر شادیلا خود بوتاکر کو راضی نہیں کر پاتا تو پھر اسے اس بات کا حق حاصل نہیں ہے کہ وہ بستی والوں کو قربانی سے روک دے۔ نوڑے نے بتایا کہ بستی کے بعض لوگ جن کا تعلق کرشاسا کے خاندانوں سے ہے اور جو دل ہی دل میں مجھے شروع سے ناپسند کرتے رہے ہیں، اس موقع سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور میرے خلاف لوگوں کے کان بھر رہے ہیں۔ وہ لوگوں سے یہ کہتے پھر رہے ہیں کہ بوتاکر صرف میری وجہ سے بستی والوں سے ناراض ہو گیا ہے اور میں بستی والوں کو بھوکا مار دینا چاہتا ہوں۔ بستی کے لوگ ان کی باتوں پر توجہ سے سن رہے تھے۔

مجھے یہ سب کچھ سن کر سخت حیرت ہوئی۔ میں نے اس بستی والوں کے لیے جو کچھ کیا تھا، اس کے لیے انھیں میرا شکر گزار ہونا چاہیے تھا، اور وہ لوگ بھی، لیکن اب اچانک ان کی نگاہیں بدلنی شروع ہو گئی تھیں۔ میں ان کا پیٹ بھرنے کا سامان نہیں کر پا رہا تھا، اس لیے وہ مجھ سے ناراض تھے۔

دوسرے دن صبح بستی کے سارے لوگ میرے گھر کے دروازے کے سامنے جمع ہو گئے۔ وہ زور زور سے بول رہے تھے اور شور مچا رہے تھے، جو کہ اس سے پہلے انھوں نے کبھی ایسا نہیں کیا تھا۔ وہ جب کبھی بھی آتے تھے تو نظم و ضبط اور آداب و احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے لیکن اس بار ان کے تیور خاصے بدلے ہوئے تھے۔

جیسے ہی میں باہر نکل کر ان کے سامنے آیا، وہ چلانے لگے۔ "ہمیں قربانی کی اجازت دو شادیلا، ہمیں اجازت دو شادیلا۔ ہم بھوکے نہیں مرنا چاہتے۔ ہمیں پانی چاہیے۔ ہمیں بارش چاہیے۔ ہم بوتاکر کو منائیں گے۔"

میں اگر ان لوگوں سے یہ کہتا کہ بوتاکر کوئی چیز نہیں ہے اور بارش کا ہونا یا نہ ہونا قضا و قدر کی قوتوں کے ہاتھ میں ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ میں عجیب سی صورت حال میں گھر گیا تھا۔ میں ان دو معصوم اور بے گناہ لڑکیوں کی زندگی بھی بچانا چاہتا تھا اور بستی والوں کو خوش بھی رکھنا چاہتا تھا۔ بظاہر یک وقت یہ دونوں باتیں ناممکن نظر آتی تھیں۔

میں نے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو خاموش کیا۔ میں دل ہی دل میں فیصلہ کر چکا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔

"سنو لوگو!" میں نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمھیں کنواری لڑکیوں کی قربانی پیش کرنے کی اجازت ضرور دوں گا لیکن ابھی نہیں۔ تمھیں اس کے لیے کم از کم دس دن تک مزید انتظار کرنا پڑے گا۔ اس عرصے کے دوران میں بوتاکر کو راضی کرنے کی کوشش کروں گا کہ وہ بارش بھیج دے۔ مجھے یقین ہے کہ اس بار بوتاکر ضرور راضی ہو جائے گا۔ اگر وہ میرے کہنے سے راضی نہیں ہوا تو پھر تم بے شک قربانی پیش کر کے اسے راضی کر لینا۔ اس وقت میں تمھیں اس کی اجازت دے دوں گا۔"

میری اس بات کا لوگوں پر خاطر خواہ اثر ہوا اور وہ وہاں سے چلے گئے۔ انھیں اطمینان ہو گیا تھا کہ اگر بوتاکر نے میری بات نہیں مانی تو وہ قربانی کے ذریعے اسے راضی کر لیں گے۔

لوگوں کے چلے جانے کے بعد میں سخت شش و پنج میں مبتلا ہو گیا۔ میں نے تو محض لوگوں کو ٹالنے کے لیے دس دن کی بات کی تھی۔ اس امید میں کہ شاید اس دوران بارش ہو جائے اور بستی کی دو بے گناہ لڑکیاں قتل ہونے سے بچ جائیں۔ تو گراش مجھے فکر مند دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ میں نے اسے صاف صاف بتا دیا کہ بارش برسانا میرے قبضۂ قدرت سے باہر ہے۔ اور میں اس سلسلے میں گاؤں والوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میں نے اس سے یہ بھی کہا کہ گاؤں والے بلاوجہ دو معصوم انسانی جانوں کا خون کرنا چاہتے ہیں، جبکہ اس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

میں ابھی تو گراش سے باتیں کر ہی رہا تھا کہ گبودہ آگئی۔ اس نے بتایا کہ بستی میں چند لوگ میرے خلاف رات دن سازشوں میں مصروف ہیں۔ ان لوگوں کا تعلق کرشاسا کے ان کارندوں کے خاندانوں سے ہے جنھیں لوگوں نے ہلاک کر دیا تھا۔ یہ لوگ بستی میں یہ افواہیں پھیلا رہے ہیں کہ دوسرے دیوتا مجھ سے ناراض ہیں اور اسی لیے انھوں نے بستی کی طرف سے نظریں پھیر لی ہیں اور خود مجھ میں اتنی قوت موجود نہیں ہے کہ میں روٹھے ہوئے دیوتاؤں کو منا سکوں۔ یہ لوگ بستی کے باشندوں کو اس بات پر اکسا رہے ہیں کہ وہ مجھے یہاں سے چلے جانے کے لیے کہیں کیونکہ میری وجہ سے ساری بستی عذاب کا شکار ہو رہی ہے۔ گبودہ نے مجھے ان

Scanned by Aazam Urdu Forum.com

aazzamm@yahoo.com

لوگوں کے نام بھی بتا دیے جو یہ سارے کام کر رہے تھے۔ میں چاہتا تو انھیں روک سکتا تھا لیکن میں نے اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی اور یہی طے کیا کہ اگر حالات میرے لیے زیادہ ناموافق ہو گئے تو میں تو گراش کو لے کر کہیں اور نکل جاؤں گا۔ ویسے بھی خشک سالی کے اس دور میں میں بستی والوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ بھوک اور قحط کے متوقع حملے کو روکنا میرے لیے کیا کسی کے بھی بس کی بات نہیں تھی۔

میں دن بھر ادھر ادھر گھوم کر وقت گزارتا رہتا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس آسمانی مصیبت کا کس طرح مقابلہ کیا جائے۔ قحط سالی سے نمٹنے کا انسان کے پاس کوئی طریقہ موجود نہیں تھا۔ بارش کا کوئی نعم البدل موجود نہیں تھا اور پروفیسر سچ تو یہ ہے کہ آج بھی، تمھاری سائنس اور ٹکنالوجی کی اس ترقی یافتہ دنیا میں بھی بارش کا کوئی نعم البدل موجود نہیں ہے۔ بہرحال میں خود کو بے بس اور مجبور پا رہا تھا اور سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ بستی کے لوگوں کی نظروں میں اب میرے لیے وہ بات نہیں رہی تھی جو پہلے تھی، ان کی نگاہوں میں میرے لیے بیگانگی نظر آتی تھی۔ وہ میری جانب اجنبیت اور لاتعلقی کا رویہ اختیار کرتے جا رہے تھے، بلکہ بہت سے لوگوں کی نظروں میں تو میں نے اپنے لیے ناپسندیدگی کے جذبات دیکھے۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ اگر دس دن کے اندر اندر بارش نہیں ہوئی تو پھر مجھے یہاں سے چلا جانا ہوگا، کیونکہ میں ایک ناپسندیدہ شخصیت بن کر نہیں رہنا چاہتا تھا۔

آٹھ دن صاف گزر گئے اور اس دوران آسمان پر بادل کا ایک چھوٹا سا بھی ٹکڑا نمودار نہیں ہوا۔ میری طبیعت سخت مکدر ہو گئی اور میں نے تو گراش کو بتا دیا کہ وہ اب یہاں سے چلنے کے لیے تیار ہو جائے۔ دو دن کے بعد مجھے بستی چھوڑ دینی تھی۔

گبودہ نے مجھے بتایا کہ میرے منشیر نوشے سمیت گاؤں کے سربرآوردہ لوگوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ اگر مزید دو روز تک بارش نہیں ہوئی تو پھر تو وہ میری ہدایت کا انتظار کریں گے اور نہ مجھ سے اجازت طلب کریں گے بلکہ اپنے طور پر دو کنواری لڑکیوں کی قربانی دے کر بوتاکر کو راضی کر لیں گے۔ میں نے اپنے دل میں یہ طے کر لیا کہ اگر یہ لوگ قربانی دینا ہی چاہتے ہیں تو میں انھیں منع نہیں کروں گا بلکہ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دوں گا اور یہاں سے چل دوں گا۔ اس بستی کے لوگوں نے میری قوت کو یہ کہہ کر ختم تو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ میں آگ میں سے زندہ نکل آیا تھا، اس لیے وہ مجھے دیوتا تو مانتے تھے، لیکن بارش کے سلسلے میں ان کی مدد نہ کر سکنے کے سبب وہ مجھ سے بدظن ہو گئے تھے۔

گبودہ کو جب یہ بتایا کہ میں اور تو گراش دو دن کے بعد یہاں سے جانے کا منصوبہ بنا رہے ہیں تو وہ بہت دل گرفتہ ہوئی اور اس نے مجھ سے اور تو گراش سے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر ہم لوگ اسے اپنے ساتھ نہیں لے گئے تو وہ خود کو ہلاک کر ڈالے گی۔ ہم دونوں نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ نہیں مانی اور اپنی بات پر اڑی رہی۔ میں اپنی بقیہ زندگی عظیم شاہ دیا اور اس کی قابل احترام بیوی کی خدمت میں ہی گزارنا چاہتی ہوں، وہ بار بار کہتی۔ میں سخت مشکل میں گرفتار ہو گیا۔ جہاں تک دل کا تعلق تھا تو اسے ساتھ لے جانا تو میری محبوب تمنا تھی کیونکہ وہ میری ہمدرد تھی لیکن اب گبودہ کو بھی ساتھ لے جانے کا مطلب یہ تھا کہ میری نقل و حرکت بعد میں گرمیوں کا دائرہ بہت ہی محدود ہو کر رہ جائے گا۔ مجھے ہر قدم پر دو دن انسانی جانوں کی سلامتی کے بارے میں سوچنا پڑے گا اور اپنی ضروریات کا خیال رکھنا ہوگا۔ میں ذہنی طور پر اس جھمیلے کے لیے تیار نہیں تھا، لیکن اس سے فرار کا کوئی راستہ بھی مجھے نظر نہیں آ رہا تھا۔

سوکھے، بے رحم اور تپتے ہوئے دو دن مزید گزر گئے۔ دو دن میں تقریباً ساری ہی بستی کے مرد، عورتیں اور بچے اپنے اپنے گھروں سے باہر گلیوں میں اور کھیتوں کی منڈیروں پر جا بیٹھے اور سلگتے ہوئے آسمان کو تکتے رہے۔ ان کی آنکھوں میں جلن ہونے لگی اور زبانیں سوکھ کر کانٹا ہو گئیں۔ چہرے لال بھبھوکا ہو گئے اور جسم پسینے سے تر ہو گئے۔ دوپہر کو سورج نے اپنا واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ آسمان بالکل صاف رہا۔ رات شام ہو گئی، اداس اور پھیکی شام، جو کسی سیاہ ماتمی چادر کی طرح آہستہ آہستہ زمین پر پھیلتی گئی۔

میں گبودہ اور تو گراش کے ساتھ اپنے مکان کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور بے رحم آسمان کو تک رہا تھا۔ جب سیاہی پھیلنے لگی تو میں نیچے اتر آیا۔ میرے مکان میں اس وقت ہم تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ باقی تمام لوگ بستی کے وسیع میدان میں چلے گئے تھے جہاں دو کنواری لڑکیوں کی قربانی دینے کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد میں بھی باہر چلی گئی اور گھر میں میں اور تو گراش اکیلے رہ گئے۔ تو گراش اپنی موٹی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے چند جوڑے، کچھ جوتے اور روزمرہ استعمال کی کچھ چھوٹی موٹی اشیا ایک بڑے سے تھیلے میں ڈال لی تھیں۔ ساتھ لے جانے کے لیے کھانا تیار کرنا گبودہ کا کام تھا اور وہ باہر سے واپس آ کر یہ کام کرنے والی تھی۔ میں نے تین عدد گھوڑوں کا انتخاب پہلے ہی کر لیا تھا۔ ہمیں کل صبح ہونے سے پہلے یہ بستی چھوڑ دینی تھی۔ اور سورج طلوع ہونے تک اتنی دور چلا جانا تھا کہ ہمارے پیچھے آنے والے ہمارا نشان نہ پا سکیں۔ ویسے مجھے توقع تھی کہ ہماری تلاش میں آنے کی کوشش نہیں کرے گا، کیونکہ میری بابت لوگوں کی دلچسپی تقریباً ختم ہو گئی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد گبودہ واپس آ گئی۔ اس نے بتایا کہ قربانی کر لی گئی ہے جو لکڑی کے ایک چھوٹے سے چبوترے کی شکل میں ہے۔ اس چبوترے پر باری باری دونوں لڑکیوں کو لٹایا جائے گا اور گردن کے ایک ہی وار سے ان کے سر الگ کر دیے جائیں گے۔ ان کے چبوترے پر پینے والے خون کو بڑے بڑے برتنوں میں جمع کیا جائے گا اور پھر اسے کھلے آسمان کے نیچے ندی کے کنارے رکھ دیا جائے گا جہاں تین آدھی رات کے بعد بوتاکر آئے گا اور اس خون کو پی کر خوش ہو جائے گا۔

پانی بھیج دے گا۔

میں گبودہ کی باتیں سن کر خاموش ہو گیا۔ مجھے ان دو لڑکیوں کے قتل کا افسوس تو ضرور تھا لیکن میں اس معاملے میں کوئی مداخلت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے گبودہ کو ہدایت دی کہ وہ جلد از جلد کھانا وغیرہ تیار کرے تاکہ اس کے بعد آرام کرے، تاکہ ہم رات کے پچھلے پہر روانہ ہو سکیں۔

گبودہ اپنے کام میں لگ گئی اور میں تو گراش سے باتیں کرنے لگا۔ میں نے اسے بتایا کہ قحط سالی کا شکار صرف ہماری ہی بستی نہیں ہے، بلکہ یہاں کے تمام علاقے اس کی زد میں ہیں، کیونکہ کئی دور دراز کے علاقے کے لوگ اپنی بھیڑ میرے پاس آئے تھے اور انھوں نے اپنے اپنے علاقوں کے لیے میری خیرخواہی کی خواہش ظاہر کی تھی۔ وہ سب ایک دوسرے سے بڑھ کر رقم دینے کے لیے تیار تھے، لیکن میں نے ان کو بتا دیا کہ ہمارے پاس خود اپنی ضروریات کے لیے بھی غلہ کافی نہیں ہے۔ اس لیے بیچنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو گراش کے خیال میں لاتاکی بستی بھی قحط سالی کا شکار ہوگی اور وہ اپنے بابا اندیشک کے بارے میں دیر تک باتیں کرتی رہی۔

اچانک زور زور سے ڈھول پیٹنے اور ایک ہنگم سا گیت گانے کی آوازیں دور سے سنائی دینے لگیں۔ گبودہ، جو باورچی خانے میں مصروف تھی، بھاگتی ہوئی آئی اور اس نے ہمیں بتایا کہ اب قربانی شروع ہونے والی ہے۔ ڈھول کی آواز تیز ہوتی گئی اور اسی کے ساتھ گیت کی لے بھی تیز ہوتی گئی۔ اب میں اس کے بول صاف طور پر سن سکتا تھا۔ اس گیت میں بوتاکر کی تعریف کی گئی تھی، اس کی قوتوں کو خراج تحسین پیش کیا گیا تھا اور اس سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ کنوارے خون کی قربانی قبول کر لے اور بارش بھیج دے۔ یکایک گانے کی آواز بند ہو گئی اور ڈھول کے شور میں ہیبت ناک اضافہ ہو گیا۔ اور پھر ایک ساعت کے بعد ڈھول کی آواز بھی بند ہو گئی اور چاروں طرف موت کا سا سناٹا طاری ہو گیا۔ اور پھر اس سناٹے میں ایک نہایت دل خراش نسوانی چیخ بلند ہوئی۔ تو گراش نے اس چیخ کو روکنے کے لیے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ میں اداس ہو گیا۔ گبودہ ایک بار پھر باورچی خانے سے بھاگتی ہوئی آئی اور اس نے بتایا کہ ایک لڑکی کی قربانی دی جا چکی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک اور زوردار چیخ بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی ڈھول اور گیت کی آواز سناٹے میں گونجنے لگی۔ قربانی کی رسم مکمل ہو چکی تھی۔

تو گراش اور گبودہ جلد ہی سو گئیں اور ان کے خراٹے سنائی دینے لگے لیکن میں مسلسل جاگتا رہا۔ رات اب آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی اور ایک دو گھنٹے کے بعد ہمیں اٹھ کر اپنے سفر کا آغاز کر دینا تھا۔ تینوں گھوڑے مکان کے صحن میں بندھے ہوئے تھے۔ تو گراش اور گبودہ دونوں ہی اچھی خاصی گھوڑ سوار تھیں۔

اچانک ہوا بند ہو گئی اور حبس کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ گرمی کی شدت میں یکایک دم اضافہ ہو گیا اور فضا جیسے ساکت ہو کر رہ گئی۔ موسم کی کیفیت میں یہ اچانک تبدیلی بڑی حیران کن تھی۔ کافی دیر تک فضا کی یہی کیفیت رہی۔ میں آنکھیں بند کیے لیٹا رہا۔ پھر یکایک گہرے اندھیرے میں روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا۔ اس کے تقریباً آدھے منٹ کے بعد بہت دور سے گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز اتنی زوردار تھی کہ تو گراش اور گبودہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔

"یہ کیسی آواز تھی شاول؟" تو گراش نے گھبرا کر مجھ سے پوچھا۔

ابھی میں کوئی جواب بھی نہیں دینے پایا تھا کہ دوبارہ تیز بجلی چمکی اور اس کے بعد پھر زوردار دھماکا ہوا، اور اس کے ساتھ ہی زور شور سے بارش شروع ہو گئی۔

"بارش! بارش!" گبودہ اور تو گراش خوشی کے عالم میں چیخنے لگیں۔ گبودہ نے جلدی سے چراغ روشن کر دیا۔ کمرے میں اجالا ہو گیا۔ ہم تینوں کمرے سے نکل کر دالان میں اور پھر صحن میں آ گئے۔ بڑی تیز بارش ہو رہی تھی، اور اس کے ساتھ ہی بستی کے تقریباً سارے ہی گھروں سے شور و غل کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ سارے لوگ نیند سے بیدار ہو گئے تھے اور خوشی کے مارے چیخ رہے تھے۔ میں، تو گراش اور گبودہ اپنے مکان کا دروازہ کھول کر باہر آ گئے۔ پانی کی دھاریں ہمارے جسموں کو نئی زندگی بخش رہی تھیں۔ اچانک زور سے بجلی چمکی اور چند لمحوں کے لیے سارا منظر روشن ہو گیا۔ مرد، عورتیں اور بچے اپنے اپنے گھروں کے آگے کھڑے ہوئے بارش میں بھیگ رہے تھے اور ہنس رہے تھے، خوش ہو رہے تھے اور قہقہے لگا رہے تھے۔ یکایک کسی نے زور سے نعرہ لگایا "قربانی قبول ہو گئی" اور پھر سیکڑوں زبانوں نے انھیں الفاظ کو دہرایا "قربانی قبول ہو گئی، بوتاکر عظیم اور مہربان ہے" کسی طرف سے اندھیرے میں آواز بلند ہوئی، اور اس کی صدائے بازگشت بڑی دیر تک گونجتی رہی۔

بڑی دیر تک لوگ اپنے گھروں سے باہر اندھیرے میں کھڑے شور مچاتے رہے اور ایک دوسرے کو مبارکبادیں دیتے رہے۔ بارش کی شدت میں اور زیادہ اضافہ ہوتا گیا۔ بالآخر لوگ اپنے اپنے گھروں کے اندر چلے گئے اور بارش کے تیز شور کے علاوہ باقی ساری آوازیں کم ہو گئیں۔ میں، تو گراش اور گبودہ بھی واپس گھر کے اندر آ گئے۔ تو گراش اور گبودہ نے اپنے کپڑے تبدیل کیے۔ تو گراش نے مجھے بھی ایک خشک لباس دے کر کپڑے بدلنے کو کہا۔ میں دل ہی دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ کاش یہ بارش چند گھنٹے پہلے شروع ہو جاتی تو دو معصوم لڑکیوں کی جان بچ جاتی۔

تو گراش اور گبودہ پھر اپنے اپنے بستروں پر لیٹ گئیں اور دیر تک آپس میں باتیں کرتی رہیں۔

صبح کی ہلکی روشنی نمودار ہوئی۔ سورج کو گہرے بادلوں نے اپنے پردے میں چھپا رکھا تھا۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور آسمان سے جیسے پانی کی چادریں گر رہی تھیں۔ صبح ہوئے کافی دیر ہو گئی لیکن بارش کی شدت میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوتا گیا۔ آدھی رات کے بعد سے جو بارش شروع ہوئی تھی تو کسی طرح رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ اندازے کے مطابق اب دوپہر ہو چکی تھی لیکن بارش برابر جاری تھی۔ تو گراش اور گبودہ کے چہروں سے

aazzamm@yahoo.com

خوف جھلکنے لگا۔ مکان کے اندر ہر طرف پانی ہی پانی بھر گیا اور اس کی سطح برابر بلند ہو رہی تھی۔

اسی عالم میں بستی کے لوگوں کا ایک گروہ بُری طرح چیختا ہوا میرے پاس آیا۔ ان لوگوں نے بتایا کہ بستی کے بہت سے مکان گر چکے ہیں اور جو باقی ہیں وہ بھی گرنے والے ہیں۔ بستی میں کمر کمر تک پانی کھڑا ہو گیا ہے اور دور دور تک مدد نہیں دکھائی دے رہی ہے۔ اگر یہ طوفانی بارش کچھ دیر تک اور جاری رہی تو ساری بستی بہہ جائے گی۔ میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ میں بوتا کر سے درخواست کروں کہ وہ بارش روک دے۔ "کیا کوئی اور قربانی دے کر بوتا کر کو راضی نہیں کیا جا سکتا؟" میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔ لیکن ان لوگوں کو میری بات کا جواب دینے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ اچانک یوں محسوس ہوا گویا جیسے پورے مکان کو کسی نے ہلا کر رکھ دیا ہو۔ ایک زوردار دھماکا ہوا اور گرد کے بادل اٹھنے لگے جو بارش کے سبب فوراً ہی بیٹھ گئے۔ پورا مکان زمین بوس ہو چکا تھا اور پانی کی تیز موجیں شرّاٹے کے ساتھ بہہ رہی تھیں۔ تو گرائش، گبورہ، بستی سے آنے والے لوگ سب کے سب منوں مٹی کے نیچے دب کر رہ گئے تھے۔ خود میں بھی دھنوں کے ڈھیر کے نیچے دب گیا تھا، لیکن چند ہی لمحوں میں میں باہر نکل آیا۔ میرے اردگرد ہر طرف ہی ویرانی تک منظر تھا۔ جہاں ابھی کچھ دیر پہلے تک ایک وسیع و عریض مکان کھڑا ہوا تھا وہاں ملبے کے بڑے بڑے ٹیلوں کے علاوہ اور کچھ نہیں بچا تھا اور یہ ٹیلے بھی بڑی تیزی کے ساتھ پانی کی طوفانی موجوں میں بہتے جا رہے تھے۔ پانی اب میرے سر سے بھی اونچا ہو گیا تھا اور میں تیرنے لگا۔ تیرتا ہوا میں بستی کی طرف آیا۔ میری آنکھوں نے یہ عبرت ناک منظر دیکھا کہ جہاں کچھ دیر پہلے ایک شاد و آباد بستی تھی، وہاں اب ایک بپھرے ہوئے، موجیں مارتے ہوئے طوفانی دریا کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ البتہ جگہ جگہ بہتے ہوئے انسانی جسم، مویشی، درخت اور دوسری چیزیں دکھائی دے رہی تھیں۔ بارش اب بھی غضب ناک انداز میں جاری تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس قدر خوفناک بارش کے سبب دور دور تک کی بستیاں اور علاقے تباہ ہو گئے ہوں گے اور یقیناً اس تباہی کا دائرہ لاتاق کی بستی تک پھیلا ہو گا۔ میری بستی کے لوگوں نے بارش کی خاطر دو کنواریوں کی قربانی دی تھی اور بارش کے دیوتا نے اب پوری بستی کی قربانی لے لی تھی۔

بہرحال میری زندگی کا اب ایک نیا مرحلہ شروع ہو رہا تھا۔ تو گرائش کی محبت آمیز رفاقت میں گزرے ہوئے دن ختم ہو گئے تھے۔ مجھے اس کی ناوقت موت کا بہت افسوس تھا پروفیسر، لیکن میں مجبور تھا۔ میں اسے کس طرح بچا سکتا تھا؟ مجھے گبورہ کی موت کا بھی ملال تھا۔ اس بے چاری نے تین سال تک میری اور تو گرائش کی بڑی خدمت کی تھی۔

میں نے پانی کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ تیرنا شروع کر دیا اور اپنے جسم کو دھارے کے ساتھ بہنے دیا۔ پانی کی رفتار میں بلا کی شدت تھی۔ بارش کی شدت کم ہونے کے بجائے اور بڑھ گئی تھی اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ آسمان میں سوراخ ہو گئے ہیں اور ان میں سے سمندر ابل رہے ہیں۔

سارا دن گزر گیا اور بارش ہوتی رہی۔ عجیب و غریب طوفانی بارش پروفیسر میں نے اپنی طویل زندگی میں اس نوعیت کی بارشیں زیادہ نہیں دیکھی ہیں۔ یہ اس قسم کی بارشوں میں سے ایک تھی جو پورے پورے شہروں اور آبادیوں کو طیامیٹ کر دیتی ہیں۔ شام ہو گئی۔ موسم تھوڑا بہت اعتدال پر بھی نہیں ہو گیا اور ساری دنیا ایک بار پھر گھور اندھیرے کی لپیٹ میں آ گئی۔ بارش جاری رہی۔ پانی کی تیز رفتاری میں اضافہ ہوتا گیا۔ نئی نئی موجیں تیز رفتار ہوئیں پانی کے ذخیرے میں شامل ہوتی گئیں اور پانی کی سطح بلند ہوتی گئی۔ میں نے پانی کے ساتھ ساتھ اپنا سفر جاری رکھا۔ راستے میں بے شمار ڈوبی ہوئی بستیوں اور تباہ شدہ مکانوں اور عمارتوں کے آثار ملتے گئے۔ پانی کا ریلا آگے بڑھتا گیا۔ کتنی ہی انسانی لاشیں میرے برابر سے تیرتی ہوئی گزر گئیں۔ چاروں طرف بڑی ہی شدید تباہی پھیلی ہوئی تھی۔ ساری رات بارش ایک ہی رفتار سے جاری رہی اور میں طوفانی ریلے کے ساتھ ساتھ بہتا رہا۔ رات گزر گئی اور ایک بار پھر صبح کی ہلکی روشنی نمودار ہوئی۔ میں نے اپنے اطراف میں نظر ڈالی۔ تاحدِ نظر پانی کا سمندر موجزن تھا۔ اس اعلان کا کہ دنیا میں زمین کا وجود باقی ہی نہیں رہا ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ دوپہر کے بعد سے آج صبح تک میں نے پانی کے سینے پر بہتے بہتے کتنا فاصلہ طے کر لیا ہے اور اب میں کہاں اور کون سے علاقے میں ہوں۔ لیکن یہ بات صاف ظاہر تھی کہ جتنا علاقہ بھی میں نے طے کیا تھا وہ سب کا سب بارش کی زد میں تھا۔

صبح کا اجالا پھیلنے کے ساتھ ہی مجھے احساس ہوا کہ بارش کی رفتار میں کچھ کمی آ گئی ہے۔ تاہم سرکش موجوں کی بلاخیزی اسی طرح جاری رہی اور میں پانی کے ساتھ ساتھ سفر کرتا رہا۔ دوپہر ہوتے ہوتے بارش بہت ہلکی ہو گئی۔ بادلوں کی بھوپ پروفیسر کہ دوپہر ہوتے ہوتے میں جس علاقے میں تھا وہاں بارش بہت ہلکی ہو رہی تھی۔

میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اپنے جسم کو پانی کے بہاؤ کے ساتھ چھوڑ دیا۔ مجھے چونکہ دور دور تک کہیں خشکی نہیں دکھائی دے رہی تھی اس لیے میں نے فی الحال پانی کو ہی اپنا بستر بنانے کا فیصلہ کیا اور اپنے درد و تپش سے بے خبر ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔

شام تک بارش بالکل رک گئی۔ اب میں جس علاقے سے گزر رہا تھا اس کے اوپر آسمان پر ستارے کھلے ہوئے تھے اور روشن چاند مسکرا رہا تھا۔ میں پانی میں بہتا رہا اور اپنے پرانے دوستوں، ستاروں سے باتیں کرتا رہا۔ میری آنکھوں میں باتیں کرتا رہا۔ میرے ان پرانے اور قابلِ اعتماد دوستوں نے مجھے بتایا کہ اس وقت میں ایک بہت بڑے اور وسیع دریا میں سفر کر رہا ہوں۔ جو شدید سیلاب کے سبب اپنے دونوں کناروں سے سیلوں میل آگے تک پھیل گیا ہے۔ میں دریا کی لمبائی کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا تھا اور اگر میرے سفر کی یہی رفتار رہی تو اگلے چار دن میں میں اس جگہ پہنچ جاؤں گا جہاں یہ دریا سمندر میں گرتا ہے۔

تو یہ صورتِ حال تھی پروفیسر بستی کے قریب بہنے والی ندی آگے چل کر

بڑے دریا سے مل جاتی ہو گی۔ بستی میں جب طوفانی بارش ہوئی تو میں نے بدمست طوفان آ گیا اور اس نے ساری بستی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ میں اس ندی کے پانی کے ساتھ بہتے بہتے اس بڑے دریا میں آ گیا۔ یہ ندی گرتی ہے، اور اب میرا رخ اس طرف تھا جہاں یہ بڑا دریا گرتا تھا۔ ایک طویل عرصے تک سمندروں سے دور میدانوں اور پہاڑوں میں زندگی گزارنے کے بعد اب میں پھر سمندری سفر پر روانہ ہونے والا تھا۔ مجھے اس بات سے یک گونہ مسرت حاصل ہوئی۔ میں نے طے کیا کہ اس دفعہ میں طویل عرصے تک اپنا سفر جاری رکھوں گا اور سمندر کی موجوں اور لہروں کو کھنگالتا ہوا نئی اور ان جانی دنیاؤں کی طرف جاؤں گا۔

میں دریا کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ سفر کرتا رہا۔ اب موسم بالکل صاف اور خوشگوار تھا۔ دن کو سورج بڑی آب و تاب کے ساتھ چمکتا اور چمکیلی روپہلی لہروں سے دریا کا پانی پگھلی ہوئی چاندی کی طرح چمچماتے لگتا۔ راستے میں کئی چھوٹے چھوٹے کشتیوں میں سفر کرتے ہوئے لوگ ملے اور میں نے فوراً ہی غوطہ مار کر خود کو ان کی نظروں سے چھپا لیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی مجھے دیکھے اور یہ سمجھے کہ میں پانی میں ڈوب رہا ہوں، میری مدد کرنے کی کوشش کرے۔

مجھے اسی طرح سفر کرتے کرتے تین دن اور تین راتیں گزر گئیں۔ بڑا دریا جب سفر تھا دریا کا پاٹ کہیں بہت چوڑا ہو جاتا تھا اور کہیں بالکل پتلا ہو جاتا تھا۔ کہیں کہیں کنارے پر آباد بستیاں نظر آتی تھیں اور کہیں ساحل ویران دکھائی دیتا تھا۔

میرے سفر کا چوتھا دن شروع ہو چکا تھا اور پھر اچانک مجھے احساس ہوا کہ دریا کی روانی میں تیزی پیدا ہو گئی ہے اور اس کی رفتار بڑھ گئی ہے۔ اس وقت یہ حقیقت کہ اب میں سمندر کے قریب پہنچ رہا ہوں، میں دل ہی دل میں مسکرا اٹھا۔ میں اب ایک نئی اور دلچسپ مہم کا آغاز کرنے والا تھا۔ دریا کی تیز رفتاری میں ہر لمحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور میں تیز طوفانی موجوں میں کسی تنکے کی مانند بہتا چلا جا رہا تھا۔ پھر میرے کانوں میں پانی کی ہلکی ہلکی شور آواز آنے لگی۔ ایسا لگتا تھا گویا بہت دور کہیں پانی بلندی سے گر رہا ہو۔ جیسے جیسے میں آگے بڑھتا گیا ویسے ویسے یہ آواز زیادہ تیز اور زیادہ واضح ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ پانی کی رفتار اس قدر تیز ہو گئی کہ اگر میں چاہتا بھی اس کی راہ میں آ جاتے تو وہ اسے بھی اپنے ساتھ بہاتا ہوا لے جاتے اور اس کے ساتھ ہی اوپر سے گرنے والے پانی کا شور اس قدر زیادہ ہو گیا کہ جیسے کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ اب میں سمندر کے کنارے پہنچنے والا تھا۔ پھر یکایک میں اونچائی سے نیچائی کی طرف بہنے لگا۔ پانی کی طویل اور چوڑی چادر بلندی سے نشیب کی طرف گر رہی تھی۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں دریا کا پانی اونچی چٹانوں پر سے نیچے سمندر میں گر رہا تھا اور نہایت وحشت ناک آواز پیدا ہو رہی تھی۔ میں پانی کی پیلی اور شفاف چادروں میں لپٹا ہوا دریا سے سمندر میں گر پڑا۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور میرا دل فرطِ مسرت سے جھوم اٹھا۔ میرے چاروں طرف ایک بحرِ ذخار موجیں مار رہا تھا جس کا کنارہ کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ ہر طرف پانی کے ہی رنگ تھے، طرح طرح کے رنگ۔ نیلا، ہلکا نیلا، مٹیالا، گہرا سبز، سبز کا ہی، غرضیکہ ہر طرف پانی ہی پانی کی حکمرانی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو سمندر کی دنیا کا جزو بنا دیا۔

لہریں مجھے اپنے ساتھ کھینچتی لے گئیں اور میں نے خود کو ان کے حوالے کر دیا۔ دریا کے دہانے سے کافی دور آ جانے کے بعد میں نے تیرنا شروع کر دیا۔ اب میں ایک طویل اور غیر معینہ سفر کے لیے تیار تھا۔

اور پروفیسر میرا یہ آبی سفر نہ جانے کتنے برس تک جاری رہا۔ ان برسوں کے دوران میں نے سمندری دنیا کا جی بھر کر لطف اٹھایا۔ میں اکثر خط لگا کر سمندر کی طرف گہرائیوں میں اتر جاتا۔ اور میں نے یہاں عجیب و غریب نباتات، انوکھی مخلوق، منفرد جمادات اور دیگر اشیا کے علاوہ بعض نہایت حیرت انگیز چیزیں بھی دیکھیں جنھیں دورِ جدید کا انسان بھی شاید اب تک نہیں دیکھ سکا ہے، اور یہ تھے سمندر کے آبی قبرستانوں میں دفن پرانی تہذیبوں اور پرانے شہروں اور بستیوں کے آثار۔ جیسا کہ تم بخوبی جانتے ہو پروفیسر، سمندر ہمیشہ ایک ہی جگہ نہیں رہا ہے اور نہ رہتا ہے۔ دنیا کی جغرافیائی حالت ہمیشہ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ جہاں تمھیں آج خشکی نظر آتی ہے وہ جگہ لاکھوں کروڑوں سال پہلے سمندر تھی اور جہاں تمھیں آج سمندر دکھائی دیتا ہے وہاں کبھی بھری پُری اور شاد و آباد بستیاں تھیں جنھیں سمندر نے نگل لیا۔ بہرحال، یہ سلسلہ تو ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ تو پروفیسر، میں نے سمندر کی تہہ میں مدفون شہروں کے کھنڈرات دیکھے، پرانی بستیوں کے آثار دیکھے اور نہ جانے کیا کیا دیکھا۔ میں دیکھتا رہا اور بتاتا رہا۔ کبھی کبھی میرا جی چاہتا تو میں سمندر کی موجوں پر تیرنا شروع کر دیتا اور کبھی خود کو بہاؤ کے ساتھ موجوں کے حوالے کر دیتا۔ میں نے بے شمار جہازوں اور کشتیوں کو سمندر کے سینے پر سے گزرتے دیکھا۔ اکثر میں ساحلوں کے قریب سے گزرا، میں نے دور سے انسانی زندگی کی گہما گہمی کا مشاہدہ کیا۔ بندرگاہوں کا مخصوص انداز، جہازوں کے لنگر، سامان اتارنے اور چڑھانے والی چھوٹی بڑی کشتیاں، مسافروں کے ہجوم اور نہ جانے کیا کیا۔ لیکن میں کسی بھی بستی کے پاس نہیں گیا اور نہ کسی بندرگاہ میں داخل ہوا بلکہ تھوڑی دیر دور سے ان کا نظارہ کرنے کے بعد پھر موجوں کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتا ہوا اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

بہت لمبا عرصہ گزر گیا۔ شاید دس سال، شاید بیس سال، شاید پچاس سال۔ میں بتا نہیں سکتا پروفیسر، لیکن اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ سمندر میں بہنے والے جہاز زیادہ بہتر ہو گئے تھے، ان کے رنگ و روغن میں تبدیلی آ گئی تھی، ان کی آرائش و زیبائش میں بھی جدتیں نظر آتی تھیں۔ بندرگاہوں میں کوئی خاص تبدیلی نظر نہیں آتی تھی سوائے اس کے کہ ان کی رونقوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ میں یورپ اور ایشیا کو بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا اور میرا اندازہ تھا کہ میں افریقہ کے مشرقی ساحل سے بھی گزر کر غالباً مغربی ساحل کے آس پاس کہیں موجود ہوں۔ انسانوں کے میل جول اور ان کے ساتھ مجلس آرائی کو ایک لمبی مدت

aazzamm@yahoo.com

گزر گئی تھی۔ میں اب ایک بار پھر انسانی دنیا میں واپس جانا چاہتا تھا۔ میں پھر کسی نوکرانی یا آبجوہ کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔

میں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ دور دور تک ساحل کے کوئی آثار نہیں نظر آ رہے تھے۔ پھر میں نے یوں ہی ایک طرف رُخ کر کے تیرنا شروع کر دیا۔ کئی دن تک متواتر میں اسی سمت میں تیرتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک دن مجھے بہت دور فضا میں چھوٹے چھوٹے نقطے حرکت کرتے دکھائی دیے۔ میں سمجھ گیا کہ اب میں ساحل سے بہت دور نہیں ہوں اور یہ متحرک نقطے آبی پرندے ہیں جو فضا میں پرواز کر رہے ہیں۔ میں اور زیادہ تیز رفتاری سے اسی سمت میں تیرنے لگا۔ کئی گھنٹے تک تیرتے رہنے کے بعد زمردیں رنگ کی ایک لکیر مجھے نظر آنے لگی۔ میں ایک سرسبز و شاداب ساحل کی طرف بڑھ رہا تھا۔

واقعی یہ بے حد سرسبز و شاداب ساحل تھا۔ سطح سمندر سے کافی بلند پرشیلوں اور پہاڑیوں کا ایک طویل سلسلہ تھا جو بے حد گھنے اور ہرے سرسبز درختوں اور طرح طرح کی جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ سورج اپنی پوری شدت کے ساتھ چمک رہا تھا اور فضا بے حد گرم تھی۔ میں نے یورپ یا ایشیا کے کسی بھی ملک میں اس قدر شدید گرمی محسوس نہیں کی تھی۔

میں نے پانی سے نکل کر ایک نوکیلی سی چٹان پر قدم رکھا۔ ایک لمبی مدت کے بعد میرے بدن نے زمین چھوئی تھی اس لیے مجھے عجیب سا احساس ہوا۔ میں چٹانوں پر قدم رکھتا ہوا اوپر چڑھتا چلا گیا۔ میرے جسم پر ظاہر ہے کہ کوئی لباس نہیں تھا اور دوپہر کی تیز دھوپ میں میرا سُنہرا بدن سونے سے تراشے ہوئے کسی ایسے بت کی مانند چمک رہا تھا جسے خوب اچھی طرح دھو کر اس پر پالش کر دی گئی ہو۔ میں نے ایک نظر اپنے جسم پر ڈالی اور پھر اس منظر کے سحر میں کھو گیا جو میرے سامنے موجود تھا۔ درختوں اور سبزے کی ہر طرف اس قدر فراوانی تھی کہ زمین نظر ہی نہیں آ رہی تھی۔ ہزارہا اقسام کے پھول جگہ جگہ کھلے ہوئے تھے جن پر پنکھوں کے برابر جسامت کی رنگا رنگ تتلیاں منڈلا رہی تھیں۔ عجیب و غریب پرندوں کی چہکار سے سارا جنگل گونج رہا تھا۔ ہر طرف زندگی کا احساس موجود تھا۔ فضا جیسے سانس لیتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

میں آہستہ آہستہ اور ہوشیاری کے ساتھ قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اچانک میری نظر ایک درخت کی نیچی سی شاخ پر پڑی اور پھر میری نظریں وہیں گڑی کی گڑی رہ گئیں۔ کوئلے کی طرح سیاہ فام ایک عورت اس شاخ پر بیٹھی ہوئی کچھ کھا رہی تھی۔ میں نے غور سے دیکھا۔ یہ ایک سیاہ فام انسانی ہاتھ تھا جس کی کہنی تک کا گوشت وہ دھیرے دھیرے کھا چکی تھی اور لب کلائی میں سے بوٹیاں نوچ رہی تھی۔ خون اس عورت کی باچھوں سے ٹپک ٹپک کر گر رہا تھا۔ عین اسی وقت اس عورت نے بھی مجھے دیکھ لیا اور چند لمحوں کے لیے وہ تصویرِ حیرت بن کر رہ گئی۔ پھر وہ اپنے حلق کی پوری قوت سے چلائی "ڈمبالا" اور درخت سے کود کر میری طرف تیزی سے

بھاگی۔ میں گرم خوروں کی بستی میں آ گیا تھا اور سیاہ افریقہ میں سیاہ سفر کا آغاز ہو چکا تھا۔

سیاہ فام

حسینہ کے اس اچانک حملے کے لیے میں تیار نہیں تھا۔ اس لیے میں نے اپنے آپ کو گرنے سے روکا۔ اس نوجوان عورت کا جسم چربی چڑھا، کسرتی سخت تھا۔ خطِ استوا پر چمکنے والے سورج کی تیز و تند شعاعوں نے اس کی رنگت کو کوئلے کی طرح سیاہ اور چمکدار بنا دیا تھا۔ میں اس کے جسم کو دل چسپی سے دیکھنے لگا۔ بات یہ تھی کہ پروفیسر کرٹلس نے اس سے پہلے سیاہ فام عورتیں نہیں دیکھی تھیں، لیکن غلاموں اور کنیزوں کی شکل میں۔ میں نے یورپ اور افریقہ کے بہت سے ملکوں میں سیاہ فام مردوں اور عورتوں کو دیکھا اور ان سے میرا سابقہ بھی پڑا تھا، لیکن براعظم افریقہ میں میرے قدم پہلی بار پڑے تھے۔ اس دھوپ سے جھلسے ہوئے براعظم کی سیاہ تاریک بستیوں میں یہ پہلا سفر تھا اور میں پہلی بار یہاں کے آزاد انسانوں سے، ان کی زمین پر، ان کے علاقے میں، آزادی کی فضا میں مل رہا تھا۔ اسرار و عجائبات کی تہیں میرے قدموں کے نیچے تھی، قدرت کے خزانوں کی فراوانیاں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں اور ایک افریقی حسینہ میرے جسم سے چمٹی ہوئی ابھی کچھ دیر پہلے انسانی گوشت مزے لے لے کر کھا رہی تھی۔

اس نے آنکھیں کھولیں اور مجھے دیکھ کر ایک ادائے دلربائی کے ساتھ مسکرائی۔ پھر اس نے پوچھا، "ڈمبالا ہو؟" اس نے پوچھا، وہ ایک عجیب افریقی زبان بول رہی تھی جو اس جنگل میں بسنے والے ایک مختصر سے قبیلے کی زبان تھی۔

"تم چاہو تو مجھے ڈمبالا کہہ سکتی ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسی زبان میں جواب دیا۔

"اوہ۔" وہ خوشی سے بے قابو ہو گئی اور اس نے عجیب قہقہہ حلق سے نکالا۔ یہ شاید ان لوگوں کا اظہارِ مسرت کا کوئی طریقہ تھا۔ "یقیناً تم ڈمبالا ہو۔ اس میں کوئی شبہ ہی نہیں کہ تم ڈمبالا ہو۔ تم ہم لوگوں کی زبان بول سکتے ہو۔ ڈمبالا ڈمبالا ڈمبالا۔" وہ فرطِ مسرت سے بے قابو ہو کر ایک بار پھر مجھ سے لپٹ گئی۔

"کیا تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گی کہ ڈمبالا کون ہے؟"

"کتنی عجیب بات کر رہے ہو۔" اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔ "تم ڈمبالا ہو اور مجھ سے پوچھ رہے ہو کہ ڈمبالا کون ہے۔"

"ہاں میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ ڈمبالا کون ہے؟" میں نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے کہا۔ "میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم ڈمبالا کے بارے میں کیا جانتی ہو۔"

"میں اس کے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں۔" اس نے جوشیلے لہجے میں جواب دیا۔ "میں یہ جانتی ہوں کہ ڈمبالا سمندروں کا دیوتا ہے۔ وہ پانی میں رہتا ہے اور پانی ہی اس کی زندگی ہے۔ ہر سورج کے بعد وہ نمودار ہوتا ہے۔ اس کا جسم چاندی کے کرنوں کا بنا ہوا ہے اور اس کے بال چاندنی کے گچھے ہیں۔ میں نے اسی کی پوجا کی ہے۔ تم سب لوگوں کو بتانی ہے۔ وہ سب ہے اور اس کا حسن و جمال کا پیکر ہے۔ آج سے ٹھیک سو سال پہلے ڈمبالا سمندر سے نمودار ہوا تھا۔ میں نے ایک لمبی مدت تک اس بستی میں قیام کیا تھا۔ اس نے اپنی بستی کی ہر نوجوان اور جوان عورت کو بہرہ ور کیا تھا۔ عظیم نراس کی ماں بات کو سو سال گزر چکے ہیں اور اب ڈمبالا کو نمودار ہونا چاہیے۔ ڈمبالا کے انتظار میں تھا۔ عظیم نراس نے یہ بھی بشارت دی تھی کہ پہلے والی پہلی عورت میں ہوں گی، میں ہی سب سے پہلے اسے دیکھوں گی۔ عظیم نراس کی سدا صحیح ثابت ہو رہی ہیں۔ عظیم نراس یہ بھی کہتی ہے کہ اس بار بھی ڈمبالا مدت تک بستی میں قیام کرے گا۔ وہ نادر کو کشتی میں شکست دے گا۔ اب تم آ گئے ہو ڈمبالا۔

"پھر نراس کی باتوں کو سچ کر دکھایا ہے۔"

"عظیم نراس کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تم عظیم نراس کے بارے میں ضرور جانتے ہو گے۔ اگر نہیں جانتے تو میں بتاتی ہوں۔ وہ ہماری بستی کی سب سے بڑی جادوگرنی ہے۔ وہ بہت طاقتور ہے۔ اس کی دوستی مُردوں کی روحوں سے ہے اور وہ ان روحوں سے بھی بات کرتی ہے جو ابھی دنیا میں نہیں آئی ہیں۔ عظیم نراس سب کچھ جانتی ہے۔ وہ وسیع ہے۔ جب یہ نہیں ہمیں ستاتی ہیں اور ہم میں سے کوئی بیمار ہو جاتا ہے یا کسی اور مشکل کا شکار ہو جاتا ہے تو عظیم نراس ہی ہماری مدد کو آتی ہے۔ وہ جادو جگانے کے سارے جنتر جانتی ہے اور نیک روحوں کی مدد حاصل کرتی ہے۔ میں کہتے ہیں کہ عظیم نراس کی عمر دو سو سال سے بھی زیادہ ہے۔ خود نراس کا کہنا ہے کہ وہ دو مرتبہ ڈمبالا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہے اور اب تیسری مرتبہ ڈمبالا۔"

"اور یہ نادر کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نادر ہماری بستی کی سردار اور یہاں کی سب سے بڑی پہلوان ہے۔ وہ پتھروں کا بنا ہوا ہے۔ اس میں بھینسوں اور ہاتھیوں کی سی طاقت ہے۔ کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ وہ جنگلی سؤر جیسے خطرناک جانور سے مقابلہ کر سکتی ہے۔ کئی بار اس نے اکیلے ہی دشمنوں سے لڑائیاں لڑی ہیں۔ سارا قبیلہ اس کی طاقت کا لوہا مانتا ہے۔ آج تک کوئی اس پر غلبہ نہیں پا سکا۔ وہ تیر کمان چلانا بہت اچھی طرح آتا ہے۔ اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ سب سے زیادہ شکار مار کر لاتی ہے۔"

"تم لوگ کس طرح شکار کرتے ہو؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"تو یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "شکار ہو جاتا ہے۔ تیر کمان سے، مگرمچھوں اور مذہبوں کے اوزاروں سے، شکار ہو جاتا ہے۔ اور کس طرح؟"

میں سمجھ گیا پروفیسر کہ اس قبیلے کا تعلق پتھر کے زمانے سے ہے اور وہ آگ کے سوا اور دیگر دھاتوں کے استعمال سے واقف نہیں ہیں۔ میں نے چاروں طرف اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالی۔ اور جو منظر میں نے دیکھا اس سے میرا رنگ تیرہ ہو گیا۔ ہمارے چاروں طرف سیاہ فام اور مسلح ہاتھوں میں تیر کمان تھے لیکن انھوں نے تیر کمانوں میں جوڑے ہوئے نہیں تھے، جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ان کے عزائم جارحانہ نہیں ہیں۔ ان میں کچھ بچے بھی تھے، کم سن لڑکیاں بھی تھیں۔ جوان عورتیں بھی تھیں اور ادھیڑ بھی۔ البتہ بوڑھی عورت ان میں کوئی نظر نہیں آتی تھی۔ دوسری عجیب بات میں نے یہ محسوس کی کہ اس سارے مجمع میں مجھے کوئی مرد نظر نہیں آیا۔ ہر طرف عورتیں ہی عورتیں تھیں۔ البتہ دس بارہ سال کے چند ایک لڑکے ضرور نظر آ رہے تھے۔ عورتیں بہت خوش دکھائی دے رہی تھیں اور ان کے کوئلے جیسے سیاہ چہروں پر ان کے کھلے ہوئے سفید سفید دانت ایک عجیب و غریب منظر پیش کر رہے تھے۔ لیکن لڑکوں کے چہروں پر میں نے خوشی اور مسرت کی رمق نہیں دیکھی۔ وہ افسردہ اور گھبرائے گھبرائے نظر آ رہے تھے۔

"ڈمبالا!" اچانک اس سیاہ فام حسینہ نے جو میرے پہلو میں کھڑی ہوئی تھی، تمام عورتوں کو دیکھ کر ایک نعرہ مستانہ بلند کیا۔

اس کے ساتھ ہی ان ساری عورتوں نے جو تیر کمان سے لیس کھڑی تھیں، ایک آواز ہو کر نعرہ بلند کیا۔ "ڈمبالا۔" یہ دہشت ناک نعرہ اس قدر اونچی آواز میں بلند کیا گیا تھا کہ آس پاس کے سیکڑوں درختوں پر بیٹھے ہوئے ہزارہا پرندے گھبرا کر اپنے اپنے ٹھکانوں سے نکل آئے اور پھڑپھڑا کر اڑنے لگے۔ کئی خرگوش اور ادھر اُدھر کی جھاڑیوں سے نکل کر بھاگے اور بعض دوسرے عجیب الخلقت جانور تیزی سے دوڑتے ہوئے نظر آئے۔

ان تمام سیاہ فام عورتوں نے میرے گرد اپنا حلقہ تنگ کرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ وہ سب کی سب میرے بالکل قریب آ گئیں۔ ہر عورت مجھ تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی اور اس جدوجہد میں ان میں جیسے باقاعدہ مقابلہ ہو رہا تھا۔ اس دھینگا مشتی میں بہت سی عورتیں میرے بالکل پاس آ گئیں اور انھوں نے اپنے ٹھوس اور پتھریلے ہاتھوں سے میرے جسم کو چھو چھو کر دیکھنا شروع کر دیا۔ گویا میرے وجود کے مادی ہونے کا یقین حاصل کر رہی تھیں۔ وہ میرے جسم کو اپنی انگلیوں اور ہتھیلیوں سے دباد باکر دیکھ رہی تھیں، اس پر ہاتھ پھیر رہی تھیں اور کسی کسی وقت کوئی عورت جنگلی بھی لے لیتی تھی۔ میں اس عجیب و غریب صورت حال سے دل ہی دل میں محظوظ ہو رہا تھا، لیکن ظاہر ایسا کر رہا تھا گویا میں اس سے سخت پریشان ہوں۔

"تم سب لوگ پیچھے ہٹ جاؤ۔" یکایک ایک ادھیڑ عمر کی عورت نے، جو شکل و صورت سے خاصی بڑی دبدبہ اور سنجیدہ نظر آتی تھی، ساری عورتوں کو حکم دیا۔ اور اس کے حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ تمام عورتیں مجھ سے الگ ہٹ گئیں۔ وہ بھی جو مجھے چھو چکی تھیں اور وہ جو مجھے چھونے کی تمنا میں آگے بڑھنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھیں۔

"میں عظیم نراس کی نائب ہونے کی حیثیت سے تمھیں مبارکباد دیتی ہوں شمبالا۔" ادھیڑ عمر کی عورت نے اس حسینہ سے مخاطب ہو کر کہا جو کچھ دیر پہلے مجھ سے ملی ہوئی تھی۔ "عظیم نراس کی پیشین گوئی درست ثابت ہوئی۔ ڈمبالا کی نظر سب سے پہلے تم پر پڑی اور تم بستی کی وہ پہلی عورت ہو جسے ڈمبالا کا قرب حاصل ہوا۔ نراس عظیم ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

"نراس بے شک عظیم ہے۔" شمبالا نے جواب دیا۔ "نراس بے شک عظیم ہے۔" اس نے اپنے الفاظ دہرائے۔

"نراس عظیم ہے۔" عورتوں کے مجمع میں سے آواز بلند ہوئی۔

"اور نراس کی نائب دیسل بھی عظیم ہے۔" ایک آواز بلند ہوئی۔

"دیسل بھی عظیم ہے۔ دیسل بھی عظیم ہے۔" مجمع میں سے آوازیں بلند ہوئیں۔ گویا اس سیاہ فام حسینہ کا نام شمبالا اور نراس کی نائب اس ادھیڑ عمر کی عورت کا نام دیسل تھا۔ بڑے عجیب و غریب نام تھے۔ لیکن ظاہر ہے بدنصیب میرے لیے اس میں بھلا کیا نئی بات تھی! میرے کان تو ہر طرف کی عجیب و غریب اور نامانوس آوازوں اور ناموں کے عادی تھے۔ ساری دنیا میرا گھر تھی اور ساری زمین میرے قدموں کے نیچے تھی۔

"چلو، ڈمبالا کو لے کر بستی میں چلو۔" دیسل نے کہا۔ "نراس کو اس کی آمد کی خبر مل چکی ہے اور وہ اس کی آمد کی منتظر ہے۔ اسے اپنی پیشین گوئی پوری ہوتی دیکھ کر بے انتہا خوشی ہے، چلو۔"

اور میں سیاہ فام عورتوں کے جلوس کے درمیان بستی کی طرف روانہ ہو گیا۔ مجھے اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ ان عورتوں کی میں موجودگی، بدتہذیبی یا ناشائستگی کو کوئی دخل نہیں ہے۔

تھوڑی دیر تک چلنے کے بعد بستی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ بستی کیا تھی چھوٹے چھوٹے اور گول جھونپڑوں کا ایک سلسلہ تھا۔ ان جھونپڑوں کی چھتیں بہت نیچی تھیں اور یہ سارے جھونپڑے لکڑیوں اور گھاس پھوس کے بنے ہوئے تھے۔ کل جھونپڑوں کی تعداد کسی طرح بھی سو سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ بستی چند سو نفوس سے زیادہ پر مشتمل نہیں تھی۔

مجھے اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ عورتوں کے اس جلوس میں کوئی ایک مرد بھی شامل نہیں تھا سوائے ان چند لڑکوں کے جن کی عمریں دس بارہ سال سے زیادہ کی نہیں تھیں۔ بستی کے قریب پہنچنے پر کئی جھونپڑوں سے بعض مزید عمر رسیدہ عورتیں نکل کر سامنے آئیں۔ ان میں بوڑھی کوئی نہیں تھی لیکن ان کی تعداد کم تھی۔ زیادہ تر عورتیں تو اسی جگہ پہنچ گئی تھیں جہاں مجھے شمبالا نے دریافت کیا تھا اور وہیں سے جلوس کی شکل میں میرے ساتھ آئی تھیں۔ مجھے اس بات پر ایک بار پھر سخت حیرت ہوئی کہ ان جھونپڑوں میں سے بھی کوئی مرد برآمد نہیں ہوا۔ آنے والی سب کی سب عورتیں ہی عورتیں تھیں۔ "کیا اس بستی میں مرد بالکل ناپید ہیں؟" میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

جلوس ایک بڑے سے جھونپڑے کے آگے رک گیا۔ یہ جھونپڑا دوسرے جھونپڑوں سے اس لحاظ سے ممتاز تھا کہ ایک تو اس کی اونچائی زیادہ تھی، دوسرے اس کا پھیلاؤ بھی دوسرے جھونپڑوں سے زیادہ تھا۔

جلوس کے جھونپڑے کے دروازے پر رک جانے کے بعد دیسل جھونپڑے کے اندر داخل ہوئی۔ باقی ساری عورتیں مع میرے باہر ہی کھڑی رہیں۔ "نراس عظیم ہے۔" کسی عورت نے نعرۂ مستانہ بلند کیا۔ اور اس کے ساتھ ساری عورتوں نے نعرہ لگایا "نراس عظیم ہے۔" نعرے کی آواز دور دور تک گونج گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد دیسل نے دوبارہ دروازہ کھولا اور اندر سے برآمد ہوئی۔ لیکن اس بار وہ تنہا نہیں تھی۔ اس کے ساتھ ایک عجیب و غریب شے تھی۔ یہ ایک نہایت بوڑھی سیاہ فام عورت تھی جس کے سر اور بھنوؤں کے سارے بال سفید تھے، ہاتھ پیروں میں رعشہ تھا اور کمر جھکی ہوئی تھی۔ وہ ایک لاٹھی کے سہارے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آ رہی تھی۔ لیکن ایک بات بہت نمایاں تھی، اور وہ یہ کہ اس کی آنکھوں میں عجیب چمک تھی۔ اس کی آنکھوں کی طرف دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان میں روشنی کی بجلی ہوئی ہوں اور وہ خوب چمک رہی ہوں۔ اب تک میں بستی کی جس عورت کو دیکھ چکا تھا، ان میں یہ واحد بوڑھی عورت نظر آئی تھی۔ اس کے علاوہ کوئی ضعیف عورت مجھے اب تک کہیں نظر نہیں آئی تھی، اور نہ ہی کوئی نظر آیا تھا۔ عجیب و غریب بستی تھی!

بوڑھی عورت کو آتا دیکھ کر تمام عورتوں نے ایک بار پھر ایک ہی نعرہ بلند کیا۔ "نراس عظیم ہے، نراس عظیم ہے۔" اور اس کے بعد چاروں طرف مکمل سناٹا چھا گیا۔ بوڑھی عورت لاٹھی ٹیکتی ہوئی آئی اور بڑے پُروقار انداز میں عورتوں کے جلوس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

مجھے اس بیہودہ منظر سے اس قدر کراہت محسوس ہوئی کہ میں نے اپنی نظریں جھکا لیں۔ اس بوڑھی عورت کی طرف دیکھنا میرے لیے ذہنی عذاب سے کم نہیں تھا۔

"شنتولا قبیلے کی عورتو۔" اچانک بوڑھی نراس کی آواز بلند ہوئی اور میں حیران رہ گیا۔ اس کی آواز اور اس کے جسم میں کوئی مناسبت نہیں تھا۔ اس کا جسم تو بالکل جیسے مردہ تھا اور اس میں بالکل جان نظر نہیں آتی تھی، لیکن اس کی آواز بڑی کرارے تھی۔ یہ کسی طرح بھی ایک بوڑھی عورت کی لرزتی یا کپکپاتی ہوئی آواز نہیں تھی، بلکہ کسی بہت طاقتور اور توانا عورت کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ "تم نے دیکھ لیا کہ میری پیشین گوئی درست ثابت ہوئی۔" اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ "میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ ڈمبالا کے ظہور کا وقت قریب آ رہا ہے۔ جیسا کہ تم جانتی ہو، ڈمبالا ہر سو سال کے بعد نمودار ہوتا ہے اور ایک سال تک بستی میں قیام کرتا ہے۔ اس کا ظہور اور بستی میں اس کا قیام دونوں ہی بستی والوں کے لیے نیک فال اور اچھا شگون ہوتے ہیں۔ ڈمبالا بستی والوں کے لیے نعمتوں راحتوں اور خوشیوں کے خزانے لے کر آتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساری بدروحیں خود بخود بھاگ جاتی ہیں اور بستی پاک و صاف ہو جاتی ہے۔ جب تک ڈمبالا ہمارے ساتھ رہے گا، اس وقت تک بستی والوں پر کوئی مصیبت، کوئی آفت نازل نہیں ہو گی۔ ڈمبالا سمندروں کا دیوتا ہے اور باقی سارے دیوتا اس کے دوست ہیں۔ ڈمبالا کے یہاں ہونے کے باعث سارے دیوتا ہم پر مہربانی کریں گے۔ جب تک ڈمبالا یہاں ہے، اس وقت تک کوئی بیرونی دشمن، کوئی دوسرا قبیلہ ہمارے

ڈمبالا کا خیر مقدم کرو اور اس موقع پر ایک بڑی دعوت کا انتظام کرو۔ اور خبردار، تم میں سے کوئی ڈمبالا کو ناراض کرنے کی کوشش نہ کرے۔ ڈمبالا کو ناراض کرنے کا مطلب تباہی کو دعوت دینا ہو گا۔ اب تم سب لوگ جاؤ، ڈمبالا کو نارو کے پاس لے جاؤ۔ ڈمبالا کا قیام نارو کے جھونپڑے کے ہی قریب میں ہو گا۔ کیونکہ وہ اس قبیلے کی سردار ہے۔ لیکن ڈمبالا کے لیے اس قسم کی پابندی کی پابندی کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ خود نارو کو ڈمبالا کی خدمات کی پوری کرنی ہو گی۔ اگر ڈمبالا نارو کے جھونپڑے میں نہ رہنا چاہے تو اس کے لیے کسی الگ دوسرے جھونپڑے کا بندوبست کر دیا جائے، یا جب وہ چاہے الگ جھونپڑا چاہے، اسے فوراً مہیا کر دیا جائے۔ سمندروں کے عظیم دیوتا ڈمبالا، میں تو تمہاری سرزمین پر تمہارا خیر مقدم کرتی ہوں۔"

بوڑھی عورت نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم ہمارے مہمان ہو، ہمارے لیے نیکی اور سلامتی کے پیغام بر بن کر آئے ہو۔ ہم تمہاری راہ میں آنکھیں بچھاتے ہیں۔ یہاں کی ساری عورتیں تمہارے لیے حاضر ہیں!"

بوڑھی عورت نے جب اپنی طویل اور کم از کم میرے لیے پُراسرار معلومات سے بھرپور تقریر کی تو جلوس میں شامل تمام عورتوں نے ایک بار پھر "نراس عظیم ہے، نراس عظیم ہے" کے فلک شگاف نعرے لگانے اور پھر دیسل کی راہنمائی میں جلوس ایک دوسری سمت روانہ ہو گیا۔

دور سے ہی ایک بڑا سا جھونپڑا نظر آ رہا تھا۔ یہ جھونپڑا دوسرے جھونپڑوں سے اس لحاظ سے ممتاز تھا کہ ایک تو اس کی بلندی کافی تھی اور دوسرے اس کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کئی چھوٹے چھوٹے جھونپڑوں پر مشتمل ایک بڑا جھونپڑا ہے۔ جب ہمارا جلوس اس جھونپڑے کے قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ دو سیاہ فام عورتیں تیر کمان لیے ہوئے جھونپڑے کے دروازے پر کھڑی ہوئی تھیں۔ عجیب بات تھی! یہاں پہرے دار بھی عورتیں ہی تھیں۔ دور دور تک مرد نظر نہیں آ رہا تھا۔

جلوس جھونپڑے کے دروازے پر رک گیا اور دیسل اور شمبالا کی معیت میں مجھے اندر لے جایا گیا۔ جھونپڑے کے اندر داخل ہو کر مجھے اندازہ ہوا کہ یہ کافی سجا سجایا اور خوبصورت جھونپڑا تھا۔ اس کی دیواریں اندر سے مٹی کی بنی ہوئی تھیں اور ان پر مختلف جانوروں کی کھالیں لٹک رہی تھیں۔ ہم ایک چھوٹی سی ڈیوڑھی سے گزرے۔ اس کے آگے ایک اور کمرہ تھا۔ جس کے دروازے پر جو چیز کھڑی ہوئی تھی اسے دیکھ کر میری آنکھیں کھل گئیں۔ قدرت کا اس قدر عجیب و غریب شاہکار میں نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔

یہ ایک عورت تھی، سیاہ فام اور بالکل ننگی۔ اس کا قد کم از کم چھ فٹ ہو گا۔ کم از کم دو تو میرے رانوں کے برابر تھا۔ وہ گوشت و پوست کا ایک پہاڑ نظر آ رہی تھی۔ مجھے یوں لگا گویا میں کسی دیوی کے سامنے کھڑا ہوا ہوں۔ میں نے اپنی طویل اور صدیوں پر محیط زندگی میں اس قدر بھاری بھرکم اور لحیم شحیم عورت نہیں دیکھی تھی۔ لیکن ایک بات بہت اہم تھی، اور وہ یہ کہ انتہائی فربہ ہونے کے باوجود اس کا جسم بے حد متناسب تھا۔

اس کے چہرے پر کسی قسم کی کرختگی یا درشتی کے بجائے ایک طرح کی ملاحت تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے چہرے کی ملاحت میری آمد کی مرہونِ منت ہو۔ اس کی آنکھیں گہری سیاہ اور چمک دار تھیں۔ اور لمبی لمبی سیاہ زلفیں کمر سے نیچے تک لٹکی ہوئی تھیں۔ اس کا سارا جسم قوت، توانائی اور صحت کا ایک جیتا جاگتا مجسمہ معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے گلے میں کوڑیوں اور ہڈیوں کے بنے ہوئے کئی ہار پہن رکھے تھے۔ کمر کے گرد کسی درخت کی چھال سے بنی ہوئی ایک ڈوری بندھی ہوئی تھی جس میں کئی بل دیے گئے تھے اور اس میں مختلف پرندوں کے بڑے بڑے اور خوش رنگ پر اڑسے ہوئے تھے۔ اس نے سیاہ فام چہرے پر کوئلے کی چکنائی مل رکھا تھا جس کے باعث اس کا سیاہ چہرہ آبنوس کی پالش کی ہوئی لکڑی کی طرح چمک رہا تھا۔

دیسل اور شمبالا میرے دائیں بائیں تھیں اور میں ان دونوں کے درمیان میں تھا۔ میری صورت دیکھتے ہی اس عورت نے جس کے لیے عورت کا لفظ استعمال کرنا بھی عجیب سا معلوم ہوتا ہے، رکوع کے بل جھک کر مجھے تعظیم دی۔ اس کے پہاڑ جیسے جسم کے مقابلے میں میرا ہلکا پھلکا اور سبک بدن بالکل بے مایہ اور چھوٹا نظر آ رہا تھا۔

"میں تورشس کی بستی میں تمہیں خوش آمدید کہتی ہوں عظیم دیوتا ڈمبالا۔" نارو نے اپنی کھنکتی ہوئی آواز میں کہا۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ اس فیل پیکر عورت کی آواز کتنی سریلی اور میٹھی تھی۔ "ہم لوگوں کو برسوں سے تمہارا انتظار تھا، کیونکہ عظیم نراس نے پہلے ہی ہم لوگوں کو یہ بات بتا دی تھی کہ ڈمبالا کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے۔ میں اس بستی کی سردار ہوں اور میرا نام نارو ہے۔ میں اس بستی میں سب سے زیادہ طاقت ور ہوں اور جسمانی قوت میں بستی کا کوئی بھی فرد میرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ دیوتاؤں کا کرم ہے کہ انھوں نے میرے جسم میں قوت و توانائی کے سرچشمے بند کر دیے ہیں۔ اب تم اس بستی میں جب تک تمہارا جی چاہے رہو۔ تمہاری آمد ہمارے لیے نیک بختی کا باعث ہے۔"

"لیکن اس بستی میں کیا میرے علاوہ اور کوئی مرد نہیں ہے؟" مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے نارو سے براہِ راست یہ سوال پوچھ لیا۔ "میں نے اتنی دیر میں اس بستی میں کسی بھی مرد کی شکل نہیں دیکھی۔"

میرے اس سوال کے جواب میں ذرا دیر کے لیے سناٹا چھا گیا۔ دیسل اور شمبالا تو پہلے ہی خاموش تھیں۔ اب نارو بھی خاموش ہو گئی۔ قدرے توقف کے بعد وہ بولی۔ "عظیم ڈمبالا کو اس کے سوال کا جواب بھی مل جائے گا۔ ہماری بستی مردوں کے وجود سے خالی نہیں ہے، لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔ ہمیں زیادہ مردوں کی ضرورت نہیں۔"

میں اس کے اس عجیب و غریب جواب پر چکرا گیا۔ نہ جانے وہ کیا کہنا چاہتی تھی۔ ان لوگوں کے طور طریقے مجھے بڑے عجیب اور پُراسرار قسم کے معلوم ہو رہے تھے۔

"عظیم ڈمبالا اب میرے گھر میں قیام کرے گا۔" نارو نے دیسل اور شمبالا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے ایک کمرے میں اس کی

aazzamm@yahoo.com

رہائش کا بندوبست کر لیا ہے۔ تم دونوں جا کر بستی میں آج رات کے جشن کا اعلان کر دو۔ ڈمبالا کی آمد کی خوشی میں آج رات پورے زور و شور کے ساتھ جشن ہوگا۔"

دیمل اور شمبال نے گردن جھکا کر نارو کو تعظیم دی اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"آؤ میرے ساتھ عظیم ڈمبالا۔" نارو نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ اس کی گرفت میں میں نے غیر معمولی سختی محسوس کی۔ "آؤ میں تمہیں تمہاری آرام گاہ دکھاؤں۔ تم کو اب سکون و اطمینان کی ضرورت ہے۔"

نارو میرا ہاتھ پکڑے پکڑے مجھے جھونپڑے کے اندر ہی اندر ایک دوسرے کمرے میں لے گئی۔ نارو کا جھونپڑا اندر سے کافی وسیع تھا اور یہ کئی کمروں پر مشتمل تھا۔ ایک کمرے میں فرش پر نرم نرم گھاس پھوس کا دبیز بستر سا بنا لیا گیا تھا اور کمرہ اندر سے بہت صاف ستھرا تھا۔

"یہ عظیم ڈمبالا کی آرام گاہ ہے۔" نارو نے بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن جیسا کہ عظیم زراس بتا چکی ہے، ڈمبالا کسی کی مرضی کا پابند نہیں ہے۔ وہ اگر چاہے تو یہاں رہے اور اگر وہ حکم دے تو اس کے لیے ایک الگ جھونپڑا بھی تیار کیا جا سکتا ہے۔"

نارو مجھے خراج تحسین پیش کر رہی تھی اور میں دل ہی دل میں اس کی سادہ لوحی پر مسکرا رہا تھا۔ اس بیچاری کو کیا معلوم تھا کہ میں کون ہوں اور میری قوتیں کتنی ہیں۔ وہ تو بس مجھے دیوتا سمجھ رہی تھی جس کا نام ڈمبالا تھا!

تو پروفیسر اس طرح میں ڈمبالا بن گیا۔ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ ڈمبالا کیں بلا ہے اور کیا واقعی اس کا کوئی وجود ہے بھی یا نہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں جہالت، ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی کے ہزار ہا مظاہرے دیکھے تھے۔ اور یہ بھی ان ہی میں سے ایک تھا۔ ان عورتوں نے مجھے زبردستی اپنا دیوتا بنا لیا تھا تو بھلا میں کیا کر سکتا تھا۔ سمنہ کے باقی میں بیٹھے رہنے کے بعد اب میں تھکن پر آیا تھا تو ایک الگ ہی زندگی میری منتظر تھی۔ ان لوگوں نے مجھے ڈمبالا سمجھا اور میں نے بھی ان کے اس خیال کی تردید کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یہ مجھے خالص عورتوں کا ہی جزیرہ معلوم ہوتا تھا اور میں نے سوچا کہ برسوں کے بعد کچھ دن یہاں عیش و آرام سے گزر جائیں گے۔

نارو کے جھونپڑے میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا تھا سوائے ایک خادمہ کے۔ اسی کو ایک الگ کمرہ ملا ہوا تھا۔ میں نے نارو کے پورے جھونپڑے کو اندر سے اچھی طرح دیکھا اور اس میں موجود سارے سامان کا بخوبی جائزہ لیا۔ مجھے یہ دیکھ کر خاصی حیرت ہوئی کہ اس پورے جھونپڑے میں کہیں کوئی چولہا نہیں تھا اور نہ ہی کوئی ایسا برتن نظر آیا جسے کھانا پکانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہو۔ جھونپڑے میں ہڈیوں، کوڑیوں اور سیپیوں کے ڈھیر بڑی تعداد میں موجود تھے۔ سیپیوں، ہڈیوں اور گھونگوں سے بنے ہوئے زیورات بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ جانوروں کی کھالوں کی بہت زیادہ افراط تھی۔ ایک طرف لکڑی کے بعض صاف ستھرے ٹکڑوں کو گھاس کی بنی ہوئی موٹی موٹی رسیوں سے باندھ کر ایک تخت قسم کی چیز بنائی گئی تھی جو غالباً اس قبیلے کا شاہی تخت تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ یہ لوگ شاید آگ کے استعمال سے واقف نہیں ہیں۔ شام ہی کو میرا خیال غلط ثابت ہو گیا۔

سورج ڈوبنے کے ساتھ ہی زور زور سے ڈھول پیٹے جانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اب گویا جشن کا وقت آ پہنچا تھا۔ میری موجودگی ہی نارو نے دو سیاہ فام مضبوط بدن والی عورتوں کو بلایا اور انھوں نے ایک مردہ انسان کی کھوپڑی میں رکھا ہوا کوئی تیل نارو کے جسم پر ملنا شروع کر دیا۔

جلد انھوں نے نارو کے لمبے اور گھنے بالوں میں بھی کوئی روغن ڈالا اور وہ اس کے سر کی مالش کرتی رہیں۔ نارو آنکھیں بند کیے ہوئے اس عمل سے لطف اندوز ہوتی رہی۔ ڈھولوں کی آواز برابر تیز ہوتی جا رہی تھی اور اس میں عجیب سا آہنگ پیدا ہو گیا تھا۔ نارو کے سر کی مالش کرنے کے بعد ان دونوں عورتوں نے اس کے جسم سے ہڈیوں، کوڑیوں، سیپیوں اور نہ جانے کن کن چیزوں کے بہت سے زیورات اتار کر اسے پہنا دیے۔ مجھے یہ منظر دیکھ کر ہی دل ہی دل میں ہنسی آ رہی تھی۔ نارو کا سر سجا کر تیار کرنے کے بعد وہ دونوں عورتیں نارو کے اشارے پر میری طرف متوجہ ہوئیں۔

ان عورتوں نے میرے لمبے لمبے بالوں میں ایک دوسرے روغن کی مالش شروع کر دی۔ اس دوران میں میرے سر کے بال بھی، جیسا کہ ان عورتوں نے بتایا، سوئی کے گچھوں کی طرح چمکنے لگے۔

اس اہتمام کے بعد ہم چاروں، یعنی میں اور نارو اور وہ دونوں عورتیں جنھوں نے مالش کی تھی، جھونپڑے سے باہر نکلے۔ جھونپڑے کے دروازے پر دو پہلے والی دونوں عورتیں ہاتھوں میں تیر کمان لیے کھڑی ہوئی تھیں۔ انھوں نے جھک کر مجھے اور نارو کو تعظیم دی اور اپنے اپنے تیر کمان کندھوں پر لٹکا کر ہمارے ساتھ چل پڑیں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ہم لوگوں کو کہاں جانا ہے، لیکن جیسے جیسے ہم لوگ آگے بڑھتے جا رہے تھے ویسے ویسے آس پاس کے جھونپڑوں سے نکل نکل کر عورتیں ہمارے جلوس میں شامل ہوتی جاتی تھیں۔ میں ایک بار پھر ان عورتوں کو خوب دیکھ رہا تھا۔ ان میں کوئی مرد شامل نہیں تھا، اور نہ ہی کوئی بوڑھی عورت تھی۔ سب جوان اور ادھیڑ عمر کی عورتیں تھیں اور دس گیارہ سال کے کچھ لڑکے تھے اور بالغ مرد نظر نہیں آ رہا تھا۔ میرے سوال کے جواب میں نارو نے کوئی اور انداز اختیار کیا تھا۔ شاید وہ ابھی مجھے اصل بات بتانے سے گریز کر رہی تھی۔ تاہم مجھے یقین تھا کہ میں جلد ہی اصل حالات معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ لوگوں میں سے کوئی بھی میدان کی طرف نہیں آیا۔

ان سب لوگوں کا رخ بستی کے وسط میں ایک کھلے میدان کی طرف تھا۔ یہ میدان جھونپڑوں سے کافی دور تھا۔ اس میدان کو ہر قسم کے درختوں اور گھاس پھوس سے صاف کر کے مستطیل بنایا گیا تھا۔ اور اس کے آس پاس دور تک پھیلے ہوئے جھونپڑوں کے پیچھے بے حد گھنا اور تاریک جنگل تھا۔ اب شام ہو چکی تھی۔ سورج تقریباً ڈوب گیا تھا اور اس کی

ہلکی ہلکی نارنجی روشنی اب بھی اوپر نیچے درختوں کی چوٹیوں پر پھیلی تھی۔ ہم لوگ جب اس میدان میں پہنچے اور میں نے میدان کی زمین کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ بہت صاف ستھری زمین ہے اور مٹی کوڑے اور گھاس سے بالکل پاک ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس پر خوب اچھی طرح جھاڑو کا ڈھیر کرنے کے بعد ساری دھول مٹی کو جما دیا گیا ہے۔ ایک طرف کئی بڑے بڑے ڈھول ڈنڈے لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ہتھوڑے لیے بڑی طرح پیٹ رہی تھیں۔ نارو کو دیکھتے ہی جیسے جوش و خروش میں مزید اضافہ ہو گیا اور وہ خوب زور زور سے ڈھول پیٹنے لگیں۔ وہ ڈھول پیٹنے کے ساتھ ساتھ بڑی طرح اچھل کود بھی کر رہی تھیں۔ اب بستی کی تقریباً ساری ہی عورتیں میدان میں جمع ہو چکی تھیں۔

اور پھر اچانک ہی ہنگامہ شروع ہو گیا۔ نارو نے میدان کے وسط میں پہنچ کر اچھلنا کودنا شروع کر دیا، اور اس کے ساتھ ہی ساری عورتوں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ وہ بڑی طرح اچھل کود کر رہی تھیں اور حلق سے عجیب و غریب وحشیانہ آوازیں نکال رہی تھیں اور ان کی آواز دم بدم تیز ہوتی جا رہی تھی۔

اور پھر میری آنکھوں نے ایک اور عجیب و غریب منظر دیکھا جس کے بعد دیکھنے والا تھا۔ اس کے مقابلے میں شاید یہ معمولی تھا۔

میں نے دیکھا کہ دس بارہ عورتیں مردوں کے ایک گروہ کو اپنے ساتھ کھینچتی لا رہی ہیں۔ میں نے تعداد گنی۔ وہ دس تھے۔ اور سب کے سب بہت طاقتور، توانا اور لحیم شحیم تھے۔ لیکن ان میں سے کسی کا بھی مقابلہ کسی سے نہیں کیا جا سکتا تھا۔ نارو کے مقابلے میں وہ سب کے سب بونے تھے۔ ان مردوں کو دیکھ کر جیسے عورتوں کے جمع میں ایک چیخ سی اٹھ گئی۔ وہ بڑی طرح چیخنے چلانے لگیں۔ گویا ان پر جنون طاری ہو گیا ہو۔

ایک طرف ایک بہت بڑا مٹی کا برتن رکھا ہوا تھا۔ یوں سمجھو پروفیسر کہ قبیلوں کے چار کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اسی قسم کا یہ برتن تھا۔ اس میں پکی بہت سے مٹی کے پیالے بھی پڑے ہوئے تھے۔ مردوں کو کھینچتی ساری عورتیں جن میں خود نارو بھی شامل تھی، اس برتن کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ نارو نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھ سے بھی برتن کی طرف چلنے کو کہا۔ سب سے پہلے نارو برتن کے قریب پہنچی اور اس نے ایک پیالہ اٹھا کر برتن میں ڈالا۔ برتن میں کوئی عجیب و غریب نارنجی رنگ کا مشروب بھرا ہوا تھا۔ نارو نے پیالہ بھر کر میری طرف بڑھایا اور اس سے کہا "عظیم ڈمبالا اسے پیئے گا۔" نارو نے کہا۔ میں نے اس کے کہنے پر اس مشروب کا پیالہ حلق میں انڈیل لیا۔ اس کا مزہ عجیب کڑوا سا تھا۔ میں نے سارا پیالہ خالی کر دیا اور تب نارو نے بھی وہی پیالہ اٹھا کر دوبارہ برتن میں ڈالا اور اسے بھر کر خود پی گئی۔ اس کے بعد اس نے پیالہ زمین پر رکھ دیا اور خود وہاں سے ہٹ گئی۔ نارو کے ہٹتے ہی باقی عورتوں نے برتن کے گرد مجمع لگا لیا۔ دیمل نے سب سے آگے بڑھ کر بھر بھر کر مردوں کو دینے شروع کر دیے۔ میں نے دیکھا کہ دیمل نے ہر مرد کو چار پیالے مشروب کے پلائے۔ دس مردوں نے وہ مشروب پی لیا اور پھر عورتوں کی باری آئی۔ انھوں نے پیالے بھر بھر کر مشروب پینا شروع کر دیا۔ بعض عورتوں نے تو ایک سے زیادہ پیالے پی ڈالے۔ یہاں تک کہ برتن میں تلچھٹ بھی باقی نہ رہی۔

میں نے نارو کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں خون کبوتر کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔ سیاہ چہرے پر خون کی ہلکی ہلکی سی دوڑ رہی تھی۔ یہی حال ساری عورتوں اور دس مردوں کا تھا۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور چہروں سے خون چھلکنے لگا تھا۔

ڈھول بجانے والی عورتیں بھی مشروب پینے میں شامل ہو گئی تھیں اس لیے ڈھول کی آواز فی الحال بند ہو گئی تھی۔ سب کے سب مشروب کے پیچھے دیوانے ہو رہے تھے۔

اور پھر اچانک ڈھول دوبارہ بجنا شروع ہو گئے۔ اس بار ان کی دھن مختلف تھی۔ نہایت وحشیانہ۔

کے ساتھ نارو بھی رقص کر رہے تھے، اگرچہ ان کی تعداد صرف دس تھی جبکہ رقص میں شامل عورتوں کی تعداد کم از کم پچاس ساٹھ ہو گی۔

دن کے وقت میں نے یہ خیال کیا تھا کہ شاید یہ لوگ آگ کے استعمال سے ناواقف ہیں لیکن جشن کے آغاز کے وقت مجھے اپنی رائے تبدیل کر دینی پڑی تھی۔ یہ لوگ آگ کے استعمال سے واقف تو تھے۔ جس کا ثبوت یہ تھا کہ جشن کے دوران جگہ جگہ پر چربی سے جلنے والی مشعلیں روشن کی گئی تھیں۔ تاریک میدان میں اتنی زیادہ مشعلیں موجود تھیں جن سے کافی روشنی ہو گئی تھی۔ آس پاس کے جنگل سے وحشی جانوروں کی آوازیں آ رہی تھیں لیکن روشنی کی وجہ سے کوئی جانور ادھر کا رخ نہیں کر رہا تھا۔

اب شاید آدھی رات گزر چکی تھی۔ اور تب ایک اور نیا منظر شروع ہوا۔ ایک دل دہلا دینے والا اور انتہائی خوفناک اور وحشت ناک منظر۔

دور سے بستی کی طرف سے ایک آواز سنائی دی "میں آ رہی ہوں لوگو میں آ رہی ہوں۔" اس آواز میں نہ جانے کیا تاثیر تھی کہ نارو سمیت تمام عورتیں اور مرد جو زمین پر پڑے ہوئے تھے، فوراً اپنی اپنی جگہ پر اٹھ کر بیٹھ گئے۔ مجھے یہ آواز کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی تھی۔

اور فوراً ہی مجھے یاد آ گیا۔ یہ آواز عظیم جادوگرنی زراس کی تھی۔

دور اندھیرے میں ایک ہیولا ہم لوگوں کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ ساری عورتیں اور مرد جلدی جلدی سنبھلنے لگے۔ زمین پر لاٹھی ٹیکنے کی آواز بھی سنائی دینے لگی اور ہیولا قریب سے قریب تر

aazzamm@yahoo.com

آ گیا۔ اب سارے لوگ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ کھڑے ہو جانے والوں میں خود نارو بھی شامل تھی۔ اس کا قد آس پاس کھڑی ہوئی عورتوں میں سب سے بلند دبالا نظر آ رہا تھا اور مشعلوں کی ہلکی ہلکی روشنی میں وہ کسی دیوی کی طرح نظر آ رہی تھی۔

نراس آہستہ آہستہ چلتی ہوئی مجمع کے قریب پہنچ گئی۔

"تم سب عورتوں کا کام ہو گیا یا کوئی باقی ہے؟" اس نے اپنی کھنکتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

تمام عورتیں خاموش رہیں۔ مجمع میں سے کوئی آواز بلند نہیں ہوئی تھی۔

"نارو!" نراس نے زور سے آواز لگائی۔

"نارو خاصیت عظیم نراس!" نارو نے آگے بڑھ کر نراس کے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔ "حکم دو!"

"پہلے!" نراس نے ایک تیز دھار والا بڑا سا ہتھیار نکالا جو اس نے نہ جانے کہاں چھپا رکھا تھا۔ میں نارو کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا یہ کسی بہت بڑے جانور کی ہڈی کا بنا ہوا ہتھیار تھا جس کا ایک سرا کسی تیر کی طرح نکیلا تھا اور اس کے ایک جانب تلوار کی طرح دھار بنائی گئی تھی۔ غالباً اس ہڈی کو کافی دیر تک گھسنے کے بعد یہ دھار تیار کی گئی تھی۔ نارو نے بڑے ادب کے ساتھ نراس کے ہاتھ سے وہ ہتھیار لے لیا۔

"نام بتاؤ عظیم نراس!" نارو نے ہتھیار کی دھار پر آہستہ سے اپنی انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔

"ہاں نام تو بتانا ہی پڑے گا!" نراس نے دوبارہ اپنی کھنکتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تعداد تو ہر صورت میں ایک ہی رہے گی۔ ایک بھی زیادہ نہیں ہو سکتا ورنہ نشکان دیوتا ناراض ہو جائے گا۔ سمندر میں سیلاب آ جائے گا۔ طوفانی موجیں زمین کے اس چھوٹے سے خطے کو نگل لیں گی یہاں موجود سارے جاندار سمندر کی تیز و تند لہروں میں ہمیشہ کے لیے فنا ہو جائیں گے۔ ہم سب ختم ہو جائیں گے۔ اس لیے ہم نشکان دیوتا کو کسی حالت میں بھی ناراض نہیں کر سکتے۔ اس کے حکم کی پابندی کی جائے۔ اسے بھینٹ کی ضرورت ہے۔ تمہاری ضرورت سے جو کچھ فاضل ہے وہ نشکان دیوتا کا ہے اور اسی کی امانت ہے۔ اسے واپس لوٹا دو۔"

"ہم حکم کی پابندی کرنے کے لیے تیار ہیں عظیم نراس!" نارو نے ٹھوس سنجیدہ آواز میں جواب دیا۔ "تم نام بتاؤ مقدس خاتون!"

"نام؟" نراس نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔ "تو سن۔ اس دفعہ کا نام ہے آپیل!"

"آپیل!" نارو نے یہ نام دہرایا۔ اور اس کے ساتھ ہی ساری عورتیں اور سارے مردوں کی گروہ میں ایک ہی سمت میں گھوم کر ایک شخص پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ ایک دراز قامت سیاہ فام وحشی تھا اور اس کا جسم کافی صحت مند تھا۔ وہ ان دسوں مردوں میں سے ایک تھا جنہیں عورتوں کے جلو میں یہاں لایا گیا تھا۔

"آپیل!" نارو نے زور سے آواز دی اور اس کی آواز پر ہی آپیل اپنی جگہ سے چند قدم آگے بڑھ کر نارو کے قریب آ گیا۔ نہیں معلوم تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے اور میں اس وقت بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"تجھے مبارک ہو آپیل!" بوڑھی نراس کی کھنکتی ہوئی آواز بلند ہوئی۔ "اس دفعہ نشکان دیوتا نے تیرا انتخاب کیا ہے۔ یہ تیرے لیے بہت بڑے اعزاز اور خوش بختی کی بات ہے۔ اب تو کیا ہے؟"

"میں تیار ہوں مقدس نراس!" آپیل نے گہری مردہ آواز میں کہا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کا جسم ہوتے ہوئے کانپ رہا تھا اور وہ کچھ دیر پہلے کیف و سرور میں ڈوبا ہوا تھا اب ایک پتنگے کی طرح خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔ اس کی پتلیاں سکڑتی ہوئی لگ رہی تھیں۔ وہ مجھے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

آپیل نارو کے آگے آ کر کھڑا ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر دیکھنے لگا۔ نارو کا قد آپیل سے کافی بڑا تھا۔ وہ اس کے سامنے بڑی بھاری بھرکم نظر آ رہی تھی۔

"کیا کہنا چاہتا ہے آپیل؟" نارو نے آپیل سے پوچھا۔

"صرف ایک بات۔ اگر عظیم نراس اس کی اجازت دے!" اس نے کہا۔ نراس نے کہا۔ "تجھے اجازت ہے۔"

"میں ان خوش نصیبوں میں سے ایک ہوں جنہیں نشکان دیوتا کی زیارت کرنے کا موقع ملا ہے۔" آپیل نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہتے ہوئے کہا۔

"میں صرف ایک بار ڈھبالا کو قریب سے، خوب غور سے دیکھنا چاہتا ہوں اور اس کے سامنے تعظیماً جھک جانا چاہتا ہوں۔"

"تو اپنی خواہش پوری کر سکتا ہے آپیل!" بوڑھی نراس کی آواز بلند ہوئی۔

آپیل آہستہ آہستہ چلتا ہوا میرے پاس آیا اور میرے مقابل کھڑا ہو گیا۔ وہ مجھے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں میرے لیے حیرت تھی۔ وہ ذرا دیر تک مجھے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے میرے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ میں نے اس سے کوئی کوشش نہیں کی۔ اس نے میرے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ ان کو اپنی آنکھوں سے رگڑا۔ اس کے بعد وہ دوزانو ہو کر میرے قدموں میں جھک گیا۔ اس نے میرے قدموں کو ہاتھ لگایا اور پھر ہولے ہولے اپنے ہونٹ مس کیے۔

"میرے پردادا کو بھی ڈھبالا کو دیکھنے کا اعزاز حاصل ہوا تھا۔" آپیل نے مجھ سے مخاطب ہو کر دھیمی آواز میں کہا۔ یہ بات مجھے سراسر حیرت ہوئی تھی اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اس نے بھی ڈھبالا کو دیکھا تھا جن حالات میں میں آج تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ اس نے ایک بار پھر میرے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور نارو کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔ اب اس نے اپنی حالت پر کسی قدر قابو پا لیا تھا اور اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات کافی کم ہو گئے تھے۔

"اپنا کام شروع کرنا نارو!" نراس نے حکم دیا۔

نارو نے ایک عورت کو اشارہ کیا اور وہ ایک بڑا سا برتن نہ جانے کہاں سے اٹھا کر لے آئی۔ شاید یہ برتن پہلے سے ہی وہاں کہیں موجود تھا۔ یہ ایک بہت چوڑے منہ کا بڑا سا برتن تھا۔ نارو نے برتن آپیل کے قریب رکھ دیا اور آپیل کو اشارہ کیا۔ آپیل کسی فرماں بردار بچے کی طرح زمین پر لیٹ گیا اور نارو نے وہ برتن اس کی گردن کے نیچے رکھ دیا۔ برتن کا منہ اتنا بڑا تھا کہ آپیل کا پورا سر منہ گردن کے اس برتن میں آ گیا۔ میں دم سادھے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ میرے لیے غالباً یہ سب کچھ بالکل نیا تماشہ تھا لیکن اس موجود مردوں اور عورتوں کے لیے شاید یہ کوئی اتنی نئی بات نہیں تھی تاہم وہ سب کے سب بھی خاموشی سے اس منظر کے سحر میں گرفتار نظر آتے تھے۔

پھر نارو اس ہتھیار کو دائیں ہاتھ میں سنبھال کر جو اسے نراس نے عطا کر دیا تھا زمین پر آپیل کے پاس بیٹھ گئی اور اس نے پوری قوت سے اس ہتھیار کی نوک آپیل کی گردن میں گھسیڑ دی۔ میں نے وحشت زدہ نظروں سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

آپیل کے حلق سے نکلنے والی چیخ اس قدر بھیانک تھی کہ آس پاس کے درختوں پر بسیرا لینے والے بہت سے پرندے گھبرا کر اپنے پر پھڑپھڑاتے ہوئے نکل بھاگے اور تاریکی میں ادھر ادھر ٹکریں مارنے لگے۔ دور جنگل میں کئی جانوروں کے تیز بھاگنے کی آوازیں سنائی دیں۔ اس کے ساتھ ہی ڈھول کی آواز جو اس تمام عرصے میں موقوف رہی تھی۔ ایک بار پھر وحشیانہ انداز میں بلند ہونے لگی اور اس کے ساتھ ہی نشکان دیوتا ہے، نراس عظیم ہے، کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔

آپیل کا جسم بری طرح پھڑکنے لگا لیکن نارو کے قوی ہیکل جسم نے اسے پوری طرح قابو میں کر رکھا تھا۔ نارو نے اسی ہتھیار سے آپیل کی گردن پر کئی اور زخم لگائے اور خون کی دھاریں ہر سمت کو اس برتن میں گرنے لگیں جو آپیل کی گردن کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ نارو نے ذرا سا بھی خون ضائع نہیں ہونے دیا۔

آپیل کا جسم تھوڑی دیر تک پھڑکتا رہا اور پھر خاموش ہو گیا۔ مجھے اس وحشیانہ اور بیہودہ فعل سے سخت نفرت اور کراہت محسوس ہوئی۔ میں اس وقت کچھ نہیں کر سکتا تھا سوائے خاموش رہنے کے۔ میں ان لوگوں کے مقدس رسم و رواج میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور پھر اس فعل میں آپیل کی جان بچا بھی لیتا تو بھی اس سے کیا فائدہ تھا۔ مجھے یہاں کتنے دن رہنا تھا۔ میرے جانے کے بعد پھر وہی سلسلہ شروع ہو جاتا۔ جاہل جہالت اور دباؤ کا مارا ہوا انسان اس وقت ساری دنیا میں اس قسم کی حرکتیں کیا کرتا تھا۔ میں بھلا کس کس کو روک سکتا تھا۔ چنانچہ بے حد خاموشی میں خاموش رہا اور آپیل کا گاڑھا گاڑھا خون برتن میں جمع ہوتا رہا۔ اس کے بعد نارو نے ایک اور عورت کو اشارہ کیا۔ وہ جلدی سے ایک اور برتن لے آئی۔ یہ برتن بھی کافی بڑا تھا۔ نارو نے یہ برتن آپیل کی پشت کے نیچے رکھا اور اسی ہتھیار سے اس کی پشت اور پیٹھ میں کئی سوراخ کر دیے۔ پیٹھ اور پیٹ سے بھی خون بہہ بہہ کر بڑے سے برتن میں جمع ہونے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ لوگ آپیل کے بدن کا سارا خون نچوڑ لینا چاہتے تھے۔ چاروں طرف بالکل سناٹا طاری تھا۔ کوئی کچھ نہیں بول رہا تھا۔ بوڑھی نراس اپنی لاٹھی ایک طرف رکھ کر زمین پر بیٹھ گئی تھی اور آہستہ آہستہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ پڑھ رہی تھی۔ اس کی زبان سے نکلنے والے الفاظ کسی کو بھی سنائی نہیں دے رہے تھے۔

تھوڑی دیر تک یہی عالم رہا۔ آپیل کے جسم کے سوراخوں سے نکلنے والا خون دو برتنوں میں جمع کر لیا گیا۔ اس کے بعد نارو کے اشارے پر دو عورتیں آگے آئیں۔ انھوں نے خون سے بھرے ہوئے برتنوں کو اٹھایا اور اس بڑے سے برتن میں انڈیل دیا جس میں پہلے مشروب بھرا ہوا تھا اور جو اب خالی ہو چکا تھا۔ اس برتن میں خون ڈال دینے کے بعد پھر کچھ عورتیں کہیں قریب سے ہی بڑے بڑے برتنوں میں پانی بھر کر لائے لگیں اور اس نادیدہ برتن میں ڈالنے لگیں۔ یہاں تک کہ وہ پورا بھر گیا۔ اب اس میں خون اور پانی کا ایک غلیظ ملغوبہ تیار ہو چکا تھا اور بڑا سا برتن اس سے لبالب بھرا ہوا تھا۔

نارو نے سب سے پہلے ایک پیالہ اٹھایا۔ اس میں وہ ملغوبہ بھرا اور بڑے ادب و احترام کے ساتھ بوڑھی نراس کو پیش کیا۔ بوڑھی نے بڑے ذوق و شوق کے ساتھ وہ پیالہ پی لیا۔ مجھے اس قدر کراہت محسوس ہوئی کہ میں نے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا۔ اس کے بعد نارو نے دوسرا پیالہ بھرا اور میری طرف بڑھایا۔ میں نے اشارے سے منع کر دیا۔

"عظیم ڈھبالا اپنی مرضی کا مالک ہے۔" نراس نے کھنکتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اسے مجبور نہ کرنا نارو۔ وہ جو کچھ چاہے گا پیے گا۔ جو نہیں چاہے گا نہیں پیے گا۔ جو چاہے گا کرے گا۔ جو نہیں چاہے گا نہیں کرے گا۔"

میرے انکار کے بعد نارو نے وہ پیالہ اپنے منہ سے لگا لیا اور غٹ غٹ کر کے پی گئی۔ اس کے بعد اس نے دوسری عورتوں کو اشارہ کر دیا۔ وہ سب کی سب اس برتن پر پل پڑیں اور پیالے بھر بھر کر پینے لگیں۔ آپیل کا مردہ جسم جو خون نکل جانے کی وجہ سے زردی مائل ہو رہا تھا ایک طرف پڑا ہوا تھا اور عورتیں اس مغلول کر پینے میں لگی ہوئی تھیں جس میں آپیل کا خون ملا ہوا تھا۔ ذرا دیر میں برتن خالی ہو گیا۔

scanned by aziz@FanZone

aazzamm@yahoo.com

اگرچہ یہ ایک کراہت آمیز منظر تھا، لیکن میرے لیے نیا نہیں تھا۔ میں اس سے پہلے بھی انسانوں کو انسانوں کا خون پیتے دیکھ چکا تھا۔ مجھے شمونہ بھی یاد تھی جو نوجوانوں کو ہلاک کرکے ان کے خون سے ایک محلول تیار کرتی تھی اور پھر پورے مہینے اسے پیتی تھی۔ لیکن خون پینے کی اس کارروائی کے بعد یہاں جو دوسرا مرحلہ شروع ہوا اسے دیکھ کر میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ یہ بڑا ہی بھیانک مرحلہ تھا۔

نارو نے اسی ہتھیار کی مدد سے جس سے اس نے آپیل کو ہلاک کیا تھا، اس کے جسم کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹنا شروع کردیا۔ سب سے پہلے اس نے اس کے دونوں بازو شانوں تک سے الگ کردیے۔ پھر اس کی دونوں ٹانگیں جانگھوں کے پاس سے کاٹ دیں۔ پھر بازوؤں کو کہنیوں سے کاٹ کر الگ کردیا اور اسی طرح ٹانگوں کو گھٹنوں سے الگ کرڈالا۔ پھر وہ تقریباً دو گھنٹے تک اس کے جسم کے مختلف حصوں کو چھوٹی چھوٹی بوٹیوں اور ہڈیوں کی شکل میں کاٹتا رہا۔ میں خاموش بیٹھا اس گھناؤنے منظر کو دیکھتا رہا اور دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔ آپیل جو چند گھنٹے پہلے ایک جیتا جاگتا اور زندگی سے بھرپور انسان تھا، اب چھوٹی چھوٹی بوٹیوں کے ایک ڈھیر کی شکل میں تبدیل ہوچکا تھا۔

اب صرف آپیل کی کھوپڑی صحیح و سالم حالت میں رہ گئی تھی۔ نارو نے ایک دوسرے ذیلی ہتھیار سے جو اسے ایک عورت نے لا کر دیا تھا، آپیل کی کھوپڑی کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کردیے اور اس کا بھیجا اور دوسری چیزیں نکال لیں۔ اور پھر اس نے کھوپڑی کے ایک ٹوٹے ہوئے حصے کو پیالے کے طور پر استعمال کرتے ہوئے اس میں بھیجا رکھ کر بڑے ادب و احترام کے ساتھ نراس کو پیش کیا۔ نراس نے فوراً ہی اپنے ناتواں و کمزور ہاتھوں میں کھوپڑی کا وہ ٹکڑا پکڑ لیا اور جلدی جلدی آپیل کے بھیجے کو کچا کھانے لگی۔ میں اس غلیظ اور ناقابلِ برداشت منظر کی تاب نہ لا سکا اور میں نے اپنا چہرہ دوسری طرف کرلیا۔

نراس نے بھیجا کھانے کے بعد اپنی انگلیاں چاٹیں۔ اس کے بعد نارو نے اسے آپیل کا دل پیش کیا۔ نراس نے، جس کے دانت اس ضعیف العمری میں بھی نہ جانے کتنے مضبوط تھے، خوب چبا چبا کر آپیل کا دل بھی کھا لیا۔ تمام عورتیں اور بہت خاموشی سے اپنی چٹائیوں پر بیٹھے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے یہ سب کچھ کسی بھیانک خواب کی طرح نظر آرہا تھا۔ رات کا تاریک اور پُراسرار ماحول، چاروں طرف پھیلے ہوئے وسیع اور سائیں سائیں کرتے ہوئے جنگل سے، اس میں انواع و اقسام کے جانوروں کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس جنگل کے وسط میں ایک چھوٹا سا کھلا ہوا میدان اور وہاں عجیب الخلقت لوگوں کا اجتماع۔ کالے کالے، ڈراؤنے اور موٹے تازے جسم۔ انسان کی لاش کا قیمہ۔ ایک بوڑھی اور بہت جادوگرنی ہونے کے ناتے انسانی گوشت کھا رہی تھی۔ مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ یہ سب کچھ حقیقت ہے۔ مگر یقین کیے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ نراس کے بعد نارو نے گوشت کا ایک بڑا سا ٹکڑا میری طرف بڑھایا، لیکن میں نے گردن ہلا کر انکار کردیا۔

نراس جب اپنے اس گھناؤنے کام سے فارغ ہوگئی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور تمام لوگوں سے مخاطب ہوکر بولی: "میں اب جا رہی ہوں۔ تم لوگوں کو اجازت ہے کہ ڈبالا کو آپیل کی جگہ مردوں کے گروہ میں شامل کرلو۔" میں جادوگرنی کے ان الفاظ کا مطلب پورے طور پر نہیں سمجھ سکا، وہ نہ جانے کون سے گروہ میں مجھے شامل کرنے کی بات کر رہی تھی۔

اپنی بات ختم کرکے نراس اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے ساتھ وہ تمام لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے جو اب تک بیٹھے ہوئے تھے۔ نراس اپنی لاٹھی ٹیکتی ہوئی اسی طرف روانہ ہوگئی جس طرف سے وہ آئی تھی اور دم بھر میں نظروں سے غائب ہوگئی۔

نراس کے جاتے ہی عورتوں نے نارو کے گرد حلقہ ڈال دیا۔ اب وہ مردوں کو بھول چکی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ مرد سہمے ہوئے نظر آرہے تھے۔ وہ سب کے سب میدان میں ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے اور ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ ان کا سارا بلند جوش رخصت ہوچکا تھا اور ان کی حالت قابلِ رحم نظر آرہی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے تک ان کی تعداد دس تھی، لیکن اب وہ گھٹ کر نو رہ گئے تھے۔ ان کے ایک ساتھی کو ان کی آنکھوں کے سامنے ہی ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا گیا تھا۔

نارو نے عورتوں کے مجمع پر ایک نظر ڈالی جو ہمہ تن گوش نگاہوں سے آپیل کے کٹے ہوئے گوشت کی بوٹیوں کو دیکھ رہی تھیں۔ نارو نے ہاتھ کے اشارے سے انھیں روکا۔ پہلے اس نے گوشت کا ایک بڑا سا ٹکڑا اٹھایا اور اسے اچھی طرح دیکھ بھال کر ایک طرف الگ رکھ دیا۔ اس کے بعد اس نے گوشت کے ٹکڑوں کو ان عورتوں کے درمیان تقسیم کرنا شروع کردیا۔ وہ بڑی ترتیب اور نظم و ضبط کے ساتھ باری باری نارو کے پاس آتیں اور وہ انھیں تھوڑا تھوڑا گوشت دیتی جاتی تھی۔ وہ بڑے ذوق و شوق اور رغبت کے ساتھ وہیں کھڑے کھڑے کھانا شروع کردیتیں۔ جب ساری عورتوں میں گوشت تقسیم کیا جاچکا تو نارو نے میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا: "عظیم ڈبالا نے قربانی کی تو خون چکھا، گوشت۔ اب بھی تھوڑا سا گوشت موجود ہے۔ اگر تم چاہو تو تمھیں پیش کیا جائے۔"

"نہیں، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے بمشکل اپنے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

میرے الفاظ کے فوراً ہی بعد نارو نے گوشت کا وہ بڑا سا ٹکڑا جسے پہلے ہی بچا کر الگ رکھ دیا تھا، کھانا شروع کردیا۔ وہ اس انداز میں کھا رہی تھی جس طرح میں نے آج صبح اس جگہ پر قدم رکھنے کے بعد شمیال کو انسانی گوشت کھاتے ہوئے دیکھا تھا۔ مجھے سخت گھن آرہی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں طے کرلیا کہ میں اس جگہ زیادہ عرصہ قیام نہیں کروں گا۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ کچھ دنوں تک یہاں رکوں گا، لیکن ان لوگوں کی مکروہ اور نفرت حرکتیں دیکھ کر میرا جی بیزار ہوگیا۔ انھوں نے میری آنکھوں کے سامنے اپنے ایک ساتھی کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے کھایا تھا۔

خون پینے اور گوشت کھانے کے بعد یہ عجیب و غریب جشن اختتام کو پہنچا اور تمام عورتیں اپنے اپنے جھونپڑوں کی طرف لوٹ گئیں۔ میں نے دیکھا کہ مسلح عورتوں کی ایک جمعیت نے نامردوں کو گھیرا ڈال دیا اور انھیں ایک طرف لے جایا جانے لگا۔ مجھے معلوم تھا کہ ان مردوں کو کہاں لے جایا جائے گا اور اب ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔

دو عورتیں، جو نارو کے جھونپڑے کے باہر پہرہ دیتی تھیں، ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعلیں لیے آگے آگے چلنے لگیں۔ میں اور نارو ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ باقی عورتیں اپنے اپنے جھونپڑوں کی طرف روانہ ہوچکی تھیں۔

میں اور نارو جب جھونپڑے کے دروازے پر پہنچے تو دونوں مسلح عورتیں وہیں رک گئیں۔ اندر سے ایک اور عورت نکل کر آئی۔ میں نے اسے پہچانا تھا۔ یہ ان دو عورتوں میں سے تھی جنھوں نے میرے اور نارو کے جسم پر روغن کی مالش کی تھی۔

نارو نے مجھے اس کمرے میں بھیج دیا جس میں میں آج دوپہر کو نارو کے ساتھ لیٹا تھا۔ نارو بہت تھکی ہوئی تھی، لیکن ظاہر ہے کہ اسے تھکنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ نارو دوسرے کمرے میں جا کر سو گئی، لیکن مجھے بڑی دیر تک نیند نہیں آئی۔ میں ان واقعات کے بارے میں دیر تک سوچتا رہا جو آج رات مجھے پیش آئے تھے۔ بہت غور و خوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ان لوگوں کو ظالم قرار دینا یا ان سے نفرت کرنا بے معنی ہے۔ تہذیب و تمدن کی دنیا سے ہزاروں لاکھوں میل دور یہ لوگ تاریک سیاہ جنگلات میں گھرے ہوئے انتہائی پسماندہ اور وحشیانہ زندگی گزار رہے تھے۔ انھوں نے وہی طور طریقے اپنا رکھے تھے جو ان کے آباؤ اجداد نے زمانے سے، صدیوں سے، قرنوں سے چلے آرہے تھے۔ یہاں علم و آگہی کی روشنی کا دور دور تک کوئی پتا نہ تھا۔ ہر طرف ظلمت اور جہالت کا دور دورہ تھا۔ میں نے کافی سوچ بچار کے بعد اپنے سابقہ فیصلے پر نظرِ ثانی کی۔ میں نے طے کیا کہ کچھ عرصہ میں اس بستی میں گزاروں گا۔ شاید میں یہاں کے لوگوں کو کچھ سکھا سکوں، شاید میں انھیں علم و تہذیب کا کچھ حصہ دے سکوں۔

میں انھی خیالات میں غلطاں و پیچاں تھا کہ مجھے کمرے کے دروازے پر ایک تاریک سا سایہ نظر آیا۔ کوئی دروازے میں کھڑا ہوا تھا۔

"کون ہے؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"میں ہوں پالشا۔" ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ لہجہ بہت دھیما تھا۔

"پالشا؟" میں نے پوچھا۔ "کون پالشا؟ میں تو تمھیں نہیں جانتا۔ اس وقت تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"میں نے عظیم ڈبالا کی مالش کی تھی۔" پالشا نے جواب دیا۔

میں چاہتا تھا کہ کوئی ایسا ہو جو مجھے یہاں کے حالات کے بارے میں، بوڑھی عورتوں کی عدم موجودگی اور مردوں کی کمیابی کے بارے میں بتائے، مجھے یہاں کے طور طریقوں اور رسم و رواج کے بارے میں بتائے۔ نارو میرے سوال کا جواب صاف گول کرگئی تھی اور اس بات کی امید بھی نظر نہیں آتی تھی کہ وہ اصل حالات کے بارے میں مجھے سچ سچ بتا دے گی۔ اس لیے میں نے پالشا کی دعوت فوراً قبول کرلی اور اس سے کہا کہ وہ میرے پاس آجائے۔

"تم نارو کی خدمت پر کب سے مامور ہو؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے یاد نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "صرف اتنا معلوم ہے کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے تب سے میں اور میری بڑی بہن مالشا نارو کی خدمت کر رہی ہیں۔ نارو بہت اچھی عورت ہے۔ وہ ہم سب پر مہربان ہے، اور نراس نارو پر مہربان ہے اور شکان نراس پر مہربان ہے۔"

"مجھے یہ بات ذرا تفصیل سے سمجھاؤ۔" میں نے اس سے کہا۔

"نارو اس بستی کی سردار ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "وہ ہم سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ ہم سب نے مل کر اسے اپنا سردار بنایا ہے۔ ہم لوگ جب چاہیں، سردار کو تبدیل بھی کرسکتے ہیں۔ لیکن اس صورت میں جو عورت بھی سرداری کا دعویٰ کرے گی اسے نارو سے مقابلہ کرنا ہوگا۔ اگر وہ اس مقابلے میں نارو کو شکست دے دے گی تو نارو کو سرداری سے دست بردار ہونا پڑے گا اور فاتح عورت سردار بن جائے گی۔ ورنہ بصورتِ دیگر نارو کو حق ہوگا کہ وہ ہارنے والی عورت کے ساتھ جو چاہے سلوک کرے۔ نارو قبیلے کی سردار ہے اور نراس ہماری سب سے بڑی جادوگرنی ہے۔ وہ ہم سب لوگوں کو بلاؤں سے محفوظ رکھتی ہے۔ اس کا علم بہت وسیع ہے۔ نراس نارو پر خاص نظرِ عنایت کرتی ہے۔ شکان ہمارا سب سے بڑا دیوتا ہے، وہ ہمارے مویشیوں کی تعداد بڑھاتا ہے، ہمیں شکار مہیا کرتا ہے، ہماری قربانیاں قبول کرتا

Scanned by aazzamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

ہے اور ہمیں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ زراس، شکان کی زندہ شخصیت ہے۔ وہ اس بات کا خاص خیال رکھتی ہے کہ بستی میں کوئی شخص بھی شکان کی ناراضگی کا کام نہ کرے۔ شکان زراس سے بہت خوش، زراس نارو سے بہت خوش ہے اور نارو ہم سب لوگوں سے بہت خوش ہے۔" پالشا نے وضاحت کے ساتھ مجھے ساری بات بتاتے ہوئے کہا۔

"آج رات جو قربانی کی رسم ادا کی گئی تھی، اس کا کیا مقصد تھا؟" میں نے پالشا سے پوچھا۔

"اس کا مقصد شکان دیوتا کو خوش کرنا تھا۔ شکان دیوتا کو وقتاً فوقتاً قربانی کی ضرورت رہتی ہے۔ اگر اسے قربانی نہ دی جائے تو وہ ناراض ہو جاتے گا۔ اسے قربانی دینے کے لیے باقاعدہ ایک بڑے جشن کا اہتمام کرنا پڑتا ہے، جیسا کہ رات ہوا تھا۔ اور اسی جشن میں شکان دیوتا کے حضور میں قربانی پیش کی جاتی ہے۔" پالشا نے جواب دیا۔

"لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ شکان دیوتا کے لیے مرد کی ہی قربانی دی جائے؟" میں نے سوال کیا۔ "کیا وہ عورت کی قربانی قبول نہیں کرتا؟"

"نہیں۔" پالشا نے جواب دیا۔ "شکان دیوتا صرف مرد کی ہی قربانی قبول کرتا ہے، عورت کی نہیں۔"

"تمھاری بستی میں مردانگی کم تعداد میں کیوں ہیں، جبکہ عورتوں کی تعداد مردوں کے تناسب کے اعتبار سے بہت زیادہ ہے؟" میں نے گھما پھرا کر اپنے سوال کو زیادہ سے زیادہ سادہ اور آسان بنا کر پیش کیا۔

"ہماری بستی میں صرف توانا مردوں کو ہی رہنے کی اجازت ہوتی ہے۔" پالشا نے اپنے لہجے کو مزاحیہ بناتے ہوئے اصل بات کو چھپانے کی کوشش کی تھی۔ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس موضوع پر مجھ سے کھل کر گفتگو کرنے سے احتراز کر رہی ہے۔ میں نے بھی اسے مزید سوالات کر کے پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا۔ مجھے کوئی ایسی خاص جلدی بھی نہیں تھی۔ میں کچھ دن تک یہاں قیام کرنے کے بعد بھی اصل حالات معلوم کر سکتا تھا۔ میں یہ بھی نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ مجھے اس سلسلے میں کوئی خاص تجسس ہے۔

پالشا اس رات کافی دیر تک میرے ساتھ رہی۔

جب میں سو کر اٹھا تو اس وقت جھونپڑا مجھے خالی نظر آیا۔ میرے قریب کوئی اور موجود نہیں تھا۔ میں نے جھونپڑے کے دوسرے کمروں کا جائزہ لیا۔ ایک کمرے میں مجھے پالشا نظر آ گئی۔ وہ کسی درخت کی چھال سے کوئی رسی جیسی بٹ رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ اس رسی کی مدد سے وہ لوگ چھوٹے موٹے جانور پکڑنے کے لیے پھندا تیار کرتے ہیں۔

پالشا نے مجھ سے کہا کہ اگر میں چاہوں تو وہ مجھے ابھی کچھ کھانے کو دے سکتی ہے اور اگر میری مرضی ہو تو میں پہلے چشمے پر نہا لوں اور اس کے بعد کچھ کھا لوں۔ میں نے پہلے نہانے کا فیصلہ کیا اور پالشا سے کہا کہ وہ مجھے چشمے تک لے چلے۔ پالشا نے میری رہنمائی کی اور ہم دونوں چشمے کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہ چشمہ کیا تھا ایک اچھی خاصی پہاڑی ندی تھی جس کا صاف اور شفاف پانی اوپر پہاڑوں پر سے بہتا ہوا آتا تھا اور کچھ دور تک بہتے رہنے کے بعد سمندر میں جا ملتا ہے۔ یہ بہت ہی پُرفضا جگہ تھی۔ بے شمار ہرے بھرے درختوں اور سیکڑوں بیلوں کے درمیان انواع و اقسام کے پھولوں سے بھری ہوئی تھیں۔ پہاڑی ندی گنگناتی ہوئی بہتی تھی۔ اس کا پانی کسی شیشے کی طرح صاف و شفاف تھا۔ اوپر سے گرنے والے پانی کی دھار کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ اور میرے روئیں روئیں میں جیسے لطافت اور فرحت کا احساس دوڑ گیا۔ پالشا نے مجھے بتایا یہ جگہ نہانے کے لیے بہت خطرناک ہے۔ کیونکہ یہاں بڑے بڑے پتھر اوپر سے گرتے ہوئے آتے ہیں اور ان میں کسی کی جان کا خطرہ رہتا ہے۔ وہ مجھے چشمے کی دوسری طرف لے جا رہی تھی۔ لیکن میں نے اس کی بات نہیں مانی۔

"یہ پانی کافی اونچائی سے یہاں بہتا ہوا آتا ہے۔" میں نے اوپر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، یہ اوپر پہاڑوں کی چوٹیوں سے آتا ہے۔" پالشا نے جواب دیا۔ اور وہ بھی اوپر کی طرف دیکھنے لگی۔ اچانک ہی وہ زور سے چیخی

"بچ کر مجھ سے بھاگنے کے لیے کہا۔ لیکن جب تک میں کچھ سمجھ سکوں کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے اور اس کا مقصد کیا ہے، ایک بہت بڑا منوں وزنی پتھر اوپر سے پانی کے ساتھ لڑھکتا ہوا آیا اور پوری قوت کے ساتھ میرے سر سے ٹکرایا۔ مجھے اپنے سر میں ایک ہلکی سی دھمک سی محسوس ہوئی۔ لیکن پالشا اس وقت کے مارے مبہوت ہو چکی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس بھاری پتھر کی میرے سر کو چکنا چور کر ڈالا ہوگا۔ گو کہ ان لوگوں کی نظروں میں دیوتا تھا، لیکن معلوم نہیں کہ ان لوگوں کے دیوتاؤں کے سر ایسی ضربوں کو برداشت کر لیتے تھے یا نہیں۔

میں پانی سے نکل کر آیا اور میں نے بیہوش پالشا کو سنبھالا۔ اس کے منھ پر پانی کے چھینٹے دیے اور ذرا دیر بعد اسے ہوش آ گیا۔ مجھے اپنے سامنے زندہ و سلامت اور صحیح و سالم حالت میں دیکھ کر اسے سخت حیرت ہوئی۔

"تم... تم زندہ ہو ڈبالا؟" اس نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔ "اتنا بھاری پتھر تمھارے سر پر گرا اور تم بچ گئے؟"

"اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیا تم لوگ مجھے دیوتا نہیں مانتے؟"

"یہ بات نہیں ہے عظیم ڈبالا۔" پالشا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اس نے ہم لوگوں کو یہ بتایا ہے کہ ڈبالا سمندروں کا دیوتا ہے اور اس کی ساری زندگی پانی میں گزرتی ہے۔ ہر سو سال بعد دیوتا ایک انسان کا روپ دھار کر سمندر سے نکل کر اس بستی میں آتا ہے۔ لیکن ڈبالا دیوتا کا یہ انسانی روپ کئی لحاظ سے بڑا کمزور ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ ڈبالا کا انسانی روپ آگ کی تپش کو زیادہ برداشت نہیں کر سکتا اور دوسرے یہ کہ وہ کسی بھاری ضرب کی تاب نہیں لا سکتا۔ اگر ڈبالا کے ساتھ ان دونوں میں سے کوئی ایک بات ہو تو وہ فوراً اپنے انسانی جسم کو چھوڑ کر دوبارہ سمندر میں واپس چلا جاتا ہے اور اس کے بعد آئندہ سو برس سے پہلے واپس نہیں آتا۔ تمھارے سر پر بھاری پتھر گرتے دیکھ کر مجھے فوراً ہی یہ خوف ہوا کہ تم اپنے انسانی جسم کو چھوڑ کر دوبارہ سمندر میں چلے جاؤ گے۔ ہماری بستی پر جو رحمتیں تمھاری وجہ سے نازل ہوتی ہیں، ہم لوگ ان سے محروم رہ جائیں گے۔ لیکن مجھے سخت حیرت اس بات پر ہے کہ تمھارے سر پر اتنا بھاری پتھر گرا، لیکن تم پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ میری پرانی بستی مجھے بتاتی تھیں کہ ایک بار ڈبالا کے سر پر اسی طرح پتھر گر گیا تھا اور ڈبالا اپنے انسانی جسم کو چھوڑ کر فوراً ہی رخصت ہو گیا تھا۔ سنا ہے کہ اس کے بعد پھر وہ سو برس کے بعد ہی واپس آیا تھا۔"

"لیکن میرے ساتھ ایسا نہیں ہوگا۔"

"اب تمھیں یقیناً کچھ کھانے کی ضرورت ہوگی۔" پالشا نے مجھ سے کہا اور ہم دونوں نارو کے جھونپڑے کی طرف روانہ ہو گئے۔

راستے میں جگہ جگہ ہمیں عورتوں کے گروہ ملے جو مختلف کاموں میں مصروف تھے۔ میں ان لوگوں کی زندگی کا بڑے قریب سے مطالعہ کرنا چاہتا تھا اور اسی لیے میں نے اس بات پر خاص توجہ دی کہ یہ لوگ کیا کام کر رہی ہیں۔ بستی میں اس وقت زیادہ عورتیں موجود تھیں۔ کچھ عورتیں ایک طرف بیٹھی ہوئی ایک پرانے انداز کی کشتی کی ٹوٹی ہوئی جگہ سے ٹوٹ گئی تھی [illegible] کی کوشش میں لگی ہوئی تھیں۔ کچھ عورتیں بیٹھی ہوئی مچھلی پکڑنے کے ایک پرانے سے جال کی مرمت کر رہی تھیں۔ کچھ دوسری عورتیں ایندھن جمع کرنے میں مصروف تھیں۔ وہ سب کی سب کسی نہ کسی کام میں مصروف تھیں۔ میں اور پالشا جدھر سے بھی گزرے، عورتوں نے گردنیں جھکا جھکا کر مجھے تعظیم دی۔

"باقی عورتیں کہاں ہیں؟" میں نے پالشا سے سوال کیا۔ "اس وقت ان کی بہت کم تعداد یہاں نظر آ رہی ہے۔"

"وہ سب کی سب شکار کرنے اور مچھلی پکڑنے کے لیے گئی ہوئی ہیں۔" پالشا نے جواب دیا۔ "اور نارو بھی انھی میں شامل ہے۔ سب یہ لوگ جب شام کو واپس آئیں گی تو ان کے ساتھ بہت سا شکار ہوگا جسے ہم سب لوگ مل کر کھائیں گے۔"

اس اثنا میں ہم لوگ دوبارہ نارو کے جھونپڑے میں پہنچ گئے تھے۔ پالشا نے میرے سامنے کھانا لا کر رکھ دیا۔ اور پروفیسر اس کھانے کو دیکھ کر میرا جی متلا گیا۔ یہ ایک خرگوش تھا۔ اچھا خاصا بڑا سا خرگوش، جس کی کھال اتار دی گئی تھی اور بس۔ وہ بالکل کچا تھا۔

"یہ ہمارے علاقے کا سب سے لذیذ خرگوش ہے۔" پالشا نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "اس کا رنگ سفید و سیاہ ہوتا ہے اور یہ عام خرگوشوں کے مقابلے میں زیادہ تیز اور پھرتیلا ہوتا ہے اسی لیے اس کا شکار بھی مشکل ہوتا ہے۔ اس کا گوشت باقی خرگوشوں سے زیادہ لذیذ اور مزیدار ہوتا ہے۔ نارو مجھے صبح خاص طور پر ہدایت کر کے گئی تھی کہ تمھیں کھانے کے لیے یہی خرگوش دیا جائے۔ اس کا شکار کل دن میں ہی کر لیا گیا تھا۔ تم نے کل رات کو بھی کچھ نہیں کھایا تھا اس لیے اسے اب پیٹ بھر کر کھا لو۔"

ظاہر ہے پروفیسر میرے لیے یہ گندگی کھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"تم لوگ کچا گوشت ہی کھاتے ہو؟" میں نے پالشا سے پوچھا۔

"کچا؟" پالشا نے حیرت سے پوچھا۔ "کچا کیا ہوتا ہے؟ گوشت تو گوشت ہوتا ہے اور بس۔"

"میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تم گوشت کو پکا کر کیوں نہیں کھاتے؟" میں نے پوچھا۔

"پکانا کیا ہوتا ہے؟" پالشا نے معصومیت اور حیرت کے ساتھ پوچھا۔ "ہم لوگ یہ کام کرنا نہیں جانتے۔"

"تم لوگ آگ سے کیا کام لیتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"آگ سے ہم روشنی کا کام لیتے ہیں۔ ہم جانوروں کی چربی سے مشعلیں بناتے ہیں جن کو روشن کر دینے سے اندھیرا دور ہو جاتا ہے۔ سردیوں میں ہم آگ جلا کر اس کے پاس بیٹھتے ہیں۔ اس طرح ہمارے جسموں کو گرمی لگتی ہے۔ آگ کے ذریعے ہم جنگلی اور وحشی جانوروں کو بھگاتے ہیں۔"

"بس؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں بس۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن آگ بڑی ظالم چیز ہے۔ کبھی کبھی یہ ہمارے جھونپڑوں کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ کچھ بھی باقی نہیں بچتا۔ اور پھر کبھی کبھی جنگل میں بھی آگ لگ جاتی ہے۔ اس وقت ہم لوگوں کو بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جنگل میں لگی ہوئی آگ بڑی تیزی سے پھیلتی چلی جاتی ہے اور اکثر ہماری بستی بھی اس کی لپیٹ میں آ جاتی ہے۔ سب کچھ جل جاتا ہے اور پھر کچھ عرصے کے بعد ہمیں نئے سرے سے اپنے مکانات تعمیر کروانے پڑتے ہیں۔ یہی کچھ ہوتا رہتا ہے۔ مگر تم

Scanned by aazzamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

گوشت تو کھا لو۔"

"نہیں، میں یہ گوشت اس طرح نہیں کھاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔ "میں تم لوگوں کو بتاؤں گا کہ گوشت کو کس طرح پکایا جاتا ہے۔ میں خود بھی پکا ہوا گوشت کھاؤں گا اور تم لوگوں کو بھی کھلاؤں گا۔ تم دیکھنا وہ کتنا لذیذ ہوتا ہے۔"

"کیا واقعی؟" پالشا نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "تم خود ہی دیکھ کر فیصلہ کرنا۔"

"اچھا تو شام کو جب ساری عورتیں بھی شکار سے واپس آجائیں، تب تم یہ کمال دکھانا۔" پالشا نے کہا۔

شام تک ساری بستی میں یہ خبر پھیل گئی کہ عظیم ڈمبالا کوئی کمال دکھانے والا ہے۔ نارو جس وقت دو تین عورتوں کے ساتھ جھونپڑے میں داخل ہوئی تو اس کے ساتھ مچھلیوں سے بھرے ہوئے دو ٹوکروں کے علاوہ کئی خرگوش اور ہرن بھی تھے۔ نارو کو جھونپڑے میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس بات کی خبر مل گئی تھی کہ میں کوئی کمال دکھانے والا ہوں۔ اس نے آتے ہی ایک موٹی تازی مچھلی ٹوکرے میں سے اٹھا کر میری طرف بڑھا دی اور کہا کہ میں کمال دکھانے سے پہلے یہ مچھلی کھا لوں۔

"جو کمال میں دکھاؤں گا اس کا تعلق اس مچھلی سے بھی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اس کو ابھی رکھو۔"

میں نے نارو کے جھونپڑے کے سامنے آگ جلائی اور ایک بڑے سے مٹی کے برتن میں پانی بھروا کر اس میں مچھلیاں ڈال دیں اور انھیں ابلنے کے لیے رکھ دیا۔ ساری بستی کی عورتیں جمع تھیں اور آنکھیں پھاڑے حیرت سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ ان کے خیال کے مطابق میں کوئی معجزہ دکھانے جا رہا تھا۔ مجھے ان سادہ لوح لوگوں سے دلی ہمدردی محسوس ہوئی۔

تھوڑی دیر میں مچھلی ابل گئی اور میں نے درختوں کے پتوں کی مدد سے گرم گرم برتن کو پکڑ کر نیچے اتار لیا۔ تمام عورتیں قریب آکر برتن کو غور سے دیکھنے لگیں۔ میں نے تھوڑی دیر تک برتن کو ٹھنڈا ہونے دیا اور پھر اس کے بعد ایک چھوٹا سا برتن ڈبو کر اس میں ایک مچھلی نکالی اور نارو کو کھانے کے لیے دی۔ نارو نے ڈرتے ڈرتے مچھلی کا ایک ٹکڑا منھ میں رکھا اور پھر اچھل پڑی۔ مچھلی اس کے منھ میں گھل گئی تھی۔ اس نے جلدی جلدی مچھلی کھا لی۔

"یہ تو بڑی عجیب و غریب چیز بن گئی ہے۔" نارو نے خوشی سے اچھلتے ہوئے کہا۔ "اس کا تو جواب ہی نہیں ہے۔ یہ تو واقعی لاجواب ہے۔"

اور پھر باری باری تمام عورتوں نے ابلی ہوئی مچھلی کھائی اور اس میں انھیں ایک نیا ذائقہ، ایک نئی لذت محسوس ہوئی۔ وہ سب کی سب اس کارنامے سے بہت خوش ہوئیں اور میری ذات پر ان کا اعتقاد اور بھی بڑھ گیا۔ میں ان کا دیوتا ہو چکا تھا۔

اس کے بعد میں نے ان لوگوں کو آگ پر گوشت بھوننا سکھایا۔ بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو جب چاروں طرف پھیلی تو یہ اس علاقے کے لیے بالکل نئی خوشبو تھی۔ ان لوگوں کو اس خوشبو کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ جنگل میں رہنے والے ان وحشی اہل فنون کی سونگھنے کی صلاحیت بہت تیز تھی۔ مجھے اس بات کا اندازہ اس وقت ہوا جب میں نے لاٹھی کھٹکھٹانے کی آواز کے ساتھ ہی نراس کی کھنکتی ہوئی آواز سنی۔ "میں آرہی ہوں، میں آرہی ہوں۔"

نراس کی آواز سنتے ہی چاروں طرف سناٹا طاری ہو گیا۔ بھاگتی ہوئی عورتوں کے قہقہے رک گئے۔ ان کی آپس کی چہلیں ختم ہو گئیں۔ وہ سب کی سب سنجیدہ ہو گئیں اور اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ نراس قریب آگئی اور نارو سمیت تمام عورتوں نے دبی زبان سے کہا۔ "نراس عظیم ہے۔"

"میں ایک بالکل نئی مہک سونگھ رہی ہوں۔" نراس نے نتھنے پھڑکاتے ہوئے کہا۔ "یہ بھی مہک مجھے اتنی دور سے یہاں تک کھینچ کر لائی ہے۔ یہ مہک ہماری بستی کی نہیں ہے۔ یہ اجنبی مہک ہے۔ کسی اجنبی چیز کو ہماری بستی میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔" نراس کی آواز میں سختی تھی۔

"عظیم نراس کا اقبال بلند ہو۔" نارو نے احترام سے کہا۔ "انھوں نے ہمیں گوشت اور مچھلی کھانے کے کچھ نئے طریقے بتائے ہیں۔ ان پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ ان طریقوں سے گوشت زیادہ لذیذ ہو جاتا ہے اور اسے کھانے میں بھی آسانی ہوتی ہے۔ عظیم ڈمبالا ہم پر بہت مہربان ہے۔"

"ڈمبالا یقیناً عظیم ہے۔" نراس نے خوشنودی سے کہا۔ "ڈمبالا ہم پر مہربان ہے۔ یہ بھی صحیح ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھو۔ قبیلے کی عورتو! شکان سب سے عظیم ہے۔ اس کی عظمت کے آگے ڈمبالا سب ہیچ ہیں۔ کوئی ایسی بات نہ کرو جس سے شکان کے ناراض ہونے کا اندیشہ ہو۔ شکان ان نئی نئی باتوں کو پسند نہیں کرتا اور نہ وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ تم لوگ اپنے پرانے طور طریقوں کو بدل دو۔ ہمیں کوئی بھی نیا کام شروع کرنے سے پہلے شکان کی اجازت لینی ضروری ہوگی اور یہ بات تم سب لوگوں کو اچھی طرح یاد رہنی چاہیے۔ تک صرف یہ بات پہنچی ہے۔ صرف میں ہی ایک ایسی ہستی ہوں جو لوگوں اور شکان کے درمیان رابطے کا کام دیتی ہوں۔ تم لوگوں نے نہ تو شکان کو دیکھا ہے اور نہ تم اسے دیکھ سکتے ہو۔ صرف میں اسے دیکھ سکتی ہوں اور میرے ذریعے وہ اپنی ہدایات تم لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ ڈمبالا کے یہاں آنے کی بشارت مجھے شکان نے ہی دی تھی۔ تم سب لوگوں کو اس بات کا اچھی طرح علم ہے کہ ڈمبالا

نے ہمیشہ نیکی اور بھلائی کا پیغام دیا ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان حدود تک مقید رکھے جو شکان دیوتا نے تمام انسانوں کے لیے مقرر کی ہیں اور انھیں توڑنے کی کوشش نہ کرے۔ اس میں ڈمبالا کی بھی بھلائی ہے اور ہم سب لوگوں کی بھی۔ ہمیں اپنی حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔"

بوڑھی عورت کی یہ عجیب و غریب تقریر سن کر میں حیران رہ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر وہ کہنا کیا چاہتی ہے۔ میں نے کوئی ایسی غلط بات کر دی تھی جس کی وجہ سے وہ اتنی برہم نظر آرہی تھی۔ اس کی برہمی کو صاف طور پر محسوس کیا جا سکتا تھا۔ یقیناً اسے میرے گوشت پکانے والی حرکت پسند نہیں آئی تھی۔ اس بات سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ نہ معلوم حقیقت میں یا دکھاوے کے طور پر وہ دیوتا قرار دے رہی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس بات پر بھی آمادہ نہیں ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر قبیلے کی عورتیں کوئی کام کریں۔

"نراس عظیم ہے۔" میں نے اس کی دلی کیفیت کا اچھی طرح اندازہ لگا لینے کے بعد کہا۔ "لیکن میں نے بستی کے لوگوں کو گوشت کھانے کا کوئی نیا طریقہ نہیں بتایا ہے۔ میں نے بہت دنیا دیکھی ہے اور ملکوں ملکوں میں رہا ہوں۔ گوشت اسی طرح کھایا جاتا ہے جس طرح میں نے تمھارے لوگوں کو بتایا ہے۔"

"ڈمبالا کا اقبال بلند ہو۔" بوڑھی عورت نے مکارانہ انداز میں کہا۔ "لیکن اس کا مناسب طریقہ یہ تھا کہ قبیلے کی عورتوں کو براہِ راست یہ بات بتانے کے بجائے پہلے مجھے بتائی جاتی تاکہ میں شکان دیوتا کو یہ بات بتا دیتی۔ اور اگر شکان دیوتا اجازت دے دیتا تو پھر بھلا کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس طرح شکان دیوتا کے ناراض ہو جانے کا خطرہ ہے اور اگر وہ ناراض ہو گیا تو اس کا عتاب ہم سب پر نازل ہوگا۔ نراس سب سے بڑا دیوتا ہے۔ یہ بات تم بھی جانتے ہو۔ مقدس نراس اور اس کی ناراضگی کا خطرہ تم بھی مول نہیں لے سکتے۔ اس بات کا خیال رکھنا۔"

میں فی الحال اس فتنہ پرور بڑھیا کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے مصالحانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ میں نراس یا عظیم شکان سے اس بارے میں پوچھ لو۔ اگر وہ اس بات کی اجازت نہ دے تو آئندہ گوشت نہیں پکایا جائے گا۔ لیکن تم یہ جانتی ہو کہ اپنی عدیم ڈمبالا آزاد ہے۔ اس لیے میں کچا گوشت نہیں کھاؤں گا بلکہ اسے پکا کر کھاؤں گا۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔" بڑھیا نے خوش ہو کر کہا۔ "ڈمبالا اپنے معاملات میں آزاد ہے۔ لیکن بستی کے باقی لوگوں پر صرف شکان کا اختیار ہے۔" یہ کہہ کر بوڑھی عورت لاٹھی ٹیکتی ہوئی اسی طرف کو چلی گئی جدھر سے وہ آئی تھی۔

اس کے جانے کے بعد کافی دیر تک خاموشی طاری رہی۔ ساری عورتیں خاموش بیٹھی رہیں۔ ان میں سے کسی نے بھی بھنے ہوئے گوشت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ میں نے البتہ ان کے سامنے بہت سا بھنا ہوا گوشت خوب مزے لے لے کر کھایا اور وہ حسرت سے تکتی رہیں۔ بعض اس کی مہک دیوانہ کیے دے رہی تھی، لیکن چونکہ نراس نے اپنی سخت ناراضگی کا اظہار کیا تھا، اس لیے وہ اس کو ہاتھ نہیں لگا نہیں سکتی تھیں جب تک کہ نراس کے ذریعے انھیں شکان دیوتا کی اجازت نہ حاصل ہو جائے۔

میں اس بڑھیا کی مکاری کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ اور مجھے اس بات کا بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ یہاں ہر ہر قدم پر میرے لیے رکاوٹیں اور پابندیاں قائم کرے گی اور مجھے میری مرضی کے مطابق زندگی نہیں گزارنے دے گی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ مجھ سے خوفزدہ ہے اور اسے اس بات کا خدشہ ہے کہ اس وقت قبیلے میں جو اس کی دھاک جمی ہوئی ہے، کہیں میری وجہ سے وہ ختم نہ ہو جائے۔ بہرحال مجھے کچھ عرصہ تو یہاں گزارنا ہی تھا، خاص طور پر اس وقت تک تو یہاں رہنا ہی تھا جب تک کہ میں ان مردوں کی حقیقت دریافت کر لوں جنھیں نہ جانے کہاں سب سے الگ تھلگ رکھا جاتا ہے۔

عورتوں نے بچا کھچا گوشت کھایا۔ تھوڑی دیر تک رقص و سرود کی محفل جمی رہی۔ لیکن یہ ویسی محفل نہ تھی جیسی کہ کل تھی۔ آج اس کا مقصد محض تفریح تھا۔ اس میں جنون کا کوئی دخل نہیں تھا۔ رات ہو گئی اور سونے کی تیاریاں ہونے لگیں۔

اسی وقت میں نے دیکھا کہ ایک سایہ کئی بار جھونپڑے کے اس کمرے کے کھلے دروازے پر لہرایا۔ اندھیرے میں میں نے اندازے سے پہچان لیا کہ وہ پالشا تھی۔

"کیا تم جاگ رہے ہو ڈمبالا؟" پالشا نے نہایت ہلکی سرگوشی میں مجھ سے پوچھا۔

"ہاں میں جاگ رہا ہوں۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔ "مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تم کیا چاہتی ہو۔ لیکن پہلے تم سے کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"پوچھو ضرور پوچھو ڈمبالا۔" پالشا نے جواب دیا۔ "تم جو کچھ پوچھو گے، اگر میں بتانے کے قابل ہوئی تو تمھیں ضرور بتاؤں گی۔"

"اچھا تو یہ بتاؤ کہ اس بستی میں مرد اتنے کم کیوں ہیں؟" میں نے اس سے براہِ راست سوال کیا۔ "میں نے اب تک اپنے علاوہ صرف دس مرد دیکھے اور ان میں سے بھی ایک کو کل شکان دیوتا کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس طرح صرف نو مرد رہ گئے۔ کیا اس بستی میں صرف نو مرد رہتے ہیں؟ اور پھر رہتے کہاں ہیں؟ میں نے انھیں کل رات صرف بھشن کے وقت دیکھا تھا اور وہ بھی اس طرح کہ وہ عورتوں کے

scanned by aazamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

مسلح پہرے میں لائے گئے تھے۔ اس سے پہلے یا اس کے بعد میں نے انھیں یہاں نہیں دیکھا۔ تمھارے قبیلے کی مردار بھی ایک عورت ہے۔ مجھے ان ساری باتوں کے بارے میں بتاؤ کہ تمھارے قبیلے میں کوئی بوڑھی عورت کیوں نظر نہیں آتی؟"

"تم نے ایک ساتھ بہت سے سوالات پوچھ لیے ہیں ڈمبالا" پالشا نے افسردہ اور تھکن سے بھرپور لہجے میں کہا۔ "افسوس ہے کہ میں تمھارے ان سوالات کے جوابات دینے سے قاصر ہوں۔ البتہ تمھیں اتنا ضرور بتا سکتی ہوں کہ اس قبیلے میں عورتوں کی تعداد خواہ کتنی ہی ہو، مرد ہمیشہ دس ہی رہتے ہیں اور اس وقت بھی ہمارے ہاں مردوں کی تعداد دو نہیں بلکہ دس ہے۔ تم اپنے آپ کو شاید بھول رہے ہو۔ تم بھی تو مرد ہی ہو۔"

"سنو! تم نے کہا کہ مردوں کی تعداد ہمیشہ دس ہی رہتی ہے۔" میں نے پالشا سے کہا۔ "اس بات کا کیا مطلب ہے؟ اگر مردوں کی تعداد دس سے زیادہ ہو تو اس صورت میں کیا کیا جاتا ہے؟"

"مجھ پر رحم کرو ڈمبالا!" اچانک پالشا میرے قدموں میں گر پڑی۔ وہ زار و قطار رو رہی تھی۔ "میں جتنا کچھ تم کو بتا سکتی تھی، اتنا بتا دیا۔ اب اگر اس کے آگے میں نے زبان کھولی تو مجھے اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ نراس عظیم سے اور اس سے کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔ جو کچھ میں یہاں کہہ رہی ہوں، یا کہوں گی، وہ سب کچھ نراس کے کانوں تک پہنچ جائے اور پہنچ جائے گا۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ اگر نراس مجھ سے ناراض ہو گئی تو یقیناً مجھے نشکان دیوتا کے غضب اور عتاب کا شکار ہونا پڑے گا اور پھر یقیناً ایک دردناک موت ہی میرا مقدر بنے گی۔ لیکن سنو عظیم ڈمبالا! تمھارے لیے مرنا بھی مجھے اپنے لیے بہت بڑا اعزاز معلوم ہوتا ہے۔ اگر میں تمھارے کسی کام آتے ہوئے مر بھی جاؤں تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ تمھاری خاطر مجھے یہ موت قبول ہے۔

"میں تمھاری موت کا ہرگز خواہاں نہیں ہوں پالشا اور نہ میں تمھارا دشمن ہوں۔ اگر کسی بات کے بتانے میں تمھاری جان کو خطرہ درپیش ہے تو میں ہرگز تم سے اس کے لیے اصرار نہیں کروں گا کہ تم مجھے وہ بات بتاؤ۔ اس لیے میں اب اس قصے کو بھول جانا چاہتا ہوں۔ ہاں البتہ ایک بات، اگر تم بتانا چاہو تو، اور اگر تمھیں اس میں بھی اپنے لیے کوئی نقصان نظر آتا ہے تو میں اس کے جواب کے لیے اصرار نہیں کروں گا۔" میں نے کہا۔

"وہ بات کیا ہے؟" پالشا نے پوچھا۔

"وہ بات یہ ہے کہ یہ نر مرد بستی میں کہاں رہتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔ "میں ان سے مل کر ان کے بارے میں حقیقت حال معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم ان کی رہائش کا پتا نہیں بتا سکتیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ میں کل ہی ساری بستی میں گھوم پھر کر ان لوگوں کا پتا نکال لوں گا۔ ظاہر ہے کہ وہ یہیں کہیں رہتے ہوں گے۔"

"شاید مجھے تم کو یہ بات بتانے میں کوئی تامل نہیں ہوتا کہ وہ لوگ کہاں رہتے ہیں" پالشا نے کہا۔ "کیونکہ اگر میں نہ بھی بتاؤں تو بھی تمھارے لیے ان کی رہائش گاہ کو تلاش کر لینا کوئی دشوار نہیں ہوگا کیونکہ اس بستی میں تمھاری نقل و حرکت پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ البتہ تم ان لوگوں کے پاس پہنچ کر کوئی ایسا سلوک نہ کرنا جو ان کے لیے ناپسندیدہ ہو۔ تو سنو، کل جس وقت تم پہاڑی پر گئے تھے اور وہاں ایک بڑا بھاری پتھر تم نے سر پر اٹھا کر گرایا تھا، اس چشمے والی پہاڑی کے پیچھے چھوٹے چھوٹے پہاڑی ٹیلوں سے گھرا ہوا ایک میدان ہے۔ اس میدان کے اندر میں ان مردوں کے جھونپڑے ہیں، جہاں وہ رہتے ہیں۔ لیکن باہر کی دنیا سے آنے والا کوئی اجنبی اس چھوٹی سی وادی میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں نہایت خوف ناک کتے پلے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ باہر سے آنے والے کسی بھی شخص کو وادی میں قدم نہیں رکھنے دیتے اور اگر کبھی کوئی بھولا بھٹکا آدمی ہمارے قبیلے سے نہ ہو، اتفاقاً وہاں آ نکلے تو یہ کتے اس کی بوٹیاں نوچ ڈالتے ہیں۔ تم اسے محض ایک واقعہ نہ سمجھنا۔ میری آنکھوں کے سامنے ایک بار ایسا ہو چکا ہے۔ کسی دوسرے قبیلے کا ایک آدمی جنگل میں راستہ بھول کر ادھر آ نکلا تھا۔ وہ کئی دن کا بھوکا پیاسا اور تھکا ہوا تھا۔ اتفاق سے میں اس چشمے کے کنارے اسے مل گئی اور میں نے سوچا کہ میں اس کی مدد کروں۔ میں اس کے لیے گوشت اور کچھ پھلوں کا انتظام کرنے لگی اور پھر میں نے اسے سختی کے ساتھ ہدایت کر دی تھی کہ وہ اپنی جگہ سے کہیں نہ جائے اور میں تھوڑی دیر میں واپس آ جاؤں گی۔ لیکن وہ پاگل نہ جانے کس طرح وادی میں اتر گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے خوف ناک کتوں نے اس کے بدن کی تکا بوٹی کر ڈالی۔"

میرے لیے اتنی ہی معلومات کافی تھیں۔ اب میں پالشا کو مزید آزمائش میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ باقی کام میں نے خود ہی انجام دینے کا فیصلہ کیا۔

آخر تھوڑی دیر کے بعد ہر طرف موت کی سی خاموشی طاری تھی۔ پوری بستی میں کہیں سے کوئی آواز بلند نہیں ہوتی تھی۔ بستی سے دور جنگلوں سے گیدڑوں، بھیڑیوں اور دوسرے جانوروں کے بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

خاموشی سے اٹھا اور جھونپڑے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ ہر طرف موت کا سا سناٹا طاری تھا۔ چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ اس ہلکی روشنی میں گھاس پھوس کی چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں عجیب پراسرار اور ہیبت ناک منظر پیش کر رہی تھیں۔ کسی کسی وقت کوئی جانور تاریکی سے ادھر سے نکل کر ادھر بھاگ جاتا اور پھر تاریکی میں گم ہو جاتا۔ ظاہر ہے کہ میرے لیے ان تمام چیزوں سے خوفزدہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں خاموشی سے آگے بڑھتا رہا۔ چشمے کی طرف تھا۔

ذرا دیر میں میں چشمے کے کنارے پہنچ گیا۔ اس کے بعد پہاڑی پر چڑھنا تھا۔ یہ خاصی اونچی پہاڑی تھی اور چاندنی رات میں عجیب و غریب منظر پیش کر رہی تھی۔ پہاڑی بنجر نہیں تھی، بلکہ طرح طرح کے درختوں اور بیلوں سے ڈھکی ہوئی تھی اور جا بجا مختلف قسم کے جانور گھوم رہے تھے۔ بہت سے جانور چشمے پر پانی پینے آ رہے تھے۔ کچھ پانی پی کر جا رہے تھے اور کچھ پانی پینے کے لیے آ رہے تھے۔ عجیب اور حسین منظر تھا۔ میں پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ یہاں سے چشمہ بھی صاف نظر آ رہا تھا اور دور بستی کے چھوٹے چھوٹے جھونپڑے بھی کسی کے سیاہ ڈھیروں کی طرح نظر آ رہے تھے۔

میں نے پہاڑی کی دوسری طرف نظر ڈالی۔ ادھر چاروں طرف چھوٹے بڑے پہاڑی ٹیلوں کا ایک طویل سلسلہ چلا گیا تھا اور درمیان میں ایک وسیع میدان تھا جسے ایک چھوٹی سی وادی کہا جا سکتا تھا۔ یہ وادی ایک ایسے بڑے سے پیالے کی شکل کی تھی جس کے تمام کنارے چھوٹے بڑے اور ناہموار تھے۔ اب میں پہاڑی کی دوسری جانب اتر کر اس وادی میں داخل ہو سکتا تھا۔ میدان کے اندر مجھے ویسے ہی گول گول اور چھوٹے چھوٹے جھونپڑے نظر آ رہے تھے۔ وہ تعداد میں دس تھے۔ میدان کے ایک طرف آگ کا بڑا سا الاؤ روشن تھا، جو شاید جانوروں سے حفاظت کے لیے جلایا گیا تھا۔ مجھے جھونپڑوں کے پاس بھاری جسامت والے جانور ادھر ادھر آزادانہ طور پر گھومتے ہوئے نظر آئے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ وہی کتے ہیں جن کا ذکر مجھ سے پالشا نے کیا تھا اور وادی میں آنے والے ہر اجنبی کو پھاڑ کھاتے ہیں۔

لیکن ظاہر ہے کہ مجھے ان کتوں کی کوئی پروا نہیں تھی۔ بھلا وہ مجھے کیا نقصان پہنچا سکتے تھے۔ میں آہستہ آہستہ پہاڑی کی چوٹی سے دوسری طرف اترنے لگا۔ پہلے جیسے اس وادی کی طرف جہاں جھونپڑوں کے جھونپڑے تھے۔ رات کافی گزر چکی تھی اور ہر طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ تمام جھونپڑوں میں سناٹا تھا اور اندر باہر اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ صرف چاند کی روشنی میں چیزوں کے دھندلے دھندلے سے ہیولے نظر آ رہے تھے۔

میں پہاڑی کی چوٹی سے اتر کر آہستہ آہستہ جھونپڑوں کی طرف بڑھنے لگا۔ اچانک ایک بہت بڑا کتا، جو جسامت میں کسی طرح ایک دریائی گھوڑے کے بچے سے کم نہ تھا، میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ کتا چند لمحوں تک غور سے مجھے دیکھتا رہا۔ وہ نہ تو بھونکا اور نہ اس نے آگے بڑھ کر مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ وہ بس خاموشی سے مجھے تکتا رہا۔ اسی اثنا میں چند اور کتے بھی [illegible] آ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کا رویہ بھی یہی تھا۔ ان میں سے کسی نے بھی مجھ پر حملہ کرنے میں پہل نہیں کی۔

میں نے یکبارگی زور سے ہاتھ ہلایا اور سارے کتے اچانک ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان میں سے کوئی بھی میرے سامنے نہیں ٹکا اور وہ مختلف سمتوں میں منتشر ہو گئے۔ مجھے اس بات پر کافی حیرت ہوئی کہ اس قبیلے کے لوگ اور تو کوئی جانور پالتے نہیں تھے، وہ اس قدر پسماندہ تھے کہ انھوں نے اب تک جانور پالنا سیکھا ہی نہیں تھا۔ ان کے نزدیک جانور کا محض ایک ہی مقصد تھا اور وہ تھا اس کا گوشت کھا جانا اور اس کی کھال کو جھونپڑی کے فرش پر بچھانے یا چھت میں لگانے کے لیے استعمال کرنا۔ میں نے اب تک یہاں جانوروں کے محض دو ہی استعمال دیکھے تھے۔ لیکن یہ کتے پال رہے تھے۔ ان کے پاس خاصی بڑی تعداد میں اعلیٰ درجے کے کتے موجود تھے جو بہترین محافظ کا کام دیتے تھے۔

بہرحال، پروفیسر، ان کتوں سے خوفزدہ ہوئے بغیر میں نے ایک نظر اس وادی میں پھیلے ہوئے جھونپڑوں پر ڈالی۔ میدان میں بھی جگہ جگہ سرسبز و شاداب درخت لگے ہوئے تھے اور جگہ جگہ پھولوں کے پودے اور ہری بھری بیلیں لہلہا رہی تھیں۔

ابھی میں اس منظر کا جائزہ لینے میں ہی مصروف تھا کہ اچانک مجھے ایک جھونپڑے سے ایک سایہ نکلتا دکھائی دیا۔ میں جلدی سے ایک درخت کی اوٹ میں دبک گیا۔ مجھے یقین تھا کہ اندھیرے میں ہونے کے سبب مجھے نہیں دیکھ سکے گا۔ میں نے جس درخت کے ساتھ پناہ لی تھی وہ کافی بڑا تھا اور ایک جھونپڑے کے قریب تھا۔ عین اسی وقت اس جھونپڑے سے ایک ہیولہ برآمد ہوا۔ میں نے خود کو اچھی طرح درخت کے پیچھے چھپا لیا۔ دونوں آنے والے میرے بالکل قریب سے گزرے اور میں نے انھیں اچھی طرح پہچان لیا۔ ان میں سے ایک تو شمال تھی جس سے اس سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد میری سب سے پہلے ملاقات ہوئی تھی اور دوسری عورت ان دونوں عورتوں میں سے ایک تھی جو دن کے وقت نراس کے جھونپڑے کے باہر پہرہ دیتی تھیں۔ وہ دونوں عورتیں مختلف جھونپڑوں سے برآمد ہوئی تھیں۔ اور پھر اندھیرے میں انھوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کرتی ہوئی وہاں سے بستی کی طرف روانہ ہو گئیں۔ میں انھیں غور سے دیکھتا رہا۔ انھوں نے بندروں کی سی پھرتی کے ساتھ پہاڑی پر چڑھنا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ اب وہ پہاڑی پر سے اتر کر اپنی بستی کی جانب جا رہی ہوں گی۔ مجھے اس بات پر بڑا تعجب ہوا کہ اتنی رات گئے یہ دونوں یہاں کیا کر رہی تھیں۔ لیکن پھر فوراً ہی میرے دماغ میں ایک خیال آیا اور میں دل ہی دل میں مسکرا اٹھا۔

ان دونوں عورتوں کے نظروں سے اوجھل ہو جانے کے

Scanned by aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

بعد میں آہستہ سے درخت کے پیچھے سے نکل آیا اور ایک جھونپڑے کی طرف بڑھا۔ میں نے کوئی جھونپڑے کا ایک پورا چکر لگایا اور پھر آہستہ سے دروازے کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ باہر اندھیرا تھا۔ لیکن جھونپڑے کے اندر ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ یہ روشنی اس چھوٹی سی مشعل سے پیدا ہو رہی تھی جو جھونپڑے کے ایک کونے میں پڑی ہوئی تھی۔ جھونپڑے میں زمین پر گھاس پھوس کا ایک بستر تھا۔

میں چند منٹ تک اس جھونپڑے کے اندر نظر آنے والے منظر کو دیکھتا رہا اور پھر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ اب میرا رخ ایک دوسرے جھونپڑے کی طرف تھا۔ اس جھونپڑے کا بھی میں نے پہلے پورا چکر لگایا۔ اس کے بعد میں دروازے کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا دروازہ اندر سے بند تھا۔

میں نے اندازہ لگایا کہ اس قبیلے کے رسم و رواج کے مطابق غالباً مردوں کو بستی میں عورتوں کے گھروں پر آنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس معاملے میں سارا اختیار و اقتدار عورتوں کے ہاتھ میں ہے گویا مردوں کی حیثیت یہاں ایک قسم کے قیدیوں کی سی ہے اور انھیں کسی بھی لحاظ سے عورتوں پر برتری حاصل نہیں تھی۔ بلکہ وہ ایک طرح سے عورتوں کے غلام اور محکوم تھے۔

ذرا ہی دیر میں گھوم پھر میں نے ساری صورت حال کا اندازہ لگا لیا۔ میں نے اس میدان میں موجود جھونپڑوں کی تعداد گنی۔ وہ دس تھے۔ ان دسوں میں سے صرف ایک جھونپڑا ایسا تھا جو بالکل خالی پڑا ہوا تھا اور جہاں مکمل اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اس جھونپڑے میں زندگی کی کوئی علامت نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے اندازے سے یہ سمجھا کہ یہ آہیل کا جھونپڑا ہو گا جو اب اس دنیا میں موجود نہیں ہے اور جس کا خون اور گوشت بستی کی عورتوں کے منھ اور پیٹ میں جا کر ختم ہو چکا ہے۔ اب یہ جھونپڑا بالکل خالی پڑا سائیں سائیں کر رہا تھا۔ مجھے اس بات کا بڑا افسوس ہوا۔

میں یوں ہی بلا کسی خاص تعین کے ایک جھونپڑے کے اندر داخل ہو گیا۔

سیاہ فام اور طاقتور مرد

گھاس پھوس کے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کا سر جھونپڑے کے دروازے کی طرف تھا اس لیے وہ مجھے فوری طور پر نہیں دیکھ سکا۔ بلکہ وہ مجھے سرے سے دیکھ ہی نہیں سکا۔ میری آمد کی اطلاع اس کو اس وقت ہوئی جب میں بالکل اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

مجھے وہاں دیکھتے ہی وہ آدمی خوف و دہشت اور حیرت کے عالم میں بستر پر سے اچھل پڑا۔ اس کی زبان جیسے گنگ ہو گئی تھی۔ اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ "تم... تم..." اس کی زبان سے بمشکل الفاظ ادا ہوئے۔ "تم ڈمبالا ہو نا! میں نے کل تمھیں دیکھا تھا۔"

"ہاں تمھاری بستی والوں نے مجھے ڈمبالا کہنا شروع کر دیا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس بات کا کیا مطلب ہے؟" اس نے پوچھا۔ "کیا تم ڈمبالا نہیں ہو؟"

"اس کا انحصار تم لوگوں کے سمجھنے پر ہے۔" میں نے گول مول سا جواب دیا۔ "بہرحال تم مجھے ڈمبالا ہی سمجھو۔"

"لیکن تم میرے پاس کیوں آئے ہو؟" اس نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔ "تمھیں معلوم ہے، اگر نارو کو پتا چل گیا کہ تم میرے جھونپڑے میں آئے تھے تو میرے جسم کے وہ ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گی اور تمھارے ساتھ اس کا کیا رویہ ہو گا، یہ بات مجھے نہیں معلوم۔"

"تم اطمینان رکھو۔" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "نارو یا کسی اور کو اس بات کا ہرگز پتا نہیں چلے گا کہ میں تمھارے پاس آیا تھا۔ میں تو تم سے صرف کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ میرا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن اس کے علاوہ بھی میری سمجھ میں نہیں آتی کہ تم خوفناک اور خون کے پیاسے دیوتوں سے بچ کر یہاں کیسے آ گئے؟ کیا تمھیں کسی نے نہیں بتایا کہ اس وادی کی حفاظت اور نگرانی کے لیے نہایت خونخوار کتے موجود رہتے ہیں جو کسی بھی اجنبی کو یہاں داخل نہیں ہونے دیتے اور اسے چیر پھاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ کیا ان کتوں نے تمھیں نہیں دیکھا؟ یا تم نے ان پر کوئی جادو کر دیا؟"

"میرے دوست شاید تم یہ بات بھول رہے ہو کہ ابھی کچھ دیر پہلے تم نے مجھے ڈمبالا کہا ہے، اور تم جانتے ہو کہ ڈمبالا دیوتا ہوتا ہے۔ بھلا کتے کسی دیوتا کا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟"

"مجھے یہ بات معلوم ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ڈمبالا ایک ایسا دیوتا ہے جو شکان دیوتا سے ہرگز بڑا نہیں ہے اور وہ شکان دیوتا کے بنائے ہوئے اصولوں کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ ڈمبالا میں اتنی طاقت نہیں ہے۔ اس وادی میں اجنبیوں کا داخلہ شکان کے حکم سے بند ہے اور شکان کسی حالت میں بھی اپنا حکم واپس نہیں لیتا اور نہ اس میں تبدیلی کرتا ہے۔ وہ ڈمبالا کو اس وادی میں آنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔"

"خیر ان باتوں کو چھوڑو۔" میں نے دوستانہ لہجے میں اس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بس اتنا ہی کافی ہے کہ میں تمھارے سامنے یہاں موجود ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تمھارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام امبالو ہے۔" اس شخص نے کہا۔ "اور میں یہاں کے مردوں میں سے ایک ہوں۔"

"اچھا تو میرے دوست امبالو، میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا

ہوں کہ اس قبیلے اور اس بستی میں مردوں کی حالت اتنی مختلف کیوں ہے؟ انھیں اتنا الگ تھلگ کیوں رکھا جاتا ہے اور ان کے ساتھ اتنا برا برتاؤ کیوں روا رکھا جاتا ہے؟"

"مجھ سے یہ سب کچھ مت پوچھو ڈمبالا۔" امبالو نے خوفزدہ آواز میں جواب دیا۔ "اگر نارو یا کسی کو اس بات کا علم ہو گیا تو وہ میری زندگی کا آخری دن ہو گا۔"

"اور اگر میں تمھیں اس بات کا یقین دلا دوں کہ تمھارا بال بھی بیکا نہ ہو گا تو پھر؟" میں نے پوچھا۔

"ناممکن ہے۔" امبالو نے جواب دیا۔ "نارو کا تعلق براہ راست شکان دیوتا سے ہے اور وہ سب سے بڑا دیوتا ہے اور جس کی قوتوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ شکان بہت عظیم ہے اور نارو اس سے گہری قربت رکھتی ہے۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ یہاں سے چلے جاؤ اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

"ایک بات بتاؤ امبالو۔" میں نے پینترا بدل کر دوسرا وار کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تم اپنی موجودہ زندگی سے خوش اور مطمئن ہو؟ عورتوں کا قیدی بن کر رہنا پسند کرتے ہو؟ اور اگر میں تمھیں قید سے نجات پانے کا راستہ بتا دوں تو کیا تمھارے لیے وہ اچھا ہو گا؟"

"تم نہ جانے یہ کیا کہہ رہے ہو ڈمبالا۔" امبالو نے کہا۔ "بہرحال کسی دن تو میری باری بھی آ ہی جائے گی۔ اس لیے میں تمھیں یہ بات بتائے دیتا ہوں، یہ نہ کہنا کہ میں یہ باتیں تمھیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ مجھے تم سے کوئی لالچ ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں اپنی موجودہ زندگی سے خوش اور مطمئن ہوں۔ میں صرف گفتگو پر صرف اس لیے آمادہ ہو گیا ہوں کہ شاید تمھیں ہم لوگوں کی زندگی کے حالات سے کوئی دلچسپی ہے اور تم ہمارے بارے میں زندگی سے کچھ جاننا چاہتے ہو۔" اس نے کچھ دیر سوچ بچار کے بعد کہا۔ "اچھا تو سنو۔" امبالو نے آہستہ آہستہ سرگوشی کے لہجے میں گفتگو کرنا شروع کیا۔ "ہم لوگوں کا یہ قبیلہ بہت لمبے زمانے سے سمندر کے کنارے اس ہرے بھرے اور خوبصورت جنگل میں آباد ہے۔ میں نے اپنے بزرگوں کی زبانی سے سنا ہے کہ کسی زمانے میں اس قبیلے کا سردار مرد ہوا کرتا تھا۔ اس وقت قبیلے میں خوشی طور پر مردوں ہی کو حکومت حاصل تھی اور عورتیں ایک طرح سے ان کی محکوم تھیں۔ اس زمانے میں یہاں ایک جادوگرنی رہا کرتی تھی جس کا نام چپال تھا۔ چپال زبردست علم اور بصیرت کی حامل تھی اور اس کی طاقت کے چرچے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس جادوگرنی کی ایک بیٹی تھی جس کا نام گرشالا تھا۔ چپال اپنی بیٹی کو بہت چاہتی تھی اور اس نے اسے بھی اپنی طرح جادوگرنی بنا دیا تھا۔ دونوں ماں بیٹی جادو میں بڑی مہارت رکھتی تھیں۔ اور پھر ہوا یوں کہ قبیلے کے سردار نے کسی بات پر ناراض ہو کر چپال کی بیٹی گرشالا کو قبیلے کی حدود سے نکل جانے کا حکم دیا۔ چپال نے سردار کو یہ بات سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ اس کی بیٹی بے قصور ہے۔ لیکن چپال کی بات کسی نے نہ سنی۔ سردار کے دوست و احباب میں جتنے بھی مرد شامل تھے، ان سب نے گرشالا کو مورد الزام ٹھیرایا اور ان سب نے سردار کو یہ رائے دی کہ گرشالا کو کھلے اور تاریک جنگل میں چاروں ہاتھ پیر باندھ کر چھوڑ دیا جائے۔ چپال کے بہت زیادہ اصرار اور خوشامد کے باوجود بھی کسی کا دل نہ پسیجا اور گرشالا کو ہاتھ پیر باندھ کر بالکل بے بس کر کے جنگل میں چھوڑ دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ گرشالا کو جنگلی جانوروں نے اپنا لقمہ بنا لیا ہو گا۔ اس وقت تک نہ تو چپال اتنی بڑی جادوگرنی تھی کہ اپنی بیٹی کو سردار کے قہر سے بچا سکے اور نہ ہی گرشالا کو اتنا جادو آتا تھا۔ قبیلے کے زیادہ تر مردوں نے سردار کا ساتھ دیا جب کہ عورتوں کی ایک بڑی تعداد گرشالا کی حمایت میں تھی اور اس کی رائے یہ تھی کہ گرشالا قصوروار نہیں ہے۔ تاہم گرشالا کا خاتمہ ہو گیا اور چپال جیسے غم سے نڈھال ہو گئی۔ اور اس کے چند ہی روز کے بعد چپال غائب ہو گئی....

"بستی کے سردار نے چپال کی بڑی تلاش کروائی۔ بستی کے دیگر لوگ بھی مدتوں مارے مارے پھرتے رہے۔ لیکن اس کا کہیں کوئی پتا نہیں چلا۔ البتہ کبھی کبھی وہ ماہی گیروں کو سمندر کے قریب واقع بڑے بڑے تاریک اور گہرے غاروں میں سے کسی ایک میں نظر آ جاتی تھی۔ لیکن ایک جھلک دکھا کر فوراً ہی غائب ہو جاتی تھی۔ کئی ماہی گیروں نے غاروں کے اندر گھس گھس کر اسے تلاش کرنا چاہا، لیکن اس کا کوئی پتا نشان نہ ملا...

"اور پھر ایک سال کے بعد چپال نمودار ہوئی۔ لیکن اس دفعہ اس کا حلیہ ہی بدلا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ انگارا ہو رہی تھیں اور ان سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ اس کا جسم اگرچہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا لیکن اس میں بے پناہ توانائی بھری ہوئی تھی۔ اس نے بستی میں آتے ہی اس بات کا اعلان کیا کہ وہ اتنے دنوں تک شکان دیوتا کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہی ہے اور بالآخر اسے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو گئی ہے۔ اب شکان دیوتا سے اس کا براہ راست تعلق قائم ہو گیا ہے اور وہ اس قبیلے میں اب شکان دیوتا کے نائب کی حیثیت سے رہے گی۔ شکان دیوتا کی پرستش ہمارے قبیلے میں بڑے عرصے سے چلی آ رہی ہے۔ چپال نے بتایا کہ اس کے حکم میں شکان دیوتا کا پجاری، جو اپنی پیدائش کے بعد ان سب لوگوں سے سخت انتقام لے گا جنھوں نے گرشالا پر مظالم ڈھائے ہیں اور اسے موت کے منھ میں پہنچایا ہے...

"چپال کی یہ باتیں سن کر قبیلے کا سردار سخت خوفزدہ ہو گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ چپال یا اس کی اولاد اب اس سے انتقام لینے

Scanned by aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

بغیر نہیں رہے گی۔ چنانچہ اس نے چھپال کو مروانے کی سازش کی لیکن چھپال کو اپنی قوتوں کے ذریعے یہ بات معلوم ہو گئی کہ سردار اس کے خون کا پیاسا ہے، اور وہ ایک رات کو خاموشی سے دوبارہ غائب ہو گئی۔ سردار نے اس بار بھی چھپال کو تلاش کروانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، لیکن چھپال ایسی غائب ہوئی کہ اس کا کوئی پتا نشان ہی نہیں ملا۔ اس طرح دو سال کی مدت اور گزر گئی، اور اس بار جب چھپال دوبارہ نمودار ہوئی تو اس کی گود میں کوئی ڈیڑھ سال کی ایک بچی تھی۔ چھپال نے قبیلے کے سردار کو پیغام کہلوا دیا کہ اسے یا اس کی بچی کو اگر نقصان پہنچانے کی کوئی کوشش کی گئی تو اس کا نتیجہ بہت برا نکلے گا۔ کیونکہ اس کی گود میں شکان دیوتا کی اولاد ہے، اور شکان دیوتا اپنی اولاد کی نیابی پر خاموش نہیں بیٹھے گا۔ قبیلے کا سردار یہ بات سن کر خاموش ہو گیا اور اس نے چھپال یا اس کی بیٹی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ . . .

"اور پھر اس کے بعد عجیب و غریب واقعات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اچانک وہ سردار ایک ایک کر کے مرنے لگے جنھوں نے گرشالا کو سزا دلوانے میں کوئی حصہ لیا تھا۔ یہاں تک کہ ایسے لوگوں میں صرف قبیلے کا سردار باقی بچا۔ اور پھر چند روز کے بعد اچانک سردار بھی فوت ہو گیا۔ اب وہ سب لوگ مر چکے تھے جو گرشالا کو سزا دلوانے میں شریک تھے۔ اس موقع پر سردار کے بعض دوستوں نے دوستی نبھانے کی غرض سے چھپال اور اس کی بیٹی پر حملے کیے، لیکن انھیں منہ کی کھانی پڑی، اور وہ سب کے سب دردناک عذاب میں مبتلا کر کے مارے گئے۔

"سردار کی ایک بیٹی تھی، جس کا نام نرگل تھا۔ سردار اور اس کے ساتھیوں کی تابڑ توڑ موت نے ساری بستی کے لوگوں کو سخت خوفزدہ کر دیا تھا اور انھیں اس بات کا کامل یقین تھا کہ یہ سب چھپال کا کیا دھرا ہے۔ وہ سب کے سب چھپال سے ڈرنے لگے اور اس کے ہر حکم کی بے چوں و چرا تعمیل کی جانے لگی . . .

"چھپال نے حکم دیا کہ آئندہ سے اس قبیلے کی عورتوں پر بے دریغ کی فوقیت کا سلسلہ ختم کیا جاتا ہے۔ اس نے قبیلے کے مرحوم سردار کی جگہ اس کی بیٹی نرگل کو قبیلے کا نیا سردار بنایا اور خود قبیلے کی روحانی پیشوا بن بیٹھی۔ اس نے نرگل کو بالکل اپنی مٹھی میں لے لیا اور اس کے بعد اس نے عجیب و غریب قوانین نافذ کر کے شروع کر دیے

"چھپال نے فیصلہ کیا کہ آئندہ سے پورے قبیلے میں بالغ اور صحت مند مردوں کی تعداد دس سے زیادہ نہیں ہو گی۔ اس نے قبیلے کے دس بہترین جوانوں کو چھانٹ لیا اور ان کے علاوہ باقی سارے مردوں کو قتل کروا دیا۔ اب یہی دس مرد قبیلے کی ساری عورتوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے رہ گئے ہیں۔ عورتوں کے بارے میں چھپال نے حکم دیا، جو عورتیں بوڑھی ہو جائیں اور بچہ پیدا کرنے کے قابل نہ رہیں، انھیں بھی قتل کر دیا جائے۔ بچوں کے بارے میں یہ طے پایا کہ لڑکے جب سن بلوغ کو پہنچنے کے قریب ہوں گے تو ان میں سے اچھی صحت اور جسم والے لڑکوں کو زندہ رکھا جائے گا اور باقی ہلاک کر دیا جائے گا۔ لیکن یہ سلسلہ اس طرح جاری رہے گا کہ قبیلے میں بالغ مردوں کی تعداد دس سے زیادہ نہ ہو۔ چھپال نے بتایا کہ اسے یہ ساری ہدایات شکان دیوتا نے دی ہیں جو زمین و آسمان کا سب سے زیادہ طاقتور دیوتا ہے۔ بستی میں کسی کی مجال نہیں تھی کہ چھپال کے حکم سے روگردانی کر سکے . . . .

"اس طرح بستی پر عملاً چھپال کی حکمرانی قائم ہو گئی اور اس نے نرگل کو بالکل اپنی مٹھی میں لے لیا۔ نرگل اس کے حکم کے بغیر دم نہیں مار سکتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی چھپال نے اپنی بیٹی کو بھی شروع سے اپنا علم سکھانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ سن بلوغ کو پہنچتے پہنچتے وہ پوری جادوگرنی بن گئی . . .

"چھپال کے مرنے کے بعد اس کی جگہ اس کی بیٹی نے سنبھال لی اور اسی طرح نرگل کے مرنے کے بعد اس کی بیٹی قبیلے کی سردار بنی اور یہ سلسلہ اسی طرح آج تک چلا آ رہا ہے۔ نراس جادوگرنی چھپال کے خاندان سے ہے اور نارو نرگل کے خاندان سے۔"

"تو گویا اب اس قبیلے میں کوئی مرد فاضل ہو گیا ہے اور شکان دیوتا کی بھینٹ چڑھا کر ختم کر دیا جاتا ہے اور اس طرح مردوں کی تعداد برقرار رکھی جاتی ہے؟" میں نے پوچھا۔ "اور کیا اس طرح یہ ہوا کہ یہی اس قبیلے میں آمد ایک مرد کی موت کا سبب بن گئی؟"

"تمھاری پہلی بات تو صحیح ہے۔" امبالو نے جواب دیا۔ "لیکن دوسری بات اتنی صحیح نہیں ہے۔ اگر تم نہ بھی آتے تو بھی قبیلے کے دو ایک لڑکے بالغ ہونے والے تھے اور ان کے بالغ ہونے کے بعد یا تو ان میں سے ہی کسی کو قتل کر دیا جاتا، اور پھر یہ موجودہ دس بالغ مردوں میں سے کسی کو ہلاک کر دیا جاتا۔ دس سے زیادہ تعداد موجود رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"تو میں یوں سمجھوں کہ آئندہ چند مہینوں بعد جب دو لڑکے بالغ ہو جائیں گے تو مردوں میں پھر کسی کو مرنا پڑے گا۔ اب کے کس کی باری آئے گی؟"

"ہاں، کسی نہ کسی کو تو ضرور مرنا پڑے گا۔" امبالو نے جواب دیا۔ "لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کس کی باری آئے گی۔ ہو سکتا ہے میری ہی باری آ جائے۔ بہرحال اس بات کا فیصلہ کرنا تو صرف نراس کو ہے اور نراس کا کہنا ہے کہ وہ شکان دیوتا کے حکم پر عمل کرتی ہے۔"

"کیا یہاں کے مرد اس صورت حال سے خوش ہیں؟" میں نے پوچھا۔

میرے اس سوال پر امبالو کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا اور خوفزدہ نظروں سے گھبرا کر مجھے دیکھنے لگا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو ڈمبالا؟" اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "کیا تم ہم لوگوں کے لیے کوئی نئی مصیبت کھڑی کرنا چاہتے ہو؟ اس وقت یہاں آنا ہی میرے لیے سخت پریشانی کا باعث ہے۔ اگر نراس یا نارو کو اس بات کا علم ہو گیا تو میری خیر نہیں ہے۔ تم سیدھی طرح سیدھی بات کرو اور بہتر ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ۔"

"ظاہر ہے کہ میں یہاں سے چلا ہی جاؤں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں تمھارے چھوٹے پڑوسی میں رہنے کے لیے نہیں آیا ہوں۔ لیکن میں تو صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تم لوگ برضا و رغبت اس صورت حال کو قبول کر چکے ہو؟"

"ہماری اپنی مرضی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔" امبالو نے آہستہ سے جواب دیا۔ "شکان دیوتا اور اس کی نمائندہ نراس کی مرضی ہی ہماری مرضی ہے۔ اگر شکان دیوتا کا ہمارے بارے میں یہی فیصلہ ہے تو پھر ہم اس فیصلے کو دل سے قبول کرتے ہیں۔"

"کیا تم مردوں کو آپس میں ایک دوسرے سے ملنے کی اجازت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں، ہم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں، لیکن ہم اپنی حدود تک محدود رہنے پر مجبور ہیں۔ ہم پہاڑی کی اس طرف نہیں جا سکتے تاوقتیکہ ہمیں خاص طور پر اس کے لیے بلایا جائے۔"

"اچھا دوست تمھارا بہت بہت شکریہ۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تمھاری زبانی مجھے یہاں کے حالات کا مکمل علم ہو چکا ہے اور میں کوئی نہ کوئی ایسی ترکیب ضرور سوچوں گا جس کے باعث تم لوگوں کو نراس کی اس زندگی سے نجات مل جائے۔"

"اس فریب میں مبتلا نہ رہنا۔" امبالو نے مجھ سے کہا۔ "اگر نارو کو ذرا بھی شبہ ہو گیا تو وہ اور نراس دونوں تمھارے پیچھے پڑ جائیں گی اور عین ممکن ہے کہ نراس شکان دیوتا کی مدد حاصل کر کے تمھارے جسم میں سے ڈمبالا کی روح کو نکال دے اور تم ایک معمولی اور کم حیثیت کے آدمی رہ جاؤ۔ اس صورت میں نارو تمھیں بآسانی کشتی میں شکست دے کر ہلاک کر سکتی ہے۔"

"کشتی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا نارو مردوں سے کشتی بھی لڑتی ہے؟"

"کیوں نہیں۔" امبالو نے جواب دیا۔ "اس کا انحصار اس کی مرضی پر ہے۔ جب بھی دو ایک نئے لڑکے بالغ ہو جاتے اور قبیلے میں مردوں کی تعداد دس سے زیادہ ہو جاتی ہے تو نارو اپنی مرضی سے کسی ایسے مرد کا انتخاب کرتی ہے جو صحت اور طاقت میں لاجواب ہو۔ اس کے بعد وہ اس شخص کو کھلے مقابلے کی دعوت دیتی ہے۔ بستی کے وسط میں جو میدان ہے، وہیں نارو کی اور اس مرد کی کشتی ہوتی ہے۔ اس شخص کے زندہ رہنے کی صورت صرف ایک ہی ہوتی ہے۔ . . . وہ یہ کہ وہ کسی طرح نارو کو کشتی میں شکست دے دے۔ اگر وہ نارو کو ہرا دے تو اس کی زندگی بچ جاتی ہے۔ لیکن آج تک ایسا کبھی نہیں ہوا۔ نارو سے کشتی لڑنے والا کوئی مرد زندہ نہیں بچ سکا۔ نارو اپنے ہر مدمقابل کو شکست دے دیتی ہے اور اس کے بعد اپنے ہاتھوں سے اسے قتل کر دیتی ہے۔ حسب روایت اس کے خون اور گوشت کو شکان دیوتا کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے اور بستی کی تمام عورتوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ مردوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ لیکن اگر بالفرض کوئی مرد ایسا ہو جو کشتی میں نارو کو شکست دے دے تو روایات کے مطابق نارو پھر اس شخص کو نہ تو ہلاک کر سکتی ہے اور نہ ہی اس کی ہلاکت کے اسکانات جاری کر سکتی ہے۔ اس صورت میں اسے اس شخص کی جان بخش دینی ہو گی اور پھر کشتی لڑنے کے لیے کسی دوسرے شخص کا انتخاب کرنا ہو گا۔ اگر وہ اس دوسرے شخص کو شکست دے دیتی ہے تو پھر اسے پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ اسے قتل کر دے۔ مطلب یہ ہے کہ مردوں کی تعداد ہر حالت میں دس ہی رہے گی۔ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔"

"تو کیا تمھارے خیال میں نراس میں اتنی قوت موجود ہے کہ وہ میرے جسم سے ڈمبالا کی روح کو نکال کر مجھے ایک معمولی اور عام انسان میں تبدیل کر دے؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔" امبالو نے اطمینان سے جواب دیا۔ "نراس عظیم ہے۔ وہ سب کچھ کر سکتی ہے۔ اسے شکان دیوتا کی بھرپور تائید حاصل ہے۔ وہ اگر چاہے تو تم سے تمھاری ساری طاقتیں چھین سکتی ہے۔"

میں نے ان ساری اطلاعات کے لیے امبالو کا ایک بار پھر شکریہ ادا کیا اور وہاں سے چلا آیا۔ جب میں امبالو کے جھونپڑے سے نکلا تو رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ ساری بستی موت کے سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ خونخوار اور درندہ قامت کتے مردوں کے جھونپڑوں کے آس پاس آزادانہ گھوم رہے تھے۔ یہ اس قدر خوفناک کتے تھے کہ اگر کسی انسان پر حملہ کر دیتے تو آن کی آن میں اس کی بوٹیاں نوچ کھاتے۔ لیکن ظاہر کہ وہ ایسا صرف عام انسانوں کے ساتھ کر سکتے تھے، میرے ساتھ نہیں۔ میں تو عام انسانوں سے ہر لحاظ سے بہت مختلف تھا۔ چنانچہ وہ خوفناک شکلوں والے آدم خور کتے میرے ادھر ادھر منڈلاتے رہے لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی آگے بڑھ کر مجھ پر حملہ آور ہونے کی کوشش نہیں کی۔ میں پورے سکون و اطمینان کے ساتھ مردوں کی وادی میں سے نکل کر اونچی پہاڑی پر چڑھنے لگا اور اس کی چوٹی پر پہنچنے کے بعد میں نے دوسری طرف اترنے کا آغاز کر دیا۔ زاویہ میں میں پہاڑی سے نیچے اتر کر بستی کی حدود میں داخل ہو گیا۔ مردوں

Scanned by aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

کی وردی کی طرح عو۔ تو ہی بستی میں بھی دور دور تک سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ ہلکی ہلکی ملگجی چاندنی میں سفر کرتا ہوا میں نارو کے جھونپڑے تک پہنچ گیا، اور دبے پاؤں بلی کی طرح آہستہ سے جھونپڑے میں داخل ہو گیا۔

میرا دل معلومات کے وسیع خزانے سے بھرا ہوا تھا اور اب میں ان معلومات سے فائدہ اٹھا کر یہاں کے مردوں کے لیے بہت کچھ کر سکتا تھا۔ لیکن اس کے لیے مجھے سوچ بچار اور کسی مناسب حکمت عملی کی ضرورت تھی تاکہ میری شخصیت کا اصل راز ان لوگوں پر کم سے کم منکشف ہو اور میری غیر معمولی صلاحیتوں سے زیادہ واقفیت حاصل نہ کر سکیں۔

دوسری صبح قیامت کی صبح تھی۔ ابھی میں سو کر پوری طرح بیدار بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک عجیب و غریب قسم کے شور سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اپنے اردگرد بہت سی مسلح عورتوں کا مجمع دیکھا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ نارو میرے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ کمر پر رکھے ہوئے تھے وہ سخت غصے اور طیش کے عالم میں نظر آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی بہت سی عورتیں بھی کھڑی ہوئی تھیں جو سب کی سب تیر کمان اور دوسرے ہتھیاروں سے مسلح تھیں۔

"ڈبالا" نارو نے مجھے بھاری آواز میں مخاطب کرتے ہوئے کہا "تمہاری اس بستی میں آمد ہمارے لیے باعث فخر و امتیاز تھی۔ تم خوش بختی کی علامت بن کر یہاں آئے تھے۔ تمہاری آمد کے لیے سو سال تک انتظار کرنا پڑتا ہے اور اس کے بعد جا کر ڈبالا دیوتا اپنی روح کو کسی انسانی پیکر میں منتقل کر کے یہاں بھیجتا ہے۔ لیکن تم نے یہاں آنے کے بعد ڈبالا کی روح سے بے وفائی کی ہے اور ہم لوگوں سے بھی بیوفائی کی ہے۔ ہم سب کو اس بات کا سخت افسوس ہے کہ تم کل رات چوری چھپے پہاڑی کے اس پار مردوں کی وادی میں چلے گئے، جب کہ تمہیں وہاں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ تمہیں یاد ہو گا کہ تم نے مردوں کے بارے میں مجھ سے سوال پوچھا تھا اور میں نے اس کا واضح جواب دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کا صاف طور پر مطلب یہی تھا کہ ہم تمہیں اپنے اس راز میں شریک نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن تم کل رات اباہالو کے جھونپڑے میں جا پہنچے۔ ہم سب کو اس بات پر حیرت ہے کہ تو خونخوار کتوں نے تمہیں کیونکر چھوڑ دیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ڈبالا کی عظیم روح کا کرشمہ ہو۔ تم نہ صرف اباہالو کے جھونپڑے میں گئے بلکہ تم نے اسے مجبور کر کے یہاں کے بارے میں وہ ساری باتیں معلوم کر لیں جن سے تمہارا کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ احمق اور نادان اباہالو تمہیں ساری تفصیلات بتاتا رہا اور تم اس سے کرید کرید کر یہاں کے بارے میں سوالات پوچھتے رہے۔ تم شاید یہ سمجھ رہے تھے کہ تم دونوں کی ملاقات اور گفتگو کا کسی کو علم نہیں ہو گا۔ لیکن یہ تمہاری بہت بڑی بھول تھی۔ تمہیں یقیناً اس بات کا علم نہیں تھا کہ برابر کے جھونپڑے میں پالکم رہتا ہے اور اس دن اس کے ساتھ اندلک موجود تھی۔ پالکم اور اندلک نے وہ ساری باتیں سن لیں جو تمہارے اور اباہالو کے درمیان ہوئی تھیں اور انہوں نے رات ہی کو جا کر عظیم نراس کو اس سارے واقعے سے آگاہ کر دیا۔ نراس سخت برہم ہے اور اس صورت حال نے اسے شدید غضبناک بنا دیا ہے۔ میں اب اگر چاہوں بھی تو تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ تمہارے اندر دیوتا کی روح اس وقت ضرور موجود ہے۔ لیکن تمہیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے تھی کہ شکان دیوتا سب سے عظیم ہے اور نراس اس کی نمائندہ ہے۔ اب تمہیں نراس کے پاس چلنا پڑے گا۔ اس نے تمہیں فوراً طلب کیا ہے۔"

"میں نے جو کچھ کیا اس پر مجھے نہ کوئی ندامت ہے اور نہ اس کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "اگر عظیم نراس نے مجھے طلب کیا ہے۔ میں اس کے پاس چلنے کے لیے بالکل تیار ہوں۔ میں اسے مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"تو پھر اٹھو۔ چلو۔" نارو نے کہا۔

میں اٹھ کھڑا ہوا اور ہمارا قافلہ نارو کے جھونپڑے کی طرف روانہ ہو گیا۔ لیکن اس بار صورت حال بالکل مختلف تھی۔ میرے آگے آگے نارو چل رہی تھی جس کے دونوں ہاتھوں میں ہڈیوں کے بنے ہوئے بھاری بھاری ہتھیار تھے۔ اور میرے آگے پیچھے اور دائیں بائیں بہت بڑی تعداد میں مسلح عورتیں چل رہی تھیں جو سب کی سب اسی قسم کے ہتھیاروں سے مسلح تھیں اور بڑی چوکس نظر آ رہی تھیں۔ صاف ظاہر تھا کہ اس وقت میری حیثیت ایک قیدی کی سی تھی جسے مسلح محافظوں کی نگرانی میں لے جایا جا رہا تھا۔ مگر مجھ سے کسی نے یہ بات نہیں کہی تھی کہ میں قیدی ہوں اور میری حفاظت کی جا رہی ہے۔ لیکن درحقیقت صورت حال یہی تھی کہ مجھے اس حالت میں لے جایا جا رہا تھا کہ میں کوئی فرار کی راہ اختیار نہ کر سکوں۔ میں دل ہی دل میں ان وحشی عورتوں کی حماقت اور سادگی پر ہنس رہا تھا۔ بھلا مجھے یہ راہ فرار اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اگر میں فرار ہونا بھی چاہتا تو بھلا ان میں کس کی اتنی جرأت تھی کہ مجھے روک سکتا۔ نہ تو نراس جادوگرنی کی سحر آفرینی میرے اوپر کوئی اثر کر سکتی تھی۔ اور نہ ہی نارو کی بے پناہ جسمانی طاقت میں اس تماشے میں دل چسپی لینے لگا تھا اور یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ان لوگوں کے آئندہ اقدامات کیا ہوں گے۔ سرزمین افریقہ پر میرا پہلا تجربہ تھا اور میں اس تجربے سے بھرپور انداز میں لطف اندوز ہو رہا تھا۔

ہمارا جلوس نراس کے جھونپڑے کے سامنے جا کر رک گیا۔ نارو اس جلوس کی قیادت کر رہی تھی۔ جلوس میں نراس کی نائب دہیل بھی شامل تھی۔ مجمع میں سب لوگ باہر ٹھہر گئے اور صرف دہیل اندر چلی گئی۔ نارو بھی باہر ہی کھڑی رہی۔

ذرا دیر کے بعد دہیل اندر سے نکل کر آئی۔ اس نے نارو سے کہا کہ وہ ڈبالا کو ساتھ لے کر اندر آ جائے اور باقی لوگ دروازے پر مستعد کھڑے رہیں۔ نارو نے اپنی ساتھی مسلح عورتوں کو اشارہ کیا اور وہ اپنے اپنے ہتھیار سنبھال کر ایک دم چوکس ہو گئیں۔ دہیل کی سرکردگی میں میں اور نارو اندر داخل ہوئے۔ اندر جاتے ہی جس چیز پر سب سے پہلے میری نگاہ پڑی وہ اباہالو تھا۔ لیکن یہ وہ اباہالو نہیں تھا جسے رات کو میں نے دیکھا تھا۔ جس کے ساتھ میں طویل گفتگو کی تھی۔ اس وقت کا اباہالو زخموں سے چور چور ایک ایسی قسم کا ہیکل تھا جو نراس کی جھونپڑی میں ایک جانور کی کھال کے اوپر پڑا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اسے کوڑوں یا ہنٹروں سے بری طرح مارا گیا ہے۔ اس کے ہاتھ پیر مضبوط رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ اس سختی کے ساتھ کہ وہ جنبش بھی نہیں کر سکتا تھا۔ جبکہ شاید اس کی کوئی اس ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ اباہالو اتنا زیادہ زخمی تھا کہ اگر وہ خود بھی حرکت کرنا چاہتا تو نہیں کر سکتا تھا۔ معلوم نہیں ان ظالم اور بیدرد عورتوں نے اسے کیا کیا اذیتیں پہنچائی تھیں۔ اباہالو کے فوراً بعد جس دوسری چیز پر میری نظر پڑی، وہ خود نراس تھی۔ میں اس سے پہلے ایک سے زائد بار نراس کو دیکھ چکا تھا۔ لیکن اس وقت اس کی حالت ہی کچھ اور تھی۔ وہ تپتی ہوئی ایک بے ڈھنگی سی چٹائی جیسی چیز پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے کپڑے، پھیکے اور بے ڈھنگے بال دونوں شانوں پر بری طرح بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں۔ اس کے سامنے اس چٹائی پر ایک بڑا سا مٹی کا برتن رکھا ہوا تھا۔ اس برتن کے دونوں طرف ایک ایک انسانی کھوپڑی کا سر رکھا ہوا تھا۔ اور ان کھوپڑیوں کے اوپر ایک ایک ہی ہڈی رکھی ہوئی تھی جو کہ اباہالو انسان کے ریڑھ کی ہڈی تھی کیونکہ یہ کافی بڑی نظر آ رہی تھی۔ نراس کے سامنے رکھے ہوئے برتن میں کوئی سرخ سا محلول موجود تھا جو کافی گاڑھا بھی نظر آ رہا تھا۔ صاف طور پر محسوس کیا جا سکتا تھا کہ یہ محلول انسانی خون پر مشتمل تھا۔ اور یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی کہ یہ خون اباہالو کا ہی ہو گا۔ کیونکہ اس کا سر اور جسم زخموں سے چھلنی اور جگہ جگہ سے خون بہہ رہا تھا۔ نراس کی ساخت پر ساری چیزیں اپنے ساتھ رکھے ہوئے منہ میں کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ لیکن وہ اتنی آہستہ بول رہی تھی۔ اس کی زبان سے نکلنے والا ایک لفظ بھی کوئی دوسرا شخص نہیں سن سکتا تھا۔ بس اس نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔

ہم لوگ خاموشی سے جا کر نراس کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے۔ نراس نے ہمارے نظر اٹھا کر ہماری طرف دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ وہ آنکھیں بند کیے اپنے استغراق کے عالم میں خوابی۔ نارو اور دہیل سر جھکائے کھڑی ہوئی تھیں گویا وہ کسی کی عادت ہوں اور اس کے شغل کی مخل نہ ہوں۔ میں نے محسوس کیا کہ نارو اور دہیل کے کھڑے ہونے کا انداز ایسا تھا کہ ان میں سے ایک میرے دائیں طرف تھی اور دوسری بائیں طرف۔ یہ باتیں نے مجھے احساس دلایا کہ یہ ایک طرح سے میرے گرد گھیرا ڈالنے کی کوشش تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ شاید میں یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کروں۔ اس کے لیے وہ بالکل تیار تھیں۔ علاوہ ازیں مجھے اس بات کا بھی اطمینان تھا کہ مجھ پر حملے کے بارے میں مسلح عورتوں کی ایک خاصی بڑی تعداد مستعد کھڑی ہے۔ اس لیے میرے یہاں سے بھاگ کر جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ نراس اپنے معمول کے مطابق مصروف تھی۔ اس نے ہم لوگوں کے قدموں کی آہٹ سن کر بھی آنکھیں نہیں کھولیں لیکن بدنصیب اباہالو نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اس نے ہم تینوں کو دیکھا اور پھر وہ مجھے گھورنے لگا۔ مجھے اس کی آنکھوں میں اپنے لیے شدید نفرت نظر آئی۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنی اس ساری بدنصیبی کا ذمہ دار بھی مجھ کو ٹھہرا رہا تھا۔ اس نے شدید غصے اور نفرت کے عالم میں میری طرف دیکھا اور پھر زمین پر زور سے تھوک دیا۔ مجھے اس کے اس طرز عمل سے ذرا صدمہ پہنچا۔ لیکن میں اس کو کسی طرح بھی مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ مجھ سے، میری قوتوں سے بالکل واقف تھا اور اس کی نظروں میں میری وہ شخصیت ایک ایسے عام انسان سے زیادہ نہیں تھی جسے نکال باہر میں ڈبالا کی روح سما گئی تھی۔ میں خود ڈبالا نہیں تھا۔ بلکہ ڈبالا نے میرے پیکر میں پناہ لی تھی۔ اور شکان دیوتا ڈبالا کی روح کو میرے جسم سے باہر نکال کر مجھے دوبارہ ایک عام اور ذرا دیر کے انسان میں تبدیل کر سکتا تھا۔

اباہالو نے صرف مجھے نفرت سے گھورنے پر اکتفا کیا اور مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ میں نے بھی اس کا ریکارڈ دیکھ کر اس سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ مجھے اباہالو کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت کے علاوہ موت کی بے بسی بھی نظر آئی۔

کافی دیر کے بعد نراس نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ اس کی آنکھیں پہلے سے بھی زیادہ انگاروں کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے مجھے نہایت نہ نظر آنے والی نظروں سے دیکھا۔ کل تک میں نظروں میں میرے لیے پیار تھا۔ آج وہی آنکھیں مجھے دیکھ کر شعلے برسا رہی تھیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ پروفیسر کو کیمیا کے لیے تو میں اس وقت بھی ساحرہ کی آنکھیں دیکھ کر دہشت زدہ سا ہو گیا۔ ان آنکھوں میں ایک ایسی عجیب و غریب کیفیت تھی جس کو دیکھنے کی کوئی انسان تاب نہیں لا سکتا تھا۔ میں اس کیفیت کا اظہار الفاظ میں نہیں کر سکتا۔ یہ حال تھا کہ مجھ پر جو کیفیت طاری ہوئی وہ محض ایک لمحے کی کیفیت تھی جو ایک آن میں ٹوٹ گئی۔ بوڑھی ساحرہ اپنی لال لال آنکھوں سے مجھے گھورتی رہی اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتی رہی۔ اس کے ساتھ ہی وہ پیالے میں بھرے ہوئے محلول میں انگلیاں ڈبو ڈبو کر سے چاٹتی بھی۔ نارو اور دہیل بالکل مستعد، مؤدب اور ہمہ تن گوش کھڑی رہیں۔ جبکہ میں بوڑھی ساحرہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھورتا رہا۔

"سن اے اجنبی انسان!" اچانک بوڑھی ساحرہ کی آواز بلند ہوئی۔ لیکن یہ آواز اس کی اس آواز سے بالکل مختلف تھی جسے میں نے پہلے سنا تھا۔ یہ آواز بھاری اور پھٹی ہوئی آواز تھی۔ "عظیم ڈبالا نے تجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ اپنی روح کو تیرے جسم کے اندر داخل کیا۔ عظیم شکان نے مجھے یہ بات بتائی ہے کہ تو اس سرزمین کا رہنے والا نہیں ہے۔ یہاں تم لوگ

aazzamm@yahoo.com

رہتے ہیں۔ تو کسی دور کی دنیا کا باسی ہے اور سمندروں کی سیر کرتے کرتے یہاں تک آ گیا ہے۔ عظیم ڈمبالا! موسماں کے بعد جب ضرور ہوتے تو وہ اپنے لیے ایک ایسا ہی جسم تلاش کرتا ہے جیسا کہ تیرا جسم ہے۔ اور اس جسم میں وہ اپنی روح کو منتقل کر کے ہماری آبادی میں چلا آتا ہے اور ایک طویل عرصے تک قیام کرتا ہے۔ اس کی موجودگی سب لوگوں کے لیے نیکی اور نیک بختی کی علامت ہوتی ہے۔ میری خود موسماں سے زیادہ ہے اور میں دو دن تو ڈمبالا کو دیکھ رہی ہوں۔ ہم نے ڈمبالا سے کسی کے قواعد و قوانین کی پابندی کی اور کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے عظیم دیوتا شکان کی ناراضگی کا کوئی امکان پیدا ہو۔ لیکن سے گوری چمڑے والے اجنبی شخص تو نے ڈمبالا کی روح کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ ڈمبالا کی روح مجھ سے سخت ناراض ہے۔ تو نے اس بستی میں داخل ہونے کے بعد ان باتوں کا جھوٹ لگانے کی کوشش کی تھی جن سے براہ راست تیرا کوئی تعلق نہیں تھا۔"

لیکن تو نے بصد بدزبانی

بات میں خود کو بھی ڈمبالا کو نشیلے میں کار کر کے ذریعے بستی کے مردوں میں بغاوت پھیلانے کی کوشش بھی کی تھی۔ یہ جرم ناقابل معافی ہے۔ تو نے ہمارے قبیلے کی روایت کو توڑ دیا ہے اور یہاں کے سکون کو غارت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ڈمبالا کی روح مجھ سے ناراض ہو کر تیرے جسم سے واپس چلی گئی ہے۔ اور اب تو ڈمبالا نہیں ہے تو کیسے مفید و مہذب پڑھی لکھی معمولی انسان ہے۔ ہمارے قبیلے کی زبان میں مفید چیزوں کو کرنا جانتے ہیں۔ اندازہ ہے کہ تو ڈمبالا نہیں ہے۔ تو کیا ہوا کہ کھلونے تو بھی نہیں معمولی کرتے ہیں۔ اور تو ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ اور ہم تجھے باتیں معمولی کرنے میں بڑی دلچسپی ہے۔ ہمارے لیے بس اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ تو ہمارے قبیلے کو توڑنے والے قبیلے پر بڑی سے تو کر مردوں کی بستی میں چلا گیا ہے۔ تجھے اس بات پر ہم تک سخت تیرے ہے کہ وہاں موجود کسی نے تجھے یہاں نہیں رہنا۔ وہ معمولی دیتے کے لئے نہیں ہیں۔ وہ شکان دیوتا کے لئے نظر آتے ہیں اور ہم پر یہاں میں خوب اچھی طرح نمایاں کرنا جانتے ہیں۔ کوئی اس وقت تو سے جانتا ہے ڈمبالا کی روح موجود تھی۔ لیکن کوئی دیوتا کے لئے ڈمبالا کو بھی اس طرح نہیں جانتے دیتے۔ اور تو تجھے بغیر دل سے واپس ہونے پر مجبور کر دیتے۔ تو کوئی بات نہیں۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ تجھے کیسے کیسے تھے۔ اور شکان دیوتا نے اس قدر سخت ناراض ہو گیا ہے۔ اس نے ڈمبالا کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی روح کو تیرے جسم سے نکال لے۔ تو خود ڈمبالا بھی شرمسار ہے کہ اس نے یہ غلط جسم کا انتخاب کیا۔ اس لیے اس نے اپنی روح تیرے جسم میں سے واپس لے لی ہے۔ اور اب بدنصیب انسان، اب تو اپنے قبیلے کے لیے تیار ہو جا۔ اسے دیکھ۔" اس نے ڈمبالا کے بھی مردانگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس نے اپنی قسمت کی سزا دی گئی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارے قبیلے میں اب اس کا

مردوں کی موجودگی ضروری ہے۔ آج سے ٹھیک تین ماہ بعد اس ہو غنت کو اپنے جانے کا اور قبیلے میں باقی مردوں کی تعداد جلنے گی۔ اس وقت امبالو شکان دیوتا کی روح کو قربان کر کا اور اس کے گوشت و خون سے قبیلے کی تمام عورتوں کو حاملہ اس کے جسم کے زخم ابھی چند لمحے بعد ٹھیک ہو جائیں گے اور یہ پیٹ نہ فلش ہی کر دینے کے قابل ہو جائے گا۔ لیکن اسے معلوم ہے عورتوں کے علاوہ شکان دیوتا کے نقوش کی نگرانی میں رکھا جائے یہ جب تک کی کوشش نہ کرے۔"

بوڑھی ساحرہ بولتے بولتے رک گئی۔ امبالو خوفزدہ اور نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نامراد اور بزدل بالکل خاموش تھیں۔ اس وقت مجھے صحیح معنوں میں اس بات کا اندازہ ہوا کہ میں کس کی کیا حیثیت ہے۔ وہ یہاں کے بے تاج بادشاہ تھے۔ کی سردار نامراد تھی۔ لیکن بوڑھی ساحرہ نے اس کے بھی حیثیت بھی تھی۔ اور اس کو تو کچھ چھا گئی تھی۔ زندہ رہنے چوں اس کی کرنے پر مجبور تھی۔

"اور جہاں تک یہ تعلق ہے ڈمبالا" بوڑھی ساحرہ نے شروع کیا۔ "تو تو ہے تیرے ساتھ ایک مختلف سزا تجویز کی گئی ہے۔ تیرا جسم ڈمبالا کی روح کا بھی پیدا ہوا ہے۔ ڈمبالا قبیلے کا ایک ایک فرد کا بالغ ہونے کا مردوں کی تعداد دو چند ہو جائے گی۔ اس وقت تیری روح کو امبالو کے جسم سے نکال کر تیرے جسم میں منتقل کر دیا جائے گا۔ اس وقت تیرا جسم ڈمبالا کی روح کا مسکن بن جائے گا۔ اور تو ڈمبالا کی روح کے ساتھ ہی ہمارے قبیلے کی بھاری چوکر اور تندرست کشتی کی طرح ہو

aazzamm@yahoo.com

[illegible] عورتوں کا سارا رویہ اختیار کر جس سے نفرت اور دشمنی کی بو آتی ہے۔ مگر [illegible] ہمیں معاوضے پر پہنچنے کے بجائے فہم سے پا چھ لینے کو تھوڑا [illegible] لیکن تم نے سیدھی سادی گفتگو کے بجائے سازش کا راستہ اختیار کیا۔ اس قبیلے میں سازش کرنے والے کبھی معاف نہیں کیے جاتے۔ اب جہاں تک امبالو کا تعلق ہے تو اسے بات اچھی طرح معلوم تھی۔ یہ معاملہ میں تم سے گفتگو کرنے کا اختیار صرف مجھ کو ہے۔ اور کسی دوسرے کو نہیں۔ لیکن اس نے جانتے بوجھتے ہوئے اس بات کو فراموش کر دیا۔ اور تمھیں معاوضہ دینا چاہا۔ تو معاوضہ لازم اپنے سر پر لے لیا جاتا ہے۔ اور امبالو کی جان بچانا چاہتے ہو۔ تو یہ حقیقت یہ ہے کہ تمھیں معاوضہ [illegible] کیا جا سکتا ہے۔ تم دونوں میں سے کسی کے معاف کیے جانے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ تمہیں اس بات کو پیشانی سے نکال دو کہ تم دونوں میں سے کسی کو معاف کیا جا سکتا ہے۔ موت تم دونوں کا مقدر بن چکی ہے۔"

"عظیمہ!" [illegible] نے بڑی نرمی کا انداز پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے عظیم نرس کا یہ فیصلہ کیوں ہے۔ لیکن اس صورت میں عظیم نرس سے ایک درخواست کروں گا۔ اور وہ یہ کہ ان اپنی رائے میں شکان دیوتا کے حکم کے مطابق مجھے اور امبالو کو سزا ضرور دے۔ لیکن سزا دینے کے وقت میں تبدیلی کر دے۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو ٹیبالو؟" نرس نے کہا۔ "صاف صاف کہو۔"

"میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں اصل قصور وار اپنے آپ کو سمجھتا ہوں اس لیے مجھے سزا دی جائے۔ اور امبالو کو بعد میں۔ جب میں تھوڑا سا ہوش میں آ جاؤں تو اسے زندہ رکھا جائے۔ اور تم تو قصور وار ہے اسے زندہ عرصے تک زندہ رہنے کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ یہ بات انصاف کے تقاضوں کے بھی عین مطابق ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج سے ٹھیک [illegible] ماہ بعد جب قبیلے میں ایک نیا لڑکا بالغ ہو جائے تو اس وقت [illegible] کر دی جائے۔ مجھے یقین ہے کہ تاروجھے زہر [illegible] کرے گی اور میری زندگی کا خاتمہ کر دے گی۔ اس طرح میں اپنی آنکھوں کے سامنے امبالو کو تو [illegible] نہیں دیکھ سکوں گا۔ میری موت کے تین ماہ بعد جب قبیلے میں دوسرا لڑکا بھی بالغ ہو جائے تو جیسے تو اس وقت عظیم نرس امبالو کو بھی سزا دے سکتی ہے۔ یعنی کہ اگر میری موت کو اس [illegible] کا یقین نہ [illegible] ہوگا کہ میں اپنی آنکھوں سے امبالو کو [illegible] نہیں دیکھ سکوں گا۔ [illegible] عظیم نرس میری یہ درخواست قبول کر لے تو میں اس کا زندہ شکر گزار رہوں گا۔"

نرس میری یہ عجیب و غریب بات سن کر چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی۔ [illegible] بات پر حیرت [illegible] یہ [illegible] خود [illegible] زبان سے [illegible] بات کو [illegible] کر رہا ہے۔

نرس کے علاوہ تاروا اور دہیل بھی بالکل خاموش تھیں [illegible]

[illegible] کی کیا جان تھی کہ اس عظیم [illegible] کے سامنے زبان کھولتے [illegible] سکتیں۔ ان کے نزدیک سب سے بڑے درجے کی مذہبی [illegible] ساری نقطہ [illegible] ایک [illegible] تکلیف دہ خاموشی طاری ہو گئی۔ تیران اور [illegible] آنکھوں سے کبھی میری شکل دیکھتا اور کبھی [illegible] کی طرف دیکھنے لگتا اور کبھی اس کی نظریں دہیل کے چہرے پر جا ٹکتیں۔

کافی دیر تک خاموش رہنے سے بعد بالآخر نرس [illegible] کہا۔ "مجھے ٹیبالو کی [illegible] میں کوئی حرج نظر نہیں آتا [illegible] یہ ہے کہ امبالو سے پہلے موت کا ذائقہ چکھ لے تو [illegible] کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن ٹیبالو کو یہ بات ہرگز نہیں [illegible] عرصے سے دماغ میں کوئی سازش کر رہی ہے اور [illegible] سے نکل جانے کا کوئی منصوبہ سوچ رہے ہیں۔ اس کا [illegible] نہیں ہو سکتا۔ شکان دیوتا کے [illegible] کتنے [illegible] کے چاروں طرف متعین کر دیں۔ [illegible] کو کہیں دھرا دھر [illegible] دونوں میں سے کوئی بھاگنے کی کوشش کرے تو [illegible] اس کی بوٹیاں نوچ کھائیں۔ آج سے ٹھیک تین [illegible] کے بالغ ہوتے ہی ہمارے پاس مردوں [illegible] ہو جائے گی اور پھر اس سفید چٹان کے کنارے کشتی لڑنے [illegible] جائے گا۔ ہم لوگوں نے سفید چٹان والے کا گوشت [illegible] ہے۔ یہ ہم سب کے لیے شکان دیوتا کی ایک عجیب و [illegible] ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ شکان دیوتا اس سفید [illegible] کی قربانی سے بہت خوش ہوگا۔

آج سے اس شخص [illegible] مکہ ٹیبالو ہوگا اور تم سب لوگ اسے ٹیبالو کہو گے۔ ٹیبالو کی [illegible] زندہ رہنے بعد امبالو کو بھی قربان کر دیا جائے گا کیونکہ اس وقت [illegible] بالغ ہو چکا ہوگا۔ اب تم لوگ جا سکتی ہو اور [illegible] کو ساتھ لے جاؤ۔ ان کے کھانے پینے کا بھی تمھیں [illegible] رکھنا ہے۔"

[illegible] ساحرہ نرس نے اپنی طویل ہدایات کا سلسلہ ختم کیا اور [illegible] ایک بار پھر تعظیماً اس کے سامنے جھک گئیں اور پھر [illegible] کی رسیاں کھولنی شروع کر دیں۔ ذرا دیر میں اس کا جسم [illegible] لیکن وہ زخموں سے اتنا زیادہ چور تھا کہ اس کے لیے کھڑا ہونا بھی [illegible]

[illegible] "بوڑھی ساحرہ نے اپنی نائب کو مخاطب کرتے ہوئے [illegible] معلوم ہے امبالو کے زخموں پر کون سے پتوں کا لیپ لگانا ہے۔" [illegible] معلوم ہے عظیم نرس۔" دہیل نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا۔ [illegible] تو جا کر اسے کسی طرح اس کے جھونپڑے تک پہنچا دو۔ اور اس کے [illegible] کا حکم دیا۔

"[illegible] ہوگا۔" دہیل نے جواب دیا۔

[illegible] عورتوں نے امبالو کے زخمی لیکن بے حد بھاری بھرکم جسم کو [illegible] نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ڈمبالا نہیں۔ یہ [illegible] ساتھ غداری کی ہے اس لیے میں نے شکان دیوتا [illegible] کے جسم کے اندر سے ڈمبالا کی روح کو کھینچ لیا ہے۔ ویسے [illegible] اس کے جسم اور دماغ نے عظیم ڈمبالا کی روح کو [illegible] کیا تھا۔ اس غداری میں اس کے ساتھ [illegible] بوڑھی [illegible] اور تم لوگ اپنی آنکھوں سے امبالو کا پچھ شکر دیکھ چکی ہو۔ [illegible] دیکھ لینا۔ اب تم ان دونوں کو یہاں سے لے جا کر یہ دونوں [illegible] میں قید رہیں گے۔ انھیں کسی حالت میں بھی جھونپڑے [illegible] اجازت نہیں ہوگی۔ تم آنکھوں میں [illegible] رہو۔ [illegible] صبح دوسری عورت پہرہ دے گی۔ پانچ سب [illegible] خوفناک کتوں کو جو شکان دیوتا کے وفادار کتے [illegible] کے چاروں طرف متعین کر دو۔ ان کتوں کو کہیں دھرا دھر [illegible] دونوں میں سے کوئی بھاگنے کی کوشش کرے تو [illegible] اس کی بوٹیاں نوچ کھائیں۔ آج سے ٹھیک تین [illegible] کے بالغ ہوتے ہی ہمارے پاس مردوں [illegible] ہو جائے گی اور پھر اس سفید چٹان کے کنارے کشتی لڑنے [illegible] جائے گا۔ ہم لوگوں نے سفید چٹان والے کا گوشت [illegible] ہے۔ یہ ہم سب کے لیے شکان دیوتا کی ایک عجیب و [illegible] ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ شکان دیوتا اس سفید [illegible] کی قربانی سے بہت خوش ہوگا۔

آج سے اس شخص [illegible] مکہ ٹیبالو ہوگا اور تم سب لوگ اسے ٹیبالو کہو گی۔ ٹیبالو کی [illegible] زندہ رہنے بعد امبالو کو بھی قربان کر دیا جائے گا کیونکہ اس وقت [illegible] بالغ ہو چکا ہوگا۔ اب تم لوگ جا سکتی ہو اور [illegible] کو ساتھ لے جاؤ۔ ان کے کھانے پینے کا بھی تمھیں [illegible] رکھنا ہے۔"

[illegible] ساحرہ نرس نے اپنی طویل ہدایات کا سلسلہ ختم کیا اور [illegible] ایک بار پھر تعظیماً اس کے سامنے جھک گئیں اور پھر [illegible] کی رسیاں کھولنی شروع کر دیں۔ ذرا دیر میں اس کا جسم [illegible] لیکن وہ زخموں سے اتنا زیادہ چور تھا کہ اس کے لیے کھڑا ہونا بھی [illegible]

[illegible] "بوڑھی ساحرہ نے اپنی نائب کو مخاطب کرتے ہوئے [illegible] معلوم ہے امبالو کے زخموں پر کون سے پتوں کا لیپ لگانا ہے۔" [illegible] معلوم ہے عظیم نرس۔" دہیل نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا۔ [illegible] تو جا کر اسے کسی طرح اس کے جھونپڑے تک پہنچا دو۔ اور اس کے [illegible] کا حکم دیا۔

"[illegible] ہوگا۔" دہیل نے جواب دیا۔

[illegible] عورتوں نے امبالو کے زخمی لیکن بے حد بھاری بھرکم جسم کو [illegible] اٹھا کر پرانے کند تنوں پر کسی مردے کے ٹکڑے کی طرح ڈال دیا۔ باقی چھ عورتوں نے ہمارے گرد اپنا گھیرا تنگ کر دیا اور ہمارا زیب و غریب جلوس باہر نکل آیا۔

باہر نکلتے ہی میں نے دیکھا کہ تقریباً ساری بستی کی عورتیں، بچے اور بوڑھے وہاں جمع تھے۔ وہ سب کے سب ہمارے پیچھے ہو لیے۔ ایک عظیم غلغلہ تھا جو ہمارے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ غالباً دہیل نے باہر آنے کے بعد چند لفظ ان لفظوں میں یہ روداد سنا دی تھی، اس لیے ان کی آنکھوں میں ہمارے لیے سختی اور درشتی تھی۔ جبکہ اس سے پہلے میری شکل دیکھ کر اکثر عورتوں کی آنکھوں میں سے جیسے رس گھلنے لگتا تھا۔ اب انھی آنکھوں میں میرے لیے ناپسندیدگی کے تاثرات تھے۔ عجیب مذاق تھا پروفیسر۔ میں دل ہی دل میں اس احمقانہ صورت حال پر ہنس رہا تھا۔ کل تک میں ان کے لیے دیوتا تھا، میرا وجود ان کے لیے باعث خیر و برکت تھا، یہ عورتیں مجھے سر آنکھوں پر بٹھا رہی تھیں، لیکن آج محض اس وجہ سے کہ میں نے ان کے علم کے بغیر ان کی بستی کے ایک مرد سے بات کر لی تھی، میں ان کے نزدیک مجرم اور گردن زدنی ہو گیا تھا۔ لیکن اس معاملے کا سب سے زیادہ دلچسپ پہلو یہ تھا کہ سزا کا مستوجب قرار دے دیے جانے کے بعد تمام عورتوں کو اس بات کی اجازت تھی بلکہ انھیں گویا اس بات کا حق حاصل تھا کہ وہ میرے جسم کو جس طرح چاہیں استعمال کریں۔

"بہت خوب!" میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ "گویا مجھے محض ایک شے کے طور پر استعمال کیا جانا تھا اور اس کے بعد پھینک دیا جانا تھا۔ تمھارے شکان دیوتا کی ایسی تیسی!" میں نے دل ہی دل میں کہا۔

ہمارا جلوس عورتوں کی بستی سے نکل کر اب مردوں کی وادی میں داخل ہو چکا تھا۔ جو دو عورتیں امبالو کے جسم کو اپنے کندھوں پر لادے ہوئے تھیں، انھوں نے بڑی حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ بالکل بندروں کی طرح لپک لپک کر پہاڑی کی چڑھائی چڑھ گئی تھی اور اسی اطمینان سے وہ نیچے بھی اتر آئی تھیں۔ مردوں کی وادی میں داخل ہوتے ہی شور کی آواز سن کر ہزاروں مرد اپنے اپنے جھونپڑوں سے نکل آئے اور اس تماشے کو حیرت زدہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ ہمارے جلوس میں آنے والی بہت سی عورتیں ان مردوں سے الگ الگ باتوں میں مصروف ہو گئیں اور انھیں ہماری سزا کے بارے میں بتانے لگیں۔ مردوں کے چہروں پر خوف اور کسی کے تحیر نظر آ رہے تھے۔

ہم دونوں کو امبالو کے جھونپڑے میں لے جایا گیا۔ میں نے فی الحال اپنے پیچھے کوئی بالکل عام اور معمولی آدمی ظاہر کر کے خود کو ان مسلح محافظوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا اور کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی تھی۔

جھونپڑے کو فوراً ہی پہرے دار عورتوں نے اپنے نرغے میں لے لیا اور پانچ نہایت خون خوار اور خوفناک قسم کے کتے اس کے چاروں طرف تعینات کر دیے۔ دہیل نے امبالو کو گھاس کے بستر پر ایک کھال بچھا کر لٹا دیا اور کوئی دوا، جو وہ راستے سے کہیں سے اپنے ساتھ لے آئی تھی

Scanned by aazzamm@UrduPhanz.com

aazzamm@yahoo.com

اس کے زخموں پر لگانے لگی۔ غالباً وہ کافی جلن والی دوا تھی کیونکہ امبالو بری طرح چیخ رہا تھا اور تڑپ رہا تھا۔ دو عورتوں نے اس کی ٹانگیں اور دو نے اس کے بازو پکڑے ہوئے تھے، لیکن پھر بھی وہ ان کی گرفت سے نکلنے کے لیے مچل رہا تھا لیکن انھوں نے اسے چھوڑا نہیں اور وہ بے بسی بڑی بے دردی کے ساتھ اس کے زخموں پر دوا کی مالش کرتی رہی تھوڑی سی جدوجہد کے بعد شاید امبالو بے ہوش ہو گیا اور عورتوں نے اسے چھوڑ دیا۔ دوا اس کے سارے جسم پر دوا لگا چکی تھی۔

عورتیں ہمیں اسی حالت میں چھوڑ کر جھونپڑے کے باہر نکل گئیں۔ امبالو تو بے ہوش پڑا تھا۔ میں نے بھی گھاس کے بستر پر ہاتھ پیر پھیلا دیے اور آرام سے سو گیا۔ فی الوقت میرے ذہن میں کوئی پریشانی نہیں تھا اور مجھے کوئی جلدی بھی نہیں تھی۔ ابھی میرے پاس بہت وقت تھا۔

جب میری آنکھ کھلی تو ہر طرف گھپ اندھیرا تھا۔ نیند کو کچھ بھی نہیں دے رہا تھا۔ باہر سے خوفناک کتوں کی غراہٹوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے امبالو کو آواز دی۔ میرے پکارنے کے جواب میں اس نے آہستہ سے جواب دیا "کیا بات ہے نیا بو؟"

"تمھاری طبیعت اب کیسی ہے؟" میں نے پوچھا "تمھارے زخموں کی حالت کچھ بہتر ہوئی؟"

"یہ نصیب انسان کے لیے مجھ سے سخت نفرت کرتا ہوں۔" امبالو نے کہا اور لیکن زہر بھرے لہجے میں کہا "اگر میری طبیعت ٹھیک ہوتی تو ابھی تک زندہ نہ بیٹھا ہوتا۔ میں تیرا گلا گھونٹ کر تجھے ہلاک کر دیتا اور اب تک تیرے جسم کے گوشت کا ہر ہر ذرہ میرے پیٹ میں جا چکا ہوتا۔ موت تو تیرا مقدر بن چکی ہے بس میں تجھے مارنے کے ہاتھوں مرنے کے بجائے خود تجھے ہلاک کرتا اور تیرا گوشت کھاتا اور خون پیتا۔ تو ہی میری تباہی اور مصیبت کا سبب ہے۔ [illegible] کسی میرے جھونپڑے میں قدم رکھے گا تو مجھے بے قصور کرنا تو [illegible] اس کی جلدی زندہ جلا جاتا۔"

لیکن ایک نہ کیک [illegible] سے جاتے۔ امبالو! میں نے جتنی لقمہ [illegible] میں نے خود جتنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ تمھارے قبیلے میں کچھ لوگ [illegible] ہے جو موت کی فکر میں رکھے والے ہیں۔ تمھاری ہلاکت کی باری آنے میں ابھی بہت وقت باقی ہے۔"

"یہ تو میری قسمت تھی [illegible] سے کون بچ سکتا تھا۔" امبالو نے نحیف آواز میں [illegible] "لیکن تو کوشش سے بچتے میری ہلاکت کا سبب بن کر رہ گیا۔ میں نے تو تجھے ڈھیلا دیا تھا [illegible] کی تھی۔ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ تیرے جسم اور دماغ نے ڈھیلا دینا کی طرح کوئی پوشیدہ طور پر قبول نہیں کیا ہے۔ [illegible] تھے پہلے جھونپڑے سے [illegible] اور تجھ سے کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ اب تیری وجہ سے میں موت کے منھ میں جا رہا ہوں۔"

"لیکن امبالو!" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا "تم کو مجھ سے نفرت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ تم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا [illegible] کانوں سے سنا کہ میں نے پہلے اپنے آپ کو ہلاکت کے لیے پیش کیا [illegible] اور اس کے نتیجہ میں تین ماہ بعد تمھاری باری آئے گی۔ کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ مجھے تم سے ہمدردی ہے اور میں نے تمھیں جان بوجھ کر [illegible] کے منھ میں نہیں ڈالا؟"

"تو بڑا مکار اور ناقابلِ اعتبار شخص ہے۔" امبالو نے حقارت بھرے انداز میں کہا "مجھے تیری کسی بات کا یقین نہیں ہے۔ اس میں ضرور تیری کوئی نہ کوئی چال ہوگی۔ ممکن ہے تیرے دماغ میں کوئی [illegible] ہو اور تو یہاں سے نکل بھاگنے کے لیے میری مدد چاہتا ہو اور اسی لیے مجھے زیادہ دیر تک زندہ رکھنا چاہتا ہو۔ مگر میں تجھے صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں تیری کوئی چال کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ اگر تو نے فرار ہونے کی کوشش کی تو میں خود کتوں کو خود تیرے [illegible] دوں گا۔ جو تیری بوٹیاں کھا جائیں گے۔ مجھے تیری موت کا منظر دیکھ کر بڑی خوشی ہوگی۔"

میں سمجھ گیا کہ اس وقت اس شخص سے کسی بھی قسم کی [illegible] حاصل ہوگی کیونکہ اس کے دل و روح میں میرے خلاف نفرت کی [illegible] ہے اور یہ صحیح معنوں میں کوئی بات سمجھنے اور سمجھنے کے قابل نہیں [illegible] چنانچہ میں نے خاموشی اختیار کر لی اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ مجھے یقین تھا کہ چند دنوں کے اندر اندر میں اسے اپنا دوست بنانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

تھوڑی دیر کے بعد جھونپڑے کا دروازہ کھلا اور دو عورتیں [illegible] داخل ہوئیں۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ترنی کی جلتی ہوئی مشعل [illegible] اور [illegible] درختوں کے بڑے بڑے پتوں میں [illegible] کچھ [illegible] تھیں۔ ان کے آنے سے یوں جیسے تاریک جھونپڑے میں [illegible] جلا دیا ہو۔ [illegible] امبالو کی طرف دیکھا۔ وہ فرش پر چت لیٹا ہوا [illegible] اس کے جسم کی رگوں سے خون نہیں بہہ رہا تھا۔ یہ [illegible] اس کے جسم پر [illegible] دوا لگائی تھی جس کی [illegible] مجھے بھی طرح یاد تھا کہ اس وقت [illegible] لگ رہا تھا۔ اب نہ جانے کس طرح تبدیل اور سرسبز ہو گئی [illegible]

[illegible] ایک طرف رکھیں [illegible] کھوتیں۔ [illegible] کچھ کی گوشت [illegible] کچھ جھلسے [illegible] گوشت کا ایک بڑا سا ٹکڑا امبالو کی طرف بڑھایا [illegible] والے سے کہ [illegible] کی طرح کھانے لگا۔ پھر [illegible] نے کچھ جھلسے [illegible] گوشت میری طرف بڑھایا۔ لیکن میں اس وقت [illegible] گوشت کھانے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ لہٰذا میں نے ان سے کہہ دیا کہ میں کچھ نہیں کھاؤں گا۔

"کیا تمھیں موت کا ڈر ہے جو تم نے کھانا چھوڑ دیا ہے؟" ان [illegible]

ایک عورت نے جس کا جسم سنگِ اسود کا ٹکڑا معلوم ہوتا [illegible] مسکراتے ہوئے عجیب ادا سے مجھ سے کہا "ابھی تو تمھارے [illegible] کافی دن ہیں۔ یا تمھیں اس بات کا افسوس ہے کہ ڈھیلا کی طرح [illegible] جسم سے نکال دیا گیا!"

"نہ تو میں نے کھانا چھوڑا ہے اور نہ مجھے موت کا خوف ہے۔" [illegible] کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتے ہوئے کہا "جہاں [illegible] کی روح کا سوال ہے تو نہ تو میں نے اسے دعوت دی تھی کہ [illegible] جسم میں داخل ہو اور نہ مجھے اس کے چلے جانے کا کوئی افسوس [illegible] ہے۔ ان باتوں سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"تو پھر تم کھانا کیوں نہیں کھاتے؟" اس نے ایک بار پھر [illegible] ادائی سے بل کھاتے ہوئے کہا۔

"بتا دوں؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اب بتا بھی دو۔" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "میں تمھیں کھانا چاہتا ہوں۔" میں نے مسکرا کر [illegible]

"[illegible] جبکہ موت تمھارے سر پر کھڑی ہے اس [illegible] تمھاری سرمستی کا یہ عالم ہے۔" اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"[illegible] میں نے مختصر سا جواب دیا۔

[illegible] نے نہایت نفرت بھری نظروں سے یہ سارے منظر دیکھے [illegible] میں مجھے گالیاں بھی دیتا جا رہا تھا۔ ان دونوں عورتوں [illegible] سے روکنے کی بھی کوشش کی لیکن اس نے ان کے بے [illegible] ستم ڈھائے اور انھیں برا بھلا کہا۔

[illegible] کسی جنگلی بھینسے کی طرح مضبوط اور مستقل کیوں [illegible] ہے۔ [illegible] کے عالم میں سانپ کی طرح پھنکارتے ہوئے کہا۔ [illegible] کے عذاب سے مگر نہیں بچ سکے گا۔ بدبخت بہت [illegible] میں لکھی جا چکی ہے اور تجھے مستی سوجھ رہی ہے۔"

"[illegible] میرے نصیب میں لکھی جا چکی ہے تو پوری ہو کر رہے گی۔ [illegible] پہلے اپنے دل کی ساری حسرتیں پوری کر لوں۔" میں نے [illegible] امبالو کو جواب دیا۔ دونوں عورتیں بھی میرے [illegible] جواب [illegible]

[illegible] دل کی [illegible] امبالو نے کہا [illegible] تم لوگ [illegible] سے [illegible] بھی [illegible] تو [illegible] کیا [illegible] "امبالو کو [illegible] آواز میں [illegible] تم لوگوں [illegible] کر رہے ہو۔"

[illegible] امبالو [illegible] ان دونوں عورتوں [illegible] میں [illegible] کچھ دنوں بعد تو تمھیں ہمیشہ کے لیے [illegible] چلتے چلتے [illegible] اور [illegible] چلنے لگی۔ میں بھی اس کی [illegible] ہو گیا۔ امبالو نے نفرت بھری خونخوار نظروں سے ہم لوگوں کو دیکھا۔

وہ دونوں چلی گئیں۔ لیکن جلتی ہوئی مشعل جھونپڑے میں ہی چھوڑ گئیں۔ امبالو نے ایک بار پھر غصہ بھری نظروں سے مجھے دیکھا اور دوسری طرف کروٹ کر لی۔

ان دونوں کے جانے کے بعد ایک اور عورت جھونپڑے میں داخل ہوئی۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں مٹکیاں تھیں۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ ان آٹھ عورتوں میں سے ایک تھی جنھیں میری اور امبالو کی نگرانی کے لیے متعین کیا گیا تھا۔ اس عورت کے پیچھے پیچھے دو ہیبت ناک شکل والے خونخوار کتے بھی تھے جو مجھے اور امبالو کو کینہ توز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش نہ کرنا۔" اس عورت نے غصے بھرے لہجے میں مجھے اور امبالو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "میں ساری رات باہر موجود رہوں گی اور شکاری درندوں کے وفادار کتے میرے ساتھی ہیں۔ مجھے صرف ایک اشارہ کرنے کی دیر ہوگی اور اس کے بعد تم لوگوں کے جسموں کی بوٹیوں کا بھی پتا نہ چلے گا۔"

میں نے یا امبالو نے اس عورت کی اس دھمکی کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ چند لمحوں تک کھڑی ہمیں گھورتی رہی اور اس کے بعد خاموشی سے باہر نکل گئی۔ دونوں کتے بھی اس کے پیچھے پیچھے دُم ہلاتے ہوئے چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد مجھے نیند آ گئی۔ امبالو نے بھی اس کے بعد مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور شاید وہ سو گیا۔

چند روز کے اندر اندر امبالو کے زخم کافی ٹھیک ہو گئے۔ وہ روز اطمینان کے ساتھ چلنے پھرنے کا میری جانب اس کے عورت [illegible] تعلقات سے پُر رویہ میں بھی تک کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ [illegible] میں نے فی الحال اس سے اپنے تعلقات کو بہتر بنانے کی [illegible] کاٹنے سے [illegible] تھا۔ مجھے یقین تھا کہ جب بھی میں چاہوں گا [illegible] بنا دوست [illegible] کی کی [illegible] نہیں تھی۔ ہم لوگوں کو جھونپڑے سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ [illegible] سمجھ عورت [illegible] کے [illegible] ہو گئی [illegible] کے ساتھ [illegible] کے چاروں طرف چکر لگاتے رہتے۔ [illegible] کا [illegible] جھونپڑے سے باہر نکلنا [illegible] تھا۔ [illegible] دونوں کے لیے برتن دے کر [illegible] کھانے [illegible] میں کچا گوشت [illegible] تھے۔ [illegible] کچھ [illegible] بنا [illegible] گوشت کو [illegible] کھانے کا کیا معنی [illegible] تھا۔ امبالو [illegible] ذوق شوق سے [illegible] کھاتا تھا۔ [illegible] گوشت بھی [illegible] تھا۔

[illegible] ہفتے سے زیادہ کی مدت گزر گئی۔ ایک روز [illegible] کے وقت جبکہ امبالو اور دونوں عورتوں کے درمیان اپنا سر دبائے [illegible] بیٹھا تھا۔ میں نے اسے گدگدی [illegible] کہ [illegible]

aazzamm@yahoo.com

پڑا اور حسب معمول غیر دوستانہ اور کڑے تیور دل سے مجھے گھورنے لگا۔

"تمہارے دل میں میرے لیے نفرت کا عذاب اب بھی اسی طرح باقی ہے یا اب اس میں کوئی کمی واقع ہوئی ہے؟" میں نے دوستانہ انداز میں مسکرا کر اس سے سوال کیا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" اسپالو نے تلخی ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "میں نے تم سے نفرت کی۔ اور اب بھی میں تم سے بھرپور نفرت کرتا ہوں۔ لیکن میں نے تمہیں نقصان پہنچانے کا خیال اب دل سے نکال دیا ہے۔ میں صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے یہ کہنا چاہوں گا کہ کئی دفعہ میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ سوتے میں تمہارا گلا گھونٹ کر تمہیں ہلاک کر دوں، لیکن پھر میں نے سوچ کر میں نے اپنا ارادہ بدل ڈالا کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ اگر تم مجھ سے پہلے مر گئے اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ تمہیں ہلاک کرنے والا شخص میں خود ہوں تو نہ جانے عظیم تر اس اور نارو مجھے اس کی سزا کے طور پر کتنی اذیت دیں۔ اس لیے میں نے تمہیں چھوڑ دیا۔ ورنہ پہلے میرا پختہ ارادہ تھا کہ میں اپنے ہاتھوں سے تمہیں موت کے دروازے تک پہنچا کر دوں گا۔ مگر اب میں تمہارے قربان کیے جانے کا انتظار کروں گا۔"

"عجیب بات ہے دوست۔" میں نے مشفقانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم میری جان کے دشمن بنے بیٹھے ہو، اور میں اس بات کا فیصلہ کیے بیٹھا ہوں کہ تمہیں یہ خود کو ہرگز ہلاک نہیں ہونے دوں گا۔ ہم دونوں زندہ رہیں گے اور ضرور زندہ رہیں گے۔"

"تم نے کیا کہا؟" اسپالو نے حیرت سے پوچھا۔ "ذرا اپنی بات ایک بار پھر تو دہرانا۔"

"میں تمہیں یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ تو تم سارے جاؤ گے اور نہ میں مارا جاؤں گا۔ ہم دونوں کی تقدیر ابھی مرنے کی نہیں ہے۔ کیا سمجھے؟"

"میں ـــ میں کچھ نہیں سمجھا۔" اسپالو نے گھبراہٹ کے عالم جواب دیا۔ "بھلا شکان دیوتا اور اس کی عظیم تر اس کے حکم کو کون ٹال سکتا ہے؟ کس میں اتنی ہمت ہے عظیم ترین دیوتا شکان اور اس کی نائب تر اس کے حکم کو تبدیل کر سکے۔"

"سفلہ احمق اور بزدل انسان!" میں نے اسپالو سے سخت لہجے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا۔ "میں بہت دنوں سے تمہاری بکواس سنتے سنتے تنگ آ چکا ہوں۔ اگر تم مجھے ہلاک کرنے کا شوق رکھتے ہو تو تمہاری طرف سے پوری اجازت ہے۔ تم یہ شوق پورا کر سکتے ہو۔ میں تو صرف تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں اور اگر تمہیں اس مدد کی ضرورت نہیں تو مجھے بھی کوئی مدد کرنے کا شوق نہیں۔ تم میرے ساتھ جو چاہو سلوک کر سکتے ہو۔ میری طرف سے تم پر کوئی پابندی نہیں۔ تمہیں میرے سو جانے کا انتظار بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم جاگتے میں بھی مجھے ہلاک کر سکتے ہو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کوئی مزاحمت نہیں کروں گا۔"

میرے ان الفاظ کا اسپالو پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ میری جانب سے اس کے دل میں جو بے پناہ کدورت تھی، اس میں خاصی کمی آ گئی اور وہ مجھ سے یہ پوچھنے لگا۔ "کیا ہم دونوں کی جانیں بچ جانے کا کوئی امکان موجود ہے؟"

"میں تمہیں اس بات کا یقین دلا سکتا ہوں کہ ہم دونوں کی جانیں محفوظ رہیں گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ناممکن!" اس نے حیرت اور استعجاب میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "بھلا یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ شکان دیوتا یا اس کی نمائندہ تر اس ہمارے قصور کو معاف کر دیں گے؟ اگر تم یہ سمجھتے ہو تو یہ بات بھول جاؤ۔ ہمارے قبیلے میں معافی دینے کا رواج نہیں ہے اور جو سزا ایک بار دے دی جاتی ہے اسے واپس لیے جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس لیے تم شکان دیوتا یا تر اس سے کسی ہمدردی کی امید نہ رکھو۔"

"میں نہ شکان دیوتا یا تر اس سے ہمدردی کی امید رکھتا ہوں اور نہ ہی میں ان سے معافی مانگنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔

"تو پھر تم شاید مجھے بتانے کی کوشش کرو گے کہ تم نے یہاں سے نکل بھاگنے کا کوئی منصوبہ بنایا ہے۔ مگر ایسی کوئی بات سن لو میں ہی ہوں جاؤ۔ ایک تو یہ وقت ایک عورت ہے پر مشتمل رہتی ہے جو خطرے کی صورت میں اپنے حلق سے ایک خاص طرح کی آواز نکال کر ساری عورتوں کو متوجہ کر سکتی ہے۔ اور دوسری طرف شکان کے وفادار کتے، اجنبی اور پرایوں میں تمیز کرنا خوب جانتے ہیں۔ اگر تم نے ایک قدم بھی ان کتوں کی مرضی کے بغیر باہر نکالا تو تمہاری جانوں کی خیر نہیں ہو گی۔"

"میں نہ پہرے داری سے ڈرتا ہوں اور نہ کتوں سے۔" میں نے ایک بار پھر سکون آمیز لہجے میں کہا۔

"تو پھر شاید تمہارا مطلب یہ ہو گا کہ ان عورتوں میں سے کسی کی مدد تو جو تمہارے ساتھ ہیں۔"

"لہٰذا تم اس خام خیالی میں مبتلا ہو گئے ہو کہ یہاں کی کوئی عورت تمہیں یہاں سے نکل بھاگنے میں تمہاری مدد کرے گی یا تمہارا ساتھ دے گی تو اب سوچنا بھی مت۔ یہاں کی کوئی عورت عظیم دیوتا شکان یا اس کی نمائندہ کو ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے گی۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم نے یہ ساری باتیں ایک ایک کر کے مجھے بتا دیں۔ لیکن اب میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔ مجھے کسی کی بھی ذاتی یا جبری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جو چاہوں تو یہاں سے ابھی، اسی وقت باہر نکل جاؤں اور مجھے نہ تو پہرے دار روک سکے گی اور نہ اس کے خونخوار کتے۔ تم یہاں سمجھو کہ مجھے اپنی زندگی کے لیے کسی خطرہ کا سامنا نہیں ہے لیکن میں تمہیں پوری

بات بتانا چاہتا ہوں کہ میں تمہارے لیے فکرمند ہوں۔ میں تمہیں اپنا دوست سمجھتا ہوں کیونکہ تم میری وجہ سے مصیبت میں پڑ گئے ہو۔"

"لیکن تم نے تر اس اور نارو کی موجودگی میں اس بات سے اتفاق کیا تھا کہ تقریباً پونے تین ماہ بعد تم خود کو قربانی کے لیے پیش کرو گے۔ اس کے بعد میری باری آئے گی۔" اسپالو نے پوچھا۔

"ٹھیک کہتے ہو۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ وقت کے لیے کیا شرط طے پائی ہے۔ مجھے پہلے نارو سے کشتی لڑنی ہے۔ اگر اس نے مجھے جسمانی طور پر مغلوب کر دیا تو پھر مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ شکان دیوتا کی بھینٹ چڑھا دیا جائے گا۔"

"تو اس میں شک کی کون سی بات ہے؟" اسپالو نے کہا۔ "نارو کی ہڈی پسلی ایک کر کے پھینک دے گی اور پھر تمہارے سینے میں مرنے کے علاوہ اور چارہ ہی کیا رہے گا؟"

"لیکن فرض کرو کہ نارو مجھے شکست نہ دے سکی تو؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ موت کی قربت نے تمہارے دماغ کو بری طرح متاثر کر ڈالا ہے۔" اسپالو نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "بھلا کہاں تم اور کہاں نارو! تم تو اس کا ایک زوردار گھونسہ بھی برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ بہتر ہے کہ تم اپنی ان بے سروپا باتوں کا سلسلہ ختم کر دو اور خاموش ہو جاؤ۔"

"بس میری آخری بات اور سن لو اسپالو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر تمہارے دل میں زندہ رہنے کی واقعی کوئی امنگ موجود ہے تو پھر تو وہی کرنا جو میں کہوں۔ اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ باقی آگے تمہاری مرضی ہے۔ جو مناسب سمجھو، سو کرو۔"

اسپالو نہیں جانتا تھا کہ میری اہمیت کیا ہے اور نارو پر کیا مصیبت نازل ہونے والی ہے یہ ایک دلچسپ کھیل تھا جس کا آغاز نہ جانے کیسی کیسی دلچسپیوں کا حامل تھا۔

اس دہشت ناک سفر کے لقہ واقعات دوسرے حصے میں ملاحظہ کریں!

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

aleeraza@hotmail.com

Scanned by azam@UrduFanz.com